اورینٹل کالج میگزین

حصہ اوّل

مرتبہ

ایڈیٹر

محمد شفیع
(پروفیسر پنجاب یونیورسٹی)

فہرست مضامین

جلد ۱۶ - عدد ۲ | بابت ماہ فروری ۱۹۴۰ء | عدد مسلسل ۶۰

نوٹ :- ضمیمہ صرف عربک اینڈ پرشین سوسائٹی کے ممبروں اور خریداران ضمیمہ میں تقسیم ہوتا ہے۔

گیلانی الیکٹرک پرنٹنگ پریس میں باہتمام ہنتہ ایشر داس پرنٹر طبع ہوا اور بابو صدیق احمد خاں نے
اورینٹل کالج لاہور سے شایع کیا

اورینٹل کالج میگزین

عرض واجب

اغراض و مقاصد اس رسالے کے اجراسے غرض یہ ہے کہ احیا و ترویج علوم شرقیہ کی تحریک کو تاحد امکان تقویت دی جائے اور خصوصیت کے ساتھ ان طلبہ میں شوق تحقیق پیدا کیا جائے جو سنسکرت، عربی، فارسی اور دیسی زبانوں کے مطالعہ میں مصروف ہیں۔

کس قسم کے مضامین کا شایع کرنا مقصود ہے کوشش کی جائے گی کہ اس سلسلہ میں ایسے مضامین شایع ہوں جو مضمون نگاروں کی ذاتی تلاش و تحقیق کا نتیجہ ہوں۔ غیر زبانوں سے مفید مضامین کا ترجمہ بھی قابل قبول ہوگا اور کم ضخامت کے بعض مفید رسالے بھی باقساط شایع کئے جائینگے

رسالے کے دو حصے یہ رسالہ دو حصوں میں شایع ہوتا ہے حصۂ اول عربی فارسی پنجابی بحروف فارسی حصۂ دوم سنسکرت ہندی پنجابی بحروف گورمکھی، ہر ایک حصہ الگ الگ بھی مل سکتا ہے

وقت اشاعت و قیمت اشتراک یہ رسالہ بالفعل سال میں چار بار یعنی نومبر فروری مئی، اگست[1] میں شایع ہوگا سالانہ چندہ حصۂ اُردو کے لئے ؏ - اورینٹل کالج کے طلبہ سے چندہ داخلہ کے وقت وصول ہوگا کسی ماہی رسالہ کے نہ پہنچنے کی شکایت رسالہ شایع ہونے کی تاریخ سے ایک ماہ کے اندر دفتر میں پہنچ جانی چاہیئے۔ ورنہ ایسی شکایات پر غور نہ ہو سکے گا۔ یہ ایک ماہ کی مدت فروری مئی دستمبر اور نومبر کے آخر سے شمار کرنی چاہیئے۔

خط و کتابت و ترسیل زر خرید رسالہ کے متعلق خط و کتابت اور ترسیل زر صاحب پرنسپل اورینٹل کالج کے نام ہونی چاہیئے۔ مضامین کے متعلق جملہ مراسلات ایڈیٹر کے نام بھیجنے چاہئیں

محل فروخت یہ رسالہ اورینٹل کالج کے دفتر سے خریدا جاسکتا ہے۔

قلم تحریر حصہ اردو کی ادارت کے فرائض پرنسپل محمد شفیع ایم اے۔ اورینٹل کالج سے متعلق ہیں اور یہ حصہ ڈاکٹر محمد اقبال ایم اے پی ایچ ڈی کی اعانت سے مرتب ہوتا ہے۔

---

[1] چونکہ اگست میں کالج بند ہوتا ہے۔ اسلئے یہ نمبر مجبوراً جون یا ستمبر میں شایع ہوتا ہے۔

دیارِ عرب کے مغربی سیّاح

(سلسلہ کے لئے دیکھو یہی رسالہ بابت ماہ فروری ۱۹۳۹ء)

(۱۷) ہالیوی

(HALEVY)

مضمون ہذا کی موجودہ قسط میں ہم ہالیوی اور گلازر کا ذکر کرنا چاہتے ہیں۔ جنھوں نے جنوبی عرب خصوصاً یمن کے آثارِ قدیمہ کے انکشاف میں بیش از بیش حصہ لیا ہے۔ اثری انکشافات کی بناء پر قدیم یمن کی تاریخ، مذہب اور معاشرت کے متعلق ہمیں جو کچھ معلومات حاصل ہوئی ہیں۔ وہ زیادہ تر ان ہی عالموں کی ان تھک اور دلاورانہ کوششوں کا نتیجہ ہیں۔

اگرچہ ہالیوی اور گلازر کے زمانہ سے پہلے یمن میں اثری انکشافات کا آغاز ہو چکا تھا۔ مثلاً زیٹسن نے اپنے سفر کے دوران میں سنہ ۱۸۱۰ء میں قدیم حمیری شہر ظفار کے نواحی سے پانچ کتبوں کے چربے حاصل کئے تھے۔ اسی طرح ایک انگریز لفٹننٹ ویل سٹڈ نے سنہ ۱۸۳۴ء میں حصن الغراب کے خرابے کو دریافت کیا۔ اور وہاں سے دس سطر کا ایک کتبہ حاصل کیا تھا۔ جس پر سنہ ۶۴۰ء کندہ ہے۔ نیز ایک فرانسیسی ارنو نامی (جس کا پیشتر ذکر ہو چکا ہے) ۵۶ سبائی کتبوں کے چربے اتار کر پیرس بھیج چکا تھا۔ مگر ہالیوی اور گلازر کی تحقیقات نے یمن کے اثریات کو ایک مستحکم بنیاد پر قائم کر دیا۔ اور اس ملک کی قدیم تاریخ، مذہب اور معاشرتی و اقتصادی زندگی کو

ہمارے لئے بہت حد تک بے نقاب کر دیا +

ہالیوی کے یمن جانے کی تقریب یوں ہوئی - کہ جب پیرس میں ۱۸۶۹ء میں Corpus Inscriptionum Semiticarum یعنی مجموعۂ کتبات سامیہ کی اشاعت کی تجویز قرار پائی تو فرانس کی Academie des inscriptions. نے یوسف ہالیوی مستشرق کو (جس نے بعد میں بحیثیت ایک پروفیسر کے بہت شہرت حاصل کی) اس بات کی دعوت دی کہ وہ یمن جائے اور ان کے مجوزہ مجموعہ کے لئے کتبات فراہم کرے ٭

ہالیوی نے اکادیمی کی دعوت پر خوشی سے لبیک کہا - مگر دیار عرب کا سفر خصوصاً ایک فرنگی کے لئے کوئی آسان کام نہ تھا - کیونکہ اس سے پہلے نیبور اور دیگر مغربی سیاح عربوں کے شک و شبہ کا شکار ہو چکے تھے - اندریں حالات سفر کی کامیابی کے لئے ضروری تھا - کہ سب سے پہلے ہالیوی اپنی جان کی سلامتی کے لئے کوئی معقول انتظام کرے حسن اتفاق سے اس سے کچھ عرصہ پہلے ایک یہودی یعقوب سفیر نامی نے جنوبی عرب کا اس طرح سفر کیا تھا کہ اس نے ایک یہودی کی حیثیت سے یمن کی یہودی آبادیوں کا چکر کاٹا تھا - جو یمن کے اطراف و نواحی میں بکھری پڑی ہیں - اپنے سفر سے اس نے اس بات کو واضح کر دیا - کہ ایک یہودی کے لئے خود مختار اور آزاد قبائل کے درمیان بلا خوف و خطر سفر کرنا ممکن ہے - کیونکہ عرب قبائل اپنے علاقہ کے نہتے یہودیوں کو اتنا حقیر اور بے مایہ سمجھتے ہیں - کہ ان سے کسی قسم کا تعرض کرنا یا آزار پہنچانا مروّت سے بہت بعید سمجھتے ہیں اور اپنی مردانگی سے بہت فروتر جانتے ہیں - ہالیوی نے

عربوں کی اس روش کو اپنے مقصد کے حصول کے لئے آڑ بنایا۔ چنانچہ اس نے بھیس بدل کر اور یہودیوں کا سا لباس پہن کر اپنے آپ کو یروشلم کا ایک غریب یہودی ظاہر کیا۔ اور اس طرز سے سنہ ۱۸۷۰ء میں اس نے جنوبی عرب کے نہایت دشوار گذار حصوں کا سفر کیا۔ اور بہت سی صعوبتیں اٹھا کر اور مشکلات کا سامنا کر کے اس نے ۶۸۶ کتبوں کی نقلیں حاصل کیں۔ جن میں سے اس سے پہلے صرف پندرہ کتبوں کا علم تھا۔ ہالیوی نے ان تمام کتبوں کو مع اپنے حالات سفر کے شائع کیا۔ اور امکان بھر ان کا ترجمہ بھی کیا۔

ہالیوی کا سفر اور اس کی تحقیقات اس لحاظ سے اہم ہیں۔ کہ اس کے فراہم کردہ کتبات اور اس کی حاصل کردہ نقول سے ہمیں ایک متمدن قوم کے وجود کا پتہ چلا۔ اور ایک ایسی زبان کا علم حاصل ہوا۔ جو پہلے غیر معلوم تھی صنعاء کے شمال کی طرف ہالیوی کو بہت سے شہروں، قلعوں اور مندروں کے خرابوں کا سراغ ملا۔ جن میں سے اکثر بلند مقامات پر حصاروں کے اندر واقع تھے۔ جیسا کہ کتبات سے پتہ چلتا ہے۔ یہ معین کی سلطنت کے آثار تھے اور کتبات کی زبان معینی تھی۔ ہالیوی سے پہلے اکثر دریافت شدہ کتبوں کی زبان سبائی تھی اور وہ اہل سبا کی سلطنت اور ان کی شان و شوکت پر دلالت کرتے تھے۔ یا بعض حضرمی زبان میں تھے۔ ہالیوی نے تین چار مختلف شہروں کا سراغ پایا۔ جن میں سے قرنا اور معین سب سے زیادہ وقیع ہیں۔ اس نے ان تمام مواقع پر بڑی بڑی دیواروں، مندروں اور برجوں کے آثار پائے اور ان کتبوں کو پڑھا جو ان پر منقوش تھے۔ ان کتبوں سے نہ صرف جنوبی عرب کی سامی زبان کی ایک نئی شاخ کا علم حاصل ہوا۔ بلکہ ان کی مدد سے وہاں کے قدیم باشندوں کی مذہبی اور اقتصادی زندگی کے

بہت سے دلچسپ پہلو روز روشن میں آئے ۔
ہالیوی کے حالاتِ سفر اور معینی کتبات سے متعلقہ تحقیقات یورنل ازیاتیک (پیرس) میں شایع ہو چکے ہیں ۔

(۱۸) گلازر

(GLASER)

جن ایام میں ہالیوی مصروفِ سفر تھا۔ یمن کے سیاسی حالات میں ایسا تغیر پیدا ہوا۔ جس سے وہاں کے آثار کے مطالعہ میں بہت کچھ آسانی پیدا ہو گئی۔ یعنی جب نہر سویز کے کھلنے سے ترکوں کے لئے بحری راستہ سے فوج کشی میں آسانی ہو گئی۔ تو یمن پر ترکی سیادت ازسرِ نو قایم ہو گئی۔ اگرچہ ترکوں نے وہاں کے آثار قدیمہ کے اکتشاف اور مطالعہ میں خود اقدام نہیں کیا۔ مگر ان کی موجودگی سے بیرونی سیاحوں کا جان و مال پیشتر کی نسبت زیادہ محفوظ ہو گیا ۔

چنانچہ جب ۱۸۸۰ئہ میں پیرس کی اکاڈیمی نے آسٹرین عربی دان ایڈورڈ گلازر کو یمن جانے اور کتبات یا ان کی نقول حاصل کرنے کے لئے مقرر کیا تو گلازر نے یمن میں ترکوں کی موجودگی سے خوب فائدہ اٹھایا اور یمن کے طول و عرض میں متعدد سفر اختیار کر کے علاوہ دیگر تحقیقات کے کئی ہزار کتبوں کی نقلیں حاصل کیں اور اس طریق سے قدیم عرب کے متعلق ہمارے علم میں بیش بہا اضافہ کیا ۔

گلازر مذہباً یہودی اور قومیت کے لحاظ سے آسٹرین تھا۔ اور وآنا کی شاہی رصدگاہ میں منجم تھا۔ جب پیرس کی اکاڈمی نے اس کو یمن میں

علمی سفر اختیار کرنے کی دعوت دی۔ تو اس نے پہلے متمدن عربی مراکز یعنی تونس اور مصر کا رخ کیا۔ اور کچھ عرصہ وہاں بود و باش اختیار کر کے عربی زبان اور عربی رسوم و آداب کا تجربہ حاصل کیا اور بعد ازاں ۱۸۸۲ء میں صنعاء میں داخل ہوا ۔

گلازر کا پہلا سفر ۱۸۸۲ء سے ۱۸۸۴ء تک جاری رہا۔ اس دوران میں اس نے شمالی یمن کا تین دفعہ چکر لگایا اور ہمدان، شبام کوکبان اور عمران وغیرہا علاقوں کے آثار کو دیکھا اور وہاں کے کتبات کی نقول حاصل کیں ۔ قبائل ارحاب اور حاشد کے علاقوں میں بھی اسے جانے کا اتفاق ہوا اور اس کی یوں صورت پیدا ہوئی کہ حاشد اور بکیل کے قبیلوں میں مدت سے جنگ چھڑی ہوئی تھی۔ گلازر نے ترکی حاکم کو ترغیب دی کہ وہ اسے متحارب قبیلوں کے درمیان صلح کرانے کے لئے بھیجے۔ چنانچہ اس ترکیب سے گلازر کو حاشد اور ارحاب کے علاقوں میں جانے کا موقعہ ملا۔ اور وہ سبائی زبان کے کئی ایک کتبے حاصل کرنے میں کامیاب ہُوا ۔

۱۸۸۵ء میں اس نے دوبارہ یمن کا رُخ کیا۔ اس دفعہ اس نے صنعاء اور عدن کے درمیانی علاقہ کو دیکھا بھالا۔ اور کئی قدیم شہروں کا کھوج نکالا جن کا ہمدانی نے ذکر کیا تھا۔ ان میں سب سے زیادہ قابلِ ذکر ظفار ہے جو حمیر کا مرکز تھا۔ اس سفر میں گلازر نے علاقہ جوف (یمن) سے ۲۷ اصل کتبات حاصل کئے۔ جن میں سے اکثر عبادات اور نذر و نیاز کے مضمون پر مشتمل ہیں۔ یہ کتبے برٹش میوزیم کے لئے خرید لئے گئے۔ ان کے علاوہ گلازر دیگر مختلف کتبوں کی ایک سو پچاس نقلیں اپنے ساتھ لایا ۔

تیسرے سفر میں (۱۸۸۸ء-۱۸۸۹ء) گلازر کا منزلِ مقصود مأرب تھا۔ جو

سبأ کا دارالحکومت تھا۔ اس کے خرابے کا جانے وقوع صنعاء کے مشرق کی طرف ہے۔ اس خطرناک علاقے میں جانے سے پہلے گلازر نے ایک عرب فقیہ کا بھیس بدلا اور چند ایک عربوں کے ہمراہ تقریباً چھ ہفتے اس کے گرد و نواح میں بسر کئے۔ شہر مأرب کے نزدیک گلازر نے قدیم نہروں اور سدّوں کے خاکے اور نقشے تیار کئے اور جو کتبے وہاں ملے ان کی نقلیں حاصل کیں۔ اور القمر (چاند) کے مندر کی پیمایش کی جس کا دور تقریباً تین سو قدم تھا۔ یہاں بھی گلازر کو کئی ایک کتبے ملے۔ اور مأرب کے نواحی سے دیگر مختلف قسم کے آثار مثل سکّے۔ زیورات و جواہر اور بت حاصل کئے۔ یہ تمام ذخیرہ برلن کے عجائب خانہ میں محفوظ ہے اور ان تمام آثار کی فہرست بھی شایع ہو چکی ہے۔ کتبوں کی نقول جن کی تعداد تقریباً چار سو ہے۔ تاحال تمام شایع نہیں ہو سکیں۔

اس کے بعد گلازر نے چند سال یورپ میں بسر کئے۔ اور علمی تحقیقات میں مصروف رہا۔ خصوصاً ان کتبات کے مطالعہ میں جو اس نے خود جمع کئے تھے۔

اس کے بعد ۱۸۹۲ئہ میں پراگ اکاڈمی کی امداد سے اس نے پھر جنوبی عرب کا سفر اختیار کیا۔ مگر اس دفعہ یمن کے سیاسی حالات علمی سیر و سیاحت کے موافق نہ تھے۔ کیونکہ ہر طرف عرب قبائل نے ترکوں کے خلاف شورش برپا کر رکھی تھی۔ ان حالات میں صنعاء کے باہر سفر کرنا قریب قریب ناممکن تھا۔ اس لئے گلازر نے کتبوں کی نقلیں حاصل کرنے کی ایک اور ترکیب اختیار کی اور وہ یہ کہ اس نے چند عربوں کو کتبوں کے چربے اتارنے کا طریقہ سکھا دیا اور ان کو صنعاء کے گرد و نواحی میں

چاروں طرف کتبوں کی تلاش میں بھیج دیا۔ جب عرب نقلیں لے کر واپس لوٹتے تو ان کو فی نقل ایک اشرفی کے حساب سے انعام دیتا۔ اس طریق کار نے حیرت ناک نتائج پیدا کئے۔ کیونکہ عرب لوگ انعام کی لالچ سے خطرات جنگ کی پروا نہ کرتے ہوئے ایسے ویران اور بھیانک کھنڈروں میں جا پہنچے جہاں اس وقت تک کسی مغربی سیاح کا گذر نہیں ہوا تھا۔ اس طرح سے اس نے جوف یمن کے نواحی سے بہت سے کتبات حاصل کئے۔ جن میں سے سب سے زیادہ قابل ذکر صرواح کا کتبہ ہے۔ جو تقریباً ایک ہزار الفاظ پر مشتمل ہے اور سبأ کے نہایت قدیم عہد سے تعلق رکھتا ہے۔ ان کے علاوہ اسے ایک سو کتبے ایسے دستیاب ہوئے جو قتبان کی سلطنت سے متعلق تھے۔ یہ پہلی شہادت ہے جو آثار قدیمہ کے ذریعہ سے قتبان کی مملکت کے وجود پر علماء کے ہاتھ آئی ۔

قدیم عبرانی، یونانی اور رومی مصنفوں نے جنوبی عرب کی چار قدیم سلطنتوں کا ذکر کیا ہے یعنی معین، سبأ، حضرموت اور قتبان کی سلطنتیں۔ گلازر سے پہلے صرف پہلی تین مملکتوں سے متعلقہ کتبے حاصل ہوئے تھے۔ مگر گلازر نے اپنے چوتھے سفر میں جو کتبے فراہم کئے اُن سے قتبان کی سلطنت کے وجود پر قطعی شہادت دستیاب ہو گئی۔ اور ان سے اس سلطنت کا جائے وقوع، اور اس عہد کی زبان، مذہب اور تمدن، یہ تمام امور اچانک طور پر روز روشن میں آ گئے ۔

ان کتبوں کے علاوہ اس سفر میں گلازر نے چالیس حجری کتبے۔ متعدد بُت، قدیم سکے اور دیگر قیمتی آثار حاصل کئے جو واٹنا کے عجائب خانہ کے لئے خرید لئے گئے ۔

ہالیوی، گلازر اور دیگر عالموں اور سیاحوں نے جو آثارِ قدیمہ فراہم کئے۔ اُن کی اہمیت اس بات میں مُضمر ہے کہ جنوبی عرب کی تاریخ جو اب تک پردۂ تاریکی میں مستور تھی یا افسانوں کی صورت میں مسخ ہو چکی تھی۔ معاصرانہ آثار اور شواہد کی مدد سے بہت حد تک روزِ روشن میں آگئی۔ اگرچہ اس میدان میں ابھی بہت سعی و عمل کی گنجایش ہے۔ تاہم جنوبی عرب کی قدیم سیاسی تاریخ اور اس عہد کی مذہبی اور اقتصادی زندگی کا ایک قابلِ اعتماد خاکہ تیار ہو چکا ہے۔ جس کو بعد میں اضافہ کرکے زیادہ مکمل بنایا جا سکتا ہے۔

عنایت اللہ
از مُلتان

تنظیم دولت ساسانی

ذیل کا مضمون مشہور مصنف آرتھر کرسٹنسن (Arther Christenson) کی فرانسیسی کتاب "ایران در عہد بنی ساسان" کے باب دوم کا ترجمہ ہے۔ پوری کتاب کا ترجمہ پروفیسر محمد اقبال صاحب نے اردو میں کر دیا ہے اسلئے کہ اس موضوع پر اردو میں کوئی قابل ذکر کتاب موجود نہ تھی۔ کتاب انجمن ترقی اردو کی طرف سے طبع ہو کر شائع ہوگی۔ بالفعل صرف یہ ایک باب جناب مترجم کی عنایت سے ہدیۂ ناظرین ہے۔ (ایڈیٹر)

دولت ساسانی کی خصوصیات۔ سیاسی اور معاشرتی جماعت بندی۔ مرکزی حکومت کا نظم و نسق۔ وزیر اعظم۔ مذہب۔ مالیات۔ صنعت و حرفت، تجارت و ذرائع آمد و رفت۔ فوج۔ وزرائے سلطنت۔ صوبوں کی حکومت۔

رومن مؤرخوں نے اس تغیر کی اہمیت کو بخوبی نہیں سمجھا۔ جو نئے شاہی خاندان کی آمد سے پیدا ہوا۔ ڈیون کاسیوس اور ہیروڈین نے محض چند الفاظ میں اُس فتح کا ذکر کیا ہے۔ جو اردشیر نے اردوان پر حاصل کی، رومیوں نے اتنا تو اندازہ کر لیا کہ نئی سلطنت پرانی کی نسبت زیادہ طاقتور اور لہذا رومن امپائر کی مشرقی سرحد کے امن کے لئے زیادہ خطرناک ہے۔ لیکن وہ یہ نہ سمجھ سکے۔ کہ نئی سلطنت

ف یہ کتاب کوپن ہیگن L'Iran sous les Sassanides میں ۱۹۳۶ء میں شائع ہوئی۔

پہلی سے اصولاً مختلف ہے یا دوسرے لفظوں میں یہ کہ وہ ایک ارتقا سے سلطانی کی آخری منزل ہے جو اشکانیوں کی غیر منظم سلطنت میں یونانیت کی سطح کے نیچے جاری تھا۔ یونانی عناصر میں سے بعض کو تو ایرانی تنظیم نے نکال کر پھینک دیا۔ بعض کو جذب کر لیا اور بعض کی ہیئت کو بدل دیا۔ جس زمانے میں اردشیر نے عنانِ حکومت کو ہاتھ میں لیا اس وقت ایرانی دنیا ایک متحدہ قوم کی صورت میں نظر آنے لگی تھی اور اس اتحادِ قومی کے آثار تمام ذہنی اور معاشرتی حلقوں میں دن بدن زیادہ نمایاں ہوتے چلے جاتے تھے ۔

غرض یہ کہ تغیرِ خاندانِ شاہی محض ایک سیاسی واقعہ نہ تھا۔ بلکہ وہ کشورِ ایران میں ایک نئی روح کے پیدا ہونے کا اعلان تھا۔ دولتِ ساسانی کی دو بڑی امتیازی خصوصیتیں تھیں۔ ایک تو شدید مرکزیت اور دوسرے حکومتی مذہب کی پیدائش ، اگر پہلی خصوصیت کے متعلق ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ عہد داریوشِ اوّل کی روایات کا احیاء تھا تو دوسری خصوصیّت بالکل نئی ایجاد تھی۔ لیکن وہ ایک تدریجی ارتقا کا نتیجہ تھی ٹھیک جیسا کہ تیرہ سو سال بعد شیعیت کا مذہبِ حکومت قرار پانا اسی قسم کے ارتقا کا نتیجہ تھا ۔

اردشیر کا خاندان چار سو سال تک برسرِ حکومت رہا۔ اس طویل عرصے میں سلطنت ساسانی کے اندر عوام الناس کی زندگی اور نظامِ حکومت میں بے شک مختلف قسم کی تبدیلیاں ہوئیں[1]۔ لیکن معاشرت اور حکومت کی جس عمارت کی تعمیر یا تکمیل بانیٔ خاندانِ ساسانی نے کی وہ اپنی مجموعی ہیئت میں آخر تک اُسی طرح قایم رہی ۔

اوستائے جدید میں سوسائٹی کے تین طبقوں کا ذکر ہے یعنی (۱) علماء مذہب

---

[1] ان تبدیلیوں کی تفصیل ہم مناسب جگہوں پر سیاسی واقعات کے ساتھ ساتھ بیان کرتے جائیں گے۔

(آذرَوان)، (۲) سپاہی (رَثَ‌ایشتر)، (۳) زراعت پیشہ (واسترِیوفشُوینت)[1]، سوسائٹی کی یہ تقسیم بہت قدیم زمانے سے چلی آتی ہے۔ یاسنا میں[2] صرف ایک جگہ ایک چوتھے طبقے کا ذکر آیا ہے یعنی اہل حرفہ (ہُوئِتی)، ساسانیوں کے زمانے میں یہ تقسیم نئی طرح سے دیکھنے میں آتی ہے جس میں چار طبقے بنائے گئے ہیں۔ تیسرا طبقہ دبیروں یعنی عمّال سلطنت کا ہے اور چوتھے میں زراعت پیشہ اور اہلِ حرفہ شامل ہیں، سوسائٹی کی یہ نئی جماعت بندی سیاسی صورتِ حالات کے ماتحت عمل میں آئی۔ عہد ساسانی میں وہی چار طبقے حسب ذیل تھے:۔(۱) علماء مذہب (آذرَوان)، (۲) سپاہی (آرتیشتاران)، (۳) عمّال حکومت (دِبہیران یعنی دبیران)، (۴) عوام الناس جن میں زراعت پیشہ (واستریوشان) اور اہل حرفہ اور تاجر (ہُتُخشان) شامل تھے[3]۔

---

[1] بین وِنست (Benveniste): "روایت اوستا کی رُو سے معاشرتی جماعت بندی" (مجلّہ آسیائی . J. A ۱۹۳۲ء ص ۱۱۸ بعد)، [2] ۱۹، ۱۷۔ [3] دیکھو نامۂ تنسر (طبع ڈارمیسٹیٹر ص ۲۱۴، طبع مینوی ص ۱۲)، ڈارمسٹیٹر کو یہ غلط شبہ ہوا ہے کہ دبیروں کا طبقۂ سوم قرار پانا غالباً نامۂ تنسر کے کسی مترجم (عربی یا فارسی) کی غلطی سے ہوا ہے، اوّل تو اس طبقہ بندی کی تائید نامۂ تنسر کے ایک اور مقام سے ہوتی ہے (ڈارمسٹیٹر ص ۲۱۵، مینوی ص ۱۴) جہاں یہ لکھا ہے کہ اگر ایک شخص سوسائٹی کے چوتھے طبقے میں ہو تو اس کو مستثنیٰ طور پر ترقی دے کر اوپر کے کسی طبقے میں لایا جا سکتا ہے بشرطیکہ وہ یا تو عمدہ اخلاق اور اطاعت میں ممتاز ہو (جو علماء مذہب کا خاصہ ہے) یا طاقت و شجاعت میں یکتا ہو (جو سپاہیوں کی امتیازی خصوصیت ہے) یا قابلیت، قوتِ حافظہ اور ذہانت میں بے مثل ہو اور یہ خصوصیتیں وہ ہیں جن کی توقع زراعت پیشہ لوگوں کی نسبت دبیروں سے زیادہ کی جائے گی، اور پھر یہ تقسیم اس امر کے ساتھ بھی مطابقت رکھتی ہے کہ کواذ اوّل اور خسرو اوّل کے زمانے سے پہلے بادشاہ کا انتخاب موبذ موبدان، سالار سپاہ اور دبیروں کی مرضی پر ہوتا تھا یعنی پہلے تین طبقوں کے رؤسا کی رائے سے۔ (بقیہ بر صفحہ ۱۴)

ان میں سے ہر ایک طبقہ کئی کئی جماعتوں میں منقسم تھا، طبقۂ علماء مذہب میں سب سے پہلی جماعت قضاۃ کی تھی جو دادوَر کہلاتے تھے، ان سے اتر کر پیشوایانِ مذہب تھے جن میں سب سے نیچے کا درجہ مُغوں کا تھا جو تعداد میں سب سے زیادہ تھے، پھر ایک جماعت موبدوں کی تھی اور ایک ہیربدوں کی اور ان کے علاوہ اور کئی مختلف جماعتیں تھیں جن کے مختلف وظائف تھے مثلاً دستوران یا دستوران (یعنی انسپکٹران) اور مغان اندرزبد (معلّمین وغیرہ)، سپاہیوں کا طبقہ سوار اور پیادہ جماعتوں میں منقسم تھا جن میں سے ہر ایک کے مدارج اور وظائف معیّن تھے۔ عمّال حکومت یا دبیروں کے طبقے میں مصنفین، محاسبین، نقل نویس، مسکات کے محرّر، تذکرہ نگار، وغیرہم شامل تھے، ان کے علاوہ اطبّاء، شعراء اور منجّمین بھی اسی طبقے میں شمار ہوتے تھے، نچلے طبقے کے لوگوں میں کسان، تاجر اور باقی تمام پیشہ ور تھے[1]۔

ہر ایک طبقے کا ایک رئیس ہوتا تھا۔ علماء مذہب کا رئیس موبدان موبد کہلاتا تھا

(بقیہ حاشیۂ صفحہ ۱۳) (دیکھو نامۂ تنسر طبع ڈارمسٹیٹر ص ۲۳۹، مینوی ص ۳۸ ببعد)، علاوہ اسکے مسعودی نے کتاب التنبیہ (ص ۱۰۳) میں سلطنت ساسانی کے سب سے اونچے عہدہ داروں کے نام لئے ہیں۔ جن میں ایک تو وزیر اعظم (وُزُرگ فرمادار) ہے اور باقی چار یہ ہیں: (۱) موبد، (۲) سپاہ بد، (۳) دبیربد، (۴) ہُتُخش بد (یعنی رئیس اہل حرفہ، جس کو "واستریوش بد" (یعنی رئیس اہل فلاحت) بھی کہا جاتا تھا) مسعودی کا یہ بیان، نامۂ تنسر کے ساتھ بالکل مطابقت رکھتا ہے، جاحظ کی کتاب التاج" (طبع مصر ص ۲۵) کی رو سے اردشیر اوّل نے لوگوں کی چار جماعتیں قائم کیں: (۱) خاندانِ شاہی کے فوجی شہسوار، (۲) موبدان و ہیربدان (جو آتشکدہ کی خدمت پر مامور ہوتے تھے) (۳) اطبّاء و دبیران و منجّمین (۴) اہل زراعت و حرفت،

(حاشیہ صفحہ ہٰذا) [1] نامۂ تنسر،

فوج کا رئیس اعلےٰ ایران سپاہ بد تھا، دبیروں کا رئیس ایران دبیربد (جس کا دوسرا نام دبیران مہشت تھا)، چوتھے طبقے کا رئیس واستریوشان سالار تھا جس کو واستریوش بد بھی کہتے تھے، ہر ایک رئیس کے ماتحت ایک ناظر ہوتا تھا جس کا کام اپنے طبقے کی مردم شماری کرنا تھا، اور ایک انسپکٹر جو ہر شخص کی آمدنی کے متعلق تحقیقات کرتا تھا[1]، پھر ایک معلم (اندرزبد) ہوتا تھا، جس کا فرض یہ تھا کہ "ہر شخص کو بچپن سے کسی پیشے یا فن کی تعلیم دے۔ تاکہ اس کو تحصیل معاش میں آسانی ہو"[2]

ساسانیوں کے ابتدائی عہد میں سوسائٹی کی ایک اور تقسیم یا جماعت بندی دیکھنے میں آتی ہے جو بلاشبہ اشکانیوں کے زمانے کی یادگار ہوگی، یہ تقسیم ہم کو حاجی آباد کے کتبے سے معلوم ہوئی ہے جو دو زبانوں میں لکھا ہوا ہے[3]۔ اس میں شاپور اول نے اپنی تیر اندازی کے اس شہور کرتب کا حال لکھوایا ہے جو اس نے شہرداران (شاہزادگان سلطنت)[4] و واسپہران (رؤسا یا افراد خانوادہائے بزرگ) و وزرگان (امراء)، و آزادان (نجباء)، کی موجودگی میں دکھایا تھا[5] اس

---

[1] نامۂ تنسر، مینوی کی اڈیشن میں "دخل" (آمدنی) کی بجائے "دخل" ہے، [2] ایضاً، طبع ڈارمسٹیٹر ص ۲۱۷-۲۱۸، مینوی ص ۱۵، [3] یعنی اشکانی پہلوی اور ساسانی پہلوی [4] شہرداران (جس کی قدیم تاریخی املا شتردار ہے اور عہد ساسانی کے آخر میں اس کا تلفظ غالباً شہریاران تھا) اور واسپہران اشکانی پہلوی کے الفاظ ہیں۔ "واسپہر" جو آرامی ہزوارش میں بار بیتیا (بمعنی ابن البیت) ہے ویسپہر (بمعنی فرزند قبیلہ) کی ایک مختلف شکل ہے، ہخامنشیوں کے عہد میں بھی ہم کو بزبان آرامی "بنی بیتیا" (بنو البیت) کی اصطلاح ملتی ہے، ویسپہر اور واسپہر دونوں ارمنی زبان میں بطور الفاظ دخیل موجود ہیں بشرطیکہ ارمنی لفظ سپوہ واقعی وہی ایرانی لفظ ویسپہر ہے۔ لفظ واسپہر ایک ارمنی صوبے واسپرکان کے نام میں موجود ہے، دیکھو نولدکہ، ترجمۂ طبری ص ۵۰۱، نیز ہین ونست: "تبصرۂ مطالعات ارمنی" ج ۹ ص ۹-۱۰، وہر تسفلٹ: پای کلی (فرہنگ نمبر ۳۰)۔

تقسیم میں (جس میں سوسائٹی کی صرف ممتاز جماعتوں کا ذکر ہے) اور مذکورہ بالا تقسیم میں جو تعلق ہے۔ اس کو ہم صحیح طور پر معین نہیں کر سکتے، معاشرتی طبقات کی تقسیم ہمیشہ ایک ہی نہیں رہی اور خلاصہ یہ ہے۔ کہ سوسائٹی کی مختلف جماعتوں کی ترتیب ایک بہت پیچیدہ مسئلہ ہے۔

اس معاشرتی اور سیاسی طبقہ بندی میں جو الجھن اور بدیہی تناقض ہے وہ منطقیاً نتیجہ ہے اس خاص اصول ثنویت کا جو اشکانیوں کے نظام حکومت میں ملحوظ تھا اور جو ساسانیوں کو ورثے میں ملا یعنی اصول جاگیرداری (یا منصبداری) اور استبداد، انہی دو عنصروں کا تناقض ہے جو امتیازی خصوصیت ہے اُس معاشرتی اور سیاسی ارتقا کی جو اردشیر بابگان کے زمانے سے خسرو کے زمانے تک چلتا رہا۔

شہرداران دولت ساسانی میں طبقۂ اوّل کے افراد شاہ کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔ جس کی وجہ سے بادشاہ ایران کا شہنشاہ کہلانا بجا تھا، اس طبقے میں سب سے پہلے تو وہ شاہان ماتحت شامل تھے۔ جو سلطنت کی سرحدوں پر حکومت کرتے تھے، دوسرے وہ چھوٹے چھوٹے بادشاہ جنہوں نے اپنے آپ کو شاہ ایران کی پناہ میں دے رکھا تھا اور اس کے عوض میں شہنشاہ نے ان کے لئے اور ان کے جانشینوں کے لئے ان کی ریاست کی حفاظت کا ذمہ لے رکھا تھا۔ شرط یہ تھی کہ جب شہنشاہ کو ضرورت پڑے تو وہ اپنی افواج کو اس کے اختیار میں دے دیں اور شاید کچھ خراج بھی ادا کریں۔ نامۂ تنسر میں ذیل کے الفاظ اردشیر کی زبان سے ادا کئے گئے ہیں[۱]: "ہم ہرگز شاہ کا لقب ان لوگوں کے نام سے علیحدہ نہیں کریں گے جو ہمارے حضور میں حاضر ہو کر

---

[۱] طبع ڈارمسٹیٹر ص ۲۱۰، طبع مینوی ص ۹،

فرماں برداری کا اظہار کریں گے اور جادۂ اطاعت پر گامزن رہیں گے۔ ان شاہان ماتحت میں حیرہ کے عرب بادشاہ بھی شمار ہوتے تھے۔[۱] مؤرخ امیان مارسلینوس نے شاپور دوم کے ملتزمین رکاب میں شاہ چینوئیت اور شاہ البان کا بھی نام لیا ہے۔[۲] میسوپوٹیمیا میں ایک بادشاہ تُولر د (؟) نام شاپور ثانی کا باجگذار تھا۔ جس کے بچوں کے ایرانی نام تھے۔[۳] پاکی گلی کے کتبے میں جو لفظ سترپ ملتا ہے تو اس سے قوم ساکا کا کشترپ (فرماں روا) مراد[۴] ہے کہ وہ بھی شہنشاہ کا باجگذار تھا۔ تسلط ساسانی کے آغاز میں آرمینیہ جہاں کے بادشاہ اشکانی الاصل تھے شاہ ایران کے ماتحت تھا اور وہاں کا اور گرجستان کا عامل سرحد اس وقت تک "بذخش" کے لقب سے ملقب[۵] تھا۔ لیکن ۴۳۰ء میں آرمینیہ سلطنت ایران کا ایک صوبہ بن گیا اور وہاں کی حکومت ایک مرزبان کے سپرد کر دی گئی۔

ساسانیوں نے سلطنت کی قدیم تقسیم کو اس طرح قائم رکھا کہ چار سرحدی صوبے اُسی طرح رہنے دئے، پانچویں صدی کے شروع سے ہم دیکھتے ہیں کہ ان سرحدی صوبوں کے حاکم مرزبان کہلانے لگے تھے۔ ان چاروں مرزبانوں کا

---

[۱] بحرین جو شاپور ثانی کے زمانے سے سلطنت ایران میں شامل ہو گیا تھا۔ ایک امیر کے زیر حکومت تھا جس کو حیرہ کا بادشاہ نامزد کرتا تھا، لیکن عہد ساسانی کے آخری زمانے میں ایک بڑا ایرانی افسر اس امیر کی نگرانی کے لیے موجود رہنے لگا تھا۔ (روٹ شٹائن ص ۱۳۱) [۲] باب ۱۸، ۶، ۲۲، چینوئیت سے مراد قوم ہون (...) ہے، البان جن کے نام پر آرمینیہ کے مشرق میں ایک چھوٹا سا صوبہ البانیا ہے۔ (مترجم)۔ [۳] ہوفمن: "اقتباسات"، ص ۱۰۔ [۴] ہرتسفلٹ: پاکی گلی (فرہنگ نمبر ۱۰۰۲، [۵] دیکھو اوپر ۔ زبان گرجی میں لفظ بذخش کی مختلف شکلیں یہ ہیں، پتی اخش، پتی اخش، پتی اشخ۔ یونانی میں، پتی اکسس، پتوکسس، سریانی میں، اپتخشا، دیکھو فرہنگ پاکی گلی نمبر ۱۴۱۲، ۷۸۱)

رتبہ وہی تھا جو اُن شاہی خاندانوں کا تھا جن کا اوپر ذکر ہوا اور انہی کی طرح وہ شاہ کہلاتے تھے[1]۔

یہی رتبہ صوبوں کے ان گورنروں کا تھا جو شاہی خاندان سے ہوتے تھے، قدیم دستور کے مطابق بادشاہ کے بیٹے گورنر بنائے جاتے تھے خصوصاً وہ بیٹے جنہیں یہ امید ہو سکتی تھی کہ شاید آئندہ کسی دن وہ تختِ شاہی پر جلوہ افروز ہوں۔ اُن کے لئے یہ ضروری تھا کہ وہ کسی صوبے کی حکومت پر مامور رہ کر فرائض شاہی کی تربیت حاصل کریں، شاپور اول کے دو بھائی اردشیر اور پیروز علی الترتیب کرمان اور کوشان کے گورنر تھے۔ مؤخر الذکر کا لقب "شاہ بزرگ کوشان"[2] تھا۔ شاہان ساسانی میں سے شاپور اول، ہرمزد اول، بہرام اول اور بہرام دوم اپنی تخت نشینی سے پہلے خراسان کی گورنری اور کوشان کی بادشاہی پر مامور رہ چکے تھے[3]۔ بہرام سوم سیستان کا گورنر رہ چکا تھا اور سگانشاہ (یعنی شاہ سگستان = سیستان) کے لقب سے ملقب تھا، اردشیر دوم ایڈیابین کا حاکم تھا، بہرام چہارم کرمان کی حکومت پر مامور رہا تھا اور کرمانشاہ کہلاتا تھا۔ ہرمزد سوم بھی سیستان کا گورنر تھا اور سگانشاہ کا لقب رکھتا تھا۔ امراء نے جب بہرام پنجم کو تخت سے محروم کرنا چاہا تو انہوں نے یہی عذر پیش کیا تھا کہ وہ کبھی کسی صوبے کی حکومت پر مامور نہیں رہا اور لہذا اس کی قابلیت کا حال کسی کو معلوم نہیں[4]،

---

[1] مرزبانوں کے متعلق دیکھو اس باب کے آخر میں جہاں صوبوں کی حکومت پر بحث ہے۔ [2] ہرسفلڈ: پاے کلی (فرہنگ۔ نمبر ۱۱۸)، شاپور کا ایک تیسرا بھائی مہرشاہ بھی تھا جو میسین کا بادشاہ تھا، اس کا ذکر مانوی کتابوں کے اجزا میں ملتا ہے۔ [3] پاے کلی (ص ۴۱، ۴۵، ۴۷، ۴۸)، نیز دیکھو آرکیولوجیکل سروے آف انڈیا۔ نمبر ۳۸۔ "مسکوکات کوشانی ساسانی" [4] ان کے علاوہ اور القاب جو لفظ شاہ کے ساتھ مرکب ہیں پاے کلی میں مذکور ہیں (فرہنگ۔ نمبر ۶۳۲)، [5] طبری ص ۸۵۸،

لیکن انتظام امور سیاسی کی مصلحت سے ان شاہزادوں کو گورنری کے حقوق موروثی طور پر نہیں دیئے جاتے تھے[۱]، یہ بھی ضروری تھا کہ بہبودی سلطنت کا جو تقاضا ہو اس کے مطابق بادشاہ ان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ بدلتا رہے ان شاہزادوں کے لئے اور مرزبانوں کے لئے شاہ کا لقب سوائے اس کے کچھ معنی نہیں رکھتا تھا کہ اس کے ذریعے سے ان کو سوسائٹی کے سب سے اونچے طبقے کی صفِ اوّل میں جگہ پانے کا حق حاصل ہو جاتا تھا،

شاہزادوں پر یہ واجب تھا کہ نوبت بنوبت دربار شاہی میں حاضر ہو کر اپنا فرض اطاعت بجالائیں[۲]۔ لیکن دربار میں معین طور پہ ان کا کوئی عہدہ نہ ہو "کیونکہ اگر وہ دربار میں عہدوں کے دعویدار ہونے لگیں گے تو باہمی جھگڑوں، لڑائیوں، مخاصمتوں اور سازشوں میں مبتلا ہوں گے۔ جس سے ان کا وقار جاتا رہے گا اور لوگوں کی نظروں میں ذلیل ہوں گے"[۳]

واسپہران ساسانیوں کو نظامِ منصبداری اشکانیوں سے ورثے میں ملا تھا لہٰذا اردشیر کی نئی سلطنت میں مراتب کی ترتیب میں رُوسائے طوایف کی طاقتور جماعت کو دوسرا درجہ حاصل تھا۔ جن میں سب سے آگے سات ممتاز خاندان تھے[۴]۔ ان میں کم سے کم تین ایسے تھے جو پارتھیوں (اشکانیوں) کے زمانے میں بھی عالی درجہ رکھتے تھے۔ یعنی خاندان قارَن (قارن)، خاندان سُورِن

[۱] نامۂ تنسر ص ۲۱۰، طبع مینوی ص ۱۰، [۲] نامۂ تنسر طبع ڈارمسٹیٹر ص ۲۱۰، طبع مینوی ص ۱۰۔ یہ امر قابل توجہ ہے کہ "شہرداران" شاپور اول کی تیر اندازی کی رسم پر بھی حاضر تھے، [۳] نامۂ تنسر، [۴] دیکھو اوپر ، نولدکہ، ترجمۂ طبری ص ۴۳۷۔ ان سات خاندانوں کے ممبروں کو ایران کے مانند تاج پہننے کا حق حاصل تھا کیونکہ وہ از روی نژاد شاہان ایران کے ہم پلّہ تھے۔ صرف اتنی بات تھی کہ ان کا تاج شاہانِ ساسانی کے تاج سے چھوٹا ہوتا تھا (بلعمی، ترجمۂ زوتن برگ ج ۲ ص ۲۴۸)،

اور خاندان اسپاہ پد۔ یہ تینوں اشکانی الاصل تھے اور اپنے نام کے ساتھ پہلو (یا پارتھی) کا لقب لاتے تھے۔ پارتھی خاندان سے تعلق رکھنا بہت بڑا امتیاز سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ عہد ساسانی میں ان سات ممتاز گھرانوں میں سے بعض اور بھی مثلاً خاندانِ سپندیاد اور خاندانِ مہران، اشکانی الاصل ہونے کے دعویدار تھے[1]۔

---

[1] موسیٰ خورینی کے قول کے مطابق ارشویر شاہ پارتھیا کہ وہی فراتیس (فرہاد) چہارم ہے چار فرزندوں کا باپ تھا یعنی (۱) ارتشیس (ارتخشتر)، (۲) قارین، (۳) سورین، (۴) ایک بیٹی جس کا نام کُشم تھا۔ وملکرٹ کی رائے ہے کہ یہ نام کومس کی بگڑی ہوئی شکل ہے جو صوبہ کومیسین کا جدید نام ہے۔ دیکھو Z.D.M.G. ج ۴۹ ص ۶۳۹)۔ ان میں پہلا بیٹا باپ کا جانشین ہوا (لہٰذا وہ فراتیس یا فرہاد پنجم ہے) باقی دو بیٹے اُن خاندانوں کے مورث اعلیٰ ہوئے جو ان کے نام سے معروف ہیں۔ بیٹی کی شادی ایک شخص سے ہوئی جس کا لقب "سالارِ ایرانیان" تھا، جس کے بعد اس کی اولاد اسپاہ بذپہلو کے نام سے موسوم ہوئی۔ اسپاہبد کی قدیم شکل سپاذپتی ہے، یہی لفظ ارمنی زبان میں بہ شکل سپاراپت اختیار کیا گیا ہے جو سپہ سالار کا مترادف ہے، پانچویں صدی میں وہ باضافۂ الف (یعنی اسپاراپت) استعمال ہوتا تھا، یونانی میں اس کی مختلف شکلیں اسپاہاپت، اسپیبدس، اسپیوبدس، اسپاہبدس اور اسپیبتیوس ہیں، مؤرخ تھیوفی لیکٹس کے بیان کے مطابق اسپاہبدس خسرو دوم کا رشتہ دار اور وندوی اور وستہم (بندوی اور بستہم) کا باپ تھا مزنی میں ایک جگہ اسپابر آیا ہے لیکن ظاہر ہے کہ وہ کاتب کی غلطی ہے اور صحیح اسپابد ہے، طبری نے سات خاندانوں کی فہرست میں باضابطہ طور پر سپاہ بذ کا نام لیا ہے۔

واضح رہے کہ موسیٰ خورینی کی روایت کے لئے کوئی تاریخی سند نہیں ہے۔ ہمیں صرف اتنا معلوم ہے کہ ایک سورین میدان جنگ میں کراسوس رومی کا حریف تھا (دیکھو اور پر ص) اور وہ لڑائی فرہاد چہارم کے باپ کے عہد میں ہوئی تھی۔ لیکن بہرحال ان تین خاندانوں کا وجود ساسانیوں کے آنے سے بہت پہلے ثابت ہے اور اس زمانے میں ان کی بہت بڑی جاگیریں تھیں، خاندان سپندیاد کا تعلق اشکانیوں کے ساتھ بظاہر بعد کے زمانے میں قائم کیا گیا جبکہ اُن کی تاریخ دلوں سے محو ہو چکی تھی۔ (بقیہ بر صفحہ ۷۱)

سات مذکورہ بالا خاندانوں میں سب سے پہلے تو خاندان شاہی (خاندان ساسانی) ہے[۱]۔ اور پانچ وہ ہیں جن کے نام اوپر لئے گئے ہیں یعنی قارین پہلو، سُورین پہلو[۲]، اسپاہ بذ پہلو، سپند یاد، مہران اور ساتواں شاید خاندان زیک ہے[۳]

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰) اس خاندان کے ایک شخص مسمی نرسی (دیکھو طبری ص ۸۸۸ - ۸۹۵) کے شجرۂ نسب میں دارا (داریوش سوم) اور اس کے بیٹے کے اَشک کا نام موجود ہے (یعنی اَشک اور اس کے ساتھ ماقبل تاریخی زمانے کا بادشاہی لقب کَوَی جو بعد میں بدل کر کَے ہو گیا)۔ شجرۂ مذکور میں اس نام کے بعد چند نام ہیں جو اشکانیوں میں سے کسی کے نہیں ہیں، صرف ایک نام سین ابرُوہ ہے جس کے متعلق زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ شاید وہ سنترُوک (شاہ اشکانی) کے نام کی بگڑی ہوئی شکل ہو اور یہ تبدیلی غالباً اس سے اوپر والے نام سِیس پذ کے زیر اثر ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ خاندان قارین کے ایک ممبر مسمی سوفرا کا شجرۂ نسب جو طبری نے دیا ہے (ص ۸۷۷ - ۸۷۸) اس میں بھی یہی خصوصیت پائی جاتی ہے یعنی یہ کہ وہ بعد کے زمانے کا تیار کیا ہوا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس ہم فرض کر سکتے ہیں کہ خاندان مہران کا اشکانی الاصل ہونا بھی اسی طرح ایک جعلی بات ہے۔ مارکوارٹ کا یہ خیال بے شک صحیح ہے (Z.D.M.G، ج ۴۹ ص ۶۳۳) کہ افسانوی ہیرو میلاذ کسی پارتی شہزادے یا بادشاہ میتھریدات (مہرداد) نام کی اولاد سے تھا۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ خاندان مہران کا شجرہ (جس کا مورث اعلیٰ گرگین پسر میلاذ دکھایا گیا ہے) کسی تاریخی میتھریدات سے ملتا ہے۔

حاشیہ صفحۂ ہذا:- [۱] شاپور اول کے بھائی شہزادہ پیروز کو "واسپہر ساسانگان" کہا گیا ہے۔ دیکھو ہرتسفلٹ، پائی کُلی ص ۷۵ و ۹۹۔ [۲] مؤرخ فاوستوس بازنتینی کے ہاں دو سورین کا ذکر ملتا ہے جن کے ساتھ "پارسیگ" (پارسی) کی نسبت لگی ہوئی ہے۔ شاید وہ خاندان سورین پہلو کی شاخیں ہوں گی۔ [۳] مؤرخ میناندر نے لکھا ہے کہ "زیک" ایرانیوں کے ہاں ایک بڑا عہدہ ہے (تاریخ بازنتین حصہ اول ص ۴۰۳) لیکن بازنتینی مؤرخوں میں یہ عام بات ہے کہ وہ خاندانوں کے نام اور ایرانی خطابات میں التباس پیدا کر دیتے ہیں مثلاً پروکوپیوس یہ خیال کرتے ہوئے کہ مہران کوئی لقب یا عہدہ ہے۔ (بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲)

طبری کے بیان کے مطابق[1] قارین کا مسکن شہر نہاوند (میڈیا) میں تھا، سورین کا وطن سیستان تھا، سپندیاد کا علاقہ رَیَّ (رگا، طہران کے نزدیک) اور اسپاہبد کا دہستان (گرگان میں)، لیکن دوسری طرف ہمیں یہ بھی علم ہے کہ سوخرا جو خاندان قارین کا ایک فرد تھا ضلع اردشیر خورہ (علاقہ شیراز) کا رہنے والا تھا[2]، دوسرے لفظوں میں یہ کہ وہ خاص فارس کا باشندہ تھا، نیز ہمیں یہ بھی علم ہے کہ رَیّ کے قریب ایک دریا اور نیشاپور کے نزدیک ایک گاؤں سورین کے نام سے موسوم تھے[3] اور یہ کہ مہر نرسی جو خاندان سپندیاد سے تھا ایک گاؤں آبروان (علاقہ دشت بارین ضلع اردشیر خورہ صوبہ فارس) کا رہنے والا تھا اور اُسے یہ گاؤں اور ایک اور گاؤں ژیرہ جو پڑوس کے ضلع شاپور میں تھا اپنے آباواجداد سے ورثے میں ملے تھے[4]، خاندان مہران کے ممبروں میں سے بہرام چوبین[5] اور پیران گشنسپ گرگوری[6] رَیّ کے رہنے والے تھے لیکن دریائے مہران کا نام جو صوبۂ فارس میں ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱) :-

لکھتا ہے کہ سپہ سالار پیروز کو مہران بنایا گیا۔ اسی طرح فاوسٹوس اور ارمنی مؤرخ الگاتھا نگہ نے زیک کو ایک خاص لقب تصور کیا ہے۔ شاپور دوم کے زمانے میں زیک اور قارین دو بڑے سپہ سالار تھے۔ لیکن ان کو سائی لیکس اور ارتابیس تصور نہیں کرنا چاہئے جن کے نام مؤرخ مارسیلینوس کے ہاں مذکور ہیں (۲۷، ۱۲، ۵)۔ خاندانِ زیک کے وہ ممبر جن کے نام معلوم ہو سکے ہیں یوسٹی کی کتاب "اسمائے ایرانی" میں مذکور ہیں، نیز دیکھو ہرسفلٹ "آثار قدیمۂ ایران" ج ۴، ص ۵۷، ح ۲،

حاشیہ صفحہ ہذا :- [1] ترجمہ از نولڈکہ ص ۴۳۷، [2] طبری ص ۸۷۳، ۸۷۷، [3] نولڈکہ، ترجمہ طبری ص ۴۳۹، [4] طبری ص ۸۷۰، [5] ایضاً ص ۹۹۲، [6] ہوفمن "اقتباسات" ص ۸۰، (مصنف) پیران گشنسپ عہد انوشیروان کا مشہور سپہ سالار ہے، عیسائی ہو کر گرگوری کے نام سے موسوم ہوا۔ ۵۴۲ء میں مارا گیا، (مترجم)۔

اس خاندان کے نام پر ہے[2]۔ ان حالات سے ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ واسپہروں کی جاگیریں ایران کے مختلف حصوں میں بکھری ہوئی تھیں اور غالباً زیادہ تر وہ صوبجات میڈیا اور پارتھیا میں تھیں جو سلطنت اشکانی کا مولد و منشا تھے یا صوبۂ فارس میں جو ساسانیوں کا اصلی وطن تھا، خاندانوں کی یہ جاگیریں نزدیک نزدیک واقع تھیں لیکن نہ اس طرح کہ سب کو ملا کر ایک وسیع اور سالم ریاست بن سکے۔ غالباً منجملہ اور وجوہات کے یہ بھی ایک بڑی وجہ اس بات کی ہوئی کہ اس زمانے کے دوران میں بڑے بڑے امرائے جاگیردار رفتہ رفتہ منصبداری کی نوعیت سے ہٹ کر نجباء و اشرافِ دربار کی نوعیت اختیار کرتے گئے۔ جب تک کہ قدیم سوسائٹی قائم رہی واسپہروں کا پرانا تعلق گاؤں (ویس) کے ساتھ برقرار رہا۔ یہی وجہ ہے کہ مؤرخ جب کبھی ان میں سے کسی کے مولد و منشا کا ذکر کرتے ہیں تو عموماً گاؤں ہی کا نام لیتے ہیں۔

غالباً منصبداروں کا اعلٰے طبقہ ان سات ہی خاندانوں پر محدود نہ تھا، مؤرخ فاؤسٹوس بازنطینی ایک سپہ سالار دماوند نامی کا ذکر کرتا ہے[3]۔ جس کا خاندانی نام کاؤسکان ہے[4]

---

[1] خاندانہائے قارین، سورین اور مہران کے افراد کے متعلق دیکھو نولدکہ کے حواشی (ترجمۂ طبری ص ۱۲۷، ۱۳۸ تا ۱۳۹، ۴۳۸، ۴۳۹، ۱۳۹، ۱۴۰ تا ۱۴۱)، اور سورین کے متعلق فرہنگ پای کلی (نمبر ۱۵۰)، ان کے ناموں کا شمار یوسٹی نے اپنی کتاب "اسمائے ایرانی" میں مکمل کر دیا ہے (دیکھو تحت کلمۂ قارین، سورین اور مہران)، اسپاہبد کے متعلق دیکھو یوسٹی (تحت کلمۂ سپادپتی) اور فرہنگ پای کلی (نمبر ۸۲)، سپندیاد کے متعلق (جو کہ فارسی شکل اسفندیار اصلی لفظ کو غلط پڑھنے کی وجہ سے پیدا ہوئی) دیکھو نولدکہ، ترجمۂ طبری ص ۴۳۹، نیز دیکھو مارکوارٹ (Z. D. M. G) ج ۴۹، ص ۶۳۴ بعد، کتاب ایرانشہر ص ۷۱، ہرتسفلڈ "آثار قدیمہ ایران" ج ۴ ص ۶۳ بعد، ہرمزدان جو یزدگرد سوم کا مشہور سپہ سالار تھا۔ ان سات خاندانوں میں سے کسی ایک سے تعلق رکھتا تھا لیکن یہ معلوم نہیں کہ وہ کونسا خاص خاندان تھا، اس کی ماں خوزستان میں کسی جگہ کی رہنے والی تھی اور اس صوبے کی حکومت (جس میں ستر شہر تھے) اسکے خاندان میں متوارث تھی، (طبری ص ۲۵۳۰ اور ۲۵۴۲، بلعمی، ترجمۂ زوتن برگ ج ۳ ص ۴۷۴ بعد)، [2] طبع لانگلوا (Langlois) ج ۱ ص ۲۶۲،

بہت سے خاندانی نام جن کے آخر میں آن ہوتا ہے منصبداروں کے خاندانوں کو یا
ان خاندانوں کی شاخوں کو ظاہر کرتے ہیں۔ لیکن اگر دیکھا جائے تو ان منصبداروں کی
جاگیروں کا کُل رقبہ بمقابلہ اس رقبے کے بہت کم تھا جو براہِ راست حکومت کے تصرف
میں تھا اور جو بادشاہی گورنروں کے زیرِ فرمان تھا۔

ہمارے پاس صحیح اطلاعات اس بارے میں نہیں ہیں کہ ان جاگیرداروں کو
کیا خاص حقوق حاصل تھے۔ مثلاً ہمیں یہ معلوم نہیں کہ بادشاہی گورنروں کو ان جاگیروں
پر جو اُن کے صوبوں میں واقع ہوتی تھیں کسی قسم کا اختیار تھا یا نہیں یا آیا ان جاگیروں
کو کُلی یا جزئی آزادی حاصل تھی یا نہیں۔ صرف اتنی بات یقینی طور پر معلوم ہے کہ
کسانوں پر یہ واجب تھا کہ اپنا اپنا لگان خواہ جاگیردار کو ادا کریں خواہ گورنمنٹ کو خواہ
دونوں کو۔ نیز وہ اس بات پر مجبور تھے کہ اپنے اپنے جاگیردار کی کمان میں وقتِ ضرورت
فوجی خدمت انجام دیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ساسانیوں کے زمانے میں بھی وہ پرانی رسم موجود ہے کہ
سات خاندانوں کے رؤساء کے لئے خاص خاص فرائض موروثی طور پر مقرر تھے
مؤرخ تھیوفی لیکٹس ہمیں بتلاتا ہے[1] کہ یہ موروثی فرائض کیا کیا تھے۔ وہ لکھتا ہے
کہ "وہ خاندان جس کا نام ارتبیدس ہے رتبۂ شاہی رکھتا ہے اور بادشاہ کو تاج
پہنانے کا فرض اس کے ذمّے ہے۔ اسی طرح ایک اور خاندان کو فوجی امور کا
ذمہ وار بنایا گیا ہے، ایک اور خاندان امورِ ملکی کا نگران ہے، ایک خاندان کا عہدہ
یہ ہے کہ منصفانہ طور پر متخاصمین کے جھگڑوں کا فیصلہ کرے، پانچویں خاندان
کے ذمّے رسالہ فوج کی کمان ہے۔ چھٹا خاندان اس بات پر مامور ہے کہ مالیات
وصول کرے اور خزانۂ شاہی کا محافظ رہے، ساتواں خاندان اسلحہ اور فوجی

---

[1] ج ۳ ص ۸۰

سازوسامان کی حفاظت کا ذمہ دار ہے"،

ارتبیدس بگڑی ہوئی شکل ہے ارگبیدس کی جو اصل میں ارگبد یا ہرگبد ہے جس کے معنی شروع میں محافظِ قلعہ[1] کے تھے۔ لیکن بعد میں وہ ایک بڑے اہم فوجی عہدے کا نام ہو گیا، چونکہ اردشیر کا پہلے یہ لقب تھا[2]، لہٰذا ساسانیوں کی نئی سلطنت میں وہ شاہی خاندان کے مہروں کے نام کے ساتھ ایک بہت بڑے فوجی خطاب کے طور پر لگایا جاتا تھا[3]،

باقی کے چھ موروثی عہدوں میں سے جن کا شمار تھیوفی لیکٹس نے کیا ہے تین فوجی ہیں اور تین ملکی، فوجی عہدوں میں سے ایک تو ناظر امور فوجی کا عہدہ ہے[4]

---

[1] نولدکہ، ترجمہ طبری ص ۵ ح ۳ اور ۳، ہرتسفلٹ، پاپی کلی (فرہنگ نمبر ۱۴۶)، یوستی کا یہ قیاس کہ یہ ارگ سے مشتق ہے جس کے معنی "قلعہ مستحکم" کے ہیں بارتولومی نے صحیح تسلیم کیا ہے لیکن ہرتسفلٹ کے نزدیک وہ مشکوک ہے۔ [2] دیکھو اوپر ص ، [3] ابرسلم اردشیر اول کے زمانے میں ارگبد تھا (طبری ص ۸۲۳)، ہرتسفلٹ، فرہنگ پاپی کلی (نمبر ۱۴۶)، کرسٹن سین: (Acta Orientalia) ج ۱۰ ص ۴۳ ببعد، یزدگرد اول (۳۹۹ء - ۴۲۰ء) کے زمانے میں مہرشاپور ارگبد کے عہدے پر مامور تھا۔ (لابور: "عیسائیت در ایران بعہد ساسانی" ص ۱۰۹)، [4] ہم نے اپنی دوسری کتاب "سلطنت ساسانیاں" (ص ۲۰) میں ناظر امور فوجی کو ایران سپاہبد تصور کیا ہے لیکن اب ہمارا خیال یہ ہے کہ یہ اغلب نہیں ہے کہ سارے ایران کے کمانڈر انچیف یا وزیر جنگ کا سا ذمہ داری کا عہدہ وراثت کے توکل پر چھوڑا جاتا ہوگا، ہمارا قیاس یہ ہے کہ یہ کوئی کمتر درجے کا فوجی عہدہ ہے مثلاً کنارنگ کا عہدہ (بزبان یونانی کنارنگس، بزبان سریانی قنارنگ) جس کو مؤرخ پروکوپیس ایک خاص خاندان میں موروثی بتلاتا ہے۔ ابرشہر (خراسان) کا مرزبان کنارنگ کہلاتا تھا، وہاں کا صدر مقام نیشاپور تھا اور یہ صوبہ ہمیشہ وحشی خانہ بدوش قبیلوں کے حملے کے خطرے میں رہتا تھا، (مارکوارٹ، "ایرانشہر" ص ۴۷-۵۰، ہرتسفلٹ، "آثار قدیمۂ ایران" ج ۲ ص ۱۱۰)، یزدگرد سوم کے عہد میں جب عربوں کے ساتھ لڑائیاں جاری تھیں طوس کا مرزبان کنارنگ کہلاتا تھا، (باقی حاشیہ بر صفحہ ۲۶)

ایک رسالہ فوج کے سردار کا[1] اور ایک میگزین کے محافظ (ایران انبارگبذ)[2] کا جس کو
تھیوفی لیکٹس نے ساتویں خاندان کے ذمے بتلایا ہے، ملکی عہدوں میں سے ایک
ناظر امور ملکی کا عہدہ ہے جس کی نوعیت کسی قدر غیر واضح ہے۔ دوسرے حاکم
عدالت کا اور تیسرے کلکٹر اور خزانہ دار شاہی کا[3]، یہ واضح رہے کہ تھیوفی لیکٹس کا

(بقیہ حاشیۂ صفحہ ۲۵) :- (ثعالبی ص ۴۳، بلاذری ص ۳۰۵ س ۰، بلاذری میں اس لفظ پر غلط اعراب لگائے گئے ہیں) فارسی کے فرہنگ نگار لفظ کنارنگ کے معنی مالک صوبہ کے لکھتے ہیں۔

حاشیۂ صفحۂ ہذا :- [1] ہماری کتاب "سلطنت ساسانیاں" (ص ۲۷) میں اس عہدے کا نام اسپ بد لکھا ہے لیکن یہ نام یقینی نہیں ہے، ہمارا خیال ہے کہ اسپوار بد یا اسوار بذ زیادہ قرین صحت ہوگا۔ [2] دیکھو نولڈکہ (ترجمہ طبری ص ۴۴۴) ہرتسفلٹ، پای کلی (فرہنگ۔ نمبر ۴۲)۔ [3] ہمارا خیال نہیں ہے کہ یہ عہدہ وہی ہے جس کو واستریوشان سالار (مستوفی ممالک) کہتے تھے، طبری (ترجمہ نولڈکہ ص ۱۱۰) ان بڑے بڑے عہدوں کا شمار کرتے ہوئے جو وزیر مہرنرسی نے اپنے تین بیٹوں کو دلوائے لکھتا ہے کہ منجھلا بیٹا ماہ گشنسپ بہرام پنجم کے عہد میں شروع سے آخر تک واستریوشان سالار کے عہدے پر مامور رہا، اگر یہ عہدہ موروثی تھا تو پھر ماہ گشنسپ کو بڑا بیٹا ہونا چاہیئے تھا، گمان یہ ہے کہ طبری سے اس بیان میں کچھ غلطی ہوئی ہے دوسری جگہ (ترجمہ ص ۱۱۲) اس نے تینوں بیٹوں کو ایک اور ترتیب سے ذکر کیا ہے اور وہاں ماہ گشنسپ کو سب سے چھوٹا بیٹا بتلایا ہے۔ لیکن اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ ماہ گشنسپ سب میں بڑا تھا اور اسی کو واستریوشان سالار کا عہدہ ورثے میں ملا تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ اس سے پہلے اس کا باپ مہرنرسی اور اس کا دادا ورازگ بھی اس عہدے پر مامور رہ چکے تھے۔ لیکن دینوری (ص ۵۰) لکھتا ہے کہ یزدگرد اول کے بعد (یعنی مہرنرسی کی زندگی میں) ایک شخص مسمی گشنسپ آذار "کاتب الخراج" تھا جس سے یقیناً واستریوشان سالار مراد ہے، پس معلوم ہوا کہ جب اس عہدے پر مہرنرسی کی زندگی میں ایک دوسرا شخص مامور تھا تو مہرنرسی کو یہ عہدہ کبھی نہیں ملا۔ اگر دینوری کے اس بیان کو غلط بھی کہا جائے تب بھی یہ اشکال باقی رہتا ہے کہ ماہ گشنسپ کو اپنے باپ کی زندگی میں اپنے خاندان کا موروثی عہدہ کیونکر مل گیا؟ (بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۷)

یہ بیان ساسانیوں کے آخری زمانے کے متعلق ہے،

یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے۔کہ کونسا عہدہ کس خاندان کے ساتھ مربوط تھا، ارگبذ کے عہدے کے متعلق البتہ ہمیں علم ہے کہ وہ ساسانی خاندان سے متعلق تھا اور رسالہ فوج کی سرداری کے متعلق فرض کیا جا سکتا ہے کہ وہ خاندان اسپاہبد کے ذمے تھی، چونکہ سورین اور مہران اکثر ایرانی فوج کے سرداروں کے نام ہوتے ہیں اس سے شاید ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ باقی کے دو فوجی عہدے ان دو خاندانوں کی میراث میں تھے۔لیکن یہ محض قیاس ہی قیاس ہے جس کے لئے ہمارے پاس کوئی ثبوت نہیں، ملکی عہدوں کی تقسیم کے متعلق ہمیں کسی قسم کا کوئی علم نہیں +

اگر ہم بغور ملاحظہ کریں تو معلوم ہوگا کہ موروثی عہدے جتنے تھے وہ بیشک بہت اہم تھے۔لیکن عالی ترین اور اہم ترین نہیں تھے، درحقیقت یہ اغلب معلوم نہیں ہوتا کہ سلطنت میں چوٹی کے عہدے مثلاً وزیر اعظم یا کمانڈر انچیف کا عہدہ حق وراثت سے حاصل ہوتے ہوں اور بادشاہ کے ہاتھ میں اپنے مشیروں کے انتخاب کا کوئی اختیار نہ ہو اور جب کبھی وہ کسی بڑے عہدہ دار کو برطرف کرنا چاہے تو اس کے پاس سوائے اس کے کوئی چارہ نہ ہو کہ اس کو قتل کروا کے اس کی جگہ اس کے بڑے بیٹے کو مقرر کرے۔ساسانیوں کی سلطنت کی بنیاد خود مختار حکومت پر تھی، پس ایسی صورت حالات ان کی خود مختاری کے ساتھ کس طرح موافقت رکھ سکتی ہے؟ اگر ایسا ہوتا تو تھوڑے ہی عرصے میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶):- غرض یہ کہ ہمارا قیاس ہے کہ لشکر اور خزانہ دار شاہی کے عہدے سے مراد واسپہر گان آمارکار ہے یعنی مستوفی خراج واسپہران"۔اس عالی مقام عہدہ دار کا ذکر ارمنی مآخذ میں بھی آیا ہے اور اسکے متعلق ایک جگہ لکھا ہے کہ اصفہان کا عزاز اسکے گھر میں جمع ہوتا تھا۔(دیکھو ہبشمن، ارمنی گرامر ج ا ص ۱۴۰)

سلطنت تباہ ہو جاتی[1]، سلطنت ساسانی میں موروثی عہدے عزت و افتخار کے عہدے تھے جو سات اولین خاندانوں کی امتیازی حیثیت کی علامت سمجھے جاتے تھے[2]، لیکن ان کی طاقت محض ان عہدوں سے نہیں تھی بلکہ اس آمدنی سے جو ان کو اپنی جاگیروں سے حاصل ہوتی تھی اور اس کے علاوہ (خصوصاً کواذ اور خسرو اول کے عہد سے پہلے) جاگیرداری کے اُس تعلق سے جو ان کو اپنی رعایا کے ساتھ تھا، پھر ایک اور بات یہ بھی تھی کہ چونکہ ان کے لئے بادشاہ کے

---

[1] حیرہ کی عربی ریاست میں وزیر (رِدف) کا عہدہ خاندان یربوع میں موروثی تھا اور یہ اس بات کے صلے میں تھا کہ اس خاندان والے تخت حیرہ کے دعوے سے دست بردار ہو گئے تھے (دیکھو اگر ہصوصیٹ کا مضمون، رسالۂ انجمن مشرقی آلمانی (Z.D.M.G) ج ۱۲ ص ۲۴۰، روٹ شٹائن (خاندانِ لخمی، ص ۱۱۲، ۱۳۲)، یہ وہی ایرانی دستور تھا جس کو معقولیت کی حد سے آگے بڑھا دیا گیا تھا اور ایسی بات حیرہ جیسی چھوٹی سی ریاست ہی میں ممکن ہو سکتی تھی جس کو ایک بڑی سلطنت کی پناہ اور نگرانی نصیب تھی۔

[2] ممکن ہے کہ شاہانِ ہخامنشی کی یہ رسم ساسانیوں کے ہاں بھی جاری ہو کہ شہنشاہ اپنی بیویوں کا انتخاب ترجیحاً اپنے خاندان میں سے کرتا تھا اور یہ نہیں تو پھر باقی کے چھ ممتاز گھرانوں میں سے۔ خسرو دوم (پرویز) کی ماں خاندان اسپاہبذ سے تھی اور وستہم اور وندوی (وِستہم اور بندوی) کی بہن تھی (نولڈکہ ص ۴۳۹)، بہرحال یہ ایسا قاعدہ نہیں تھا جس میں استثناء نہ ہو، یزدگرد اول نے یہودیوں کے رئیس کا الّقا (رأس الجالوت) کی بیٹی سے شادی کی تھی، خسرو اول کی بیوی خاقانِ اتراک کی بیٹی تھی اور خسرو دوم ایک بازنطینی (رومی) شاہزادی سے بیاہا تھا، دوسری طرف اس امر کا ثبوت کہ ساسانی شاہزادیاں چھ ممتاز خاندانوں میں بیاہی جا سکتی تھیں یہ ہے کہ خسرو دوم کے ایک بھانجے کا نام مہران تھا (نولڈکہ، ص ۱۴۰)، یوحنا مامیکونی (مؤرخ ارمنی) نے ایک سپہ سالار مستی وشتنگ اور اس کے بھائی سورین کا ذکر کیا ہے اور لکھتا ہے کہ یہ دونو خسرو دوم کے ماموں ہیں۔ (لانگلوا، ج ۱ ص ۳۷۰ بعد و ص ۳۷۳)۔

حضور میں رسائی حاصل کرنا آسان ہوتا تھا لہٰذا اس کی بدولت انہیں حکومت کے بڑے بڑے عہدے پانے کے امتیازی حقوق مل جاتے تھے۔

قدیم سوسائٹی اور خاندانِ ساسانی کے خاتمے کے بعد بھی مدتہائے دراز تک واسپہر صوبۂ فارس میں باقی رہے، ابن حوقل دسویں صدی عیسوی میں لکھتا ہے کہ "فارس میں یہ بڑا اچھا دستور ہے کہ قدیم خاندانوں کے لوگوں (اہل البیوتات۔ واسپہران) کی بڑی عزت کی جاتی ہے اور ممتاز گھرانوں کو احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے، ان خاندانوں میں بعض ایسے ہیں جو موروثی طور پر سرکاری محکموں (دواوین) کے رئیس ہیں اور قدیم الایام سے اب تک اسی طرح چلے آتے ہیں"[1] مسعودی نے بھی اسی طرح فارس کے اہل البیوتات کا ذکر کیا ہے۔

وُزُرگان | ساسانیوں کی تاریخ میں جس کا ایک حصہ ہمارے لئے طبری کی تصنیف میں محفوظ رہا ہے تقریباً ہر صفحے پر بزرگان وآزادگان (العظماء واھل البیوتات) کا نام ملتا ہے، جب کبھی کوئی نیا بادشاہ تخت پر بیٹھتا تھا۔ تو بزرگان وآزادگان اظہارِ اطاعت کے لئے اور بادشاہ کا خطبہ سننے کے لئے جس کے ذریعے سے وہ اپنا تعارف اپنی رعایا سے کرتا تھا دربار میں جمع ہوتے تھے، یہی تھے جنہوں نے اردشیر دوم کو تخت سے اتارا اور شاپور سوم کو قتل کرایا[2] انہی بزرگان وآزادگان میں سے بعض تھے جنہوں نے یزدگرد اول کی اولاد و اعقاب کو تخت سے محروم کرنے کی ٹھانی تھی[3] اور بعد میں اس کی جانشینی کے بارے میں جو گفت وشنید منذر (شاہِ حیرا) کے ساتھ ہوئی وہ انہی بزرگان اور

---

[1] ابن حوقل، طبع یورپ ص ۲۰۷، [2] طبری ص ۸۴۶، ترجمۂ نولڈکہ ص ۷۰ و ۷۱، [3] طبری ص ۸۵۸، ترجمہ نولڈکہ ص ۹۱،

آزادگان نے کی تھی[۱]، بعض وقت العظماء والاشراف[۲] کی ترکیب بھی دیکھنے میں آتی ہے، عربی میں "اہل البیوتات" اور "العظماء" اور "الاشراف" نقلی ترجمہ ہیں پہلوی الفاظ "واسپہران" اور "وُزُرگان" اور "آزاذان" کا[۳]، بعض وقت صرف "بزرگان" کا لفظ استعمال ہوا ہے[۴]، اس بات کو دیکھتے ہوئے کہ ساسانیوں کی تاریخ میں "بزرگان" کو کس قدر اہمیت حاصل رہی ہے نیز یہ کہ ان کا نام باقاعدہ طور پر ہمیشہ جاگیرداروں (واسپُہران) کے پہلو بہ پہلو لیا گیا ہے، کوئی شک باقی نہیں رہتا کہ وہ حکومت کے بڑے بڑے اعلیٰ افسر اور محکموں کے عالی ترین نمایندے تھے، زمرۂ "وزرگان" میں وزراء اور حکام بالادست بھی شامل تھے[۵]،

آزاذان | اس لفظ کا مفہوم ابھی تک اچھی طرح واضح نہیں ہوا، یہ فرض کیا جاسکتا ہے کہ آریا قوم کے فاتحین نے آزاذان کا لقب ملک کے اصلی باشندوں کے مقابلے میں جن کو انھوں نے غلام بنایا اختیار کیا ہوگا۔ رفتہ رفتہ نسلوں کا اختلاط شروع ہوا جس کی وجہ سے بہت سے آزاد آریائی خاندان اپنی اصالت کو کھو بیٹھے اور اپنی سابقہ بلندی سے اتر کر کسانوں اور شہریوں کے متوسط طبقے میں آ ملے۔

---

[۱] طبری ص ۸۵۰ ببعد، منذر کے ساتھ گفت وشنید کی وجہ یہ تھی کہ امراء دربار یزدگرد اوّل کے بعد بہرام گور کو تخت پر بٹھانا چاہتے تھے اور وہ اُس وقت منذر کے دربار میں مقیم تھا، (مترجم)، [۲] طبری ص ۸۳۵، ۸۷۱، ۸۸۳، [۳] نولڈکہ، ترجمہ طبری ص ۷۱، ح ۱، اہل البیوتات کا مترادف آرامی زبان میں باربیتان ہے جو واسپہران کے لیے بطور ہمعنی استعمال ہوا ہے، طبری کے ہاں ایک اور ترکیب "الوجوہ والعظماء" بھی استعمال ہوئی ہے (ص ۹۹۹)، [۴] طبری ص ۸۴۲، ۸۴۶، ۱۰۴۵، ۱۰۶۱، [۵] دیکھو آگے "مرکزی حکومت" کے عنوان میں۔

بعض اور نشیب و فراز بھی اس تنزل میں مؤید ہوئے۔ مثلاً جنگوں کے نتائج قرضہ اور زمین کا مسلسل حصّوں میں تقسیم ہوتے چلے جانا، آریائی خاندانوں میں سے جو نسبتہً زیادہ خالص حالت میں رہے۔ بعض ترقی کر کے واسپتھوں کے قلیل لیکن طاقتور زمرے میں داخل ہو گئے اور بعض اُن سے کمتر درجے کے بخباو کی جماعت میں رہے۔ یہ جماعت ساسانیوں کے زمانے میں خاصی کثیر تھی، اور سارے ملک میں پھیلی ہوئی تھی اور صوبوں کی حکومت میں عہدہ داران زیردست انہی میں سے منتخب ہوتے تھے، غالباً یہی لوگ تھے جنہوں نے آزادان کا نام اپنے لئے محفوظ کر رکھا تھا،

غالباً اسی جماعت سے ساسانیوں کی رسالہ فوج تعلق رکھتی تھی جو ان کے لشکر کا بہترین جزو تھی، تاریخ یعقوبی میں ایک جگہ[1] جہاں پانچویں صدی کے شروع میں[2] یزدگرد اوّل کے زمانے میں مراتب کی ترتیب سے بحث کی گئی ہے ہمیں بتلایا گیا ہے کہ افسرانِ لشکر کو "سوار" کہا جاتا تھا، قیاس یہ ہے۔ کہ ان سواروں میں سے اکثر امن کے زمانے میں اپنی اپنی زمین پر زندگی بسر کرتے تھے، کھیتوں میں کاشت کرتے تھے اور کسانوں سے کام لینے میں مشغول رہتے تھے۔

یہ طبعی بات ہے کہ جس قوم میں نہایت قدیم زمانے سے گھوڑوں کا شوق اور شہسواری کا مذاق رہا ہو وہ سواروں کے لشکر کی طرف خاص توجہ مبذول کرے اور بخباو کے طبقۂ اوّل کے بعد (جن کی تعداد قلیل تھی) ان کو شمار کرے۔ آگے چل کر ہم اس بات کو ملاحظہ کریں گے کہ بعد کے زمانے میں سوار کا لقب سوسائٹی میں بہت بڑی وقعت رکھتا تھا[3]،

---

[1] طبع ہوتسما، ج ۱ ص ۲۰۲، [2] دیکھو باب ششم و ضمیمہ نمبر ۲، [3] دیکھو باب ہشتم،

ان کے مقابلے میں کمتر درجے کے اشراف تھے جن کی طاقت ان کے موروثی مقامی اختیارات میں مرکوز تھی۔ وہ کذک خوذایان[1] (کدخدایان یعنی رؤساء خانہ) اور دہقانان[2] (رؤساء دیہ) کہلاتے تھے۔ حکومت کی مشین میں دہقان بمنزلہ ایسے پہیوں کے تھے جن کے بغیر اس کا چلنا دشوار تھا۔ اگرچہ بڑے بڑے تاریخی واقعات میں وہ کہیں نظر نہیں آتے تاہم حکومت کے نظام اور اس کی عمارت میں وہ ایسی مستحکم بنیاد کی حیثیت رکھتے تھے جس کی اہمیت کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ دہقان پانچ جماعتوں میں منقسم تھے جن میں سے ہر ایک کا ایک امتیازی لباس تھا[3]۔ مجمل التواریخ میں دہقان کی تعریف یہ لکھی ہے کہ "وہ رئیس تھے، زمینوں اور گاؤں کے مالک تھے"[4]۔ لیکن اکثر حالتوں میں دہقان کی موروثی اراضی کا رقبہ کچھ بہت زیادہ نہیں ہوتا تھا اور بعض وقت تو اس کی حیثیت بس اس سے زیادہ نہیں ہوتی تھی کہ وہ اپنے گاؤں کا سب سے بڑا کسان ہوتا تھا۔ لہذا کسانوں کی آبادی میں دہقان کا وہ رتبہ نہ تھا جو امرائے جاگیردار کا تھا۔ اس کی حیثیت یہ تھی کہ وہ سرکاری علاقے کی

---

[1] دیکھو ہرتسفلت: پای کلی (فرہنگ - نمبر ۵۶۷-۵۰۰)، بارتھولومی: "قرون وسطی کی ایرانی زبان کے متعلق معلومات"۔ (جرمن)، ج ۳، ص ۴۴ بعد۔ اس سیاسی اور معاشرتی جماعت کا نام قدیم زمانے کے مان بد کا مترادف ہے جو مذہبی کتابوں میں مذکور ہے (دیکھو اوپر، ص)۔ اشکانی زمانے میں شہزادے کذک خوذای کہلاتے تھے (دیکھو ص)، [2] عہد ساسانی کے آخر میں دہقان کا لفظ بظاہر زیادہ وسیع معنوں میں استعمال ہونے لگا تھا اور عہد اسلامی میں بھی اس کا استعمال جاری رہا۔ دہقانوں کی جماعت کو افسانوی بادشاہ ہوشنگ کے بھائی ویکرد کی نسل سے تبلایا جاتا ہے۔ (دیکھو کرسٹن سین: "ایران کی افسانوی تاریخ میں اولین انسان اور اولین بادشاہ"۔ ص ۱۴۴، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۳، ۱۵۵، ۱۵۹، ۱۶۴)، [3] مروج الذہب، ج ۲، ص ۲۴۱، [4] دیکھو ترجمہ شاہنامہ از مول ج ۱ ص ۔ اس تعریف کی رو سے دہقان وہی تھا جو ہندوستان میں ٹھاکر ہے (مترجم)، [5] نولڈکہ، ترجمہ طبری ص ۴۴۰،

زمینوں کے کاشتکاروں میں گورنمنٹ کا نمائندہ تھا اور اس حیثیت سے اس کا سب سے بڑا فرض یہ تھا کہ کاشتکاروں سے لگان یا معاملہ وصول کرے[1]۔ دہقانوں کو معلومات اراضی اور رعایا کے متعلق حاصل تھیں انھی کی بدولت یہ ممکن تھا کہ لگان کامیابی کے ساتھ باقاعدہ وصول ہوتا رہتا تھا جس سے دربار کے تزک و احتشام اور جنگوں کے گراں مصارف پورے ہوتے رہتے تھے باوجود اس کے کہ ایران کی زمین بالعموم کچھ زیادہ زرخیز نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ عرب فاتحین نے جب تک دہقانوں کی معاونت حاصل نہ کی وہ ایران سے اُتنا مالیہ وصول نہ کر سکے جتنا کہ ساسانیوں کے وقت میں وصول ہوتا تھا[2]۔

مرکزی حکومت کا نظم و نسق

وزیر اعظم

مرکزی حکومت کا صدر وزیر اعظم تھا جس کا لقب شروع میں ہزار بد تھا۔ ہخامنشیوں کے زمانے میں ہزار پتی بادشاہ کی محافظ فوج کے دستے کا افسر ہوتا تھا جس میں سپاہیوں کی تعداد ایک ہزار تھی، اس زمانے میں یہ افسر سلطنت کے اوّلین عہدہ داروں میں شمار ہوتا تھا اور بادشاہ اُسی کے توسط سے سلطنت کا نظم و نسق کیا کرتا تھا[3]، یہ نام اشکانیوں کے زمانے میں محفوظ رہ کر ساسانیوں کے عہد میں پہنچا،

---

[1] یعنی وہی جو ہندوستان میں گاؤں کا نمبردار یا پٹیل کرتا ہے (مترجم) [2] دیکھو فان فلوٹن (Van Vloten) "اسٹرڈم کی شاہی اکیڈمی کی روئداد" ۱۸۹۲ء ص ۱۳ بعد، [3] بقول نیپوس (مؤرخ لاطینی) اس کا رتبہ شہنشاہ کے بعد دوسرے درجے پر تھا، سکندر کے ہاں پہلے ہیفائستیوں (Hephaistion) (باقی حاشیہ بر صفحہ ۳۴)

ارمنی مؤرخ ایران کے وزیر اعظم کو "ہزارپت وَرَن اَرتیس" لکھتے ہیں جس کے معنی "محافظِ دربار ایران" کے ہیں[1]، ایک خط میں جو اہلِ آرمینیہ نے یزدگرد دوم کے وزیر اعظم مہرنرسی کو لکھا اس کے القاب میں "ہزارپت ایران و غیر ایران[2]" کا لقب شامل کیا، لیکن جب اسی وزیر اعظم نے ارمنیوں کو خط لکھا تو اپنا لقب "وُزُرگ فرمادار ایران و غیر ایران[3]" تحریر کیا، طبری سے ہم کو اس بات کا پتہ چلتا ہے[4] کہ باضابطہ طور پر اس کا لقب یہی تھا اور مسعودی اور یعقوبی کے ان بعض عبارات ایسی ہیں جن سے اس امر کی کافی طور سے تائید ہوتی ہے کہ عہد ساسانی کے آخر تک وزیر اعظم کا لقب "وُزُرگ فرمادار" ہی تھا، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے علاوہ اس کو "در اندرزبد" (مشیرِ دربار) بھی کہا جاتا تھا[5]۔

وزیر اعظم کے عہدے پر جو لوگ مامور رہے ان میں سے ایک تو

بقیۂ حاشیہ صفحہ ۳۳ :- اور اس کے بعد پرڈکاس (Perdiccas) ہزاربد (Chiliarch) کے عہدے پر مامور تھا۔ پولی سپرکون (Polysperchon) کی ولایت کے زمانے میں کاسانڈر (Cassandre) کو ہزاربد کا عہدہ دیا گیا، اس پر مؤرخ ڈیوڈوروس (۱۸، ۴۸) مزید اطلاع دیتے ہوئے لکھتا ہے کہ شاہانِ ایران کے ہاں ہزاربد بلحاظ رتبہ سب سے اونچا عہدہ ہے (مارکوارٹ، رسالۂ فیلولوگس، ج ۵۵، ص ۲۲۷ بعد)، پای کُلی کے کتبے میں بھی ہزاربد کا لقب مذکور ہے (فرہنگ۔ نمبر ۳۴۲)۔

حاشیۂ صفحۂ ہٰذا۔ [1] شاہ ایران کے لقب کی مماثلت سے جو "شہنشاہ ایران و اَن ایران" تھا، [2] ارمنی زبان میں اس کو "وزرگ ہزرنتر" لکھا ہے، (ہیوبشمن، ارمنی گرامر، ج ۱ ص ۱۸۱-۱۸۲)۔ وزرگ فرمادار کے معنی "فرماں روائے بزرگ" یا حاکم اعلےٰ کے ہیں، فرمادار (بدون کلمۂ وزرگ)، مذہب زرتشتی میں ایک اونچے درجے کا دینی عہدہ دار تھا لیکن اس کے فرائض کا حال صحیح طور سے معلوم نہیں، (ویسٹ، متون پہلوی ج ۱ ص ۱۴۵، ج ۲ ص ۱۵۲، ۲۷۶)، [3] لانگلوا، ج ۲، ص ۱۹۰، ۱۹۲، [4] ترجمۂ نولدکہ ص ۱۱۱، [5] دیکھو ضمیمہ ۲، ہرزفلڈ، پای کُلی (فرہنگ۔ نمبر ۱۰۰) در اندرزبد = طیسفون کا اندرزبد،

ابہر سام کا نام معلوم ہے جو اردشیر اول کا وزیر تھا[1]، یزدگرد اول کے زمانے میں خسرو یزدگرد تھا[2]، مہر نرسی ملقب بہ "ہزار بندگ" (ہزار غلاموں والا) یزدگرد اول اور بہرام پنجم کا وزیر اعظم تھا[3]، سورین پہلو بہرام پنجم کے زمانے میں اس عہدے پر مامور تھا[4]۔

وزرگ فرمازار کے اختیارات اور وسعتِ اقتدار کے متعلق ہمارے پاس اطلاعات بہت کم ہیں، یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ اس کا فرضِ منصبی بادشاہ کی نگرانی میں امور سلطنت کا سر انجام تھا لیکن اکثر اوقات وہ اپنی رائے سے معاملات کو طے کرتا تھا اور جب کبھی بادشاہ سفر میں یا کسی مہم پر ہوتا تو وہ اس کا قائم مقام ہوتا تھا[5]، بیرونی ممالک کے ساتھ سیاسی گفت و شنید کا کام بھی اسی کے ذمے تھا اور اگر ضرورت پڑے تو وہ سالارِ لشکر بھی ہو سکتا تھا[6]۔ خلاصہ یہ کہ بادشاہ کا مشیرِ خاص ہونے کی حیثیت سے نظامِ حکومت کا جزو و کل اس کے ہاتھ میں تھا اور وہ ہر معاملے میں دخل دینے کا اہل تھا[7]، وزرگ فرمازار جو کامل معیار کا ہوتا تھا وہ تہذیب و شائستگی میں بے نظیر، اخلاقی قوت میں ممتاز، اپنے ابنائے زمانہ میں فائق[8]، جامع خصال حمیدہ، صاحبِ حکمت نظری و عملی[9]، اور دانائی و فرزانگی میں یکتا ہوتا تھا، اس کی شخصیت ایسی طاقتور ہوتی تھی کہ جب کبھی بادشاہ عیاشی اور بدکرداری میں مبتلا ہو جاتا تو وہ اس کو اپنے ذاتی اثر سے

---

[1] طبری ص ۸۱۶، کرسٹن سین، Acta Orientalia ج ۱۰ ص ۴۲ بعد، ابہر سام علاوہ وزیر اعظم کے ارگبد بھی تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ساسانی خاندان سے تھا، [2] لابور (Labourt) ص ۹۷، [3] طبری ص ۸۶۹، ۸۷۰، [4] لازار فرپی (مؤرخ ارمنی)، طبع لانگلوا، ص ۲۷۰، [5] طبری ص ۸۶۶، ترجمہ نولڈکہ ص ۱۰۶، [6] طبری ص ۸۶۸، ترجمہ نولڈکہ ص ۱۰۴، [7] لیکن چھٹی صدی کے دوران میں وزرگ فرمازار کے اختیارات کم ہو گئے تھے، دیکھو باب ششم و ضمیمہ ۲، [8] طبری ص ۸۶۹، [9] جو نمونہ کہ وزرگمہر (بزرجمہر) کا تھا، دیکھو کرسٹن سین (Acta Orientalia) ج ۸، ص ۸۱ بعد،

راہِ ہدایت کی طرف لاتا تھا[1]۔

وزیر اعظم کا عہدہ جس شکل میں کہ وہ زمانۂ خلافتِ اسلام میں تھا اور اس کی وہی شکل تمام اسلامی سلطنتوں میں برقرار رہی استقیماً دولتِ ساسانی سے اخذ کیا گیا تھا[2]۔ اور فضلائے عرب جنھوں نے سیاسی نظریئے قائم کئے وزیر اعظم کے عہدے کے متعلق جو اصولی باتیں لکھتے ہیں وہ ساسانیوں کے وزرگ فرمادار پر عین صادق آتی ہیں۔ بقول ماوردی وزیر اعظم تمام وہ اختیارات رکھتا ہے جو خود خلیفہ کے ہیں، صرف اتنی بات اس پر واجب ہے کہ وہ خلیفہ کو اپنے تمام انتظامات سے آگاہ کرتا رہے تاکہ اس کی زیر دستی اور اطاعت کا اظہار ہوتا رہے۔ دوسری طرف خلیفہ کا یہ فرض ہے کہ وزیر کے جملہ افعال کی نگرانی کرے۔ وزیر کے اختیارات صرف تین باتوں میں محدود تھے۔ اول یہ کہ اس کو اپنا جانشین یا نائب خود مقرر کرنے کا حق حاصل نہ تھا، دوسرے وہ مجاز نہ تھا کہ اپنے کام سے علیحدگی اور خانہ نشینی کی اجازت لوگوں سے طلب کرے کیونکہ وہ بادشاہ کا کارندہ ہے نہ کہ لوگوں کا، تیسرے اس کو خاص اجازت کے بغیر یہ اختیار نہ تھا کہ کسی ایسے عہدہ دار کو جسے بادشاہ نے مقرر کیا ہو برخاست کرکے اس کی جگہ دوسرا آدمی تعینات کرے[3]۔ ان تین باتوں میں سے دوسری کے متعلق صاف پتہ چلتا ہے کہ وہ عہد خلافت میں پیدا ہوئی جس کی بنا جمہوری حکومت پر تھی، پس خلاصہ یہ کہ وزرگ فرمادار کو شہنشاہِ ایران سے وہی تعلق تھا جو زمانۂ مابعد میں وزیر اعظم کو خلیفہ سے تھا۔ عربی کتاب موسوم بہ "دستور الوزراء" میں لکھا ہے کہ "شاہانِ ایران تمام بادشاہوں سے بڑھ کر اپنے

---

[1] طبری، ص ۱۰۴۳، [2] انگر Zangemeister (?)، رسالۂ انجمن مشرقی آلمانی، ج ۱۳، ص ۲۴۰۔

[3] ایضاً، ص ۲۴۲۔

وزراء کا احترام کرتے تھے، وہ یہ کہتے تھے کہ وزیر وہ شخص ہے جو ہماری حکومت کے معاملات کو سلجھاتا ہے، وہ ہماری سلطنت کا زیور ہے وہ ہماری زبانِ گویا ہے وہ ہمارا ہتھیار ہے جو ہر وقت مہیا ہے، تاکہ ہم اس سے دور دور کے ملکوں میں اپنے دشمنوں کو ہلاک کریں"[1]

نظامِ مذہب یا کلیسائے زرتشتی

مجوس (یا مغان)، اصل میں میڈیا کے ایک قبیلے یا اُس قبیلے کی ایک خاص جماعت کا نام تھا جو غیر زرتشتی مزدائیت کے علما، مذہب تھے[2] جب مذہب زرتشت نے ایران کے مغربی علاقوں (میڈیا اور فارس) کو تسخیر کیا تو مغان اصلاح شدہ مذہب کے رُوسائے روحانی بن گئے۔ اوستا میں تو یہ علماءِ مذہب آذروان کے قدیم نام سے مذکور ہیں لیکن اشکانیوں اور ساسانیوں کے زمانے میں وہ معمولاً مُغ کہلاتے تھے۔ ان لوگوں کو ہمیشہ قبیلۂ واحد کے افراد ہونے کا احساس رہا اور لوگ بھی ان کو ایک ایسی جماعت تصور کرتے تھے" جو قبیلۂ واحد سے تعلق رکھتی ہے اور خداؤں کی خدمت کے لئے وقف ہے"[3]

عہدِ ساسانی میں علمائے مذہب امرائے جاگیردار کے دوش بدوش چلتے رہے اور جب کبھی ضعف و انحطاط کا دَور آجاتا تھا تو یہ دونو جماعتیں بادشاہ کے خلاف ایک دوسرے کی مؤید ہو جاتی تھیں۔ لیکن ویسے یہ دو گروہ بالکل ایک دوسرے سے الگ تھے اور ہر ایک کی اپنی اپنی ترقی کا راستہ جُدا تھا،

---

[1] ایضاً ص ۲۴۰، [2] کرسٹن سین: مضمون بعنوان "ایرانیان" (کتابچۂ علوم قدیمہ)، سلسلہ سوم، حصہ اوّل، جلد ۳، ص ۲۰۹ بعد، [3] مارسیلینوس، ج ۲۳، ص ۶، س ۳۲،

جہاں تک ہمیں علم ہے ساسانیوں کے زمانے میں امرا کے بڑے بڑے گھرانوں میں سے کوئی شخص موبدان موبد نہیں بنایا گیا[1] موبدوں کا انتخاب ہمیشہ قبیلۂ مغان میں سے ہوتا تھا جس کی تعداد طبعی طور سے صدہا سال کے زمانے میں بہت بڑھ گئی تھی[2] طائفۂ مغان نے بھی ایران کی شاندار افسانوی تاریخ میں سے اپنا ایک شجرۂ نسب تیار کیا جو نجباء کے عالی خاندانوں کے شجرے کے مقابلے پر تھا، ساسانیوں نے اپنا نسب (بواسطۂ ہخامنشیان) کوی وشتاسپ تک پہنچایا جو زرتشت کا مربی تھا، اور اکثر دوسرے عالی خاندانوں نے بھی (بواسطۂ اشکانیان) اپنا مورث اعلےٰ اُسی کو قرار دیا، اس کے مقابلے پر موبدوں کا جدّ اعلےٰ شاہِ افسانوی مَنُوش چِتْر (منوچہر) قرار پایا جو ساطیری خاندان پرذات سے تھا کہ وشتاسپ سے بہت زیادہ قدیم ہے[3]

طبقۂ علماء مذہب اپنے دنیاوی اقتدار کو ایک مقدس اور مذہبی رنگ دیتے تھے اور اس ترکیب سے وہ ہر شخص کی زندگی کے اہم معاملات میں دخل دے سکتے تھے، گویا یوں کہنا چاہیے کہ ہر شخص کی زندگی مہد سے لحد تک ان کی نگرانی میں بسر ہوتی تھی، مؤرخ اگاثیاس لکھتا ہے[4] کہ "فی زماننا ہر شخص ان کا (مغان کا) احترام کرتا ہے اور بے حد تعظیم کے ساتھ پیش آتا ہے، پبلک کے معاملات ان کے مشوروں اور پیشینگوئیوں سے طے ہوتے ہیں اور لوگوں کے باہمی تنازعات کا وہ غور و فکر کے ساتھ فیصلہ کرتے ہیں، اہل فارس کے نزدیک

---

[1] تاریخ میں لکھا ہے کہ زروان داد پسر مہر نرسی کو جو خاندان سپندیاد سے تھا ہیربدان ہیربد بنایا گیا تھا،
[2] شیعہ سوسائٹی میں سیدوں کی تعداد بھی اسی طرح بڑھی ہے، [3] دیکھو ایرانی بُندہشن (طبع انکلساریا) کا انگریزی ترجمہ از ویسٹ (باب ۳۳)، خاندان قارین کا شجرۂ نسب جو طبری نے دیا ہے (ص ۸۷۷، ۸۷۸ - ۸۷۸)، اس کی رو سے اس خاندان کا جدّ اعلیٰ بھی یہی منوش چتر ہے، [4] ج ۲، ص ۲۶،

کوئی چیز مستند اور جائز نہیں سمجھی جاتی جب تک کہ ایک مُغ اس کے لئے جواز کی سند نہ دے "۔

موبدوں کا رسوخ اور اثر محض اس وجہ سے نہ تھا کہ ان کو روحانی اقتدار حاصل تھا یا یہ کہ حکومت نے ان کو فصلِ خصومات کا کام دے رکھا تھا یا یہ کہ وہ پیدائش اور شادی اور تطہیر اور قربانی وغیرہ کی رسموں کو ادا کراتے تھے۔ بلکہ ان کی زمینوں اور جاگیروں اور اس کثیر آمدنی کی وجہ سے بھی جو انہیں مذہبی کفّاروں اور زکوٰۃ اور نذر نیاز کی رقموں سے ہوتی تھی، اور پھر اس کے علاوہ انہیں کامل سیاسی آزادی حاصل تھی۔ یہاں تک کہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے حکومت کے اندر اپنی حکومت بنا رکھی تھی، شاپور دوم کے زمانے تک میڈیا اور بالخصوص ایٹروپتین (آذربایجان) مغوں کا ملک سمجھا جاتا تھا۔ وہاں ان لوگوں کی زرخیز زمینیں اور پُر فضا مکانات تھے جن کے گرد حفاظت کے لئے کوئی دیوار نہیں بنی ہوتی تھی[1]، اپنی ان زمینوں پر یہ لوگ اپنے خاص قوانین کے ماتحت زندگی بسر کرتے تھے[2] غرض یہ کہ رؤسائے مغان کے قبضے میں بلاشبہ بڑی بڑی املاک اور جاگیریں تھیں،

موبدانِ زرتشتی کی کلیسائی حکومت میں مراتب کا ایک سلسلہ تھا جو نہایت منظم اور مرتب تھا لیکن اس کے متعلق ہمارے پاس صحیح اطلاعات موجود نہیں ہیں، طائفہ مجوس (جن کو مُغان یا مگوآن یا مگوگان لکھا جاتا ہے) پیشوایانِ مذہب میں کمتر درجے کے تھے، لیکن تعداد میں کثیر تھے، بڑے بڑے آتشکدوں کے رئیس مُغان مُغ کہلاتے تھے، (جس کو مگوآن مگو یا مگو مگوآن بھی

---

[1] مطلب یہ ہے کہ انہیں حفاظت کے لئے دیوار کی حاجت نہ تھی بلکہ ان کا تقدّس ان کا محافظ تھا،

[2] مارسلینوس، ج ۲۳، ص ۶، س ۳۵،

لکھا جاتا ہے[1]، ان سے اوپر کا طبقہ موبدوں (مگوپت) کا تھا[2] تمام سلطنت ایران کلیسائی اضلاع میں منقسم تھی جن میں سے ہر ایک ضلع ایک موبد کے ماتحت تھا، بہت سے نگینے آج موجود ہیں جن پر موبدوں کے نام اور تصویریں کندہ ہوئی ہیں مثلاً ایک نگینے پر خسرو شاذ ہرمز کے موبد پابگ کا نام لکھا ہوا ہے، ایک پر وِیذشاپور موبد ارد شیر خورہ کا، اسی طرح فرخ شاپور موبد ایران خورہ شاپور، بافرگ موبد میشان وغیرہ[3]،

تمام موبدوں کا رئیس، علیٰ جس کو زرتشتی دنیا کا پوپ کہنا چاہیے موبدان موبد تھا، تاریخ میں پہلی دفعہ اس کلیسائی عہدے کا ذکر وہاں آیا ہے۔ جہاں یہ بتلایا گیا ہے کہ اردشیر اول نے ایک شخص کو جس کا نام شاید ماہ داذ تھا موبدان موبد مقرر کیا[4]، ممکن ہے کہ یہ عہدہ اس سے پہلے بھی موجود رہا ہو لیکن اس کی غیر معمولی اہمیت اسی وقت سے ہوئی جب سے کہ مزدائیت کو حکومت کا مذہب قرار دیا گیا ۔

ماہ داذ کے علاوہ اور جو لوگ موبدان موبد کے عہدے پر سرفراز رہے ان میں سے ایک تو بہنگ کا نام معلوم ہے دوسرے اس کا جانشین آذر بذ مہرسپندان تھا، یہ دونو شاپور دوم کے عہد میں تھے، اس کے بعد بہرام پنجم کے زمانے میں مہرو راز مہر آگاوبذ[5] اور مہر شاپور تھے اور خسرو اول (انوشیروان) کے عہد میں

---

[1] دیکھو مہرہائے بافرگ وکواذ، بافرگ آتش آذرگشنسپ کا مغان مغ تھا۔ (آتش آذرگشنسپ کے متعلق دیکھو باب سوم)، ہرتسفلٹ: پائی کلی ص ۸۲ ، [2] یونانی اور لاطینی مصنف لفظ مگوس (magus) سے بلا امتیاز مغ اور موبد دونو مراد لیتے ہیں ۔ برعکس اس کے عربی اور فارسی تصانیف میں لفظ موبد مذہب زرتشتی کے تمام کلیسائی مراتب پر حاوی ہے، [3] ہرتسفلٹ: پائی کلی، ص ۷۹-۸۱، [4] طبری ص ۸۱۶، کرسٹن سین (Acta Orientalia ج ۱۰ ص ۴۹-۵۰، [5] بندہشن (ترجمۂ ویسٹ باب ۳۳)، متن طبع انکلساریا ص ۲۳۶،

آزاذ سذ موبدان موبد تھا۔[۱]

تمام امورِ کلیسائی کا نظم ونسق موبدان موبد کے ہاتھ میں تھا، دینیات اور عقائد کے نظری مسائل میں فتوے صادر کرنا اور مذہبی سیاسیات میں عملی معاملات کو طے کرنا اسی کا کام تھا۔ کلیسائی عہدہ داروں کو یقیناً وہی مقرر کرتا تھا اور وہی معزول کرتا تھا۔ دوسری طرف خود اس کا اپنا تقرر (جیسا کہ بہت سی علامات سے ظاہر ہے) بادشاہ کے اختیار میں تھا، جب کبھی ملک کے کسی حصّے میں مروجہ مذہب کے خلاف مخالفت کا ہنگامہ برپا ہوتا تھا تو وہ تحقیقاتی کمیشن کے مقرر کرنے میں حکومت کے ساتھ تعاون کرتا تھا۔[۲] تمام مذہبی معاملات میں وہ بادشاہ کا مشیر ہوتا تھا،[۳] اور روحانی مرشد اور اخلاقی رہنما ہونے کی حیثیت سے سلطنت کے تمام معاملات میں وہ غیر معمولی طور پر اپنا اثر ڈال سکتا تھا۔[۴]

آتشکدوں میں مراسمِ نماز کا ادا کرانا جس کے لئے خاص علم اور عملی تجربے کی ضرورت تھی ہیربدوں سے متعلق تھا، ہیربد وہی لفظ ہے جو اوستا میں اَئیثرپایتی ہے، خوارزمی نے ہیربد کی تعریف "خادم النار" کی ہے۔[۵] طبری نے لکھا ہے کہ خسرو دوم (پرویز) نے آتشکدے تعمیر کرائے جن میں اس نے بارہ ہزار

---

[۱] "وقائع شہدائے ایران" (اقتباسات از Hoffmann) ص ۲۱۳، [۲] دیکھو باب ششم،

[۳] طبری ص ۹۹۵، [۴] شاہنامۂ فردوسی میں موبد اور موبدان موبد جو اہم فرائض انجام دیتے ہیں وہ قابل توجہ ہیں۔ نیز دیکھو نہایہ (ص ۲۲۷ - ۲۴۰) جہاں موبدان موبد شاہ متوفی کا وصیت نامہ مرتب کرتا ہے اور پھر اس کے جانشین بیٹے کو پڑھ کر سناتا ہے۔ تاریخ کے خاص خاص زمانوں میں بادشاہ کے انتخاب میں موبدان موبد کو جو دخل تھا اس کے متعلق دیکھو باب ششم، طبری کے ایک مقام (ص ۸۶۲) سے پتہ چلتا ہے کہ موبدان موبد بادشاہ کے گناہوں کے اعتراف کی سماعت بھی کرتا تھا، [۵] مفاتیح العلوم، ص ۱۱۹،

ہیربدِ زمزمہ و مناجات کے لئے مقرر کئے۔[1] ہیربد کے عہدے کی جو عزت و توقیر ہوتی تھی وہ اس سے ظاہر ہے کہ ساتویں صدی میں جب عربوں نے فارس کو فتح کیا تو اس وقت اس صوبے کا حاکم ایک ہیربد تھا جو گویا دین و دنیا کی حکومت کا جامع تھا۔[2]

ہیربدوں کا رئیس اعلیٰ ہیربذان ہیربد تھا جو کم از کم عہد ساسانی کے خاص خاص زمانوں میں موبذان موبد کے بعد سب سے بڑے صاحب منصبوں میں شمار ہوتا تھا۔[3] ہیربذان ہیربد جو تاریخ میں مذکور ہیں ان میں ایک تنسر ہے جو کلیسائے رسمی کی تنظیم میں اردشیر اوّل کا معاون تھا۔[4] ایک زروان داذ پسر مہر نرسی ہے جس کو بقول طبری "اس کے باپ نے مذہب و شریعت کے لئے وقف کر دیا تھا۔[5] طبری کی اس عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ حاکم شریعت کے فرائض بھی ہیربذان ہیربد انجام دیتا تھا اور مسعودی نے تو صاف صاف لکھا ہے کہ ہیربد بحیثیت حکام عدالت قانونی فیصلے صادر کیا کرتے تھے۔[6]

کلیسائے زرتشتی کے دوسرے عہدہ داروں کے فرائض کو ہم صحیح طور سے معیّن نہیں کر سکتے۔ وِرَذْوَبذ (استاد عمل[7]) اور دَستوَر تھے۔ دستوَر غالباً مسائل مذہبی کے ماہر کو کہتے تھے۔ گویا ایک طرح کا فقیہ جس کی طرف لوگ شریعت کے پیچیدہ مسائل کو

---

[1] طبری ص ۱۰۴۱-۱۰۴۲، اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ تعداد بہت مبالغہ آمیز ہے۔ یعقوبی نے ہیربد کے معنی قیّم النار بتلائے ہیں (طبع ہوتسما، ج ۱، ص ۲۰۲)۔ [2] آگے چل کر معلوم ہوگا کہ بادشاہ کے سامنے آتش مقدس کے بجھنے کا اعلان ہیربذان ہیربد ہی نے کیا تھا۔ [3] آتشکدوں کے متعلق جملہ تفاصیل دیکھو باب ششم میں۔ [4] دیکھو ضمیمہ ۲۔ [5] دین کرد طبع پشوتن سنجانا ص ۴۵۰، ۴۵۶، کرسٹن سین (Acta Orientalia، ج ۱۰، ص ۴۵-۴۷، نیز دیکھو آگے باب سوم۔ [6] ص ۸۶۹۔ [7] مروج الذہب، ج ۲، ص ۱۵۶۔ [8] بنونیست (Benveniste) رسالہ "تبصرۂ مطالعات ارمنی" (بزبان فرانسیسی)، ج ۹، ص ۱۰۔

عمل کرانے کے لئے رجوع کرتے تھے[1]، ایک اور اعلےٰ عہدہ مُغان اَندرزبذ یا مگوگان اندرزبد (معلّمِ مُغان) کا تھا[2]۔

یہ مذہبی عہدہ دار عامۃ الناس کے ساتھ اپنے تعلقات میں جو فرائض انجام دیتے تھے وہ متعدّد اور مختلف تھے، مثلاً مراسم تطہیر کا ادا کرانا، گناہوں کے اعترافات کو سننا اور ان کو معاف کرنا، کفاروں کا تجویز کرنا، ولادت کی مقررہ رسوم کا انجام دلوانا، رشتۂ مقدس یعنی زُنّار (کُستیگ) کا باندھنا، شادی اور جنازہ[3] اور مختلف مذہبی تہواروں کے مراسم کی نگرانی وغیرہ، اگر اس بات کو دیکھا جائے کہ کس طرح مذہب روزانہ زندگی کے چھوٹے سے چھوٹے واقعات میں بھی مداخلت کرتا تھا اور یہ کہ ہر شخص دن اور رات میں کتنی دفعہ ذرا سی غفلت پر گناہ اور نجاست میں پکڑا جاتا تھا تو معلوم ہوگا کہ مذہبی عہدہ کوئی بے کام کی نوکری نہ تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک شخص جس کو بزرگوں سے کوئی مال یا جائداد ترکے میں نہ ملی ہو مذہبی پیشہ اختیار کرکے اپنے متفرق مشاغل کی بدولت بآسانی صاحب ثروت بن سکتا تھا[4]۔ ان مذہبی عہدہ داروں پر واجب تھا کہ دن میں چار دفعہ آفتاب کی پرستش کریں، اس کے علاوہ چاند اور آگ اور پانی کی پرستش بھی ان پر فرض تھی۔

---

[1] اردشیر اوّل نے اوستا کے متن کو معیّن کرانے کے لئے سلطنت کے تمام "دستوروں" اور "موبدوں" کو جمع کیا تھا، بعض وقت لفظ "دستور" عام معنوں میں استعمال ہوتا ہے، اور اس کا اطلاق جماعتِ علمارِ زرتشتی کے تمام افراد پر ہوتا ہے۔ [2] ایلیزے، دیکھو ہیوبشمن (ارمنی گرامر) ج ۱، ص ۹۹، ہوفمن ص ۵۰-۵۱ (وہ پناہ، مگوگان اندرزبد)، "رئیس مُغان" یعنی رئیس مغان کا ایک عہدہ، عربوں کی فتح کے وقت موجود میں تھا اور اسلامی زمانے میں ڈیڑھ سو برس تک قائم رہا، لیکن یہ عہدہ ساسانیوں کے آخری زمانے میں وجود میں آیا تھا، (مارکوارٹ، "ایرانشہر" ص ۱۲۸)۔ [3] مُردوں کو دخموں میں لے جاکر چھوڑ آنے کے متعلق ہم اوپر لکھ چکے ہیں (ص ؍)۔ [4] دین کرد، ج ۸، ۲۰۰، ۲۴۴۔

ان کے لئے ضروری تھا کہ سونے اور جاگنے اور نہانے اور زنار باندھنے اور کھانے اور چھینکنے اور بال یا ناخن ترشوانے اور قضائے حاجت اور چراغ جلانے کے وقت خاص خاص دعائیں پڑھیں ۔ انہیں حکم تھا کہ ان کے گھر کے چولہے میں آگ کبھی بجھنے نہ پائے، آگ اور پانی ایک دوسرے کو چھونے نہ پائیں، دھات کے برتنوں پر کبھی زنگ نہ آنے پائے کیونکہ دھاتیں مقدس ہیں۔ جو شخص کسی میت یا حائضہ عورت یا زچہ کو (خصوصاً جس نے مُردہ بچہ جنا ہو) چھو جائے اس کی ناپاکی کو دُور کرنے کے لئے جو رسوم و قواعد تھے ان کا پُورا کرنا حد سے زیادہ پُر زحمت اور تھکا دینے والا تھا ۔ اردگ ویراز نے جو بہت بڑا صاحب کشف تھا، جب عالمِ رُویا میں دوزخ کو دیکھا تو وہاں قاتلوں اور جھوٹی قسم کھانے والوں اور لواطت کرنے والوں اور دوسرے مُجرموں کے علاوہ ایسے لوگ بھی دیکھے جن کا گناہ یہ تھا کہ انہوں نے زندگی میں گرم پانی سے غسل کیا تھا یا پانی اور آگ میں ناپاک چیزیں پھینکی تھیں یا کھانا کھانے میں باتیں کی تھیں یا مُردوں پر روئے تھے یا بے جوتوں کے پیدل چلے تھے ۔

ان مذہبی پیشواؤں کے رتبے اور مقام کے متعلق جملہ تفاصیل کتاب ہیربذستان (قانون نامۂ کلیسائی) اور نیرنگستان (قوانین رسوم مذہبی) میں مسطور ہیں۔ یہ دونوں کتابیں نُسک ہاوپارم کے دو باب ہیں جو ساسانی اوستا کی گم شدہ جلدوں میں سے ایک ہے[1]، ہیربذستان میں منجملہ اور باتوں کے علماء مذہب کو دیہات و قصبات میں مذہبی تعلیم دینے اور مراسم عبادت ادا کرانے کی غرض سے بھیجنے کے مسئلے پر بحث ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ اُن کو اپنی غیر حاضری میں اپنی زمین کی

---

[1] دینکرد (۸، ۲۸) میں دیا ہے، دونوں بابوں کا کچھ حصہ آج بھی باقی ہے، نیرنگستان (چھاپ فوٹو زنکو بتصحیح دارب دستور پشوتن سنجانا (بمبئی ۱۸۹۴ء)، ترجمہ انگریزی از بلسارا (بمبئی ۱۹۱۵ء))،

کاشت کا کیا انتظام کرنا چاہیئے، پھر اس بات پر بحث ہے کہ خاص حالات کے اندر مراسم عبادت میں امداد کے لئے کسی عورت یا بچے کی خدمات سے کیونکر مستفید ہونا چاہیئے۔ وغیرہ وغیرہ۔ ہُسپارم نسک کے ایک اور باب میں اس امر پر بحث ہے کہ زوُتر کو (جو آتشکدہ میں آگ کے روبرو نماز ادا کرانے کا پیش امام ہوتا ہے[1]) کیا اُجرت دینی چاہیئے۔ اس کے علاوہ اسی قسم کے دوسرے کلیسائی مراسم پر بحث ہے[2]۔ دیہات میں کسانوں پر یہ بات واجب کی گئی تھی کہ معلّم مذہب کو کھلانے پلانے اور اس کی باقی تمام ضروریات کے کفیل ہوں[3]۔

پیشوایانِ مذہب کا صرف یہی فرض نہیں تھا کہ وہ مراسم کو ادا کرائیں بلکہ لوگوں کی اخلاقی رہنمائی اور روحانی حکومت بھی ان کے ذمے تھی، اور پھر تعلیمات کا سارا سلسلہ (ابتدائی درجے سے لے کر اعلےٰ درجے تک) ان علماء مذہب ہی کے ہاتھ میں تھا کیونکہ صرف یہی لوگ تھے جو علوم زمانہ کے تمام شعبوں پر حاوی تھے۔ کتبِ مقدسہ اور ان کی تفاسیر کے علاوہ غالباً ایک کافی تعداد شریعت اور دینیات کی کتابوں کی موجود ہوگی۔ ایلیزے[4] نے ایک موبد کا ذکر کیا ہے جس کو علوم دینی میں تبحر کی وجہ سے ہمگ دین (مذہب میں عالم کامل[5]) کا پُر توقیر لقب دیا گیا تھا۔ اس نے قانون کی وہ پانچ کتابیں پڑھی تھیں جن میں مُغوں کے تمام عقاید درج ہیں یعنی اَنپرتگ اش[6]۔ بوزبیت[7] پہلویگ (مجموعۂ قوانین پہلوی)

---

[1] نماز کی تفصیل دیکھو باب سوم میں۔ [2] دینکرد (۸، ۳۱، ۲۰۰) [3] دینکرد (۹، ۱، ۴، ۱۶) [4] Elisæus۔
[5] علامہ کا مترادف (مترجم)۔ [6] یہ ارمنی شکل ہے جس کی تہ میں شاید پہلوی لفظ امبرکیش چھپا ہو جس کے معنی کم و بیش "عقاید دینی کا کامل مجموعہ" ہونگے۔ [7] پہلوی بزہیت یعنی "کردہ گناہوں کا اعتراف"۔ گناہوں کے اعتراف کا دستور عہد ساسانی کی بدعت تھی جو بظاہر عیسائیت یا مانویت کے اثر میں پیدا ہوئی۔ دیکھو زوُنی (Pettazzoni) کا مضمون در "یادگار نامۂ مودی" (Modi Memorial Volume) ص ۴۳۹ ببعد۔

ـب دین (مذہب پارسی) اور ان کے علاوہ موبدوں کے مخصوص عقاید کا بھی
لم تھا ،
اس کتاب کے باب ششم میں ہم موبدوں کے عدالتی فرائض پر بحث
ں گے ؛

مالیات

واستریوشان سالار صاحب الخراج کو کہتے تھے[1] لفظ واستریوشان سالار
استریوش بذ کے معنے "رئیسِ کاشتکاران" کے ہیں ، چونکہ خراج کا سارا بوجھ
عت پر تھا اور لگان کی شرح ہر ضلع کی اچھی یا بُری کاشتکاری اور زرخیزی پر
وف تھی لہذا یقیناً واستریوشان سالار پر یہ واجب تھا کہ زمینوں کے جوتنے
نے اور آب پاشی کے انتظام کی نگرانی کرے ، اغلب یہ ہے کہ واستریوشان سالار
ۂ مالیات کا رئیس اعلےٰ تھا اور ہم یہ فرض کر سکتے ہیں کہ نہ صرف خراج بلکہ
فصی ٹیکس کا وصول کرنا بھی اسی کے ذمے تھا ، اسلئے کہ اس کو ہتخش بذ (دستکاروں کا
سر) بھی کہتے تھے ، اور دستکاروں میں وہ سب لوگ شامل تھے جو ہاتھ کی
نت سے روزی کماتے تھے مثلاً غلام ، کسان ، تاجر وغیرہم ، خلاصہ یہ ہے
کہ واستریوشان سالار وزیرِ مالیات بھی تھا وزیرِ زراعت بھی اور وزیرِ صنعت و
تجارت بھی ۔

واستریوشان سالاروں میں سے جو تاریخ میں مذکور ہیں ، ایک تو
گشنسپ آذار ہے جو بہرام پنجم کی تخت نشینی سے پہلے گذرا ہے[2] ، ایک

---

[1] طبری ص ... ، [illegible] ، مارکوارٹ ، ڈمنگ ... ، [2] دینوری ص ۵۷ ،

ماہ گشنسپ پسر مہر نرسی[1] ہے اور ایک یزدین ہے جو مذہباً عیسائی تھا اور خسرو دوم (پرویز) کے عہد میں تھا[2]

محکمۂ مالیات کے اعلےٰ افسروں میں ایک تو آمارکار تھے جن کو کلکٹر یا محاسبینِ اعلےٰ کہنا چاہیئے، ایک اعلےٰ عہدہ ایران آمارکار کا تھا جو غالباً وزرگ فرمذار کا قائم مقام تھا[3]، لیکن ہم اس بات کو ٹھیک ٹھیک نہیں بتلا سکتے کہ واستریوشان سالار کے مقابلے پر اس کے فرائضِ منصبی کیا تھے۔ پھر ایک عہدہ در آمارکار کا تھا (یعنی دربار یا محل شاہی کا محاسب اعلےٰ)[4] ایک واسپُہران آمارکار تھا جو واسپُہروں کی جاگیروں سے سرکاری لگان وصول کرتا تھا[5] اور ایک شہر آمارکار تھا جو غالباً صوبجات کی حکومت کا محاسب تھا[6] ایک عہدہ آذربذگان آمارکار بھی سننے میں آیا ہے جو صوبۂ آذربائیجان کا محصّل تھا[7]

بادشاہ کا خزانچی غالباً گنزوَر[8] کہلاتا تھا، ہرٹسفلٹ کا خیال ہے کہ ٹکسال کے محافظ کو گنبذ کہتے تھے[9]

گورنمنٹ کی آمدنی کے بڑے بڑے ذرائع خراج اور شخصی ٹیکس تھے،[10]

---

[1] طبری ص ۱۰۴۹، [2] طبری ص ۱۰۶۰، [3] دیکھو ضمیمہ ۲ کا آخری حصّہ [4] ہرٹسفلٹ، پای کُلی، ص ۸۰-۸۱، [5] ایضاً، فرہنگ (نمبر ۵۰-۵۱)، [6] ایضاً، فرہنگ (نمبر ۴۳۸)، [7] پاخوموف (Pachomov) و نائبرگ (Nyberg) در "رسالۂ انجمن علمی آذربائجانی" (بزبان فرانسیسی)، ص ۲۶-۲۴، [8] ہیوبشمن ارمنی گرامر، ج ۱، ص ۱۲۶، [9] پای کُلی، (فرہنگ - نمبر ۲۴۴)، [10] عربوں کے عہد حکومت میں خراج اور جزیہ کے لفظ استعمال ہوتے تھے جن میں سے پہلا تو پہلوی لفظ خراگ اور دوسرا لفظ گزیت ہے جو آرامی سے پہلوی میں مستعار لیا گیا تھا۔ دیکھو نولڈکہ (ترجمہ طبری ص ۲۴۱، ج ۱)، اسلام کی پہلی صدی میں یہ دونو لفظ بلا امتیاز کبھی زمین کے لگان کے لئے اور کبھی شخصی ٹیکس کے لئے استعمال ہوتے تھے، نولڈکہ نے ایک پرائیویٹ خط میں لکھا ہے کہ اس زمانے میں (باقی حاشیہ بر صفحہ ۴۸)

شخصی ٹیکس کی ایک خاص رقم سالانہ مقرر ہو جاتی تھی جس کو محکمۂ مالیات مناسب طریقے سے اداکنندگان پر تقسیم کر دیتا تھا، خراج کی وصولی اس طرح ہوتی تھی کہ زمین کی پیداوار کا حساب لگا کر ہر ضلع سے اس کی زرخیزی کے مطابق چھٹے حصے سے ایک تہائی تک لیا جاتا تھا[1]

با ایں ہمہ خراج اور ٹیکس کے لگانے اور وصول کرنے میں محصّلین خیانت اور استحصال بالجبر کے مرتکب ہوتے تھے، اور چونکہ قاعدۂ مذکور کے مطابق مالیات کی رقم سال بسال مختلف ہوتی رہتی تھی، یہ ممکن نہ تھا کہ سال کے شروع میں آمدنی اور خرچ کا تخمینہ ہو سکے، علاوہ اس کے ان چیزوں کو ضبط میں رکھنا بھی بہت مشکل تھا۔ بسا اوقات نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ ادھر تو جنگ چھڑ گئی اور ادھر روپیہ ندارد، ایسی حالت میں پھر غیر معمولی ٹیکسوں کا لگانا ضروری ہو جاتا تھا اور تقریباً ہمیشہ اس کی زد مغرب کے مالدار صوبوں خصوصاً بابل پر پڑتی تھی۔

تاریخ میں اکثر اس بات کا ذکر آتا ہے کہ بادشاہ نے اپنی تخت نشینی پر پچھلے خراج کا بقایا معاف کر دیا، نئے بادشاہ کے لئے یہ بات ہر دلعزیزی کا باعث ہوتی تھی، بہرام پنجم نے اپنی تخت نشینی کے موقع پر حکم دیا تھا کہ مالیات کا بقایا

(بقیۂ حاشیہ صفحہ ۴۷):- قانون رومانی میں اس رقم کو بھی خراج کہتے تھے۔ جو ایک پیشہ ور غلام اپنی آمدنی میں سے اپنے آقا کو دیتا تھا، تلمود میں لفظ خرگا شخصی ٹیکس کے معنوں میں آیا ہے غرض یہ کہ عہد ساسانی میں ان دو لفظوں کا الگ الگ استعمال ہم ٹھیک طور پر معین نہیں کر سکتے۔ آٹھویں صدی عیسوی کے نصف اوّل میں جا کر عربوں نے ان دو اصطلاحوں کے معنی معین کئے یعنی خراج زمین کا ٹیکس اور جزیہ شخصی ٹیکس، (دیکھو ولہاوزن Wellhausen "سلطنت عرب" ص ۱۳۰ و ۲۹۹، نیز بیکر Becker "تاریخ مصر" ص ۸۷ و ۱۱۰)،

حاشیۂ صفحہ ہذا:- [1] یا بقول دینوری (ص ۶۷) پیداوار کے دسویں حصے سے نصف تک گاؤں یا شہر کے کم یا زیادہ فاصلے کو بھی حساب میں لایا جاتا تھا،

سات کروڑ درہم کی خطیر رقم بنتی تھی معاف کر دیا جائے اور اس کے سال
دس کا خراج بھی بقدر ایک تہائی کے کم کر دیا جائے[1]۔ شاہ پیروز نے قحط
کے زمانے میں اپنی رعایا کو خراج اور جزیہ اور خیراتی ٹیکس (جو رفاہ عام کے
موں کے لئے لیا جاتا تھا) اور بیگار اور تمام دوسرے بوجھ بار معاف کر
دیئے تھے[2]۔

باقاعدہ ٹیکسوں کے علاوہ رعایا سے نذرانے لینے کا بھی دستور تھا جسکو
آئین کہتے تھے۔ اسی آئین کے مطابق عید نوروز اور مہرگان کے موقعوں پر
لوگوں سے جبراً تحفے تحائف وصول کئے جاتے تھے[3]۔ خزانۂ شاہی کے ذرائع
آمدنی میں سے ہمارا خیال ہے کہ سب سے اہم جاگیرہائے خالصہ کی آمدنی اور
وہ ذرائع تھے جو بادشاہ کے لئے حقوقِ خسروی کے طور پر مخصوص تھے۔ مثلاً
فارنگیون (علاقۂ آرمینیہ) کی سونے کی کانوں کی ساری آمدنی بادشاہ کی ذاتی آمدنی
تھی[4]۔ ان کے علاوہ مالِ غنیمت بھی ایک ذریعہ آمدنی کا تھا اگرچہ وہ آمدنی غیر معین
اور بے قاعدہ تھی، خسرو دوم اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے[5] ان اشیاء کی فہرست
بیان کرتا ہے جو اس نے جنگ میں غنیمت کے طور پر حاصل کیں۔ اس فہرست
میں سونا اور چاندی اور جواہرات اور پیتل اور فولاد اور ریشم اور اطلس اور دیبا اور
مویشی اور اسلحہ اور عورتیں اور بچے اور مرد جو گرفتار ہو کر آئے وغیرہ وغیرہ تھے۔

---

[1] طبری ص ۸۹۶، [2] طبری، ص ۸۸۳، [3] فان فلوٹن (Van Vloten): "حکومت عرب پر تحقیقات" (بزبان فرانسیسی) ص ۹، تحفے تحایف پیش کرنے کی رسم اس وقت بھی ایران میں جاری ہے۔ دیکھو کرزن کی کتاب "ایران" جس میں جا بجا اس کا ذکر پایا جاتا ہے، گرین فیلڈ (Greenfield): "تنظیم دولت ایرانی" (جرمن) برلن ۱۹۱۳ء، ص ۲۴۶، عید نوروز و مہرگان کے متعلق دیکھو باب سوم، [4] پروکوپیوس، ج ۱ ص ۱۵، [5] اس کی تفصیل کے لئے دیکھو باب نہم،

اس بات کا ثبوت کہ اس زمانے میں محصولِ درآمد بھی لیا جاتا تھا ہم کو اُس صُلح نامہ کی شرائط سے ملتا ہے جو ۵۶۲ء میں خسرو اوّل (نوشیروان) اور قیصر جسٹینین[1] کے درمیان طے ہوا۔ اس صلحنامے کی دفعہ ۲ میں یہ قرار پایا کہ ایرانی اور رومی تاجر ہر قسم کا مالِ تجارت اسی طرح لاتے اور لے جاتے رہیں جیسا کہ وہ ہمیشہ سے کرتے آئے ہیں۔ لیکن چاہیئے کہ کُل مالِ تجارت محصول خانوں میں سے ہو کر جائے۔ اور دفعہ ۴ میں یہ شرط لکھی گئی کہ فریقین کے سفیر اور سرکاری قاصد اس بات کے مجاز ہوں کہ جب وہ فریقِ ثانی کے ملک میں وارد ہوں تو ڈاک کے گھوڑوں کو سواری کے لئے استعمال کر سکیں اور ان کے ہمراہ خواہ کتنا ہی مال کیوں نہ ہو اس کو بلا رکاوٹ جانے دیا جائے۔ اور اس پر کوئی محصول نہ لیا جائے[2]۔

سلطنت کے مصارف کی بڑی بڑی مدوں میں ایک تو جنگ تھی، دوسرے دربار کے اخراجات، سرکاری ملازموں کی تنخواہیں، گویا حکومت کی کل کو باقاعدہ چلانے کا خرچ، پھر زراعت کے لئے رفاہِ عام کے کام مثلاً نہروں اور بندوں کی تعمیر اور ان کی نگہداشت کے اخراجات وغیرہ۔ لیکن رفاہِ عام کے کاموں سے جن صوبوں کی آبادی کو خاص طور سے فائدہ پہنچتا تھا وہاں کے لوگوں سے ان کاموں کے لئے چندہ لیا جاتا تھا۔ اور شاید یوں بھی بالعموم لوگوں سے ایسی تعمیرات کے لئے خاص مالیہ وصول کیا جاتا تھا۔ مالیات کا بقایا معاف کرنے کے علاوہ بعض اوقات غرباء کو نقد روپیہ بھی تقسیم کیا جاتا تھا، جیسا کہ مثلاً بہرام پنجم اور پیروز نے کیا[3]۔ بہرام نہ صرف غرباء کو خیرات تقسیم کرتا تھا بلکہ اس کی بخششوں سے امراء و نجباء بھی بہرہ مند ہوتے تھے

---

[1] Justinian ۔ [2] دیکھو گرے (Gray) کا مضمون مودی کے "یادگار نامے" میں (ص ۱۴۹)، نیز "کتاب استقلال گمرک ایران" تالیف رضا صفی نیا (طہران ۱۳۰۷ھ ہجری شمسی)، ص ۹۴-۱۰۲۔ [3] طبری ص ۸۶۶ و ۸۷۳۔

جن کو اس نے دو کروڑ درہم انعام و اکرام کے طور پر دیئے[1]۔ لیکن پبلک کے فائدے کے لئے جتنا روپیہ شاہی خزانے سے خرچ ہوتا تھا وہ کچھ زیادہ نہ تھا۔ شاہان ایران کے ہاں ہمیشہ یہ دستور رہا کہ جہاں تک ممکن ہوتا اپنے خزانے میں نقد روپیہ اور قیمتی اشیاء جمع کرتے تھے۔

ارمنی مؤرخوں کے بیان کے مطابق جب نیا بادشاہ تخت نشین ہوتا تھا تو خزانے میں جتنا روپیہ موجود ہوتا اس کو گلا دیا جاتا اور پھر نئے بادشاہ کی تصویر کے ساتھ نئے سکے بنائے جاتے تھے۔ اسی طرح جس قدر سندیں پرانے کاغذات میں محفوظ ہوتی تھیں۔ ان میں ضروری تبدیلیاں کر کے نئے بادشاہ کے نام سے ان کو دوبارہ نقل کر کے رکھا جاتا تھا[1]۔

صنعت و حرفت، تجارت اور آمد و رفت کے راستے

مشہور چینی سیاح ہیوئن سیانگ جس نے ساتویں صدی عیسوی کے شروع میں مغربی ایشیا کے ملکوں کی حالت بیان کی ہے نہایت مختصر الفاظ میں ایران کی صنعت و حرفت کے بارے میں لکھتا ہے کہ "اس ملک کی صنعتی پیداوار میں سونے، چاندی، تانبے اور بلور کی بنی ہوئی چیزیں، نایاب قسم کے موتی اور دوسری مختلف قسم کی قیمتی اشیاء ہیں، یہاں کے صناع ریشم کا نہایت باریک دیبا، اونی کپڑے اور قالین وغیرہ بُن سکتے ہیں"[2]۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ پارچہ بافی ایران کی

---

[1] پاتکانیان، "مجلۂ آسیائی" (J. A.)، ۱۸۹۶ء، ج ۱، ص ۱۱۳۔ [2] انگریزی ترجمہ سفرنامہ ہیوئن سیانگ از بیل (Beal)، ص ۲۷۸۔

عمدہ صنعتوں میں سے شمار ہوتی رہی ہے۔

نئی قسم کی صنعتوں کو رائج کرنے کے لئے اور بنجر علاقوں کو آباد کرنے کی غرض سے ایران میں یہ دستور رہا ہے کہ ملک کے مختلف حصّوں میں اسیران جنگ کی نئی بستیاں آباد کی جاتی تھیں۔ مثلاً داریوش اوّل نے اریٹریا[1] کے بہت سے باشندوں کو خوزستان میں لاکر آباد کیا تھا[2] اور شاہ اورودیس نے رومن قیدیوں کی بستیاں مرو کے نواح میں بسائی تھیں۔ اسی طرح شاپور اوّل نے رومن قیدیوں کو جُندیشاپور میں آباد کیا تھا اور فنِ انجنیری میں ان کی مہارت کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے ان سے وہ مشہور بند تعمیر کرایا جو تاریخ میں "بندِ قیصر" کے نام سے مذکور ہے[3]۔ شاپور دوم نے جو قیدی آمد میں گرفتار کئے تھے انہیں شوش، شوشتر اور اہواز کے دوسرے شہروں میں تقسیم کر دیا جہاں انہوں نے دیبا اور دوسرے ریشمی کپڑے بُننے کی صنعت کو رائج کیا[5]۔ اگرچہ بسا اوقات اس قسم کی بستیاں تھوڑی مدت کے بعد ویران ہو جاتی تھیں لیکن کبھی کبھی ان کی آبادی پائدار بھی ثابت ہوتی تھی[6]۔

خشکی کے راستے سے جو تجارت ہوتی تھی اس کے لئے قدیم کاروانی راستے استعمال کئے جاتے تھے۔ طیسفون سے جو دجلہ کے کنارے پر سلطنت کا پایۂ تخت تھا ایک شاہراہ حلوان اور کنگاور ہوتی ہوئی ہمدان پہنچتی تھی جہاں سے مختلف راستے مختلف سمتوں کو جاتے تھے، ایک جنوب کو خوزستان اور

---

[1] Eretria، مشرقی یونان میں ایک نہایت آباد شہر تھا۔ داریوش اوّل نے ۴۹۰ قبل مسیح میں اسے فتح کر کے ویران کر دیا تھا اور اس کے اکثر باشندوں کو غلام بنا لیا تھا (مترجم)۔ [2] ہیرودوٹس، ج ۶ ص ۱۱۹۔ [3] Orodes۔ [4] نولدکہ: ترجمۂ طبری، ص ۳۳، ح ۲۔ [5] مسعودی: مروج الذہب ج ۲ ص ۱۸۶۔ [6] شپیگل (Spiegel): "تاریخ ایرانِ قدیم" (جرمن)، ج ۳، ص ۶۶۰۔

فارس میں سے گذرتا ہوا خلیج فارس تک پہنچتا تھا، دوسرا رستے کو (جو طہران جدید کے قریب واقع تھا) جہاں سے وہ گیلان اور کوہستان البرز کی تنگ گھاٹیوں کو طے کرتا ہوا بحر خزر تک جاتا تھا یا خراسان میں سے گذر کر وادی کابل کی راہ سے ہندوستان میں جا داخل ہوتا تھا یا ترکستان اور گذرگاہ تارم میں سے ہو کر چین پہنچ جاتا تھا۔

رومن امپائر کی طرف آمد و رفت کے لئے شہر نصیبین ایک اہم مرکز تھا، ۲۹۸ء میں جو صلحنامہ شاہ نرسی اور قیصر ڈائیوکلیشین[1] کے درمیان طے ہوا اس کی ایک شرط یہ تھی کہ دونو سلطنتوں کے درمیان آمد و رفت کا واحد مرکز نصیبین ہو۔ لیکن صلحنامے کی اس شرط کو نرسی نے منظور نہ کیا۔ مؤرخ مارسیلینوس کے زمانے سے شہر بتنی[2] میں جو فرات کے مشرقی کنارے کے قریب واقع تھا ہر سال ستمبر کے شروع میں ایک بہت بڑا میلہ لگتا تھا جس میں ہندوستان اور چین کا مال تجارت بکثرت آکر فروخت ہوتا تھا[3]۔ قیصر ہونوریوس[4] اور تھیوڈوسیوس صغیر[5] کے ایک فرمان مجریہ ۴۱۰ء کی رو سے جن شہروں میں ایرانیوں کے ساتھ تجارتی لین دین کی اجازت تھی وہ مشرق میں دجلہ کی جانب شہر نصیبین تھا، مغرب میں فرات کی جانب شہر کیلی نیکوس[6] اور شمال کی طرف آرمینیہ میں شہر ارتکساتا[7]۔ چونکہ نصیبین اور سنگار (سنجار) کے باشندے ان شہروں کو خالی کر گئے تھے لہذا ۳۶۳ء کے صلحنامے کی رو سے وہ سلطنت روم کے حوالے کر دیئے گئے تھے[8]۔

---

[1] Diocletian، [2] Batnae [3] تاریخ مارسیلینوس ج ۱۴، ص [4] Honorius [5] Theodosius the Younger [6] Callinicus
[7] Artaxata، دیکھو موسیو رینو کی کتاب موسوم بہ "مشرقی ایشیا کے ساتھ سلطنت کے سیاسی اور تجارتی تعلقات" (بزبان فرانسیسی)، ۱۸۶۳ء ص ۲۶۷، [8] مارسیلینوس ج ۱۵، ص ۱۱

سمندر کے راستے کی تجارت بہت اہم تھی، اردشیر اوّل نے جب میسین اور خاراسین[1] پر قبضہ کیا تو وہاں کی قدیم بندرگاہوں کی توسیع کی اور نئی بندرگاہیں تعمیر کرائیں، رینو[2] لکھتا ہے کہ "ایرانیوں نے عرب کے ساتھ مل کر جبکہ وہ اپنی حسن تدبیر سے ان کے ساتھ متحد ہو کر حکومت کر رہے تھے رفتہ رفتہ جہازوں کا ایک معقول بیڑا تعمیر کر لیا، ایرانی جہاز مشرقی سمندروں میں یکے بعد دیگرے نمودار ہوتے گئے شروع شروع میں تو رومی اور حبشی جہازوں کے ساتھ رقابت رہی لیکن آخر میں ایرانیوں کی بحری طاقت کو غلبہ ہو گیا، منجملہ اور وجوہات کے ایرانیوں کا یہ بحری غلبہ اس بات کا باعث ہوا کہ مشرقی سمندروں میں روم کی طاقت پہلے تو زوال پذیر ہوئی اور پھر بالکل نابود ہو گئی"[3] ۵۲۳ء میں جب شاہ حبشہ نے اہل حجاز پر حملہ کیا تو علاوہ سات سو ہلکی کشتیوں کے جو اس نے تعمیر کرائیں چھ سو رومی اور ایرانی جہاز اس کے ہمراہ تھے، لیکن ہندوستان اور لنکا کی پیداوار کو اہل روم کے لئے اس زمانے میں حبشی جہاز لاتے تھے،[4]

مال تجارت جو ایران میں سے ہو کر گزرتا تھا اس میں سب سے اہم چیز ریشم تھی،[5] چین سے جتنا ریشم اس طور پر ایران میں وارد ہوتا تھا اہل ایران اس کا بہت بڑا حصّہ کپڑا بُننے کے لئے خود رکھ لیتے تھے اور اس طرح ان کے لئے یہ بات ممکن ہو جاتی تھی کہ ممالک مغرب میں اپنے ہاں کا بُنا ہوا ریشمی کپڑا جس قیمت پر چاہیں

---

[1] میسین اور خاراسین دو چھوٹے چھوٹے صوبے تھے جو ساحل خلیج فارس پر شط العرب کے نواح میں واقع تھے، (مترجم) [2] Reinaud ، [3] رینو، کتاب مذکور ص ۲۴۱، ۲۹۲، نیز اسی مصنف کا مضمون بہ عنوان "مملکت ہای میسین اور خاراسین پر یادداشت" (روداد فرنچ انسٹیٹیوٹ.... ج ۲۴ ب ص ۱۵۵ ببعد)، اور شیڈر (Schaeder) کا مضمون "حسن بصری" در رسالہ اسلام (جرمن) ج ۱۴ ص ۱ ببعد، [4] رینو، کتاب مذکور ص ۲۶۹ ، [5] یوستی (Justi) در گرنڈرس (ج ۲ ص ۴۷۷ ح ۱)،

فروخت کریں۔ لیکن چھٹی صدی سے اہل روم نے اپنے ہاں کامیابی کے ساتھ شہتوت کی کاشت اور ریشم کے کیڑے کی پرورش شروع کر دی اور ریشمی کپڑا خود بننے لگے جس کی وجہ سے کسی حد تک وہ باہر سے ریشم منگوانے سے بے نیاز ہو گئے، ترکوں نے اہل سغد کی تحریک سے جو ان کی رعایا تھے خسرو اوّل سے اس بات کی اجازت حاصل کرنی چاہی کہ ان کے ہاں کے ریشم کو ایران میں سے گذرنے دیا جائے لیکن انہیں کامیابی نہ ہوئی[1]۔

اہل چین جو چیزیں ایران سے خریدتے تھے ان میں سے ایک ایران کا مشہور غازہ تھا جو چین کی عورتیں بھوؤں پر لگاتی تھیں، وہ اس کو بہت مہنگی قیمت پر لیتے تھے اور ملکۂ چین اپنے خاص استعمال کے لئے اس کو منگاتی تھی[2]، چینی لوگ بابل کے قالین بھی بہت شوق سے خریدتے تھے[3]، ان چیزوں کے علاوہ شام کے قیمتی پتھر (قدرتی اور مصنوعی)، بحر قلزم کے مرجان اور موتی، شام اور مصر کے بنے ہوئے کپڑے اور مغربی ایشیا کے مسکرات بھی چین میں ایران کے راستے سے جاتے تھے[4]۔

ڈاک کا انتظام جو خلفاء نے ایران سے حاصل کیا وہ تقریباً اسی شکل میں تھا جو عہد ہخامنشی میں تھی اور جس کا علم ہمیں یونانی مصنفوں کے ذریعے سے ہوا ہے۔ ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ ساسانیوں کے زمانے میں بھی اس انتظام کی بالکل وہی صورت تھی، محکمۂ ڈاک صرف گورنمنٹ کی خدمت انجام دیتا تھا اور پبلک کے ساتھ اسے کوئی واسطہ نہ تھا۔ اس کا سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ مرکزی حکومت اور

---

[1] ہرلسفلڈ کی کتاب موسوم بہ "ایشیا کا دروازہ" (جرمن) ص ۱۲۲، شیڈر، "ایرانیکا" ص ۱۴ بعد۔
[2] ہرتھ (۱۸۹۵ء)، "مطالعات چینی" ص ۲۲۵ بعد۔ [3] ایضاً "چین و مشرق رومی" (انگریزی) ص ۲۲۵۔ [4] ایضاً ص ۲۲۴ - ۲۲۹۔

صوبوں کی حکومت کے درمیان ایک سریع اور آسان ذریعۂ خبر رسانی کا کام دیتے۔ ڈاک
کے ذریعے سے آدمیوں کو اور خطوط کو بیسیوں راستوں سے لے جایا جاتا تھا جہاں
ہر قسم کا سامان مہیا ملتا تھا، ڈاک کی ہر چوکی پر اس کی اہمیت کے مطابق ملازموں کا عملہ
اور گھوڑے مامور رہتے تھے[1]۔ ڈاک لے جانے کا کام گھوڑوں کے سوار بھی کرتے
تھے اور ہرکارے بھی جو پیدل دوڑتے تھے۔ ہرکاروں سے زیادہ تر ایرانی علاقوں
میں کام لیا جاتا تھا جہاں چوکیوں کے درمیان فاصلے بہت تھوڑے تھوڑے ہوتے
تھے بہ نسبت شامی اور عربی علاقوں کے جہاں ڈاک لے جانے کا کام اونٹوں سے
لیا جاتا تھا[2]۔ ایوبرید، دوبرید، سہ برید پہلوی میں ڈاک کی اصطلاحات تھیں جن سے
مراد قاصدان تیز رفتار تھے جو شاہی ڈاک کے ایک یا دو یا تین گھوڑوں کو ایک ساتھ
لے جاسکتے تھے اور باری باری سے ان پر سوار ہوتے تھے[3]۔

---

[1] بگدلیس پانیگ بزبان پہلوی وہ گھوڑا جس پر شاہی قاصد سوار ہوتا تھا۔ دیکھو موسیٰ تصنیف شاہ خسرو اول و اس کا غلام
(طبع اون والا) آرٹیکل ۹۹ اور اسپر اڈیٹر کا نوٹ۔ [2] فان کریمر "تاریخ تمدن شرقی در عہد خلفاء" (جرمن) ج ۱
ص ۱۹۵-۱۹۶۔ اس بات کو تحقیق کرنا ممکن نہیں ہو سکا کہ آیا محکمہ ڈاک کے ڈائرکٹروں کے ذمے یہ فرض بھی تھا جیسا
کہ خلفاء کے زمانے میں تھا، کہ وہ صوبجات کی حکومت کی نگرانی کریں اور بادشاہ کو اپنی رپورٹ بھیجتے رہیں، اس قسم کی
نگرانی جو کم و بیش خفیہ ہوتی تھی کم از کم بعض زمانوں میں اضلاع کے حکام عدالت کے ذمے لگائی جاتی رہی ہے لیکن
یہ بعید نہیں ہے کہ خفیہ قسم کی نگرانی اور اور شکلوں میں موجود رہی ہو، ایران میں ہمیشہ سے جاسوسی نہایت منظم شکل میں
رائج رہی ہے، نامۂ تنسر (طبع دارمستیٹر ص ۲۲۶) سے پتہ چلتا ہے کہ خسرو اول کے زمانے میں امراء خفیہ نگرانی کی ہیبت کو
شدت سے محسوس کرتے تھے اور اس جاسوسی نے لوگوں کو بےحد خوف زدہ اور متحیر بنا رکھا تھا، اس کے مقابلے پر حکومت اپنے بچاؤ
کے لئے جاسوسی کی تائید میں یہ دلیل پیش کرتی تھی کہ "بادشاہ کی آنکھ (یعنی جاسوس) وہی شخص ہو سکتا ہے جو دیانتدار، مطیع، پرہیزگار،
وفادار، باخبر، دیندار اور پارسا ہو جو بادشاہ کو ہرگز ایسی بات کی اطلاع نہ دے جو قطعی طور سے یقینی نہ ہو اور جس کی تصدیق نہ ہو سکے
لہٰذا ایسے شخص سے بیگناہوں کو کیا خوف ہو سکتا ہے؟" [3] گائیگر (Geiger)، "ویانا کا رسالہ علوم شرقی" ۱۹۱۵ء ص ۲۰۹ ببعد،

فوج

خسرو اوّل کے زمانے تک سلطنت کی ساری فوج ایک واحد سپہ سالار کے ماتحت تھی جس کو ایران سپاہ بذ کہتے تھے۔ لیکن اس کا حلقۂ عمل بہت زیادہ وسیع تھا بہ نسبت اس سپہ سالار کے جس کا تصور ہمیں موجودہ زمانے میں ہے، وہ سپہ سالار بھی تھا، وزیر جنگ بھی اور شرائطِ صلح کا طے کرنا بھی اسی کے اختیار میں تھا، اس بات کا ثبوت کہ کل سلطنت کی سپاہ کا نظم و نسق اس کے ہاتھ میں تھا ہمیں اس بات سے ملتا ہے کہ وہ بادشاہ کے مشیروں کی قلیل جماعت کا ممبر تھا وزیر کی حیثیت سے جنگ کے محکمے کا دار و مدار اسی پر تھا لیکن ساتھ ہی اس بات کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے کہ وُزُرگ فرمادار (وزیرِ اعظم) کے اختیارات صاف طور پر محدود نہیں تھے اور سپاہ کے معاملات میں وہ ہمیشہ دخل دے سکتا تھا، علاوہ اس کے خود بادشاہ بھی وقتاً فوقتاً محکمۂ جنگ کے انتظام میں مداخلت کرتا رہتا تھا، شاہانِ ساسانی میں سے اکثر خود جنگ کے شوقین تھے اور لڑائیوں میں عملی طور پر حصہ لیتے تھے، لہٰذا ہم یہ فرض کر سکتے ہیں کہ اس قسم کے جنگجو بادشاہوں کے ماتحت ایران سپاہ بذ کو اپنے اختیارات میں کچھ زیادہ آزادی نہیں ہوتی ہوگی۔

عہدِ ساسانی کے ابتدائی دَور میں جو سپہ سالار تھے ہم یہ نہیں بتلا سکتے کہ ان میں سے کون کون ایران سپاہ بذ تھا، خاص خاص اضلاع کے حاکم بھی سپاہ بذ کہلاتے تھے[1]، اور بادشاہ کبھی کبھی مرزبانوں اور کنارنگوں کو فوج کا افسر

---

[1] یہ لقب کارنامگ میں ملتا ہے (۱۰، ۷)، [2] تاریخ میں اکثر جگہ سواد یعنی میسوپوٹیمیا کے سپاہ بذ کا ذکر آیا ہے بقول دینوری (ص۸) یزدگرد اوّل کی وفات کے بعد گشنسپ اسپاذ (؟) سواد کا سپاہ بذ تھا اور نہایہ (ص ۲۲۶) میں شاپور بن بہرام کو کواذ اوّل کے عہد میں سواد کا سپاہ بذ لکھا ہے، دیکھو ضمیمہ نمبر ۲،

بنا کر مہموں پر بھیج دیتا تھا، بازنطینی، ارمنی اور سریانی مؤرخ ہمیں ایرانی سپہ سالاروں کے القاب کے متعلق صحیح اطلاعات بہت کم دیتے ہیں لیکن ہمیں اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ بعض وقت دوسرے عہدہ دار جن کے فرائض فوجی نوعیت کے نہیں ہوتے تھے سپاہ کی سالاری پر مامور کر دیئے جاتے تھے، مثلاً آرمینیہ کے ساتھ شاپور دوم کی لڑائیوں کے حال میں فاوسٹوس بازنطینی نے بہت سے ایرانی سپہ سالاروں کے نام لئے ہیں[1]، ان میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک دبیر دبیران ہے ایک وزیر دربار ہے اور ایک داروغہ سامان ہے،

بازنطینی مؤرخوں کے ہاں ہمیں خاص طور پر اس بات کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں کہ سپہ سالاروں کو (جن میں سپاہ بد اور ایران سپاہ بد شامل ہیں) بادشاہ کی طرف سے شرائطِ صلح پر گفت وشنید کرنے کے لئے مقرر کیا گیا، مثلاً سورین کو قیصر روم جووین[2] کے ساتھ صلح کی بات چیت کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا[3] اور سیاوش ارتیشتاران سالار[4] اور سپاہ بد ماہبند کو سرحد روم کی طرف روانہ کیا گیا تھا تاکہ وہ شرائط عہد نامہ کے لئے سلسلہ جنبانی کریں[5]، اسی طرح مہر مہروی جس کی رزم و بزم کی قابلیت کی تصدیق مؤرخ اگاتھیاس نے کی ہے[6] قیصر جسٹینین کے پاس سفیر کی حیثیت سے بھیجا گیا تھا، جوشوا اسٹائی لائٹ کی تاریخ میں[7] سپاہ بد ہمیشہ ایک مدبّر کی حیثیت سے جلوہ نما ہوتا ہے، برخلاف اس کے میدانِ جنگ کی کارروائیاں مرزبان کرتے ہیں[8]۔

---

[1] طبع لانگلوا، ج ۱، ص ۲۵۸ ببعد، [2] Jovian (۳۶۳ء - ۳۶۴ء)، [3] مارسیلینوس (۲۵، ۷، ۵)، [4] دیکھو آگے، [5] پروکوپیوس (۱، ۱۱)، [6] ۲، ۲۲، ۲، [7] ترجمۂ رائٹ (Wright)، ص ۴۴، ۵، [8] خسرو اول نے فوجی انتظامات میں جو تبدیلیاں کیں (جن میں سے ایک یہ تھی کہ ایران سپاہ بد کا عہدہ منسوخ کر کے اس کی بجائے چار سپاہ بد مقرر کئے) ان کے متعلق دیکھو آگے باب ہشتم،

سپاہ بذ کو یہ امتیاز حاصل تھا کہ لشکر گاہ میں اس کے داخلے پر ترم بجائے جاتے تھے[1]،

ارتیشتاران سالاروں یعنی سالاران لشکر میں سے ایک کا ذکر کارنامگ میں آیا ہے[2]، پانچویں صدی میں مہر نرسی کا ایک بیٹا کاردار اس لقب سے سرفراز تھا[3]، بقول طبری[4] ارتیشتاران سالار کا رتبہ "سپاہ بذ سے اونچا اور تقریباً ارگبذ کے برابر تھا" کواذ اوّل کے زمانے کے بعد ہم کو تاریخی مآخذ میں اس عہدے کا ذکر نہیں ملتا۔ قراین سے پتہ چلتا ہے کہ ارتیشتاران سالار "ایران سپاہ بذ" ہی کا دوسرا لقب تھا جو عہدہ کہ خسرو اوّل جانشین کواذ نے منسوخ کر دیا تھا اگرچہ مؤرخ پروکوپیوس لکھتا ہے کہ سیاوش سب سے پہلا اور سب سے آخری شخص تھا جو ارتیشتاران سالار کے عہدے پر مامور ہوا اور یہ کہ کواذ نے اس ذی رتبہ شخص کو قتل کروانے کے بعد اس عہدے کو منسوخ کر دیا تاہم چونکہ اس بیان کا پہلا حصّہ (یعنی سیاوش کا سب سے پہلے یہ عہدہ پانا، صریحًا غلط ہے، اسلئے کہ سیاوش سے پہلے مہر نرسی کے بیٹے کو یہ عہدہ مل چکا تھا لہٰذا اس کا دوسرا حصّہ بھی ناقابلِ اعتماد ہو سکتا ہے۔

بادشاہ کی محافظ فوج (باڈی گارڈ) کے افسر کو پُشتیگ بان سالار کہتے تھے[5]، پیادہ فوج (پایگان) کے کچھ دستے اپنے افسر کے ماتحت جس کو پایگان سالار کہتے تھے حکّام صوبجات کے زیرِ اختیار پولیس اور جلّاد کی خدمات انجام دیتے تھے[6]، اسی قسم کے فرائض انجام دینے کے لئے تیر اندازوں کا بھی ایک دستہ ہوتا تھا جس کا افسر تیربذ کہلاتا تھا، یہ دستہ اگر سب جگہ نہیں تو ملک کے

---

[1] پاتکانیان، "مجلۂ آسیائی" (۸۔ل) ۱۸۶۶ء ج ۱، ص ۱۱۲، [2] ۱۳ء، ۳، [3] طبری ص ۸۶۹، [4] دیکھو کارنامگ (۱۰، ۷)، [5] کارنامگ (۱۰، ۷)، [6] نولدکہ: ترجمۂ طبری ص ۴۴۰،

بعض حصّوں کے دیہات میں مامور رہتا تھا[1]، دربار شاہی میں بھی باڈی گارڈ کے سپاہی اکثر اوقات جلّاد کے فرائض انجام دیتے تھے[2]۔
ایک بڑا عہدہ دار جس کا کام رسالہ فوج کو تعلیم دینا تھا بطور فرض منصبی شہروں اور دیہاتوں میں دورہ کیا کرتا تھا تاکہ سپاہیوں کو فنّ جنگ کے اصولوں سے آگاہ کرے اور پیشۂ سپہگری کے آداب سکھلائے[3]۔
ساسانیوں کے فوجی نظام کے متعلق باب پنجم اور ہشتم میں بالتفصیل بحث کی جائے گی۔

دبیران سلطنت اور حکومت مرکزی کے دوسرے عہدہ دار

ایران میں جو رسوخ دبیران سلطنت (دبہیران)[4] کو حاصل رہا وہ بہت امتیازی قسم کا تھا، اہل ایران ہمیشہ دستور اور قاعدے کے بہت پابند رہے ہیں

---

[1] ہوفمن (Hoffmann): "اقتباسات از وقائع شہدائے ایران بزبان سریانی" ص ۶۱، [2] دیکھو طبری ص ۱۰۴۳، ترجمۂ نولڈکہ ص ۳۵۶، خلافت عباسی کے ابتدائی دور میں باڈی گارڈ کا سردار جلّاد کا کام کیا کرتا تھا (فان کریمر: تاریخ تمدن مشرقی بعہد خلفاء" ج ۱ ص ۱۹۰)۔ محکمۂ پولیس کے متعلق ہمیں کچھ زیادہ علم نہیں ہے، ساسانی اوستا کی گمشدہ جلدوں میں سے ایک جلد موسوم بہ سکادُم نسک تھی جس میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پولیس کے ایک خاص افسر کے فرائض سے بحث تھی جس کا کام بازاروں میں خرید و فروخت کے قواعد کی نگرانی کرنا تھا، اسکے ہاتھ میں ایک نیزہ رہتا تھا (دین کرد ج ۸، ص ۳۸)، پترگ بذ بمعنی سنتری اور گزیرآپیے (جو کسی ایرانی لفظ کی سریانی شکل ہے) بمعنی مسلح پولیس کتابوں میں آتا ہے"، [3] نامۂ تنسر، طبع ڈارمسٹیٹر ص ۲۰، طبع مینوی ص ۱۵-۱۶، [4] ہرتسفلٹ: پای کلی (فرہنگ نمبر ۲۹۴)، فیڈر، "ایسر ابعاد" دبیرہ (بزبان جرمن)، ٹوبنگن ۱۹۳۰ء ص ۳۹ بعد، اور ص ۴۷، ۴۸،

سرکاری نوشتہ جات ہوں یا نج کے خطوط ہر ایک کو وہ ایک مقررہ صورت اور قاعدے کے ساتھ تحریر کرنا ضروری سمجھتے تھے، ہر ایک تحریر میں علمی مقولے، امثال، مواعظ، اشعار اور لطیف معمّے وغیرہ اس طرح داخل کئے جاتے تھے کہ مجموعی طور پر وہ ایک خوش آیند چیز بن جاتی تھی۔ جن قاعدوں کے ساتھ خط میں مضمون اور القاب لکھے جاتے تھے ان میں کاتب اور مکتوب الیہ کے باہمی تعلق اور اس کے تمام مدارج کا نہایت احتیاط کے ساتھ لحاظ رکھا جاتا تھا۔ اسی تصنّع اور عبارت آرائی کا میلان عام طور سے پہلوی کتابوں میں اور بادشاہوں کے تخت نشینی کے خطبوں میں پایا جاتا ہے[1]۔ دولتِ ساسانی کے حکامِ اعلےٰ ایک دوسرے کو جو خطوط لکھتے تھے یا حکومتِ ایرانی اور دولِ خارجہ کے درمیان جو خط کتابت ہوتی تھی ان میں یہ خصوصیت اور بھی زیادہ نمایاں ہوتی تھی۔ فارسی مصنّف نظامی عروضی اپنے چہار مقالہ میں لکھتا ہے کہ "پیش ازین درمیان ملوک عصر و جبابرۂ روزگار پیش چون پیشدادیان و کیان و اکاسرہ و خلفا رسمی بودہ است کہ مفاخرت و مبارزت بعدل و فضل کردندی و ہر رسولی کہ فرستادندی از حکم و رموز و لغز مسائل با او ہمراہ کردندی و درین حالت پادشاہ محتاج شدی بارباب عقل و تمیز و اصحاب رای و تدبیر و چند مجلس دران نشستندی و برخاستندی تا آنگاہ کہ آن جوابہا بریک وجہ قرار گرفتی و آن لغز و رموز ظاہر و ہویدا شدی"۔۔۔ پس ازین مقدّمات نتیجہ آن ہمی آید کہ دبیر عاقل و فاضل مہین جمالی است از تجمل پادشاہ و بہین رفعتی است از ترفع پادشاہی"[2]

دولِ اسلامی میں محکمۂ دبیری جس میں مثال کے طور پر وزارتِ عظمٰی کو لیا جاسکتا ہے

---

[1] طبری، فردوسی اور ثعالبی کے ہاں یہ خطبے جابجا موجود ہیں۔ [2] چہار مقالہ طبع سلسلۂ گِب ۱۹۱۰ء ص ۲۳ و ۲۵، نیز دیکھو عیون الاخبار لابن قتیبہ طبع مصر ج ۱، ص ۴۲ بعد۔

ایرانی نمونے کی پوری پوری نقل تھی، نظامی عروضی نے اپنے زمانے (بارھویں صدی عیسوی) کے فنِ دبیری کی جو تشریح کی ہے اس کو پڑھ کر ہم عہدِ ساسانی کے دِبہیروں (دبیروں) کے فرائض اور ان کی اہمیت کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں، نظامی لکھتا ہے کہ "دبیری صناعتی است مشتمل بر قیاسات خطابی و بلاغی منتفع در مخاطباتی کہ درمیان مردم است بر سبیل محاورت و مشاورت و مخاصمت در مدح و ذم و حیلہ و استعطاف و اغراء و بزرگ گردانیدنِ اعمال و خرد گردانیدن اشغال و ساختن وجوہ عذر و عتاب و احکام وثائق و اذکار سوابق و ظاہر گردانیدن ترتیب و نظام سخن در ہر واقعہ تا بر وجہ اولی و احری ادا کردہ آید۔ پس دبیر باید کہ کریم الاصل شریف العرض دقیق النظر عمیق الفکر ثاقب الرای باشد و از ادب و ثمرات آن قسم اکبر و حظ اوفر نصیب او رسیدہ باشد و از قیاسات منطقی بعید و بیگانہ نباشد و مراتب ابناء زمانہ شناسد و مقادیر اہل روزگار داند و بحطام دنیوی و مزخرفات آن مشغول نباشد"، [1]

ان تمام خوبیوں کے علاوہ دبیر کے لئے خوشخط ہونا بھی لازمی تھا، جو دبیر انشاپردازی اور خوشنویسی میں سب سے فائق ہوتے تھے ان کو دربار شاہی میں ملازم رکھا جاتا تھا باقیوں کو صوبجات کے گورنروں کی خدمت میں دے دیا جاتا تھا، [2]

غرض یہ کہ دبیران سلطنت حقیقی سیاست دان ہوتے تھے، وہ ہر قسم کے نوشتہ جات کا مضمون تیار کرتے تھے، سرکاری خط کتابت انہی کے ہاتھوں میں تھی، فرامین شاہی کا لکھنا اور اندراج کرنا انہی کے ذمے تھا، ٹیکس اور خراج ادا کرنے والوں کی فہرستیں اور سرکاری آمدنی اور خرچ کا سارا حساب وہی رکھتے تھے، [3]

---

[1] چہار مقالہ ص۱۲، [2] شاہنامۂ فردوسی طبع ٹورن ج ۵، ص ۲۵۸، شعر نمبر ۲۲۴ بعد، [3] طبری ص ۱۰۳، خسرو اول نے ایک دبیر کو جو اپنے نسب اور قابلیت اور وقعت میں ممتاز تھا "لشکر کے سپاہیوں کی فہرست رکھنے اور عرضِ سپاہ کا کام سپرد کیا تھا"۔

بادشاہ کے دشمنوں اور حریفوں کے ساتھ خط کتابت کرنے میں ان کی لیاقت اس بات میں دیکھی جاتی تھی کہ مضمون کا لہجہ موقع و محل کے مطابق مصالحت آمیز یا متکبرانہ اور تہدید آمیز رکھ سکیں۔ لیکن اگر جنگ میں دشمن فتحیاب ہو جاتا تو پھر دبیر کی جان سلامت نہیں رہ سکتی تھی۔ مثلاً شاپور پسر اردشیر اول نے آخری اشکانی بادشاہ کے دبیر دادِ بُنداہ کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا تھا اسلئے کہ اس نے اپنے بادشاہ کی طرف سے ایک توہین آمیز خط اردشیر کو لکھا تھا[1]۔

زمرۂ دبیرانِ سلطنت کا رئیس ایران دبیربذ یا دبیران مہشت کہلاتا تھا جس کا ذکر کبھی کبھی بادشاہ کے مصاحبوں میں آتا ہے[2]، اور جس کو بادشاہ گاہے گاہے سفارت کی خدمت بھی سپرد کر دیتا تھا[3]۔

خوارزمی نے دبیرانِ سلطنت کو یوں شمار کیا ہے[4]:- (۱) داذ دبیر (دبیرِ عدالت)، (۲) شہر آمار دبیر (دبیرِ مالیاتِ سلطنت)[5]، (۳) کدگ آمار دبیر (دبیرِ مالیۂ دربارِ شاہی)، (۴) گنز آمار دبیر (دبیرِ خزانہ)، (۵) آخر آمار دبیر (دبیرِ اصطبل شاہی)، (۶) آتش آمار دبیر (دبیرِ محاصل آتشکدہ ہا)، (۷) رُوانگان دبیر (دبیرِ امور خیریہ)[6]،

---

[1] طبری ص ۸۱۹، [2] کارنامگ ۱۰، ۷، نولڈکہ، ترجمۂ طبری ص ۴۴۴، [3] کارنامگ، مقام مذکور، نہایہ (ص ۲۴۲) میں ایک شخص یزدگرد کو دبیرِ اعظم لکھا ہے، اور صفحہ ۲۳۱ پر ایک شخص کا ذکر ہے جو دبیربذ بھی تھا اور ساتھ ہی پایۂ تخت کا گورنر بھی تھا، طبری (ص ۸۵۹) میں جو ایک شخص یُوانوِیہ کا ذکر ہے کہ یزدگرد اول کے عہد میں دیوان رسائل کا رئیس تھا، اس کے متعلق ہم یہ فیصلہ نہیں کر سکتے کہ آیا وہ ایران دبیربذ تھا یا فقط محکمۂ دبیری کے کسی خاص فرع کا حاکم تھا، [4] ہرتسفلد، پائی کُلی (فرہنگ- نمبر ۴۲۹)، اُون والا، ترجمۂ اقتباس مفاتیح العلوم از خوارزمی بمبئی ۱۹۲۲ء ص ۵ و ۱۶ و ۱۷، [5] شیڈر، ایسرا دبیرش ص ۲ ببعد، [6] یعنی ناظم امور خیریہ، دیکھو دینوری (ص ۷۴)، بین آنشت مجموعہ مطالعات مشرقی بیادگار ریوند لینوسیے (Raymonde Linossier) (بزبان فرانسیسی) جلد ۱ ص ۱۷۷، آندریاس ہیننگ (Andreas-Henning) "آثار مانوی در زبان پہلوی" (بزبان جرمن) ۱۹۳۳ء ص ۱۲ ببعد، شیڈر، ایرانیکا، ۱۹۳۴ء ص ۱۰،

شاہ ایران کے دربار میں ایک دبیرِ امورِ عرب بھی ہوتا تھا جس کی تنخواہ جنس کی شکل میں حیرہ کے عرب دیتے تھے، وہ ترجمان کا کام بھی کرتا تھا[1]،

کارنامگ میں بادشاہ کے اہم ترین رفقائے شکار کی فہرست میں علاوہ موبذان موبذ ایران سپاہ بذ، دبیران مہشت اور پشتیگ بان سالار کے اندرزبذ و اسپہرگان[2] (معلمِ واسپہران) بھی مذکور ہے، لیکن اس کے علاوہ بعض اور اندرزبد بھی تاریخ میں ملتے ہیں، ایک تو در اندرزبد (منتظمِ دربار) ہے جو شاید وزرگ فرمادار ہی کا دوسرا لقب تھا[3]، ایک مغان اندرزبد (معلمِ مغان) ہے اور ایک سگستان اندرزبد (معلم ماٗمور سیستان) ہے[4]، حکومت کے اور بڑے بڑے عہدہ داروں میں ایک مُہردار تھا جس کی تحویل میں بادشاہ کی مُہر رہتی تھی[5] اور ایک رئیس محکمۂ اطلاعات تھا[6]، محافظِ دفترِ تواریخ بادشاہی بھی غالباً ایک اعلیٰ عہدہ تھا[7]،

طبری کے ہاں "وزیروں اور دبیروں" کا ذکر اکثر اس طرح آتا ہے کہ گویا وہ بزرگانِ سلطنت کے دو گروہ تھے جو ایک دوسرے کے قائم مقام تھے مثال کے طور پر ہم اس مقام کا حوالہ دیتے ہیں جہاں وہ یہ بیان کرتا ہے کہ بعض اوقات نئے بادشاہ کی تخت نشینی پر تمام وزیروں اور دبیروں میں ادلا بدلی ہوجاتی تھی[8]، اس میں شک نہیں کہ وزراء اور حکومت کے اعلیٰ عہدہ داروں کی جماعتوں میں تغیر و تبدل ہوتا رہتا تھا اور بعض وقت وزرا کی تعداد اور ان کے مرتبوں میں بھی

---

[1] روٹ شٹائن، "خاندان لخمی در حیرہ" (برلن ۱۸۹۹ء)، ص ۱۳۰، [2] کارنامگ ۱۰، ۷، نولدکہ نے اس کو اندرزبذ اشپوارگان پڑھا ہے لیکن واسپہرگان زیادہ مناسب ہے، دیکھو پای گلی (فرہنگ نمبر ۱۰۹)، [3] دیکھو ضمیمہ نمبر ۲، [4] پای گلی (فرہنگ نمبر ۱۰، ۱۹۴، ۲۲۳)، [5] مقابلہ کرو مقدمہ ابن خلدون (طبع فرانس) در ضمن (Notices et Extraits) ج ۱۰ ص ۵۳ و ج ۲۰ ص ۶۱، [6] نہایہ ص ۲۳۵، [7] دربار شاہی کے اعلیٰ عہدہ داروں اور ندیموں کے متعلق دیکھو آگے باب ہشتم، [8] طبری، ص ۸۳۶،

کچھ نہ کچھ تبدیلی کر دی جاتی تھی، زمرۂ وزرا کا پہلوی نام ہمیں معلوم نہیں[1] لیکن جو لوگ اس زمرے میں ہمیشہ شامل رہے ہیں وہ یہ ہیں: وزرگ فرماذار، موبذان موبذ، ایران سپاہ بذ، ایران دبہیر بذ، واستریوش بذ، خاص خاص زمانوں میں ہیربذان ہیربذ یعنی آتشکدوں کا رئیس اعلےٰ زمرۂ وزراء میں شامل رہا ہے اور ممکن ہے کہ اَنْدَرْزبذ (میرِ تشریفات)[2] بھی اس زمرے میں شریک رہا ہو[3]۔

صوبوں کی حکومت

حکومت کے اونچے عہدہ داروں میں صوبوں کے گورنر اور سیٹرپ[4] یعنی مرزبان بھی تھے[5]، سرحدی صوبوں کے گورنر مرزبان شہردار کہلاتے تھے اور

---

[1] نولدکہ نے پہلے ایسا خیال کیا تھا کہ وزراء کا لقب بطور عمومی وزیربذ تھا لیکن اس فاضلِ مرحوم نے مجھے ایک خط میں لکھا تھا کہ میرا وہ خیال غلط تھا اور یہ کہ تلمود میں جو گزربت (= ایرانی "وزیربذ") ہے وہ پولیس کے کسی افسر کا لقب تھا۔ (دیکھو اوپر ص ح کے آخر میں)، [2] ایک اندرزبذ کا ذکر تاریخ سریانی منسوب بہ ستائی لاٹ میں سنہ ۵۰۲ء و سنہ ۵۰۳ء کے واقعات میں آیا ہے۔ (طبع پروفیسر رائٹ ص ۵۹)، نیز مقابلہ کرو مارکوارٹ: "ایرانشہر" ص ۱۲۸، ح ۴۔ [3] دیکھو ضمیمہ نمبر ۲۔ [4] Satraps، [5] لفظ "شہربان" (خشترپاون = سیٹرپ) جو کتبۂ پای کُلی کی ایک مسخ شدہ عبارت میں آیا ہے (طبع ہرتسفلٹ، آرٹیکل ۲۰ و فرہنگ نمبر ۹۱۸)، بظاہر مرزبان کا پرانا نام ہے، اس لفظ کا مقابلہ کرو لفظ شہرپ آماکار کے ساتھ جس کا اوپر ذکر آچکا ہے۔ شہرپ کو خشترپ لکھتے تھے جو اشکانی پہلوی میں کشترپ تھا، یہ بالکل ممکن ہے کہ ساسانیوں کے ابتدائی دور میں صوبوں کے گورنر سیٹرپ یا بذخش کہلاتے ہوں اور مرزبان کا لقب بعد میں رائج ہوا ہو، (پای کُلی میں بتخش ہے، دیکھو فرہنگ نمبر ۲۱۴)، بہرحال لفظ مرزبان ساسانیوں کے ابتدائی بادشاہوں کے کتبوں میں کہیں دیکھنے میں نہیں آتا یہاں تک کہ کتبۂ پای کُلی کے قطعات میں بھی وہ نہیں ملتا جہاں یہ توقع ہو سکتی تھی کہ وہ پایا جائے گا۔ جہاں تک ہم تحقیق کر سکے ہیں (باقی حاشیہ بر صفحہ ۶۶)

شاہ[۱] کے لقب سے ملقب تھے[۲]، لیکن ان کے ساتھ ساتھ کمتر درجے کے مرزبان بھی تھے جو اندرونی صوبوں کے فرماں روا تھے،

مؤرخ امیان مارسلینوس نے اُن صوبوں میں سے اکثروں کے نام گنوائے ہیں جو اس کے زمانے میں بدخشوں، سیٹرپوں اور ربادشاہوں (یعنی شاہان زیر دست) کے زیر حکومت تھے، بدخش علاوہ گورنر ہونے کے اپنے صوبے کی رسالہ فوج کا سردار بھی ہوتا تھا، صوبوں کے نام یہ ہیں:- اسیریا (آسور)، خوزستان، میڈیا، فارس، ہرکانیا (گرگان)، پارتھیا، کارمانی بزرگ (کرمان)، مرگیانا (مرو)، باختر (بلخ)، سوگدیانا (سغد)، سگستان (سیستان)، ولایت سکیتھیا ماورائے ایموڈون[۳]، سیریکا[۴]، آریا (ہرات)، ولایت پروپانیساد[۵]، درنگیانا[۶]، اراخوزیا[۷]، گڈروسیا[۸]، مؤرخ مذکور نے ان کے علاوہ چھوٹے چھوٹے صوبوں کا ذکر کرنا غیر ضروری سمجھا ہے، صوبوں کی یہ فہرست سوائے سیریکا (!) کے جو صریح مبالغہ ہے صحیح معلوم ہوتی ہے، تیسری اور چوتھی صدی میں سلطنت ساسانی شمال اور مشرق کی جانب واقعی بہت دُور دُور تک پھیلی ہوئی تھی، ہرسفلٹ کی تحقیقات کی روسے[۹] بہرام دوم کی فتوحات کے بعد جو ۲۸۴ء میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۵) مرزبان کا لقب پہلی مرتبہ بہرام پنجم (۴۲۰ء-۴۳۸ء) کے زمانے میں سننے میں آتا ہے جبکہ آرمینیہ کی حکومت ایک مرزبان کے سپرد کی گئی اور بادشاہ کے بھائی نرسی نے مرزبانِ کوشان (یعنی مرزبانِ سرحد کوشان) کا لقب اختیار کیا (مارکوارٹ "ایرانشہر" ص ۵۲)،

حاشیہ صفحہ ہٰذا:- [۱] دیکھو اوپر ص ، [۲] غالباً دریائے جیحوں سے مراد ہے (مترجم)، [۳] Serica، چین کا مشرقی حصہ (!)، [۴] Paropanisade، افغانستان کا مشرقی علاقہ (مترجم)، [۵] Drangiana، سیستان کے شمال اور ہرات کے جنوب میں (مترجم)، [۶] Arachosia، افغانستان کا جنوبی حصہ (مترجم)، [۷] Gedrosia یعنی مکران (مترجم)، [۸] پای کلی ص ۴۳،

ہوئیں مشرق کی طرف ممالک ذیل ساسانی سلطنت میں شامل تھے :- (۱) گرگان (ہرکانیا)، (۲) تمام خراسان جس کی وسعت اس زمانے میں آج کی نسبت بہت زیادہ تھی[1]، (۳) خوارزم، (۴) سغد، (۵) سگستان جو ایک بہت وسیع ملک تھا (۶) مکران، (۷) توران، (۸) گذرگاہ دریائے سندھ کے درمیانی اضلاع اور اس کے دہانے کے آس پاس کے صوبے یعنی کچھ، کاٹھیاواڑ، مالوہ، اور ان سے پرے کے علاقے وغیرہ، صرف پنجاب اور وادی کابل اس سے خارج تھے جو شاہان کوشان کے زیر حکومت تھے[2]۔

نولڈکہ نے عربی مآخذ کے حوالے سے صوبجات ذیل کی فہرست بنائی ہے جن پر مرزبان حکومت کرتے تھے[3]: آرمینیہ (۴۲۸ء کے بعد)، بیت اُرمائی[4]،

---

[1] ساسانیوں کے زمانے میں خراسان کی وسعت ہرتسفلٹ نے معین کی ہے (پائی کلی، ص ۳۴) وہ یہ کہ ایک خط دروازہ ہائے بحر خزر (رَے کے نزدیک) سے شروع کر کے سلسلۂ کوہ البرز کے ساتھ ساتھ بحر خزر کے جنوب مشرقی کونے تک اور وہاں سے وادی اترک تک یعنی ٹرانس کیسپین ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ لطف آباد تک کھینچا جائے۔ دوسرا خط اُس صحرا میں سے جس میں تجند اور مرو واقع ہیں کرکی کے نیچے سے جیحوں تک کھینچا جائے۔ یہ خط (جیسا کہ سکیستی ساسانی سکوں کے پائے جانے سے معلوم ہوتا ہے) سلسلۂ کوہ حصار کی چوٹیوں پر سے گذرتا ہوا پامیر پر آکر منتہی ہوگا اور وہاں سے جنوب کی طرف مُڑ کر دریائے جیحوں کے اُس حصے کے ساتھ ساتھ جائیگا جو بدخشان کے گرد حلقہ کئے ہوئے ہے اور پھر ہندوکش کی چوٹی سے جا ملے گا، وہاں سے یہ سرحدی خط مغرب کی طرف کو مُڑے گا اور سلسلۂ کوہ ہندوکش اور اس کی شاخوں کے ساتھ ساتھ ہرات کے جنوب میں پہنچ کر علاقۂ قہستان کو طے کرتا ہوا ترشیز اور خاف کے جنوب سے گذرتا ہوا پھر دروازہ ہائے بحر خزر پر آملے گا۔ [2] دیکھو پائی کلی، ص ۴۰۔ [3] طبری، ص ۲۴۶۔ [4] وہی جو عربی میں السواد کہلاتا ہے (مترجم)۔

فارس، کرمان، سپاہان (اصفہان)، آذربائجان، طبرستان، زرنگ (درنگیانا)، بحرین، ہرات، مرو، سرخس، نیشاپور (نیوشاپور = ابہرشہر)، طوس۔ ان میں سے بعض صوبے وسعت میں کچھ زیادہ نہ تھے اور فی الجملہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہخامنشیوں کی طرح ساسانیوں کے عہد میں بھی صوبوں کی حدیں مستقل نہ تھیں بادشاہ ایک مرزبان کو حسب ضرورت جس صوبے میں چاہتا مقرر کرکے بھیج دیتا تھا اور مصلحتِ وقت کے مطابق کبھی چند صوبوں کو ملا کر ایک صوبہ بنا دیتا کبھی ایک صوبے کے کئی حصے کر دیتا تھا۔ عہدۂ مرزبان کے فرائض چنداں ملکی نوعیت کے نہ تھے بلکہ بیشتر فوجی تھے۔ ساسانیوں کی حکومت میں جو شدید مرکزیت کا اصول ملحوظ تھا اس کے تحت میں ملکی نظم ونسق عہدہ دارانِ زیردست کے ہاتھوں میں دیا گیا تھا جو چھوٹے چھوٹے علاقوں کا انتظام کرتے تھے، وہ شہریگ اور دہیگ کہلاتے تھے۔ جنگ کے زمانے میں مرزبان سپاہبذوں کے ماتحت سالارانِ لشکر کے فرائض انجام دیتے تھے[1]۔

مرزبان عالی خاندانوں میں سے انتخاب کئے جاتے تھے[2]، کبھی کبھی اس بات کا ذکر دیکھنے میں آتا ہے کہ فلاں مرزبان کا ایک محل پایہ تخت میں تھا[3]،

---

[1] تاریخ منسوب بہ جوشوا اسٹائی لائٹ (طبع رائٹ ص ۶۱ و جاہای دیگر)۔ [2] خاندان سورین کا ایک شخص خسرو اوّل کے زمانے میں آرمینیہ کا مرزبان بنایا گیا تھا۔ (پاتکانیان، مجلۂ آسیائی ۱۸۶۶ء، ص ۱۸۳)، شاہ نرسی کے عہد میں آذربائجان کا مرزبان شاپور رواز اعلیٰ درجے کا شریف النسب تھا (فاوسٹوس بازنیتنی طبع لانگلوا، ج ۱، ص ۲۲۹)۔ شہرین جو خاندانِ مہران سے تعلق رکھتا تھا بیت ورائی اور ولایت کوسین کا مرزبان تھا (ہوفمن، ص ۷۹)، پیران گشنسپ جو اسی خاندان سے تھا گرزان اور ارّان کا مرزبان تھا اور ہزار ہا سوار اس کی کمان میں تھے، (ایضاً، ص ۷۸-۷۹)، وہریز جو غالباً خاندانِ ساسانی کا ممبر تھا خسرو اوّل کے زمانے میں یمن کی فتح کے بعد وہاں کا مرزبان بنایا گیا تھا، (نولدکہ، ترجمہ طبری، ص ۲۲۳-۲۲۴)۔ [3] نہایہ، ص ۲۵۲،

مرزبانوں کے لئے خاص طور پر ایک اعزازی نشان یہ ہوتا تھا کہ انہیں چاندی کا ایک تخت عطا ہوتا تھا[1] اور سرحد آلان خزر کے مرزبان شہردار کو مستثنیٰ طور پر سونے کے تخت پر بیٹھنے کا حق حاصل تھا[2]، ابہر شہر کے مرزبان کا لقب کنارنگ تھا[3]،

صوبے اضلاع میں منقسم تھے جن کو اُستان کہتے تھے، پاذگوسپان غالباً اصل میں نائب گورنر کا لقب تھا جو ایک اُستان یا ضلع کا حاکم ہوتا تھا، یزدگشنسپ بہرام پنجم کے عہد میں پاذگوسپان تھا[4]، معمولی طور پر اُستان کے حاکم کو اُستاندار کہتے تھے، تاریخ میں کشکر اور میسین کے اُستاندار کا ذکر ملتا ہے[5]، نصیبین میں ایک شخص بابہائی نام کو جو شاہی خاندان سے تھا "اعزاز کے طور پر اور سرحد کی حفاظت کے لئے"[6] اُستاندار بنایا گیا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُستاندار جن کے ہاتھوں میں مرزبانوں کی طرح فوجی طاقت بھی ہوتی تھی[7] اصل میں شاہی املاک کے منتظمین ہوتے تھے[8]، اور یہ فرائض وہ ہمیشہ انجام دیتے رہتے تھے۔ حتّٰے کہ ایسی حالت میں بھی جبکہ انہیں کسی علاقے کا فوجی افسر بنا دیا جاتا تھا، اگر اس علاقے میں شاہی املاک ہوں تو فوجی فرائض کے ساتھ ساتھ وہ ان کا انتظام بھی کرتے تھے،

---

[1] طبری ص ۸۹۴، [2] نہایہ ص ۲۲۷، [3] دیکھو اوپر ص [illegible]، [4] نولدکہ، ترجمۂ طبری، ص ۹۶ ح ۲، پاذگوسپانوں کے مرتبے اور اختیارات میں آگے چل کر (غالباً کواذ اوّل کے عہد میں) اصولی تبدیلیاں کردی گئی تھیں، دیکھو باب ہفتم اور ضمیمہ نمبر ۲، [5] دیکھو ہیننگ (Henning) در رسالۂ "ہند و ایران شناسی" (Z II) [illegible] ص ۲۲۴، [6] ہوفمن، ص ۹۳، [7] نولدکہ، ص ۴۴۸، [8] ارمنی زبان میں دراصل لفظ اُستان کے معنی وہ علاقہ یا شہر جو بادشاہ کی ملکیت ہو (ہیوبشمن، ارمنی گرامر، ج ۱، ص ۲۱۵)، اور اُستانیک وہ فوج جو اُستان کی حفاظت کے لئے رکھی جاتے۔

صوبوں کی تقسیم اضلاع میں محض انتظامِ ملکی کی رعایت سے کی گئی تھی، بقول نولڈکہ ہر ضلع (جو شہر کہلاتا تھا اور اس کے صدر مقام کو شہرستان کہتے تھے)[1] ایک شہریگ کے ماتحت ہوتا تھا جو دہقانوں میں سے منتخب ہوتا تھا[2]، گاؤں (دیہہ) اور اس کے سارے رقبے (رُستاگ = رُستاق) کا حاکم دیہیگ کہلاتا تھا[3]

محمد اقبال

---

[1] نولڈکہ: ترجمۂ طبری، ص ۴۴۶، ہوفمن، ص ۲۳۹، واضح رہے کہ پہلوی کتابوں میں لفظ شہر ہمیشہ سلطنت کے معنوں میں آیا ہے، اور وہ القاب جن کے شروع میں لفظ شہر ہو ہمیشہ اُن اعلٰے عہدہ داروں کے لئے ہوتے تھے جن کے اختیارات تمام سلطنت پر حاوی ہوں، [2] شہریگ کو عربی میں رئیس الکورۃ لکھا ہے (یعقوبی، ج ۱، ص ۲۰۲)، عراق میں شہریگ طبقۂ آزادان کی ایک جماعت تھی جن کا رتبہ دہقانوں سے ایک درجہ بلند تر تھا۔ (مروج الذہب، ج ۲، ص ۲۴۰)، نہایہ (ص ۲۴۳) کی روایت کے مطابق خسرو دوم نے سلطنت کو نئے سرے سے ۳۵ صوبوں میں تقسیم کیا تھا، [3] ہوفمن ص ۲۳۹، دیہیگ غالباً دیہہ سالار کا مساوی ہے (بلاذری، دیکھو نولڈکہ، ترجمۂ طبری، ص ۴۴۱)،

رباعی کے اوزان یاد رکھنے کا ایک آسان طریقہ

(۱)

رباعی یا ترانہ ایرانیوں کی ایجاد ہے۔ بقول دولتشاہ تیسری صدی ہجری کے وسط میں بعہد یعقوب صفار اور بقول شمس الدین محمد بن قیس اس صدی کے اواخر میں ایجاد ہوئی۔ دونوں روایتوں میں یہ امر مشترک ہے کہ ایک لڑکے کے منہ سے جوز بازی کے وقت یہ موزوں فقرہ اتفاقیہ ادا ہوا۔ "غلتان غلتان ہمی رود تا لب گو" دولتشاہ کی روایت سے یہ فقرہ خود یعقوب صفّار کے فرزند کے منہ سے نکلا تھا، اور یعقوب کو پسند آیا۔ اس پر اس کے دربار کے شعرا ابو دلف اور ابن الکعب نے تین مصرعے اور لگا کر رباعی کر دیا اور دوبیتی نام رکھا۔

محمد بن قیس جو دولتشاہ سے اقدم ہیں اور ساتویں صدی ہجری کے ربع اوّل کے مصنف ہیں۔ لکھتے ہیں کہ متقدمین شعراے عجم میں ایک شاعر نے (میرا خیال ہے وہ رودکی تھا) اخرم اور اخرب کے اجتماع سے نیا وزن نکالا جس کو وزن رباعی کہا جاتا ہے۔ یہ ایسا مقبول وزن ہے کہ طبائع سلیم اکثر اس کی شائق ہیں۔ اس کے استخراج کا باعث یہ کہا جاتا ہے کہ عید کے روز غزنین کی تفرجگاہ میں وہ گشت کر رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ ایک طرف کچھ لڑکے کھیل میں مشغول ہیں اور ان کے گرد تماشائیوں کا ہجوم ہے۔ شاعر بھی وہاں جا کر کھڑا ہو گیا ان میں

ایک لڑکا جس کی عمر دس پندرہ سال سے زائد نہ ہوگی اخروٹوں سے کھیل رہا تھا۔ اسی اثنا میں ایک اخروٹ گچی سے باہر گرا اور پھر رجعت کرتا ہوا گچی میں جا گرا۔ لڑکا حسین و جمیل ہونے کے علاوہ طبیعت میں موزونیت بھی رکھتا تھا اور اپنی مقفیٰ اور مسجع گفتگو سے حاضرین کو محظوظ کر رہا تھا۔ اخروٹ کو گچی کی طرف رواں دیکھ کر بولا۔ ع

غلطان غلطان ہمی رود تا بن گو

اس کلمہ سے شاعر نے ایک مقبول وزن معلوم کر لیا اور عروضی اصول اس پر استعمال کر کے ترانہ نام رکھا اور بحر ہزج کی فروع میں شامل کر لیا۔ (المعجم ص۸۰ و ۹۰)۔

لیکن میں ان روایتوں کا معتقد نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ نظم کی وہ صنفِ خاص جس کو ہم رباعی کہنے کے عادی ہیں شخصی ایجاد نہیں ہے بلکہ قدرتی نتیجہ ہے چہار بیتی کا۔ عہد قدیم میں ایران میں ایک خاص قسم کی نظم جس کو چہار بیتی کہا جاتا تھا رائج تھی، اس کے اوزان عربی اوزان سے غالباً مستخرج نہیں ہیں بلکہ مقامی ہیں۔ قدما ہزج کے مربعات میں ان کا شمار کرتے تھے اور صدر و ابتدا میں اخرب یعنے مفعول اور کف یعنے مفاعیل کا اختلاف روا رکھتے اور یہ شعر بہ تقلیدِ عرب معقد بھی ہوتے تھے یعنی مصرع اوّل کا ایک یا زیادہ حرف بضرورتِ وزن شامل مصرع دوم ہوا کرتا تھا مثلاً بلیت

یک بارہ چنین جاہـ + ـل و آوارہ مباش

اس شعر میں جاہل کا لام تقطیع کے وقت شامل مصرع دوم ہے۔ مثال دیگر، بلیت

دانی کہ دل از نونہ   شود سـ ـیر مرا

اس شعر میں نشود کا 'ن' مصرع اول میں داخل ہے، اسی طرح یہ شعر ہے، بلیت

مشتاب بر فتن صـ + ـنما لختی باش

اس شعر میں صنما کا صاد، مصرع اول میں شامل ہے ،

اشعار معقد کی یہ مثالیں میں نے معیار الاشعار محقق طوسی سے نقل کی ہیں عربی میں اشعار معقد بکثرت موجود ہیں۔ فارسی میں ایسے اشعار قدما میں رائج تھے۔ متاخرین نے ان کو ترک کر دیا ہے۔ مندرجۂ بالا مثالیں اوزان رباعی سے تعلق رکھتی ہیں ۔ فی زمانہ ان کو ایک ایک مصرع کہا جائے گا اور داخل مثمنات شمار ہوں گے۔ مگر قدما کے نزدیک داخل مربعات تھے لہذا ہر ہر مثال ایک ایک شعر ہے۔ قدما میں جب ہزج اخرب یا اخرم میں ایسے چار شعر معقد یا غیر معقد جمع ہو گئے اور ہر شعر کے آخر میں قافیہ پایا گیا اس کا نام چار بیتی ہو گیا ،

یہاں بطور جملۂ معترضہ ایک اور امر کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے ، عربی اور فارسی زبانوں میں ایک اہم ما بہ الامتیاز یہ فرق ہے کہ عربی الفاظ میں توالیٔ حرکات بکثرت ہے برخلاف اس کے فارسی میں سکنات موجود ہیں مثلاً گرشاسپ ارجاسپ۔ پارس خواست وغیرہ ، اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ عربی اشعار بوجہ کثرتِ حرکات عام طور پر مربع و مسدس اوزان کے پابند ہیں۔ فارسی اشعار اکثر اوقات مثمن ہوتے ہیں اور یہی امتیازی اصول ہے جس کے اتباع نے بالآخر عربی و فارسی عروض میں اساسی تفریق پیدا کر دی ہے ورنہ عروض وہی ہے۔ دائرۂ مجتلبہ کی بحریں عربی میں مسدس الارکان ہیں۔ فارسی میں مثمن شمار ہوتی ہیں۔ اسی طرح دائرۂ مشتبہ کی بحریں مسدس و مربع آتی ہیں فارسی میں مثمن آتی ہیں۔ مگر فارسی شاعری میں یہ انقلاب کس وقت کار فرما ہوا ہم کو اس کا کوئی علم نہیں۔ ظاہر ہے کہ سامانی عہد کے شعراء زیادہ تر مثمنات میں طبع آزمائی کرتے ہیں۔ مثلاً رودکی کا کلام اکثر مروجہ مثمنات پر حاوی ہے۔ لیکن ایک زمانہ تھا جب ایرانی بہ تتبع عرب اپنے اشعار مربعات و مسدسات میں زیادہ تر لکھتے تھے لیکن آج یہ ذخیرہ بالکل

متروک و معدوم ہے۔ بہرحال مثمنات کی دریافت میں سمجھتا ہوں تدریجی اور ارتقائی ہے +

بالآخر ایک وقت آیا جب اصول مثمنات کے عمل نے ترانہ کو بجائے چار بیت کے دو بیتوں میں منتقل کر دیا جو اس طرح ہوا کہ اشعار معقد کا رواج اُڑا دیا گیا اور قدیم مربع شعر ایک مصرع مثمن قرار پایا یعنی اوپر کی مثال میں بیت یکبارہ چنین جاہل + وخونخوارہ مباش' قدما کے ہاں ایک شعر تھا۔ متأخرین نے اس کو ایک مصرع قرار دیا اور یوں لکھا ع

یکبارہ چنین جاہل وخونخوارہ مباش

اس تبدیلی کا ایک اثر یہ ہوا کہ جہاں بصورت چہار بیتی ہر شعر کے آخر میں قافیہ لایا جاتا تھا اور چار قافیوں کی ضرورت ہوا کرتی تھی اب بصورت دو بیتی تیسرے مصرع میں قافیہ کی ضرورت نہیں سمجھی گئی چنانچہ مصرع سوم کو خصی کیا گیا۔ چار بیتی کے متعلق میرے یہ بیانات محقق طوسی کے بیانات پر مبنی ہیں۔ محقق کی اصل عبارت یہ ہے :-

" وآنچہ ازین وزنہا مانند یک مصراع مثمن است متأخران استعمال کنند۔ وقدما بران شعر بسیار گفتہ اند وایشان ہر مصراعی را قافیہ می آوردہ اند وآنرا بیتی می شمردہ مانند رجز مشطور یا بیتہای معقد از اشعار تازیان کہ آنرا منتصفی معین نباشد وبدین سبب ترانہ را قدما چہار بیت می گرفتہ اند وآنرا چہار بیتی خواندہ اند وبتازی رباعی ودر ہر چہار قافیہ آوردن لازم می شمردہ اند۔ امّا بنزدیک متأخران چون مربعات این اوزان مستعمل نیست این اوزان متروک است وہر بیتی را ازین ابیات مصراعی می شمرند ورباعی را دو بیتی می خوانند ومصراع سوم را خصی خوانند وقافیہ شرط نمی نہند " (صفحہ ۴۸ معیار الاشعار ومیزان الافکار ۱۲۶۴ھ مطبع علوی)

اس عبارت کا ترجمہ یہ ہے :-

[مربعات کے] ان اوزان میں سے ایسے وزن جو ایک مصرع مثمن کے مانند ہیں متاخرین میں غیر مستعمل ہیں - قدما نے ان اوزان میں کثرت سے اشعار لکھے ہیں وہ ہر مصرع یعنی شعر مربع کے آخر میں قافیہ لاتے ہیں اور اس کو ایک بیت شمار کرتے ہیں - رجز مشطور یا عربوں کے مقفا اشعار کی طرح جن کا نصف معین نہیں ہوتا - اسی لئے قدما ترانہ کو چار بیت مانتے تھے اور اس کو چاربیتی کے نام سے یاد کرتے تھے اور عربی میں رباعی کہتے اور چاروں شعروں میں قافیہ لانا ضروری سمجھتے تھے - لیکن متاخرین میں چونکہ ان کے مربع اوزان استعمال میں نہیں آرہے یہ اوزان متروک ہو چکے ہیں - وہ اب ان اشعار کے ہر بیت کو ایک مصرع مانتے ہیں اور رباعی کو دوبیتی کہتے ہیں اور تیسرے مصرع کو خصی رکھتے ہیں اور اس میں قافیہ کی شرط ضروری نہیں سمجھتے ۔

قدیم چاربیتی کے نمونے ہم تک نہیں پہنچے - سب سے قدیم نمونہ مجھ کو ابوشکور کے ہاں ملتا ہے جس کا آفرین نامہ شاہنامہ کے وزن میں ایک مثنوی بقول عوفی ۳۳۶ھ میں ختم ہوئی تھی - ابوشکور کی رباعی کی موجودہ شکل یہ ہے :-

رباعی

اِی گشتہ من از غم فراوان تو پست   شد قامت من ز درد ہجران تو شست

اِی شستہ من از فریب دستان تو دست   خود ہیچ کسے بسیرت و شان تو ہست

لیکن اگر چاربیتی کی شکل میں لکھی جائے تو اس کی صورت حسب ذیل ہوگی :-

چاربیتی

اے گشتہ من از غم	فراوان تو پست	شد قامت من ز در	د ہجران تو شست
اِی شستہ من از فری	ب و دستان تو دست	خود ہیچ کسی بہ سی	رت و شان تو ہست

اب یہ چہار بیتی کی بہت اچھی مثال ہے۔ اس کے چاروں شعروں میں قافیہ ہے
اگر دوبیتی ہوتی مصرع سوم خصی ہوتا نہ مصرّع۔ متقدمین میں جس طرح رودکی
اور شہید غزل کے لئے مشہور ہیں۔ اسی طرح ابوطلب ترانہ کے لئے مشہور
ہے۔ فرخی۔ بیت

ازدلارامی وانغزی چون غزلہای شہید　　وز دلاویزی وخوبی چون ترانۂ بوطلب

عنصری کے عہد تک چہار بیتی کا رواج رہا ہے۔ بعد میں دوبیتی زیادہ رائج
ہوئی۔ ڈاکٹر محمد اقبال کی تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ عمر خیام کے زمانہ تک
دوبیتی کو زیادہ فروغ رہا ہے؛

تنقید شعر العجم کی پہلی قسط میں جو اکتوبر ۱۹۲۲ء کے رسالۂ اُردو۔ اورنگ آباد
میں شایع ہوئی تھی، میں نے رباعی کے سلسلہ میں تقریباً یہی بیان دیا تھا جو
اوپر درج ہوا۔ لیکن ہمارے ملک کے فاضل بزرگ علامہ سید سلیمان ندوی نے
اپنی قابلِ قدر تصنیف خیام میں جو ۱۹۳۳ئہ میں طبع ہوئی ہے ان میں سے اکثر
بیانات کی تردید کی ہے۔ مثلاً میں نے معیار الاشعار کو خواجہ نصیر الدین طوسی
کی تصنیف بیان کیا تھا۔ سیّد صاحب نے اس سے انکار کر دیا۔ میں نے
لکھا تھا کہ رباعی ایرانی الاصل ہے یعنے اس کے اوزان ایران زا او رمقامی
ہیں۔ سید صاحب مدعی ہیں کہ رباعی کہنے والے " قدماء عربی کے شاعر تھے "۔
میرا بیان تھا کہ رباعی ابتدائی مدارج میں چار بیتی کی شکل میں لکھی جاتی تھی۔ جس
کے چاروں شعر ہمقافیہ ہوتے تھے۔ سید صاحب اس کو ایک بے سند
دعوے بیان کرتے ہیں۔ میں نے کہا تھا۔ سب سے قدیم رباعی اس وقت
ابوشکور بلخی کی ملتی ہے۔ سیّد صاحب کا ارشاد ہے کہ ایسی قدیم رباعیاں دس
بارہ سے زیادہ ہیں۔ میں نے فرخی کا ایک شعر اس کے دیوان سے ابوطلب

ترانہ گو سے متعلق نقل کیا تھا۔ سید صاحب نے بدانستِ خود اس کی تصحیح کر کے اس کے وزن کو بدل دیا۔

اس کے علاوہ سید صاحب بعض جدید امور یا نئی تحقیقات بر روی کار لائے ہیں۔ ایک یہ کہ قدما قول غزل اور رباعی میں کوئی فرق نہیں کرتے تھے بالفاظ دیگر قول و غزل کی اصطلاح کا اطلاق رباعی پر کیا کرتے تھے۔ دُوسرے یہ کہ ابو دُلف عجلی اور ابو طلب ترانہ گو ایک ہی شخص ہیں۔ اس امر کا کوئی ثبوت نہیں کہ فارسی میں بھی اشعار معقد لکھے جاتے تھے۔ قدیم رباعی گویوں میں شیخ بایزید بسطامی۔ ابونصر فارابی اور بوعلی سینا کا نام لیا گیا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

پیشتر اس کے کہ میں اپنے مضمون میں آگے بڑھوں میرے لئے ضروری ہے کہ سید صاحب کے اعتراضات کا جواب دُوں اور ان کے بیانات کو جو کئی امور میں ہماری فنی روایات سے منحرف ہیں نقد و نظر کی کسوٹی پر جانچ لُوں سب سے پہلے میں ان کے اعتراضات کو لیتا ہوں۔

معیار الاشعار خواجہ نصیر الدین طوسی کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:-

"تنقید شعر العجم کے فاضل مولف پروفیسر شیرانی نے اپنے مضمون کے پہلے نمبر میں اس کو کسی تذبذب کے بغیر محقق طوسی کی تالیف بتایا ہے۔ معلوم نہیں ان کے سامنے اس کی کیا سند ہے درانحالیکہ شرق و مغرب کے فضلائ اس نسبت کے قبول کرنے میں تردد کرتے ہیں، چنانچہ علامہ عبدالوہاب قزوینی (کذا) نے معجم کے دیباچہ میں (ح) تصریح کی ہے کہ "کتاب مرغوب معیار الاشعار است در علم عروض و قوافی کہ در ۶۴۹ھ تالیف شد و مصنف آن معلوم نیست .... وی (مفتی سعد اللہ مرادآبادی شارح المتوفی ۱۲۹۴ھ) تالیف این کتاب را بخواجہ نصیر الدین طوسی معروف متوفی ۶۷۲ھ نسبت دادہ است، ولی معلوم نیست

ازروی چہ ماخذی۔"

۵۔ ڈاکٹر ریو نے برٹش میوزیم لائبریری کی فارسی کتابوں کی فہرست ص۵۲۵ میں بعینہ یہی لکھا ہے اور بتایا ہے کہ محقق طوسی کی تصانیف کی فہرست میں یہ نام نہیں"۔ (خیام۔ حاشیہ ص۲۲۱)

میں عرض کرتا ہوں کہ ریو فہرست نگار مخطوطات فارسی برٹش میوزیم اور اس کے مقلد مرزا محمد بن عبدالوہاب کے دو نام گنا کر سید صاحب نے حکم لگا دیا کہ فضلاء مشرق و مغرب اس نسبت کے قبول کرنے میں تردد کرتے ہیں۔ گویا ان دو ناموں پر مشرق و مغرب کے فضلا کی فہرست ختم ہو گئی۔ سید صاحب سمجھ رہے ہیں کہ صرف مفتی سعد اللہ کی یہ رائے ہے۔ مگر اس بارہ میں ان کو سخت سہو ہوا ہے۔ ہندوستان کے اکثر و بیشتر عروضی یہ رائے رکھتے ہیں کہ معیار الاشعار خواجہ نصیر الدین طوسی کی تصنیف ہے۔ مثالاً کچھ نام عرض ہیں :۔

(۱) منشی مظفر علیخاں اسیر جو زر کامل عیار ترجمہ معیار الاشعار (طبع اول ۱۲۸۹ھ نولکشور) کے مالک ہیں۔ اپنے ترجمہ کے پہلے صفحہ پر لکھتے ہیں :۔

"صحیفۂ رشیقہ یعنی کتاب معیار الاشعار تصنیف عالم کامل فخر اماجد و اماثل رئیس الحکماء استاد الکملاء محقق طوسی علیہ الرحمۃ" الخ۔

(۲) مرزا محمد جعفر اوج، اردو میں مقیاس الاشعار کے مصنف ہیں۔ اس تالیف میں ص۵۴ پر یہ عبارت درج ہے :۔

"محقق علیہ الرحمۃ نے معیار الاشعار میں چونتیس زحاف لکھے ہیں"۔ اور ص۱۹۰ پر یہ عبارت ملتی ہے :۔

"من خواجہ نصیر الدین طوسی علیہ الرحمۃ
مفاعلتن مفاعلتن دو بارہ
بدی چکنی بجای کسی
کہ او نکند بجای تو بد"

م سیّد صاحب کو یقین دلاتے ہیں کہ یہ شعر معیار الاشعار میں بذیل بحر وافر ص۴۲ پر
جود ہے اور زر کامل عیار میں ص۱۲۹ پر (نولکشور ۱۹۰۳ء)
۳) غلام حسنین قدر بلگرامی کی قواعد العروض میں تو کثرت کے ساتھ معیار او
حقق کا ذکر بار بار آرہا ہے۔ معیار کی اکثر و بیشتر امثال اس تصنیف میں موجود
ہیں۔ میں صرف چند صفحوں کے حوالے دیتا ہوں۔ ص۱۴۳ ص۱۵۰ ص۱۵۱ ص۱۵۲
ص۱۵۸ ص۱۶۹ ،

۴) واجد علیشاہ بادشاہ لکھنؤ ارشاد خاقانی (حکم اختر) تالیف ۱۲۶۹ھ میں
ص۱۰ پر رقمطراز ہیں :۔
" اور خواجہ نصیر الدین طوسی رحمۃ اللہ علیہ نے معیار الاشعار میں کہا ہے۔"
۵) روضات الجنات میں (طبع ایران ۱۳۰۶ھ) جو محمد باقر خوانساری نے ۱۲۸۸ھ
میں تالیف کی ہے ص۶۰۶ پر محقق طوسی کی تصنیفات کے ذکر میں معیار کی طرف
بھی اشارہ موجود ہے۔
ممکن ہے کہ سیّد صاحب کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ یہ مصنفین تو مفتی
سعد اللہ کے مقلد اور متبع ہیں ان کی سند چنداں مضبوط نہیں مانی جا سکتی۔
اس لئے ہم بطور دفع دخل مقدر اپنی تحقیقات کو مفتی صاحب سے سابق تر
زمانوں میں لے جاتے ہیں۔
۶) شمس الدین فقیر بارھویں صدی ہجری کے ایک عمدہ شاعر اور مشہور مصنف
ہیں۔ ان کی تالیف حدائق البلاغت ہمیشہ درس میں شامل رہی ہے۔ اور
اب بھی شامل ہے۔ موصوف اپنے حدیقۃ الرابعہ کے شعبۂ اول میں در بیان
حروف قافیہ ردف زائد کی تشریح کے موقعہ پر لکھتے ہیں :۔
" بعضی حرف بعد از ردف را داخل ردف شمردہ اند و آنرا ردف زائد

نام کردہ و خواجہ نصیر الدین طوسی رحمۃ اللہ علیہ در رسالۂ معیار الاشعار حرف مذکور را داخل روی شمردہ و آن را روی مضاعف خواندہ "۔

(۷) گیارہویں صدی ہجری میں ہمیں میر ابو الحسن فراہانی شارح انوری کا نام ملتا ہے جو قافیۂ شایگان کے ذکر میں لکھتے ہیں کہ :-

" استاد المحققین خواجہ نصیر الدین محمد طوسی در رسالۂ عروض و قافیہ مسمیٰ بمعیار الاشعار آوردہ "۔

(۸) عبد اللہ خاں اوزبک والی توران جلال الدین اکبر کا معاصر ہے۔ اس کے دربار میں ایک زبردست عروضی پایندہ محمد بن محمد بن شیخ محمد موجود تھے۔ قضائی تخلص کرتے تھے۔ ۹۹۹ھ میں فن عروض پر ایک تالیف ان کے قلم سے نکلتی ہے جس کا نام جو تاریخی بھی ہے تنقید الدرر ہے۔ اس تالیف کا ایک قریب العہد مخطوطہ نوشتہ ۱۰۰۶ھ راقم کے عروضی مجموعہ کی زینت ہے۔ اس اہم تالیف میں کئی موقعوں پر معیار الاشعار کے حوالے آتے ہیں۔ چنانچہ :-

" و خواجہ نصیر طوسی در معیار الاشعار فاصلہ را ازین ارکان رکنے علیحدہ نشمردہ بلکہ فاصلۂ صغریٰ را مرکب از سببین ثقیل و خفیف و فاصلۂ کبریٰ را مرکب از سبب ثقیل و وتد مجموع داشتہ "۔ ورق ۳۷ ؁ الف

(دیگر) " و شیخ نصیر طوسی کہ صاحب معیار الاشعار است پس از روی بیش از یک حرف را از حروف قافیہ اعتبار نکردہ است "۔ ورق ۴۶ ؁ الف

(۹) صنائع الحسن ایک اور عروضی تالیف ہے جو دسویں صدی ہجری میں مشہور فخری مصنف تذکرۂ جواہر العجائب کے قلم کی یادگار ہے۔ یہ تالیف فخری اپنے سرپرست شاہ حسن (حسین؟) ۹۲۸ھ ۱۵۲۲ء و ۹۶۲ھ ۱۵۵۲ء والی سندھ کے لئے لکھتا ہے۔ یہ مخطوطہ بانکی پور لائبریری میں محفوظ ہے۔ اس کتب خانہ کے

فہرست نگار خان بہادر عبدالمقتدر خاں کہتے ہیں کہ ورق ۵ پر مصنف نے معیار الاشعار کو خواجہ نصیر الدین طوسی کی تصنیف بیان کیا ہے۔ ملاحظہ ہو جلد نہم فارسی مخطوطات ۸۴۲۔

(۱۰) سلطان حسین بایقرا کے عہد میں دیگر علوم کے علاوہ عروض و قافیہ اور معما کا بہت رواج رہا ہے۔ مولنا جامی نے اپنی مصروفیتوں کے باوجود عروض و قافیے پر چھوٹے چھوٹے رسالے لکھے ہیں۔ جامی کے شاگرد میر عطاء اللہ الحسینی مشہدی ہیں جو کتاب تکمیل الصناعۃ میں قافیے پر ایک رسالہ شامل کرتے ہیں۔ رسالہ ہذا میں میر عطاء اللہ متعدد موقعوں پر معیار الاشعار کا نام لیتے ہیں۔ ان میں سے ایک مثال یہاں عرض کرتا ہوں :-

"چنانکہ درین بیت کہ در معیار الاشعار خواجہ نصیر الدین طوسی آوردہ۔ بیت

صنم من زبر من بنروی دلک من نبری بنشنوی

(۱۱) جامی کے رسالہ قافیہ کا نام مختصر وافی فی علم القوافی ہے۔ اس پران کے ایک شاگرد نے جس کے نام سے میں ناواقف ہوں ایک شرح لکھی ہے۔ میرے عروضی مجموعہ میں اس کا ایک مخطوطہ ۱۱۰۹ھ کا نوشتہ ہے جس پر رسالہ کا نام بدین الفاظ درج ہے۔ "رسالہ عروضیہ مسمیٰ بشرح مختصر وافی فی علم قوافی بر متن حضرت مولوی جامی"۔ رسالہ ہذا میں کئی جگہ معیار الاشعار کے حوالے نظر آتے ہیں۔ ان میں سے ایک یہاں نقل کیا جاتا ہے :-

" و خواجہ نصیر الدین طوسی در کتاب معیار الاشعار حرف مقدم بر روی را منحصر در ردف داشتہ"۔

(۱۲) فخر الدین محمد ابن شاکر الکتبی متوفی ۷۶۴ھ نے اپنی تصنیف فوات الوفیات کے جزو ثانی میں ۱۵۴ پر محقق طوسی کی تالیفات کے ذکر میں معیار الاشعار کو بالفاظ "العروض بالفارسیۃ" یاد کیا ہے۔

نام کردہ و خواجہ نصیر الدین طوسی رحمۃ اللہ علیہ در رسالہ معیار الاشعار صرف مذکور را داخل روی شمردہ و آن را روی مضاعف خواندہ "

(۷) گیارہویں صدی ہجری میں ہمیں میر ابوالحسن فراہانی شارح انوری کا نام ملتا ہے جو قافیۂ شایگان کے ذکر میں لکھتے ہیں کہ :-

"استاد المحققین خواجہ نصیر الدین محمد طوسی در رسالہ عروض و قافیہ مسمٰی بمعیار الاشعار آوردہ "

(۸) عبداللہ خاں اوزبک والی توران جلال الدین اکبر کا معاصر ہے۔ اس کے دربار میں ایک زبردست عروضی پایندہ محمد بن محمد بن شیخ محمد موجود تھے۔ قضائی تخلص کرتے تھے۔ ۹۹۹ھ میں فن عروض پر ایک تالیف ان کے قلم سے نکلتی ہے جس کا نام جو تاریخی بھی ہے تنقید الدرر ہے۔ اس تالیف کا ایک قریب العہد مخطوطہ نوشتہ ۱۰۰۱ھ راقم کے عروضی مجموعہ کی زینت ہے۔ اس اہم تالیف میں کئی موقعوں پر معیار الاشعار کے حوالے آتے ہیں۔ چنانچہ :-

" و خواجہ نصیر طوسی در معیار الاشعار فاصلہ را ازین ارکان رکنے علیحدہ نشمردہ بلکہ فاصلۂ صغریٰ را مرکب از سببین ثقیل و خفیف و فاصلۂ کبریٰ را مرکب از سبب ثقیل و وتد مجموع داشتہ"۔ ورق ۳ب

دیگر " و شیخ نصیر طوسی کہ صاحب معیار الاشعار است بیش از روی بیش از یک حرف را از حروف قافیہ اعتبار نکردہ است " ورق ۶ب

(۹) صنائع الحسن ایک اور عروضی تالیف ہے جو دسویں صدی ہجری میں مشہور فخری مصنف تذکرۂ جواہر العجائب کے قلم کی یادگار ہے۔ یہ تالیف فخری اپنے سرپرست شاہ حسن (حسین ؟) ۹۲۸ھ ۱۵۲۲ء و ۹۶۲ھ ۱۵۵۴ء والی سندھ کے لئے لکھتا ہے۔ یہ مخطوطہ بانکی پور لائبریری میں محفوظ ہے۔ اس کتب خانہ کے

فہرست نگار خان بہادر عبدالمقتدر خاں کہتے ہیں کہ ورق ۵ پر مصنف نے معیار الاشعار کو خواجہ نصیر الدین طوسی کی تصنیف بیان کیا ہے۔ ملاحظہ ہو جلد نہم فارسی مخطوطات ۸۴۲

(۱۰) سلطان حسین بایقرا کے عہد میں دیگر علوم کے علاوہ عروض و قافیہ اور معما کا بہت رواج رہا ہے۔ مولنا جامی نے اپنی مصروفیتوں کے باوجود عروض و قافیے پر چھوٹے چھوٹے رسالے لکھے ہیں۔ جامی کے شاگرد میر عطاء اللہ الحسینی مشہدی ہیں جو کتاب تکمیل الصناعۃ میں قافیے پر ایک رسالہ شامل کرتے ہیں۔ رسالۂ ہذا میں میر عطاء اللہ متعدد موقعوں پر معیار الاشعار کا نام لیتے ہیں۔ ان میں سے ایک مثال یہاں عرض کرتا ہوں :-

"چنانکہ درین بیت کہ در معیار الاشعار خواجہ نصیر الدین طوسی آوردہ۔ بیت

صنم من زبر من بنروی ولک من نبری بنشنوی

(۱۱) جامی کے رسالۂ قافیہ کا نام مختصر وافی فی علم القوافی ہے۔ اس پر ان کے ایک شاگرد نے جس کے نام سے میں ناواقف ہوں ایک شرح لکھی ہے۔ میرے عروضی مجموعہ میں اس کا ایک مخطوطہ ۱۰۰۹ھ کا نوشتہ ہے جس پر رسالہ کا نام بدین الفاظ درج ہے۔ "رسالہ عروضیہ مسمی بشرح مختصر وافی فی علم قوافی بر متن حضرت مولوی جامی"۔ رسالۂ ہذا میں کئی جگہ معیار الاشعار کے حوالے نظر آتے ہیں۔ ان میں سے ایک یہاں نقل کیا جاتا ہے :-

"وخواجہ نصیر الدین طوسی در کتاب معیار الاشعار حرف مقدم بر روی را منحصر در دہ حروف داشتہ"

(۱۲) فخر الدین محمد ابن شاکر الکتبی متوفی ۷۶۴ھ نے اپنی تصنیف فوات الوفیات کے جزو ثانی میں ۱۵۲ پر محقق طوسی کی تالیفات کے ذکر میں معیار الاشعار کو بالفاظ "العروض بالفارسیہ" یاد کیا ہے۔

(۱۳) صلاح الدین خلیل بن ایبک الصفدی متوفی ۷۶۴ھ کی الوافی بالوفیات

کے جزو اوّل میں ص ۱۸۱ پر محقق کی تصنیفات کے ضمن میں "العروض بالفارسیۃ

یعنے معیار الاشعار کا پھر ذکر آیا ہے ؁

جب گذشتہ صدی سے لگا کر آٹھویں صدی تک کے تمام علماء معیار کو

محقق کی تصنیف مانتے آئے ہیں۔ تو میرا کیا قصور ہے اگر میں نے اسے خواجہ

نصیر کی تالیف مان لیا ؁

ایک موقعہ پر سید صاحب نے فرمایا ہے:۔ "سلسلۂ شعر العجم کے وسیع النظر

ناقد پروفیسر شیرانی نے تنقید کے پہلے نمبر (رسالہ اردو اورنگ آباد دکن) میں

رباعی کی بحث پر دو صفحے لکھے ہیں اور معیار الاشعار کی مذکورۂ بالا عبارت کے

لفظ "قدما" سے اتنی وسعت پیدا کر لی کہ یہ دعوے کر دیا ہے کہ قدیم الایام میں

ایران میں ایک خاص قسم کی نظم جس کو بہار یتی کہا جاتا تھا رائج تھی۔ اس کے

اوزان عربی اوزان سے غالباً مستخرج نہیں ہیں بلکہ ایران زاد اور مقامی معلوم ہوتے

ہیں، حالانکہ ان میں سے ہر دعوے ثبوت کا محتاج ہے' اہل عروض و اہل موسیقی

کی روایات (قابوس نامہ کا حوالہ آتا ہے) کا جہاں تک تعلق ہے یہ بات ظاہر

ہوتی ہے کہ ارباب فن کے یہاں یہ چیز نو پیدا تھی اور اسلام کے بعد اہل فن کے

استعمال میں آئی ہے" (خیام ص ۲۲۲) ؁

میں یہاں سر داستان ہی عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ محترم سید اپنے اعتراض میں

ایسے فقرات کے استعمال سے کہ لفظ قدماء سے اتنی وسعت پیدا کر لی ہے۔ ارباب

فن کے یہاں یہ چیز نو پیدا تھی۔ اور اسلام کے بعد استعمال میں آئی۔ وغیرہ میرے

خلافِ مدعا یہ امر ذہن نشین کرنا چاہتے ہیں کہ میں رباعی کو اسلام سے قبل کی پیداوار

مانتا ہوں۔ حالانکہ میرے زیر تنقید شعر العجم تھی جو خالصۃً فارسی شاعری بعد از اسلام کے

موضوع سے تعلق رکھتی ہے اور جو عربی شاعری کی تقلید میں شروع ہوتی ہے۔
فارسی شاعری اور رباعی تو ایسی فضا ہے جس میں ایام ظہور اسلام سے قبل کا تصور بھی ذہن میں نہیں آتا۔ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کیا ہم الفاظ 'قدیم' ۔ 'قدما' 'قدیم الایام' زمانۂ مابعد اسلام کے لئے استعمال نہیں کر سکتے۔ ان الفاظ سے میرا مقصد وہی ہے جو دنیا لیتی ہے۔ قدیم جدید کے مقابلہ میں۔ قدما متاخرین کے مقابلہ میں اور قدیم الایام زمانۂ حال کے مقابلہ میں آتا ہے +

اب مجھے دو باتیں ثابت کرنی ہیں۔ ایک تو یہ کہ عہدِ قدیم میں ایران میں چار بیتی کا رواج تھا۔ دوسرے یہ کہ چہار بیتی کے اوزان عربی سے مستخرج نہیں بلکہ ایران زا اور مقامی ہیں +

پہلی شق کے لئے محقق طوسی کا بیان جو میں مع ترجمہ اوپر نقل کر آیا ہوں دھیان میں رکھنا نہایت ضروری ہے لیکن معیار الاشعار پر سید صاحب کا اضطراری اعتماد محقق طوسی کے بیانات کی اصل وقعت و اہمیت کے احساس سے انہیں باز رکھتا ہے۔ میرا عقیدہ ہے کہ رباعی کسی شخصی ایجاد کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ وہ ارتقا یافتہ شکل ہے قدیم چہار بیتی کی جو ہزج مربع اخرم و اخرب میں لکھی جاتی تھی۔ ان ایام میں صدر و ابتدا میں اخرب و مکفوف۔ اخرب و مقبوض کا اختلاف جائز سمجھا جاتا تھا، جو چار بیتی کے ہر مصرع میں کارفرما ہے۔ جس کی بنا پر پہلے مصرع کے شروع میں مفعول کے مقابلہ میں دوسرے مصرع کے شروع میں مفاعیل یا مفاعیلن یا مفاعلن آجاتا ہے۔ بحر ہزج عربی میں مربع الارکان مستعمل ہے۔ جب عربی عروض فارسی میں اختیار کی گئی تو ضروری ہے کہ ابتدا میں اشعار ہزج کے مربع میں لکھے جاتے ہوں۔ چنانچہ رباعی بھی مربع میں لکھی گئی۔ چونکہ اس میں چار شعر ہوا کرتے تھے اس بنا پر اس کا نام چہار بیتی رکھا گیا۔ ایک عرصۂ دراز کے بعد جب اصول مثمنات کی دریافت نے

اہل ایران کو زیادہ خوش آیند اور شگفتہ اوزان سے آشنا کر دیا۔ مربعات ترک کر دیئے گئے اور مثمنات کو اختیار کر لیا گیا۔ اور ترانہ جو چار بیت مربع پر شامل تھا دو بیت مثمن کے قالب میں ڈھل گیا اور دو بیتی کہلایا۔ یہی اصول یعنی مربع کا مثمن کر لینا نہ صرف رباعی میں بلکہ دیگر اوزان میں بھی کام کر رہا ہے۔ مثال میں ہزج مربع کا یہ شعر عرض ہے :۔

من بے تو چنین زار   نوازد دوری غمند

اس کا وزن ہے مفعول مفاعیل مصرع اول۔ مفاعیل مفاعیل مصرع دوم۔ یہ رباعی کا وزن نہیں ہے۔ یہاں ابتدا میں صدر کے مقابلہ میں مفاعیل بجای مفعولُ لایا گیا ہے۔ ایران کی بعد کی خوش مذاقی کے دیکھتے ہوئے ایسا اختلاف ناقابل معافی ہے۔ مگر جب اسی وزن مربع کو مثمن بنا لیا یعنے پورے شعر کا مصرع کر لیا بروزن مفعولِ مفاعیلُ مفاعیلُ مفاعیل۔ تو ایک نہایت خوش آیند وزن حاصل ہو گیا چنانچہ

لازم تھا کہ دیکھو مرا رستہ کوئی دن اور   تنہا گئے کیوں اب رہو تنہا کوئی دن اور

ایک اور مثال دی جاتی ہے :۔

ای یار دل ربای   یکی بار ہی بساز

جو بحر مضارع مربع اخرب موفور مقصور ہے۔ یعنی مفعول فاعلات مصرع اول اور مفاعیل فاعلات مصرع دوم یہاں صدر و ابتدا میں اخرب و موفور کا اجتماع ہے لیکن ان دونوں مصرعوں کو ایک مثمن مصرع مان لینے سے ایک نیا شگفتہ وزن ہاتھ آگیا۔ مثال :۔

گر مردِ ہمنی زمروت نشان مخواہ   صد جا شہید شود بیت از دشمنان مخواہ

تعجب ہے کہ ہمارے سلیمان اعظم نے جہاں رباعی کے مختلف ناموں کی

فہرست دی ۔ مثلاً ترانہ ۔ دوبیتی ۔ قول ۔ غزل ۔ بیت وغیرہ ۔ اس میں انھوں نے اس کے سب سے قدیم نام چہار بیتی کو شامل نہیں کیا اور محقق طوسی کا بیان بھی درخور اعتنا نہیں سمجھا ۔ حالانکہ عروضی چہار بیتی کا برابر ذکر کرتے ہیں ۔

مقیاس الاشعار میں مرزا اوج کہتے ہیں :۔ "ترانہ کو قدما نے چار بیت قیاس کیا ہے اور اس کو 'چہار بیتی' کہا ہے ۔ یعنی اس میں ہر مصراع ایک بیت ہے اور تازی میں اس کو رباعی کہتے ہیں اور چاروں مصرعوں میں قافیہ لانا واجب جانتے ہیں لیکن نزدیک متاخرین جو مربعات اس وزن اخرب کے مستعمل نہیں یہ وزن بھی متروک ہے ۔" (صفحہ ۲۱ مقیاس الاشعار)

غلام حسنین قدر بلگرامی کا قول ہے :۔ " اور اس کو اسی وجہ سے چہار بیتی اور رباعی کہنے لگے لیکن متاخرین نے چار مصرعوں کو دو شعر فرض کیا اور اس کا نام دوبیتی رکھا ۔"

"قدمای فارس ترانہ را کہ از ہزج مربع اختراع کردہ اند چہار بیتی و رباعی گفتند وہر دور چہار رکنی را قافیہ لازم می شمردند ۔ اما متاخرین شان چون ابیات مربع ہزج نزد ایشان متروک است ترانہ از مثمن قرار دہند و ہر دو رچہار رکنی را مطلع می شمرند و مجموع را دوبیتی " (صفحہ ۶۵ رسالہ کیفیت ایجاد رباعی از مفتی سعد اللہ)

شق دوم ۔ یہ کہ چار بیتی یا رباعی کے اوزان عربی سے مستخرج نہیں ہیں ۔ بلکہ ایران زاد اور مقامی ہیں :۔ میں حیران ہوں کہ سید صاحب کو ایسے بدیہی واقعہ کے ثبوت مانگنے کی ضرورت کیوں پیش آئی ؟ ہم عروض کی جس قدیم و جدید کتاب کو اٹھا کر دیکھتے ہیں ہر مصنف یہی راگ الاپ رہا ہے کہ رباعی فارسی الاصل ہے میں بعض عروضیوں کے بیان یہاں نقل کرتا ہوں :۔

(۱) بدانکہ وزن رباعی کہ آنرا دوبیتی و ترانہ نیز گویند از بحر ہزج بیرون می آید

آنرا عجم پیدا کردہ اند و بر بیت و چہار نوع آوردہ۔"
(عروض سیفی تالیف ۸۹۶ھ صـ۵۳ طبع ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ۱۸۶۲ء)

(۲) باید دانست کہ وزن دوبیتی را کہ رباعی و ترانہ نیز میگویند آنرا شعرای عجم از وزن اخرم و اخرب ہزج مثمن برآوردہ اند۔" صـ۵۳ تنقید الدرر از قضائی تالیف ۹۹۹ھ)

(۳) باید دانست کہ رباعی را شعرای عجم اختراع نمودہ اند و آنرا ترانہ و دوبیتی نیز نامند۔" (صـ۱۱۶ حدائق البلاغت۔ مطبع کریمی۔ لاہور ۱۹۲۰ء)

(۴) کرامت علی ابن رحمت علی حسینی جونپوری مسٹر شکلز فرانسیسی کے لئے اپنے قیام تبریز کے زمانہ میں ایک رسالہ قواعد عروض و قوافی پارسی لکھتا ہے۔ جس میں مرزا ابوالقاسم قایم مقام کی طرف بھی خطاب ہے۔ اس کا ایک نسخہ ٹائپ میں طبع شدہ میرے پاس ہے۔ جس پر تاریخ طباعت درج نہیں۔ اس رسالہ کے صـ۸۲ پر عبارت ذیل ملتی ہے:۔

"فصل شانزدہم در بحر رباعی و آنرا دوبیتی و ترانہ نیز گویند و آن پیدا کردہ عجم است۔"

(۵) "و اوزان رباعی کہ آنرا دوبیتی و ترانہ گویند اہل عجم از بحر ہزج برآوردہ اند۔"
(مخزن الفوائد صـ۱۶۶۔ ۱۸۸۱ء۔ مطبع انجمن پنجاب)

(۵ ب) "وزن ترانہ کے مخترع شعرای عجم ہیں۔" (صـ۱۳۲ قواعد العروض از قدر بلگرامی)

(۶) "اور یہ زحاف کہ اس وزن میں مستعمل شعرای عجم ہیں اشعار عرب میں نہیں اور یہ وزن رباعی اشعار عرب میں نہ تھا۔" (صـ۲۱ مقیاس الاشعار ۱۲۹۲ھ)

(۷) "اور جان تو کہ رباعی نکالی ہوئی فصحای عجم کی ہے اور بحر ہزج سے خصوصیت رکھتی ہے۔" (تقویت الشعرا از امام الدین طالب۔ سلطان المطابع لکھنؤ)

(۸) "و رباعی از مخترعات اہل عجم است و بہ بحر ہزج اختصاص دارد۔" (صـ۵۶

شجرۃ العروض از منشی مظفر علی اسیر۔ نولکشور ۱۸۷۳ء)

یہاں ایک سوال کیا جا سکتا ہے کہ اگر رباعی ایرانی الاصل نہیں ہے تو پھر اس کی ایجاد کی توضیح کرنے والے قصے جن میں صرف ایرانی حصہ لیتے نظر آتے ہیں اور جنہیں سید صاحب نے اپنی معزز تالیف میں نقل بھی کیا ہے کیوں شہرت پاتے مثلاً رودکی کا ایک طفل جوز باز کو غزنین کے مرغزار میں جوشِ مسرت میں مصرع آیندہ پڑھتے سننا یا بقول دولت شاہ یعقوب بن لیث کے فرزند کا جوز کھیلتے ہوئے ایک نشاط آمیز لہجہ میں کہنا کہ

غلطان غلطان ہمی رود تا بن گو

خیام کے ص۲۲۳ پر سید صاحب نے گذشتہ اعتراض سے ملتا جلتا یہ اعتراض کیا ہے :-

"ناقد شعر العجم نے اپنے اسی پہلے سلسلہ میں یہ بے سند دعوے کیا ہے جس کا مدار ساتویں صدی کی معیار الاشعار پر ہے کہ قدما (کس عہد تک کے قدماء ؟) تمامتر چہار بیتی کہتے تھے، جس کے چاروں مصرع ہم قافیہ ہوتے تھے" اور اس سے نادر تر دعوے یہ ہے کہ چہار بیتی کی اب کوئی مثال نہیں پائی جاتی، حالانکہ ایسی رباعیاں جن کے چاروں مصرعے ہم قافیہ ہوں، عوفی کی لباب الالباب کے قدماء کے حالات میں دس بارہ سے زیادہ ہیں اور بعد کے شعرا کے یہاں ایسی رباعیاں ملتی ہیں۔"

میں سید صاحب کی خدمت میں بصد ادب عرض کرتا ہوں کہ جب ان کو یہ تسلیم ہے کہ میرے دعوے کا مدار ساتویں صدی کی معیار الاشعار پر ہے تو پھر میرا دعوے بے سند کیوں گردانا گیا۔ سید مجھ پر سخت ظلم کر رہے ہیں کہ معیار الاشعار جیسی کتاب کی سند کے باوجود میرے دعوے کو بے سند کہتے ہیں۔ میں ان کو

یقین دلاتا ہوں کہ عروضی لٹریچر میں یہ تالیف آج بھی زبردست اہمیت کی مالک ہے۔ گذشتہ سات صدیوں میں جس قدر کتابیں اس فن پر لکھی گئی ہیں ان سب پر اس کتاب کی افادی وقعت و افضلیت مسلم ہے۔ ہر عہد میں اہل عروض اس کو مستند سمجھتے رہے ہیں اور اس کے حوالے دیتے آئے ہیں۔ اس کی شرح تیار ہوئی ہے۔ ترجمہ کیا گیا ہے۔ مختصر یہ کہ عروضی مسائل پر قول فیصل مانی جاتی ہے اور یہ فن سے ہماری بیگانگی کا ثبوت ہوگا اگر ہم اس تصنیف کو قرار واقعی عزت نہ دیں۔

اس کے بعد سوال کیا ہے "کس عہد تک کے قدماء، تمام تر چہار بیتی کہتے تھے جس کے چاروں مصرع ہم قافیہ ہوتے تھے" یہاں بیت کی جگہ مصرع لکھنا سید صاحب کا سہو قلم ہے۔ میں قدما کے متعلق اس سے قبل کچھ اشارہ کر آیا ہوں۔ یہاں اسی قدر کہنا کافی ہوگا کہ ان قدماء کا زمانہ بھی وہی ہے جو اُن قدماء کا ہے جن کا ذکر خود سیّد صاحب نے اپنی تالیف میں کیا ہے۔ جب فرمایا ہے:۔

(۱) "عوفی کی لباب الالباب کے قدماء کے حالات ہیں" وغیرہ (خیام ص۲۲۲ حاشیہ)

(۲) "یہ رباعی (چہار بیتی) کہنے والے قدماء عرب کے شاعر تھے" الخ (خیام ص۲۲۲)

(۳) قدماء کے کلام میں غزل و ترانہ کا لفظ ساتھ ساتھ آتا ہے۔" (خیام ص۲۲۵)

آگے بڑھ کر سید صاحب ارشاد کرتے ہیں:۔ "اور اس سے نادر تر دھوکے یہ ہے کہ چہار بیتی کی اب کوئی مثال نہیں پائی جاتی۔ حالانکہ ایسی رباعیاں جن کے چاروں مصرعے ہم قافیہ ہوں عوفی کی لباب الالباب کے قدماء کے حالات میں دس بارہ سے زیادہ ہیں"

مجھے افسوس ہے کہ سید صاحب میرا مطلب بالکل نہیں سمجھے اور انہوں نے

محقق طوسی کے بیان پر جو میرے دعوے کی سند ہے کافی غور کیا۔ جن چار مصرعوں والی رباعیوں کو سید صاحب چار بیتیاں کہتے ہیں وہ تو دو بیتیاں ہیں۔ کیونکہ دو مثمن شعروں کی شکل میں لکھی جاتی ہیں۔ بحالیکہ چار بیتی چار مربع شعروں کی صورت میں لکھی جاتی تھی جس طرح کہ میں نے تنقید شعر العجم میں (رسالہ اُردو ص ۴۹۰ بابت ماہ اکتوبر ۱۹۲۲ء) ابوشکور کی رباعی کو لکھا ہے۔ یا جس طرح خود سید صاحب نے میری تقلید میں ص ۲۲۲ پر رودکی کی مفروضہ رباعی کو اور ص ۲۲۳ تا ۲۲۵ عربی رباعیوں کو نقل کیا ہے۔ یہ ہے صحیح شکل چہار بیتی کی۔ اور جب چار بیتیاں اس طرح لکھی ہوئی نہیں ملتیں تو میں نے کیا غلط کہا جب یہ کہا کہ قدیم چہار بیتی کے اصلی نمونے ہم تک نہیں پہنچے۔ چار قافیوں والی رباعیاں مصرّع دو بیتیاں ہیں جس طرح تین قافیوں والی خصی رباعیاں ہیں۔

سید صاحب دعوے کرتے ہیں کہ چاروں مصرعوں میں قافیوں والی رباعیاں لباب الالباب میں قدماء کے حالات میں دس بارہ سے زیادہ ہیں۔ میں نے بھی قدماء کے ذکر ہی میں کہا تھا کہ سب سے قدیم رباعی مجھ کو ابوشکور بلخی کی ملی ہے۔ لباب الالباب موجود ہے اور میں سید صاحب کو دعوت دیتا ہوں اگر وہ اس میں سے دس بارہ درکنار ایک رباعی بھی ابوشکور کے عہد سے قبل کی نکال کر بتادیں گے۔ مگر دشواری یہ ہے کہ ہمارے محترم ہر چار مصرعوں کو عام اس سے کہ وہ رباعی کے وزن میں ہوں یا نہ ہوں رباعی کے خطاب سے یاد کرتے ہیں۔ ایسی رباعیاں بے شک وہ دس بارہ کیا دہ چنوں نکال دیں گے لیکن ادبی و عروضی نقطۂ نظر سے بلکہ رواجاً بھی رباعی وہی ہے جو بحر ہزج کے

لہ "مصرّع بیتی را گویند کہ ہر دو مصراع قافیت نگاہ داشتہ آید چنانکہ ابیات سرہای قصیدہ بود خصی دو بیتی را گویند کہ مصراع سوم او را قافیت نباشد"۔ (ص ۸۴، حدائق السحر رشید الدین وطواط۔ مرتبہ عباس اقبال)۔

اخرب واخرم شجروں کے جو بیس اوزان مقررہ ہیں سے ہو۔ مگر سید صاحب جو خیام کی رباعیوں پر مقدمہ لکھ رہے ہیں اس فروگذاشت کی مطلق پروا نہیں کرتے ایک موقعہ پر رقم پرداز ہیں :۔

"لباب الالباب عوفی میں حنظلہ بادغیسی کی حسب ذیل دو بیتیں ملتی ہیں جو رباعی کے وزن پر ہیں :۔

یارم سپند اگرچہ بر آتش ہمی فگند   از بہر چشم تا نرسد مر ورا گزند
او را سپند و آتش نا ید ہمی بکار   باروی ہمچو آتش و با خال چون[1] اسپند"

(خیام ص۲۳۰)

ان دو شعروں کو خود عوفی دو بیتی نہیں مانتا۔ چنانچہ اس نے "این دو بیت" (ص ۲/۲ لباب الالباب) لکھا تھا۔ سید صاحب نے دو بیتیں تو عوفی کی تقلید میں لکھ دیا۔ لیکن الفاظ "جو رباعی کے وزن پر ہیں"۔ اپنی طرف سے اضافہ کر دیئے۔ حالانکہ یہ شعر رباعی کے وزن پر مطلق نہیں۔ رباعی کے اوزان بحر ہزج سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ ابیات بحر مضارع میں واقع ہوئے ہیں۔ ان کا وزن ہے :۔

مفعول فاعلات مفاعیل فاعلات ۔ یعنے مضارع اخرب مکفوف مقصور جو رباعی کے وزن سے کوسوں دور ہے۔

سید صاحب کی جلد بازی ملاحظہ ہو کہ حنظلہ کی اس مفروضہ رباعی کو دیکھ کر فوراً یہ نظریہ پیش کر دیا :۔ "اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رباعی کی تاریخ رودکی بلکہ ابو دُلَف اور ابن الکعب سے بھی پہلے شروع ہوتی ہے اور سامانی بلکہ صفاری کے بجائے طاہری دربار کو اس کی اولیت کا فخر پہنچتا ہے"۔ (ص۲۲۳ خیام)

[1] قلابوں میں 'نون' میرا اضافہ ہے۔ اس کے بغیر وزن غلط ہو جاتا ہے۔

اب جب یہ ثابت ہوگیا کہ حنظلہ کی رباعی سچی رباعی نہیں۔ تو یہ اولیت کا فخر کس دربار کی طرف منتقل کیا جائے گا؟ سلیمان اعظم ارشاد فرمائیں۔

تنقید شعر العجم (صفحہ ۴۹ اردو) میں ایک موقعہ پر میں نے فرخی کا ایک شعر بوطلب شاعر کی شہرت بحیثیت رباعی گو دکھانے کے لئے نقل کر دیا تھا۔ جو حسب ذیل تھا۔

ازدلارامی و نغزی چون غزلہای شہید	وز دلاویزی و خوبی چون ترانہ بوطلب

اس کے تعلق میں سید صاحب ارشاد کرتے ہیں:-

"پروفیسر شیرانی نے تنقید شعر العجم کے پہلے نمبر میں اس شعر کو کہیں سے نقل کیا ہے۔ مگر اپنے متن کا ماخذ نہیں بتایا ہے جو اسدی کے متن سے بہت کچھ مختلف ہے۔ شیرانی صاحب لکھتے ہیں:-

ازدلآویزی و نغزی چون غزلہای شہید	وز دلآریزی و خوبی چون ترانہ بوطلب

بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ پروفیسر صاحب نے کسی متاخر ماخذ کو سامنے رکھا ہے جس نے فرخی کے قدیم الفاظ میں متاخرین کے محاوروں کے مطابق تصرف کر دیا ہے۔" (خیام صفحہ ۲۲۹)

کسی شاعر کا شعر نقل کرتے وقت ہمارے ہاں یہی دستور رہا ہے۔ کہ شعر نقل کرنے سے قبل اس شاعر کا نام دے دیا جائے۔ چنانچہ میں نے بھی ایسا ہی کیا اور شاعر کا نام فرخی دے دیا۔ سید صاحب کو اعتراض ہے کہ اس شعر کو کہیں سے نقل کر دیا۔ میں عرض کرتا ہوں کہ کہیں سے تو کیا نقل کیا ہوگا۔ شاعر کے دیوان ہی سے نقل کیا ہوگا اور دیوان سے بہتر ماخذ ہوگا بھی کیا۔ متاخرین کے محاوروں کے مطابق اگر کوئی تصرف ہوا تو خود سید اس کے ذمہ دار ہیں۔ میرے ہاں جہاں پہلے مصرع میں 'دلارامی' تھا۔ سید صاحب نے

اس کی جگہ ' دلآوری' بنادیا۔ یہ تصرّف کیوں کیا گیا مجھے معلوم نہیں۔ مگر یہ تصرف ہر حال میں صحیح نہیں۔ کیونکہ دونوں مصرعوں میں 'دلاوری' مکرر ہو جاتا ہے،

سیّد صاحب نے حسب روایت لغت فرس اس شعر کو یوں لکھا ہے:-

زدلآوری وتری چو غزلہائے شہید　　وزغم انجامی وخوشی چو ترانہ بوطلب

میرا نقل کردہ شعر اگر اسدی کے متن سے نہیں ملتا تو اس میں میرا کیا قصور ہے میرے لئے ضروری نہیں کہ فرخی کے شعر کے لئے اسدی کے لغت کی ورق گردانی کروں۔ جس حال میں کہ دیوان موجود ہے اور چھپ چکا ہے۔

اصل یہ ہے کہ جس شعر کو سیّد صاحب صحیح اور مستند سمجھ رہے ہیں۔ وہ یقیناً غلط ہے۔ اس غلطی کے ذمہ دار خواہ ہمارے سیّد ہوں یا پال ہورن لغت فرس کا مرتّب یا خود اسدی لغت فرس کا مصنّف۔ شعر ہذا کوئی تنہا شعر نہیں ہے بلکہ فرخیؒ کے قصیدہ میں آتا ہے۔ یہ قصیدہ بحر رمل مثمن محذوف میں ہے جس کا وزن ہے۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن، اور مطلع ہے:-

دوست دارم کودک سیمیں بر بیجاوہ لب　　ہر کجا زیشان یکی بینی مرا آنجا طلب

فرخی کا منقولۂ بالا شعر بھی ضرور ہے کہ اسی وزن میں ہو۔ چنانچہ تقطیع:-

ازدلارا فاعلاتن، می نغزی فاعلاتن، چو غزلہا فاعلاتن، اے شہید فاعلاتْ

وزدلاوے فاعلاتن، زیی خوبی فاعلاتن، چو ترانا فاعلاتن، بوطلب فاعلن،

یعنی وہی رمل مثمن مقصور یا محذوف، اب سید صاحب کے روایت کردہ شعر کی تقطیع ملاحظہ ہو:-

زدلاوے فعلاتن، زیی تر ری فعلاتن، چ غزلہا فعلاتن، ءِ شہید فعلات،

وزغمنجا فاعلاتن، م ی خوشی فعلاتن، چ ترانا فعلاتن، بوطلب فعلات،

دیوان فرخی مرتبہ عبدالرسولی ۱۳۱۱ مطبوعہ مجلس (ایران) ص ۲ و دیوان حکیم فرخی ص ۶ طبع بمبئی،

اور وزن ہے بحر رمل مثمن مجنون مقصور - بالفاظ دیگر وزن ہی بدل گیا ہے -
یعنی سالم سے مجنون ہو گیا - یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ حشویات تمام قصیدے
میں جس کے پچاس سے زیادہ شعر ہیں سالم آئیں اور ایک شعر میں مجنون ہو جائیں
لہذا میں تو اس شعر کو غلط کہوں گا،

قولہ :- اہل عرب اس کو رباعی اس لئے کہتے ہیں - کہ بحر ہزج جس میں
رباعی کہی جاتی ہے چار اجزاء سے مرکب ہوتی ہے اور اس لئے اس وزن کا
ایک مصرع عربی میں دو جزء کا ایک شعر ہو جاتا ہے اور اس طرح چار مصرعوں
میں چار شعر ہو جاتے ہیں - رازی کے اس بیان کی تائید معیار الاشعار فارسی عروض
کی ایک قدیم کتاب ۶۴۹ھ سے ہوتی ہے " ص۲۲

میں یہ توجیہ ماننے کے لئے طیار نہیں کہ چونکہ ہزج عربی میں مربع الارکان
آتی ہے - اس بناء پر اس کو رباعی کہنے لگے - ہزج دائرہ میں مسدس ہے -
اگرچہ بنا میں مجزو ہے - دوسرے عربی میں ایک یہی بحر تو ہے نہیں جو مربع
آتی ہے - اس میں تو اکثر بحریں مربع استعمال ہوتی ہیں پھر ہزج کی کیا خصوصیت
رہی - اس کے علاوہ رباعی کی ابتدا فارسی سے ہوتی ہے نہ عربی سے - اسلئے
اس کا نام رباعی رکھنے میں عربی والوں نے چار بیتی کی تقلید کی ہے ؛

محقق طوسی کی تالیف معیار الاشعار سید صاحب کے خیال کی تائید نہیں
کرتی - اس میں مذکور ہے :-

" ترانہ را قدماء چہار بیت می گرفتہ اند و آنرا چہار بیتی خواندہ و بتازی رباعی "
یعنی قدماء کے نزدیک رباعی چار بیتوں پر شامل تھی - اس لئے اس کا نام چہار بیتی
رکھ دیا - اور عربی میں رباعی - لہذا سید صاحب کا یہ بیان کہ رباعی کا نام رباعی چار
مصرعوں کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ چار مصرعوں کے چار شعر ہو جانے کی وجہ سے،

بالکل بے بنیاد ہے۔ صحیح وہی ہے جو محقق طوسی کے بیان سے مستنبط ہوتا ہے یعنی ایرانیوں نے اس کا نام چہار بیتی رکھا اور عربی والوں نے تقلیداً رباعی کہا۔

قولہ:۔ سوال یہ ہے کہ دو دو جزو کا اس طرح ایک ایک شعر ہو جانا آیا فارسی میں تھا اور اس لئے اس کو کبھی چہار بیتی کہتے تھے۔ یا عربی میں اور اس لئے اس کو رباعی کہتے تھے۔ مؤلف معیار الاشعار نے صرف قدماء یعنے پہلے لوگ لکھا ہے جس سے فارسی و عربی کی تخصیص نہیں نکلتی "۔ (خیام ص۲۲۲)

مؤلف معیار الاشعار کے بیانات تو ہمیشہ ٹھیک ٹھیک راست بلا کم و کاست مبنی بر حقیقت ہوتے ہیں۔ لیکن سید صاحب کی اس کتاب کے ساتھ عدم واقفیت نے بے شک انہیں غیر حقیقی الجھنوں میں مبتلا کر دیا ہے۔ محقق طوسی کی تالیف فارسی کے ساتھ ساتھ عربی عروض کی بھی جداگانہ توضیح کر رہی ہے۔ بلکہ مصنف کا قاعدہ ہے کہ پہلے ہر بحر کے عربی ضوابط و اوزان و امثال بیان کرتا ہے اس کے بعد فارسی اوزان اور امثال دیتا ہے۔ سید صاحب اس کو محض فارسی عروض کی کتاب (ص۲۲۱ خیام) بیان کرتے ہیں۔ اسی لئے سید والا مرتبت کا یہ قول کہ مؤلف معیار الاشعار نے صرف قدماء یعنی پہلے لوگ لکھا ہے جس سے فارسی و عربی کی تخصیص نہیں نکلتی "۔ فاضل موصوف اس سے زیادہ اور کیا تخصیص کرتے کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ الگ دکھا دیا ہے۔ ہزج کے عربی اوزان میں انہوں نے رباعی کا مطلق ذکر نہیں کیا اور فارسی کے ذکر میں لکھا جس سے پڑھنے والے پر صاف روشن ہے کہ رباعی فارسی الاصل ہے اور عربی سے اس کا کوئی واسطہ نہیں۔ سید صاحب اس سے زیادہ اور کیا تخصیص چاہتے ہیں۔

قولہ:۔ مگر محمد ابن قیس رازی نے تصریح کی ہے کہ یہ رباعی (چہار بیتی) کہنے والے قدماء عربی کے شاعر تھے۔ کیونکہ اس کا ثبوت نہیں ملتا کہ عربی کی

طرح فارسی اہل عروض بھی ایک لفظ کے حرفوں کو توڑ کر کبھی دو مصرعوں میں بانٹتے تھے"۔ (ص ۲۲۲ خیام)

عروض کے میدان میں یوں تو کئی چیزیں عجمیوں کی دماغی پیداوار اور ذہنی یادگار کی حیثیت سے شمار کی جاسکتی ہیں۔ مثلاً بحور قریب و جدید و متشاکل۔ نیز ان کی نو ایجاد اکیس بحریں جو دوائر منعکسہ و مخلقہ و مختلطہ سے تعلق رکھتی ہیں لیکن ان کی افادی وقعت قابل ذکر نہیں۔ لے دے کر کوئی کام کی چیز جو جدید ایرانی اضافہ کے طور سے تسلیم کی جاسکتی ہے رباعی ہے مگر دیکھا جاتا ہے کہ ہمارے سید والاشان نے بیک جنبش قلم اس عزت سے بھی انہیں محروم کر دیا اور یہ ارشاد کر دیا کہ رباعی کہنے والے قدماء عربی کے شاعر تھے۔ خوش قسمتی سے سید صاحب اس عقیدے میں بالکل تنہا ہیں حتےٰ کہ محمد ابن قیس بھی جس کی مبینہ تصریح پر سید صاحب یہ رائے قایم کرتے ہیں ان کے بالکل برخلاف ہے۔ ذیل میں مصنف موصوف کے تین مختلف بیان جن میں سے ہر ایک سید صاحب کے مزعومہ دعوے کے مخالف ہے نقل کئے جاتے ہیں:۔

"لیکن بحکم آنکہ زحافی کہ درین وزن مستعمل است در اشعار عرب نبودہ است در قدیم برین وزن شعر تازی نگفتہ اند و اکنون محدثان ارباب طبع بران اقبالی تمام کردہ اند و رباعیات تازی در ہمہ بلاد عرب شایع و متداول گشتہ است"۔

(ص ۹۰، المعجم فی معاییر اشعار العجم)

اس کا ترجمہ:۔ لیکن چونکہ ایسے زحاف جو اس وزن [رباعی] میں استعمال ہوتے ہیں۔ اشعار عرب میں نہیں آتے۔ عہد قدیم میں تازی گویوں نے اس وزن میں اشعار نہیں لکھے۔ البتہ عہد حاضر کے ارباب ذوق نے اس کی طرف اقدام کیا ہے۔ چنانچہ عربی رباعیاں تمام ممالک عرب میں رائج اور مشتہر ہو گئیں۔ ایسے صاف اور صریح بیان کے باوجود سید صاحب کس طرح یہ دعوے پیش

کر سکتے ہیں کہ یہ رباعی گو قدماء عربی کے شاعر تھے ۔

شمس قیس کا دوسرا بیان یہ ہے :۔

" و بحقیقت ہیچ وزن از اوزان مبتدع و اشعار مخترع کہ بعد از خلیل احداث کردہ اند بدل نزدیک تر و در طبع آویزندہ تر ازین نیست ۔ (ص ۹۰ المعجم)

یہ بیان بھی سید صاحب کے دعوے کے خلاف ہے ۔

شمس قیس کا تیسرا بیان رباعی کی ایجاد شاعر مشہور رودکی کی طرف منسوب کرتا ہے ۔ جو ان الفاظ سے شروع ہوتا ہے :۔

" ویکی از متقدمان شعرای عجم و پندارم رودکی واللہ اعلم از نوع اخرم واخرب این بحر وزنی تخریج کردہ است کہ آنرا وزن رباعی خوانند " (ص ۱۱۱ المعجم)

جب رباعی کی ایجاد بہ روایت شمس قیس رودکی کی طرف منسوب ہے تو ہمارے سید محترم کس طرح قدماء عربی کی طرف منسوب کرتے ہیں ۔ اور لطف یہ ہے کہ خود شمس قیس کو اپنے بے سند دعوے کا مدار علیہ قرار دیتے ہیں ۔ اور کہتے ہیں کہ محمد ابن قیس رازی نے تصریح کی ہے کہ یہ رباعی (چہار بیتی) کہنے والے قدماء عربی کے شاعر تھے ۔ میں سید صاحب کو یقین دلاتا ہوں کہ محمد ابن قیس کا دامن ہر ایسی تصریح سے پاک ہے ۔

عربی کی طرح فارسی اہل عروض بھی ایک لفظ کے ٹکڑوں کو توڑ کر کبھی دو مصرعوں میں بانٹتے تھے ۔ اس سے میں سمجھتا ہوں سید صاحب کا مطلب اشعار معقد سے ہے ۔ ایسے اشعار عربی کی تقلید میں قدماء فارسی میں رائج تھے ۔ زیادہ تر انہی ایام میں جب شعر گوئی کا مدار اکثر و بیشتر مربعات پر تھا ۔ اشعار معقد میں مصرع اول مصرع دوم سے لفظاً و معنًی وابستہ ہوتا ہے ۔ ہر مصرع مرکب غیر مفید کا حکم رکھتا ہے جب تک دوسرا مصرع ساتھ نہ پڑھا جائے بات ناتمام رہتی ہے ۔ اس لئے

کئی موقعوں پر ضروری ہے کہ دونوں مصرعوں کو ساتھ ملا کر مثل ایک مصرع مثمن کے پڑھیں۔ اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ یہ اشعار معقد ہیں جو فارسی میں اصول مثمنات کی دریافت کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔ جب مثمنات کی دریافت نے فارسی عروض میں انقلاب عظیم پیدا کر دیا۔ اوزان مربع کا رواج متروک ہو گیا ان کے ساتھ ہی اشعار معقد بھی جو مثنیٰ و مربع و مثلث ہوتے تھے غائب ہو گئے۔ محقق طوسی نے ان کی بعض مثالیں اپنی تالیف میں محفوظ رکھی ہیں جن میں سے کچھ اس سے پیشتر اسی مضمون میں نقل ہو چکی ہیں۔ بعض یہاں درج کی جاتی ہیں :-

مثال ہزج مربع سالم :-

بیار آن مے کہ پنداری روان یاقوت نابستے
و یا چون بر کشیدہ تیغ پیش آفتابستے

آخری شعر میں تیغ کا 'فلین' وزن کی رو سے دوسرے مصرع میں شامل ہے۔
رودکی کا یہ قطعہ بالعموم مثمن شکل میں لکھا جاتا ہے۔ جس سے تمام قطعہ مصرع ہو گیا ہے۔ حتےٰ کہ حدائق السحر میں بھی اس کو مثمن ہی درج کیا ہے لیکن محقق طوسی نے مذکورہ بالا شعر مربع کی مثال میں نقل کئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قطعہ اصل میں مربع تھا۔ اور مثمنات کے رواج کے بعد اس کو بھی مثمن بنا لیا گیا

مثال دیگر :- رہ شادیم برلبستی

یہ دورکنی شعر ہے۔ جس کی تقطیع ہے : رہ شادی فعلاتن ، م ب لبستی فعلاتن ، یعنے میم ضمیر متکلم شامل مصرع دوم ہے ۔

مثال دیگر :- ہر کہ بدخواند ترا از مردمی ہست او بری

اس شعر میں 'از' بغرض تقطیع شامل مصرع اول ہے۔

مثال شعر مثلث :۔ ؎ نوشد جہان زین نو بہار و سال نو

یہ تین رکن کا پورا شعر ہے جس کا نصف معین نہیں۔ عربی تقلید میں بدیع بلخی نے یہ قصیدہ لکھا تھا +

قولہ :۔ چوتھی پانچویں صدی کے شعراء فارسی پہلے دوسرے اور چوتھے مصرعوں کے ساتھ تیسرے کو بھی اکثر ہم قافیہ لایا کرتے تھے مگر اس کا قطعی لزوم ان کے ہاں بھی نہ تھا۔ چنانچہ رودکی فردوسی عنصری وغیرہ کی رباعیوں میں کبھی تیسرے مصرع میں قافیہ ہے اور کبھی نہیں ہے"۔

اس بارہ میں ڈاکٹر شیخ محمد اقبال فارسی پروفیسر پنجاب یونیورسٹی کی رائے میرے خیال میں زیادہ وزنی ہے۔ ان کا بیان ہے کہ ایک رباعی جتنی زیادہ قدیم ہوگی گمان غالب ہے کہ وہ مصرع ہوگی۔ جتنی متاخر ہوگی اتنی ہی خصی ہوگی میں غیر خصی کو مصرع اور خصی کو غیر مصرع کہوں گا۔ چوتھی اور پانچویں صدی میں بالعموم مصرع رباعیاں رائج تھیں۔ مثلاً شعرائے عہد غزنہ کے دواوین میں سے عنصری کی ۳۶ رباعیوں میں سے ۳۴۔ فرخی کی ۳۷ میں سے ۳۶۔ ناصر خسرو کے ہاں ایک میں سے ایک۔ ابوالفرج رونی کے ہاں ۵۷ میں سے ۵۱۔ قطران تبریزی کے ہاں ۱۵ میں سے گیارہ اور مسعود سعد سلمان کے ہاں ۲۲۷ میں سے ۲۱۹ رباعیاں مصرع ہیں۔ اس سے ہم یہ رائے قایم کرتے ہیں کہ چوتھی اور پانچویں صدی میں مصرع رباعیاں کہنے کا دستور لزوم کی حد تک عام تھا۔ ان میں غیر مصرع رباعیوں کا شمول خالی از اشتباہ نہیں۔ جلد دوم لباب الالباب میں شعرائے آل سامان و شعرائے آل ناصر کی رباعیاں جو تفصیل ذیل ہیں سب کی سب بلا استثناء مصرع ہیں۔ چنانچہ :۔

ابوشکور بلخی ایک۔ ص ۲۱۔ عنصری ایک ص ۳۲، ابوعبداللہ محمد المعروف

برورده البلخی کے ہاں پانچ مختلف مصرع شعر بروزن رباعی ص۴۷ ۔ فرخی ۲ ص۵۰
ابوعبداللہ عبدالرحمن بن محمد العطاردی ، دو۔ ص۵۵ ، ابوالحرث حرب بن محمد
الحقوری الہروی ۔ یک ، ص۶۰ ۔ ابوالمنصور عبدالرشید بن احمد بن ابی یوسف
الہروی ، یک ۔ ص۶۱ ، مسعود الرازی ، یک ، ص۶۳ ۔ ناصر لغوی ، یک ، ص۶۴ ۔
یہ رباعی ۴۲۱ھ میں امیر محمد بن محمود کے قید کئے جانے کے موقعہ پر لکھی گئی ہے
محسن قزوینی ، یک ، ص۶۵ ۔ . . . . بن احمد البدری الغزنوی ، یک ، ص۶۵ ۔

لغت فرس میں تین رباعیاں میری نظر سے گزریں اور تینوں مصرع ہیں
پہلی 'لست' کی شرح میں ص۴۶ پر لبیبی کی ۔ دوسری 'زوشیدن' کی تشریح میں ص۵۳
پر عسجدی کی ۔ اور تیسری ابوالمؤید کی 'نلک' کی تشریح میں جو حسب ذیل ہے ۔

صفرای مرا سود ندارد نلکا   دردسر من کجا شناسد علکا
سوگند خورم بہر چہ ہستم ملکا   کز عشق تو بگداختہ ام چون کلکا ص۶۸

لغت فرس میں تو یہ رباعی سب سے قدیم مانی جاسکتی ہے ۔

رباعی کے وزن پر بعض شعر بھی اسی فرہنگ میں ملتے ہیں ۔ مثلاً 'شبغازه'
کے ذکر میں ص۳۷ پر عماره کا شعر مصرع اور ص۳۸ پر 'چغز' کے بیان میں ابوالفتح
بستی کا مصرع بیت :۔

ہر چند کہ درویش پسر فغ زاید   در چشم توانگران ہمہ چغز آید

اور ص۸ پر 'مالہ' کے ذکر میں عماره کا شعر ۔ لیکن دقیقی کا ایک شعر جو اگرچہ وزن رباعی
میں ہے غیر مصرع ہے جو ص۱۰۰ پر 'سخون' کی تشریح میں دیا گیا ہے ۔ چنانچہ :۔

ز سم کان وہم تیز خیزت روزی   وہم ہمہ ہندوان بسوزد بسخون

یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ شعر کسی رباعی سے لیا گیا ہے بلکہ فردیات سے تعلق رکھتا ہے

صفحہ ۱۲ - ۹۰۲ روئداد اورینٹل کانفرنس اجلاس بڑودہ ، طبع ۱۹۳۵ء ،

اوزان رباعی میں منفرد اشعار بھی لکھے جاتے رہے ہیں۔ میں ایک مثال رودکی
کے ہاں سے دیتا ہوں :۔

اندر عجبم زجان ستان کز چو توئے جان بستد واز جمال تو شرم نداشت[1]

گلستان سعدی میں ایسے فردیات کی مثالیں بکثرت موجود ہیں۔

علی ہذا دمیۃ القصر میں باخرزی نے جو عربی و فارسی رباعیاں درج کی
ہیں۔ تمام و کمال مصرع ہیں۔ ملاحظہ ہوں صفحات ص۱۷۴، ص۱۷۵، ص۲۰۲، ص۲۶۱،
ص۲۹۶۔ اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ رودکی و فردوسی و عنصری وغیرہم کے ہاں
غیر مصرع رباعیوں کا موجود ہونا اس امر کی دلالت کرتا ہے کہ وہ ان شعراء کی
اصلی رباعیاں نہیں ہیں بلکہ متاخرین نے سہواً ان کی طرف منسوب کر دی ہیں۔
رودکی کی جس قدر رباعیاں سید صاحب نے نقل کی ہیں یقیناً مشتبہ ہیں اور
یہ انہیں خود بھی تسلیم ہے۔ اسی قسم کی ایک رباعی شمس قیس نے المعجم میں حسب
ذیل دی ہے :۔

واجب نبود بکس بر افضال و کرم واجب باشد بر آئینہ شکر نعم

تقصیر نہ در خواجہ در نا واجب من در واجب چگونہ تقصیر کنم (المعجم ص۲۰۳)

مگر یہ رباعی غیر مصرع ہونے کے علاوہ پچاس فیصدی عربی الفاظ پر شامل ہے۔
جو یقیناً رودکی کے عہد کی زبان نہیں۔ جلد دوم احوال و اشعار رودکی میں سعید
نفیسی نے رودکی کی ہجویات کی مثال میں یہ رباعی نقل کی ہے۔ جو شبہ سے
خالی نہیں :۔

آن خر پدرت بدشت خاشاک زدی ماماتِ دف و دو رویہ چالاک زدی

آن بر سر گورہا تبارک خواندی وین بر در خانہا تبوراک زدی

---

[1] احوال و اشعار ابو عبداللہ جعفر بن محمد رودکی جلد دوم ص۱۰۹۰ تالیف سعید نفیسی۔ طہران۔ سنہ ۱۳۱۰ھ،

۳۵۲ھ میں امیر ابوجعفر والی سیستان کی وفات پر صانع بلخی یہ رباعی لکھتا ہے :۔

خان غم تو پست شدہ ویران باد   خان طرب ہمیشہ آبادان باد
ہموارہ سرکار تو با نیکان باد   تو میر شہید و دشمنت ماکان باد[۱]

قولہ :۔ عربی کی رباعیوں میں چاروں مصرعوں کا ہم قافیہ لانا اس لئے ضروری تھا کہ اس کا ہر مصرع شعر ہوتا تھا۔ اس پر مستزاد یہ کہ بعض جدت پسندوں نے قافیہ کے ساتھ ردیف کی بھی شرط کرلی تھی"۔ (ص۲۲۳ خیام)

رباعی کے معاملہ میں عربی والے ہمیشہ فارسی کے مقلد رہے ہیں اسلئے جب رباعی چار شعروں کی صورت میں لکھی جاتی تھی۔ یا جب دو شعروں کی صورت میں مرقوم ہوتی تھی۔ عربی خوان ہر حال میں تقلید شعرائے فارسی کرتے رہے ہیں۔ یہی کیفیت ردیف کی ہے جو فارسی الاصل ہے اور عربی والوں نے تقلیداً اختیار کرلی ہے۔ محقق طوسی کتاب معیار الاشعار میں رقمطراز ہیں :۔

" و ردیف در اصل خاص بود بزبان پارسی و متاخران شعرائے عرب از پارسی گویان فرا گرفتہ اند و بکاری دارند"۔ (معیار الاشعار و میزان الافکار ص۱۲۶ طبع ملوی)

قولہ :۔ ابوالحسن باخرزی المتوفی ۴۶۷ھ نے اپنی کتاب دمیۃ القصر میں ذکر کیا ہے کہ "میں نے اس سے پہلے اس طریقہ پر رباعی نہیں سنی تھی"۔

"لم اکن سمعت ھذہ الطریقۃ یہاں تک کہ میرے والد نے ابوالعباس باخرزی کی چند رباعیاں اسی طرز کی سنائیں"۔ (ص۲۲۴ خیام)

"لم اکن سمعت ھذہ الطریقۃ" کا ترجمہ سید محترم نے ان الفاظ میں کیا ہے کہ "میں نے اس سے پہلے اس طریقہ پر رباعی نہیں سنی تھی"۔ لیکن یہ ترجمہ درست نہیں معلوم ہوتا۔ عربی عبارت میں رباعی کا لفظ مذکور نہیں۔ میرے نزدیک

---

[۱] ص۳۲۴ تاریخ سیستان تالیف در حدود ۴۴۵ - ۷۲۵ تصحیح ملک الشعراء بہار - طہران ۱۳۱۴ شمسی ،

اس کا ترجمہ یوں ہونا چاہیئے۔ کہ "میں نے اب تک اس قسم کی نظم نہیں سنی تھی۔ اور مصنف کا مقصد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے لئے عربی میں رباعی سننے کا عمر میں یہ پہلا موقع تھا جب اس کے والد نے ابوالعباس باخرزی کی اس طرح کی رباعیاں سنائیں۔ باخرزی کی عبارت ہے :۔

" ولم اکن سمعت هذه الطریقة حتی انشدنی والدی لابی العباس الباخرزی رباعیات علی هذا النمط " (ص۱۱)

اگر میرا یہ اختلافی ترجمہ قابلِ قبول ہے تو ظاہر ہے کہ رباعی کا تعارف اگرچہ عربی میں ہو چکا تھا مگر اس کا علم خواص تک محدود تھا اور عام رواج میں نہیں آئی تھی کیونکہ باخرزی جیسا فاضل شخص اس کے وجود سے بے خبر تھا۔ باخرزی کا یہ بیان بجائے سید صاحب کی تائید کے ان کے اس قول کی کہ رباعی کہنے والے قدماء عربی کے شاعر تھے واضح تردید کرتا ہے۔ بلکہ دمیۃ القصر میں اور موقعوں پر بھی فارسی کے ساتھ رباعی کے مربوط ہونے کی نسبت اشارے موجود ہیں چنانچہ ابونصر تمیم بن احمد الغزنوی کے حالات میں مذکور ہے :۔ " والغالب علیہ لسان العجم ورباعیة ، ص۱۸۳

محمد بن ابی نصر کے ذکر میں مرقوم ہے :۔ " ولہ رباعیات فی الفارسیة رقیقة واختراعات فیها دقیقة " ص۲۶۵ اسی طرح صفحات ۲۰۲، ۲۶۱ و ۲۶۲، ۲۶۵ و ۲۹۶ پر فارسی کی متعدد رباعیاں اور ان کے عربی ترجمے منقول ہیں۔

اس کے بعد فاضل سید دمیۃ القصر سے عربی کی پانچ مصرع رباعیاں نقل کر کے فرماتے ہیں :۔

" آپ دیکھیں کہ ان سب رباعیات کے چاروں مصرعوں میں قافیے ہیں، حالانکہ اسی عہد کی بلکہ اس سے پیشتر کی فارسی رباعیوں میں اس کی پابندی مطلق

نہیں ہے۔ عمّارہ مروزی جو چوتھی صدی کے اواسط میں تھا، کہ اس نے سامانی وغزنوی دونوں درباروں میں رسوخ پایا تھا، کہتا ہے :-

آن می بدست آن بت سیمین من نگر   گوئی کہ آفتاب بپیوست با قمر
وان ساغری کہ سایہ بیفگند مئ برو   برگ گل سپیداست گوئی بلالہ بر

تیسرا مصرع قافیہ سے خالی ہے۔" (ص ۲۲۵ خیام)

چاروں مصرعوں میں قافیے آنے کی وجہ یہ ہے کہ اس عہد میں بتقلید چار بیتی دوبیتی یا مصرّع رباعیاں کہنے کا دستور تھا۔ فارسی شعراء بھی اپنی دوبیتیوں میں چار قافیے ہی لاتے تھے جیسا کہ اس سے قبل گزارش ہو چکا ہے۔ سید صاحب کے ذہن میں جو تین قافیوں والی غیر مصرّع رباعیاں ہیں وہ درحقیقت زمانۂ مابعد کی پیداوار ہیں۔ یہی نہیں بلکہ وہ اوزان غیر رباعی کو اوزان رباعی کے ساتھ خلط بھی کر رہے ہیں چنانچہ عمّارہ مروزی کے تین قافیوں والے اشعار بالا کو رباعی تصور کر رہے ہیں۔ حالانکہ رباعی کو ان سے کوئی واسطہ نہیں۔ اصل میں بحر ہزج کے بارہ اخرب اور بارہ اخرم اوزان جن کی میزان چوبیس ہوتی ہے اوزان رباعی کہلاتے ہیں اور رباعی کا اطلاق انہی اوزان پر محدود ہے۔ عمّارہ مروزی کے اشعار بحر مضارع میں ہیں۔ ان کی تقطیع ہے :-

اامے بَ مفعولُ ، دستِ ابُ فاعلاتُ ، تَ سیمین مفاعیلُ ، من نگر فاعلن ،
گوئی کَ مفعولُ ، اافتاب فاعلاتُ ، ب پیوست مفاعیلُ ، با قمر فاعلن ،
اور وزن مضارع مثمن مکفوف و محذوف ہے۔

رباعی کے مختلف ناموں کے ذکر میں ہمارے سید والاشان قابوس نامۂ عنصر المعالی امیر کیکاؤس سے مثالیں دے کر غزل و ترانہ کو ایک ہی اصطلاح منوانے کی کوشش میں مصروف ہیں چنانچہ

قولہ :۔ "باب سی و پنجم اندر آئین و رسم شاعری" میں مختلف اصناف سخن کے سلسلہ میں "غزل و ترانہ" کہا ہے :۔ "اگر غزل و ترانہ گوئی سہل و لطیف تر گوئی و بقوافی معروف گوئی"۔ پھر آگے چل کر ہے۔ "و غزل و ترانہ تر و آبدار گوئی" (۱۲۲ بمبئی)

ع یہ ایسی دھری ہے کہ اٹھائی نہیں جاتی۔ میں کسی حالت میں بھی سید صاحب کے ساتھ اتفاق نہیں کر سکتا کہ امیر کیکاؤس نے ان فقروں میں ترانہ کو غزل یا غزل کو ترانہ سمجھا ہے۔ غزل و ترانہ میں خبط کر دینا اور یہ سمجھنا کہ چونکہ دونوں معطوف و معطوف علیہ ہیں۔ اس لئے معنوں میں مشترک ہیں۔ صریح مسلمات سے انکار کرنا ہے۔ غزل و ترانہ سے عنصر المعالی کی مراد یہی مشہور دو اقسام نظم ہیں جو غزل اور دوبیتی کے نام سے یاد کی جاتی ہیں۔ یہاں سید صاحب ایک شدید قسم کی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ اسی سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرماتے ہیں۔

قولہ :۔ محمد بن قیس رازی نے معجم (۶۱۴ھ – ۶۳۰ھ) میں ذرا ذرا سے فرق سے اس کے حسب ذیل نام بتائے ہیں :۔

قول :۔ ہر چہ ازان جنس بر ابیات تازی (عربی) سازند آنرا قول گویند،

غزل :۔ و ہر چہ بر مقطعات پارسی باشد آنرا غزل خوانند،

ترانہ :۔ اہل دانش ملحونات این وزن را ترانہ نام کردند،

دوبیتی :۔ و شعر مجرد آنرا دوبیتی خوانند برای آنک بنای آن بر دو بیت بیش نیست،

رباعی :۔ و مستعربہ آنرا رباعی خوانند از بہر آنک بحر ہزج در اشعار عرب مربع الاجزا آمدہ است، پس ہر بیت ازین وزن دو بیت عربی باشد

صفحہ ۹۰

قدماء کے کلام میں غزل و ترانہ کا لفظ ساتھ ساتھ آتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد تک غزل کی موجودہ اصطلاح پختہ نہیں ہوئی تھی " (ص ۲۲ خیام)

سید صاحب قول و غزل و ترانہ کو مرادف شمار کر رہے ہیں۔ حالانکہ ایسی غلط فہمی نہ قدما میں تھی نہ متاخرین میں۔ یہ اصطلاحیں ہمیشہ جدا جدا مانی گئی ہیں۔ مانی جاتی ہیں اور مانی جاتی رہیں گی۔ ہمیں یقین ہے کہ سید والا مناقب کو ایک شخص بھی ان کی راے کا مؤید نہیں ملے گا۔ اسی طرح میرے مخدوم شمس قیس کا اصل مطلب سمجھنے میں قاصر رہے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ان اصطلاحات میں شمس قیس نے ذرا ذرا سے فرق سے رباعی کے مختلف نام دیے ہیں۔ حالانکہ شمس قیس کی مراد بالکل مختلف ہے۔ مصنف موصوف رباعی پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :-

" درحقیقت ان تمام نو ایجاد اوزان میں سے جو خلیل کے بعد ایجاد ہوئے ہیں کوئی وزن وزنِ رباعی سے زیادہ دلآویز اور مرغوب طبع عوام نہیں۔ کیونکہ موسیقی کے فن کاروں نے اس وزن میں نغیس نغیس لحنیں اور لطیف لطیف راہیں بٹھائی ہیں [اس کے بعد بطور جملہ معترضہ کہتے ہیں] اور دستور یوں چلا آیا ہے کہ اس جنس (لحنوں) سے جو کچھ عربی اشعار میں بٹھایا جائے، اسے قول کہتے ہیں۔ گویا مصنف کے نزدیک قول اس راگ یا سرود کا نام ہے جو عربی اشعار میں بٹھایا جاتا ہے۔ اس بارہ میں اہل لغت بھی مصنف کے ساتھ متفق ہیں۔ ان کے نزدیک قول ایسا سرود ہے جس میں عربی عبارت شامل ہوتی ہے۔ " ودر اصطلاح موسیقیاں نوعے از سرود کہ دران عبارت عربی نیز داخل باشد "۔ اسی لئے قول گانے والا قوال کہلاتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ قول ہمارے مصنف کے نزدیک ترانہ یا رباعی سے بالکل مختلف چیز ہے۔

اس کے بعد شمس قیس کا بیان ہے کہ "جو لحنیں فارسی مقطعات یعنے اشعار میں بٹھائی جائیں انہیں غزل کہتے ہیں"۔ اس سے مطلب شعراء کی غزل نہیں ہے بلکہ موسیقی کی۔ اس جملہ میں مقطّعات کی اصطلاح تشریح طلب ہے۔ فارسی لغات کا بیان ہے "مقطّعات شعر ہای سبک وزن و اشعار بحر رجز" اس جاننے کے بعد مصنّف کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ فارسی کے سبک اوزان اشعار میں لکھا جاتا ہے اسے غزل کہتے ہیں۔ شیخ بہاء الدین برناوی متوفی ۱۰۷۱ھ جو موسیقی میں امیر خسرو کے بعد امام فن کا رتبہ رکھتے ہیں۔ غزل کی تشریح یوں کرتے ہیں "۔ غزل وہ قسم ہے جس میں ایک غزل یا اس کے انتخابی ابیات سادہ راگ اور تال میں بغیر تاناتلی کے باندھ دیں۔ اس قسم میں پردۂ ولایتی مغلوب کر دیتے ہیں۔ بلکہ بعض اقسام میں نہیں لاتے۔ اس کو جکری اور بشنپد سے زیادہ مشابہت ہے۔" (ص۳۸ ۔ اورینٹل کالج میگزین ۔ مئی ۱۹۲۷ء)

اس کے بعد مصنف ممدوح کا بیان ہے کہ اہلِ دانش نے اس وزن یعنے وزن رباعی کی لحنوں کا نام ترانہ رکھا ہے۔ جسے بمناسبت شعر فارسی دوبیتی کہتے ہیں۔ اور عربی خوان رباعی"۔ بالفاظ دیگر رباعی بحیثیت اصطلاح موسیقی ترانہ کہلاتی ہے۔ باعتبار شعر دوبیتی اور عربی خوانوں میں رباعی کہلاتی ہے۔ اس سے پیشتر مصنف نے قول۔ غزل اور ترانہ کا فرق موسیقی کے اعتبار سے دکھایا تھا۔ یہ مطلب ہرگز ہرگز نہیں تھا کہ وہ ایک دوسرے کے مرادف ہیں۔ اس کا ثبوت ہمارے پاس یہ ہے کہ شمس قیس نے اپنی اسی تصنیف میں کسی دوسرے مقام پر غزل و رباعی کی جنہیں سیّد صاحب ایک سمجھ رہے ہیں جدا جدا صراحت کی ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مصنف مذکور کے نزدیک غزل و رباعی نظم کی دو مختلف اقسام ہیں۔ چنانچہ غزل کے متعلق لکھتے ہیں :-

"وغزل در اصل لغت حدیث زنان وصفت عشقبازی با ایشان وتہالک در دوستی ایشان است ومغازلت عشقبازی وملاعبت است بازنان .....
ومبشتر شعرای مُغلق ذکر جمال معشوق ووصف احوال عشق وتصابی راغزل خوانند .... وبحکم آنکہ مقصود از غزل ترویح خاطر وخوش آمد نفس است باید کہ بنا آن بروزنی خوش مطبوع والفاظی عذب سلس ومعانی رایق مروّق نہند ودر نظم آن از کلمات مستکرہ وسخنان خشن محترز باشند" (ص ۳۸۷ المعجم)

اور رباعی کے متعلق کہتے ہیں :-

"ہمچنین رباعی کہ پیش ازین در قسم عروض شرح آن گفتہ آمدہ است بحکم آنکہ بناء آن بر دو بیت بیش نیست باید کہ ترکیب اجزاء آن درست وقوافی متمکن والفاظ عذب ومعانی لطیف باشد واز کلمات حشو وتجنیسات متکرر وتقدیم وتاخیرات ناخوش خالی بود واگر باآن چیزی از صناعات مستحسن ومستبدعات مطبوع چون مطابقۂ لطیف وتشبیہی درست واستعارتی لطیف وتقابلی موزون وایہامی شیرین یار بود نیکوتر آید" (ص ۳۸۸ المعجم)

ابوطلب رباعی گو کی نسبت جس کا ذکر فرخی کے مسبوق الذکر شعر میں آتا ہے سیّد صاحب رقمطراز ہیں :-

قولہ :- ابوطلب نام کسی شاعر کا پتہ ہم کو نہیں چلتا۔ فرخی جس کا یہ شعر ہے اس نے ۴۲۹ھ میں وفات پائی ہے۔ اس لئے ابوطلب ترانہ گو کا زمانہ اس سے تو بہرحال پہلے تھا۔ ایک خیال ہوتا ہے کہ ابوطلب ابو ؤلف تو نہیں مگر یہ امر سراپا تحقیق طلب ہے اور اگر یہ صحیح ہے تو ترانہ گوئی کا زمانہ تیسری صدی ہجری کے اوائل میں پہنچ جائے گا" (ص ۲۲۹ خیام)

سبحان اللہ ابھی تحقیقات شروع بھی نہیں ہوئی لیکن سیدو الامنزلت نے

پہلے ہی یہ حکم لگا دیا کہ اگر یہ صحیح ہے تو ترانہ گوئی کا زمانہ تیسری صدی میں پہنچ جاتا ہے اگر یہ غلط ثابت ہوا تو پھر کونسی صدی میں پہنچ جائے گا؟ یہاں ہم سید صاحب کی تحقیقات سے اعراض کر کے اس قدر کہنا چاہتے ہیں کہ جیسا اس سے قبل بیان ہو چکا ہے۔ شعر بالا جس میں ابوطلب کا نام مذکور ہے۔ فرخی کے بائیہ قصیدہ سے تعلق رکھتا ہے جس میں ب ے رَوی اور قافیہ غضب رحب عجب۔ ادب نسب وغیرہ ہے۔ ان مراتب کو جانتے ہوئے بوطلب کی جگہ بودلف کو قبول کرنے میں جس کے سید صاحب محرک ہیں ہمیں بے شمار مشکلات سے سابقہ پڑے گا کیونکہ نہ صرف بوطلب کو بودلف میں تبدیل کرنا کفایت کرے گا بلکہ قصیدے کے تمام قافیوں کی 'بے' کو جن کی تعداد پچاس ہے 'فے' کے ساتھ تبدیل کرنا پڑے گا۔ جس سے نہایت مضحک صورت حال پیدا ہو جائے گی۔ اور وہی معاملہ پیش آئے گا جو سعدی کے مصرع ؎ شاید کہ پلنگ خفتہ باشد کو خفیہ پڑھنے سے پیش آیا تھا یعنے اس کے پہلے شعر

؎ تا مرد سخن نگفتہ باشد   عیب و ہنرش نہفتہ باشد

کے قافیوں گفتہ و نہفتہ کو نئی ترمیم کی خاطر گفیہ و نہفیہ پڑھنے پر مجبور ہونا پڑا تھا۔ یہ ابوطلب کا بدل ابودلف جو بقول دولت شاہ یعقوب صفار متوفی ۲۶۵ھ کے دربار میں ابن الکعب ایک اور شاعر کے ساتھ رباعی کا موجد مانا گیا ہے اور موجودہ تحقیقات جس کا کوئی پتہ نشان نہیں دیتی ہمیں تو صرف دولت شاہ کے تخیل کی ایک مخلوق معلوم ہوتا ہے۔ مگر ہمارے محترم نے اس غیر حقیقی شخصیت کو حقیقی شخصیت دینے کے لئے مامون و معتصم کے عہد کے ایک امیر ابودلف عجلی متوفی ۲۲۶ھ کے ساتھ شناخت کر لیا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں :-

قولہ :- دولت شاہ نے اپنی روایت میں یعقوب صفار کے دربار کے

جن دو شاعروں کے نام لئے ہیں۔ ان میں سے ابن الکعب سے ہم واقف نہیں البتہ رابعہ بنت الکعب (دختر کعب) کا ذکر ملتا ہے۔ جو عہد سلاطین غزنین (پانچویں صدی) میں تھی (عوفی ۲-۶۱)۔ دوسرے شاعر ابو دلف عجلی کا تذکرہ سیاسی و ادبی کتابوں میں ملتا ہے۔ یہ شخص نسلاً عرب اور مامون و معتصم کے عہد میں ایران کا سپہ سالار تھا، قاسم بن عیسیٰ نام تھا۔ ابن خلکان نے اسی نام کے تحت میں اس کا پورا حال لکھا ہے۔ سنہ ۲۲۶ھ میں اس نے وفات پائی" وغیرہ وغیرہ اور آخر میں اضافہ ہوا ہے"۔ اس کا زمانہ امیر یعقوب صفار سے پہلے تھا۔ یعقوب صفار کے عہد میں اس کے بیٹے عبدالعزیز بن ابی دلف کا نام اصفہان کی سیاسیات کے سلسلہ میں آتا ہے"۔ (صفحہ ۲۳۱ - خیام)

ہم نہیں سمجھ سکتے کہ حضرت مولانا نے ان دونوں اشخاص میں کیا وجہ مماثلت دیکھی کہ دونوں کو ایک مان لیا۔ گویا امیر ابو دلف عجلی سنہ ۲۲۶ھ میں وفات پاکر بروئے تناسخ دوبارہ جنم لے کر یعقوب بن لیث کے دربار میں بحیثیت شاعر نمودار ہوتا ہے اگرچہ مولینا ابو دلف کو یعقوب صفار سے اقدم بھی مان رہے ہیں۔ ایک لطف یہ ہے کہ جب جناب سید کو دولت شاہ کا بیتہ ابن الکعب نہ مل سکا تو بنت الکعب پر قناعت کرلی جس کا زمانہ عہد آل غزنہ بیان کرتے ہیں۔

سید صاحب کا خیال ہے کہ رودکی کے زمانہ میں غزنی کوئی آباد شہر نہ تھا اسی بنا پر شمس قیس کا روایت کردہ وہ قصہ جو رباعی کی ایجاد پر روشنی ڈالتا ہے اور جس میں رودکی شاعر غزنین کے مرغزار میں عید کے روز سیر و گشت میں مصروف دکھایا گیا ہے۔ ان کے نزدیک ناقابل قبول ہے کیونکہ جب شہر ہی آباد نہ تھا تو شاعر وہاں کیوں جاتا (دیکھو صفحہ ۲۳۰ خیام)

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ غزنین قدیم شہروں میں سے ہے۔ بروئے تاریخ کامل

عبدالرحمٰن بن سمرہ بخلافت حضرت عثمان غزنین کو فتح کرتا ہے (ج ۳ ص۵) تاریخ سیستان میں مذکور ہے:۔ "وغزنین یعقوب بن اللیث ملک الدنیا کرد[1] ص ۲۴)۔ ۲۸۶ھ کے قریب یعقوب کے بھائی عمرولیث کے زمانہ میں ناسد ہندی و آلمان ہندی متحد ہو کر غزنین پر چڑھ آتے ہیں اور عمرو کے عامل بردعالی کو شکست دیتے ہیں ص ۲۵۵ تاریخ سیستان)۔ اسی خاندان کے ایک اور فرولیث بن علی کے عہد میں اس کا سالار معدل ۲۹۷-۶ھ میں غالب کو قید کر کے لیث کے پاس سیستان بھیجتا ہے اور پھر غزنین پہنچ کر سنجک کو قتل کرتا ہے۔ سنجک کی فوج معدل کی تلاش کرتی ہے لیکن معدل غزنین میں نہیں ملتا (ص ۲۸۰ تاریخ سیستان)۔ ۲۹۸ھ کی ذیل میں آتا ہے:۔ "وخطبہ بسیستان وبست وکابل وغزنین محمد بن علی بن اللیث را همی کردند (ص ۲۹۰)۔

امیر نصر بن احمد سامانی ۳۰۱ھ - ۳۳۱ھ کے سال جلوس کے ذکر میں یہ عبارت ملتی ہے:۔ "وعبیداللہ بن احمد بن جیہانی در بست و رخج بود وسعید طالقانی را بگرفت و بہ بغداد فرستاد و فضل و خالد بر غزنہ و بست دست یافتند"

(ص ۲۰۰ احوال واشعار رودکی جلد اول)

ان مثالوں سے تو غزنین رودکی کے زمانہ میں ایک اہم اور آباد شہر معلوم ہوتا ہے۔ ایک امر دلچسپی کا موجب یہ ہے کہ بنت الکعب جسے ہمارے سید بروایت عوفی آل غزنہ کے زمانہ میں جگہ دیتے ہیں شیخ فریدالدین عطار جو عوفی سے بھی اقدم ہیں۔ رودکی کی معاصر بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس نے رودکی کے ساتھ مشاعرات کئے ہیں۔ جن دنوں رودکی اس شاعرہ کے وطن میں آیا تھا۔ وہ اس کا نام زین العرب بتاتے ہیں[2]۔

---

[1] یعنے آباد کرد، [2] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو اورینٹل کالج میگزین۔ مئی ۱۹۲۵ء،

میں نے ابو شکور بلخی کی ایک رباعی کو جس کا آفرین نامہ ۳۳۳ھ میں ختم ہوتا ہے۔ سب سے قدیم رباعی بتایا تھا۔ اس پر سید صاحب نے اعتراض کیا اور کہا کہ ایسی رباعیاں عوفی کے ہاں دس بارہ سے زیادہ ہیں۔ یہاں میں یہ دیکھنے کی کوشش کرتا ہوں کہ سیّد صاحب کے نزدیک سب سے قدیم رباعی کونسی ہے۔ انھوں نے سرفہرست حنظلہ بادغیسی متوفی ۲۱۹ھ کی رباعی کو جگہ دی ہے مگر جیسا کہ میں اس سے قبل عرض کر چکا ہوں وہ رباعی دوبیت ہیں اور دوبیتی نہیں ہے اس کے بعد سیّد صاحب نے بایزید بسطامی متوفی ۲۳۴ھ کے نام پر تین غیر مصرع رباعیاں دی ہیں اور زبان کی صفائی اور والہ داغستانی کی تائید مزید کی بنا پر ان رباعیوں کو بایزیدی ٹکسال کا نہیں مانا۔ زاں بعد رودکی کا نمبر آتا ہے جس کی سات رباعیاں درج کی ہیں۔ اور آخر میں اضافہ کیا ہے کہ "ان رباعیوں پر بھی یقین نہیں کہ وہ واقعی اسی کی ہیں"۔ اس کے بعد فاضل سیّد نے فارابی کا تو اس انداز سے اعلان کیا ہے جس سے گمان گذرتا ہے کہ رباعی گوئی مدت العمر اس کا پیشہ رہا ہے چنانچہ فرماتے ہیں :- "رباعی گو حکیموں میں پہلا نام اور مطلق رباعی گویوں میں تیسرا نام معلم ثانی ابو نصر فارابی المتوفی ۳۳۹ھ کا ملتا ہے"۔ (ص ۲۴۴۔ خیام) تین غیر مصرع رباعیاں اس کے نام پر نقل کی ہیں جو اوروں کی طرف بھی منسوب ہیں۔ سیّد صاحب کے نزدیک فارابی کی رباعی گوئی کے یہ قرائن ہیں کہ گونسلاً وہ ترک تھا مگر اس زمانہ میں عجم و ترکستان کی عام زبان فارسی ہی تھی۔ اس کے علاوہ وہ متعدد زبانوں سے واقف تھا۔ اس لئے اس کی طرف فارسی رباعیات کا انتساب غیر متوقع نہیں ہے۔ شہرزوری کی تاریخ الحکما میں ہے۔ اصلہ فارسی"۔ میں کہتا ہوں ایسے غیر متعلق قرائن تین رباعی تو بہت ہوتی ہیں۔ فارابی کے حصے میں ایک رباعی دینے کو بھی ہمیں آمادہ نہیں کر سکتے۔ آگے جا کر خود ہمارے مخدوم

یقین اور بے یقینی کے سیلاب میں بہ گئے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں "مگر ان قرائن کے باوجود کوئی قدیم اور غیر مشکوک دلیل اس کے رباعی گو شاعر ہونے پر ہمارے ہاتھ میں نہیں ہے۔ بجز اس کے کہ شہرزوری نے تاریخ الحکماء میں اس کے حال میں لکھا ہے "وله اشعار حسنة حکمیة" اور اس کے اچھے حکیمانہ اشعار ہیں اور اس کے عربی حکیمانہ اشعار دو صفحوں میں نقل کئے ہیں۔"

یہاں ایک سوال ہو سکتا ہے کہ ان دو صفحہ عربی اشعار کی بنا پر کیا ہم فارابی کو فارسی کے میدان میں رباعی گو شاعر اور رباعی گو حکیم کہنے میں الفاظ کا بیجا اور بے معنی استعمال نہیں کر رہے؟

ایک موقعہ پر ہمارے مکرم سید شیخ احمد بدیلی سبزواری جو ۵۸۲ھ میں موجود تھے اور شیخ فرید الدین عطار المتوفی ۶۲۷ھ کے ذکر کے بعد رقمطراز ہیں:۔

"اس وقت تک شاعری کے جو اصناف رواج پذیر تھے وہ قصیدہ مثنوی اور قطعہ تھے"۔ ص ۲۴۹ ۔

پھر فرماتے ہیں:۔" اور غزل بحیثیت ایک مستقل صنف سخن کے اب تک پیدا نہیں ہوئی تھی۔ جس میں معنی کے لحاظ سے ہر شعر بجائے خود مستقل ہوتا ہے۔ کمال اسمٰعیل متوفی ۶۳۵ھ نے اس طرز کا آغاز کیا اور شیخ سعدی المتوفی ۶۹۱ھ نے اس کو کمال کو پہنچایا۔ اسلئے فلسفہ و حکمت کے مختصر متفرق خیالات کے لئے رباعی کے سوا کوئی چیز اس وقت موجود نہ تھی" (مقدمہ خیام)

اس عہد سے پیشتر قول، غزل، ترانہ جیسا کہ ہم اوپر دیکھ آئے ہیں شعری شکیث بنے ہوئے تھے۔ مگر کمال اسمٰعیل کے دور میں غزل قوام میں آکر پختہ ہو گئی، معلوم نہیں سید والا جاہ ان لوگوں کو کیا کہیں گے جو غزل کے علیحدہ وجود کے رودکی کے عہد سے قائل ہیں۔ مثلاً محمود کے دربار کا ملک الشعراء عنصری رودکی کی

غزلیات پر رشک کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں رودکی کی طرح غزلیں نہیں لکھ سکتا۔ ؎

غزل رودکی وار نیکو بود غزلہای من رودکی وار نیست

میں یہاں رودکی کی غزل کا ایک مطلع بھی درج کر دیتا ہوں ؎

کس فرستاد بسِرّ آن بت عیار مرا کہ مکن یاد بشعر اندر بسیار مرا

دقیقی کی دو غزلیں تو لباب الالباب عوفی میں موجود ہیں۔ میں صرف ان کے مطلعوں پر قناعت کرتا ہوں ؎

کاشکی اندر جہان شب نیستی تا مرا ہجران آن لب نیستی

اور :- ؎

ای ابر بہمنی نہ بچشم من اندری دم زن زمانکی و برآسای گم گری

شمس قیس دقیقی کی ایک اور غزل نقل کرتے ہیں اور رائے دیتے ہیں :-

" و دقیقی غزلی مشکول گفتہ است و بعلت بی انتظامی ارکان و اختلاف اجزا در قبول طبع بدین بیت نسبتی ندارد۔ و غزل اینست :-

شب سیاہ بدان زلفکان تو ماند سپید روز بپاکی رخان تو ماند

عقیق را چو بسانید نیک سخت گران کہ آبدار بود با لبان تو ماند

بوستان ملوکان ہزار گشتم بیش گل شگفتہ برخسارگان تو ماند

دو چشم آہو و دو نرگس شگفتہ ببار درست راست بدان چشمکان تو ماند

کمان بابلیان دیدم و طراز چگل کہ بر کشیدہ شود با بروان تو ماند

ترا بسرو بن بالا قیاس نتوان کرد کہ سرو را قد و بالا بدان تو ماند ہیچ (المعجم)

رادویانی صاحب ترجمان البلاغہ دقیقی کی غزل کی نسبت یوں رقم کرتا ہے :-

" و این غزل را کہ صاحب المعجم [illegible] حلاوت زیادہ است [illegible] شمس قیس

مطلع درج کرتا ہوں :۔

مرا بعشق ہمی محتمل کنی بجیل ‏ ‏ چہ حجت آری پیش خدای عزوجل

شعرای غزنہ میں سے عنصری اور فرخی کی غزلیات ان شاعروں کے دیوانوں میں موجود ہیں۔ عسجدی کی غزل کے نمونے عوفی نے لباب الالباب میں ص ۵۲ پر اور ابو اللیث طبری کے ص ۶۶ پر۔ امیر معزی کے ص ۴۵-۴۶ پر۔ عبدالواسع جبلی کے ص ۱۰۶-۱۰۷ پر۔ خالد بن الربیع کے ص ۱۲۲-۱۲۳ پر اور سمائی مروزی کے ص ۱۴۰-۱۴۵ پر مرقوم کئے ہیں۔ انوری و خاقانی کے تو مستقل دیوان موجود ہیں جو ان کے کلیات میں شامل ہیں۔ بلکہ سنائی المتوفی ۵۴۵ھ کے ہاں غزل ایک نئی کروٹ لیتی ہے۔ مقطع میں تخلص کا استعمال باقاعدہ شروع ہو جاتا ہے۔ واردات حقیقت کو مجاز کی زبان میں ادا کرنا انہی سے شروع ہوتا ہے اور صومعہ کو خیرباد کہہ کر خرابات نشینی اختیار کی جاتی ہے۔ عطار اور مولانا روم سنائی کی بنیادوں پر قصر و ایوان کھڑے کرتے ہیں۔ میں یہاں سنائی کی ایک غزل حوالۂ قلم کرتا ہوں :۔

ای ساقی می بیار پیوست ‏ ‏ کان یار عزیز توبہ بشکست

برخاست زجای زہد و دعوی ‏ ‏ در میکدہ با نگار بنشست

بنہاد ز سر ریا و طامات ‏ ‏ از صومعہ ناگہان برون جست

بنہاد ز پای، بند تکلیف ‏ ‏ زنار مغانہ بر میان بست

می خور دو مرا بگفت می خور ‏ ‏ تا بتوانی مباش جز مست

اندر رہ نیستی ہمی رو ‏ ‏ آتش در زن نہ رچہ شے ہست

میں صرف اسی مختصر بیان پر قناعت کر کے عرض کرتا ہوں کہ سامانیوں، غزنویوں اور سلجوقیوں کے عہد میں غزل کے وجود سے انکار کرنا تاریخ کے مسلمہ واقعات کو نظر انداز کر دینا ہے۔

یہاں میں اس بحث کو ختم کرتا ہوں۔ اور اصل موضوع سے ہٹ کر مولانا

سید سلیمان کے ساتھ بحث چھیڑنے کے واسطے اپنے ناظرین سے معافی کا خواستگار ہوں۔ حقیقت میں سید صاحب ممدوح کی آراء رباعی کی قدامت اور دیگر امورِ متعلقہ کی بابت نہ صرف ہماری فنی روایات سے متباین و متفاوت ہیں بلکہ ان سے عام غلط فہمی پیدا ہو جانے کا بھی احتمال ہے۔ اسی لئے مجھے ایسے بیانات کی تردید کرنے کی جرأت ہوئی ؛

مجھے شکایت ہے کہ سید صاحب نے باوجودیکہ کئی موقعوں پر مجھے اپنی قابلِ قدر تالیف خیام میں ملزم ٹھہرایا ہے۔ لیکن اس کا کوئی نسخہ میری اطلاع کے واسطے حسبِ رواجِ زمانہ مجھے نہیں بھیجا۔ اور مجھ کو بے خبر رکھ کر لایقِ تعزیر قرار دیا۔ میں اس یک طرفہ کارروائی کے خلاف احتجاج کرتا ہوں۔ یہ خفیہ تیراندازی نامناسب ہے ؎

لاف آن بہتر کہ در میدانِ سربازان زنیم
شرطِ دعویٰ نیست تنہا گوی و چوگان باختن

حال ہی میں جب میں نے رباعی کی تقطیع کے آسان طریقے پر قلم اٹھانا چاہا اس کی تاریخ کے سلسلے میں مخدومی پروفیسر ڈاکٹر محمد اقبال نے سید صاحب کی تالیف کا بھی ذکر کیا جس میں رباعی پر ایک طویل الذیل مضمون موجود ہے۔ اس طرح سید صاحب کے اعتراضات سے مجھے دیر میں اطلاع ملی۔ اور یہ میرا قصور نہیں ہے اگر جواب دیر میں دیا گیا ؛

اِن مباحث سے فارغ ہو کر مجھے اصل موضوع کی طرف رجوع کرنی چاہیئے۔ ترانۂ موسیقی میں باعتبار اقسام الحان و رنگینی نغمات خواہ کتنا ہی دلپذیر و خوش آیند کیوں نہ ثابت ہو۔ عروضی اوزان کے اعتبار سے ہمیشہ دقت اور دشواری کا سامان بنا رہا ہے غیر رباعی اوزان سے اس کے اوزان کی شناخت نہ صرف عوام بلکہ شعراء کے لئے بھی

ایک کٹھن مرحلہ ہے۔ اس کے متعلق اکثر لوگوں کو متشابہ لگ جاتا ہے۔ سید سلیمان پہلے شخص نہیں ہیں جو حنظلہ بادغیسی اور عمارہ مروزی کے شعروں کو رباعی سمجھنے کی غلطی میں مبتلا ہوئے بلکہ ان سے پیشتر بھی بہت لوگوں کو رباعی کے باب میں دھوکا ہوا ہے۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال کے متعلق مشہور ہے کہ وہ بعض غیر رباعی اوزان کو رباعی سمجھتے رہے۔ اور جب انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا اس کے ازالہ کی کوشش کی۔ میرزا غالب کے واسطے مولانا نظم طباطبائی نے اپنی شرح دیوان غالب میں ذکر کیا ہے کہ میرزا ایک رباعی میں سہواً ایک سبب خفیف زائد از وزن باندھ گئے ہیں۔ وہ رباعی حسب ذیل ہے۔ جس کے مصرع دوم میں ایک "رک" زائد از وزن ہے۔

دکھ جی کے پسند ہو گیا ہے غالب	دل رک رک کر بند ہو گیا ہے غالب
واللہ کہ شب کو نیند آتی ہی نہیں	سونا سوگند ہو گیا ہے غالب

چاروں مصرعوں میں اختلاف کا جواز بھی رباعی کے قاری کی اشکال میں اضافہ کا مورث ہوا ہے۔ ان مشکلات پر نظر رکھ کر اول تو عروضیوں نے اوزان رباعی کو ایک علاحدہ صنف قرار دیا اور یہیں کوئی تعجب نہیں ہوگا اگر اسی بنا پر قدما نے بحر ہزج میں ہزج اخرب کی ایک ذیلی تقسیم علاحدہ قایم کردی ہو۔ محقق طوسی کی معیار الاشعار میں بحر ہزج کی ذیلی تقسیمیں موجود ہیں یعنے ہزج مکفوف و ہزج اخرب۔ رباعی صنف دوم میں شامل ہے۔ دوسرے بنظر سہولت اس کی قدرتی تقسیم کو مدنظر رکھ کر تمام اوزان کو اخرب و اخرم دو شجروں میں مرتب کر دیا ہے۔ قسط اول یہاں ختم ہوتی ہے۔

محمود شیرانی

(باقی آیندہ)

تلخيص مجمع الآداب

في

مُعْجَم الالقاب

كتاب اللّام والميم

تصنيف

العلّامة كمال الدّين عبدالرزّاق بن احمد الشيبانی

المعروف

بابن الفوطی (م ۷۲۳ھ)

اعتنى بتصحيحه والتّعليق عليه

الحافظ محمّد عبد القدّوس القاسمی

۱۳۵۹ھ ۱۹۴۰م

مقدمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

مجمع الآداب جلد پنجم کا ایک حصہ (کتاب الکاف) اس وقت ضمیمۂ اورینٹل کالج میگزین میں بالاقساط چھپ رہا ہے۔ آئندہ صفحات میں اس جلد کا بقیہ حصہ (کتاب اللام والمیم) پیش کرنا مقصود ہے۔ یہ حصہ ص ۵۲ ب سے شروع ہو کر ص ۲۰۹ ب پر نامکمل طور سے ختم ہو جاتا ہے۔

اصل کی ترتیب کے متعلق کتاب الکاف کے مقدمہ میں تفصیل دی جا چکی ہے۔ اور وہیں سے معلوم کی جا سکتی ہے۔ ہماری توجہ زیادہ تر صحیح نقل پر رہی ہے، تاریخی ناموں اور تاریخی واقعات کے متعلق تحقیق و تلاش کے لئے زیادہ فرصت نہیں ملی۔ تاہم جلدی میں جتنا کچھ فراہم ہو سکا۔ کتاب کے ذیل میں بڑھا دیا گیا ہے۔

بین القوسین جو عبارتیں بڑھا دی گئی ہیں، وہ یا تو کسی دوسری کتاب کے استناد سے ہیں۔ جس کا حوالہ ساتھ ساتھ دیا گیا ہے، اور یا مرتب نے اپنے قیاس سے بڑھا دی ہیں۔

چونکہ کام ابھی جاری ہے۔ اس لئے حواشی میں جن کتابوں سے کام لیا گیا ہے۔ ان کی کوئی معین فہرست اس وقت پیش نہیں کی جا سکتی۔ تاہم جن کتابوں سے زیادہ تر فائدہ اٹھایا جا رہا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں:۔

(۱) وفیات الاعیان (ابن خلکان) مطبوعۂ میمنیہ مصر ۱۳۱۰ھ ،

(۲) معجم البلدان (یاقوت) مطبوعۂ لیپزگ ۶۶-۱۸۷۲ء ،

(۳) شذرات الذہب (ابن العماد) مطبوعہ مصر ،

(۴) کشف الظنون (مطبوعۂ استنبول) ،

(۵) تاریخ العراق (عبّاس عزّاوی) پوری کتاب دو جلدوں میں ہے ،
مگر ہم نے صرف جلد اوّل سے فائدہ اٹھایا ہے ؛

(۶) الحوادث الجامعۃ ۔ یہ کتاب ابن الفوطی کی طرف منسوب ہو کر چھپی ہے ،
مگر عبّاس عزّاوی اور پروفیسر محمد اقبال صاحب اس رائے میں حق بجانب
ہیں کہ یہ کتاب ابن الفوطی کی نہیں ۔ ہاں ابن الفوطی کی کتابوں سے اس میں
استفادہ کیا گیا ہے ؛

(۷) تاج العروس شرح قاموس ، بعض ناموں کی تحقیق کے لئے ؛

اس کے علاوہ جہاں جہاں مصنّف نے خریدۃ القصر کا حوالہ دیا ہے
وہاں اس کی تصدیق فہرست شعراء خریدہ مندرجہ فہرست مخطوطات
مکتبۂ بیٹویہ جلد دوم مرتبۂ ڈوزی سے کی گئی ہے اور اس فہرست کے صفحات کا حوالہ
ذیل میں دیا گیا ہے ؛

محمد عبد القدّوس قاسمی
مولوی فاضل و فاضلِ دیوبند

لاہور
۲۲ر جنوری ۱۹۴۰ء

[556 / 54 a]

كتاب اللام

من كتاب مجمع الآداب في معجم الألقاب

اللام والباء وما يثلثهما

(١) اللبق[١] ابو البقاء محمد بن القاسم البغدادي الاديب
ذكره الحافظ محب الدين ابو عبد الله محمد بن النجار
في تاريخه، وقال: كان يعرف باللبق، وكان لطيف المعاشرة
جميل المحاضرة؛ وذكره الشيخ ابو بكر المبارك بن كامل
ابن ابي غالب الخفاف في كتاب سلوة الاحزان من
تصنيفه، وقال: وقد أنشد بخطّه في وصف النبي صلى الله
عليه وسلم: صلى الله على محمد ذي المحتد الصميم والشرف
العميم، والحسب الكريم والخُلق العظيم والدين القويم
والقلب السليم، الذي دعا الى الله باذنه على حين فترة
من الرسل واختلاف من الملل وتشعّب من السبل فصدع
بامر الله حتى اتاه اليقين؛

---

[١] المتوفى سنة ٥٥٣ه، انظر الشذرات (٤ : ١٢٥) وذكر صاحب الكشف
اسماء ثلثة من تصانيفه: سلوة الاحزان ومعجم الشيوخ ونسيم الروح؛

(٢) اللَّبيبُ احمد بن ابراهيم بن ابی السعود العراقیُّ الادیب
رأیت بخطّہٖ فی وصف کوکب النقضّ :-

وکوکبٍ نظرَ العفریتَ مُسترِقاً ... لِلسّمع فانقضّ یذکی اثرہٗ لہبہٗ
کفارسٍ بهرًّا طاحت عمامتہٗ ... فراح یسحبہا من خلفہ عذبہٗ

(٣) واصف الملک اللَّبیبُ ابوالحسن علیّ بن الحسین بن
الذبّاغ المصریّ ثم الاسکندرانیُّ الادیبُ ،
ذکرہ العماد الاصفہانیّ الکاتب فی الخریدۃ ، وقال: اللّبیب
من الشُعراء المصریّین ، وکانت ولادتہ بالاسکندریّۃ و
مضٰی الی الیمن ، ورکب البحر فوقع من المرکب الی البحر
فعلق الحبل فی رقبتہٖ ، فمات من الحبل خنیقًا لا غریقًا وانشد
لہٗ من قصیدۃ :-

کم لکفّیک یاخطیر المعالی ... عند عافیک من خطیر نوالٍ
کلّما فصّل المدیح علیہ ... صحّ تفصیلہ علی الاجمالِ

منہا :-

لست ادری من السرور علی ما ... صحّ عندی من قدرک المتعالی
أیُہنّی لیث الشّری بعرینٍ ... ام یہنّی العرینُ بالرئبالِ

ومن شعرہٖ فی وصف العذار :-

عنّ لی استسرُّ منہ عذارًا ... فتذکّرت انّہٗ نمّامٌ

وانشد لہٗ فی کتابہ :-

ہ فی فہرست دوزی :- الدمّاغ ، ۲ہ انظر فہرست دوزی ص ۲۹۹ ؛ ورِوایۃ
المصنّف بالمعنی ، ۳ہ فی فہرست دوزی ، خنیقًا ؛

يارب ان قدرته لمقبل غيرى فللاقدام اوللاكوس
واذا قضيت لنا بعين مراقب فى الحب فلتك من عيون النرجس

وانشد له من قصيدة :-

غرامى فيك والكلف لحسنك فوق ما اصف

(۴) **لبيب الدين** ابوعيسى محمد بن خلف بن سعيد المعافرى[1] الاندلسى الاريولى[2] الفقيه الاديب
ذكره الحافظ ابوطاهر احمد بن محمد السلفى فى كتاب معجم السفر، وقال: كتبت عنه بالاسكندرية ؛ واثنى عليه وقال: انشدنا بالاسكندرية قال انشدنى ابوبكر الزبير بن سعد العتقى لنفسه بالاندلس فى وصف الحرشف :-

وحرشفة سكنت روضة وتشكوا القطاف من اربابها
شكت للقنافذ ما تتقى فالبسنها بعض اثوابها

اللام والسين

(۵) **المرعث لسان العرب** ابومعاذ بشار بن برد مولى عقيل العقيلى الشاعر[3]

---

[1] نسبة الى معافر بن جعفر بن مالك قبيلة من قحطان، انظر الانساب ص ۵۳۵ الف و وستنفيلد T.4. 16 .6 ، [2] نسبة الى اريولة قصبة تدمير؛ نفح الطيب ۱: ۱۲۶ ، [3] انظر تراجم بشار فى الوفيات (۱: ۸۸) والاغانى (۳: ۱۹-۷۳) و بروكلمن (۱: ۷۳) وذيله (۱: ۱۰۸) ۰

ذكره الصولي، حدّث محمّد[1] بن بشّار. قال قال الأصمعي لأبي، ليس من العرب احدٌ الّا وفي شعره ما يتكلّم فيه اهل النحو غيرك فانّ شعرك نقيٌّ من هذا؛ فقال: لأنّي نشأت في حجر ثمانين شيخًا وشيخةً من بني عُقيل ما عرفوا خطأً ولا لحنًا قطُّ، ثمّ لقيت العلماء فكنت كاحدهم؛

ومن شعره :-

النفس الشوق ولا ينفسني	واذا ساورني الهمّ رجع
اصرع القِرنَ اذا صارعته	واذا صارعني الحبُّ صُرع

وديوانه كبير قليل الوجود -

(٦) لِسَانُ الحُمَّرَة[2] ابو كلاب حُصَين بن رَبيعة بن صُعَير ابن كلاب بن عامر بن مالك بن تيم الله بن ثعلبة بن عكابة ابن صعب بن عليّ بن بكر بن وائل وابنه[3] ابو كلاب عبدالله وقيل: اسمه ورقا بن الاشعر الوائليّ النسّابة ذكره ابن الكلبيّ في جمهرة النسب وقال: لسان الحُمَّرة هو حُصَين، وكان هو وابنه عبدالله من اعلم الناس بعلم النسب من تيم اللات بن ثعلبة، وذكره الحافظ ابو الفرج

---

[1] لم تظفر بعد بابن لبشّارٍ اسمه محمّدٌ، وروى ابو الفرج في الاغاني (٣: ٣٤) عن احمد ابن المبارك قال، حدّثني ابي قال، قلت لبشّارٍ ليس لأحدٍ من شعراء العرب شعرٌ الّا فذكر نحو القصّة [2] في تاج العروس (٣: ١٥٩) جعفر بن كلاب. [3] وفي القاموس، وابن لسان الحُمّرة كسُكّرة خطيب بليغ نسّابة اسمه عبدالله بن حصين او ورقاء بن الاشعر؛ وله ذكر في الاغاني (١٢: ١٣٣)؛ ومن امثالهم: انسب من ابن لسان الحمّرة؛

عبدالرحمان بن علی بن الجوزی فی کتاب کشف النقاب[۱]،
وقال: انما سُمّی لسانَ الحمَّرة لجودة لسانه؛

۷) لسان الدین ابو محمد عبد الله بن عبد الرحمن نزیل مصر، البَلخیُّ الصوفی

ذکره العماد الکاتب فی کتاب البرق الشامی، وقال: اللسان الصُوفیّ البلخیّ شیخ من اهل بلخ، قد عاین العقد والفَسْخ، و لابس العَفار والمَرْخ، وجاور بغداد والکَرْخ، وخلف وراءه الی المشیب الشَرْخ، وطالما نصب الفخّ واصاب الفَرْخ، وهو طریف ظریف، عفیف نظیف، ثقیل خفیف، لا یأکل وحده ولو انّه رغیف؛ وذکر کلاماً طویلاً من هذا یصف ضیافته؛

۸) لِسانُ بَنی العبّاس عَبدالمِلکِ بن صالح بن علی ابن عَبدالله بن العبّاس الهاشمیُّ الاَمیرُ

[54b 55a]

کان یضرب به المثلُ فی البلاغة وکان یَسکن مَنْبِج بارض الشام وبها وُلِد، ولمّا دخل الرشید مَنْبِجَ قال له: هذا البلد منزلک؟ فقال له: یا امیر المؤمنین! هو لک ولی بک؛ قال: کیف بناءک به؟ قال: دون منازلِ اَهلی وفوق منازل غیرهم؛ قال: کیف صفتها؟ قال: طیّبة الهواء قلیلة الادواء؛ قال: کیف لیلها؟

---

[۱] انظر برکلمن (ذیل) ۱: ۵۰۸ وتذکرة النوادر ص ۸۱، [۲] انظر ترجمته فی الفوات (۲: ۱۲) وقاموس الاعلام (۲: ۵۹۷) وفی العقد (۳: ۲۸۳) اشارة[۳] الی بعض ما ذکره المصنّف، وکانت وفاته بالرقة سنة ۱۹۶ هجریة،

قال سحرٌ كلّه ؛ قال صدقت انّها الطيّبة ؛ قال ؛ بلى طابت واين يذهب بها عن الطيب وهي تربة حمراء وسنبلة صفراء وشجرة خضراء فيافٍ فيم بين قيصوم وشيح ؛ فقال الرشيد : هذا الكلام والله احسن من الدرّ المنظوم ؛

(٩) لِسان الدين ابو الخطّاب عمر بن علي الاغماتي[١]

الشاعر

ذكره شيخنا تاج الدين ابو طالب في كتاب لطائف المعاني في شعراء زماني ، وانشد له :-

تمتّع من سلافة خندريس | وخذها من يدي ظبي انيس
وخالف قول من يلحاك فيها | ولو فاد اكها كاسًا بكيس
فما الدنيا سوى كاسات راحٍ | ولهوٍ من مفاكهة الجليس
تسلّى الهمّ عن قلب صديّ | ولا شيئ يسلّى كالكؤوس

(١٠) الاستاذ لسان المشرق ابو الفضل محمّد بن الحسين ابن العميد القمّي الوزير

ذكره ابو منصور عبد الملك الثعالبيّ في كتاب ثمار القلوب في المضاف والمنسوب[٢] ، وقال ، كان ابو الفضل بن العميد يعرف بلسان المشرق ، وكان اذا ورد ارّجان استدعى

---

[١] الاغمات بلد باقصى المغرب ؛ نفح الطيب ١ : ٢٨٧ ؛ [٢] ليس بين يدينا نسخة من ثمار القلوب فنشير الى صفحة فيها بيان المصنف وتراجم ابن العميد مذكورة في اليتيمة (١ : ٣٤٠ بما بعدها و ٢ : ٢٨٣ بما بعدها و ٣ : ٢٨٠) والوفيات (٢ : ١٢١) وذيل بروكلمن (١ : ١٥٣) والمصادر التي ذكرها ،

ابا القاسم[١] السيرافی، واحتبسه عنده، فاتفق انه کان بحضرته یوماً فقام ابو الفضل من مجلسه فبادر ابو القاسم الی نعله فقدمها له، فانکر ذلک ابو الفضل وقال له: یا هذا! العلم یرتفع عما فعلت؛ ثم تقدم له بخلعة وحمله علی دابة، وقد تقدم ذکره مستوفی فی کتاب الهمزة. وکانت وفاته بالری[٢] سنة تسع وخمسین وثلثمائة.

(١١) لسان الدین ابو عبد الله محمد بن محمود بن اسماعیل الهیتی الادیب

وجدت بخطه: قیل لاعرابی: کیف علمک بالنجوم؟ فقال: حسبی من ذلک معرفة النجم - یعنی الثریا - اذا طلعت فی المشرق حصدت زرعی، واذا سقطت فی الغرب رمیت بذری، واذا ظهرت فی کبد السماء خرفت نخلی؛

اللام والطاء

(١٢) لطف الدین ابو الخیر محمد بن نور الدین عبد الرحمن ابن محمد بن محمد الاسفراینی ثم البغدادی

من اولاد المشایخ العارفین العلماء العاملین سمع والده شیخ الشیوخ قدوة اهل الرسوخ وسمع من لفظی کتاب

---

[١] لم نجد ذکر ابی القاسم السیرافی فی کتب التراجم بعد؛ والمشهور بنسبة السیرافی ابو سعید الحسن بن عبد الله (٢٨٠ - ٣٦٨ھ) وولده ابو محمد یوسف (٣٣٠ - ٣٨٥ھ)؛

[٢] انظر النثر الفنی للدکتور زکی مبارک ص ٢٠١؛

لطایف نوامی البرکات فی مشیخة ابی البرکات بسماعی
لها بقراءة مخرّجها الشیخ السعید جمال الدین ابی بکر احمد
ابن علی القلانسیّ علی شیخنا محی الدین عبد الحی ابی البرکات
ابن ابی العباس بن ابی البرکات الحریری الحربیّ فی یوم الاربعاء
تاسع شهر ربیع الاول سنة ثلاث عشرة وسبعمائة بحضور
والدی شیخ شیوخ الاسلام ادام الله برکته وحرس ذرّیّته ؛

(١٣) لطیف الدین ابو محمد الحسن بن محمد الهاشمی الجزری الادیب

ذکره الوزیر شرف الدین ابو البرکات المبارك بن احمد
المستوفی فی تاریخ اربل . وقال : کان لطیف کما دُعی لطیفاً
ادیباً شاعراً ظریفاً . وکان ابداً یتعرّض بالصبیان فی صنائعهم
ویظهر لهم المحبّة والعشق . یفعل ذلك مجوناً وخلاعة ، و
یعدّه احسن متجر البطالة بضاعةً وینظم فیهم الاشعار
ویشرب معهم ویلعب وانشد له :-

هذا دمی فی خدّك المتورّد　　فمتی تردّ انکار قتلی یشهد
یا قاتلی عمداً ویزعم انّه　　خطأ وُقیت عقوبة المتعمّد
انا منك بین صبابة لا تنتهی　　الا واخری من ولوعی تبتدی
هجر الکری جفنی فواصله البکا　　لمّا وفی کلفی وخان تجلّدی

قال وانشد فی لنفسه من قصیدة اوّلها :-

---

[۱] هو نور الدین عبد الرحمن الاسفراینیّ ؛ وترجمته مذکورة فی تذکرة هفت اقلیم
نسخة مکتبة کلّیة فنجاب (ص ۲۲۳ ب) ؛

ليلٌ كما شاء الغرام طويلُ خطبُ الهوى فيه لديك جليلُ
فاحلُلْ عُرَى الهمّ الدخيل بشادنٍ حلو الشمائل في يديه شمولُ
حمراءُ يشرق في الزجاجة نورُها فكأنّما في رأسها قنديلُ
فكأنّها عن خدّه مأخوذةٌ ورحيقها برُضابه معلولُ

وكانت وفاته بنصيبين سنة ثمان وثمانين وخمسمائة ؛

(١٤) لطيف الدين ابو محمد عبد الله بن احمد بن ابراهيم القرميسيني[١] الاخباري[٢]

قال : اشترى عبد الله بن طاهر جاريةً بخمسة وعشرين الفًا على ابنة عمّه ، فوجدَتْ عليه وقعدتْ في بعض المقاصير شهرين لا تكلّمه فعمل هذين البيتين :-

الى كم يكون العتب في كلّ ساعةٍ وكم لا تملّين القطيعةَ والهجرا
رويدكِ انّ الدهر فيه كفايةٌ لتفريق ذات البين فانتظري الدهرا

وقال للجارية : اجلسي على باب المقصورة فغنّي به ؛ فلمّا غنّت البيت الاوّل لم تر شيئًا ، فلمّا غنّت الثاني خرجت مشقوقة الثوب ، فوقعتْ على رجله تُقبّلها ، فقبّلها ودخل اليها ،

(١٥) لطيف الدين ابو الحسن علي بن سنان بن ابي البركات الحلبيُّ الشاعر

ذكره كمال الدين في كتاب عقود الجمان ، وقال : كان اللطيف ذكيًّا فطنًا عالمًا بنظم الاشعار وله مشاركة حسنة

---

[١] نسبة الى قرميسين بلد معروف ، عرّب اسمه من كرمان شاهان ؛ [٢] ٢١٢-٢٣٠ه ؛ وترجمته في الوفيات (١ : ٢٦٠) ؛

فی عدّة صنائع کصنعة السروج وتجلید الدفاتر، ونسخ بیده کثیراً من الکتب، ومن شعره فی غلام عاشق :-

قالوا حبیبک یشکوا الهمّ والأرقا وقد غدا عاشقاً من بعد ما عُشِقا

وسال من جفنه دمع یُکفکفه بین الانام حیاءً منهم وتُقی

ولیله ساهر والجسم فی سقم وللاکابد الالوعة و شقا

منها :-

فقلت هیهات ابکانی وعذبنی فی الحبّ عمداً فلیت الحبّ ما خُلقا

ذروه یبکی کما ابکی ویشرب بالـ کاس الذی لی به دون الانام سقی

کانت وفاته بحلب سنة ست وستمائة ؛

(١٦) **اللطیف** ابو الحسن علیّ بن مسعود بن علیّ الحلبیّ الادیب

ذکره علیّ بن ظافر الازدیّ فی کتاب بدائع البدایه وانشد له من ابیات قالها بدیهة :-

فلو ترانی وکأس الراح فی یدی الیـمنی وفی اختها دَوتة البقش

لکنت تعجب من صفراء صافیة تریاقها جزأ الحاوی علی الحنش

(١٧) **لطیف الدین** ابو الطرب **محمّد** بن عمر بن سعد الله

ابن سعید البحر اباذی الجوینی المُغنّی

کان اوحد زمانه فی علم الموسیقی عارفاً بطرائقه، طیّب الحنجرة قد اُوتی نغمة مزامیر داود ونشأ فی خدمة الصاحب

---

[۱] (٥٦٧-٥٦٢٣) انظر ترجمته فی ذیل بروکلمن (٥٥٣:١)، وفوات الوفیات لابن شاکر (٥١:٢)؛ وعدّت تصانیفه فی کشف الظنون (١: ٨٩، ٨٨، ٤٩٦، ٤٩٦؛ ٢: ١٤٩٢، ١٦٢١، ٢٠٨)، امّا کتابه بدائع البدائه فلیس بین یدینا نسخة منه رغمًا من طبعه مراراً ؛

بہاء الدین محمد الجوینی وکان الصاحب علاء الدین کثیرا
مّا یشوّق صفیّ الدین عبد المؤمن الیہ، وکان یحبّ ان یجتمع
بہ، فکاتبہ الصاحب واستدعاہ الی بغداد فامتثل اشارتہ
فلمّا وصل الی ھمذان مات فی شھر ربیع الاوّل سنۃ اربع وستین
وستمائۃ، حدّثنی عنہ مولٰنا نور الدین الرصدی وقال:
کان لطیف الدین البحرابادی لطیفاً[1] نظیفاً ظریفاً[1] کثیر المیل
الی الفقراء والانحراف عن الاغنیاء ولہ فی الطرب تصانیف
وکان قد صنّف طریقۃ غریبۃً فی ھذا البیت:-
حزنت ولم افرح بدون لقائہ ولا عیش لی الّا بہ وھو منعمی
والشعر للشیخ سعد الدین الحمویہ کتبہ الی الشیخ سیف الدین
الباخرزی وکان الصّاحب علاء الدین یقترحہ علیہ اذا غنّی
بین یدیہ وحصل لہٗ منہ الفوائد الجزیلۃ والنعم الجلیلۃ،

(١٨) لطیف الدین محمود بن محمّد بن محمود البخاری الفقیہ

سمع معنا علی شیخنا جار رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم
عبد السلام بن محمّد بن مزروع البصری فی شعبان سنۃ
احدی وتسعین وستمائۃ، وکان لطیفاً محموداً کاسمہ ولقبہ

(١٩) اللّطیف ابو الظفر یحیی بن جعفر بن عبد اللہ البغدادیّ المغنّی

کان اللطیف یحفظ کثیراً من الاشعار فی کلّ فنّ ویغنّی فی کلّ

---

[1] ا: لطیف، نظیف، ظریف؛ [2] انظر تذکرۂ ھفت اقلیم ص ١٥١ الف؛

فصل ما یلیق به وکذلک یغنّی ما یلیق بالنهار وباللّیل ومن
انشاده علی النشطّ :-

کأنّ دجلة والارواح ساکنة والبدر فی قطرة الغربی لم یغب
بحر جری من لجین مائع سرب اشتق فی وسطه نهر من الذهب

اللّام والواو

(۲۰) اللّولو ابو اسحق ابراهیم بن سلیمان۔ یعرف بالزیّات
[55b 56a] الخراسانی المحدّث

ذکره الحافظ جمال الدین ابو الفرج بن الجوزی فی کتاب
کشف النقاب فی معرفة الاسماء والالقاب وهو مذکور
فی تاریخ خراسان ، وانشد :-

صلّی الاله علی ابن آمنة الذی جاءت به سبط البنان کریما
قل للّذین رجوا شفاعة احمد صلّوا علیه وسلّموا تسلیما

(۲۱) اللّولو ابو العبّاس احمد بن محمّد بن یوسف البخاریّ
الفقیه

کان فقیهاً عالماً ادیباً ، قال : الحبیب اخصّ من الخلیل فی
الشائع المستفیض من العادات ، وقد اتّخذ ابراهیم خلیلاً ،
وقال لنبیّه صلّی الله علیه وسلّم : ما ودّعک ربّک وما قلی : یعنی
احبّک ، وفی مقتضی هذه الآیة اتخذه حبیباً کما اتّخذ ابراهیم
خلیلاً ، وممّا یؤکّد ذلک انّ الله تعالی [لا] یحبّ احداً ما لم

ذکره السمعانی فی الانساب (ص ۲۰۲ ب) ؛ ع ا : بسقوط لا ؛

يؤمن به. وقال تعالى: قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ[1]

(٢٢) اللؤلؤ ابو يعقوب اسحاق بن ابراهيم بن عبد الرحمان البغوي المحدث

ذكره المقدسي في كتاب الالقاب من تصنيفه ولم يذكر له شيئاً، وذكره ابو الفرج بن الجوزي في كتابه وقال: سمع ابن عُلَيّة، وانشد للمأمون بن الرشيد:-

همومُ رجالٍ في امورٍ كثيرةٍ ... وهمّي من الدنيا صديقٌ مُساعِدُ

يكون كروحٍ بين جسمين قُسِّما ... فجسماهما جسمانِ والروحُ واحدُ

(٢٣) اللؤلؤ ابو الفضل جعفر بن سعيد الاربلي الاديب

قال في اماليه انّ عبد الله بن جعفر بن اسحاق الجابري الموصلي [حدث قال:] كنت في منزل ابي عبد الله نفطويه[2] اذ دخل عليه غلام هاشمي نضر الوجه فقال له: يا استاذ! فانشدهُ من شعرهِ:-

كم صديقٍ منحتُهُ صفوَ وُدّي ... فجفاني ومَلّني وقلاني

مَلّ ما مَلّ ثمّ عاود وصلي ... بعد ما ذمّ صحبة الخلّان

فقال نفطويه: يا موصلي! ليس يجيئون بمثل هذه الملاحات"

قال فامسكتُ ساعة ثمّ قلت:-

---

[1] القرآن الكريم سورة آل عمران (٣) الآية ٣١؛ [2] هو ابراهيم بن محمد بن عرفة من اولاد المهلّب بن ابي صفرة، ولد بواسط سنة ٢٤٤هـ وكانت وفاته ببغداد في جمادى الاولى سنة ٣٢٣هـ: انظر ترجمته في الوفيات ١ (١٣١)، معجم الادباء ١ : ٣٠٧ وما بعدها، تاريخ بغداد (٦ : ١٥٩)؛

احمد الله ما امتحنت صديقاً   لى الّا ندمت عند امتحانى

ليت شعرى خُصصت بالغدر من كلّ صديق ام ذاك حكم الزمان

(۲۴) اللؤلؤ ابو محمد الحسن بن على بن مسعود۔ يعرف بالتمار۔ الواسطى المحدّث

ذكره المقدسىّ فى كتابه، وذكره الحافظ ابو الفرج عبد الرحمن بن الجوزى فى كتابه ايضاً؛

(۲۵) اللؤلؤ ابو اسحق سليمان بن العبّاس بن المبارك التركىّ المحدّث

ذكره الشيخ جمال الدين ابو الفرج فى كتابه، وقال: يروى عن عبّاس[1] الدورىّ؛ ولم يذكره المقدسىّ؛

(۲۶) اللؤلؤ ابو الحسن علىّ بن محمد بن الحسن البَلَدِىّ المؤدّب

اللامُ والياءُ

(۲۷) ليثُ الدين ابو الفتح احمد بن عيسى بن ابى الفتوح السمرقندىُّ الاديب

كان اديباً فاضلاً راويةً، روى باسناده الى العُتبىّ[2] قال: حجّ معاوية وكان عامله على المدينة مروان بن الحكم، فلمّا قدم

---

[1] هو ابو الفضل العباس بن محمد بن حاتم بن واقد الدورىّ المتوفى سنة ۲۷۱ ھ، انظر: الانساب ص ۲۳۲ الف؛

[2] هو محمد بن عبيد الله المتوفى سنة ۲۲۸ انظر كتاب المعارف لابن قتيبة ص ۲۷۸؛

المدينة هيّأ له مروان طعاماً فأكثره وجوّده، فلما حضر الغداء جاء متطبّب نصرانيّ لمعاوية فوقف فجعل اذا مرّ لونٌ قال: كل يا امير المؤمنين من هذا، واذا اتى بلونٍ ظنّ انه لا يوافقه قال: لا تأكل من هذا؛ ثمّ اَقبل زنجيّان مؤتزران بريطتين بيضاوين يدلّحان بجفنة لها اربع حلقاتٍ مترعة حيساً، فلمّا رآها معاوية استشرف لها وحسر عن ذراعيه، فقال الطبيب: اىّ شيئ تريد؟ يا امير المؤمنين! قال: اريد والله او اقتحم ما ترى؛ قال: امزّق ثيابي، قال: ولو مزّقت بطنك؛ فجعل يدبّل مثل دبل البعير ويقذف فى جوفه، حتى اذا نهل قال: يا مروان! ما حيسكم هذا؟ قال: يا امير المؤمنين! عجوة ناعمية، و اقطة مُزنية وسمنة جُهَنِيَّة: قال: هذه اشفية جُمعت لا كما يقول هذا النصرانىّ؛

(٢٨) لَيثُ الدَّولَة ابو فراس بن احمد بن ابى العزّ التغلبى الجزرىُّ الامير

كان اخباريّاً عالماً، له معرفة بالادب والاطلاع على التواريخ والسِيَر، انشد للجاحظ:-

---

له يحملانها وقد اثقلهما حملها، ته دبل اللقمة جمعها وعظّمها؛ ته ذكر الشعرا ابوبكر الخطيب فى تاريخ بغداد (٢: ٢١٥) بتغيير فى الترتيب وضمّ شعر ثالث اليهما؛ وما لك روايته:-

يطيب العيش ان تلقى حكيماً ... غذاه العلم والظنّ المصيبُ
فيكشف عنك حيرة كلّ جهلٍ ... وفضل العلم يعرفه الأديبُ
سقام الحرص ليس له شفاء ... وداء الجهل ليس له طبيبُ

سقام الحرص ليس له دواء　　وداء الجهل ليس له طبيب

وطيب العيش ان تلقى حكيما　　غذاه العلم والنظر المصيب

(۲۹) ليث الدين ابو المعالى محمد بن ابراهيم بن ابى العسكر الاستراباذى الفقيه

[وقال] قال بعض المتكلمين: انما جعل الله جل وعز نبيه أُميا لا يكتب. ولا يحسب. ولا ينسب. ولا يقرض الشعر، ولا يتكلف الخطابة، ولا يعتمد البلاغة. لينفرد الله بتعليمه الفقه واحكام الشريعة. ويقصره على معرفة مصالح الدين دون ما يتناهى به العرب من معرفة الاثر والعلم بالانواء، كان ذلك ادل على انه من الله تعالى،

[56/57 ب]

كتاب الميم

من كتاب مجمع الاداب في معجم الالقاب

الميم والالف وما يثلثهما

(۳۰) ماء السماء عامر بن حارثة بن امرء القيس القحطاني الملك

عامر بن حارثة بن امرء القيس بن ثعلبة بن مازن بن الازد ابن الغوث بن نبت بن مالك بن زيد بن كهلان بن سبأ بن يشجب بن يعرب بن قحطان بن عابر بن شالخ بن ارفخشذ ابن سام بن نوح بن لمك بن متوشلخ بن اخنوخ بن برد بن مهلائيل بن قنيان بن انوش بن شيث بن آدم ابي البشر عليه السلام؛ قال محمد بن السائب الكلبي في كتاب جمهرة النسب: انما سمي ماء السماء لانه كان غياثاً لقومه مثل المطر للارض؛ وذكره الحافظ جمال الدين ابو الفرج عبد الرحمان بن علي ابن محمد بن الجوزي في كتاب كشف النقاب عن الاسماء والالقاب، قال: لقب عامر بن حارثة ماء السماء شبه

ك انظر تاريخ ابي الفداء (۱۰۱:۱)؛

بالغيث لنفعه؛ هو عامر بن حارثة بن امرء القيس بن ثعلبة كان من ملوك العرب واجوادهم، وكانت بلادهٗ كثيرة الخصب والخير ووفود العرب تفد عليه من الشعر ومجد والشعراء تقصده بالقصائد وينقلبون عنه بالمنح والفوائد، وكان يذبح لهٗ فى كل يوم مائة من الابل ولخاصته ما يوضع على سماطه خمس مائة رأس من الغنم الى غير ذلك من الصيود ويسقيهم العسل واللبن والخمر ويخلع عليهم الثياب المثمنة والعمائم وينعم عليهم بالخيول العربية والاسلحة؛

(۳۱) ماجد الدولة ابو نصر احمد بن يحيى بن ابى المحاسن المشكانى[1] الاديب

كان من الادباء الاذكياء، وكان يميل الى مذهب الشيعة ولهٗ نظر فى الفقه والادب، انشد فى اماليه :-

حَلفتُ باللهِ و اٰياتهِ　　شهادةً صادقةً خالدهٗ
انّ علىّ بن ابى طالب　　اماما فى سُورة المائدهٗ

يريد قول الله عزّوجلّ : اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ[2] نزلت فى علىّ لانّه تصدّق بالخاتم وهو فى صلاته؛ انشد الثعالبى فى كتاب الاقتباس :-

انا مولىً لفتى　　اُنزلَ فيه : هَلْ اَتىٰ

---

[1] نسبة الى مشكان بالضم، وهى بليدة بفارس واخرى قرية بنواحى همذان؛ انظر هذه المادة فى معجم البلدان (۲: ۵۲۳)، [2] القران الكريم سورة المائدة (۵) الأية ۵۵،

(۳۲) ماجد الدولة ابو اليمن المظفر بن ماجد البصرىّ الاديب

ذكره عماد الدين ابو عبد الله محمد بن محمد بن حامد القرشى الاصفهانى الكاتب وقال: كان من الامراء الادباء والاعيان الفضلاء، ولى قوص وكان ممدّحا، وانشد له فى صبىّ (غلام) لابس ثوب اسود:-

تعبى راحتى انسى انفرادى ... وشفائى الضنى ونومى سهادى

لست اشكو بعاد من صدّ عنّى ... انّى بعده وقد ثوى فى فؤادى

هو مختال بين قلبى وعينى ... وهو ذاك الذى يرى فى السواد

(۳۳) الماجد ابو الغيث المفرّج بن عمر بن عياد القيسرانى الفقيه

ذكره الحافظ ابو طاهر احمد بن محمد السلفى فى كتاب معجم السفر وقال: كتبت عنه وكان رجلا فاضلا، رأيت له هذه الابيات يصف فيها كتاب التنبيه:-

سقيا لمن صنّف التنبيه[1] مختصرا ... الفاظه الغرّ واستقصى معانيه

انّ الامام ابا اسحاق[2] صنّفه ... لله والدين لا للكبر والتيه

رأى علوما عن الافهام شاردة ... فحازها ابن علىّ كلّها فيه

(۳۴) ماجد الدولة ابو زكريا يحيى بن عبد الله بن عبد الرحمن الدوسرىّ الصوفى

---

[1] يريد فى كتاب الخزينة كما ذكر دوزى فى فهرست شعرائها، انظر فهرست دوزى ص ۲۶۵؛

[2] ابو اسحاق ابراهيم بن على بن يوسف المتوفى سنة ۴۷۶ ھ، ت الله سو قرية قرب صفين على الفرات؛

كان من محاسن الصوفية حافظاً للقرآن المجيد، عارفاً بالتفسير روى عن ابن عباس رضى الله عنه، قال: لما عزى النبى صلى الله عليه وسلم على ابنته رقية قال: الحمد لله دفن البنات من المكرمات؛

(۳۵) الماحى ابو القاسم محمد بن عبد الله بن عبد المطلب الهاشمى النبى صلى الله عليه وسلم

قد تقدم ذكر القابه فى غير موضع تيمناً بذكره وفقنا الله لاتمامه بيمن بركته، ومن القابه صلى الله عليه وسلم الماحى، وفى حديث الزهرى: وانا الماحى وهو الذى يمحو الله بى [؟ به] الكفر، وانا الحاشر الذى يحشر الناس على قدمى، وانا العاقب

(۳۶) مادح الرحمٰن ابو الفتح نصر الله بن بابا بن ابراهيم البكرى البغدادى الديارى الصوفى

ذكره تاج الدين فى تاريخه وقال: قدم بغداد سنة تسع و ستين وخمسمائة وسمع بها، ثم سافر الى دمشق واستوطنها وكان شاعراً فاضلاً، وكان يلقب بمادح الرحمٰن، لانه ذكر انه لم يمدح غير الله تعالے بقى على ذلك اكثر من اربعين سنة ومن شعره:-

الهى ما لحاجاتى وحالى سواك فانك الملك القدير
فجد لي بالرضا واغفر ذنوباً بها اخشى يمسنى السعير
فانك قلت سلنى واستعن بى اعنك فاننى نعم النصير
وانى يا غنياً عن عذابى الى ان لا تعذبنى فقير

توفی بدمشق سنة تسع وستمائة ودفن بباب الفرادیس ؛

(۳۷) الماضی ابومحمد اسماعیل بن احمد بن اسد السامانی سلطان ما وراء النہر

ذکرہ صاحب تاریخ[1] خراسان وقال : کان عاقلا عادلا حسن السیرۃ فی رعیتہ ، حلیما ولی الامارۃ بعد اخیہ الامیر نصر ابن احمد سنة تسع وسبعین ومائتین بما وراء النہر و خراسان ولما ولی کان یکاتب اصحابہ واصدقاءہ بما کان یکاتبہم بہ قبل الولایة فقیل لہ فی ذلک ، فقال : یجب علینا اذا زادنا اللہ رفعةً ان لا ننقص اخواننا بل نزید ہم رفعةً وعلاءً وجاہًا لیزدادوا اخلوصًا وشکرًا ، وکانت وفاتہ[2] فی منتصف صفر سنة خمس وتسعین ومائتین ودفن عند والدہ ؛

(۳۸) المامور الحارث بن معاویہ بن قیس بن کعب الحارثی [57 b / 58 a]

ذکرہ محمد بن السائب الکلبی فی کتاب جمہرۃ الانساب ووصفہ بالرأی السدید والذکر الحمید ،

(۳۹) المامون ابوالقاسم الحسین بن محمد بن داود ابن سلیمان المصری المحدث

ذکرہ ابوالفضل المقدسی فی کتاب الالقاب ، وذکرہ ابوالفرج بن الجوزی فی کتاب کشف النقاب وقال

---

[1] لم یحقق اسمہ بعد ؛ [2] مولدہ فی شوال سنة ۲۳۴ ھ ؛ [3] انظر کتاب الثقافی (ھ ا ، ۷۳) ؛

روى عن محمّد بن هشام السَدُوسِىّ؛

(٤٠) **المأمون ابو عبد الملك رزين بن عَبُّود المغربىُّ الحاجبُ**

ذكره العزناطىّ فى كتاب فرحة الانفس وقال: كان قد اقام بالسّهلة من بلاد الاندلس، ومال اليها بعد المأمون يحيى ابن اسماعيل الملقّب بذى المجدين، ولمّا توفّى انتقلت دولته الى ابنه ابى مروان عبد الملك بن رزين وكان من الادباء الشعراء والفصحاء والبلغاء؛

(٤١) **المأمون ابو العباس [و] ابو جعفر عبد الله بن هارون الرشيد بن محمّد المهدى بن عبد الله الهاشمىُّ العبّاسىُّ الخليفةُ**

امّه امّ ولد بادغيسية تسمّى مراجل، مولده ليلة الجمعة منتصف شهر ربيع الاوّل من سنة سبعين ومائة وهى الليلة التى ولد فيها خليفة ومات خليفة وتولّى خليفة بويع له بعد ابيه وصارت اليه الخلافة وهو بمرو، وتوجّه الى بغداد فوصلها يوم السبت سادس عشر صفر سنة اربع و مائتين، وكان ابيض اللون تعلوه صفرة اقنى طويل اللحية، و

---

۱ هو محمّد بن غالب بن ايّوب؛ ۲ قال السقّرى، فامّا السهلة فانّها متوسّطة بين نسية و سرقسطة، وبها مدن وحصون، ومن اعظم ملوك الطوائف.... بنو رزين اصحاب السهلة؛ نفح الطيب ج ۱ ص ۱۰۳ و ۱۸۸؛ ۳ راجع تاريخ الخلفاء سيوطى ص ۲۸۶؛ وكانت بيعة المأمون سنة ۱۹۸ هـ؛

كان شهما بعيد الهمّة اخذ من جميع العلوم بقسط وافر و
استخرج كثيرا من علوم الاوائل، وترجمت له الكتب كاقليدس
وغيره وتوفى لعشر خلون من رجب سنة ثمان عشرة ومائتين[١]
وهو متوجه يزيد الغزو وقيل طرسوس باربع مراحل فحمل
اليها ودفن بها، وقيل توفى بالبَذَنْدُون، وكانت خلافته
تسع[٢] عشرة سنة وستة اشهر وعشرة ايام وعمره ثمان و
اربعون سنة وستة اشهر؛

غادروه[٣] بعرصتى طرسوس   مثل ما غادروا اباه بطوس
ما رأينا النجوم اغنت عن المأ   مون فى ظل ملكه المحروس

(٤٢) المأمون ابو العباس عبد الله بن شرف الدين هارون بن شمس الدين محمد بن محمد الجوينى البغدادى المولد

امه رابعة بنت الامير ابى العباس احمد بن المستعصم بالله
ومولده ببغداد (...[٤]...) واشتغل وحصّل وكتب لكنّه عاشر
من لا يليق بالمعاشرة، وكان مولده يوم الاثنين ثامن شهر
ربيع الآخر من سنة اربع وسبعين وستمائة، كتب شيخنا رشيد الدين
ابو طالب يحيى[٥] بن المشهدى على مولده :-

---

[١] وقال السيوطى توفى يوم الخميس لاثنتى عشرة بقيت من رجب [٢] هذا قول فاسد
وانما كانت خلافته عشرين سنة واشهرا [٣] الشعر لابى سعيد المخزومى [٤]
ترك المصنف ههنا بياضا كانه يريد كتابة شيء بعد تثبيته [٥] م ٧٠١ هـ،
انظر: تاريخ العراق (١: ٣٩٣)؛

مولد منہ قد تولّد سعد ۔۔۔ للموالی یلقونہ عن قریب[۱]

والامیر المأمون مأمول قوم ۔۔۔ لهم من نداه اوفی نصیب[۱]

ببقاء السلطان غازان یوماً ۔۔۔ ان یعُد ملکہ فتیراً فعین احبیب[۱]

کم لاهلیہ من ایادٍ علینا ۔۔۔ ملزمات شکوی لها با لوجوب[۱]

(۴۳) **المأمون** ابو نصر الفتح بن المعتمد محمد بن المعتضد عبّاد الاندلسیّ الاشبیلیّ الامیر الادیب

ذکرہ صاحب کتاب فرحة الانفس، وقال کان جواداً حلیماً کریماً وکان قد استولی جدّہ علی اشبیلیة ولما استولت لمتونة[۲] ودولة الملثّمین وامیر المسلمین یوسف بن تاشفین[۳] لم تبق منهم بقیة وکانوا علماء ادباء، وقتل المأمون الفتح بن محمد ابن عبّاد بقرطبة یوم الاربعاء غرّة صفر سنة اربع وثمانین و اربعمائة، وفی المأمون فتح واخیه الراضی یزید یقول ابوهما المعتمد :-

هوی الکوکبان الفتح ثم شقیقہ ۔۔۔ یزید فهل بعد الکواکب من صبر[۱]

افتح لقد فتّحت لی باب رحمة ۔۔۔ کما بیزید اللہ قد زاد فی اجری

(۴۴) **المأمون** ابو محمد القاسم بن حمّود بن ابی العیش میمون الحسنیّ الخلیفة بالاندلس

---

[۱] انظر: نفح الطیب بحسب الفهرس؛ [۲] لمتونة قبیلة من صنهاجة منها محمد بن تیفاوت اللمتونی (۴۰۰-۴۳۴ھ) مؤسس دولة المرابطین والملثّمین (۴۰۰-۵۴۱ھ)؛ [۳] الخامس من ملوک الملثّمین (۴۵۳-۵۰۰ھ)؛ انظر تاریخ دول الاسلام (۲ : ۲۸)؛

(هو) القاسم بن حمّود بن ابی العيش ميمون بن حَمُّود بن علی ابن عُبَيد الله بن عمر بن عبد الله بن ادريس[1] بن ادريس بن عبد الله بن الحسن المثنّی بن الحسن بن علی، لمّا قتل اخوه الناصر علی[2] بن حمّود بويع لاخيه القاسم ولقّب المأمون فما غيّر على الناس عادةً ولا مذهبًا فبقی المأمون الی شهر ربيع الاوّل سنة اثنتی عشرة واربعمائة، فقام عليه ابن اخيه يحيی ابن الناصر، فهرب المأمون من قرطبة بلا قتال وصار باشبيليّة، ثمّ اجتمع للمأمون جماعة واخرجوا يحيی من قرطبة، فهرب الی مالقة، وقتل المأمون خنقًا سنة احدی ثلثين واربعمائة ومدّة ولايته ستّة اعوام، وبقی محبوسًا عند ابن اخيه المعتلی يحيی[3] بن علی ستّة عشر سنةً ومات وله ثمانون سنةً،

(٢٥) المأمون ابو عبد الله محمّد بن نور الدولة ابی شجاع فاتك بن منجد الدولة ابی الحسن مختار البطائحی الوزير بمصر

---

[1] بتكرار ادريس كما اشار المصنّف الی صحّته؛ [2] انظر تراجم علی والقاسم ويحيی فی الفصول ٣٠٠، ٣٠١، ٣٠٢، من تاريخ دول الاسلام (١٤٢، ٤٣)

[3] انتهت ايّام يحيی بن علی سنة ٤٢٧ه كما يقوله صاحب تاريخ دول الاسلام وعلی هذا فيكون مدّة حبسه عند ابن اخيه اربعة عشر سنة؛ وتوفّی فی دولة ادريس بن يحيی بن علی المتأيّد بالله؛

ذکرہ الوزیر جمال الدین [1] الاکرم القفطی فی اخبار وزراء الدالة المصریّة فی الایام القصریه، قال: دخل محمّد بن فاتك الی مصر من البطائح، وکان فرّاشا، فاتّصل بامیر الجیوش بدر المستنصری [2] ورفع حالهٗ الی ان [صار] فرّاشًا للافضل، وفی الثالث من ذی الحجّة سنة خمس عشرة وخمسمائة احضرہ الآمر بالله الخلیفةُ المأمونَ البطائحیّ وجعلهٗ نائب الوزارة حفظًا لقلوب الامراء اذ فیهم من هو اجلّ منه، وکان المأمون یعلم من نفسه انّه لا یصلح للوزارة ولکن حب الرّیاسة یحمله علی طلبها، وفی مدحه:-

فکأنّنی بالسیّد المامون قد | ملك الشام مجدّ داما قد نهج
وازال نون صداتها فتزایلت | عنها الفرنج به وواناها الفرج

قال: واستدعاہ الآمر [3] فی رابع شهر رمضان سنة تسع عشرة فلمّا افطروا تقدّم بقتله واستراح قلب الآمر من المأمون[3]؛

(٤٦) ذو المجدین **المأمون** ابو زکریا یحیی بن الظافر اسماعیل ابن عبد الرحمٰن البَربَریُّ صاحب طُلَیطلة

هو یحیی بن اسماعیل بن عبد الرحمٰن بن عامر بن مطرّف بن ذی النون، وکان اصل جدّهم مطرّف بن ذی النون من البربر،

---

[1] هو علی بن یوسف ابو الحسن القفطی (٥٦٨ - ٥٦٤٦)، انظر تراجمه فی قاموس اعلام التراجم للزرکلی (٢: ٢٠٥-٢٠٦) ومعجم الادباء (١٥: ١٧٥-٢٠٢) وبغیة الوعاة (ص ٣٥٨)

[2] هو الآمر باحکام الله صاحب مصر (٤٨٥-٥٢٤ ھ)، انظر تاریخ مصر الحدیث لجرجی زیدان (١: ٢٥٠-٢٥٣)؛

[3] انظر شرح قتله فی تاریخ الکامل (١٠: ٢٦٨)؛

وتولدوا بالاندلس ونشأوا بها، وتأدبوا بآدابهم، وتشبهوا بهم وأنفوا من البربرة، ولما توفى الظافر بحول الله سنة خمس وثلثين واربعمائة صارت رياسته الى ولده يحيى وتلقب بالمأمون ذى المجدين وكان جليلا يحب الادب،

(٤٧) مأوى الصعاليك اشيم[١] بن شراحيل بن الحارث بن عباد بن ضبيعة الربعى الفارس فارس الغاية من حكام العرب

ذكره ابو عبيدة معمر بن المثنى فى كتاب مقاتل الفرسان وقال: انما لقب مأوى الصعاليك لانه كان يجمع الصعاليك من العرب فيضمهم اليه ويتحر لهم ويقويهم حتى يغزوا فيصيبوا ويستغنوا عنه فقيل له: مأوى الصعاليك: قال ابو عبيدة: غزا علقمة بن زرارة بكر بن وائل فى جماعة من قومه وخرج فاتبعوه حتى تلاحقوا قريبا من اليمامة فشد[٢] مأوى الصعاليك على علقمة فقتله، فشد حاجب بن زرارة على مأوى الصعاليك فقتله وقال فيه ابياتا منها:—

فان تقتلوا منا كريما فاننا   قتلنا به مأوى الصعاليك اشيما

(٤٨) الماهر ابو الفتح احمد بن عبيد الله بن فضال الموازينى الحلبى الشاعر[٣]

ذكره الرشيد بن الزبير الاسوانى فى كتاب جنان الجنان وقال:

---

[١] انظر شيئا من اخباره فى معجم البلدان (١٩٢:٣، مادة حاير) [٢] فى الاصل: فشد عليه بزيادة عليه، [٣] هو احمد بن على المقتول سنة ٥٦٣هـ، وفيات (٥١:١ بما بعدها)؛

هو من شعراء الشام المتأخرين زمانًا واحسانًا ومن شعره :-

من القوم اكرم من يستجار بايامه من صروف النوب
وقد كتب الدهر فضل الكرام فلما رآه محا ما كتب

وله :-

وما عنّ ولى ناهيًا عنكم لكنه بالسوء امّار
قال اسلهم ان لم تطق هجرهم قلت له : النار ولا العار
يوجد فى الاحباب واف ولا يوجد فى العشاق غدّار

(٤٩) الماهر ابو القاسم خلف بن ابى البركات يحيى بن فضلان الازجىّ المؤدّب [58 b / 59 a]

ذكره الحافظ محبّ الدين محمّد بن النجار فى تاريخه وقال :
كان يؤدّب الصبيان ، وسمع الحديث الكثير وطلب بنفسه
وكتب بخطّه ، وكان شيخًا صالحًا متدينًا الّا انّه كان لا يعرف
العلم ويكتب خطًّا فى غاية الرداءة واصوله مسخمة سقيمة
وكانت فيه غفلة وسلامة (؟ كذا) فربّما الحق اسمه بخطّه فى
الطباق بين من سمع فيظهر للناس ؛ سمع ابا القاسم هبة الله
ابن الحصين وطبقته ولم يزل ليسمع الى ان مات فى شهر رجب
سنة خمس وستّين وخمسمائة ودفن بباب حرب ؛

(٥٠) الماهر ابو الفتح داوود بن عبد الجبار بن محمود الخلاطىّ الاديب المقرئ

كان كاتبًا حاسبًا له فى الادب القدم الثابتة ، وكان حسن الخط
والعبارة ، انشد فى وزير :-

يا زينة الدين والدنيا وكاتبهما　　والامر والنهى والقرطاس والقلم
ان اخر الله فى عمرى فسوف ترى　　من خدمتى لك ما يغنى عن الخدم
اباعلى لقد طوقتنى مننا　　طوق الحمامة لا تبلى على القدم
فاسلم فليس يزيل الله نعمته　　عمن يبث الايادى فى ذوى النعم

(۵۱) الماهر ابو محمد بن عبد الله الحلبى الأديب،

ذكره ابو منصور عبد الملك بن اسماعيل النيسابورى الثعالبى فى كتاب تتمة اليتيمة، وقال، شاعر بحقه محسن ملؤ ثوبه، واورد من نثره هذه الفصول: خلص من سبك النقد خلوص الذهب من اللهب واللجين من يد القين والمدام من شبح الندام؛ وقوله، اين الشراك من السماك والغرقد من الفرقد؛ ومن شعره:—

يجدى وقد يثبت فى نفسه　　فضيلة المجلى من المجدى
لوكان من احببته بعض ما　　فى يده زار بلا وعد

(۵۲) الماهر ابو منصور مروان بن على المصرى الاديب يعرف بالمجبوب

ذكره الباخرزى فى كتاب دمية القصر وقال: هو شاعر من الديار المصرية وانشد من شعره:—

طيف لعلوة حيانى فاحيانى　　حد له ريحان من ورد وريحان
الم يخرق جلباب الظلام وقد　　خاطت يد النوم اجفانا باجفان

---

[۱] ج ا ص ۱۲، [۲] وفى التتمة: سبل؛ [۳] فى التتمة: كسبح الغدام؛ [۴] فى التتمة: السمك؛ [۵] فى التتمة: تجدى؛ [۶] لم نجده فى المطبوع من كتابه؛

يلفّنا بيد الشوق العناق كما لفّت يد الريح اغصاناً باغصان

وقال: انشدنی يعقوب بن احمد الاديب النيسابوری قال انشدنی ابو عامر النسوی قال انشدنا الماهر.

المیم والباء وما یثلثهما

(۵۳) مُبارز الدين ابو سعد ابراهيم بن يحيى بن عبد الله العراقی الامیر

كان من اولاد الامراء الامجاد والشجعان الانجاد، ولی امارة الجبل بأسره وكان منزلهٗ بسبب ان بالقرب من مشهد الامام المهدی بن المنصور، وكان رحيم القلب كريم النفس متودّداً وله مرسوم علی دار الخلافة فی كل سنة الف دينار؛

(۵۴) مُبارز الدين ابو الفضل احمد بن الحسن الهكّاری الامير

كان من الامراء الذين استولوا علی جبال الهكّارية، وكان جليل القدر، نبيه الذكر ممدحاً، لهٗ سخاء ومروّة؛

(۵۵) المُبارز ابو الفتيان ايتكين بن عبد الله غلام الوافی الدّيلمی الاصفهسالار

ذكره[1] الرئيس ابو الحسين هلال بن ابی اسحق الصابی فی تاريخه وقال: كان المبارز من الشجعان المعدودين، وارباب القوّة

---

[1] ذكره ياقوت وقال لا ادری موضعهٗ؛

والنهضة، وله البلاء الجميل فی الوقعة مع العرب، وكانت وفاته فی يوم الخميس رابع ذی الحجة سنة اربع وثلاثين واربعمائة ببغداد؛

(٥٦) المُبَارِزُ باتكين بن عبد الله الكردیّ الاصفهسالار

ذكره غرس النعمة محمد بن ابی الحسين بن الصابی فی تاريخه المذيّل علی تاريخ والده، وقال: من الامراء الاصفهسالارين الذين ادركوا الدولة السلجوقية، وله ذكر، وكانت وفاته سنة سبع واربعين واربعمائة؛

(٥٧) مُبَارِزُ الدّين ابو المفاخر بدران بن فتوح بن سُلطان العُقيلیّ الجزریّ الامير

روی عن الشيخ الاديب ابی بكر بن اسماعيل بن محمّد بن حمدان الحيزانی[1]، روی عنه كمال الدين ابوبكر المبارك بن حمدان بن الشعار فی كتاب عقود الجمان، وقال: كتب مبارز الدين بدران الی عزّ الدين بن شدّاد الحلبیّ من شعره:—

ابدا أبا الدعاء يأتونك الا تباع سعيًا بالشكر والالطاف

فرسی بعث أمس واليوم رمحی وكسائی وفروتی ولحافی

ما عسی ان اقول عند خروجی من بيوت الكرام عريان حافی

(٥٨) مبارز الدين ابو علی خليل بن محمّد بن يحيی التركمانی الامير

كان من الامراء اصحاب النعم الجليلة زاهدا كثير الخيرات

---

[1] حيزان بلد من ديار بكر فيه بساتين كثيرة؛

والاحسان الی من یقصدہٗ من ارباب الحاجات، وکان یَرْوِی من الاخبار قول النبیّ صلّی اللہ علیہ وسلّم: اِنَّ ھذا الدین متین فاوْغِل فیہ برفق، ولا تُبَغِّضْ الی نفسک عبادۃ اللہ فاِنّ المُنْبَتَّ لا ارضاً قطع ولا ظہراً ابقی؛

(۵۹) المُبَارِز داوود بن قارن الدیلمی الاصفہسالار

[59 b / 60 a] ذکرہٗ غرس النعمۃ محمّد بن ابی الحسین بن الصابئ فی تاریخہ الذی ذیّلہ علی تاریخ والدہ وقال، کان من الاصفہسالاریۃ الدیلمیّۃ الذین ادرکوا الدولۃ السلجوقیۃ؛

(۶۰) مُبَارِز الدین ابو نصر سنجر بن عبد اللہ التُرکی المَوْصِلیّ الجُندی

کان شاباً ذکیاً ولہٗ تہوّس بالاشعار وحفظہا، ویکتب خطّاً لا بأس بہ، وکان محبّاً للعلماء مفضّلاً علیہم لا یأکل طعاماً الّا معہم؛ قرأت بخطّہ ما کتبہٗ الی بعض اصحابہ یتشوّقہٗ :-

لئن ضمّنا بعد الشتات تقارب ... تبسّم وجہ الدہر بعد قطوبہ

وان کُحِلَت عینای منک بنظرۃ ... غَفَرتُ لصرف الدہر کلّ ذنوبہ

(۶۱) مبارز الدین ابو المظفر سنقر بن عبد اللہ الحلبی الامیر

کان من امراء حلب. لہٗ ذکر فی التواریخ وکان جلیل القدر حسن الذِکر مقرّباً عِند سُلطانِہ محبّباً الی اخوانہ؛

(۶۲) مُبَارِز الدین ابو العلاء شدّاد بن یعقوب بن علی العقری

نَمْ أعلمْ شيئًا من شأنه وقرأت بخطّ بعض الفقهاء قال : سمعت مبارز الدّين شدّاد يقول الاشك ان آدم كان اعقل من جميع اولاده ، والله عزّ وجلّ يقول فيه ، وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِن قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا[1] ، ويقال : انّ الانسان انما سُمّيَ انسانًا لذلك ؛ قال ابو تمام :-

لا تنسين تلك العهود فانّما سُمّيتَ انسانًا لانّك ناسي

(٦٣) المبارز ابو فراس طغانتكين بن عبد الله الدَّيْلَمِيّ الاصفهسالار

ذكره الرئيس ابو الحسين الصابئ فى تاريخه وقال : كان من الاصفهسالارية الكبار المعدّين للاشتغال ومبارزة الابطال ؛

(٦٤) مُبَارِز الدّين ابو بكر عبد الله بن عمر بن ابى الفوارس اليَمَنيُّ الشجاع

كان شجاعًا كريمًا لطيف الاخلاق طيّب المعاشرة ، حكى انّ المأمون [قال] ليحيى[2] بن اكثم وهو يريد الانصراف : بكّر غدًا للمساعدة على الهريسة ؛ فبكّر ولمّا اخذ مجلسه جاء الطبّاخ وقرأ ، وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ فَنَسِيَ[3] ؛ فقال المأمون : انّه نسي ما امرناه من اتّخاذ الهَرِيسَة ؛ فقال يحيى : إنّه يُعامَل مِثل ما عُومِلَ به آدمُ حتى أُخْرِجَ من الجنّة وهو قريب ؛

---

[1] سورة طٰهٰ (٢٠) الاٰية (١١٥) ؛ [2] هو القاضى يحيى بن اكثم المروزى المتوفى سنة ٢٤٢ هو من ولد اكثم بن صيفى حكيم العرب ، له ترجمة طويلة فى الوفيات (٢ : ٢١٧ - ٢٢٢) [3] اقتباس من الاٰية التى مرّ ذكرها سابقًا ؛

(٦٥) مبارز الدين ابو محمد عبد الله بن عمر الفارقی

(٦٦) مبارز الدين ابو منصور القاسم بن علی بن عبد الرحمن القهستانیُّ الکاتب

من کلامه فی تقلید: وامرته بتقوی الله التی هی اهمّ امور الاسلام اذا میّزت الامور، وازکی عمل یحصل علیه المراد اذا حُصِّل ما فی الصدور، فلیسلك طریقها الاقصدَ یَسْعد ولیلزَمْ نهجها الاقوم یسلَم، ولیهتدِ بواضح اٰثارها اللاحِب، یُعرّج به عن مسالك المعاطب، ولیستنِدْ من ذُراها المنیع الی الرکن الاشد، ولیَسْتدرِ من کنَفَها الارحب بالظلّ الامنع الامدّ، فیالها من کنزٍ یزید علی الانفاق وینْمی، وسماءٍ اذا استُسْقیَتْ مجادیها هَمَتْ هاطِلةً وبکلّ خیرٍ وخیرٍ تهمی؛ ما ارتقیٰ الیها الّا من اناف علی درجات الیقین، ولا کان مع حِزبها الّا من کان الله معهٗ واعلم انّ الله مَعَ الْمُتَّقِیْنَ؛

(٦٧) مبارز الدين ابو حرب کش طغان بن عبد الله الکُردیُّ الامیر

کان یحکم علی جمیع اکراد الجبل ولهٗ منهم نَسَب عالٍ، ولقدیمه احسانٌ علی اهل الجبال وکان مبارز الدین مُطاعَ الامر بینهم وتوفّی شابًّا وقد نیّف علی الثلاثین؛

(٦٨) مبارز الدين ابو بکر کك بن سیف الدین محمّد بن ابی الجیش الحمیدیّ المازنجانیّ صاحب اربل والجبال

کان من ملوك اربل والجبال واٰتاه الله من الملك والقوّة والشهامة

والشجاعة والحکم والریاسة مافاق به اهل زمانه، وعمر حتی اناف علی المائة سنة ، حدثنی بحدیثه شیخنا بدر الدین ابن قُنَیْنُو الاربلی، وکان من اصحابه وندمائه، وله فیه اشعار کثیرة ، وعمر مدرسة عظیمة عالیة البنیان شاهقة البنیان (؟ المکان) ووقف علیها الاوقاف الجلیلة وانشدنی بدر الدین عبد الرحمن بن ابراهیم من قصیدة (؟ له) :-

رحلت فاجرت مقلتی برحیلها دمعاً کنهل السحاب المسبل
اوجد کلفك فی المکارم والندی المنعم المتفضل المتطول
الکامل الوصف المظفر بالعدی الصالح العمل الجواد المفضل

منها :-

هو واحد الدنیا وفارس حربها ومبارز الابطال تحت القسطل

منها :-

طال الملوك شجاعة ونباهة وسماحة بتکرم وتطول

(۶۹) مبارز الدین ابوبکر محمد بن یوسف بن محمود العراقی

قال قرأت بخط الثعالبی فی بعض تصانیفه : جلس قاص[1] فی مسجد بمصر فیه ثور[2] بن یزید ، فلما اخذ القاص فی القراءة انتهی الی آیة سجدة فسجد وسجد القوم فلما رفع رأسه اذا ثور لم یسجد ، فقرأ الناس ، فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ اِلَّآ اِبْلِیْسَ

---

[1] اشار المصنف الی نسخة اخری : محمد ، ایضاً ؛ [2] هو ثور بن یزید الکلاعی المتوفی سنة ۱۵۳ھ ؛ راجع المعارف لابن قتیبة (ص ۲۲۰ وما بعدها) و تذکرة الحفاظ (۱ : ۱۶۳) ؛

اَبٰى اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السَّاجِدِيْنَ[1]، فهرب ثور وسم يعد الى ذلك المسجد حتى مات؛

(٧٠) مُبَارِزُ الدين ابو الفتح ملكشاه بن مكّى بن ملكشاه الدّيلميّ الصدر المؤرّخ الشاعر

قدم بغداد سنة ثلاث وسبع مائة وهو رجل فاضل عالم شاعر جئت[2] (؟) الى خدمته فرأيته فصيح الكلام بالفارسيّة وقد كتب قصّة السلطان الاعظم غازان بن ارغون ونظم وقائعه واحواله بعبارة حسنة، وهو كتاب نفيس، وله اشعار مليحة بالفارسيّة، وتولّى العمل بنهر عيسى، وكان مع جمال الدين القابجى واخيه؛

(٧١) مبارز الدين ابو الفتح يوسف بن قتلغ الحَلَبىّ الامير

كان اميراً ممدّحاً، وفيه يقول شرف الدين راجح الحلّى، و يُهنّيه بولد رُزقهُ بعد كبره

طُلْ عَلى رغم انف كل حسود ... قاهر الجد دائم التأييد

عَظُمَتْ يا مبارز الدين نُعمى ... حكمت للعلى بحسن المزيد

ايُّ نجم من خير بدر وشمس ... زان افق العُلى بسعد السعود

يتجلّى الاقبال منه وبالوا ... لد تبدو نجابة المولود

منها ،-

ربا باء الاٰباء يسمو الى المجد ... وليبنى علاء جدّ الجدود

---

[1] سورة الحجر (١٥) الاٰية (٣٠-٣١)؛ [2] اللفظة مختفية بالاصل؛

منہا :۔

وابق یا یوسف الثری لتری من　　نسلہ کل فارس صندید

(۷۲) **المبارک** ابو القاسم احمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب الہاشمی النبی صلی اللہ علیہ وسلم [60 b, 61 a]

ومن القابہ صلی اللہ علیہ وسلم المبارک ، فی حدیث عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: لما توفی عبد المطلب قبض ابو طالب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فکان یکون معہ و کان ابو طالب لا مال لہ وکان یحبہ حبا شدیدا ، وکان لا ینام الا الی جنبہ ولا یفارقہ وکان اذا اکل عیال ابی طالب جمیعا او فرادی لم یشبعوا ، واذا اکل معہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شبعوا ، فکان اذا اراد ان یغدیہم طلبہ لیاکل معہم فیفضل من طعامہم فیقول لہ: انک لمبارک ، وکان یسمیہ المبارک ؛

(۷۳) **المبارک** ابو اسحق ابراہیم بن الحسن بن احمد ابن ابراہیم بن ابی عبد اللہ القاضی

ذکرہ الحافظ جمال الدین بن الجوزی فی کتابہ ، وقال : کان جدہ[1] ابو عبد اللہ اذا قیل لہ شیئ قال: مبارک ، فلقب[2] بہ ؛

(۷۴) **المبارک** المرضی ابو اسحق ابراہیم بن المہدی محمد ابن المنصور عبد اللہ الہاشمی العباسی الخلیفۃ

---

[1] قد منہ من الترجم الذی یقتضیہ ترتیب الکتاب للتیمن بذکرہ ؛ [2] لا توضح هذہ الجملۃ ما ارادہ المصنف ، وقد کفانا التنبیہ علیہ ؛

ولم يتم[1]

ذكره محمد بن يحيى الصولى فى كتابه وقال : كان طويلا سميناً اسمر اللون الى السواد بويع له[2] بالخلافة بمدينة السلام سنة اثنتين ومائتين ولقب : المبارك ؛ وكان فصيح اللسان وقام بالامر له السندى بن شاهك وصالح صاحب المصلى و نصير الخادم وصيف ، واعطى كل رجل من الجند مائتى درهم و فى عاشورذى الحجة من سنة ثلث ومأتين استخفى ابراهيم ، و كانت ايامه التى ادعى فيها الخلافة سنة وشهوراً[3] ، وكان ابراهيم شاعراً عالماً بالغناء ، بايعه اهل بغداد بعد قتل الامين وقيام المأمون ، ولم يزل كذلك الى ان قدم المأمون ثم ظهر عليه فعفا عنه ، توفى بسامرا سنة اربع وعشرين ومأتين و مولده سنة اثنتين وستين ومائة ؛

(۷۵) المبارك ابو محمد الحسن بن على المرتضى بن ابى طالب الهاشمى العلوى الخليفة

ومن القاب الحسن بن على المبارك ؛

(۷٦) المبارك ابوبكر عبد الله بن على بن نوفل بن عبد مناف القرشى المكى

ذكره ابو عبد الله مصعب بن[4] عبد الله الزبيرى فى كتاب

---

[1] يريد لم تتم خلافته ؛ [2] انظر تاريخ الكامل (٦ : ١٤٠ ، ١٣٦ ، ٢٠٨) والوفيات (۱ : ۹ — ۱۰) ؛ [3] احد عشر شهراً واثنا عشر يوماً ؛ [4] المتوفى سنة ٢٣٣ ھ ؛ انظر فهرس ابن النديم (ج ۱ ص ۱۱۰) ؛

انساب قریش، وقال، فولد عدیّ بن نوفل المبارکَ واسمه
عَبد اللّٰه والصباح واسمهٗ عبید اللّٰه والفارغة وامهم الناقصة
[من] بیت اسد بن عبد العزّٰی بن قُصَیّ بن کلاب ؛

(۷۷) المبارک ابو محمّد عیسٰیؒ بن عَبد اللّٰه بن محمّد بن عمر بن علی بن ابی طالب الهاشمیّ الادیب

ذکرهٗ ابو بکر محمّد بن یحیی الصُولیُّ فی کتاب الاوراق، وقال:
کان ادیبًا فاضلاً، ومن شعرهٖ فی ابی بکر بن عبد اللّٰه بن مُصْعَب
الزبیریّ :-

فلو علم الطاهر المصطفٰی ... بما بسط اللّٰهُ فی اُمّتـه
بنو عمّه ساسَةٌ للعباد ... بنور الهدٰی وبنو عمّتـه

وفی المبارک یقول عبْد اللّٰه بن سالم :-

کسانی قمیصًا مرّتین اذا انتشٰی ... وینزعهٗ منّی اذا کان صاحیا
فلی فرحةٌ فی سکرهٖ بقمیصه ... وروعاته فی الصحو حصّت شوائیا
فیالیت حظّی من سروری کابتی ... ومن ثوبه الاعلٰی ولا لیا

(۷۸) مُبارَک الدولة ابو نصر الفتح بن عبد اللّٰه الحَلَبیُّ الامیر بحلب

ذکرهٗ یحیی بن حمید الحلبیّ فی کتاب معادن الذهب فی تاریخ
حلَب، وقال: کان مبارک الدولة دزدار حلَب فی ایّام الامیر

---

(۱) انظر ترجمتهٗ فی لسان المیزان (۴: ۳۹۹) وتنقیح المقال (۲: ۳۶۲)

(۲) انظر الاغانی (۱۰: ۴۳ - ۴۴) والکامل للمبرّد (آخر صفحة من الکتاب) ؛

مرتضی الدولة ابن لولو ولمّا هرب صالح بن مرداس من القلعة اتّهم مرتضی الدولة غلامه الفتح بانّه واطأ ابن مرداس علی الهرب وراسله بذلك فاعتذر فلم یقبل منه فاستوحش الفتح من المرتضی وفسد قلبه وجرٰی امور واسباب اوجب الحال ان کاتب مبارك الدولة الحاکم الخلیفة بمصر لیسلّم القلعة والبلد الیه فی کلام طویل قد ذکره فی التاریخ[2]؛

(۷۹) المُبارك ابو الفضل محمّد بن احمد بن صالح بن المصحّح البغدادیّ المحدّث

یروی بسنده عن عبد الله بن عمر رضی الله عنهما قال قال رسول الله صلّی الله علیه وسلّم: انّما الناسُ کابلٍ مائةٍ لا تکاد تجد فیها راحلةً؛ قال اراد صلّی الله علیه وسلّم انّ الناس کثیر والمرضیُّ منهم قلیل کما انّ المائة من الابل لا یُصاب فیها الراحلة الواحدةُ؛

(۸۰) مُبارِی الربیع الخَطیم بن عَدِیّ بن عمرو بن سواد ابن ظفر بن الحارث بن الخزرج

ذکره محمّد بن سعد فی الطبقات[3]، وقال: هو والد قیس بن الخطیم، ولیلی بنت الخطیم هی التی اقبلت الی النبیّ صلّی الله علیه وسلّم وهو مُوَلٍّ ظهرهِ الشمسَ فضربتْ علی منکبه، فقال: من هذا اکله الاسودُ؛ وکان کثیراً ما یقولها، فقالت: انا بنت مُطعِم الطیر

---

[1] هو ابو نصر منصور الآتی ذکره فی موضعه؛ [2] راجع تاریخ الکامل (۸: ۹۵)

[3] ج ۸ ص ۱۰۷، باختلاف لا یهمّنا توضیحه؛

ومبارى الريح انا ليلى بنت الخطيم جئت لاعرض عليك نفسى ،
تزوجنى ؛ قال ، قد فعلت ؛ فرجعت واعلمت قومها فقالوا لها ؛
بئس ما صنعت ، انت امرءة غيرى وعنده نساء فاستقيليه ،
فرجعت فقالت : يا رسول الله اقلنى ؛ قال ، قد اقلتك ؛ فتزوجها
مسعود بن اوس فبيناهى تغتسل فى حائط اذ وثب عليها ذئب
لقول النبى صلى الله عليه وسلم ؛

(٨١) مُبارى الريح عمرو بن عامر القيسى الجواد

كان من الاسخياء العظماء وفيه يقول كعب[1] بن مالك :—

الا ايها السائل عن عشيرتى　　هلم الى اهل المكارم والفخر
انا ابن مبارى الريح عمرو بن عامر　　نمتنى[2] الى قحطان* فى سالف الدهر
نصرنا رسول الله اذ حل وسطنا　　ببيض اليمانى والمثقفة السمر

(٨٢) مُبارى الريح عمرو بن معشر بن النار بن الحارث الطائى الجواد

كان من اجواد العرب المعروفين بالسخاء والشجاعة ومما يحكى
عنه . . .[3] .

(٨٣) مُبارى الريح يقظان بن زيد بن ارقم الحنفى الجواد

ذكره محمد بن السائب الكلبى فى جمهرة النسب وذكر . . .[4] .

---

[1] ما وجدت الشعر فى مظانه واذا كان المراد بكعب بن مالك هو الانصارى الخزرجى فلا يكون
مبارى الريح الا عمرو بن عامر فارس الضحياء ويعرف بالمزيقياء الذى هو جد الانصار قيسهم خزرجهم
وقوله : القيسى نسبة الى امرء القيس ؛ وراجع لاحواله الى فهرس وستنفيلد ص ٣ ، ؛ [2]
ا : نمرت الى قحطان فى قحطان ، [3] و [4] بياض بالاصل ؛

(۸۴) المُبَاهي ابو الفوارس بأتكين بن عبد الله الخادمُ الاصفهسالار [61 b / 62 a]

ذكره الرئيس ابو الحسين هلال بن ابی اسحق الصابئ فی تاریخه، وقال: کان احد الاصفهسالاریّة معدود فی جملة الامراء و الاجناد الذی شغبوا علی الملک جلال الدولة[1] سنة ثمان و عشرین[2] واربعمائة،

(۸۵) المُبدِعُ ابو الفرج هبة الله بن الحسن بن هبة الله التنوخیّ المعرّی الأدیب

ذكره كمال الدين ابو بكر المبارك بن حمدان ابن الشعّار فی کتاب تحفة الكبراء، وقال: كان من شعراء المعرّة، معدود من فضلائها اهدی كتاباً الی الرئيس سنیّ الدولة ابی الحسين احمد بن الحسين بن احمد بن علیّ الطرابلسیّ المعروف بابن القانون [وكتب معه]:—

لخزانة الشيخ الاجلّ + ابی الحسين بن الحسين
ذاك الذی شاد العُلی و الفخر فوق النيّرين
وسما بعزم نائلٍ حدّ المهنّد والردينی

فيها:—

مخبوتة بستان ا— داب خلا من كلّ مَينٍ
هو بهجة القلب الكئيب + ونزهة للناظرين

---

[1] هو جلال الدولة ابو طاهر بن بهاء الدولة (۳۸۳—۴۳۵ ھ) [2] فی فتنة كانت خلافة يرأسها احد الامراء اسمه بارسطغان؛ انظر دائرة المعارف الاسلامية (E.I.2) ج ۱ ص ۱۰۳ بالانجليزية؛

افديته مقة لأصلح بين ايامى وبينى

(۸۶) المُبَرْقَعُ ابوحرب اليمانى بن عبد الله السُفيانى

ذكره ابوجعفر محمد بن جرير الطبرىؒ فى تاريخه، [۱] و قال:

ثم دخلت سنة سبع وعشرين ومائتين، وكان فيها من الاحداث خروج ابى حرب اليمانى بفلسطين وخروجه على السلطان، وسبب ذلك ان بعض الاجناد اراد النزول فى داره وهو غائب وفيها [۲] زوجته فانعتد عن ذلك فضربها فجاء زوجها فعرفته ذلك، فمضى إلى الجندى فضربه بالسيف فقتله و خرج والبس وجهه برقعاً كى لايعرف وادّعى انه السفيانىّ، و تبعه خلق كثير، وجرت له خطوب مع عسكر المعتصم وانفذ اليه رجاء بن ايوب فى زهاء الف فارس، وكان المبرقع قد صار فى مائة الف فارس، فطاوله [۳] الى ان اسره، وحمله الى المعتصم بسامرّا؛

(۸۷) المُبَشِّرُ ابوالقاسم محمّد بن عبد الله بن عبد المطّلب الهاشمىّ النبىّ صلى الله عليه وسلم

ومن القابه صلى الله عليه وسلم المُبَشِّر، فى حديث ابى هند [۴] الدارى،

---

[۱] ج ۳، ق ۲، ص ۱۳۱۹؛ ورواية المصنف ليست بلفظ المطبوع من تاريخه؛ [۲] وفى الطبرى: امّا زوجته وامّا اخته؛ [۳] فى الطبرى: وطاوله حتى اوّل عمارة الناس الارضين وحراثتهم، و انصرفت من كان من الحراثين مع ابى حرب الى الحراثة وارباب الارضين الى ارضيهم؛ [۴] هو برّ او برير بن عبد الله الصحابى نسيب تميم الدارى؛ راجع لترجمته الى كتاب الاستيعاب (۱، ۷۰۰)؛

قال : اهدیَ لرسول اللہِ صلّی اللہ علیہ وسلّم طبق من زبیب مغطّی فکشف عنہ صلّی اللہ علیہ وسلّمَ، ثمّ قال : کلوا بسم اللہِ نعم الطعام الزبیب یشُدُّ العَصَب . ویذھب الوَصَب ویطفی الغضب ویطیب النکھۃ، ویذھب بالبلغم، ویُصفّی اللون [1]؛

(۸۸) مُبیدُ المشرکینَ ابو الحسن علیّ بن ابی طالب بن عبد المطّلب الھاشمیُّ الخَلیفۃ امیر المؤمنین

ومن القاب علیّ بن ابی طالب علیہ السلام مُبید المشرکین ، عن ابی رافع قال : لمّا کان یوم اُحُد نظر النبیُّ صلّی اللہ علیہ وسلّم الی نفر من قریش ، فقال لعلیّ : احمل علیھم : فحمل علیھم فقتل ھاشمَ [2] بن امیّۃ المخزومیّ وفرّق جماعتھم، ثمّ نظر النبیّ صلّی اللہ علیہ وسلّم الی جماعۃٍ من قریش، فقال لعلیّ : احمل علیھم، فحمل علیھم وفرّق جماعتھم وقتل فلاناً الجُمَحِیّ، ثمّ نظر الی نفرٍ من قُریش، فقال لِعَلِیٍّ : احمل علیھم، فحمل علیھم وفرّق جماعتھم، فقال لہٗ جبرئیل : ان ھذہ المواساۃ ؛ فقال علیہ السلام : انّہٗ منّی وانا منہ، فقال جبرئیل : وانا منکما یا رسول اللہ؛ وعن مصعب بن سعد عن ابیہ قال : قال لی معاویۃ : اَتُحِبُّ عَلِیّاً ؟ قلت : وکیف لا اُحِبُّہٗ وقد سمعت رسول اللہ

---

[1] لا یظھر وجہ ذکر ھذا الحدیث فی مقام اثبات تلقیبہ صلّی اللہ علیہ وسلّم بالمبشِّر؛

[2] کذا فی الاصل ولم نجد احداً ذکرہٗ ؛ وھھنا رجلٌ آخر اسمہ ھشام بن ابی امیّۃ بن المغیرۃ المخزومیّ ذکرہ ابن ھشام فی المقتولین یوم اُحُد من قُریش، وقال قتلہٗ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ؛

ذ

صدر البیت	قافیہ	بحر	جلد	صفحہ
لما	اِغْذاذِ	رجز	٥	٣٦ (ر= ٣٢، ٤٥)
كأنّ	الشّاذِى	"	٥	٤١
يُربعُ	شُذاذِ	"	٥	٥٥
غيرَ	جوازِى	"	٥	٥٥
مِثل	البازِى	"	٦	٣٩١ (ر= ١٨: ٧٣)
كأنّما	وِجاذِ	"	٧	١٨٣
لم يُبقِ	الرّذاذِ	"	١٨	١٤٩

صدر البیت	قافیہ	بحر	جلد	صفحہ
ومَهْمَهٍ	انجُياذِ	رجز	١٨	١٥٠
اذا انتحَى	الهَذْهاذِ	"	٢٠	١١
لاقى	مُحنْذا	"	٥	٢٦ (ر= ١٨، ١٩، ٢٩، ٣١، ٣٣، ١٤: ١٧٦)
قلت	خَذا	"	٥	٢٧
ياخليلىّ	احنذا	"	١٨	٢٤٦

ر

صدر البیت	قافیہ	بحر	جلد	صفحہ
فأقسمُ	الصّبرُ	طويل	١	٩٥
اذا ما	قُطُرُ	"	١	١٢٥
تَعفّفتُ	العُمْرُ	"	١	١٤٣
لها	نُزُرُ	"	١	١٧٧ (ر= ٧: ٥٧)
فوالله	سِحْرُ	"	١	٢٨٢
جلال	زُهرُ	"	١	٤٤٨

صدر البیت	قافیہ	بحر	جلد	صفحہ
صُهابيّةٌ	غُثُرُ	طويل	٢	٢٠
وقرّبنَ	الخطرُ	"	٢	١٣٧ (ر= ٥: ٣٣٦، ١٢: ٥، ١٣: ١٣٢)
عجوزُ	الظّهرُ	"	٢	٢٣٤
تلعّبنى	الدّهرُ	"	٢	٢٣٩

صدر البيت	قافيته	بحر	مجلد	صفحة
				(١٢: ١٦١)
اذا ما	المُطَيّرُ	طويل	٦	١٨٦ (=
				(١٤: ١٦٧)
				(١٩: ١٥٥)
				(٢٠: ١٨٨)
جزيزُ	مُعْبَرُ	"	٦	٢٠٦ (=
				(٣: ٢٨٥)
				(١٨: ٢٥١)
وهبّت	يَجُرُ	"	٦	٢١٦
فأوّل	أعْجَرُ	"	٦	٢١٧
طَرِيد	يَتَعَذّرُ	"	٦	٢٢٢
عَلَى	سَنُعْذَرُ	"	٦	٢٢٣ (=
				(٤: ٣٣٠)
				(١٥: ١٢٤)
				(٣١٠)
ورُحنا	أعْسَرُ	"	٦	٢٣٩
ألا	عُنْصُرُ	"	٦	٢٨٩
لهم	غَضَنْفَرُ	"	٦	٣٢٩
وصَعْب	عَزْعَزُ	"	٦	٣٣٢ (=
				(١١: ١٨٥)

صدر البيت	قافيته	بحر	مجلد	صفحة
وأنتَ	المُتَغَوِّرُ	طويل	٦	٣٣٩
لها	مُصَوَّرُ	"	٦	٣٥٠
تَرَى	أنْضَرُ	"	٧	٧٠
صَرَتْ	تَنْعَرُ	"	٧	٧٨ (=
				(١٩: ٢٩٨)
أجِلّ كما	يَتَنَوَّرُ	"	٧	١٠٣
ألَيْلَى	تَذَكَّرُ	"	٧	١٠٥
عَشِيّةَ	هُوبَرُ	"	٧	١٠٨
وقافِيةٍ	تَوَاتَرُ	"	٧	١٣٧
فسائِل	المُوَغَّرُ	"	٧	١٣٩
أقام	مُيَسَّرُ	"	٧	١٦٠
سَمِينُ	أبْتَرُ	"	٧	٢٠٩
فكانَ	مُعْصِرُ	"	٨	٣١١
وأنتُم	تُهْدِرُ	"	٨	٣٣٨
ولكنّ	تُفَرْفِرُ	"	٩	٣٢
قَضْقَضَ	أصْعَرُ	"	٩	٨٩
تُبِينُ	تُبْشِرُ	"	٩	١٤٢
هُما	أجْدَرُ	"	٩	١٥٩
هَلِ النَّفْسُ	أشْهَرُ	"	٩	٢٤٥
أم السَّبُعِ	المُزَعْفَرُ	"	١٠	١١٠ (=

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
وسُودِ	نُعارُها	طويل	١	٣٧٧ (ر= ٢٥١:٤، ١١٣:١٧)
فانّ	عارُها	،	٢	٤١٦
فما رَوضة	عَرارُها	،	٢	٣٣٤
عَبِيَّة	خِمارُها (او حمارُها)	،	٢	٤٧٣ (ر= ٣٨٨:٧)
وسَوَّدَ	سارُها	،	٣	٦٨ (ر= ٥٧:٦)
نَهضنَ	غارُها	،	٣	٢٠١ (ر= ١٥٧:٦، ٣٤٣، ٣٤٧، ١٠:١٥)
وعادِية	وانبتارُها	،	٣	٢٠٣ (ر= ٣٣٢:٧، ٣٥٧:٨)
وما	نِعارُها	،	٥	١٥٩ (ر= ٢٩٩:٦، ١٦٦:١١)
فما	حِضارُها	طويل	٥	٢٧٦ (ر= ٢٢٢:١٥)
ترى	سُوارُها	،	٦	٥١
فانّ	شَنارُها	،	٦	٩٩
وطعنة	طوارُها	،	٦	١٧٩
أبىَ	نارُها	،	٦	٢٠١
فانّكَ	دارُها	،	٦	٢٢٠
فانّ	عِذارُها	،	٦	٢٢٤
هَل	غِبارُها	،	٦	٣٣٩
وذلكَ	مِرارُها	،	٧	١٦
ومُدَّعَسٍ	حمارُها	،	٧	٣٨٧ (ر= ٣٨٤:٨، ٩٧:١٣)
فما	اعتصارُها	،	٨	٢٥٥ (ر= ٣٢٦:١٩)
بأحسَنَ	انحِدارُها	،	٩	٣٠
ضَرُوب	شِفارُها	،	٩	٣٠٥
اذا	إزارُها	،	٩	٣٢٥
أعطيتُها	قِصارُها	،	٩	٣٨٨
بَنِى	أنكسارُها	،	١٠	٩٥

صدر البیت	قافیته	بحر	مجلد	صفحة
وأبْرأت	يُبْشِرُها	طويل	۴	۳۴۸
رأت	جُذُورُها	«	۴	۳۰۳ (= ۵: ۲۹۲)
تَقَاذف	صُدُورُها	«	۵	۳۰
بها	أُشُورُها	«	۵	۷۹
وأشرف	بَصِيرُها	«	۵	۱۳۲
فان	بَعِيرُها	«	۵	۱۳۷
اذاما	جَزِيرُها	«	۵	۲۰۶
ونُبّئتُ	يُحِيرُها	«	۵	۲۹۶ (= ۸: ۳۷۷)
تجُزُ	خَبِيرُها	«	۵	۳۱۰ (= ۱۳: ۴۹۳)
(راو تجُذ)				
أضرّ	قُصُورُها	«	۵	۳۲۳ (= ۹: ۲۸۸)
لعلّك	تَسُخيرُها	«	۵	۳۴۲ (= ۱۹: ۳۵۱)
قَرُبَتْ	ذُكُورُها	«	۵	۳۹۷
وفارق	سَرِيرُها	«	۶	۲۶

صدر البیت	قافیته	بحر	مجلد	صفحة
فإنْ	تَجُورُها	طويل	۶	۱۵۶ (= ۵: ۲۲۴)
نبيتنا	شَكِيرُها	«	۶	۹۴
بُرُوك	شَكِيرُها	«	۶	۹۵
عَلَى	شَكِيرُها	«	۶	۹۵
أما	ضَرِيرُها	«	۶	۱۵۶
بمُنْتَحة	ضَرِيرُها	«	۶	۱۵۶
فقيل	يَضِيرُها	«	۶	۱۶۶ (= ۱۰: ۱۰۳)
رأته	عَشِيرُها	«	۶	۲۵۰
تجرّد	عَصِيرُها	«	۶	۲۵۷
بساق	غَزِيرُها	«	۶	۳۴۰
وما	شَعِيرُها	«	۶	۳۴۶
وتهدية	يَغِيرُها	«	۶	۳۴۶
فما	تُثِيرُها	«	۶	۳۵۱ (= ۷: ۴۳)
(او تُثِيرها)				
وأتبعتُها	تَزُورُها	«	۶	۳۶۶
فلا	يَسْتَعِيرُها	«	۶	۳۷۴ (= ۱۹: ۳۹)

له في الاصل «جذورها»

صدر البيت	قافيته	بحر	مجلد	صفحة
اذاما	عِيرُها	طويل	١١	٧١
شَدَدتَ	جُبُورُها	«	١١	١٦٣
تَعَلَّقَهُ	نَذِيرُها	«	١٢	١٣٤
ما حُتِلَ	شَعِيرُها	«	١٢	٢٥٨
أَلَا	بَرِيرُها	«	١٢	٢٦٨
بِحَيثُ	صُدُورُها	«	١٢	٢٨٠
فَوَرَكَ	نَذِيرُها	«	١٢	٢٩٤ ر=
(او فَوَرَّكَ			١٨: ٢٠٠)	
أَلَم	سُتُورُها	«	١٣	١٥٥
ومِنهُ	صَبِيرُها	«	١٣	٤٣٢
وَعُجلَةٍ	قُدُورُها	«	١٣	٤٦٥
كأَنَّ	يَنشُورُها	«	١٣	٣٧١
يُنيلانِ	نَصِيرُها	«	١٤	٢٠٩
تَخَيَّرتُ	حُدُورُها	«	١٥	٢١٥
أَلَم	سَجِيرُها	«	١٥	٣١٨
وما	نُورُها	«	١٥	٤٣٤
أُجِدّاتُ	حُرُورُها	«	١٦	١١٥ ر=
(او أَجَرَّت			١٧: ٢٣٥)	
فصار	عِيرُها	«	١٦	٢٠٦
فلا	يَسِيرُها	«	١٧	٨٩

صدر البيت	قافيته	بحر	مجلد	صفحة
فلا	سَتَصِيرُها	طويل	١٧	١٦٨
اذا	شَكِيرُها	«	١٧	٤١٣ ر=
				(٤١٢ع)
تالِي	يَضِيرُها	«	١٨	١٣
وقل	فُجُورُها	«	١٨	٥٨
وإِنّي	اَستَشِيرُها	«	١٨	١٢٠
فإِنْ	نَصِيرُها	«	١٨	١٥٦
أَرِقْتُ	تُطِيرُها	«	١٨	١٨٣
فنشأنُكما	أُطُورُها	«	١٨	٢١٠
أَبا مالِكٍ	سُتُورُها	«	١٩	٣٦
فلمّا	فُجُورُها	«	١٩	٥٥
فلمّا	نَكِيرُها	«	١٩	١٢٤
اذا	صَغِيرُها	«	١٩	٢٥٥
نُقاسِمُهُم	صُدُورُها	«	١٩	٣٦٣
غَضِبتُم	غَمِيرُها	«	١٩	٣٧٧
رَأَتهُ	نَصِيرُها	«	٢٠	١٨
ظَلِلنا	فَتَصُورُها	«	٢٠	٢٠٩
فَبَيناهُم	صُخُورُها	«	٢٠	٢١٦
وإِنْ	حَفِيرُها	«	٢٠	٢٨٠
وللأَرضِ	قَفرٍ	«	١	١٤٨ ر=

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
				١٨٧")
ألا	الخمر	طويل	١	١٥٨ (=
				٢٣٣:٢")
وفينا	النّشر	"	١	٢٥٢
ألا انّ	مصر	"	١	٢٧٩
تلاعب	قفر	"	١	٢٨٧ (=
				١٥٣:٣"
				٢٠٤:٩"
				١٠٥:١٧"
				١٣٠:١٨")
وإنّي	الظّهر	"	١	٢٩١
إذا	الغفر	"	١	٣١٢
وأسمر	العشر	"	٢	١٦٥ (=
				٣٤:١٩"
				٥٦")
وإنّ	العشر	"	٢	٢١٧ (=
				١٩٩:١٦")
ولله	الفجر	"	٢	٤٣٥
ومختلق	البدر	"	٣	٣٢ (=
				٣٨٠:١١")

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
كأنّ	الصّدر	طويل	٣	٣٧
تحاذر	ضمر	"	٣	٥٢
حدجت	الوفر	"	٣	٥٥
فإنْ	خمر	"	٣	٢٢٠ (=
				٨٠:٨")
صبحت	البكر	"	٣	٢٢٠
كذوب	نفر	"	٣	٣٥٣
إلى	الغمر	"	٤	٧٣
إذا	الذّكر	"	٤	١٥٥
بكيت	فالغمر	"	٤	٣٠٠
أجارتنا	الخمر	"	٤	٣٢٤
فإن	يدري	"	٤	٣٥٧
أتيفد	الدّهر	"	٤	٣٦٦ (=
				٤١٣")
ألا	العفر	"	٤	٤٣٤
مودّة	تدري	"	٤	٤٧٠
وأخوت	يثري	"	٥	١٦ (=
				١٠٤:٩"
				٢٧٠:١٨")
وما	بشر	"	٥	٤٤

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
فلا	وُقُرِ	طويل	5	١٠٢
فَلَنْ	فالبِشْرِ	″	5	١٢٩
لعَمْرِی	البَكْرِ	″	5	١٧٠
وانی	نُمَيرُ	″	5	١٧٥
تَقَشَّفَ	جَسْرِ	″	5	٢٠٧
اولئك	حُجُرِ	″	5	٢٣٩
ويُصْبِحُ	حُجُرِ	″	5	٢٤١
فأخفيتُ	ذُوحُجرِ	″	5	٢٤٢
فجاذبتك	خَبَرِ	″	5	٣٠٩
فَدْ	عَمْرِو	″	5	٣٧٣
عَمْداً	الوِقْرِ	″	٦	١٦٥ (= ١٠: ١٠٣)
نَجُحُ	وَفْرِ	″	٦	٧٣ (= 5: ٣٨٦)
تَمُرُّ	شَفْرِ	″	٦	٨٧
وتَرْكَبُ	الحُمُرِ	″	٦	١٦٠
ولو	ظُفْرِ	″	٦	١٩٤
فَمَنْ	الظَّفَرِ	″	٦	١٩٩
ومِنْ	بالغُفْرِ	″	٦	٢٠٦
أَلَا	يُسْرِی	″	٦	٢١٤

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
دِيارَ	عُفْرِ	طويل	٦	٢٦٥
عَلَى	عُفْرِ	″	٦	٢٦٥
أبوكَ	الكُسْرِ	″	٦	٢٦٨ (= ١٩: ١٤٥)
اذا	خَمْرِ	″	٦	٢٨٩
أَلَا	يَدْرِی	″	٦	٣٨٢
سَقَى	قُمْرِ	″	٦	٤٢٧
سَقَى	القَطْرِ	″	٦	٤٣١
أَلَا	يُفْرِی	″	٦	٦٣
أما	النَّحْرِ	″	٧	٨٣
لقد	الجَمْرِ	″	٧	١٥٢
وفی	تَسْرِی	″	٧	٣٧٦
فلم	حُجُرِ	″	٧	٣٧٧
لقد	الظَّفَرِ	″	٧	٤١٤
وفَجٍّ	سُمْرِ	″	٨	٥٤
بحَرْشاء (او بجَرْشاء)	حُمْرِ	″	٨	١٦٩ (= ١٧: ١٣٥)
كساهُنّ	بالقَدْرِ	″	٨	١٧٧
يسائلنی	القَطْرِ	″	٨	١٨٥
فَرِشْنِی	يَبْرِی	″	٨	١٩٩

صدر البیت	قافیہ	بحر	مجلد	صفحہ
فغادرتُها	النَّتْرِ	طویل	٨	٢٤٦
وقدْ	القُتْرِ	″	٨	٢٦٥
كأنَّ	يُسْرِى	″	٨	٢٩٢
نَسِيل	القَطْرِ	″	٨	٣٢٠ (ر = راو نُسيل) ١٠:٣١٥، ١٤:٢٢٧، ٢٠:٩٥)
فإنْ	فالكَدْرِ	″	٩	٢٨٩
لَعامِظَةٌ	السَّفْرِ	″	٩	٣٤١
أبوكم	فِهْرِ	″	٩	٤١٢
أظُنُّك	الغَدْرِ	″	٩	٤٥٦
أناةٌ	الغُمْرِ	″	١٠	٩١
يُقَطِّعُ	الخَمْرِ	″	١٠	١٥٨ (ر = ١١:٢٣٩)
ونحنُ	فَخْرِ	″	١٠	١٩٦
اذا	خَبْرِ	″	١٠	١٩٧
وإنْ	القَطْرِ	″	١٠	٢٥٣
له	سِدْرِ	″	١٠	٢٩٨
تَشُبُّ	عُفْرِ	″	١٠	٣٠٣
سَرَوْينا	القَفْرِ	″	١٠	٤١٦

صدر البیت	قافیہ	بحر	مجلد	صفحہ
فطاروا	بالثَّمْرِ	طویل	١٠	٤١٩
نُقَلْقِلُ	صِفْرِ	″	١١	٦٤ ل
وإنّي	القَطْرِ	″	١١	١٩٦
أُقَلِّبُ	القَطْرِ	″	١١	٣٣٢ (ر = ١٨:١٨٢)
اذا	الصَّدْرِ	″	١٢	٢٠
لها	غَمْرِ	″	١٢	٣٥
لاخَيْرَ	ذاتَمْرِ	″	١٢	٢٠٢
اذا	الشِّعْرِ	″	١٢	٢٧٠
وأدْرَكَ	الكَدْرِ	″	١٢	٣٠٤
طَوَيْنا	بِشْرِ	″	١٣	٧٠
أخٌ	بلافِكْرِ	″	١٣	٢٤٥
أُساوِرُ	الدَّهْرِ	″	١٣	٤٨٩
أتانا	يَجْرِى	″	١٤	٣٤
كَسا	الخُضْرِ	″	١٤	٢٦٥
وهل	النَّفْرِ	″	١٤	٢٧٠
أما	والنَّحْرِ	″	١٤	٢٧١
فإنَّ	عَمْرِ	″	١٥	١٦
مِنْ	وِتْرِ	″	١٥	١٦٤
فَقَدْ	كَسْرِ	″	١٥	٢٧٧

ل انظر ایضا (١٧:٢٩٧)۔

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
أحاديث	صَبِّرِ	طويل	٦	١٤٨
ومَن	عَبقرِ	״	٦	٢٠٨
ليختلطنّ	مَعشّرِ	״	٦	٢٤٩
جارية	بمنشّرِ	״	٦	٣٥٩
وكنت	قمطرِ	״	٦	٤٤٩
فما	المكسّرِ	״	٦	٤٥٧
فقلت	تمشّرِ	״	٧	٢٢ (ر = ١٠: ٥٧، او وقلت)
أتته	المتمطّرِ	״	٧	٢٩
فجال	مبادرِ	״	٧	٤٢
سمالهم	بمنسرِ	״	٧	٥٩
اذا	المتنظرِ	״	٧	٧٥
لعمرك	بمنقرِ	״	٧	٨٩
يعلى	المعمّرِ	״	٧	٣٨٨
فلم	بمغتّرِ	״	٨	٣٣
وبيضاء	مقترِ	״	٨	٣٩٣
ترى	المزوّرِ	״	٩	٢٨٤
وأفنى	منظرِ	״	٩	٢٩٣
فلكت	جحدرِ	״	١٠	٥٠
يثابر	عشيرِ	״	١٠	١٣٠

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
لقد	جَعفرِ	طويل	١١	٣٣٦
وقد	المشهَّرِ	״	١٢	١٢
وتشكل	المنوَّرِ	״	١٤	١١٦
دخلت	مدوّرِ	״	١٤	٢٣٦
ترى	مجمرِ	״	١٥	٢٢
الى	منوّرِ	״	١٥	٦٣
وأعصفن	المشقّرِ	״	١٥	١٠٨
تأشن	بحترِ	״	١٦	١٥٧
وذو النجم	المقدّرِ	״	١٦	٢٩٠
قطعت	وأبشرِ	״	١٧	٢٨٠
فنهنهت	مجمرِ	״	١٧	٢٤٨ (ر = ١٨: ١٩٥)
فبات	معصّرِ	״	١٩	١٠٣
وساجية	مخضّرِ	״	٢٠	١٢٨
أماني	أقترى	״	٢٠	١٦٦
فلست	جعفرِ	״	٢٠	١٩٤
لقد	المشهّرِ	״	٢٠	٢٠٠
اذا	عنبرِ	״	٢٠	٢١٦
فإن	عامرِ	״	١	٢٩
فما	عامرِ	״	١	٩٧

له الطوالبيا (٢٠ : ٢٠٠)۔

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
أعاريبُ	المَقادرِ	طويل	١	١٠٩ (= ٦: ١٨٠)
ونُوم	الظّواهرِ	"	٢	٢١٧
تُلاعِبُ	الأباترِ	"	٢	٣٢٤
كأنّ	فاخرِ	"	٣	٣٧
فلو	الظّواهرِ	"	٣	٢٣٧
خلَعَتْ	زاجرِ	"	٣	٢٥٠
يَظَلُّ	قَراقرِ	"	٣	٣٩٠ (= ١٢: ٨١)
ولولا	الجرائرِ	"	٣	٤٢٤
وهُمْ	جابرِ	"	٣	٤٦٦
اذاما	فاخرِ	"	٤	٢٤
جَعَلْنَ	باكرِ	"	٤	٢٥١ (= ٨: ٧٥، ٨: ١٧٧)
حَذاها	المَعاوِرِ	"	٤	٢٥١
وسيّروا	الأباعرِ	"	٤	٣٥٦
سِوَى	ضامرِ	"	٤	٣٧٩
لَعَمْرُكَ	عامرِ	"	٤	٣٨٣
فَلَبّثها	بالكراكرِ	"	٥	٤٥

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
يَسُدّونَ	الأواصرِ	طويل	٥	٨٢
تَرَكْنَ	الأباترِ	"	٥	١٠١
وأَحْمى	تَراتِرِ	"	٥	١٧٠
تَبيتُ	المَخاطرِ	"	٥	١٩٤
تَرى	جابرِ	"	٥	٢٠٧
فما	حادرِ	"	٥	٢٤٥
حِضَجْرٌ	عاشرِ	"	٥	٢٧٨
فأبْصَرَ	النّواظرِ	"	٥	٢٨٣
مِنَ	الحَناجرِ	"	٥	٢٩٥
يَكادُ	بالخَناصرِ	"	٥	٣٢٥
اذا	البَهازرِ	"	٥	٣٣٢
فأُقْنِعُ	الزّنابرِ	"	٥	٤٢٠
وأَحْمى	ساجرِ	"	٦	٩
هُنالكَ	بالجرائرِ (راو بالجرائر ٧: ٢٠٨، الجزائري) ١٣: ٥٧)	"	٦	٤٣ (=
يَلوحُ	المَشاعرِ	"	٦	٨٠
فلَوْ	المَشافرِ	"	٦	٨٨
لعَلّ	صادرِ	"	٦	١١٩
عَجِبْتُ	الضّغادرِ	"	٦	١٥٩ (=

صدر البيت	قافيته	بحره	جلد	صفحة
ومضروبة	كسروا	طويل	٢	٣٥
قد	سدرا	»	٢	٣٧ (= ١٤ : ١٠٨)
قرعت	قسرا	»	٢	١٦١ (= ١٠ : ١٣٥، راو قشرا)
طوتها	غبرا	»	٢	٢٥٦
نقلت	قدرا	»	٢	٣٧٩ (= ٣ : ٢٨٦، ١٨ : ٢٣٢)
أخاف	سمرا	»	٣	٥٦
ونحن	خمرا	»	٤	٦٠ (= ١٨ : ٢٥٩)
فيا	الدهرا	»	٤	١٦٢
تعاقد	بهرا	»	٤	٣٥٥ (= ٥ : ١٤٨، راو الأيا) ١٤٩)
سقى	والغمرا	»	٥	١١٥
وقوفا	بكرا	»	٥	١٣٥
وصفراء	عذرا	»	٦	٢٢٥ (= ٣٢٥، راو وخضراء)

صدر البيت	قافيته	بحره	جلد	صفحة
وعوراء	عذرا	طويل	٦	٢٩٤
وسقط	وكرا	»	٦	٢٩٧
هو	الغفرا	»	٦	٣٣١
ولاقت	نفرا	»	٧	٩٧
جماد	الحمرا	»	٧	٢٧٩ (= ١٢ : ١٧٥، ١٥ : ٢٣٥)
كأن	ضبرا	»	٨	١٢
تعفت	كدرا	»	٨	٢٥٩
وبيضاء	خزرا	»	٨	٣٩٢
اذاما	صخرا	»	٩	١٨
بساتين	شقرا	»	٩	٨٩ (= ١٨ : ٤٤، ٢٠ : ٥٠)
ووجه	كسرا	»	٩	١١٧
وسوداء	صبرا	»	١١	١٢٦
أوفيكما	العشرا	»	١١	٢١١
وأبيض	قسرا	»	١١	٢٦٤
طباقاء	عطرا	»	١٢	٨٣
قلائص	قفرا	»	١٢	٣٦٥

صدر البيت	قافيته	بحر	مجلد	صفحة
ولوكهم	صخرا	طويل	١٢	٣٧٣
تديم	صعرا	»	١٢	٤٠٠
هم	دثرا	»	١٣	١٥٩
أسم	قفرا	»	١٣	٤٤١
وسفعاً	حمرا	»	١٦	٢٠٠
اذاما	حمرا	»	١٧	١١٩
وشعب	سمرا	»	١٧	٢١٣
وكنت	المحشرا	»	١٧	٢٥٠
واصفرا	خضرا	»	١٨	١٠١
أباكرب	عمرا	»	١٩	٦٢
واقسم	صدرا	»	١٩	١٢٤
أخوها	عفرا	»	١٩	٢٢٣
ألا	ذكرا	»	١٩	٣٧٧
فأصبح	وقرا	»	٢٠	٢١٠
الى	الامرا	»	٢٠	٢٣٩
تنازعها	تحدرا	»	١	٤٤ =(٤٠:٤)
وأعظم	مقترا	»	١	٢٢٠
رموها	المنفرا	»	١	٢٣٩
من	قيصرا	»	١	٣٢٦

صدر البيت	قافيته	بحر	مجلد	صفحة
ولا	معصرا	طويل	١	٣٤٩ =(١٥:٧)
فذرهم	أكثرا	»	١	٣٩٢
عليهن	أسمرا	»	١	٤٣٤ =(١١:١١٧، ١٢١، ١٦٠:١٥)
	(راو أغبرا)			
ألم	لأكبرا	»	١	٤٤٠ =(٤٨:٣، ١٢:٣)
نقوم	تغيرا	»	٢	٤
فصوبته	أحضرا	»	٢	١٢٣ =(١٩٩:٩، ٣٥٠:١٩)
كثور	تحدرا	»	٢	٧٢ =(١٨٦:٢٠)
وشبهتهم	مقترا	»	٢	١٤٥
ويخبرني	مخبرا	»	٢	١٤٩ =(٢٣١:٢٠)
له الويل	يشكرا	»	٢	١٥٦

فروری سنہ ۱۹۳۰ء

ضمیمہ

اورینٹل کالج میگزین

من جانب

عربک اینڈ پرشین سوسائٹی

پنجاب یونیورسٹی

لاہور

نوٹ :- ضمیمہ صرف عربک اینڈ پرشین سوسائٹی کے ممبروں اور ضمیمہ کے خریداروں میں تقسیم ہوتا ہے
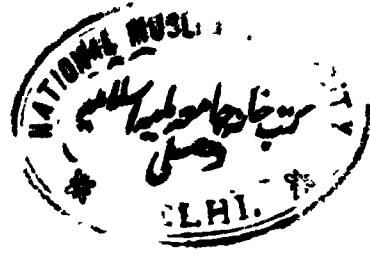
فہرست مضامین

ضمیمہ فروری ۱۹۴۰ء

گیلانی الیکٹرک پریس ہسپتال روڈ لاہور میں باہتمام لالہ ایشر داس پرنٹر طبع ہوا۔ اور
بابو صدیق احمد خاں نے اورینٹل کالج لاہور سے شایع کیا

(۴۳۵) کمال الدین ابوزید عطّاف بن علیّ بن دُبَیس الأسَدیّ الامیر

کان من اولاد الامراء[1] الاسدیین، وله معرفة بالطعن و الضرب والفروسیة وکان ممدّحا،

(۴۳۶) کمال الدین ابوالحسن علیّ بن ابراهیم الشاعر

کان من الشعراء الادباء، ومن شعره:—

لیس المقادیر طوعا لامرء ابدًا ۔ وانّما المرء طوعٌ للمقادیر

فلا تکن ان تنت بالیسر ذا اشر ۔ ولا یؤوسًا اذا جاءت بتعسیر

وکن قنوعًا بما یأتی الزمان به ۔ فیما ینوبک من صفو و تکدیر

فما اجتهاد الفتی یومًا بنافعه ۔ وانّما هو ابلاء المعاذیر

(۴۳۷) کمال الدین ابوالحسن علیّ بن احمد بن زید العَلَویُّ المَوصِلیّ الشاعر النقیب

کان من بیت السیادة والنقابة، وکان یتأدّب قال، قولهم: النقابة، من التنقّب وهو البحث والتعرّف، قال الله جلّ و عزّ: فَنَقَّبُوا فِي الْبِلَادِ[2]، ومعناه صاروا فی نقوبها وطرقها، وقوله تعالی: وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا ط[3]، اراد به الضمین و الامین، واستعمل فی زعیم الاسرة الطاهرة،

(۴۳۸) کمال الدین ابوالحسن علیّ بن احمد بن سعید الرُهاویّ الصوفیّ

---

[1] ابوه علیّ بن دبیس آخر ملوک الدولة المزیدیّة بالحلّة توفی سنة ۵۲۵ھ، [2] القرآن الکریم سورة قٓ (۵۰) الآیه ۳۶، [3] القرآن الکریم سورة المائدة (۵) الآیه ۱۲،

کان من الصوفیۃ العارفین قال: اذا لبس الصوفی بصدق الارادۃ لباس شیخہ سری الیہ من صفات الشیخ وحقائقہ واسرارہ ما لو عبّر معبّر عنہا لقضی منہ العجب، وقد قال النبیّ صلّی اللہ علیہ وسلّم: من تشبّہ بقوم فھو منھم؛

(۴۳۹) کمال الدین ابوطالب علیّ بن احمد بن علیّ السُّمَیْرُمیُّ[1] الوزیر[2]

ذکرہ محب الدین محمّد بن النجّار وقال: کان یقدم بغداد کثیراً وسکنہا مدّۃً وحکم بہا وابتنی بہا داراً علی دجلۃ و کان ظالماً سیّئ السیرۃ، وقال قوام الدین البنداری[3]: کان کمال الدین ذو فطرۃ زکیۃ ونفس ذکیۃ وکانت سمیرم من نواحی اصبہان فی معیشۃ کہرخاتون وکان ابوکمال الدین

---

[1] سمیرم بلدۃ من کورۃ اصطخر بین اصفہان وشیراز فی نصف الطریق مراصد الاطلاع ص ۲۲۳ بما بعدہا، لسترینج ص ۲۷۰، ۲۸۳، [2] کان وزیراً للسلطان محمود بن محمد بن ملکشاہ السلجوقی (۵۱۱-۵۲۵ھ)

[3] ھو قوام الدین الفتح بن علیّ بن محمد البنداری صاحب تاریخ دولۃ آل سلجوق الذی استفدنا منہ فی مواضع من ھذہ الحواشی۔ طبع ھذا الکتاب مرّتین مرّۃً: بمصر بالاسم الذی اثبتناہ ھہنا ومرّۃ بلیدن باسم زبدۃ النصرۃ [4] ولفظ البنداری فی النسخۃ التی بین یدینا من کتابہ: کان کمال الملک علیّ بن احمد من مدینۃ بقرب اصفہان یقال لہا: سمیرم؛ اھلہا ذوو فطرۃ زکیۃ و فطنۃ ذکیۃ وکانت ھذہ المدینۃ فی معیشۃ کہرخاتون زوجۃ السلطان [محمّد بن ملکشاہ] وابوکمال الملک زارع غلّاتہا؛ وھذا لا یفید الثناء علی کمال الملک بل علی اھل سمیرم،

ينظر فيها[1] وكان كمال الدين يقول قد استحييت من التكدّي
وظلوم من لا ناصر له[2] ولما عزم على الخروج من بغداد
ركب في موكب عظيم واجتاز بسوق المدرسة التُتُشيّة[3]
فوصل الى مضيق هناك فوثب اليه رجل من دكّة هناك
فضربه بسكّين فوقعت في بغلته وهرب الضارب فتبعه
الغلمان فظهر رجل آخر وضربه بسكّين في خاصرته
ثم ضربه مرّة أخرى وكان قتله في سلخ صفر سنة
ست عشرة وخمسمائة[4]،

(٢٤٠) كمال الدين علي بن احمد بن علي،

ذكره شيخنا صدر الدين ابراهيم بن شيخ الشيوخ سعد الدين
محمد بن حَمُّويه الحمّويي الجويني في مشيخته،

(٢٤١) كمال الدين ابو محمد علي بن احمد بن عمران الدُّنَيْسِري الكاتب

من كلامه في تقليد :— أمره بالتقوى التي هي اوثق معتصم
واقوى ملتزم، وخير الزاد للعباد، وازكى العتاد يوم المعاد،
فانّها الوَزَر والملجأ الحصين، والعروة الوثقى التي من استمسك

---

[1] لم اظفر بهذه الرواية عند غيره وما ذكره بعده لا يوجد بهذا التفصيل عند البنداري لكنه يوافق لما يذكره ابن الاثير في الكامل ج ١٠ ص ٢٥٦، بالاختلاف قليل، [2] وكان قد خلف من السلطان محمود يوم عند ما عاد من بغداد الى همذان، كما ذكره البنداري، [3] منسوبة الى بانيها خمارتكين التُتُشي، كما ذكره ابن الاثير، [4] هكذا ذكره ابن الاثير وهو الصحيح، وذكر البنداري انه كان سنة ٥١٥ﻫ،

بسببها فقد اوی من النجاة الی ربوة ذات قرار ومعین،

(۴۴۲) كمال الدين ابو القاسم علي بن جمال الدين احمد ابن ابي نصر يحيى ابن الصلايا العلوي المدايني نقيب المشهد الحائري

ذكره شيخنا جمال الدين ابو الفضل ابن مهنا الحسيني وقال: رتبه الصاحب علاء الدين عطا ملك بن محمد نقيب الاسرة العلوية بالمشهد الحائري في ذي الحجة سنة اربع وسبعين وستمائة وكتب تقليده ابو الفضل ابن المهنا عن لسان الصاحب وجرت له واقعة عجيبة، وهو انه اتفق في بعض المغاور مع جماعة من اصحابه وانضم اليهم عدة من المغول و طمعوا فيه فكتفوه ورموه في دجلة، وضربوه بالنشاب، وكان ضخماً مسمناً فبقي على رأس الماء يسير نحو فرسخ حتى لقفيه [؟ لقفيته] سفن الصيادين، فاخذوه وفيه رمق، وكان الفصل شتاءً فدثروه، وحملوه الى المداين، وبقي بعد ذلك مدة، واتفق وفاته بسبب دمل ظهر عليه فتوفي في اول يوم من رجب سنة ثمان وسبعين وستمائة،

(۴۴۳) كمال الدين ابو محمد علي بن ارسلان بن عبد الله الاربلي الاديب

[ق ۶ / ۳۸ ه]

كان من الادباء الفصحاء، رأيت له رسائل واستشهادات حسنة فمما كتبه من جملة رسالة وقد سافر الى بعض الجهات،

---

(۱) راجع تاريخ العراق ج ۱ ص ۲۹۰،

من كان يقضي لاولادي حوائجهم ... او كان يوسعهم رحبًا وتسليمًا
لاقضينّ اذا ما ابتُ حاجتهُ ... ولو ترقّت الى الشهب السلاليما

(٢٢٢) كمال الدين ابو الحسن علي بن اسحاق بن سهلان البغدادي الفقيه

سمع الكثير على شيخنا محيى الدين ابي محمّد يوسف بن الحافظ جمال الدين ابي الفرج بن الجوزي سنة ثلاث وخمسين وستمائة[1]،

(٢٢٥) كمال الدين علي بن سعد الشرف الحسن ابن الحسين بن علي بن طاؤس الحسنيّ السّوراويّ نائب [النقباء]

من البيت الطاهر واولاد السادة النقباء والائمة النجباء، صحبناه في خدمة النقيب الطاهر رضي الدين المرتضى عليّ[2] ابن طاووس الى معسكر السلطان غياث الدين محمّد خدابنده في سنة اربع وسبعمائة وكان دمث الاخلاق جميل المعاشرة ولم يكن عنده تحصيل لشيئ من العلوم،

---

[1] احترقت الترجمة من ترجمة علي بن ارسلان كما نبّه عليه المصنّف، [2] هو رضي الدين علي بن رضي الدين ابي القاسم علي بن موسى ابن طاووس ذكره صاحب عمدة المطالب (ص ١٦٩) ولم يذكر سنة وفاته اما والده رضي الدين ابو القاسم عليّ فمن معظّم رجال الشيعة ومن الذين اشتهروا بالكرامات عندهم توفّي سنة ٦٦٤هـ وترجم له صاحب روضات الجنات في كتابه (٣٩٢ بما بعدها)،

(٤٤٦) كمال الدين ابو المناقب علي بن الحسن بن عبد الله الفارسي الاديب الصوفي الحكيم

رأيته في مخيم مولانا زين الدين ابي حامد محمد بن شيخنا شمس الدين الكيشي وله سماع بالاخبار التي رواها رتن[1] الهندي فسمعتها منه في سر اوسنة خمس وسبعمائة بالمخيم الصاحبي وسمعها بقراءتي منه جماعة منهم هبة الدين ابو العباس احمد العباسي المأموني الصوفي ،

(٤٤٧) كمال الدين ابو القاسم[2] علي بن الحسن بن علي ابن الجوزي البكري البغدادي الفقيه المعدل ،

كتب الكثير بخطه وكان من عدول اقضى القضاة نظام الدين البندنيجي وسمع الكثير على عمه شيخنا الصاحب محي الدين يوسف ابن الحافظ ابي الفرج بن الجوزي سنة ثلاث وخمسين و ستمائة وتوفي في سنة خمس وسبعين وستمائة ورأيت بخطه عدة اجزاء من كتاب المنتظم وقد انتخبه ،

(٤٤٨) كمال الدين ابو القاسم علي بن الحسن بن محمد الصفار الاسفرايني المحدث

---

[1] هو رتن بن نصر بن كربال الهندي البترندي ابو الرضا كان رجلاً معمراً ادعى في القرن السابع انه رأى النبي صلى الله عليه وسلم وروى منه احاديث وله قصص عجيبة، لترجمته الى الفوات للكتبي ج ١ ص ١٦١ ودائرة المعارف للبستاني ج ٨ ص ٥٥٣ ومن اخباره نسخ بمكتبتي برلين وليدن [2] اخرت الترجمة من ترجمة علي بن الحسن بن عبد الله كما اشار اليه المصنف ،

صاحب کتاب الاربعین فی شعب الدین،

(۴۴۹) کمال الدین ابوالحسن علیّ بن شرف الدین ذی النون بن احمد المعدنیّ الادیب الناسخ

قدم اذربیجان سنة ستّین وستمائة واستصحب معه الخطب المعدنیة من تصنیف والده، اجتمع به شیخنا رشید الدین ابوطالب یحیی بن محمّد بن زید الهمدانیّ وکتب عنه اناشید منها:—

شَقِینا بالنوی زمنًا فلمّا تلاقینا کانّا ما شقینا

سخطنا بعض ما جنت اللّیالی فمازالت بنا حتّی رضینا

فمن لم یحیی بعد الموت یومًا فانّا بعد ما متنا حیینا

(۴۵۰) کمال الدّین ابوالحسن علیّ بن شجاع بن سالم

ابن علیّ بن موسی بن حسّان بن طوق وطوق لقبُ اسمه عبید الله بن سند بن علیّ بن محمّد بن الفضل بن علیّ بن عبد الرحمن بن علیّ بن موسی بن عیسی بن موسی بن محمّد بن علیّ بن عبد الله بن [العبّاس] العباسیّ المصریّ المحدّث المقریٔ المتصدّر بالجامع،

حدّث بمصر بفوائد حدیث ابی عبد الله مالک بن انس الاصبحیّ امام دار الهجرة بسماعه من الشیخ الثقة ابی القاسم هبة الله بن علیّ بن مسعود الانصاریّ المعروف بابوصیریّ فی شوال سنة سبع و

---

[1] المتوفیّ سنة ۶۶۱، [2] المتوفیّ سنة ۶۷۹، وفیات ۱: ۵۵۵، [3] المتوفیّ سنة ۵۹۸م، الوفیات ۲: ۲۵۱،

ثمانین وخمسمائة قال اخبرنا الشیخ الصالح ابو صادق مرشد[1]
ابن یحیی بن القاسم بن علی بن محمد بن خلف المدینی فی
ذی القعدة سنة ست عشرة وخمسمائة عن القاضی
ابی الحسن محمد بن علی الازدی عن یوسف بن یعقوب
النجیرمی[2] عن ابی خلیفة الجمحی[3] عن ابی الولید[4] عن مالک
فسمعه منه صفی الدین سلیمان بن زهیر بن ابی الفخر و
عماد الدین حسین بن الشیخ المسمع وزین الدین احمد
ابن ایوب بن موسی فی آخرین سنة خمس وثلاثین وستمائة،

(۴۵۱) کمال الدین ابو محمد علی بن عبد الله بن عبد الرحمن الاردبیلی الخطیب

قال خرج المأمون لیلة متنکرا فمر برجل یکنس کنیفا وهو
یقول:ـ

واکرم نفسی عن امور کثیرة	الا ان اکرام النفوس من العقل
وارباً بالفضل المصون عن الاُلی	رأیتهم لا یکرمون لنا الفضل
وماشاننی کنس الکنیف انما	یشین الفتی ان یستعین ذوی البذل
واقبح مابی من وقوفی مؤملا	نوال فتی مثلی واین فتی مثلی

فاستخلصه لمنادمته وجعله من صحابته الذین یلوذون بسدته،

---

[1] المتوفی سنة ۵۱۷ھ، الشذرات ۴: ۵۷، [2] هو ابو یعقوب النجیرمی المتوفی سنة ۳۷۰ھ ونجیرم محلة بالبصرة، الشذرات ۳: ۷۵، [3] هو الفضل بن الحباب المتوفی سنة ۳۰۵ھ، تذکرة الحفاظ ۲: ۲۱۸، [4] هو هشام بن عبد الملک الطیالسی المتوفی سنة ۲۲۷، تذکرة الحفاظ ۱: ۳۷۶ ومابعدها،

(۲۵۲) کمال الدین ابو محمد علی بن عبد الرحمٰن البادرائی الکاتب

حکی فی المفاوضة قال: دخل عیسی بن محمد علی ابراهیم الحربی وهو مریض وقد کان یحمل ماءه الی الطبیب، و کان یجیئ الیه ویعالجه، فجاءت الجاریة وردت الماء وقالت مات الطبیب؛ فبکی ابراهیم وانشد:-

اذا مات المعالج من سقام ... فیوشک للمعالج ان یموتا

وانشد:-

والصبر لاشک محمود عواقبه ... لکنني خائف ان یسبق الاجلا

(۲۵۳) کمال الدین ابو الحسن علی بن تاج الدین عبد الرحیم

ابن محمود بن مودود یعرف بابن بلدجی الموصلی الفقیه، من البیت المعروف بالفقه والعلم والحدیث، وقد ذکرت جماعة من اهله علی ما اقتضاه ترتیب الکتاب، وولی فی ایام ابیه وکتب فی الوقوف وغیرها قرأت بخطه، قال: مدح شاعر بعض الوزراء فوعده وتردد الیه فلم یعطه شیئاً

---

[۱] نسبة الی بادرایا قریة من اعمال واسط، لب اللباب ص ۲۵، [۲] هو ابراهیم ابن اسحٰق الحربی (۱۹۸ - ۲۸۵ھ) [۳] منهم مجد الدین عبد الله بن شهاب الدین محمود ابن مودود المتوفی سنة ۶۸۳ھ، مجمع الآداب (نسخة المکتبة) ورق ۷۷ ب ۷۸ الف وفی الجواهر المضیئة ایضاً ذکر بعض من اهله، ر: ج ۱ صفحات ۲۹۱، ۲۹۸، ۳۲۱، ۳۲۷ و ج ۲ ص ۱۶۲،

فجاءه بابنه وقال :-

قد جئت بابني فاعرفوا وجهه ... ليأخذ النائل من بعدی

فليس في النقد برأيي ارى ... قبل مماتي ساعة الرفد

(۴۵۴) كمال الدين ابوالحسن علیّ بن عبدالعزيز بن ابی محمّد بن نعمان بن بلال المعروف بالخلعیّ الموصلیّ الخفاجیّ[1] الشاعر

ذكره كمال الدين ابن الشعار فی كتاب عقود الجمان وقال كان والده من قرية ايوب من نواحی الحلّة المزيدية نزل الموصل وتأهّل بها وولد علیّ هذا بالموصل وكان يتشيع وله طبع سهل فی نظم الاشعار ومن شعره :-

انا عارف بصفات حبك جاهل ... متحيّر لم ادرِ ما انا قائل

ان قلت بدر فالبدور نواقص ... عند التمام ووصف حسنك كامل

او قلت فی ايات وجهك من ايا ... ة الشمس معنیً فهی نور زائل

وهی طويلة وشعره كثير وتوفی سنة تخمس وستمائة،

(۴۵۵) كمال الدين ابوالحسن علیّ بن ابی العزّ يعرف بابن القويقی واصلهم من حلب وينسبون الے نهر قويق[2] النيل[3] فقيه الشيعة

كان عالماً بالفقه والحديث حافظاً لما جاء فيه من الاختلاف وكان اصله من حلب سكن النيل، واستوطنها ، و

---

[1] نسبة الی خفاجة بن عمرو بن عقيل، لب اللباب ص ۹۵، [2] وهو نهر يستقی منه اهل حلب، ۷، جغرافية فلسطين ص ۲۲۳، [3] وهی بليدة قرب الحلّة،

رزق الاولاد النجباء وهم فقهآ[ء] وادباء، وتوفی فی ثانی جمادی الاخرة سنة اربع وسبعین ومولده سنة عشرة وستمائة بالنیل،

(۴۵۶) کمال الدین ابوالحسن علی بن ابی علی عسکر ابن ابی نصر بن ابراهیم نزیل بغداد الحَمَوی ثم البغدادی العارض

کان صدراً کاملاً، ورئیساً فاضلاً، وکان من جیراننا فی المحلة الخاتونیة الخارجة وحضرت مجلسه فی خدمة والدی تاج الدین فی جماعة کانوا یسمعون علیه کتاب مُعجَم الأُدَباء بروایته عن مصنفه یاقوت[1] مولاهُم تبتنی فی ذلک شیخنا جلال الدین بن عکبر وکان ممّن یحضر المجلس قال شیخنا تاج الدین فی تاریخه رتّب کمال الدین ناظر المدرسة المستنصریة سنة احدی واربعین وستمائة، ثم رتّب مشرف البلاد الحلّیة ورتّب عارض الجبوس سنة خمسین وستمائة ولم یزل علی ذلک الی ان استشهد فی الوقیعة سنة ست وخمسین وکان[2] یاقوت عتیق والده اعتقه یوم وُلد له کمال الدین،

---

[1] هو شهاب الدین ابوعبدالله یاقوت بن عبدالله الحموی المتوفی سنة ۶۲۶، وفیات ج ۲ ص ۲۷۷-۲۸۳، [2] وقال ابن خلکان: ثم جرت بینه وبین مولاه نبوة اوجبت عتقه، فابعده عنه وذلک فی سنة ۵۹۶ھ الی ان قال: ثم ان مولاه الوی علیه بعد مدة الخ، وفیات ص ۳۲۸،

(۴۵۷) كمال الدولة ابوعلىّ بن ابى الفرج، يعرف بابن الداعى الاسرائيلىّ الاربلىّ الحكيم

هو من الحكماء الذين ادركتهم ولم اجتمع بهم، حكى لى مولنا نجم الدين احمد بن علىّ بن البوّاب البغدادىّ، قال، قدم كمال الدولة ابن الداعى فى حضرة السلطان هولاكو، واجتمع بخدمة مولنا نصير الدين، وكان فصيحًا ذا السنّ، عالمًا بالحساب والهيئة، وكان يتأدّب، وانفذه السلطان الى حضرة اخيه منكوقان سنة سبع وخمسين وستّمائة، وانشد نى من شعره:

ذات اللما الآشفيت ذا الكمد — بنهلة من رشفت ذيّال البرد

جلّ جناب الرضاب ان يكو — ن فى الهوى شريعة لمن ورد

منها:

هاتان حقّان من البلّور رام — من عنبر اشهب والغطاء ند

ومنها:

فويق قوس الحاجبين المشترى — وعقرب الصدغ به مرّيخ خد

(۴۵۸) كمال الدين ابو منصور علىّ بن القاسم بن عبدالله البلخىّ المقرى

كان من القرّاء العارفين بوجوه القراءات.

(۴۵۹) كمال الدين ابوالقاسم علىّ بن ابى السعادات محمّد ابن علىّ بن الناقد البغدادىّ الحاجب

ذكره شيخنا تاج الدين فى تاريخه وقال، كان شابًّا ذكيًّا سريًّا من محاسن الناس، وعنده فضل وادب، ويحفظ الكثير

من مقطّعات الاشعار، وانشد في كثيرا من محفوظاته، وكانت وفاته يوم الخميس العشرين من المحرّم سنة عشرين و ستّمائة، ومولده في المحرّم سنة ثمانين وخمس مائة،

(٤٦٠) كمال الدين ابوالحسن علىّ بن محمّد بن المبارك يعرف بابن الاعمى الدمشقىّ الاديب

سمع على ابن اللتىّ وهو من الشعراء المشهورين، ومولده في الخامس والعشرين من شهر رمضان سنة عشر وستّمائة وكتب لنا الاجازة من دمشق في منتصف صفر سنة ثلاث وثمانين وستّمائة،

(٤٦١) كمال الدين ابوالحسن علىّ بن محمّد بن محمّد ابن وضّاح الشهرابانى ثمّ البغدادىّ الفقيه المحدّث المدرّس

ذكره شيخنا ظهير الدين علىّ بن محمّد بن الكازرونىّ في تاريخه وقال، كان شيخنا منوّر الوجه كيّسًا طيّب الاخلاق عارفًا بمذهب الامام احمد، وبالاحاديث النبويّة، من تصانيفه كتاب الدّليل الواضح الى اقتفاء نهج السلف الصالح وكتاب الرّدّ على اهل الالحاد وكتاب مدح العلماء وذمّ الغناء، وكان مولده في رجب سنة تسعين وخمسمائة، وتوفّى يوم الجمعة ثالث صفر سنة اثنتين وسبعين وستّمائة اجتمع له عالم

ك توفّى سنة ٦٩٢هـ، ك هو ابوالمنجا عبد الله بن عمر بن علىّ (٥٤٥ — ٥٦٣٥)،

ك شهرابان بلدة قرب دسكرة الملك على طريق خراسان، المستوفى ص ٦٢،

لا تحصی وشدّ تابوته بالحبال، وحمل علی الانامل الی
مقبرة الامام احمد، ودفن تجاه قبره قلت: ولی منه اجازة[۱]
وکان صدیق والدی وقد رأیته قبیل الواقعة وترددت
الیه فی خدمة والدی رحمهما الله، وکتب الکثیر بخطه
الرائق من الکتب المطوّلة والمختصرة،

۲۶۲) کمال الدین ابو القاسم علیّ بن محمّد بن نصر الحلبیّ المؤدّب

کتب الی بعض اصحابه:-

اذا شئت ان تستقرض المال منفقاً ... علی شهوات النفس فی زمن العسر
فسل نفسك الاقراض من کیس صبرها ... علی کل ما تهوی الی زمن الیسر

۲۶۳) کمال الدین ابو الفضل علیّ بن محمّد بن یوسف یعرف بابن النبیه المصری الکاتب الشاعر

کان من مفاخر المصریین ومحاسن الشعراء العصریین حسن
المعانی انیقها عذب الالفاظ رشیقها وکان یتولی بمصر
دیوان الخراج واتصل بخدمة الاشرف[۱] بن العادل ولازم
حضرته ودیوانه موجود[۲] ومن مقطعاته:-

خدمت[۳] بدیوان المحبة ناظراً ... علی غرة یا لیتنی فیه عامل
وحاسب فرط السقم جسمی فلم یکن ... بواقیه الا اعظم ومفاصل

---

۱ هو ابو الفتح موسی بن سیف الدین ابی بکر بن ایوب صاحب الجزیرة
۵۷ - ۶۳۵ھ) ۲ ر: معجم المطبوعات لسرکیس عمود ۲۶۲، ۳ لم نجد هذه
نطعة فی دیوانه، ولا عند غیره،

ولہ :۔

وبی هندسی الشکل یسبیک لحظه — وخال وخد بالعذار مطرز

ومذ خط برکار الجمال بخدّه — کقوس علمنا انما الخال مرکز

وکانت وفاته بنصیبین سنة تسع عشرة وستمائة ،

(۴۶۴) کمال الدین ابو محمد علی بن محمد القیّمی الصوفیّ

ذکر ان بعض الظرفاء حضر عند جماعة یتجارون ذکر العُور وغیره فقال احدهم: من کان اعور فهو نصف رجل، وقال اخر: من کان عَزَبًا فهو نصف رجل، وقال اخر: من لا یحسن السباحة فهو نصف رجل، فقام الیهم ذلک الرجل فقال: ان کان ما ذکرتموه حقاً فانا احتاج الی نصف رجل یستمنی لا شیئ ،

(۴۶۵) کمال الدین ابو الحسن علی بن محمود بن مظفّر نزیل بغداد العبادیّ العَقَرقُوفیّ ناظر المستنصریّه

من اکابر الصدور ببغداد ولی الاعمال الجلیلة وتولّی نظارة المستنصریّة وتنقّل فی المناصب الاثیلة وهو من بیت معروف بالنّباهة والولایة وله نسب متصل الی العرب روی لنا عنه ولده العدل المُنعم نجم الدین وشیخنا العدل رشید الدین

---

[1] وفی الفوات (ج ۲ ص ۸۱) : ومذ خط بیکار الجمال عذاره ، [2] عَقَرقُوف قریة من نواحی نهر عیسی بینها وبین بغداد اربعة فراسخ الی جانبها تل عظیم من اثار بابل ، ر ، معجم البلدان ، مراصد ، لسترنج ص ۶۷ ،

محمد بن ابی القاسم المقری وشیخنا تاج الدین ابو علی بن ابی علی الفردیثی وقال شیخنا رشید الدین انشد فی من ابیات :-

نقول ولکن این من یتفهم ... ویعلم وجه الامی الامی مبهم
وما کل من قاس الامور وساسها ... یوفق للامر الذی هو احزم

وتوفی فی لیلة الخمیس الخامس والعشرین من ذی القعدة سنة خمس وثمانین وستمائة ودفن بداره ،

(٤٦٦) کمال الدین ابو الحسن علی بن محمود بن نصر ابن عبد المجید البغدادی الادیب

قرأت بخطه لابی الفرج الاصبهانی[1] :-

ولما انتجعنا لائذین بظله ... اعان وما عنّی ومنّ وما منّی
وردنا[2] نداه[3] مقترین فراشنا ... وردنا ذراه مجدبین فاخصبنا

وقرأت بخطه :-

احکمت عرسه ضروب الاغانی ... من ثقیل فی رأسه وخفیف
ونمنت علیه کل الملاهی ... غیر ما وحده لمعنی لطیف
فقضیبا لاسمه ونایا لشکل ... وربابا[4] للجر والتصحیف

(٤٦٧) کمال الدین ابو الحسن علی بن المقرب بن الحسن ابن عزیز العیونی البحرانی الشاعر

ذکره یاقوت الحموی وقال[5] : لقیته بالموصل سنة سبع عشرة

---

[1] هو علی بن الحسین المتوفی سنة ٣٥٦ھ ، [2] وفی الوفیات (١ : ٣٢١) وردنا علیه ، [3] وفیات : نداه ، [4] ا : ربابا ، [5] معجم البلدان ، مادة ، العیون ، (ج ٣ ص ٧٦٦) حکایة لقوله بغیر لفظه ،

وستمائة وكان قد مدح بدر الدين واكابر البلدة فنفق[1] عليهم واكرموه[2] ومن القصيدة التى مدح بها بدر الدين

حُطُّوا الرِّحالَ فقد اَوْدَت بنا الرِّحَلُ ... ما كُلِّفت سيرَها خيلٌ ولا اِبِلُ

بَلَغتم الغايةَ القُصْوىٰ فحسبُكم ... هذا الذى بعلاه يُضرَب المَثَل

وديوانه[3] موجود،

(۴۶۸) كمال الدين على بن مسعود بن خُلَيد البغدادى الكاتب

[5?6 / 40?]

كان كاتبًا سديدًا خَدَم فى الاعمال الجليلة وكان متأدبًا كتب فى اخر عمره لمّا عزل وتعطّل كتاب الجليس والانيس للقاضى ابى الفرج النهروانى وقرأه على العدل العالم معين الدين محمّد بن عبد الله بن البيضاوى سنة ثمان وخمسين وخمسمائة بروايته عن ابى الخطّاب محفوظ بن احمد الكَلْوَذانى[3] عن ابى على محمّد بن الحُسَين الجازِرى[4] عن القاضى ابى الفرج المعافى بن زكريا النهروانى،

(۴۶۹) كمال الدين ابو نصر على بن نصر بن على البغدادى الاديب

كان من الاُدَباء العلماء وهو الذى [انشدنى][5] قصيدة عمرو

---

[1] نفق عليه كان عزيزًا عنده (ر: ذيل المعاجم العربيّة لدوزى)، ولفظ ياقوت: ونفق فارفدوه واكرموه، [2] زيادة من المصنّف على ما ذكره ياقوت، [3] نسبة الى كلواذى و هى قرية شرقىّ بغداد، مراصد ص ۳۲۳، [4] جازر قرية من نواحى النهروان من اعمال بغداد، مراصد، [5] زدناه على الاصل قياسًا كما ظهر لنا مراقتنا لاقتضاء المقام،

ابن عبد الله بن مالك البوازيجي التي ناقض بها ابا تمام
في قوله :-

السيف اصدق انباءً من الكتب،

السيف كذب ان نافست في رتب ۔۔۔ وانّما العلم علم السبعة الشهب
من اين للسيف انّ الشمس من كسفت ۔۔۔ في عقدة الرأس او في عقدة الذنب
كلّ السيوف ترابٌ كان عنصرها ۔۔۔ بالعلم كان لها حدٌّ لمنتدب
حتى اذا قصرت ايدي القواضب عن ۔۔۔ نيل العناقيد نالوا الخل في العنب

(۴۷۰) كمال الدين ابو الحسن علي بن نصر بن الصلايا العلوي المدايني الكاتب

رأيت بخطه رسالة كتبها الى بعض الصدور وقد استشهد فيها بالآيات والابيات، وكتب في آخرها :-

أناله الله اما لا يسر بها ۔۔۔ ودام مكتسبا للحمد المدح
يرجى ويخشى ويحيى من يؤمله ۔۔۔ بالرفد والبر والانعام والمنح
وينقضي دهره في الخير يفعله ۔۔۔ وراحة السر في امن وفي فرح

(۴۷۱) كمال الدين ابو الحسن علي بن يونس بن الحسن بن حسنويه بن بكران الرازي

كتب في رقعة الى بعض الاكابر :-

إقضِ الحوائج ما استطعت ۔۔۔ وكن لهم اخيك فارج
فلخير ايام الفتى ۔۔۔ يوم قضى فيه الحوائج

(۴۷۲) كمال الدين ابو القاسم عمر بن احمد بن هبة الله ابن ابي جرادة[1] يعرف بابن العديم[2] العقيلي الحلبي الكاتب المؤرخ

---

[1] ابو جرادة كنية لعامر بن ربيعة صاحب امير المؤمنين علي رض، [2] راجع ترجمه نسمته وتسمية بلدته منه،

القاضی المحدث

ذکره الفاضل یاقوت الحموی فی کتاب معجم الادباء[1] وقال[2]:
کان کلقبه کمال فی کل فضیلة[3] حفظ القرآن الکریم وله
تسع سنین[4] وکتب[5] علی تاج الدین محمد بن البرفطی و
ولی[6] التدریس سنة ست عشرة وستمائة وعمره ثمانیة
وعشرون سنة* وصنف[7] مع هذا السن کتبا منها کتاب الدراری
فی ذکر الذراری* وکتاب[8] ضوء الصباح فی الحث علی السماح*
وکتاب[9] فی الخط وعلومه* ولم یکتب[10] احد بعد ابن البواب
کخطه* وقدم[11] بغداد رسولا واحترم غایة الاحترام واورد
فی الدیوان خطبة من انشاءه وکان معه من الهدایا مصحف
کریم بخط امیر المومنین عثمان بن عفان رضی الله عنه فلما
عرضه کتب معه رقعة فیها :-

وعلیکم نزل الکتاب وفیکم   والی ابوکم یحث ویرجع

ومولده فی ذی الحجة سنة ثمان وثمانین وخمسمائة،

---

[1] ج ۱۲ ص ۵-۵۷، [2] معجم (۱۶: ۳۷). وهو کاسمه کمال فی کل فضیلة، [3] معجم (۱۶: ۳۹): ناقلا عن ابن العدیم: وختمت القرآن ولی تسع سنین، [4] معجم (۱۶: ۴۲)، [5] معجم (ص ۴۴، س ۸-۱۰)، وکان تدریسه ذلک بمدرسة شادبخت من اجل مدارس حلب، [6] معجم (ص ۴۴ س ۱۲ بما بعدها) وقال: جمعه للملک الظاهر، [7] معجم (ص ۴۵ س ۱ و۲). وقال: صنفه للملک الاشرف، [8] معجم (ص ۴۵ س ۱) ولفظه: کتاب فی الخط وعلومه ووصف آدابه واقلامه وطروسه وما جاء فیه من الحدیث والحکم، وهو الی وقتی هذا لم یتم، [9] لفظ المعجم (ص ۳۹ س ۵ و۶): فهو اکتب من کل من تقدمه بعد ابن البواب بلا شک، [10] لم نجد هذه القطعة فی معجم الادباء،

(٤٧٣) كمال الدين ابو المعالي عُمَر بن عبد الرحمٰن ابن داوود بن يوسف الدمشقيّ الاديب

نقلت من خطّه :-

اذا اردت شريف الناس كلّهم فانظر الى رجلٍ فى زيّ مسكين
ذاك الذى حسنت فى الناس سيرته وذاك يصلح للدنيا وللدّين

(٤٧٤) كمال الدين ابو الفضل عمر بن عليّ بن سالم نزيل مراغة البلخيّ البزّاز

كان شيخا عاقلاً قد سافر بلاد العرب والعجم واستوطن مراغة الى ان توفى بها وكان له حانوت يجتمع عنده الاكابر والعلماء وكان حُلوُ المحاضرة طيّب المفاكهة رأيته وكتبت عنه بمراغة سنة اربع وستّين وكان يتردّد الى حضرة مولنا السعيد نصير الدين ور بما سأله عن احوال البلاد التى رآها وكان كثير الخيرات محبّاً للعُلَماء ويُحسن اليهم ويودّ الغرباء ويُؤثر مجالستهم توفى فى رجب سنة ستّ وستّين وستّمائة ودفن بباب الميدان ونيّف على الثمانين،

(٤٧٥) كمال الدين عُمَر بن محمّد بن الحسن سبط شيخنا عبد الرحيم بن الزجّاج البغداديّ

سمع على شيخنا العدل عماد الدين ابى البركات اسماعيل ابن الطحّال كتاب فضائل القران لابى عبيد القاسم بن سلّام وعلى غيره من المشايخ،

(٤٧٦) كمال الدين ابو المعالي عيسى بن ابى المرهف نصر

ابن منصور النميري الشاعر

عيسى بن ابى المرهف نصر[1] بن منصور[2] بن الحسن بن جوشن[3] بن حميد[4] بن أثال بن وزر[5] بن عطاف بن بشر بن جندل بن عبيد الراعي بن الحصين بن معاوية بن جندل بن قطن بن ربيعة بن عبد الله ابن الحارث بن نمير بن عامر بن صعصعة بن معاوية ابن بكر بن هوازن بن منصور بن عكرمة بن خصفة ابن قيس عيلان بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان كان والده[6] شاعرا اديبا فاضلا عالما مدح الخلفاء والوزراء والامراء، وديوانه موجود، وروى شعر والده وكانت وفاته فى رمضان سنة سبع وتسعين وخمسمائة،

(٤٧٧) سيف الدين كمال الدولة ابو سنان غريب

---

[1] ابو المرهف نصر بن منصور الخ كذا اوصل ابن خلكان نسبه الى معد بن عدنان ناقلاً عن العماد الكاتب باختلاف يسير نذكره، [2] سقط اسم المنصور عن معجم الادباء (ج ١٩ ص ١٢٢)، [3] كذا فى جميع نسخ الوفيات المطبوعة التى بين ايدينا (نسخة بولاق ١٢٩٩هـ ونسخة دار الطباعة ايران ١٢٨٤هـ ونسخة مطبعة الوطن ١٢٩٩هـ و نسخة المطبعة الميمنية ١٣١٠هـ) ولكن زاد ياقوت فى معجم الادباء ودسيلان فى ترجمة الوفيات (ج ٣ ص ٥٣٦) موافقاً لنسخة خطية من الوفيات بمكتبة كلية فنجاب بينهما منصوراً، فقالوا: جوشن بن منصور بن حميد، [4] ا: ثماله، والتصحيح من المراجع المذكورة [5] فى النسخ المطبوعة من الوفيات: وردة فى ترجمة دسيلان مثل المتن، [6] نصر بن منصور (٥٠١ - ٥٨٨هـ) راجع المراجع المذكورة وشذرات الذهب ج ٤ ص ٢٩٥ وفهرست دوزى ص ٢٢٠ ونكت الهميان للصلاح الصفدى ص ٣٠٠ وما بعدها،

ابن محمّد بن مَقن العُبادی امیر العرب

قال الصابئ فی تاریخه : وفی سنة ثمان وتسعین وثلثمائة سلّم معتمد الدولة قرواش نواحی عُکبَرا والراذانات الی کمال الدولة ابی سنان غریب بمال اقرضه منه واطلقه للعرب وسار الی الانبار لقصد ابی علی الحسن بن ثمال و قال ابو الحسن بن الفقیه فی تاریخه : توفی کمال الدولة غریب بسرّ من رأی وخلّف من المال زائداً علی خمسمائة الف دینار وقال لقاضیها : هل فی مالك شیئ حلال ؟ قال : نعم! مائة درهم ، قال : هل تطیب نفسك ان تهب لی منها ثلثین درهما ؟ قال : نعم!

(۴۷۸) کمال الدین ابو الفتح بن قطب الدین محمّد

ابن ابی الحسین محمّد العَلَویّ البصریّ نقیب البصرة

کمال الدین ابو الفتح بن قطب الدین ابی طالب محمّد بن ابی الحسین محمّد بن ابی القاسم علی بن ابی زید محمّد ، ذکره ابن مهنّا فی کتاب المشجّر واثنی علیه وقال : روی شعر جدّه ،

(۴۷۹) کمال الدین ابو الفضائل[1] بن الامدی ،

من شعره :-

واهاً له ذکرا الحِمی فتأوّها	ودعا به داعی الصِّبا فتولّها

---

[1] هو ابو الفضائل علی بن یوسف بن احمد الآمدی ولد فی ۱۵ ذی الحجة سنه ۵۵۵۹ و توفی فی ۱۳ ربیع الاوّل سنة ۶۰۸ه ، الوفیات ج ۱ ص ۲۵۹ بمابعدها ،

هاجت بلابله البلابل فانثنت ‌ ‌ اشجانه تنهى الحليم عن النهى[1]
نشكا اسى وبكى جوى وتنبه الـ ‌ ‌ ـوجد القديم ولم يزل متنبها[2]
قالوا وهى جلدا او وهى علق الهوى ‌ ‌ بلبلم يوما تالم او وهى

(۴۸۰) كمال الملك ابو الفتح فضل الله بن محمد الدهستانى عميد العراقين

كان من اكابر اصحاب السلطان جلال الدولة ابى الفتح ملكشاه بن الب ارسلان ورتبه عميدا فى العراق وخلع عليه من ملابسه،

(۴۸۱) كمال الملك[3] ابو الرضا فضل الله بن محمد الطغرائى المستوفى

كان جليل الشان رفيع القدر وصاهر ولده سيد الرؤساء ابا المحاسن[4] محمد[5] الوزير نظام الملك ثم اضمر له العداوة فسقطت مرتبته وسقطت منزلة كمال الملك ايضا فصرف عن الطغراء والانشاء وتولى مكانه مؤيد الملك[6] ابن نظام الملك، قال العماد الكاتب: وكان كمال الملك اقرع الرأس وفيه يقول ابن الهبارية العباسى:—

كمال ملككم نقص لدولتكم ‌ ‌ وفضلكم جاهل نادى به الناس

---

[1] وفيات: تنهى من الحلم النهى [2] وفيات: فشكا جوى وبكى اسى، [3] الموضعان منقطعان بالاصل والتكميل من الوفيات [4] تاريخ دولة آل سلجوق: كمال الدولة، راحة الصدور (ص ۱۳۶): كمال الدين، [5] ا: ابو المحاسن [6] ا: محمد، [6] هو عبيد الله بن الحسن بن على بن اسحاق المتوفى سنة ۴۹۴ھ،

وليس همته الّا كسها منته   فتلك ساقطة والهامة الطاس

(٢٨٢) كمال الدين ابو محمّد القاسم بن القاسم بن عمر ابن منصور الواسطيّ الاديب الشاعر [40 b / 41 a]

ذكره الشيخ الفاضل شهاب الدين ياقوت الحمويّ في كتاب معجم الادباء[1]، وقال: هو اديب نحويّ لغويّ فاضل اريب، له تصانيف حسان[2]، قرأ النحو بواسط وبغداد على كامل الدين مصدّق[4] بن شبيب، وسمع الحديث على ابي الفتح محمّد بن[5] المنداءيّ وانتقل من بغداد الى حلب سنة تسع وثمانين وخمس مائة، فاقام بها يقرئ العلم قال: وصنّف الخطب وشرح[6] المقامات؛ وله شعر جيّد منه قوله:-

وما لي الى العلياء ذنب علمته   وما انا عن كسب المحامد[3] قاعد

ولكنّني لمّا نهضت الى العلى   باسبابها لم تجد والجدّ باعد

وله:-

حتّى دود القزّ يبني فوقه ثم يموت   بعد ما سدّى وقد صار لسيدتي لعنكبوت

(٢٨٣) كمال الدين كامل بن محمّد الحلّيّ يعرف بابن العجيل الفقيه

---

[1] ج ١٦ ص ٢٩٦-٣١٦، [2] ليس النقل بلفظه، [3] عدّها ياقوت فبلغت تسعة، [4] تقدّم ذكره (الترجمة ٤١١) [5] هو محمد بن احمد بن بختيار المانداي الواسطيّ المتوفى سنة ٦٠٠ ذكره ابن العماد في الشذرات (ج ٥ ص ١٧) وقوله: ابو الفتح الميداني، تصحيف) له وشروحه للمقامات (على ما في معجم الادباء) ثلثة، [6] هذا الكلام من غير المعجم كما اشار اليه المصنّف في كتابه بوضع علامة، والشعر الاول من الاشعار الثلثة مذكور في المعجم ايضاً،

ذكره مولنا القاضي الفاضل العالم تاج الدين ابو الفضل محمد ابن محفوظ بن وشاح الاسدي الحلي في رجب سنة اربع عشرة و[سبعمائة]، وقال: سكن واسط ولم يحمد مقامه فيها فقال:

اسكنني في واسط شر القرى	من بعد عام الاربعين خدعة
خالية لكل شيء يفترى	خالية من كل علم نافع
فهاذكت فروعه بلا مرا	اللؤم فيها راسخة اصوله
غير اسمه بلا مسمى وكما	وليس للدين الحنيفي بها
سابقة او قال ساعينا عدا	رئيسها من قال طارت طيرتي

(۴۸۴) كمال الدين كمال بن الامير احمد القونوي الفتي

من الشهود الذين كتبوا خطوطهم في سجل الفتي شمس الدين محمد بن عثمان السروي سنة [ستين وستمائة]

(۴۸۵) كمال الدين المبارك بن ابي بكر بن حمدان بن احمد بن علوان الموصلي الاديب المؤرخ، يعرف بابن الشعار

كان من الادباء الذين عنوا بجمع فقر العلماء واشعار الفضلاء وله السعي المشكور فيما فعله، فانه بقي مدة خمسين سنة يكتب الاشعار سفراً وحضراً، ذيل كتاب معجم المرزباني و ذكر كل من نظم شعراً بعد وفاته الى سنة ستمائة ثم صنف كتاب عقود الجمان وذكر فيه من قال الشعر الى آخر ايامه، و

---

١ محتجب بالاصل والتكميل عن القياس، ٢ ضاعت كلمتان في التجليد، والتكميل من مجمع الاداب ر ر: الترجمة ١٣٢)

توفی سنۃ خمس وخمسین وستّمائۃ، واستفدت من تصانیفہ واسترحت الی توالیفہ، روی لنا عنہ شیخنا بہاء الدین علیّ بن عیسی الاربلی وغیرہ،

(۴۸۶) کمال الدین ابوجعفر المبارک بن علیّ بن احمد ابن الناقد البغدادیّ الحاجب

ذکرہ شیخنا تاج الدین فی کتاب الروض الناضر فی اخبار الامام الناصر وقال: رُتّب حاجبًا بباب النُوبی فی جمادی الآخرۃ سنۃ اثنتین وتسعین وخمسمائۃ ولم یزل علی عملہ آمرًا ناهیًا الی ان عُزِل فی ذی الحجّۃ سنۃ ستّ وتسعین وخمسمائۃ وتوفّی فی رمضان سنۃ خمس وستّمائۃ،

(۴۸۷) کمال الدین ابوطالب الحسن[1] بن جلال الدین القاسم بن زکی الدین الحسن ابن مُعیّۃ العَلَویّ الحُسَینی الصدر

ابوطالب الحسن بن ابی جعفر القاسم بن ابی منصور الحسن ابن ابی الفتح محمّد بن الحسین القصریّ بن محمّد بن الحسین

---

[1] قال صاحب عمدۃ المطالب (ص ۱۴۸): فاعقب النقیب جلال الدین القاسم من رجلین: زکی الدین الحسن وفخر الدین الحسین الخ، فلم یذکر لہ ولدًا ثالثًا ولم نجد ذکرہ عند غیرہ ایضًا اما جلال الدین ابو القاسم فهو من معاصری الخلیفۃ الناصر لہ ترجمۃ طویلۃ فی هذا الکتاب لکنّہ لم یذکر سنۃ وفاتہ[2] وما فی عمدۃ الطالب یخالف ما ذکر المصنّف فی مواضع ومفادما ذکرہ انہ (ابوطالب الحسن بن) ابی جعفر القاسم بن الزکی الثالث ابی منصور الحسن بن الزکیّ الثانی ابی طالب بن الزکیّ الاوّل ابی منصور الحسن بن ابی عبداللہ الحسین بن ابی الطیّب محمّد بن ابی عبداللہ الحسین بن ابی القاسم علیّ بن ابی عبداللہ الحسین بن ابی القاسم علیّ (وهو المنسوب الی امّہ مُعَیّۃ) بن الحسن التنجّ (کذا بالنون بین التاء والجیم) بن الحسن التنج (مکررًا) ابن اسماعیل الدیباج ابن ابراهیم الغمر (طباطبا) بن الحسن المثنّی بن الحسن بن علیّ بن ابی طالب،

الفيومي بن ابي القاسم علي بن الحسين الخطيب بن علي وامه
معيّة التي ينسب البيت اليها، وهي مُعيّة بنت محمّد بن
حارثة الانصارية ابن الحسن النجم بن اسماعيل الديباج
ابن ابراهيم طباطبا بن الحسن المثنى بن الحسن بن علي بن
ابي طالب،

(٨٨٣) **الكمال** ابو المظفر محمّد بن آدم الهروي المحدّث

ذكره الشيخ ابو النضر الفامي في تاريخ هراة[1] واثنى عليه و
قال: قرأ النحو على ابي الحسين الفسوي[2] ابن اخت ابي علي[3]،
وسمع الحديث من ابي الحسين الخفاف[4] واقرانه، روى
عنه عبد الله بن عبد الله الكريزي وغيره

ومن شعره :-

صباح الشيب سفر في عذاري ... فاسفرت العذارى عن عذاري
أقمن على السواد وهن بيض ... ورحن من البياض على نفار

---

[1] ذكره الصلاح الصفدي في الوافي بالوفيات (ص ٣٦) وقال الحاج خليفة : تواريخ هراة ... وللشيخ ثقة الدين عبد الرحمن الفامي وهو اول من صنف فيه، [2] نسبة الى فسا من اعمال فارس وهو محمّد بن الحسين بن محمّد بن الحسين المتوفى سنة ٤٢١ هـ، ر، بغية الوعاة ص ٣٨ ومعجم الادباء ج ١٨ ص ١٨٦ بما بعدها، [3] هو الحسن بن احمد بن عبد الغفار المعروف بابي علي المتوفى سنة ٣٧٧ هـ، ر، بغية الوعاة ص ٢١٦، [4] كذا في الاصل ولم نطلع عليه والاشبه ان يكون ابا الحسن احمد بن محمّد بن احمد الخفاف القنطري الزاهد المتوفى سنة ٣٩٥ هـ، ر، شذرات ج ٣ ص ١٢٥، ومعجم البلدان مادة القنطرة،

كذا الاقمار توفيها الليالى وتبهرها تباشير النهار
واغرب ما تزينه الليالى غراب فى قميص للبازطار

(٤٨٩) كمال الدين ابو عبد الله محمد[1] بن ابراهيم بن سفيان بن عبد الوهاب يعرف بابن مندة الاصفهانى المحدّث

من اولاد المحدثين والعلماء المذكورين، ذكر فى حديث عبد الرحمن بن عوف، لقد خشيت ان يبهأ الناس اى يأنسون به حتى تسقط حرمته؛ من قولهم بهأت بالرجل اذا انست به[2]: قال الاصمعى فى كتاب الابل؛ [ناقة[3]] بهاء بالفتح والمد اذا كانت انست بالحالب من بهأت به اذا انست؛

(٤٩٠) كمال الدين ابو عبد الله محمد بن ابراهيم ابن على الطرائفى الاديب

قرأت بخطه: قال الاصمعى، جزيرة العرب من اقصى عدن ابين الى ريف العراق فى الطول، واما العرض فمن جدة الى ما والاها من ساحل البحر الى اطراف الشام،

(٤٩١) كمال الدين محمد بن احمد بن الحسن الواسطى المحدّث

---

[1] قد تقدم ذكر بيت ابن مندة (رقم الترجمة ١٢٠) وسياتى فى موضعين اخرين من هذا الكتاب
[2] قال فى النهاية فى مادة بهأ، فى حديث عبد الرحمن بن عوف رضى الله عنه انه رأى رجلا يحلف عند المقام فقال: ارى الناس قد بهأوا بهذا المقام، اى انسوا حتى قلت هيبته فى نفوسهم،
[3] زيادة من القاموس على ما فى الاصل لتوضيح العبارة،

كان من المحدثين الثقات رأيت بخطه اجازة شيخنا رضي الدين الصغاني ما كتبه نظماً في صفر سنة سبع عشرة وستمائة :-

اجزت لهم رواية كل فن — سماعاً كان ذا او مستجازا
وما نولته ايضاً اذا ما — تحرّوا في روايته احترازا
وما قد قلته نظماً ونثراً — فقد اضحى الجميع لهم مجازا

(٤٩٢) كمال الدين محمد[1] بن احمد بن عبد الرزاق الخالدي الزنجاني

(٤٩٣) كمال الدين محمد بن احمد بن علا

ذكره شيخنا العدل ظهير الدين علي بن محمد بن الكازروني في تاريخه، وقال : رتب صدراً بالبلاد الحلية فحسنت طريقته بها سنة احدى وستين وستمائة ،

(٤٩٤) كمال الدين ابو الحسن محمد بن احمد بن علي ابن جميل بن عبد الباقي الربعي البغدادي الفقيه الصوفي

من بيت اصيل كان فقيهاً عالماً ، قرأ الفقه على مولانا ظهير الدين النوجاباذي ومظفر الدين ابن الساعاتي ، و

---

(١) زاد المصنف هذا الاسم على هامش الكتاب لم يذكر في ترجمته شيئاً حتى انه لم يشر الى منصبه ايضاً و يحتمل ان يكون ابناً لاحمد بن عبد الرزاق الخالدي الملقب صدر الدين صدر جهان صاحب ديوان الممالك الذي قتله السلطان غازان سنة ٦٩٧هـ، انظر ترجمته في تاريخ العراق ج ١ ص ٣٧٩ ، (٢) قد تقدم ذكر ابيه كمال الدين احمد بن عبد الرحمن بن علا (الترجمة ٢٢٦ و ٢٢٤) وذكر المصنف هناك ان اباه توفي سنة ٦٦٩هـ (٣) هو محمد بن عمر بن محمد (٦١٦-٦٩٨هـ) ١/٢١ ، الجواهر المضية ج ٢ ص ١٠٣ ، (٤) احمد بن علي بن تغلب المتوفى سنة ٦٩٤هـ ، الفوائد البهية ص ٢٦ بما بعدها وذيل تاريخ الآداب العربية لبروكلمن ج ١ ص ٦٥٨ ،

كان من فقهاء المستنصرية، ثم تصوف ولازم مولٰنا محيي الدين محمد بن يحيى بن المحيا العباسي وصار وكيل رباط الشونيزي و سكن الرباط، وسمع الحديث على شيخنا مجد الدين بن بلدجي وانشدني :ـ

أُلام واُعطي والبخيل مجاوري ۔۔۔ الى جنب بيتي لايلام لايُعطي

وكان كريم الاخلاق متودداً وبيني وبينه صحبة مؤكدة منذ قدمت من مراغة، كتبت عنه ولنعم الصاحب كان، توفي سنة اثنتين وتسعين وستمائة،

(٤٩٥) كمال الدين محمد بن كمال الدين شيخ الشيوخ احمد بن عز الدين شيخ الشيوخ علي بن محمد بن حمُّويه الحمُّويهي

(٤٩٦) كمال الدين ابو جامع محمد بن احمد بن محمد الكرباجي يعرف بالنشكه الصوفي

هو اصفهاني الاصل بغدادي المولد من اولاد الصوفية، و كان من الظرفاء، له تردد وتودد الى الاصحاب، دمث الاخلاق كريم الصحبة، عاشرته وكتبت عنه برباط سعادة، وكتب لي بخطه :ـ

انّ الولاية لاتدوم لواحدٍ ۔۔۔ ان كنت تنكرها فاين الاولُ

فاغرِس من الفعل الجميل مكارماً ۔۔۔ فاذا عزلت فانها لاتعزلُ

---

[١] لم يذكر في ترجمته شيئاً، ولم يسبق لابيه كمال الدين احمد ايضاً ذكر كما يقتضيه ترتيب الكتاب

[٢] قد تقدم ذكر ولعله (٤) كمال الدين احمد بن محمد، ٧ : الترجمة ٢٥٦)

(۴۹۷) كمال الملك ابوجعفر[1] محمّد بن احمد بن المختار الزوزنيّ الطغرائيّ

كان ينوب الوزير مؤيّد الملك عبيد الله بن نظام الملك فى ديوانى الانشا[ء] والطغرا[ء] وكان من نوّاب كمال الملك ابى الرضا فضل الله بن محمّد، فبلغه الايام الى منصبه ولقّب بلقبه وفوّض اليه الكتابة والطغرا[ء] فى شهر ربيع الاوّل سنة تسع وسبعين واربعمائة باصفهان، وله شعر حسن،

(۴۹۸) كمال الدين ابوعبد الله محمّد بن اسماعيل بن الحسين بن ودعة، يعرف بابن البقّال البغدادى الفقيه

كان فقيهًا اديبًا فاضلاً معيدًا بالنظاميّة، ولقّبه محمد بن الدُبَيثى عزّ الدين، وقد تقدّم ذكره ورأيت ذكره على الطباق كمال الدين محمّد بن اسماعيل، وصنّف كتاب المقترح فى المصطلح فى علم البندق وطرائقه ومعرفة اصوله ومن اهبه صنّفه للامام الناصر لدين الله، وقد تقدّم ذكره فى باب العين،

(۴۹۹) كمال الدين ابوعلى محمّد بن ابى بكر بن محمّد السَرُوىّ الفقيه

[41 b / 42 a]

---

[1] قال العماد الكاتب فى تاريخ دولة آل سلجوق (ص ۷۵ وما بعدها)، "وتولّى مؤيّد الملك بن نظام الملك مكان الدولة من ديوان الانشاء والطغراء واقام مدّة واستناب ابا المختار الزوزنى ثم استعفى فتولّى ابو المختار بحكم الاصالة ونُعِت بكمال الملك وكان من نوّاب كمال الملك ابى الرضا واتباعه فبلغ الى منصبه ثم انتقل الى جوار ربّه"، ويعلم ممّا نقلنا انّه ابو المختار وليس ابا جعفر والله اعلم،

كان من الفقهاء[1] العلماء العارفين بالاصول الفروع ومن فوائده:

قال بعض السلف: ان الله تعالى رضى من شكر المؤمنين له على ادخاله لهم الجنة بان قالوا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ[2]

(۵۰۰) كمال الدين محمد بن ابى بكر بن محمود ابن اسماعيل الساوی

نقلت من خطه: المجوس طائفة اثبتوا النور والظلمة بيزدان واهرمن، ونسبوا ما هو الخير المحض الى النور ونسبوا ما هو الشر المحض الى الظلمة، وقالوا: ان العالم من امتزاجهما حصل وباقامة النور انتظم وكمل ومنهم من اثبت معدلاً من الضدين، ومنهم من يقول: ان الظلمة حدثت من فكرة ردية خطرت على النور،

(۵۰۱) كمال الدين ابو عبد الله محمد بن ابى جعفر ابن ابى الفرج بن كبة البصری الفقيه المقرئ

كان من القراء المجودين العارفين بالقراءات ذكروا عنه انه كان يتكلم بالقران المجيد فى اكثر كلامه من ذلك قوله الحمد لله الذی جعل اهل طاعته احياء فى مماتهم وجعل اهل معصيته امواتا فى حياتهم فى قوله تعو: وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ[3]

---

[1] القرآن الكريم سورة الزمر (۳۹) آيه ۷۴، [2] ا، ركام ؟ دام، [3] القرآن الكريم سورة آل عمران (۳) الآية ۱۶۹

وقوله عزّ ذکره: إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ[1]

(۵۰۲) کمال الدین ابو عبد الله محمّد بن ابی الحسن ابن سالم المنبجی الادیب

قدم بغداد، وسمع بها الحدیث من الشیخ نجیب الدین ابی بکر محمّد[2] بن الموفق بن سعید بن ابی البقا الخازن وغیره ویروی بسنده عن عبد الله بن عُمَر رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: الاقتصاد فی النفقة نصف المعیشة، والتودّد للناس نصف العقل، و حسن السؤال نصف العلم؛

(۵۰۳) کمال الشرف ابو الحسن محمّد[3] بن ابی القاسم الحسن الاقعر بن محمّد بن علیّ بن محمّد بن یحیی الاقساسی ابن الحسین بن زید العَلَوی الزیدی امیر الحاجّ النقیب بالکوفة

ذکره شیخنا جمال الدین ابو الفضل احمد بن محمّد بن المهنّا العُبَیدلی فی کتاب المشجّر، وقال: ذکر الصابیٔ ان کمال الشرف کان ظریفاً دمثاً، وقال: کان له ثلاثمائة فرس وکان فیها مُهر جمیل المنظر والمخبر فاراد ان یُوثبه علی اُمّه

---

[1] القرآن الکریم سورة النمل (۲۷) الآیة ۸۰. [2] وفی الشذرات (ج ۵ ص ۲۲۶) انه محمد بن سعید بن الموفق النیسابوری، توفی سنة ۶۲۳ هـ.

[3] ذکره صاحب عمدة الطالب (ص ۲۳۵) وقال: ولاه الشریف المرتضی نقابة الکوفة وامارة الحاجّ.

فامتنع المهر عنها اشدّ امتناع، فغُطِّيت بالجلال فخفيت عليه
فوثب عليها فلمّا رُفِعَت الجلال عنها فمدّ [؟ مدّ] يده
الى غرموله فقطعه قال ابن الصابئ ولحق الشريف من الغمّ
كانّما مات بعض اهله،

محمّد[1] بن الحسن الاقرابي القاسم بن محمّد بن الاَقُسَاسيّ الكوفيّ

محمّد[2] بن ابى القسم الحسن بن ابى جعفر محمّد بن ابى الحسن
علىّ الزاهد بن ابى جعفر محمّد الاقساسىّ بن ابى الحسين
يحيى بن الحسين ذى العبرة بن حليف القرآن ابى الحسين
زيد بن زين العابدين علىّ بن الحسين بن علىّ بن ابى طالب
الحُسَينىّ الزيدىّ الاَقساسىّ كانت اليه امارة الحاجّ
ونقابة الكوفة،

(۵۰۴) كمال الدين ابو عبدالله محمّد بن الحسين ابن احمد الفخرىّ ناظر واسط

كان كاتبًا ضابطًا حاسبًا، ذكره تاج الدين ابو طالب فى
تاريخه وقال، كان ناظرا بالكوفة، واضيفت الى عماد الدين
يحيى بن المرتضى سنة اثنتين واربعين وستّمائة، وولّاه
حاجب الباب تاج الدين ابن الدوامىّ ناظر نهر الملك و

---

[1] ذكر الاسم فى الجدول الذى يلى الاوّل من غير اعادة اللقب وكتب عليه: هذا
هو المتقدّم، [2] ذكر صاحب عمدة الطالب نسبه موافقًا لما ذكره المصنّف، راجع
الصفحات ۲۲۸-۲۳۲-۲۳۴ من الكتاب المذكور،

خلع عليه بعد عزل عبد العزيز بن مغيث عن النظر، و سنة ثلث واربعين صرف مجد الدين محمد بن خليد عن اشراف واسط ورُتّب[1] عوضه كمال الدين، وسنة سبع و اربعين رتّب صدرا بديوان واسط[*]، وقلد سيفاً محلّى بالذهب وعيّن على شمس الدين على ابن الشاطر مشرفاً عليه،

(٥٠٥) كمال الدين ابو الفضل محمّد بن زين الدين الحسين بن الحسن بن ابى نصر يعرف بابن الدّهان الموصلى ثم البغدادى الكاتب الشاعر

تقدّم ذكر والده، صاحبنا وصديقنا الفاضل الاديب الشاعر الكاتب صاحب الاخلاق الجميلة الحسنة والمعانى الجليلة المستحسنة، له النظم اللائق والمحض الفائق، كتب فى الاعمال الديوانيّة، وهو ضابط عارف رأيته فى حضرة شيخنا بهاء الدين علىّ بن عيسى، وانشدنى لنفسه :-

وحلو اللّمى مذ عاين الناس قد بدت ... له زُمُرٌ تبغى بقبيه جنى النحل

غدا جاحداً قتلى بسيف لحاظه ... ومن حمرة الخدّين لى شاهد عدل

(٥٠٦) كمال الدين ابو نصر محمّد بن الحكيم المعروف بطبلى لى، الموصلى البدرى الشاعر

له شعر فصيح وترسّل مليح، انشدنى له جمال الدين ابو الفرج يوسف بن الكرخىّ بمراغة سنة احدى وسبعين و ستمائة

---

[1] قال صاحب الحوادث الجامعة: وفيها [سنة ٦٤٣] رتّب الكمال محمد بن الحسين مشرف واسط ورتّب عماد الدين يحيى بن المرتضى صدر المخزن، ـ ك ر : الحوادث الجامعة ص ٢٢٢،

من ابيات اوّلها :-

دعنی فشأن الهوی ان یقرح الشأن ۔ ان الدموع علی الاحداث اعوان

ومذ احادیث وجدی یوم جدّ بهم ۔ حادی النوی عن جفونی فهی بوان

ساروا وسار فؤادی فی حمولهم ۔ وبان صبری غداة البین اذ بانوا

منها :-

فان تعود لنا لیالینا التی سلفت ۔ عندی علیّ ای اهل الفقر شکران

(٥٠٧) کمال الشرف ابو الفضل محمّد بن حید ربن اسماعیل الحسینیّ الادیب

نقلت من خطّه : قال عبد الله بن المعتزّ : الحمد لله الذی لمّا خلق الانسان جعل عقله دلیله، والرسلُ هداته، والملائکة رقباءه، والشهود علیه جوارحه، ثم جعله حسیب نفسه، وردّ علیه کتابه یوم حشره، فقرأه فلا یفقد حسنةً عملها ولا یجد فیها سیّئةً لم یقترفها، لم یلزمه الله عبادته حتی فرغ من هدایته، وازاح عِلَلَه بان ضَمِن له الرِزق ثمّ وعده وتوعّده وامره واعلمه فتبارک الله ربّ العالمین،

(٥٠٨) کمال الدین ابو عبد الله محمّد بن الربیع بن یوسف الخلاطیّ المقرئ

کان من القرّاء الاتقیاء والفضلاء العلماء، روی بسنده عن عمر بن عبد العزیز انّه قال : الحمد لله الذی جعل الموت واجبًا علی خلقه ثم سوّی فیه بینهم، فقال عزّ ذکره : کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ[1]؛

[1] القرآن الکریم سورة آل عمران (٣) الآیة ١٨٤

(٥٠٩) كمال الدين ابو عبد الله محمّد بن ابی رشيد سعيد ابن سعد بن عبد الواحد التميمیّ الاصفهانی المحدّث [42 b / 43 a]

روى بسنده عن علیّ ابن ابی طالب عليه السلام قال قال النبیّ صلّى الله عليه وسلّم : التودّد نصف الدين وما عال امرءٌ قطّ على اقتصادٍ واستزكوا الرزق بالصّدقة ؛ وفی رواية عبد الله بن مسعودٍ قال قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم لا يَعيلُ احدٌ على قصدٍ ولا يبقى على سَرَفٍ كثير ؛ وفی رواية اَنَسٍ رضی الله عنه قال قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم : الاقتصاد نصف المعيشة وحسن الخلق نصف الدين ؛

(٥١٠) كمال الدين ابو شجاع محمّد بن سعيد بن محمّد ابن الظهيریّ البغدادیّ حاجب باب المراتب

من بيت الحجابة والتقدّم والكتابة والرئاسة، كان من اكابر الحجّاب مليح الترسّل عظيم التجمّل، حدّث عن عبد الملك ابن علی الهراسیّ وطبقته، رتّب حاجبا بباب النوبی سنة ثلاث وثمانين وخمسمائة، ثمّ رتّب حاجبًا بباب المراتب سنة اثنين وستّمائة، وحسنت سيرته وهذا كمال الدين المذكور هو عمّ والدتی وكانت وفاته فی سادس جمادی الاولى سنة خمس عشرة وستّمائة ،

(٥١١) كمال الدين ابو العزّ محمّد بن سليمان بن علیّ بن ابی الفتح اليعقوبیّ[1]، الكاتب

---

[1] نسبة الى يعقوبا بالموحدة وآخرها الالف المقصورة مدينة بطريق خراسان على عشرة فراسخ من بغداد لب اللباب ص ٢٨٠ ،

انشد للاديب الكاتب علیّ بن ابے علیّ بن ابی جعفر الزوزنی فی معنیً تفرّد به :-

کون الشیب عیبًا ان صاحبه اذا / اردتّ به عیبًا له قلت اشیب
وکان قیاس الاصل ان قست شائبًا / ولکنه من جملة العیب یُحسب

یعنی ان معائب خلق الانسان یجری اکثرها علی افعل مثل اعمی واعور واعرج واقرع واحول ،

(۵۱۲) کمال الدین ابو الخیر محمّد[1] بن صدیق بن ینال الجامع المراغیّ الصوفیّ

کان عارفًا کلام القوم وحافظًا لنکتهم ، وحکی بسنده الی سعید[2] ابن حمید قال : ولدت بغلة فی ایام المعتمد[3] فامرت ان اُنشِئَ کتابًا فی ذالك فلم ادر کیف اکتب وکیف افتتح ، و غلبتنی عینای فاتانی اتٍ فی منامی ، وقال لی : اکتب الحمد لله الذی یُقرّ فی الارحام ما یشاء بقدرته ویصوّر فیها ما یرید بحکمته فانتبهتُ وابتدأتُ به وانشأتُ الکتاب علیه ،

(۵۱۳) کمال الدین ابو نصر محمّد بن صدمرد بن ابی بکر النهاوندیّ الصوفیّ

وکان النهاوندیّ ایضًا قد صحب جماعة من الصوفیّة ، حکی انه عثر علی دفین بقُهَنْدِزْ[4] زُمَرُو ، فوجدوا فیه سمّین کبیرتین فی کل واحدةٍ منها وزن مَنوَین ، فحملتا الی عبد الله[5]

---

[1] هو ابن اخی کمال الدین احمد بن ینال المقدم ذکرهُ ، [2] راجع لاخبار سعید بن حمید الی الاغانی (ج ۱۷ص ۲-۸) والوفیات ج ۱ص ۳۲۵ [3] (۲۵۶-۲۷۹) [4] قهندز اسم لکل قلعة [5] المتوفی سنة ۱۸۱

ابن المبارك، فتعجّب منها وقال :-

اتيت بسنّين قد رمّتـا	من الحصن لما اثاروا الدفينا
على وزن منّين احدهما	يقلّ بها المرء شيئًا رزينـا
ثلاثون اخرى على وزنها	تباركت يا احسن الخالقينا

(٥١٤) كمال الدين ابو غالب محمّد بن طاهر بن عيسى الفارسيّ الكاتب

من كلامه فى تقليد : وامره بمحاضرة العلماء، ومجالسة الصلحاء، ومجاورة المتدينين، ومشاورة العارفين المتعبّدين، واقتباس انوار البركة من انفاسهم، والاخذ بما ندب الله من اكرامهم وايناسهم، فان منافثتهم عائدةٌ بالبركة ومحادثتهم مسفرة عن صباح الخيرة المشتركة،

(٥١٥) كمال الدين ابو سالم محمّد بن ابى الثمر طلحة ابن محمّد بن الحسن العدوىّ القرشيّ النصيبىّ[1]، الوزير القاضى الخطيب المُنشئ

قيل : انّه محمّد بن محمّد بن طلحة، كان عارفًا بفنونٍ كثيرةٍ من المذهب والاُصول والفرائض والخلاف والتفسير والنحو واللغة والترسّل ونظم الشعر، ذكره ابن الشعار فى كتابه، وذكر انّه سافر الى خراسان وسمع رضى الدين المؤيّد[2] بن

---

[1] نسبة الى نصيبين بلدة معروفة بالجزيرة، [2] هو ابو الحسن المؤيّد ابن محمّد بن على الطوسى المقرئى مسند خراسان (٥٢٤ - ٦١٧ هـ) ترجم له ابن العماد فى الشذرات (ج ٥ ص ٥٠) والجزء [illegible] غاية النهاية [illegible]

على الطوسي واتّصل بالملك[1] الاشرف وفوّض اليه اموره وانفذه رسولاً الى الملوك وتوجّه الى حلب سنة اثنتين واربعين وخاطبه[2] بالوزارة، وله تصانيف وهو صاحب الدائرة التي ذكر فيها مدّة العالم ثمّ تزهّد وخرج من جميع ما كان فيه من الوزارة، وتوفّى في رجب سنة اثنتين وخمسين وستّمائة ودُفن بمقابر[3] ابراهيم الخليل عليه السلام

(٥١٦) كمال الدين ابو نصر محمّد بن طلحة بن يوسف الدُمْيَاطِيّ الصوفيّ

حكى عن ابي معاذ بشّار[4] بن بُرد انّه تنفّس الصُعَدآء وقال: إنّي لستُ أتلهّفُ على ما يفوتني من رُؤيةِ هذا العالم إلّا على شيئين: الإنسان والسمآء؛ قيل: ولم؟ قال: لأنّ الله عزّ اسمه يقول: لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ[5]؛ وقال تعالى ذكره: وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ[6]؛ فلا شيئ احسنُ ممّا خلق في احسن تقويم وممّا ذكر انّه زيّنه؛

---

[1] هو الملك الاشرف موسى بن يوسف آخر ملوك الدولة الايوبية بمصر والشام (٦٤٨-٦٥٩م)، ر: تاريخ دول الاسلام (٢: ٢٥٥) [2] وكان ذلك سنة ٦٤٨ھ كما في الشذرات [3] مقابر ابراهيم بالجرون قرب القدس وهذا يستبعد مع اتفاقهم على ان وفاته كانت بحلب والله اعلم [4] راجع لترجمة بشار الى تاريخ الآداب العربية لبروكلمن ج ١ ص ٣، والاغاني ج ٣ (ص ١٩-٤٣) وترجم له المصنف ايضاً ترجمةً مختصرةً ذيل لقبه لسان العرب، [5] القرآن الكريم سورة التين (٩٥) الآية ٤ [6] القرآن الكريم سورة الملك (٦٧) الآية ٥

(٥١٧) كمال الدين ابوعبدالله محمّد بن عبّاد بن النجيب اللُّبْنَانِيّ الاصفهانيّ الكاتب

من كلامه : الحمدُ لله على ما اَوْلت الايّام ، وشملت به الخاصّ والعام ، بدوام دولته فعاد به عود الملك مُورِقًا ، و رجع برأفته روض العلم مؤنقا ، وأض بمواهبه سحُ سحائب النعم مُغدِقا ، فأيّد الله بخلود دولته الدين الحنيف ، و دَعَم بمراحمه دعائم الاسلام الشريف ،

(٥١٨) كمال الدين ابوالفضل محمّد بن العبّاس نزيل بغداد الدبّاهيّ[1] التاجر

هو[2] محمّد بن ابى نصر الفضل بن العبّاس ، قدم علينا مراغة سنة خمس وستين وستمائة وكان شابًّا فاضلا ، روى لنا عن خاله الشيخ جمال الدين بن يحيى الصرصرى الفقيه شاعر رسول الله صلّى الله عليه وسلّم ، وشعر غيره وكان قد تأدّب ، وكانت بيني وبينه صحبة اكّدها المولى الاديب العالم جمال الدين ابوالفرج يوسف بن الحسين الكرخيّ اجتمعنا به بالرّصد سنة سبعين وستّمائة ، و اجتمع بمولنا وسيّدنا نصيرالدين واهدى له منديلًا مصريًّا ، ثمّ لمّا دخلت تبريز سنة اربع وسبعين حصل لى به الاجتماع ايضًا ، وتوجّه مع احمد الخانى الى بلاد الخطا وانقطع خبره ، كتبت عنه ،

---

[1] دباها قرية من نواحى نهرالملك من اعمال بغداد وهى من اوقاف المارستان العضدى ،

[2] كذا [illegible]

(٥١٩) كمال الدين ابو عبد الله محمد بن عبد الله بن بركات بن ابراهيم القرشي المخزومي الدمشقي الكاتب المحدث [43 b / 44 a]

من كلامه: اعاد الله على شريف دولته بركة هذا الشهر الميمون وروده، واليوم المنيرة ببلوغ اماله ساعاته وسعوده، وان يهدي الى مقدس حضرته تحف تحياته ويبلغه غاية امانيه ومنتهى اراداته:—

فهو الذي غمر البرية بالندى — واسامها روض الغنى افضاله

حاز الثناء من الانام معظم — كل الخلال الصالحات خلاله

(٥٢٠) كمال الدين ابو عبد الله محمد بن عبد الله بن عمر بن سعدي البوازيجي الاديب الكاتب

ذكره شيخنا بهاء الدين ابو الحسن علي بن عيسى بن عيسى بن ابي الفتح الاربلي في كتاب التذكرة الفخرية واثنى عليه وانشد له:—

ان الخضاب لحيلة — في رد ايام الشباب

وليغض من طرف العدو — ويستبي قلب الكعاب

قال وانشدني كمال الدين لنفسه

لما رأيت الشيب نازل لمتي — اعددت عندي للبقاء خضابا

وعلمت ان الشيب موت قادم — فجعلته دون المشيب حجابا

(٥٢١) كمال الدين ابو الفضل محمد بن عبد الله بن ابي المظفر القاسم الشهرزوري القاضي

---

(١) لم نظفر بما يوضح النسبة بعد

ذکرہ الحافظ ابو القاسم علی بن عساکر فی تاریخ دمشق[1] وقال:
اصلھم من بنی شیبان ویعرفون ببنی الخراسانی، سمع
من جدہ لامہ ابی الحسن علی بن احمد بن طوق، والشریف
ابی طالب[2] الزینبی، وتفقہ ببغداد علی اسعد المیھنی،
وکان یتردد الی بغداد وخراسان رسولاً من نور الدین محمود
ابن زنکی، وتولی القضاء بالموصل، وبنی بھا مدرسۃ،
وبنی رباطاً بمدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم،
ولہ شعر کثیر، وتوفی فی المحرم سنۃ اثنتین وسبعین
وخمسمائۃ بدمشق،

(۵۲۲) کمال الدین ابو بکر محمد بن جمال الدین عبد اللہ بن محمد یعرف بابن المریتی البغدادی المعدل المقرئ الخطیب،

من بیت العلم والفضل والقراءۃ والعدالۃ والخطابۃ،
قد تقدم ذکر والدہ شیخنا جمال الدین ورتب کمال الدین
شیخاً بدار القرآن بالمدرسۃ المستنصریۃ، ورتب خطیباً
بجامع فخر الدولۃ بقصر عیسی، ویورد الخطب من انشائہ
فی المعانی الواردۃ ولہ خطب مرتبۃ واشعار مھذبۃ

---

[1] لم یطبع بعد من الکتاب ما یھمنا فی ھذا المقام، [2] ھو نور الھدی الحسین بن محمد بن علی الزینبی المتوفی سنۃ ۵۱۲ ھ، راجع الانساب والشذرات (۴: ۳۴)،

واخلاق جميلة وهمّة جليلة، وبكر به والده فى سماع الاحاديث النبويّة فسمع من مشايخ بغداد عدّة سنين، وانتسجت بينى وبينه مودّة مؤكّدة، وكان قد شهد عند قاضى القضاة عزّ الدين احمد بن الزنجانى فى سنة تسع وثمانين وستّمائة، وترك الشهادة ترفّعاً منه، وترك العدالة ترفّعاً، ومولده فى رجب سنة سبع و ستّين وستّمائة وكان قد اشار علىّ بان [اجتمع] بجمال الدين بن العاقولىّ[2] فلم اسمع وكان ذالك منه عن صدق نيّة وصفاء طويّة فلم اقبل وحُرمت رزقى مدّة سنتين فكنت كما قال :- اوسعتهم شتماً وراحوا بالابل ،

(٥٢٣) كمال الدين ابو عبد الله ابو محمّد بن عماد الدين عبد الحميد بن محمّد بن علىّ بن محمّد بن ابى معاذ نزيل تبريز القزوينىّ القاضي

من بيت العلم والحكم والقضاء والرئاسة، وكان كمال الدين ابو محمّد اكبر اخوته واعقلهم، وولى قضاء مراغة، وكان مدرّساً بالمدرسة الاتابكيّة، ولذلك كان يلقّب بالمدرّس وكان قد بلغ الغاية من الحرمة والحشمة عند السلاطين الاتابكيّة، وكان اذا دخل الى السلطان جلال الدين خوارزمشاه

---

[1] انقطع بعض الكلمة فى التجليد وتكميلها قياسىّ،

[2] لعلّه جمال الدين عبد الله بن محمّد بن على ابن العاقولىّ الشافعىّ مدرس المستنصريّة توفى سنة ٧٢٨ هـ، ر، تاريخ العراق والمصادر التى ذكرها ،

اکرمه غاية الاکرام واجلسه معه على سريره، وانتقل باخره الى اربل، وتوفى بها سنة ثمان وعشرين وستمائة، ذكره شيخنا القاضى كمال الدين احمد بن العزيز قاضى سرا فى مشيخته،

كمال الدين [كذا ناقصا]،

٥٢١) كمال الدين ابو عبد الله محمد بن عبد السلام ابن محمد المصرى الكاتب

كتب الى بعض الرؤساء :-

قدمت فاهتزت الاكوان من طرب ۔ يا مالك الرق وانهلت بك النعم
قدمت للدين والدنيا سليل علىّ ۔ يحمى بك الملك والعلياء والكرم
ولا برحت على رغم العداة كذا ۔ وتحت ادلامك الاعناق والقمم

٥٢٢) كمال الدين ابو عبد الله محمد بن عبد المجيد ابن محمد القزوينى الصوفى

كان من كبار مشايخ الصوفية العارفين باحوال القوم وكلامهم وكان كثيرا مّا يتمثل بهذين البيتين دائما :-

ان تعف عن عبدك المسيئ ففى ۔ عفوك مأوى للعفو والمنن
اتيت ما استحق من خطأ ۔ فجد بما تستحق من حسن

٥٢٣) كمال الدين ابو عبد الله محمد بن عبد الواحد ابن ابى بكر ابن الحموى الدمشقى الفقيه

سمع صحيح الامام ابى عبد الله محمد بن اسماعيل البخارى رحمه الله على ابى الجهم[١]

[١] هو العلاء بن موسى بن عطية الباهلى، ر: كشف الظنون ج١ ص ٣٩٢،

علی ابن الزبیدیؒ، وکتب لنا الاجازۃ بخطہ فی منتصف
صفر سنۃ ثلاث وثمانین وستمائۃ،

۵۲۷) کمال الدین ابوبکر محمد بن عبدالوہاب بن
ابی بکر ابن المویہی البغدادی المقری الخطیب

ھو جد الشیخ کمال الدین الذی قدمنا ذکرہ، وکان
ھذا کمال الدین خطیبًا عالمًا سمع الحدیث ورواہ،
وکان عارفًا بالادب والقراءات، ولہ سماع علی مشایخ
وقتہ، وکتب الکثیر بخطہ،

۵۲۸) کمال الدین ابونصر محمد بن عبید اللہ
ابن احمد العرضی الادیب

انشد:۔

انی البان ان بان الخلیط مخبّر	عسی امما انطوی من عہد لمیاء ینشر
عسی حرکات فی اعتدال سکونہا	احادیث یرویہا النسیم المعطّر
یودّ ظلام اللیل وھو ممسّک	لذ اذنتہا والصبح وھو مزعفر
احادیث لو انّ النجوم تمتّعت	باسرارھا لم تدر کیف تغوّر

۵۲۹) کمال الدین ابوالمظفر محمد بن عبید اللہ
ابن محمد بن الحسین یعرف بابن النیار الاسدی
البغدادی الناصری الکاتب المحدث

لہ الحسین بن المبارک الحنبلی المتوفی سنۃ ۶۳۱ھ ، ؎ محمد بن عبداللہ
ابن محمد ، ؎ العرض ناحیۃ بدمشق ،

من البيت[1] المعروف بالرئاسة ، والعلم والتقدّم والفضل والرواية ، والفهم والدراية ، وكان كمال الدين جميل الاخلاق ظاهر البشر متودّداً ، حسن السّمت ، رأيتُهُ واجتمعت بخدمته وشرّفني بحضوره في منزلي وكتبت عنه واجازلي جميع مسموعاته ومَروِيّاته ، قرأت بخطّ شيخنا عزّ الدين عُمَر بن دِهجان البصريّ قال : سمع من عمّه العدل عزّ الدين ابي المكارم الحسين ومن مهذّب الدين ابي القاسم عبيد الله بن مكّي بن ابي السعادات البعقوبيّ بقراءتي عليهما في رجب سنة احدى وخمسين وستّمائة وتوفي . . .[2]

(٥٣٠) كمال الدين محمّد بن عثمان بن ابي غالب الجزَرَيّ الاديب

كان كاتباً سديداً كتب الكثير بخطّه ، وكان من تلامذة الوزير شرف الدين ابي البركات المُسْتَوْفِي ، وله شعر حسن ذكرته في كتاب نظم الدرر الناصعة ،

(٥٣١) كمال الدّين محمّد بن عليّ بن الحسين بن علي بن هبة الله البغداديّ يعرف بابن الدواميّ ،

من بيت[3] الحجابة والتقدّم والرئاسة ، رأيته عند شيخنا فخر الدين علي

---

[1] وقد اطلعنا من البيت على اسماء صدر الدين علي بن الحسين ابن النيار واخيه عزّ الدين الحسين ابن النيّار وابن اخيه شرف الدين عبد الله ابن النيار ، : الحوادث الجامعة ص ٢٢٨ و ٢٣٦ ، وفخر الدين عبد العزيز ابن النيار ، : تاريخ العراق ج ١ ص ٣٠٨ ، [2] بياض بالاصل ، [3] ومن هذا البيت تاج الدين علي ابن الدواميّ حاجب الباب المتوفّى سنة ٦٥٦ هـ وابنه مجد الدين حسين ابن الدّواميّ المتوفّى سنة ٦٨٣ هـ ، : تاريخ العراق ج ١ ص ٢٣٩ و ٣٣٣ ،

ابن البوقي وكأنّه سمع منه وسمع معنا عليه بقراءة تقيّ الدين علي
ابن داؤد الاسدي،

(٥٣٢) كمال الدين ابو البركات محمّد بن عليّ بن محمّد الانصاري[1] الكاتب

كان اديبًا كاتبًا قرأت بخطّه في وصف يوم بارد:—

يومٌ تودّ الشمس من بردهِ   لو جرّت النار الى قرصها

وانشد:[2]

دع الملامة فيه ايها اللاحي   فما اطيع عليه قول نصّاحي
شدّوا عليّ فسدّوا اباب مصلحتي   وظنّهم انّهم جاءوا باصلاحي
ولذّة السكر لا يحظى بلذّتها   الا خليع تحاشى حشمة الصاحي

(٥٣٣) كمال الدين ابو الكرم محمّد بن عليّ بن مهاجر الموصليّ الصدر الرئيس

كان رئيسًا جليل القدر نبيه الذكر، كان موشّحًا للوزارة، وله اخلاق
حسنةٌ، وله وقوفٌ على دار الحديث بالموصل، قال تاج الدين
ابن الساعي في تاريخه: وفي شهر رمضان سنة سبع وعشرين
وستّمائة وصل كمال الدين ابو الكرم رسولًا من الملك[2] الاشرف، و
تلقّاه موكبُ الديوان، وكان السبب في ذلك ان جلال الدين بن
خوارزمشاه لما استولى[3] على خلاط وبها فخر الدين عبّاس بن العادل انفذه
الى بغداد، وانعم المستنصر بالله في حقّه، ولمّا وصل كمال الدين خلع
عليه وسلّمه اليه،

---

[1] الشعر لكمال الدين عبد الرحمن بن صالح بن عمّار بن عبد الله نيسري كما ذكره المصنف في ترجمته (راجع ص ١٩٢)

[2] هو موسى بن العادل (م ٥٧٨ - ٦٣٥ هـ) ٧، وفيات ج ٢ ص ١٨١ بما بعدها، [3] وكان استيلاءه عليها
سنة ٦٢٠ بعد استمرار حصاره من ٦٢٦ هـ كما في تاريخ ابي الفداء،

(۵۳۴) كمال الدين ابو عبد الله محمّد بن علىّ بن يحيى بن سعد الله الزُّبَيْلَع، البغدادىّ الصوفىّ المحدّثُ

كان من اهل الخير والصلاح وكان من اصحاب جدّى لامّي عفيف الدين ابى القاسم ابن الظهيري، وكتب له اجازة مع خالي زكىّ الدين احمد كتب له فيها جماعةٌ من الشيوخ منهم الحُسَينُ بن المبارك ابن الزبيدىّ واخوه الحسن وقاضى القضاة ابو صالح نصر بنُ عبد الرزّاق وغيرهم وتوفّي فى شوال سنة ستّ وسبعين وستّمائة ودفن بمقابر الشُّهَداء من باب حَرْبٍ فى جوار الشيخ عثمان القصوري رحمه الله،

(۵۳۵) كمال الدين ابو بكر محمّد بن علىّ بن يحيى الابهرىّ الفقيه

كان فقيهاً متودّداً روى بسنده قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: يا ابن آدم ارضَ من الدنيا بالقوت فانّ القوت لمن يموت كثير

(۵۳۶) كمال الدين ابو الفضل محمّد بن علىّ بن ابى طاهر يحيى المعروف بالخازن الرازىّ الوزير،

---

[۱] مرّ ذكره فى ترجمة كمال الدين محمد بن عبد الواحد،

[۲] هو عماد الدين الجيلىّ ثم البغدادىّ الحنبلىّ حفيد الشيخ عبد القادر الجيلىّ رح توفّى سنة ۶۳۳، ر: شذرات الذهب ج ۵ ص ۱۶۱ وما بعدها، [۳] كتب عليه فى الاصل: يقدّم، ولم نجد لتقديمه وجهاً،

ذکره العماد الکاتب فی کتاب الوزراء وقال[1]: استوزره السلطان مسعود بن محمّد بن ملکشاه سنة ثلاث وثلثین وخمسمائة بعد عماد الدین الدرکزینیّ، فانتظمت به امور الملك وجرى على احسن قاعدة وقرّر مع السلطان ان ینوی لقوا سنقر الشرّ، وبذل بقرا سنقر فی وزیره عزّ الملك ابی العزّ البروجردیّ خمسمائة الف دینار، فلم یلتفت الیه، فقرّر معه[2] استیلاء بوزابه بفارس فاستوحش قرا سنقر، و طلب کمال الدین من السلطان وانه متی لم یسلّمه الیه اقام سلطاناً غیره فاضطرّ الی تسلیمه، فسلّمه الی لحاجب تتر، فضرب عنقه، وذلك فی شوال سنة[3] اربع وثلثین وخمسمائة،

(٥٣٧) کمال الدین ابو عبد الله محمّد بن علیّ بن عبد الله الانصاریّ الخزرجیّ المعدّل

سمع کتاب[4] شرح الشهاب علی شرف الدین محمّد بن احمد بن یعلیّ الغزّال الهاشمیّ بثغر الاسکندریّة فی شهر رمضان سنة احدی وعشرین وستمائة،

---

[1] ذکره قوام الدین البنداریّ فی مختصره (تاریخ دولة آل سلجوق) ص ١٦٩ بما بعدها وادّی کلّ ماذکره المصنّف بعبارة مسجّعة وتفصیل زائد. [2] ولفظ البنداریّ: فلمّا ایس منه اخاف السلطان من عواقبه وقال له: لا یجمع فی غمد سیفان ولا یظهر لك مع تسلّطه قوّة السلطان وقرّر معه استدعاء بوزابه من فارس لیغرسه به،

[3] وقال البنداریّ: سنة ٥٣٣ھ، [4] هو روضة افهام اولی الالباب تقدّم ذکره فی ترجمة کمال الدین عبد العظیم بن عوض بن تمام،

(٥٣٨) كمال الدين ابو سعد محمّد بن عمر بن اسعد ابن عمر العبّاسىّ البخارىّ الكاتب

هو والد حسام الدين حسن بن محمّد ، كتب فى وصف بعض البلغاء :-

وإن حوى بنانه يراعةً ازرى على عبد الحميد كاتبا

امّا رتبته فى الكتابة وانواعها وتحقيق اصولها وجودة ابداعها فقد اخفى ابنَ هلال فى سِرَارها لما اطّلع كمالُ اقمارها فهو فى هذه الحال اولى ببيتى [؟ ببيت] ابى الطيّب اذ قال[1] :-

فى خطّه من كل قلب شهوةٌ حتّى كأنّ مدادهُ الاهواءُ

(٥٣٩) كمال الدين ابوبكر محمّد بن عُمَر بن عبدالعزيز الكازرونىّ الصّوفىّ

كتب الى بعض الاكابر وقد حجبه :-

على الباب عبدٌ من عبيدك صادقٌ بجدوٍ لك معروفٍ بنعماك معترفْ

ايدخل كالاقبال لازلت مُقبلاً مدى الدهر ام مثل الحوادث ينصرفْ

فامر بادخاله واحسن اليه ،

(٥٤٠) كمال الدين ابوالفضل محمّد بن عُمَر بن على بن خليفة الحَرْبىّ المحدّث العطّار

ذكره ابن الدُّبيثىّ فى تاريخه وقال : سمع ابا المظفّر هبة الله

---

[1] : ديوان المتنبّى (بشرح البرقوقى) ج ١ ص ١٤٠ ،

ابن[1] احمد بن الشبلی وغیرہ، کتبنا عنہ، ونعم الشیخ کان
توفی فی جمادی الآخرۃ سنۃ ثلاث وعشرین وستمائۃ،

(۵۴۱) کمال الدین محمّد بن عمر بن المظفّر المروزیّ
ثم الآملی، من شیوخ شیخنا صدر الدین ابراهیم
ابن شیخ الشیوخ سعد الدین محمد بن المؤید
الحمّویہی الجوینی

(۵۴۲) کمال الدین ابوالفتح محمّد بن عیسی بن برکۃ
الجصّاص البغدادیّ الصوفیّ

سمع اباالقاسم یحیی بن[2] ثابت بن بندار وطبقتہ، و
کان شیخاً صالحاً، وسافر عن بغداد، وتوفّی برأس
العین فی جمادی الاولی سنۃ احدی عشرۃ وستّمائۃ،

(۵۴۳) کمال الدین ابوالفضل محمّد بن ابی الفضائل
النجرانیّ الطبیب الصوفی

کان حکیماً فاضلاً لہ معرفۃٌ بالتدبیر والعلاج والتقریر
قدم اُھر الی خدمۃ مولٰنا قطب الدین الاھریّ
لیشتغل علیہ ولبس الخرقۃ من خدمتہ واقام بزاویتہ
واجتمعت بخدمتہ سنۃ ثمان وخمسین وستّمائۃ و
کان قد رأی لی مناماً وانا یومئذٍ صغیر السنّ اسیر و
بشّرنی بالخلاص وان یرتفع قدری فحصل لی ببرکتہ

---

[1] توفی سنۃ ۵۵۰ھ: شذرات ج ۴ ص ۱۸۱، [2] ھو ابوالقاسم البغدادیّ البقال توفّی فی ربیع الاوّل سنۃ ۵۵۶ھ، : الشذرات ج ۴ ص ۲۱۸،

ما راه لي والحمد لله على أفضاله،

(٥٥٢) كمال الدين ابو منصور[1] محمد بن الفضل بن احمد ابن محمد، الصاعدي الفراوي[2]، المحدث

من بيت العلم والحديث والادب واليه كانت الرحلة من الآفاق لسماع صحيح مسلم فانه سمعه على الشيخ الزكي عبد[3] الغافر بن محمد بن عبد الغافر بن احمد بن محمد بن سعيد الفارسي سنة ثمان[4] واربعين واربعمائة بسماعه على ابي احمد محمد[5] بن عيسى بن عمرويه ابن منصور الجلودي سنة خمس وستين وثلثمائة قال سمعت ابا[6] اسحق ابراهيم بن محمد بن سفيان يقول سمعت مسلم بن الحجاج يقول؛ سمع منه جماعة [منهم[8]] ابو سعد[9] بن عبد الله بن عمر بن احمد بن منصور الصفار النيسابوري وابو اسحق[10] المؤيد بن محمد بن علي الطوسي في جماعة[11]

[1] الوفيات: ابو عبد الله، [2] نسبة الى فراوة ويقال لها رباط فراوة بليدة مما يلي خوارزم بناها عبد الله بن طاهر امير خراسان في خلافة المأمون، م: الوفيات ج ١ ص ٦١٧، [3] ترجم له ابن العماد في الشذرات ج ٣ ص ٢٧ بما بعدها وقال ابن خلكان في ترجمة الفراوي انه سمع من عبد الغافر الفارسي المتقدم ذكره، ويقتضي ظاهر كلامه ان يكون قد ترجم له قبله مع انه لم يترجم الا لحفيده عبد الغافر بن اسماعيل بن عبد الغافر المتوفى سنة ٥٢٩ هـ فليتنبه [4] وهي سنة وفاة ابي الحسين [5] المتوفى سنة ٣٦٨ هـ، م: الشذرات ج ٣ ص ٦٧، [6] المتوفى سنة ٣٠٨، الشذرات ج ٢ ص ٢٥٢، [7] المتوفى سنة ٢٦١ هـ [8] من زياداتنا، [9] المتوفى سنة ٦٠٠ هـ، [10] توفى سنة ٦١٧ هـ ذكره صاحب الوفيات ج ٢ ص ١٨٨،

(۵۴۵) کمال الدین ابوالمعالی محمّد بن الفضل بن عبدالغنی السُهرَوَرْدِی

قرأتُ بخطّه فی تأخّر الکتب :-

لاتلمنی علی تأخّر کتبی ۔۔۔ وُدُّنا فی الصّدورِ لا فی السطور

وإلی من أبثّ فی الکتب الشوقَ إذا کنتَ حاضراً فی ضمیری

(۵۴۶) کمال الملک ابوالمحاسن محمّد بن ابی الرضا [6 ۵۵ 46 a] فضل الله بن محمّد القاینیؔ الامیر

ذکرہ العماد الکاتب فی کتابه وقال[1]: کان من اکابر الدولة المَلِکشاهیّة، قد اختصّه جلال الدولة واختارہ لندامته واصطفاہ لمجلس انسه وبلغ به التقریب الی غایة لم یبلغها انیس، ولم یصل الیه جلیس. ولم یکن السلطان عنه صبور. وکان صهر الوزیر نظام الملک علی ابنته فزاد ذلک فی منزلته وکان بینه وبین عمید الدولة بن بهمنیار وزیر فارس اتّحاد ومودّة اکّدتهما عداوتهما لنظام الملک، وکان عاقبة امرهما نکبة اتت علی حالیهما، واعتُقلا وسُمِلا وسقطت منزلة والدہ ابی الرضا لسقوط منزلة ولدہ، وخدم خزانة السلطان بثلثمائة الف دینار، وزادت عظمة نظام الملک وجلالة قدرہ[3]

---

[1] تقدّم ذکر ابیه کمال الملک ابی الرضا فضل الله بن محمد الطغرائی؛

[2] قاین بلدة قهستان، لسترنج ص ۲۵۲ ، [3] راجع تاریخ دولة آل سلجوق ص ۵۶ و ۵۷ ؛

(٥٤٧) كمال الدين ابو يحيى محمّد بن فلاح بن الريشي المكّي الفقيه

كتب الى بعض الرؤساء من رسالة : انّ زمام الامل وحرمة الرّجاء الذين هما اجلّ وسيلةٍ واوكد فضيلةٍ ، كلّ حُرمةٍ تابعٌ[1] لها ومُطَّرحة معها ، لانّهُ مَن رَاعى الكرم وحَرَس النِّعَم - مثل مراعاة مولٰنا - سكنت الآمال اليه ، و انبسطت الاحوال به ، فلا عدمتُ من سيدي برّاً وانعاماً [و][2] رفعة واحساناً ،

(٥٤٨) كمال الدين ابو نصر محمّد بن فخر الدين ابي

سعد المبارك بن يحيى المخرميّ المحدّث شيخ رباط المستجدّ من بيت العدالة والعلم والرئاسة والتقدّم والمعرفة قد تقدّم ذكر والده صاحب الديوان فخر الدّين[3] ابي سعد ، وكان شيخنا ابو نصر من محاسن الشيوخ ، سمعنا عليه كتاب عوارف المعارف بسماعه من مصنّفه شيخ الشيوخ شهاب الدين عُمَر بن محمّد السُّهْرَوَرْدي بقراءة محي الدّين محمّد بن يحيى بن المحيّا العبّاسي في جماعة ، وقد كتب الاجازة لي ولاولادي سنة ثمان وسبعين ، و لما قدِمتُ العراق كان شيخاً بالرباط المستجدّ وسمعت عليه

---

[1] كتب عليه في الاصل : تبع ،   [2] من زياداتنا ،   [3] كناه صاحب تاريخ العراق اباسعيد وكان صدر دجيل ثم نقل الى مشيخة رباط الحريم وتوفي سنة ٦٩٣ مجمّرية ، راجع تاريخ العراق ج ١ ص ٢٥٩ بما بعدها ،

بقراءة شيخنا غياث الدين ابي المظفر بن طاؤس جزء البانياسی[1]،

(٥٤٩) كمال الدين ابوبكر محمد بن ابی المجد بن ابی الفضائل بن عبد الحميد القزوينی الفقيه

من البيت المعروف بالفقه والقضاء وقد ذكرت منهم جماعة على ما اقتضى ترتيب هذا الكتاب والله الموفق للصواب.

(٥٥٠) كمال الدين ابوطالب محمد بن عز الدين محفوظ ابن معتوق يعرف بابن البزوري البغدادی الواعظ

قدم مع اخيه نجم الدين مدينة السلام لما توفی والده[2] شيخنا عز الدين بدمشق، وهو شاب كيس اشتغل بالوعظ وقراءة الاحاديث النبوية وسكن الرباط الذی كان اخوه استجده بدرب بهروز وتردد اليه الاصحاب وله سمت حسن،

(٥٥١) كمال الدين محمد بن محمد بن احمد الرازی

كان من الفقهاء العلماء، قرأت بخطه :—

المال[3] يأتی كل ذی ... خفض ويأبى كل أبی
كالماء ينزل فی الوهاد ... وليس يصعد فی الروابی

---

[1] هو ابو عبدالله مالك بن احمد بن علی بن ابراهيم الفراء توفی محترقاً فی الحريق العظيم الذی وقع ببغداد سنة ٤٨٥ هـ عن سبع وثمانين سنة، راجع كشف الظنون ج ١ ص ٣٩٢، الانساب ورق ٦٣ ب، الشذرات ج ٣ ص ٣٧٦، [2] وكانت وفاته سنة ٦٤٩ هـ، الشذرات ج ٥ ص ٢٤٧، [3] او: المأكل،

اورینٹل کالج میگزین

حصہ اوّل

ایڈیٹر
محمد شفیع
(پروفیسر پنجاب یونیورسٹی)

فہرست مضامین

جلد ۱۶ - عدد ۳ | بابت ماہ مئی ۱۹۴۰ء | عدد مسلسل ۶۱

نوٹ :- ضمیمہ صرف عربک اینڈ پرشین سوسائٹی کے ممبروں اور خریداران ضمیمہ میں تقسیم ہوتا ہے

گیلانی الیکٹرک پریس لاہور میں باہتمام ستہ الیشر داس پرنٹر طبع ہوا اور بابو صدیق احمد خاں نے اورینٹل کالج لاہور سے شائع کیا

اورینٹل کالج میگزین

عرضِ واجب

اغراض و مقاصد | اس رسالے کے اجرا سے غرض یہ ہے کہ احیا و ترویج علومِ شرقیہ کی تحریک کو تا حدِ امکان تقویت دی جائے اور خصوصیت کے ساتھ ان طلبہ میں شوقِ تحقیق پیدا کیا جائے۔ جو سنسکرت، عربی، فارسی اور دیسی زبانوں کے مطالعہ میں مصروف ہیں ؞

کس قسم کے مضامین شایع کرنا مقصود ہے | کوشش کی جائے گی کہ اس سلسلہ میں ایسے مضامین شایع ہوں جو مضمون نگاروں کی ذاتی تلاش اور تحقیق کا نتیجہ ہوں غیر زبانوں سے مفید مضامین کا ترجمہ بھی قابلِ قبول ہوگا اور کم ضخامت کے بعض مفید رسالے بھی باقساط شایع کئے جائینگے

رسالے کے دو حصّے | یہ رسالہ دو حصوں میں شایع ہوتا ہے حصۂ اول عربی، فارسی، پنجابی (بحروف فارسی) حصہ دوم سنسکرت، ہندی، پنجابی (بحروف گورمکھی)، ہر ایک حصہ الگ الگ بھی مل سکتا ہے ؞

وقتِ اشاعت و | یہ رسالہ بالفعل سال میں چار بار یعنی نومبر، فروری، مئی، اگست[1] میں شایع ہوگا

قیمتِ اشتراک | سالانہ چندہ حصّہ اردو کے لئے ؏ اورینٹل کالج کے طلبہ سے چندہ داخلہ کے وقت وصول ہوگا کسی سہ ماہی رسالہ کے نہ پہنچنے کی شکایت رسالہ شایع ہونے کی تاریخ سے ایک ماہ کے اندر دفتر میں پہنچ جانی چاہیئے۔ ورنہ ایسی شکایت پر غور نہ ہو سکے گا۔ یہ ایک ماہ کی مدّت فروری و مئی و ستمبر اور نومبر کے آخر سے شمار کرنی چاہیئے ؞

خط و کتابت و ترسیلِ زر | خریدِ رسالہ کے متعلق خط و کتابت اور ترسیلِ زر صاحب پرنسپل اورینٹل کالج کے نام ہونی چاہیئے۔ مضامین کے متعلق جملہ مراسلات ایڈیٹر کے نام بھیجنے چاہئیں ؞

محلِ فروخت | یہ رسالہ اورینٹل کالج کے دفتر سے خریدا جا سکتا ہے ؞

قلمِ تحریر | حصہ اُردو کی ادارت کے فرائض پرنسپل محمد شفیع ایم۔ اے، اورینٹل کالج سے متعلق ہیں اور یہ حصہ ڈاکٹر محمد اقبال ایم۔ اے، پی۔ اتچ۔ ڈی کی اعانت سے مرتب ہوتا ہے ؞

---

[1] چونکہ اگست میں کالج بند ہوتا ہے۔ اسلئے یہ نمبر مجبوراً جون یا ستمبر میں شائع ہوتا ہے ؞

محکمۂ آثارِ قدیمہ ہند کی کارکردگی

اور اسلامی باقیات

از نقش و نگارِ در و دیوارِ شکستہ　　آثار پدید است صنادیدِ عجم را

اس حقیقت نفس الامری سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کہ انسان فطری طور پر اپنی پرانی کہانی کو یاد رکھنے پر مجبور ہے۔ وہ اپنے گذشتہ حالات و واقعات پر فخر کرتا ہے۔ اور اپنی داستان کے مختلف ابواب کو سن کر خوش ہوتا ہے۔ اس فطری جذبہ کی تسکین تاریخ سے ہوتی ہے۔ جس کو محفوظ اور قلمبند کرنے میں نسلِ انسانی نے اکثر شغف و انہماک کا ثبوت دیا ہے ؛

تاریخ نویسی کا قدیم دستور یہ تھا۔ کہ مؤرخ حتے الوسع مستند منقولات و روایات پر اپنی تاریخ کا دار و مدار رکھتے تھے۔ لیکن انیسویں صدی عیسوی میں یورپ میں ایک جدید علمی تحریک پیدا ہوئی جس نے اکثر علوم کے قدیم اصول میں تغیر پیدا کیا۔ اور تاریخ نویسی کو محض روایت و درایت تک محدود نہ خیال کرتے ہوئے اس کے ذرایع و وسائل کو بہت وسیع کر دیا۔ ان جدید ماٰخذ تاریخی میں آثارِ قدیمہ پرانے سکّے اور نوادرِ عتیقہ بھی شامل ہیں۔ جن کا مطالعہ کسی دَور کی تاریخ اور تمدّن کے صحیح فہم و ادراک کے لئے ازبس ضروری خیال کیا جاتا ہے ؛

ایک یورپین مصنف پاٹری نے آثارِ قدیمہ کے متعلق لکھا ہے کہ ؎ اس

W. M. F. Petrie, Methods and Aims of Archaeology, preface, vi.

سائنس' کے ذریعے تاریخ جس کی ایک شاخ ہے۔ ہم انسانی فطرت کا پتہ چلا سکتے ہیں اور یہ جان سکتے ہیں۔ کہ ہر زمانہ اور ہر صدی میں انسان کس حالت میں تھا؟ اس کی استعداد کیا تھی؟ اور بالآخر یہ کہ وہ اپنی زندگی کی تکمیل میں کہاں تک کامیاب ہوا اور کہاں تک ناکام؟"

پیکِ خیال کچھ لمحوں کے لئے لاہور سے دُور مغلوں کی قدیم راجدھانی میں پہنچتا ہے۔ جہاں حسن و عشق کی مرہونِ داستان اہلِ دل اور اہلِ ذوق کی دلربائی اور دلکشی کے لئے زندہ جاوید کھڑی ہے۔ یہ روضہ تاج محل ہے۔ جو شعر و جذبات کی رنگین یادگار ہے۔ اس میں اُستادانِ نادرہ کار اور ہنرمندانِ غرائب نگار نے عجیب صنعت کا استعمال کیا ہے۔ یہ فنّ کی ایک حیرت افزا بہشت ہے۔ لیکن فنّ سے کہیں زیادہ ایک دَور کی تہذیب و اخلاق کی آئینہ دار ہے۔ تاج محل اور اس طرح کی ہزاروں یادگاریں عہدِ گزشتہ کی تاریخ کے زندہ مرقعے پیش کرتی ہیں۔ جو الفاظ و حروف کے نقوش سے کہیں زیادہ انسانی زندگی کی حکایت بیان کرتی ہیں۔

موجودہ مقالہ میں انہی 'فانی غیر فانیوں' کا کچھ حال بیان کرنا ہے۔ جس سے مقصود یہ ہے۔ کہ نوجوانانِ ملک ان آثارِ قدیمہ کے زندہ رکھنے اور ان کی قدر و قیمت کو سمجھنے کی طرف توجہ کریں۔ جن سے ان کی قدیم معاشرت اور تمدن کے متعلق ناقابلِ تردید ثبوت مہیّا کئے جا سکتے ہیں۔ ہندوستان میں جو محکمۂ آثارِ قدیمہ ایک عرصہ سے قایم ہے۔ اس کی کارکردگی پر غائر نظر ڈالنے کی ضرورت ہے۔ تاکہ یہ معلوم ہو سکے۔ کہ یہ محکمہ کہاں تک صحیح اصولِ کار پر پابند ہے۔

یوں تو اس سلسلے میں بہت سا مواد بغرضِ مطالعہ مل سکتا ہے۔ لیکن

اس وسیع ذخیرہ سے چند ضروری نتائج کو ان صفحات میں پیش کیا جاتا ہے۔ آج کل محکمہ آثار قدیمہ کے ڈائرکٹر راؤ بہادر ڈکشٹ ہیں۔ جنہوں نے محکمہ کی پچیس سالہ کارکردگی پر ایک رسالہ لکھا ہے۔ ذیل میں اس میں سے مفید اور ضروری مطالب کا خلاصہ لیا گیا ہے۔ اس کے بعد محکمہ کے اصولِ کار پر جو تنقیدی رپورٹ سر لینو ارڈ وُولی نے لکھی ہے۔ اس کے ایک باب کا جامع خلاصہ بدیں غرض یہاں درج کیا جاتا ہے۔ تاکہ محکمہ کے رجحان اور اس کی اصلاح کی کوئی تدبیر ہو سکے۔

بطورِ تمہید یہ بتانا ضروری ہے۔ کہ ہندوستان میں آثارِ قدیمہ کے مطالعہ کا ذوق کب اور کیسے پیدا ہؤا؟ جہاں تک مختلف ذرائع سے نتیجہ نکالا جا سکتا ہے یہ شاید صحیح ہے کہ ہندوستان میں آثار قدیمہ کی اہمیت کا احساس پچھلی صدی میں پیدا ہوا۔ چنانچہ اس زمانہ کی بعض کتابوں (مثلاً تفریح العمارات، احوال مستقر الخلافہ آثار الصنادید، تاریخ لاہور کنہیا لال ہندی، تحقیقات چشتی اور تاریخ لاہور از سید عبداللطیف وغیرہ) سے پتہ چلتا ہے۔ ان میں آثار الصنادید سر سید نہایت فاضلانہ اور محققانہ تصنیف ہے۔

درحقیقت اہل ملک کی یہ کوششیں بھی کسی حد تک بعض انگریز اہل علم کے زیر اثر عمل میں آئیں۔ جن کی ابتدا آج سے ایک صدی قبل ہوئی۔ جبکہ پہلے پہل جیمز پرنسپ نے براہمی رسم الخط کا انکشاف کیا۔

لیکن یہ ابتدائی کوششیں تھیں۔ اور اس سلسلے میں باقاعدہ کام

ا: The Progress of Archaeology in India during the past twenty-five years — R.B. Dikshit (1939) ۲: Wooly. ۳: The Progress of Archaeology in India during the past twenty-five years by Rao Bahadur K.N. Dikshit (1939) P. 1.

۱۸۶۲ء میں شروع ہوا۔ جب حکومت نے جنرل سر الگزنڈر کننگھم کی سرکردگی میں محکمہ آثارِ قدیمہ کا افتتاح کیا۔ جنہوں نے متواتر بیس سال تک ہندوستان کے آثار و تعمیرات کا مفصل جائزہ لیا۔ بدقسمتی سے ۱۸۸۹ء میں یہ محکمہ تخفیف میں آگیا۔ اور سوائے چند افراد کے، محکمہ کو موت کی نیند سُلا دیا گیا ﴿

لارڈ کرزن جب وائسرائے اور گورنر جنرل ہندوستان ہو کر آئے۔ تو انہوں نے ہندوستان کی قدیم تہذیب و تمدن کی ان یادگاروں کی کس مپرسی سے متاثر ہو کر، نیز ان کی تاریخی اہمیت کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے محکمہ آثار قدیمہ کو پھر سے قایم کیا۔ اور اس کی بنیاد مالی اور علمی اساس و اصول پر رکھی۔ چنانچہ ۱۹۰۲ء میں سر جان مارشل (جو اس وقت مسٹر مارشل تھے) کو اس محکمہ کا ڈائرکٹر جنرل مقرر کیا۔ جس کے بعد اکتشافی سرگرمیوں میں ایک نئے دَور کا افتتاح ہوتا ہے۔ سر جان مارشل نے پہلے دس سال میں آرکیالوجی کے کام کے امکانات اور ان کی توسیع و ترقی کے اسباب و وسائل کا جائزہ لینے میں صرف کئے۔ اور جنرل کننگھم کے زمانے میں جس حد تک کام ہو چکا تھا۔ اس پر دوبارہ نظر ڈالی اور تمام کارکردگی کو یونان، اٹلی اور دوسرے مغربی ممالک میں استعمال کردہ اصول کے مطابق چلانے کی کوشش کی۔ اس تمام زمانے میں قدیم ہندو عہد کے آثار کو کھودنے میں اور علی الخصوص بدھ تہذیب سے متعلق بعض مقامات کو ٹٹولنے اور ان کو معرضِ عام پر لانے کے لئے بہت جدوجہد ہوئی۔ سر جان مارشل کی اَن تھک کوششوں سے ۱۹۱۲ء میں محکمہ آثار نے بعض انقلاب انگیز انکشافات کئے۔ اور ۱۹۲۲ء میں موہن جوڈارو اور ہڑپا کے انکشاف سے تاریخ ہندوستان کا ایک فراموش شدہ ورق پھر سے مل گیا۔ اور بقول راؤ بہادر ڈکشٹ آثارِ ہند کی قدامت ہزاروں برس پہلے معیّن ہو گئی۔ ۱۹۲۵ء سے لے کر

اس وقت تک اگرچہ حکومت ہند کسی حد تک مالی بدحالی کا شکار رہی۔ جس کی وجہ سے بہت سے سرکاری اداروں کی قوت عمل اور سرگرمی میں فرق آگیا لیکن آثار کا محکمہ مستعدی کا ثبوت دیتا رہا۔

مناسبت مقام کے اعتبار سے ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ محکمہ آثار قدیمہ کے اصول اور اس کام کے نمایاں شعبوں کے متعلق چند باتیں اس موقعہ پر آپ کے گوش گذار کر دی جائیں۔ اس محکمہ کا کام مندرجہ ذیل عنوانات میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:-

(۱) کھدائی　*Excavation*
(۲) تحفظ آثار　*Conservation*
(۳) عجائب خانے　*Museums*
(۴) علم کتبات　*Epigraphical work*
(۵) مسکوکات　*Numismatics*

محکمہ آثار قدیمہ نے گذشتہ پچیس سال میں جو کام کیا۔ اس پر راؤ بہادر ڈکشٹ نے ایک جامع تبصرہ کیا ہے۔ کھدائی کے سلسلے میں محکمہ کی زیادہ توجہ ٹیکسلا پاٹلی پتر، سانچی اور بیس نگر، نالندہ، میرپور خاص، سارناتھ، موہنجوڈارو اور ہڑپا کی حفریات کی طرف رہی۔ ۲۶-۱۹۲۵ء میں مسٹر ہارگریوز نے بلوچستان میں نال وغیرہ مقامات کو ٹٹولا۔ جس کام کو بعد میں سر آرل سٹائن نے وسعت دی۔ اسی طرح سندھ، بنگال، بہار، مدراس میں محکمہ نے کسی قدر جانفشانی سے کھدائی اور حفظ آثار کا کام انجام دیا۔

عجائب خانے

اس پچیس سال کے عرصے میں، آثار ہند کی حفاظت کے کام کو جو فروغ حاصل ہوا۔ اس کے نتیجے کے طور پر

آثار کے عجائب خانوں کو بھی بہت ترقی ملی ۔ محکمہ کی طرف سے دس عجائب خانے قایم ہوئے ۔ جن میں سے پانچ گذشتہ دس سال کے عرصے میں قایم ہوئے ۔ نئی دہلی کا میوزیم اس لحاظ سے بہت اہم اور قابلِ ذکر ہے کہ اس میں سر آرل سٹائن کے وسطِ ایشیا کے عجائبات محفوظ ہیں ۔ ٹیکسلا کا عجائب خانہ ۱۹۲۸ء میں قایم ہوا اور بقول راؤ بہادر ڈکشٹ باعتبار تخطیط (Plan) ، اشیائے محفوظہ اور عام انتظام و اہتمام کے ملک کی بہترین عجائب گاہوں میں شمار کیا جاسکتا ہے ۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سے چھوٹے بڑے عجائب خانے قایم ہوئے جن میں سے بعض صوبجاتی ہیں ۔ اور بعض مقامی ۔ ان میں ہڑپا ، موہنجوڈارو اور دیگر مقامات کے عجائبات کا ذخیرہ رکھا گیا ہے ۔

عجائب خانوں کے انتظام و اہتمام کے بارے میں جس کے متعلق آگے چل کر پھر کچھ کہا جائے گا ۔ سب سے عمدہ تبصرہ وہ ہے ۔ جو ہارگریو اور مارخم صاحبان نے ہندوستان کے عجائب گھروں کے دقیق معاینہ کے بعد کیا ہے اور محکمہ کو بعض اصولی نقایص کی طرف توجہ دلائی ہے ۔

تحفظِ آثار محکمہ آثار قدیمہ کی سرگرمیوں میں پرانی تعمیرات و آثار کی حفاظت کا کام جزو اکبر کا درجہ رکھتا ہے ۔ جس پر محکمہ کا بیشتر روپیہ صرف ہوتا ہے ۔ آج سے پچیس سال پہلے تحفظ آثار کا کام صوبجاتی ذمہ واری کے ماتحت تھا ۔ اور مرکزی حکومت کی جانب سے صرف ان مواقع پر امداد مل جایا کرتی تھی ۔ جب صوبجاتی بجٹ کسی کام کی وسعت کے لئے مکتفی نہ ہو لیکن ۱۹۱۹ء کی اصلاحات کے بعد پرانے آثار کی حفاظت مرکز کے ماتحت آگئی ۔ جس کی وجہ سے اس کے راستے سے وہ پرانی مالی دقتیں اور دیگر عملی مشکلات رفع ہوگئی ہیں ۔ راؤ بہادر ڈکشٹ کی رائے ہے ۔ کہ اگرچہ

ہندوستانی آب وہوا کی خرابی اور آثار کی کثرت ووسعت کی وجہ سے محکمہ کو بعض اوقات بہت سے مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن بہ حیثیت مجموعی بہت سی پرانی عمارتوں کی اصلاح ومرمت کر لی گئی۔ دہلی اور آگرہ کی قدیم اسلامی عمارتوں کو بھی ان کی اصلی حالت میں لانے کے لئے محکمہ نے بہت ساعمدہ کام کیا۔ غرض گزشتہ رُبع صدی میں ایک کروڑ اور پچیس لاکھ روپیہ عمارتوں کی ترمیم وتھذیب پر خرچ ہوا۔ جس سے اس ادارہ کی کارکردگی کا کچھ اندازہ ہوسکتا ہے۔

علم کتبات علم کتبہ شناسی کو زیر بحث زمانے میں اچھی خاصی ترقی حاصل ہوئی ہے۔ غالباً یہ حقیقت محتاج بیان نہیں ہے کہ علم کتبات کو آرکیالوجی اور تاریخ سے گہرا تعلق ہے۔ ان پچیس برسوں کے دوران میں مختلف کتبوں کی مدد سے تاریخ کے بعض نہایت مشکوک اور تاریک گوشوں پر روشنی پڑی۔ وہ نظریات جو عرصہ سے رائج چلے آتے تھے۔ وہ یک بیک تبدیل ہو گئے۔ کئی اختلافی باتوں کے فیصلے ہو گئے۔ اور بے شمار باتوں کے متعلق جدید معلومات حاصل ہوئیں۔ علے الخصوص بعض واقعات کے سنّ وقوع کے متعلق یقینی شہادتیں دستیاب ہوئیں۔

مثال کے طور پر سرکار نظام کی مملکت میں اشوک کے ایک کتبے کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوگا۔ جس کا انکشاف ۱۵-۱۹۱۴ء میں راؤ بہادر کرشنا شاستری نے کیا۔ اس کتبے کی عظیم الشان خصوصیت یہ ہے۔ کہ اس میں اشوک کا نام درج ہے۔ اور غالباً یہی ایک کتبہ ہے۔ جس میں اس بادشاہ کا نام آیا ہے۔ اسی طرح جنوبی ہندوستان کے بہت سے کتبات نے تاریخ کے پرانے مسلمات میں انقلاب پیدا کیا۔ جس کی تفصیل کے لئے راؤ بہادر ڈکشٹ

کے محولہ بالا تبصرہ کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے ⁂

اسلامی کتبات کی تلاش اور ان کے انکشاف کی کوششیں اگرچہ خاطر خواہ نہیں ہوئیں۔ جیسا کہ آگے چل کر اس کا ذکر آئے گا۔ تاہم جو کچھ ہوا اس کو غنیمت خیال کرنا چاہیئے۔ راؤ بہادر صاحب کے بیان کے مطابق ۵۹۸ کتبے معلوم ہو کر پڑھے گئے اور Epigraphia Indo-Moslemica کی ۱۴ اشاعتیں مع ایک ضمیمہ کے شائع ہو کر طلبۂ تاریخ کے ذخیرۂ علمی میں اضافہ کا باعث ہوئیں۔ یہ کتبات کابل سے لے کر دیناج پور اور مُدگل (ضلع رائچور) تک تقریباً تمام صوبجات سے متعلق ہیں۔ اور چھٹی صدی ہجری سے شروع ہو کر بارویں صدی ہجری تک ممتد ہوتے ہیں۔ ان سے بہت سے خاندانوں کے کوائف پر روشنی پڑتی ہے۔ اس کے علاوہ ہر زمانے کے تمدن اور تہذیبی نقطۂ نگاہ کے متعلق بھی بہت سی معلومات حاصل ہوتی ہیں دکن کے کتبات کے متعلق ایک خاص بات یہ ہے۔ کہ ان میں ثلث اور طغرا خط استعمال کیا گیا ہے۔ اور اسی طرح افغانوں کے عہد اور مغلوں کے عہد کی امتیازی خصوصیات بھی نہایت مستحکم طور پر آشکارا ہوتی ہیں ⁂

مسکوکات سکوں سے تاریخ کے بعض مبہم امور پر بہت تسلی بخش روشنی پڑتی ہے۔ ہندوستان میں سکہ شناسی کا ذوق اگرچہ شروع میں بہت کم تھا۔ لیکن اب روز بروز ترقی پر ہے۔ قدیم یونانی سکوں سے لے کر آخری اسلامی بادشاہوں تک سب کے متعلق سکے تلاش کے بعد مہیا ہو رہے ہیں۔ صرف توجہ۔ محنت اور ذوق کی ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں جو کام ہوا۔ اس کا کچھ اندازہ ایلین (Allan) کی گپتا خاندان کے سکوں کی فہرست اور دوسری کتابوں سے ہو سکتا ہے۔ جہاں تک مسلمان بادشاہوں کے

سکوں کا تعلق ہے۔ نیلسن رائٹ (*Nelson Wright*) کی فہرست مسکوکات اور ہوڈیوالہ کی *Studies in Mughal Numismatics* خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

ریاستوں میں بھی آثار قدیمہ کے سلسلے میں بہت کام کی گنجائش ہے مثلاً حیدرآباد، میسور، گوالیار وغیرہ میں اس غرض کے لئے باقاعدہ محکمے قایم ہیں۔ جن کی روداویں وقتاً فوقتاً شایع ہوتی رہتی ہیں۔ ریاستوں کے یہ محکمے کم وبیش انہی اصولوں پر کام کر رہے ہیں۔ جو برٹش انڈیا کی آرکیالوجی کے پیشِ نظر ہیں۔

حضرات! میں نے محکمۂ آثار قدیمہ کے کام کے متعلق ایک مختصر مگر جامع ساخاکہ پیش کیا ہے۔ جو راؤ بہادر ڈکشٹ کے اپنے بیان پر مبنی ہے عربک پرشین سوسائٹی کے معین اور مخصوص زاویۂ نگاہ سے محکمہ کی کارکردگی پر بحث کرتے ہوئے قدرتی طور پر یہ سوال کرنا پڑتا ہے۔ کہ محکمہ ہندوستان کے اسلامی عہد کے آثار وعمارات کو محفوظ کرنے اور اس زمانے کی تاریخ کے تاریک گوشوں پر روشنی ڈالنے کے سلسلے میں کہاں تک مخلصانہ کوشش کر رہا ہے۔ غالباً یہ کہنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ کہ اسلامی عہد کے باقیات کے لئے جو کچھ ہو چکا ہے۔ اس کے لئے محکمہ بہت کچھ مستحق تحسین وآفرین ہے۔ لیکن یہ واقعہ ہے۔ کہ جتنا ہونا چاہیئے۔ اتنا نہیں ہوا۔ پشاور سے لے کر جنوب تک اور بلوچستان سے لے کر بنگال تک چپے چپے پر مسلمانوں کے آثار موجود ہیں۔ علے الخصوص صوبہ پنجاب اور سندھ، گجرات اور بنگال، اور راجپوتانہ میں کام کی اس قدر گنجایش ہے۔ کہ محکمہ نہایت کامیابی سے ساتھ محنت کر سکتا ہے۔ اور اس کا ثمرہ حاصل کر سکتا ہے۔ لیکن جائے افسوس ہے کہ محکمے کی توجہ ادھوری ہے جس کے باعث اس کی نگاہِ اعتنا صرف

خاص خاص جگہوں پر پڑتی ہے اور بعض اور جگہیں مستحق نظر نہیں خیال کی جاتیں۔ ۱۹۳۶ء میں عربک پرشین سوسائٹی کے ایک رکن نے صوبہ سندھ کا دَورہ کیا۔ اور دس بارہ دن کے مختصر عرصے میں مفید ذخیرۂ معلومات، کتبوں سے حاصل کیا۔ جس کی طرف محکمہ نے بظاہر توجہ نہ کی تھی۔ سلطان محمد تغلق کی قبر کا حال اب تک معلوم نہ تھا۔ لیکن اب مذکورہ کتبوں میں سے ایک کتبے کی مدد سے یقینی طور پر روشن ہو گیا ہے۔

اسی طرح راجپوتانہ میں قدم قدم پر آثار و علامات کی اتنی کثرت ہے کہ ایک نظارگی دشخوار پسند کے لئے وہ مایۂ صد عبرت بن سکتے ہیں۔ افسوس تو یہ ہے۔ کہ ہر سال یہ گرانمایہ شواہدِ تاریخی مٹتے جاتے ہیں۔ اور ہمیشہ کے لئے تاریخ کے ایک اہم صفحہ کو مبہم چھوڑتے جاتے ہیں۔ ۱۹۳۷ء کے بعد ۱۹۳۸ء میں انہی مقامات سے گذریے تو آپ کو یقیناً اس خزانہ میں کمی معلوم ہو گی۔ وہی پتھر، وہی سِل، وہی دہلیز، وہی کتبہ۔ جس کی سب سے زیادہ ضرورت تھی۔ غائب معلوم ہوتی ہے۔ غرض رفتہ رفتہ تہذیب و معاشرت کا یہ قدیم مرقّع تاراجِ صرصرِ ایّام ہو کر پریشان ہوتا جاتا ہے اور کوئی پرسانِ حال نہیں۔

اس میں شبہ نہیں کہ اس میں قصور اس قوم کا بھی ہے۔ جس کی تاریخ سے یہ چیزیں متعلق ہیں۔ کیونکہ یہ اسی کا فرض ہے۔ کہ اپنے باقیات الصالحات کی حفاظت کرے اور اپنی عظمت کے مٹے ہوئے نشانات کو جوڑنے اور اجاگر کرنے کی کوشش کرے لیکن با این ہمہ اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ محکمہ آثار کو بھی (میں بہ افسوس اس حقیقت کا اعلان کرتا ہوں) اس شعبہ کی طرف توجہ کم ہے۔ یہ تو خوشی ہے۔ کہ قدیم ہندوستان کی تاریخ کھود کھود کر

از سرِ نو مرتب کی جا رہی ہے۔ لیکن اس بات کا رنج ہے۔ کہ محکمہ، اسلامی عہد کے ساتھ پُورے انصاف کی پالیسی پر عامل نہیں ۔

میں نے محکمہ آثارِ قدیمہ کی موجودہ پالیسی پر جو نکتہ چینی کی ہے۔ وہ کسی تعصب، کوتاہ بینی اور غلط فہمی پر مبنی نہیں۔ بلکہ درحقیقت ، اس دردناک نقصان اور تلف و زیان کو دیکھتے ہوئے جو تاریخ کے ایک درخشاں ترین عہد کے شواہد کے متعلق ظہور میں آ رہا ہے۔ اگر نکتہ چینی کا لب و لہجہ اس سے بھی تیز و تُند ہو۔ تو نامناسب نہ ہوگا۔ یہ کیا قیامت ہے۔ کہ وہ آثار جو زیرِ زمین مدفون ہیں اور جن کا سواں حصہ بھی دستبردِ ایام سے محفوظ نہیں۔ اس قابل خیال کئے جائیں۔ کہ ان کے لئے کُھدائی ہو۔ پھر ان کا ایک فرضی نقشہ افسران محکمہ تیار کریں۔ اور جدید مسالہ اور نئے سنگ و خشت کے ساتھ ایک قیاسی عمارت تیار کر لی جائے اور اس کو دو ہزار سال پہلے کی عمارت یا آبادی کہہ کر پکارا جائے لیکن اس کے مقابلے میں افغانی اور مغلئی عہد کی شاندار زندہ عمارتیں امیدوارِ توجہ ہی رہ جائیں اور ان کو مٹنے دیا جائے۔ اور وہ اس لائق نہ خیال کی جائیں۔ کہ ان کی ترمیم و اصلاح کر لی جائے۔ وقت کی تنگ دامانی مانع ہے۔ ورنہ یہ بتایا جاتا۔ کہ کہاں کہاں ایسی شاندار عمارتیں ہیں۔ جو یا تو نااہل مالکانِ زمین کے ہاتھوں برباد ہو رہی ہیں۔ یا محکمہ کی ناقدرشناسی کا ماتم کر رہی ہیں ۔

بات دراصل یہ ہے۔ کہ محکمہ کا اصولِ کار ہی دُرست نہیں۔ اس میں لائق اور تربیت یافتہ (ٹرینڈ) افسران کی کمی ہے۔ اور جو ہیں۔ وہ ایک مخصوص جذبہ سے سرشار ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ وہ ایک معیّن نہج پر چل رہے ہیں۔ اور جو چیز اس سے ذرا باہر ہے۔ وہ وقفِ غفلت ہو کر رہ جاتی ہے

محکمہ کی کارکردگی کا صحیح ترین اور سب سے آخری جایزہ وہ ہے جو سر لیونارڈ وولی[1] نے اپنی رپورٹ میں لیا ہے۔ ۱۹۳۸ء میں گورنمنٹ آف انڈیا نے محکمۂ آثار قدیمہ کی کارکردگی پر تحقیقی رائے پیش کرنے کی درخواست کی۔ جس پر عمل کرتے ہوئے سر لیونارڈ وولی نے ایک رپورٹ مرتب کی۔ جو کئی لحاظ سے لایق مطالعہ ہے۔ صاحب موصوف نے اس تبصرہ کے چھ ابواب میں محکمہ کے تمام متعلقہ امور پر مفصل بحث کی ہے۔ اور بتایا ہے۔ کہ محکمۂ آثار قدیمہ جس اصول پر کام کر رہا ہے۔ وہ بالکل غلط اور غیر علمی (Unscientific) ہے اور جتنا روپیہ صرف ہو رہا ہے۔ اس کے مقابلے میں جو فائدہ مترتب ہو رہا ہے۔ وہ بہت کم ہے ؛

حضرات! میں سمجھتا ہوں۔ کہ اس اہم دستاویز کے ایک آدھ متعلقہ باب کا خلاصہ آپ کے سامنے پیش کرنا بیجا نہ ہوگا۔ بلکہ آپ کے ذہن و فکر کو حکومتِ ہند کے اس اہم شعبہ کی کارکردگی اور طریقِ کار سے روشناس کرانے کے لئے ضروری ہے۔ کہ وولی صاحب کی تحقیقات کے اہم امور کو آپ کے ذہن نشین کیا جائے ؛

تحفظِ آثار

سب سے پہلے حفظِ آثار کو لیجیئے۔ اس کام پر حکومتِ ہند کا چھ لاکھ روپیہ صرف ہوتا ہے۔ اس میں پرانی عمارتوں، قبروں اور باغوں کی مرمت اور نگہداشت بھی شامل ہے۔ محکمہ بہت حد تک لایقِ تحسین ہے۔ کہ اس نے بعض بڑی بڑی عمارتوں کو محفوظ کرنے کے لئے عمدہ کام کیا۔ اور ان کی سرگرمیوں کا یہی حصہ ہے۔ جو پبلک سے اور سیاحوں سے خراجِ تحسین حاصل کر رہا ہے۔ لیکن محکمہ سالانہ کم و بیش ۲۳۰۰۰ روپیہ

---

[1] Sir Leonard Wooly.

بعض ایسے آثار کے تحفظ پر صرف کرتا ہے۔ جو اس سے پہلے زیر زمین مدفون تھے۔ اور اب کھدائی کے ذریعے ان کو سطح پر لایا گیا ہے۔ اور چونکہ وہ نہایت شکستہ حالت میں تھے۔ اس لئے ان کو از سر نو بنانا پڑا۔ "یہ محکمہ کی ایک خوفناک غلطی ہے"۔ کیونکہ ان مدفون عمارات کی جدید تعمیر ان زندہ اور (جمالیات اور آرٹ کے اعتبار سے) بلند پایہ عمارتوں کی حفاظت کے مقابلے میں کوئی وقعت نہیں رکھتی اور اس پر جو روپیہ صرف ہو رہا ہے۔ اس کو تضیع زر سمجھنا چاہیئے۔

کھدائی کے چند اصول

کسی کھنڈر کی کھدائی اور اس کے تحفظ کے سلسلے میں چند باتیں ہمیشہ پیش نظر رکھنی چاہئیں :-

اوّل۔ کیا اس کھنڈر کی حفاظت عملاً ممکن ہے ؟

دوم۔ کیا اس کی حفاظت کی کوئی خاص ضرورت ہے ؟

سوم۔ کیا اس کی حفاظت سائنس دانوں کے فائدہ کے لئے ہے۔ یا عام پبلک کے لئے ؟

چہارم۔ کیا اس سے جو فائدہ ہوتا ہے۔ وہ صرف شدہ روپیہ کے مقابلہ میں کم ہے یا برابر ؟

وِلی صاحب کی رائے ہے۔ کہ محکمہ کے افسران کے ذہن میں یہ سوالات کبھی نہیں آئے۔ اور وہ زیر زمین مدفون کھنڈروں میں سے ہر ایک کی اندھا دھند حفاظت کی حکمتِ عملی پر عامل ہیں۔ حالانکہ ہر کھنڈر کی کھدائی اور اس کی حفاظت کے سوال پر پہلے پورا پورا غور ہونا چاہیئے۔ جہاں تک آثار شناسوں کے فائدہ کا تعلق ہے محکمہ کی اناپ شناپ کھدائی سے علم کو نقصان پہنچا ہے

کیونکہ شاید آثار شناس ان سے اپنے نتائج اخذ کر سکتا۔ لیکن محکمہ کے افسران نے جو خاکہ تجویز کیا اور اس کو محفوظ کرنے کے لئے اس کی تعمیر کر دی اس سے آثار شناس کے لئے آزاد تحقیق ممکن نہ رہی۔ اسی لئے یہ کہا گیا ہے کہ "آثار شناس کے نقطۂ نگاہ سے تحفظ آثار جتنا کم ہو اتنا ہی بہتر ہے"۔

اب رہے عوام۔ سو ان کو تحفظ آثار سے اور بھی کم فائدہ ہوتا ہے۔ علے الخصوص جبکہ کھنڈر ان کی رسائی سے باہر ہوں اور عام شاہراہوں یا آبادیوں سے دُور! ایک عام آدمی اس کھنڈر کی تاریخی اہمیت کا کیا احساس کرے گا جس کے متعلق اُسے یہ معلوم ہو جائے۔ کہ اس وسیع عمارت میں ۹/۱۰ حصہ نئے مسالہ سے جدید انجنیروں نے تیار کیا ہے!

وُلی صاحب نے کھدے ہوئے آثار کے بلا امتیاز اور اناپ شناپ تحفظ کے خلاف شدید صدائے احتجاج بلند کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ "میں نے بے شمار مواقع پر اس چیز پر اعتراض کیا۔ لیکن افسرانِ محکمہ نے اس کا یہی جواب دیا کہ ہم ازروئے ضمیر اس بات کے پابند ہیں۔ کہ آثار قدیم میں سے جو چیز ہمارے سامنے آجائے۔ اس کی حفاظت کریں۔ اس کا جواب ایک ہی ہے۔ کہ محکمہ ناممکن الحصول مقصد کے لئے قوم و ملک کا روپیہ ضائع کر رہا ہے"۔
"اس قسم کے کھنڈر کی حفاظت صرف ایک ہی طریقے سے ہو سکتی ہے۔ کہ اس کو دوبارہ دفن کر دیا جائے"۔

افسوس ہے۔ کہ محکمہ نے ان بنیادی اصولوں پر بالکل عمل نہیں کیا۔ پہاڑپور میں جو کام ہُوا۔ وہ کسی حد تک تسلی بخش معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ وہاں بہت کم تحفظ عمل میں آیا ہے۔ اسی طرح راولپنڈی کے علاقہ میں بدھ خانقاہوں میں جتنے تحفظ کی ضرورت تھی۔ اس سے کہیں زیادہ عمل میں لائی گئی ہے

اوراب وہاں پُرانی اور نئی چیز میں امتیاز کرنا بہت مشکل ہوگیا ہے حالانکہ دونوں کے درمیان کوئی امتیازی نشان ہونا چاہیئے۔ تاکہ لوگ دھوکے میں مبتلا نہ ہوں ۔

جولیان (Jaulian) میں ۲۰۰۰۰ روپیہ صرف ہوا لیکن اس سے فائدہ بہت کم ہُوا۔ اور یہ غنیمت ہی ہُوا۔ کہ Dharmarjika میں محکمہ کو وہ جانفشانی کا موقعہ نصیب نہ ہُوا ۔

سرکپ میں ۲۲ ایکڑ زمین کی کھُدائی ہوئی۔ جس پر بہت سا سرمایہ صرف ہوُا۔ جسے ضائع شدہ ہی خیال کرنا چاہیئے۔ بھیر کے ٹیلے (Bhir Mound) میں تمام سکیم کا اس قدر ستیاناس کیا گیا ہے۔ کہ علمی کام کے سلسلے میں مفید ہونے کے بجائے یہ ساری کوشش مُضر ثابت ہوئی ۔

اُن جگھوں میں جہاں پتھر کی بجائے اینٹ استعمال ہوئی ہے۔

صورتِ حالات اور بھی خراب ہے۔ قاعدہ یہ ہے۔ کہ پُرانی اینٹ کے شکستہ اور ریختہ ہونے کی صورت میں بھی اینٹیں لگائی جاتی ہیں۔ اب محکمہ کی جانب سے جو اینٹیں لگائی گئی ہیں۔ وہ اس درجہ پرانی اینٹوں سے مماثل ہیں۔ کہ خود افسرانِ محکمہ کے لئے نئے اور پُرانے کام میں امتیاز کرنا مشکل ہے۔ موہنجوڈارو میں ایک پُرانے گھر کی ایک دیوار نظر سے گذری۔ جس کا زمانہ ۲۶۰۰ قبل مسیح بتایا جاتا ہے۔ یہ دیکھ کر تعجب اور افسوس ہُوا۔ کہ اس ساری کی ساری دیوار میں ایک اینٹ بھی ایسی نہیں تھی۔ جس کی عمر پانچ سال سے زیادہ ہو۔ موہنجوڈارو کے سارے رقبے میں اسی طرح کا فریب وہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔ جو نہ آثار شناس کے لئے نفع بخش ہے نہ عوام کے لئے۔ وہ نئی دیواریں جو پُرانی بنیادوں پر

کھڑی کر دی گئی ہیں۔ آثارِ قدیمہ کی حیثیت سے بے کار محض ہیں کیونکہ پُرانے آثار نیچے سے دِن بدن خراب و خستہ ہوتے جائیں گے۔ گویا محکمہ نے اُن کو زمین سے کھود کر تلف کر دینے کا کام خود کیا +

باقی رہا نالندہ سو وہاں بھی یہی جوشِ بے محل نظر آتا ہے۔ یہاں اگرچہ احتیاط اور علمی دانشمندی کا کچھ نہ کچھ ثبوت مِل جاتا ہے۔ لیکن بے ضرورت اور بے مصرف کھدائی اور تحفظ کا مظاہرہ یہاں بھی ہوا۔ نالندہ میں ۱۳ خانقاہوں کی کھدائی اور مرمّت ہوئی۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ سب ایک ہی وضع اور اسلوب کی عمارتیں ہیں۔ اور مناسب یہ تھا کہ ان سب کو زندہ کرنے میں وقت اور روپیہ ضائع کرنے کی بجائے زیادہ سے زیادہ تین یا چار عمارتیں جلوہ گاہِ شہود پر لائی جاتیں اور باقی آنے والی نسلوں کے لئے زیرِ زمین مدفون ہی رہتیں۔ تو بہت اچّھا ہوتا +

عجائب خانے

آثارِ قدیمہ کے ساتھ عجائب خانوں کے قیام کی ابتدا ۱۹۰۴ئہ میں ہوئی۔ جب کہ اوّل مرتبہ محکمہ کی طرف سے سرناتھ (Sarnath) میں ایک عجائب گھر وہاں کے منقولہ قدیم نوادر کی حفاظت کے لئے قایم ہوا۔ دراصل یہ خیال یونان سے لیا گیا ہے۔ جہاں اس کا تجربہ بہت کامیابی کے ساتھ ہوا۔ اور اسی اصول کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے حکومت ہند نے بھی اس پر عمل کیا۔ چنانچہ اس وقت علاوہ سرناتھ کے نالندہ، ٹیکسلا، مہنجوڈارو، ہڑپا، نگر موناکنڈا، پگن وغیرہ میں عجائب گھر قایم ہیں۔ ان خالص محکمانہ عجائب گھروں کے علاوہ دہلی، لاہور اور کلکتہ میں بھی نوادرِ قدیمہ کے شعبے ہیں +

یونان ہندوستان کے مقابلے میں ایک مختصر ملک ہے۔ وہاں فاصلے

اِتنے زیادہ نہیں۔ جتنے یہاں ہیں۔اس لئے وہاں شایقین اور زائرین کا سب عجائب گھروں پر مجموعی نظر ڈالنا آسان ہے۔لیکن ہندوستان جیسے ایک وسیع برّاعظم میں یونان کی مثال پر عمل کرنا قرین دانشمندی نہیں ؛

عجائب گھروں سے تین چار فائدے مطلوب ہوا کرتے ہیں۔مثلاً ایک تو یہ ہے۔کہ نوادرِ قدیمہ کو محفوظ کیا جائے۔ دوسرا یہ ہے۔کہ اِن سے علمی تحقیق میں مدد ملے۔خواہ وہ اپنے سٹاف کی طرف سے ہو یا باقی سکالرز کی طرف سے اور تیسرا فائدہ یہ بھی ہوتا ہے۔کہ عام پبلک کو اِن کے ذریعے تعلیم دی جائے۔ ان سب فوائد کے حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے۔کہ سٹاف علمی طور پر تمام معلوماتِ متعلّقہ سے آراستہ ہو۔پھر یہ بھی لازمی ہے۔کہ سکالروں کے پاس تمام متعلّقہ رپورٹیں اور دیگر یادداشتیں موجود ہوں۔تاکہ حوالہ اور مطالعہ میں آسانی ہو۔لیکن ان نوادرِ قدیمہ کا نمایش گاہوں میں ان کھنڈروں کے پاس پڑا رہنا چنداں مفید نہیں۔ جتنا یہ ضروری ہے۔کہ وہ کسی اعلےٰ درجے کی لائبریری کے پاس ہوں۔ جہاں نوادر اور آرکیالوجی کے متعلق جملہ ضروریات مہیّا ہوں۔ یہ سچ ہے۔ کہ جہاں سے کوئی چیز دستیاب ہو۔ وہیں اس کو نمایش کے لئے رکھ دینا منطقی لحاظ سے اچھا معلوم ہوتا ہے۔لیکن افادی طور پر اس بات کی کوئی قدر و قیمت نہیں ؛

بعض عجائب گھر ایسے ہیں۔جن میں نہ تاریخی ترتیب ملحوظ ہے۔ نہ ان پر کوئی نشان یا علامت امتیازی موجود ہے۔جو شاید اس بات کا پتہ دیتی ہے۔کہ مایوس اور افسردہ مہتمم (Curator) پبلک اور زائرین کی بے اعتنائی کی وجہ سے اِکے دُکے سیّاح کے کبھی کبھار آنکلنے کو اس قابل نہیں خیال کرتا

ں پر زیادہ وقت صرف کرے۔ ان عجائب گھروں کو بے سُود ثابت کرنے
لئے صرف اتنی ہی بات کافی ہے۔ کہ ان کا تعلیمی پہلو بالکل کمزور ہے۔
کی وجہ زیادہ تر یہ ہے۔ کہ وہ ان دور دراز مقامات پر ہیں۔ جہاں شائقین
زائرین کا پہنچنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ موہن جوڈارو نسبتاً سب جگہوں
زیادہ توجہ خیز اور شہرت کا مقام ہے۔ لیکن وہاں بھی زائرین کی تعداد
میں ایک ہزار سے زیادہ نہیں ہوتی۔ اور اس تعداد میں بھی سال بہ سال
آتی جاتی ہے۔ نالندہ میں ہر سال ۰۰۰، سے زیادہ زائرین آتے ہیں
ن ان خانقاہوں کے وسیع رقبہ کو دیکھ چکنے کے بعد بچاروں میں اتنی
نہیں رہتی۔ کہ عجائب خانہ کو بھی دیکھ سکیں۔ یا اگر دیکھ بھی سکیں تو توجہ
غور سے مطالعہ کر سکیں۔ وقت جو ایک زائر صرف کرتا ہے۔ وہ اوسطاً
منٹ کے قریب ہوتا ہے۔

نگر جوناگڑھ میں تو حد ہو گئی ہے۔ وہاں ایک عجائب خانہ قایم ہو رہا
۔ جو بقول ڈائرکٹر جنرل آرکیالوجی "رسائی سے باہر ہے۔" اس پر ۲۷۰۰۰
صرف ہو رہا ہے۔ مقصود یہ ہے۔ کہ وہاں کے بعض قدیم سنگ تراشی
نمونوں کو محفوظ کیا جائے۔ حالانکہ گذشتہ دو سال کے عرصے میں جب
اُن کی نمایش ہو رہی ہے۔ محکمہ کے عملہ کے علاوہ سر لینو نارڈ وُلی پہلے
تھے۔ جنھوں نے ان اشیاء کو دیکھا۔ سچ یہ ہے۔ کہ وہ عجائب گھر جو
مرکزی مقام میں موجود ہو۔ تعلیمی لحاظ سے ان نمایش گاہوں سے ہزار گنا
مفید ہے۔ جو کھُدے ہوئے کھنڈروں کے ساتھ قایم کئے گئے ہیں
بہت دُور ہیں۔

ہندوستان میں آثارِ قدیمہ کے عجائب خانوں کے سلسلے میں مارخم اور

ہارگریو صاحبان نے جو رپورٹ مرتب کی ہے۔ اس میں ان کے نقائص اور خامیوں پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے۔ در حقیقت محکمہ کے سٹاف میں قابل لوگوں کی شایکی نہیں جس چیز کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ وہ ٹریننگ اور عمدہ تربیت ہے۔ ان میں بے شمار ایسے حضرات ہیں۔ جن کو صحیح معنوں میں اپنی استعداد اور صلاحیت کو بروئے کار لانے کا پورا پورا موقعہ نہیں ملا۔ ورنہ شاید محکمہ کی یہ حالت نہ ہوتی۔ تربیت اور ٹریننگ کا ایک طریقہ یہ بھی ہوتا ہے۔ کہ عملہ کے کہن خدمت افراد نو خدمت افراد کے لئے قابل تقلید ہوں لیکن یہاں تو وہ فارسی ضرب المثل صادق آتی ہے ع

خفتہ را خفتہ کے کند بیدار

حضرات! میں نے سر لینونارڈ وُلی کی رپورٹ کے ایک باب کا خلاصہ سا پیش کیا ہے۔ تاکہ آپ پر واضح ہو جائے۔ کہ محکمۂ آثار قدیمہ کس نہج پر چل رہا ہے اور اس کا طریقِ عمل کس درجہ غلط اور دُور از کار ہے۔ وُلی صاحب کی ماہرانہ رپورٹ محکمہ کی کارکردگی کے خلاف ایک پُرزور صدائے احتجاج ہے، اس کی مالی حکمت عملی، اس کی علمی اور تعلیمی بنیادِ عمل، اس کے اجزائے ترکیبی اس کی کھدائی اور اشیائے قدیمہ کی حفاظت کا طریقہ، اس کا آثار و عمارات کو چھوڑ کر بوسیدہ اور مٹے ہوئے مدفون آثار کو زندہ کرنے کی کوشش غرض تمام کا تمام نظام وُلی صاحب کے نزدیک اس قابل ہے۔ کہ اس کی اصلاح کی جائے اور اس کے متعلق جدید حکمتِ عملی اختیار کی جائے۔

ہندوستان کے اسلامی عہد کی تاریخ میں دلچسپی رکھنے والے حضرات جہاں محکمہ آثار کی بعض خدمات کے لئے شکرگزار ہیں۔ وہاں یہ احساس رکھنے میں حق بجانب ہیں۔ کہ تاریخ ہند کا ہزار سالہ دور اپنی درخشاں ایک

اعتبار سے یقیناً اس بات کا مستحق ہے۔ کہ لکھی ہوئی تاریخ کی تصدیق، تردید اور ترمیم کی خاطر تہذیب کا آثاری حصہ پورے کا پورا محفوظ رکھا جائے۔ گجرات، سندھ، بہاولپور اور راجپوتانہ میں قدم قدم پر تاریخ کی اَمِٹ شہادتیں موجود ہیں۔ لیکن ہماری غفلت اور محکمہ کی بے مہری سے بے پناہ طریق پر تلف ہو رہی ہیں۔ ان کی حفاظت کا مستقل بندوبست کیا جائے۔

محکمہ آثار میں قابل عربی فارسی جاننے والے مؤرّخوں کی افسوسناک کمی ہے۔ تاوقتیکہ محکمہ میں علم الآثار کے ماہر فارسی سے اور عہد اسلامی کی تاریخ سے کامل واقفیت رکھنے والے موجود نہ ہوں گے۔ اس وقت تک کام باحسن وجوہ انجام نہیں پا سکے گا۔

پھر ان ماہرین کی تربیت اور ٹریننگ کے لئے مکمل انتظام ہونا چاہیئے جو کتبوں کی صحیح شناخت کے لئے اسلامی خط کی تدریجی تاریخ سے کامل طور پر وابستگی رکھتے ہوں۔ فارسی زبان کی استعداد بھی بدرجۂ غایت ضروری ہے۔ اور اس کے ہمراہ ہندوستانی مصوّری اور دوسرے متعلّقہ فنون کا جاننا بھی لابُدی ہے۔

ان علوم وفنون کی علمی اور اصطلاحی واقفیّت از خود ایک امر محال ہے۔ اس کے لئے ناگزیر ہے۔ کہ محکمہ میں تین چار اعلیٰ درجے کے ماہرین ہر وقت موجود رہیں۔ جو تربیت اور تعلیم کا فرض انجام دیں۔ جس کے بغیر یہ ہرگز ممکن نہیں۔ کہ آثار قدیمہ کا یہ حصّہ صحیح معنوں میں محفوظ ہو سکے۔

سیّد محمد عبداللہ

رباعی کے اوزان یاد رکھنے کا ایک آسان طریقہ

(سلسلہ کے لئے دیکھو یہی رسالہ بابت ماہ فروری ۱۹۴۰ء)

(۲)

شجرۂ اخرب و اخرم

رباعی کی تاریخ میں دوسرا انقلاب شجرۂ اخرب و اخرم کی ایجاد ہے۔ یعنی اس کے چوبیس اوزان کو بارہ بارہ اوزان کے دو شجروں میں تقسیم کر دینا ان شجروں کے واضع امام عین الزمان حسن قطان مروزی ہیں جو سلطان سنجر کے عہد کے ایک زبردست حکیم۔ طبیب۔ مہندس اور ادیب ہیں تتمۂ صوان الحکمہ[1] میں جو حکمائے اسلام کی ایک تاریخ ہے ان کا ذکر ملتا ہے۔ عین الزمان ابی العباس لوکری کے شاگرد ہیں۔ موزوں طبیعت رکھتے تھے۔ کئی تصانیف کے مالک ہیں۔ از انجملہ کیہان شناخت ہیئت میں۔ طب میں کئی رسالے۔ ایک کتاب دوحہ انساب میں۔ ایک کتاب عروض میں ہے۔ تقلیل غذا ان کے معالجہ کی ایک نمایاں خصوصیت تھی[2]۔ غذا در کنار غذائی دواؤں سے بھی احتراز کرتے تھے۔ ۵۳۶ھ میں جب قراختائیوں نے قطوان کی جنگ میں سلطان سنجر کو

---

[1] از علی بن زید البیہقی متوفی ۵۶۵ھ مرتبہ پروفیسر محمد شفیع ۱۹۳۵ء، [2] تتمۂ صوان الحکمہ ص ۱۵۵،

شکست دی۔ اتسز خوارزمشاہ میدان خالی دیکھ کر مرو پر جو سنجر کا دارالسلطنت تھا چڑھ دوڑا۔ اس موقعہ پر مرو کے غنڈوں کی ایک جماعت خوارزمشاہی فوج کے ساتھ مل گئی اور شہر میں قتل و غارت کا بازار گرم ہوگیا۔ رشید وطواط وزیر دیوان رسالت خوارزمشاہ سے امام حسن قطان کے دیرینہ تعلقات تھے۔ امام صاحب ایک نہایت قیمتی اور بے نظیر کتب خانے کے مالک تھے۔ اس کے غارت ہو جانے کے خوف سے انہوں نے وطواط سے جو اتسز کی فوج میں موجود تھے سلسلہ جنبانی کی کہ میرا کتب خانہ خوارزمشاہی لشکر میں منگوا لیا جائے تاکہ تلف ہو جانے سے محفوظ رہے۔ لیکن وطواط نے ان کی منت پر کان نہیں دھرے اور نتیجہ یہ ہوا کہ تمام کتاب خانہ غارت ہوگیا۔ امام صاحب کو بے حد صدمہ ہوا۔ جوش غضب میں انہوں نے وطواط کو مطعون کرنا شروع کیا کہ میرا کتاب خانہ ان کے اشارہ سے غارت ہوا اور ہر محفل و مجلس میں اس کا چرچا کرتے رہے۔ وطواط نے معذرت میں عین الزمان کو لکھا کہ میں آپ کی خواہش کے مطابق آپ کے مکان پر پہنچا۔ لیکن چونکہ کتابیں بڑی تعداد میں تھیں اور ان کے نقل کئے جانے کا کوئی بندوبست ممکن نہیں تھا۔ اس لئے میں کتابوں کو اسی طرح چھوڑ کر واپس چلا آیا۔ اس جواب سے عین الزمان کی تسلی نہیں ہوئی اور بدستور وطواط کی بدگوئی میں مصروف رہے۔ آخر رشید نے اپنے مراسلات میں سختی کا لہجہ اختیار کیا اور دھمکی دی کہ اگر عین الزمان اپنی حرکات سے باز آگئے تو میں بدستور ان کا مخلص قدیمی ہوں۔ اور اگر میری بدنامی میں اسی طرح مصروف رہے تو میں ان کے خلاف چارہ جوئی کروں گا۔ یہ نوبت آنے پر ان میں کچھ صفائی کی صورت پیدا ہوگئی اور قصہ ختم ہوگیا[۱]۔

---

[۱] حدائق السحر تالیف رشید الدین محمد عمری کاتب بلخی معروف بوطواط متوفی ۵۷۳ھ۔ طہران صفحہ ط

امام عین الزمان ان شجروں کی ایجاد کی بنا پر دنیائے عروض میں بے حد مشہور ہیں اور تقریباً ہر عروضی اپنی تالیف میں ان کا تذکرہ کرتا ہے۔ شمس قیس المعجم میں کہتے ہیں کہ "خواجہ امام حسن قطان کہ یکی از ائمۂ خراسان بودہ است دو شجرہ ساختہ است یکی را شجرۂ اخرب گویند و دیگری را شجرۂ اخرم"۔ (ص ۹۱)

سیفی اپنے رسالہ میں تحریر کرتے ہیں:۔ "و از برای ضبط این اوزان خواجہ حسن قطان کہ از ائمۂ خراسان بودہ است دو شجرہ ساختہ است یکی را شجرۂ اخرب گویند و دیگرے را شجرۂ اخرم"۔

امام حسن قطان کے شجروں کا مطالعہ ہمارے لئے بڑی دلچسپی کا موجب ہوتا۔ مگر افسوس سے کہا جاتا ہے کہ دیگر عروضی قدیم تالیفات کی طرح ان کی یہ عروضی تالیف بھی مفقود و معدوم ہے۔ البتہ شمس قیس کا بیان ہے۔ کہ میں نے اپنی تالیف میں وہ شجرے اسی صورت میں نقل کئے ہیں۔ "من درین تالیف ہمان صورت نقش کردم" (ص ۹۱ المعجم) مگر شمس قیس کی کتاب کے مرتب مرزا محمد بن عبدالوہاب قزوینی یہ بری خبر سناتے ہیں کہ نسخۂ اصل میں چونکہ شجرہ کا زیریں حصہ شکستہ تھا۔ میں نے وحید تبریزی وغیرہ کے رسائل عروض سے اس کو درست کر لیا۔ جب مطبوعہ المعجم کے شجرہ کو المعجم کے قلمی نسخوں سے مقابلہ کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ بعض جزویات کے سوا دونوں شجرے یکساں ہیں۔ یہ شجرہ اگرچہ ایک حد تک سلجھا ہوا ہے مگر اس کی ساخت اور ترتیب اعتراض سے خالی نہیں۔ ایک تو اس میں چھ کی جگہ سات متوازی خطوط یا شاخیں بنا کر بادی النظر میں طالب علم کے لئے الجھن کا سامان پیدا کر دیا ہے اور جس کی بنا پر حشو دوم یا مصرعہ کے تیسرے رکن مفعولُ کو دیگر اوزان کے برخلاف دو جگہ یعنی مفعولن سے پہلے اور پیچھے رکھا گیا ہے۔

لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ طریقہ دانستہ اختیار کیا گیا ہے۔ تاکہ مفعولن کو قلب میں جگہ مل جائے اور باقی اوزان اس کے چپ و راست ایک دوسرے کا مثنیٰ یا جواب بن کر نصفا نصف آجائیں اور ذہن میں آسانی کے ساتھ منضبط ہو سکیں۔ مگر موجودہ شجرے اس التزام کے پابند نہیں ؛

یہاں مجھے شجرۂ اخرب کی کسی قدر تشریح کر دینی چاہیئے۔ اس شجرہ میں صدر و ابتدا یعنی مصرعوں کے آغاز میں بارہ مرتبہ مفعولُ تمام اوزان میں آتا ہے۔ حشو اول یعنی مصرع کے رکن دوم میں مفاعلن مفاعیلن اور مفاعیلُ چار چار بار بالترتیب آتے ہیں۔ تین ضرب چار، یہ بھی بارہ ہو گئے۔ مصرعوں کے تیسرے رکن یعنی حشو دوم میں چھ دو چند اوزان یعنی دو مفاعیلن ، دو مفاعیلُ ، دو مفعولُ ، دو مفعولن ، دو مفاعیلُ اور دو مفاعیلن آیا کرتے ہیں۔ یہ بھی چھ ضرب دو، بارہ اوزان ہو گئے۔ شمس قیس نے مفعولُ کو مفعولن کے دونوں پہلوؤں میں جگہ دی ہے۔ اس طرح مفعولن بالکل وسط میں آجاتا ہے۔ یعنی اس کی سیدھی طرف بالترتیب دو مفاعیلن دو مفاعیل اور ایک مفعول جگہ پاتے ہیں۔ یہی اوزان جواب کے طور پر بترتیب قلب اس کی بائیں طرف آرہے ہیں یعنے ایک مفعولُ دو مفاعیلُ اور دو مفاعیلن پانچ پانچ دس اور دو مفعولن جو بیچ میں ہے۔ یہ بھی بارہ ہو گئے۔ رہے مصرعوں کے آخری ارکان جنہیں عروض و ضرب کہتے ہیں چار ہیں یعنی فع فاع، فعل فعول جن میں سے ہر رکن خواہ بترتیب دوری خواہ جداگانہ تین تین بار آتا ہے۔ چار ضرب تین یہ بھی بارہ ہو گئے۔ شمس قیس کے ہاں ایک سے پانچ تک اور بارہ سے آٹھ تک تقابلی ترتیب کا لحاظ جو ممکن تھا نہیں رکھا گیا۔ البتہ باقی ارکان میں کوئی ترتیب قائم نہیں ہو سکتی۔ المعجم کے مطبوعہ نسخے سے شجرۂ ذیل یہاں نقل کرتا ہوں :-

شجرہ اخرب

از المعجم فی معاییر اشعار العجم صفحہ ۹۲ طبع بیروت سنہ ۱۳۳۲ھ

نمبر اوّل
شجرۂ اخرم

(شجرہ نمبر۲) مولنا جامی نے اپنے عروضی رسالہ میں دونوں شجروں کو نصف نصف دائرہ میں قائم کرکے ایک دائرہ کے اندر بند کردیا ہے۔ اخرب اور اخرم شجروں کا جو فرق ہے وہ ہر وزن کے متوازی وزن کے دیکھنے سے بآسانی سمجھ میں آجاتا ہے مثلاً مفعول مفاعیلن مفعول فعول اخرب کے مقابل، وزن اخرم مفعولن مفعولن مفعول فعول نظر آتا ہے۔ جس سے بیک نگاہ معلوم ہوسکتا ہے کہ جب مفعول مفاعیلن میں مفاعیلن کا میم بروی تجنیق اس کے مقدم مفعول میں شامل کردیا گیا تو یہ وزن مفعولن مفعولن اخرم میں بدل گیا۔ جس طرح بساط پر گھوڑا چلتا ہے تقریباً اسی طرح اوزان ان شجروں میں ترتیب دیے گئے ہیں۔ اوزان جماتے وقت جامی نے حشو دوم میں شمس قیس سے اسی حدتک اختلاف کیا ہے کہ مفعول کو مفعولن سے مقدم و مؤخر لانے کے بجائے صرف مفعولن سے پیشتر درج کیا ہے۔ چوتھے رکن میں بھی اسی تبدیلی کے ماتحت اختلاف رونما ہے جامی کے شجرے ذیل میں درج ہیں:۔

نمبر۲

شجرۂ اخرب واخرم

از رسالۂ عروض مولنا جامی

(شجرہ ۳) عروض سیفی میں جامی کی طرح دونوں شجروں کو ترکیب دے کر نہیں دکھایا گیا ہے۔ بلکہ جداگانہ درخت کی شکل میں۔ یعنی مفعولُ تنہ کی مفاعلن مفاعیلن اور مفاعیلُ تین شاخیں ہیں۔ بیچ کی شاخ مفاعیلن سیدھی چلی گئی ہے۔ مفاعلن اور مفاعیلُ دونوں شاخیں دائیں بائیں پھیل گئی ہیں۔ جن کے دو دو شاخیں اور ان شاخوں کے پھر دو دو شاخیں ہیں۔ لیکن یہ شاخیں سب ایک دوسرے کا جواب ہیں جس سے شجرہ کے سمجھنے اور یاد رکھنے میں بہت سہولت ہو جاتی ہے البتہ مفاعیلن کی شاخیں ذہن میں رکھنے کے قابل ہیں جنہیں سمجھانے کی غرض سے کہا جاسکتا ہے کہ شاخ مفاعیلُ میں تجبیق کے عمل سے گویا پیدا ہوتی ہیں سیفی کے شجرے جو یقیناً پچھلے دونوں شجروں سے بہتر ہیں ذیل میں درج ہیں۔

(شجرہ ۲۸) وحید تبریزی ایک مشہور عروضی مؤلف ہے۔ اس کی تالیف جمع مختصر کا ایک قلمی نسخہ نوشتہ ۹۷۷ھ میرے مجموعۂ کتب عروض میں شامل ہے۔ اس نسخہ کے متعلق ایک قابل ذکر امر یہ ہے کہ وہ ایک عورت کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے جس کا نام حبیبہ بنت محمد قاسم محدث ہے ؛

وحید کے شجرے اگرچہ سیفی کے نمونوں پر قائم ہیں مگر سیفی کے التزام کی پروا کم کی گئی ہے۔ برخلاف شمس قیس، وحید نے مفعول کو مرکزیت دے کر مفعولن کو اس کے آس پاس جما دیا ہے۔ شجروں کا نقشہ ملاحظہ ہو :-

شجرۂ اخرم

نمبر ۲

از جمع مختصر وحید تبریزی

شجرۂ اخرب

(شجرہ ۵) نقضائی کی تنقید الدرر میں جو عبداللہ خان اوزبک پادشاہ توران کے عہد میں تصنیف ہوئی ہے۔ سخت غلط شجرے دیئے گئے ہیں۔ ان میں کسی ترتیب کا لحاظ نہیں رکھا گیا سوائے اس کے کہ مفاعیلن مفاعلن اور مفاعیل کو دو دو شاخوں میں تقسیم کر کے چھوڑ دیا ہے۔ بجائے بارہ اوزان کے صرف چھ پر قناعت کی ہے۔ اور مفاعلن کو درمیانی شاخ قرار دیا ہے۔ اختصار البتہ ان کی خوبی مانی جا سکتی ہے۔ اگر ان شجروں کو ان کی اصلی حالت پر لایا جائے تو حسب ذیل ہوگی :-

از تنقید الدرر نقضائی

نمبر ۵

(شجرہ ۶) - مجمع الابحار فی بیان عروض الاشعار محمد واصل کی تصنیف ہے - اس کے شجروں میں یکسانیت کا کوئی خیال نہیں رکھا گیا - چنانچہ :-

مفعولن
فاعلن
مفاعیلن فاع
مفاعیل فعول فعل
مفعولن فاع
مفعول فعل فعول
مفاعیل فعول فعل

شجرۂ اخرم

مفعول
مفاعیل
مفاعیلن
مفعولن فاع فع
مفعول فعول فعل
مفاعیلن فاع فع
مفاعیل فعول فعل

شجرۂ اخرب

از مجمع الابحار فی بیان عروض الاشعار

نمبر ۶

۱۷ - ۱ - میر شمس الدین فقیر بارھویں صدی ہجری کے بزرگ ہیں - انہوں نے غالباً پہلی مرتبہ ان شجروں کو دائروں کی شکل میں منتقل کیا ہے - لیکن اوزان کے نقل کرتے وقت انہوں نے کسی ترتیب سے کام نہیں لیا - مثلاً حشو اول کا جس میں مفاعلن مفاعیلن اور مفاعیلُ چار چار بار آتے ہیں - انضباط اس طرح ہوا ہے مفاعیلن ۳ - مفاعیل ۱ - مفاعلن ۳ - مفاعیل ۲ - مفاعیلن ۱ - مفاعلن ۱ مفاعیل - اس بے ترتیبی سے یہ دائرے شجروں کے مقابلہ میں مشکل بن گئے ہیں - اس پر طرّہ یہ کہ اخرب و اخرم میں وہی یکسانی نہیں پائی جاتی - دائرے یہ ہیں : -

(۸) ۔ کرامت علی جونپوری نے اپنی تالیف مختصر قواعد عروض و قوافی میں ذیل کے دائرے درج کئے ہیں۔ لیکن ان میں نہ تو حشو اول کے اوزان کا لحاظ رکھا گیا ہے نہ عروض و ضرب کا۔ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ عروض و ضرب کے اعتبار سے پہلے چھ اوزان ہیں فعول۔ فعل کو بالترتیب یکے بعد دیگرے لایا گیا ہے۔ باقی چھ اوزان میں فاع فع بے ترتیب طور پر ملتے ہیں۔ میں نے شجرۂ اخرب کو جس میں تین غلطیاں موجود تھیں شجرۂ اخرم کے مطابق درست کر دیا ہے۔ یہ یاد رہے کہ میر شمس الدین فقیر کے عہد سے دائرے زیادہ مقبول ہوتے چلے ہیں۔ قدر بلگرامی اور نجم الغنی جیسے ماہرین فن بھی دائروں کا استعمال کر رہے ہیں۔ حالانکہ شجروں کے مقابلے میں دائرے زیادہ تکلیف دہ اور ناگوار معلوم ہوتے ہیں۔
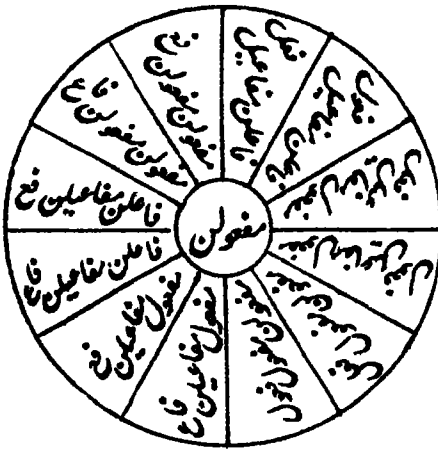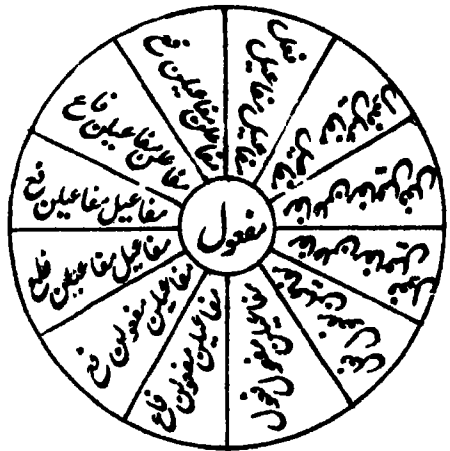
دائرۂ اخرب نمبر ۸ دائرۂ اخرم

از مختصر قواعد عروض از
کرامت علی جونپوری

شجرہ ۹) ۱۲۵۹ھ میں محمد حسین راقم نواب محمد غوث خان بہادر والی کرناٹک
کے واسطے عروض میں ایک رسالہ موسوم بہ میزان الاشعار تالیف کرتے ہیں۔
راقم کے مربع شجروں کا منصوبہ زیادہ تر سیفی کے اثر میں ہے اور بہت سہل
ہے۔ طالب علم آسانی سے اس کو اپنے ذہن میں مستحضر کرسکتا ہے۔ وہو ہذا۔

شجرہ ۹

از میزان الاشعار

مفاعیل فعل فعول

مفاعیل فعل فعول

مفاعیل فعل فعول

مفاعیل فعل فعول

(۱۰۱)۔ شیخ مہدی علی زکی اردو زبان میں ایک رسالۂ عروض کے مصنف ہیں۔ جس کا سال طبع ۱۲۶۵ھ ہے۔ مطبع کا نام درج نہیں۔ زکی کے ہاں ایک شجرہ ایک نخل کی شکل میں ہے۔ جس میں چھ اوزان ایک طرف اور چھ ایک طرف ہیں۔ فاع فعول کھجور کے راست پر اور فع فعل چپ پر ہیں جشو اول میں پہلی چار شاخیں مفاعیلن سے متعلق ہیں۔ ان سے اوپر مفاعیل سے اور سب سے اوپر کی مفاعلن سے۔ شجرۂ اخرم ایک سرو کی شکل میں ہے۔ یہاں بھی چھ چھ وزن دو طرفہ آئے ہیں۔ مگر فع فعل ایک طرف اور فاع فعول دوسری طرف لانے کا التزام جیسا کہ نخل والے شجرے میں دیکھتے ہیں یہاں مفقود ہے۔

غلام حسنین قدر بلگرامی فن عروض میں شمس العلما سید علی بلگرامی کے استاد ہیں اور انہی کی فرمایش سے اردو کی مشہور کتاب قواعد العروض تصنیف کرتے ہیں۔ انہوں نے شمس الدین فقیر اور کرامت علی جونپوری کی طرح رباعی کے اوزان کو دائروں کی شکل میں مرتب کیا ہے۔ اور ان پر ہند سے ڈال دیئے ہیں۔ اخرب کو وہ غیر مجبق اور اخرم کو مجبق کہتے ہیں۔ جو نام زیادہ صحیح معلوم ہوتے ہیں۔ اس بارہ میں ان کا قول یہاں نقل کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے فرماتے ہیں:۔

"عروضیوں نے چوبیس وزن ڈھونڈھ نکالے اور خواجہ حسن قطان خراسانی نے اُن سب کے دو شجرے بنائے اور ہر شجرے میں بارہ وزن ٹھہرائے۔ ان تمام اوزان میں چار قسم کے عروض و ضرب آتے ہیں۔ یعنی فعول بسکون آخر اہتم۔ فعل مجبوب۔ فاع ازل۔ فع مجبق مجبوب۔ اور ان میں تین قسم کے حشو آتے ہیں۔ مکفوف۔ مقبوض۔ مجبق۔ مگر فی الحقیقت دیکھو تو وہ چاروں عروض وضرب اصل میں دو ہی ہیں۔ یعنی اہتم و ازل۔ باقی دو انہیں کی تجبیق سے پیدا ہوئے ہیں۔ الغرض سب کی صدر و ابتدا دو قسم کی بنائی گئی۔ ایک اخرب دوسری اخرم۔ اسی باعث سے دو شجرے قائم کئے ہیں۔ مگر درحقیقت یہاں سخت سہو ہے۔ اصل میں صدر و ابتدا ایک ہی ہے یعنی اخرب۔ کیونکہ صدر و ابتدا کے بعد رکن مکفوف یا مقبوض ضرور لاتے ہیں۔ اس لئے صدر یا ابتدا کے ساتھ تجبیق ہوکر خرم کی شکل پیدا ہوجاتی ہے۔ جب رکن مکفوف کے ساتھ تجبیق ہوتی ہے تو وہ مفعول بن جاتا ہے۔ اُس رکن ثانی کو بھی لوگ اخرب ٹھہراتے ہیں۔ حالانکہ خرب درمیان مصرع آ ہی نہیں سکتا۔ جب رکن مقبوض کے ساتھ تجبیق ہوتی ہے۔ تو اس کو اشتر کہتے ہیں۔ باوجودیکہ شتر بسبب ترکیب خرم مصرعے کے مابین

واقع نہیں ہوسکتا۔ پس اسی خُرب وشُتر کے دھوکے میں لوگ صدر وابتدا کو اخرم کہہ دیتے ہیں۔ یہ ابھی ثابت ہوچکا ہے کہ خرب وشتر درمیان میں نہیں آتے۔ جب یہ درمیان میں نہ آئے بلکہ باہم آغاز مصرع ورکن مابعدہ میں تحقیق ہوگئی تو صدر وابتدا کا اخرم ہونا یہاں بے اصل ٹھہرا۔"

(صـ۱۲۸ قواعد العروض سنہ ۱۲۸۸ء طبع شام اودھ)

(شجرہ ۱۱) حضرت قدر نے اپنے دائرے مصرعوں کے آخری رکن یعنی عروض و ضرب کے اوزان فعول فعل فاع فع کے اعتبار سے تیار کئے ہیں۔ یعنی پہلے تین اوزان میں فعول اور بعد کے تین اوزان میں فعل تین تین بار آتے ہیں اسی طرح آخری چھ اوزان میں فاع اور فع الگ الگ تین تین بار آتے ہیں۔ ان چاروں میں سے ہر ایک کے ساتھ حشو اوّل میں مفاعیل مفاعلن مفاعیلن بالترتیب آتے ہیں۔ حشو دوم میں دو مفاعیلُ ایک مفعولُ ہر فعول اور ہر فعل کے ساتھ۔ دو مفاعیلن اور ایک مفعولن ہر فاع اور ہر فع کے ساتھ آتے ہیں ذیل میں ان دائروں کا نقشہ دیا جاتا ہے:۔
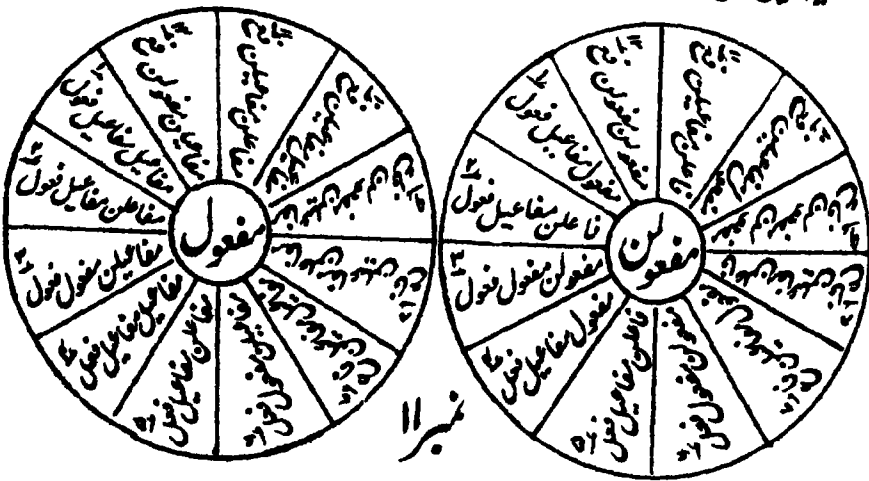
شجرۂ غیر مجتق ـــ از قواعد العروض قدر بلگرامی سنہ ۱۲۸۸ء ـــ شجرۂ مجتق

یہ دائرے اگرچہ ان کے پیشرو دائروں سے بہت بہتر اور منضبط ہیں پھر بھی ہماری قوتِ حافظہ پر زیادہ زور ڈالتے ہیں۔ میرے خیال میں ان میں ابھی اصلاح و ترقی کی گنجائش ہے۔ جو ترتیب اوزان سے کم اور دائروں کے خطوط سے زیادہ تعلق رکھتی ہے۔ اگرچہ شجروں کے مقابلے میں دائرے سلجھے ہوئے نہیں ہوتے۔ عنقریب دو دائرے (۱۳) درج کئے جاتے ہیں۔ جو گذشتہ دائروں سے غالباً زیادہ صاف اور سلجھے ہوئے ثابت ہوں گے۔

(۱۳) مصنف مشہور مولٰنا نجم الغنی نے بحر الفصاحت میں اوزان رباعی اُردو کے ذریعہ سے دکھائے ہیں۔ اور ان پر نمبر شمار بھی دیا ہے۔ مگر بظاہر کسی ترتیب کا اصول نہیں برتا۔ ہم ان کو حضرت قدرؔ کے دائروں کے مقابلہ میں جگہ نہیں دے سکتے۔ ان دائروں کی بے ترتیبی کی مثال میں اس قدر کہنا کافی ہوگا۔ کہ عروض و ضرب میں فاع کو نمبر ۱، ۲، ۴ میں۔ فعل کو ۳، ۹، اور ۱۲ میں۔ فع کو ۵، ۶، ۸ میں اور فعول کو ۷، ۱۰ اور ۱۱ میں جگہ ملی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس حشو اول میں مفاعلن کو وزن یکم، پنجم، یازدہم و دوازدہم میں اور مفاعیلُ کو وزن دوم، سوم، ششم و دہم میں اور مفاعیلن کو وزن چہارم، ہفتم، ہشتم و نہم میں رکھا گیا ہے۔ اسی طرح دائرہ اخرم میں بھی جس کو اخرب کے مطابق ہونا چاہیئے۔ پھر ترتیب بدل دی ہے۔ مثلاً حشو اوّل میں فاعلن کو وزن یکم، سوم، ششم و یازدہم میں اور مفعولُ کو وزن دوم، ہفتم، ہشتم و دہم میں، اور مفعولن کو وزن چہارم، پنجم، نہم و دوازدہم میں جگہ ملی ہے۔ چنانچہ ذیل کے دائرے ملاحظہ ہوں:۔
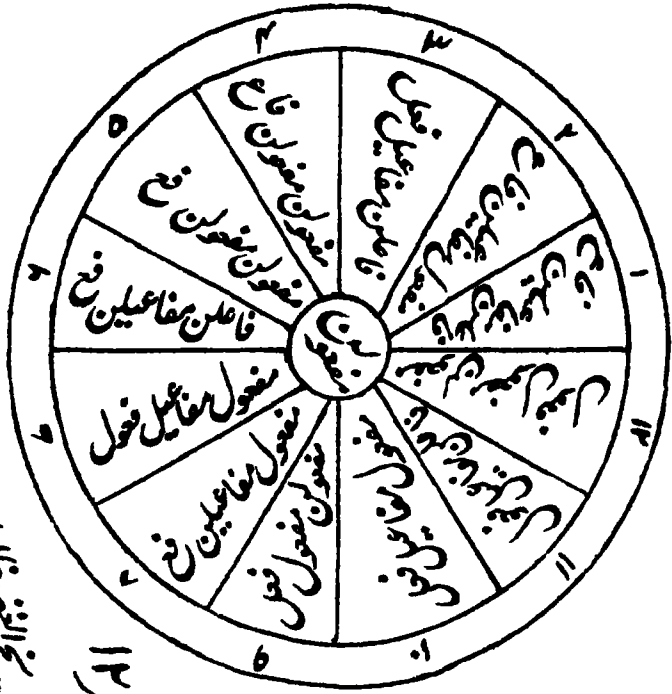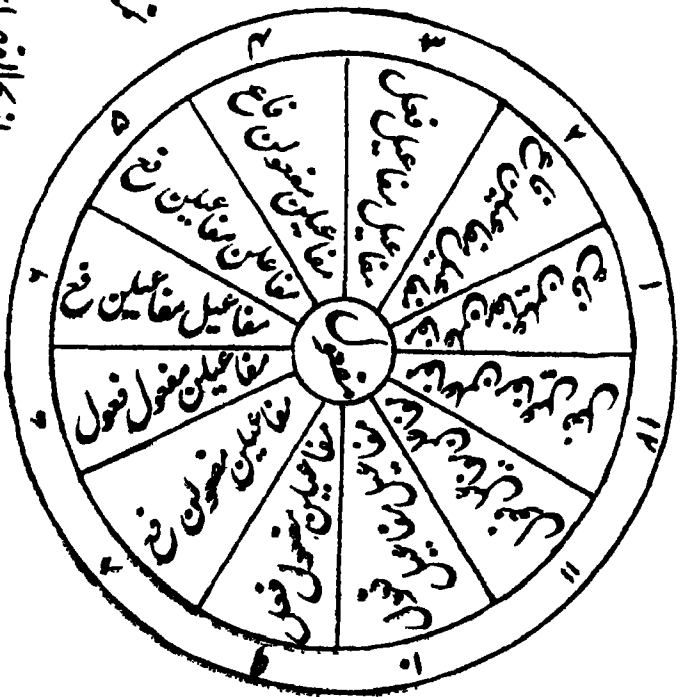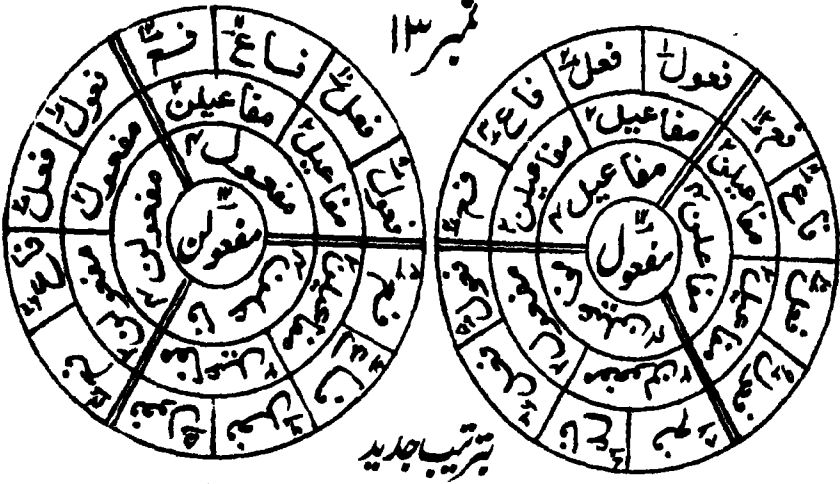
دائرۂ اخرم   دائرۂ اخرب

نمبر ۱۳ دائروں کی طرف اس سے قبل اشارہ کیا جا چکا ہے۔ یہ دائرے میری رائے میں مذکورہ بالا تمام دائروں سے زیادہ مدلل اور منظم ہیں حشو اوّل کے مفاعیلُ مفاعیلن مفاعلن کی خاطر سے اوپر کے تین دائروں کو تین دوہرے خطوں کے ذریعہ سے تین مساوی حصّوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ تاکہ ان تینوں ارکان کا دائرہ عمل علیحدہ علیحدہ بنایا جا سکے۔ ان میں سے ہر رکن چار چار بار آتا ہے۔ اسی لئے ہر ایک کے لئے عروض وضرب بھی چار چار آئے۔ اور حشو دوم میں چھ دوہرے ارکان آئے۔ یعنے مفاعلن اور مفاعیلُ کے ساتھ تو مفاعیلُ مفاعیلن آتے ہیں اور مفاعیلن کے ساتھ مفعولُ مفعولن۔ مذکورۂ بالا خط جس طرح حشو اول حشو دوم اور عروض وضرب کا باہمی علاقہ واضح کرتے ہیں (یعنی چاروں عروض وضرب کے ساتھ حشو اول چار چار مرتبہ آئے گا اور حشو دوم دو دو مرتبہ آئے گا۔ اسی طرح اکہرا خط حشو دوم اور عروض وضرب کے باہمی ربط کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ کہ حشو چھ ہیں اور عروض وضرب بارہ' اس لئے ظاہر ہے کہ یہ چھ ان بارہ کے ساتھ دوہرائے جائیں گے۔ تاکہ بارہ ہو جائیں۔ ہر دائرے کے اندر تین تین دائرے اور

ہیں ۔مرکزی دائرہ صدر وابتدا سے متعلق ہے۔اس سے اوپر والا دائرہ حشو اوّل اور اس سے اوپر کا دائرہ حشو دوم اور آخری دائرہ عروض وضرب کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ہندسوں سے یہ وضاحت مقصود ہے کہ صدر وابتدا ۱۲۔حشو اول ۳ × ۴ = ۱۲۔حشو دوم ۶ × ۲ = ۱۲۔ اور عروض وضرب ۴ × ۳ = ۱۲ ہوئے ؛

ان مختلف شجروں اور دائروں کے مطالعہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تشکیل وتدوین میں ہر مصنف نے کچھ نہ کچھ جدّت دکھانے کی کوشش کی ہے ۔ان میں سے شجروں میں سیفی اور اس کے مقلد محمد حسین راقم کے مقابلتہً بہتر ہیں ۔ دائروں میں قدر بلگرامی کا دائرہ یقیناً بہترین مانا جاسکتا ہے ۔ تاہم کہا جاسکتا ہے ۔کہ اس سلسلے میں اب بھی ترقی کی گنجایش ممکن ہے ۔ دائرے کے گورکھ دھندے کو کامیابی کے ساتھ ذہن نشین کرنے کے لئے ہمیں یہ مقولہ یاد رکھنا چاہیئے ۔کہ بعض اوقات اجمال تفصیل پر قابلِ ترجیح ہے ۔ وہ دائرہ ہو یا شجرہ جس قدر اس کو پھیلا کر بیان کیا جائے گا۔ اسی قدر اس کا مستحضر ہونا ہمارے لئے دشوار ثابت ہوگا ۔ اس لئے یہ مناسب ہے۔ کہ ہم اختصار کے اصول پر عمل درآمد کریں ۔ اس مقصد سے یہاں مَیں دو مختلف خاکے آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں ۔ جن میں پہلا مفصل ہے اور دوسرا اس کا اختصار ہے ۔ وہو ہذا :۔

اخرب

	صدر و ابتدا	حشو اول	حشو دوم	عروض و ضرب
۱	مفعولُ	مفاعلن	مفاعیلن	فاع
۲	"	"	"	فع
۳	"	"	مفاعیلُ	فعول
۴	"	"	"	فعل
۵	"	مفاعیلُ	مفاعیلن	فاع
۶	"	"	"	فع
۷	"	"	مفاعیلُ	فعول
۸	"	"	"	فعل
۹	"	مفاعیلن	مفعولن	فاع
۱۰	"	"	"	فع
۱۱	"	"	مفعولُ	فعول
۱۲	"	"	"	فعل

اخرم

	صدر و ابتدا	حشو اول	حشو دوم	عروض و ضرب
۱	مفعولن	فاعلن	مفاعیلن	فاع
۲	"	"	"	فع
۳	"	"	مفاعیلُ	فعول
۴	"	"	"	فعل
۵	"	مفعولُ	مفاعیلن	فاع
۶	"	"	"	فع
۷	"	"	مفاعیلُ	فعول
۸	"	"	"	فعل
۹	"	مفعولن	مفعولن	فاع
۱۰	"	"	"	فع
۱۱	"	"	مفعولُ	فعول
۱۲	"	"	"	فعل

مفصل ۲۴

بطرز جدید

یہ نقشہ اگرچہ مکمل ہے مگر اس میں ایضاً کی علامت کے استعمال نے اس کی دقت اور دشواری کو بہت کچھ کم کر دیا ہے۔ اور جب اس علامت کو بھی رفع کر دیا جاتا ہے تو اس کے حجم میں اور بھی تخفیف ہو جاتی ہے۔ اور اڑتالیس اوزان کا نقشہ صرف بائیس اوزان پر شامل رہ جاتا ہے۔ چنانچہ:-

نقشہ اخرم

- مفعولن۱۲
  - فاعلن۴
    - مفاعیلن۲ — فاع / فع
    - مفاعیل۲ — فعول / فعل
  - مفعول۴
    - مفاعیلن۲ — فاع / فع
    - مفاعیل۲ — فعول / فعل
  - مفعولن۴
    - مفعولن۲ — فاع / فع
    - مفعول۲ — فعول / فعول

نمبر ۱۵

نقشہ اخرب

- مفعول۱۲
  - مفاعلن۴
    - مفاعیلن۲ — فاع / فع
    - مفاعیل۲ — فعول / فعل
  - مفاعیل۴
    - مفاعیلن۲ — فاع / فع
    - مفاعیل۲ — فعول / فعل
  - مفاعیلن۴
    - مفعولن۲ — فاع / فع
    - مفعول۲ — فعول / فعل

اس اختصار سے ایک تو یہ فائدہ ہوا کہ اخرب واخرم کے اوزان واضح
ر پر بغیر کسی گنجلک کے ہمارے ذہن میں آ گئے۔ دوسرے یہ کہ ہم چند منٹ
) اس نقشہ کو ازبر کر سکتے ہیں۔ مختصراً یوں کہا جا سکتا ہے :۔
شجرۂ اخرب :۔ رکن اول مفعولُ ۱۲ ۔ رکن دوم مفاعلن ۴ ۔ مفاعیلُ ۴ ۔
عیلن ۴ ۔ یہ بھی بارہ ہو گئے ۔ رکن سوم ۔ مفاعیلن مفاعیلُ دو دو بار یا فاع
فع وفعول وفعل در رکن چہارم ۔ اس کے بعد پھر یہی اوزان دوہرائے جاتے
ں اور آخر میں مفعولن مفعولُ یا فاع فع وفعول فعل ۔ اس نقشے کو اور مختصر
نے کے لئے ہمیں رباعی کی تقطیع میں اساسی تبدیلی کرنی ہوگی یعنی مثمن
ے اسے مسدس بنانا ہوگا ۔ جس سے نہ صرف اس کا یاد رکھنا آسان ہو جائیگا
بعض اوزان کے بے قاعدہ آنے سے جو دقت پیش آتی تھی ۔ اس سے
) چھٹکارا مل جائے گا ۔ ان کے علاوہ اخرب اور اخرم اوزان کا فرق نہایت
انی سے معلوم ہو جائے گا ۔

اس غرض سے ہمیں نقشۂ اخرب میں صدر و ابتدا کے رکن مفعولُ
ے ساتھ ، حشو اول میں آنے والے ارکان مفاعلن مفاعیلُ مفاعیلن کا وتد
رع مفا ، ضم کر دینا پڑے گا ۔ جس سے پہلا رکن 'مفعولُ مفا' تبدیل ہو کر
متَفعِلاتُن بن جائے گا ۔ بچے ہوئے علن عیلُ اور عیلن حشو دوم کے
اعی اور مفعو سے ترکیب پا کر بالترتیب 'علن مفاعی' عیلُ مفاعی اور
ن مفعُو ہو کر مفاعِلاتُن ، مُفتَعِلاتُن اور مفعولاتن سے بدل جائیں گے ۔
۔ دوم کے باقیماندہ اجزا لُن ۔ لُ عروض وضرب کے ارکان فاع ' فع '
لُ ، فعَل سے مل کر بالترتیب مفعول ، فعْلن ، فعِلات اور فعِلن (بحرکت
ن) کی صورت اختیار کر لیں گے اور بترتیب دوری تین تین مرتبہ آئیں گے

جس سے ہمارا نقشہ مثمن سے مسدس میں منتقل ہو جائے گا۔ ان کے علاوہ اخرم اور اخرب کے فرق یاد رکھنے کی زحمت جس کی بنا پر عروضیوں کو دو دو شجرے اور دائرے بنانے پڑے خود بخود دور ہو جاتی ہے۔ جدید تجویز کی رو سے اگر ہمیں اخرب کو اخرم بنانے کی ضرورت پڑے تو اس کے لئے کسی نئے شجرے کی حاجت نہیں ہے۔ بلکہ صرف اس کے پہلے رکن مُسْتَفْعِلُاتُنْ کو کاٹ کر اس کی جگہ مفعولاتن لے آنے سے اخرم بن جاتا ہے۔

نمبر ۱۶ طرز جدید

(اخرب) مُسْتَفْعِلُنْتُنْ (۴)
(یا)
(اخرم) مَفْعُولَاتُنْ (۱۲)

- مَفَاعِلَاتُنْ (۴)
  - مَفْعُوْلُ
  - فَعْلُن
  - فَعِلَاتُ
  - فَعِلُنْ
- مُفْتَعِلَاتُنْ (۴)
  - مَفْعُوْلُ
  - فَعْلُن
  - فَعِلَاتُ
  - فَعِلُنْ
- مَفْعُولَاتُنْ (۴)
  - مَفْعُوْلُ
  - فَعْلُن
  - فَعِلَاتُ
  - فَعِلُن

نمبر ۱۶

طرز جدید

عروضی نقطۂ نظر سے یہ نقشہ ایک مہمل بدعت ہے۔ جس کو کسی عروضی کی تائید حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس کے ماننے کی صورت میں زحافات کے نقطۂ نظر سے بے حد مشکلات کا سامنا ہو گا۔ لیکن فن سے قطع نظر میں نے اس کے افادی پہلو کو مدِ نظر رکھ کر آپ حضرات کی خدمت میں اس کے پیش کرنے کی جرأت کی ہے۔ اس کے سہل اور سادہ ہونے میں یقیناً کسی کو انکار نہیں ہو سکتا اور طالب علم ایک ادنیٰ توجہ سے اس کو یاد رکھ سکتا ہے مثمنات کے اعتبار سے رباعی کے کل ارکان چھبیس ضرب چار، چھیانوے بنتے ہیں۔ نقشۂ بالا میں صرف سترہ ارکان ہیں۔ جن کے ذریعہ سے باقی ارکان کی بازیافت ہو سکتی ہے۔ اگر ان میں سے مکررات کو حذف کر دیا جائے تو صرف نو اوزان رہ جاتے ہیں۔ جن کا یاد رکھنا کوئی بڑا کام نہیں۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ ذرا سی مشق سے ہم ان اجنبی اوزان پر قابو پا سکتے ہیں۔ میرے خیال میں رباعی کی تقطیع ان اوزان سے عروضی اوزان کے مقابلے میں بہت آسان اور رواں ہو جاتی ہے ؛

محمود شیرانی

صلّى الله عليه وسلّم يقول : انت منّى بمنزلة هارون من موسىٰ غير انّه لا نبىّ بعدى، ولقد رأيته بأرز يوم بدرٍ وهو يُحَمْحِم كما يُحَمْحِم الفرسُ ويقول [1] :-

بازلُ عامين حديثٌ سنّى
سنحنحُ الليل كأنّى جنّى
لمثل هذا ولدتنى امّى

فما رجع حتّى خضبت سيفه دمًا ؛

(٨٩) مُبَيِّضُ البَطْحَاءِ ابو اميّة حُذَيفة بن المغيرة بن عبد الله بن عمر المخزومىُّ الجَوَاد

من ألقاب ابى اميّة حذيفة [2] بن المغيرة بن عبد الله بن عمر ابن مخزوم بن يقظة بن مُرّة بن كعب بن لوىّ بن غالب بن فهر بن مالك بن النّضر القُرَشىّ المخزومى وهو ابو امّ سَلِمَة زَوجِ النبىّ صلّى الله عليه وسلّم ؛

---

[1] انظر ديوان علىّ كرّم الله وجهه (ص ٢٠٧) وفى لسان العرب (١٠ : ٢٨) : سمعمع الليل كأنّى جنّى ؛ على انّ رواية المصنّف ايضًا موجودة فيه (٣ : ٣٣٢) والسنحنح : العرّيض فى الليل [2] يعرف بابى أُميّة، ولم نجد اسمه حذيفة فى المظانّ على انّ المصنّف ايضًا اطّلع عليه بعد تتميم الكتاب فانّه ذكره اوّلاً بكنيته فحسبُ ثمّ زاد عليها اسمه ، وهو زوج عاتكة عمّة النبىّ صلّى الله عليه وسلّم، انظر اخبار امّ سلمة وعاتكة رضى الله عنهما فى كتاب المعارف ص ٦٢ ؛

الميم والتاء وما يثلثهما

(٩٠) المتأيد بالله ابو احمد [وابو] منصور ادريس بن علي الناصر بن حمود العلوي الحسني الخليفة بالاندلس

قال صاحب تاريخ الاندلس: لما قتل المعتلي بالله يحيى بن علي في المحرم سنة سبع وعشرين واربعمائة رجع ابو جعفر احمد ابن ابي موسى بن نقية ونجا الخادم الصقلبي – وهما مدبرا دولة الحسنيين – فاتيا مالقه، وكان اخوه ادريس بن علي بسبتة فاستدعياه الى مالقه وبايعاه بالخلافة، وتلقب بالمتأيد بالله[1] فبقي كذلك الى سنة ثلاثين، وحدث القاضي محمد بن اسماعيل[2] ابن عباد نفسه بالتغلب على البلاد وكان المتأيد محب الادب ولم يزل مطاع الامر الى ان توفي في المحرم سنة احدى و ثلثين واربعمائة وكانت مدته اربع سنين؛

(٩١) المتعزز بالله ابو اسحق ابراهيم بن الوليد بن عبد الملك ابن مروان الاموي الخليفة بدمشق

ذكره الحافظ ابو القاسم بن عساكر في تاريخ دمشق[3]، وقال: بويع له بالخلافة بعد اخيه يزيد[4] بن [الوليد بن][5] عبد الملك

---

[1] انظر نفح الطيب (١: ٢٨٢)؛ [2] هو ابو القاسم محمد بن اسماعيل بن العباد اللخمي قاضي اشبيلية المتوفى سنة ٤٣٣هـ؛ [3] راجع تهذيب التاريخ (٢: ٣٠٣ وما بعدها)، وفي بيان المصنف نوع اختصار واختلاف؛ [4] يعرف بيزيد الناقص؛ [5] ساقط من الاصل؛

فی ذی الحجۃ سنۃ ست وعشرین ومائۃ، قیل انّ اخاہ عہد الیہ وقیل لم یعہد الیہ، واستولی بغیر عہد، وخلع نفسہ فی یوم الاثنین رابع عشر صفر سنۃ سبع وعشرین ومائۃ، قیل: انہ مکث اربعین لیلۃً ثم خلع، وقیل: مکث سبعین لیلۃً، وکان طویلاً جسیماً ابیض جمیلاً خفیف مقدّم اللحیۃ والعارضین، ولم یزل حیّاً الی سنۃ اثنتین وثلثین ومائۃ وقتل فی الخازر مع مروان بن محمد[1]؛

(٩٢) المتقرّب[2] اسود بن عبس بن وھب بن ریاح ابن عوز بن منقذ بن کعب بن ربیعۃ بن مالک بن زید مناۃ بن تمیم اسما بن زھیر التمیمیّ الصحابیّ الامیر علی جند البصرۃ

ذکرہ ابو عمر بن عبد البرّ فی کتاب الاستیعاب[3]، وقال: وفد علی رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم وقال: آتیتک اتقرّب الیک؛

---

[1] فی تہذیب التاریخ: "ویقال: انہ لما سلّم الامر الی مروان وبایعہ بالخلافۃ ترکہ حیّاً، فلم یزل حیّاً الی سنۃ اثنتین وثلاثین ومائۃ فقتل حینئذ فیمن قتل من بنی امیۃ"، ولا یثبت منہ ما یقولہ المصنف، والصحیح انہ غرق فی دجلۃ فی وقعۃ کانت بین مروان بن محمد وعبد اللہ بن علیّ بالزاب الاسفل، وفی بیان المصنف خطأ من ناحیۃ اخری فانہ یقتضی ان یکون مروان قد قتل بخازر وھو نھر بین اربل وموصل علیہ کورۃ تسمّی بہ، مع اتفاقھم انہ قتل بالبوصیر من فسطاط مصر واللہ اعلم۔

[2] کذا ذکرہ المصنف واما علماء الرجال فیذکرون لقبہ المقترب انظر اخبارہ فی تاریخ الطبری ج ١ ص ٢٢٩٢، ٢٦١٦، ٢٦٦١، ٢٥٦٥، ٢٥٦٦، و

[3] الاصابۃ ١: ٥٥، واسد الغابۃ ١: ٨٧، وفی نسبہ اختلاف یراجع لہ الی الاصابۃ ٣ ١: ٨٥؛

فَسُبَيّ المُتَقَرّب فی روایۃ الکلبی عن ابیه ؛ وقال سیف : اسود ابن ربیعۃ احد بنی ربیعۃ بن مالك من اصحاب النبیّ صلی الله علیه وسلّم من المهاجرین وفد الی النبیّ صلّی الله علیه وسلّم وامّرہ عمر بن الخطّاب علی جند البصرۃ ؛

(۹۳) المُتّقی لِلّٰه ابو اسحٰق ابراهیم بن جعفر المقتدر بن احمد المعتضد الهاشمیّ العبّاسیّ الخَلِیفَۃُ

امّه امّ ولد اسمها خلوب، مولدہ فی شعبان سنۃ تسع وتسعین ومائتین، ولم یلِ الخلافۃ من بنی العبّاس من اسمه ابراهیم سواہ، بویع له بالخلافۃ یوم توفّی اخوہ الراضی بالله یومَ السبت سادس شهر ربیع الاوّل سنۃ تسع وعشرین وثلثمائۃ، وکان فیه صلاح وکثرۃ صیام وصلاۃ، وکان سهل الاخلاق لم تقع عینه علی مسکرٍ قطُّ، وولّی ابو عبد الله البَرِیدیّ الوزارۃ، وخرج المتّقی الی المَوْصِل ثم رجع، وفی ایّامه سنۃ احدی وثلثین کان خروج الدَّیلم، ووصل معزّ الدولۃ احمد بن بویه الی العراق، وغلب تُوزُون علی سامرّا وتکریت والمَوْصِل،

---

[۱] انظر اخبارہ فی کتاب الاوراق (اخبار الراضی والمتقی منه) مطبعۃ الصاوی ۱۹۳۵ء، ودائرۃ المعارف الاسلامیه (ا ۴۰) ج ۳ ص ۲۹۴؛ [۲] ابو العباس احمد الراضی (۲۳-۳۲۹ھ)؛ ولم تکن بیعۃ المتّقی یوم وفاۃ الراضی بل بقی الامر موقوفاً الی العشرین من ربیع الاوّل ثم بویع له، واقرّ سلیمان وزیر الراضی علی وزارته فلم یکن له من الوزارۃ الّا اسمها وکان التدبیر کلّه الی البریدیّ، راجع تاریخ الکامل (۸ : ۱۳۱-۱۳۲)

[۳] راجع الکامل (۸ : ۱۳۷-۱۳۸)؛ [۴] الکامل (۸ : ۱۳۹)؛

ولمّا دخل المتّقي بغداد قبض توزون عليه يوم السبت لاحدى عشرة ليلةً بقيت من صفر سنة ثلث وثلثين وثلثمائة وسمله بالسِّنْدِيَّة[1]، فكانت خلافته ثلث سنين وايّامًا، وبقى مسمولاً الى رابع عشر شعبان سنة سبع وخمسين وثلثمائة، وتوفّى فى هذه اليوم ودفن بالرصافة، ومن شعر المتّقي لما سمله تُوزُون :-

العين للمرء سراج له ... وشمعه من وحشة الدنيا
فمن له عمر بلا ناظر ... فقد بلى من اعظم البلوى

(٩٤) المتّقى ابو الحسن علىّ بن احمد بن حسنكا[2] الديورشى[3] الفقيه [62 b / 63 a]

ذكره الامام شرف الدين ابو الحسن علىّ بن زيد الانصارى البيهقىّ فى تاريخه[2]، وقال: مولده بقرية دِيْوَرَهْ[4] وكان يلقب بالفقيه المتّقى وهو من اكابر تلامذة الامام اسماعيلؒ بن عبد الرحمان الصابونىّ؛

(٩٥) المتّكلُ ابو يوسف يعقوب بن اسحاق الكلابىُّ المحدّثُ

ذكره الحافظ جمال الدين ابو الفرج عبد الرحمٰن بن على ابن الجوزى فى كتاب كشف النقاب عن الاسماء والالقاب وقال: حدّث عن فضيل بن عبد الوهّاب؛

---

[1] قرية من قرى بغداد على نهر عيسى بين بغداد والانبار؛ انظر هذا المادّة فى معجم البلدان؛ [2] وفى تاريخ بيهق : حسنكا؛ [3] ص ٢١٥؛ [4] قال فى معجم البلدان: قرية من نواحى نيسابور ٥ ٣٤٣ - ٩٤٩هـ؛ انظر كتاب الانساب ص ٢٣٦ب بما بعدها؛

(۹۶) **المتلقّن** ابو الحسن علیّ بن عبد العزیز بن عبد الله البغدادیّ

سمع کتاب بیان الخطأ والصواب من احادیث الشهاب علی شیخنا الصاحب محی الدین ابی محمد یوسف بن جمال الدین ابی الفرج عبد الرحمٰن بن علیّ بن الجوزی بسماعه من والده المصنّف فی شهر ربیع الاوّل سنة ثلاث وخمسین وستّمائة،

(۹۷) **المُتَلَمِّسُ** جریر بن عبد المسیح بن عبد الله بن زید بن دَوْفَن[١] بن [حرب بن] وهب* بن جُلَیّ بن احمس ابن ضبیعة بن ربیعة بن نزار بن معدّ بن عدنان وهو خال طرفة بن العبد وکانا ینادمان عمرو بن هند فبلغه انّهما هجواه فکتب لهما الی عامله بالبحرین کتابین واوهمهما انّه امر لهما بجائزة، وکان الامر بالقتل فخرجا حتّی اذا کانا بالنجف اذا هما بشیخ علی لقم الطریق یحدّث ویأکل من خُبزٍ بیده ویتناول القمّل فیقصعه فقال له المتلمّس: ما رأیت کالیوم شیخًا احمق، فقال الشیخ: وما رأیت من حُمقی؟ أُخرج خبیثًا وأُدخِل طیّبًا وأَقتُل عدوًّا، احمق والله منّی من یحمل حتفه بیده[٢] فاستراب المتلمّس بقوله فطلع علیه غلام من اهل الحیرة، فقال له: اتقرأُ؟ یا غلامُ! قال، نعم، ففکّ الصحیفة ودفعها الیه فاذا فیها" امّا بعد فاذا اتاک المتلمّس بکتابنا هذا

---

[١] فی الاصل، دَوقن بن وهب؛ بالقاف والتصحیح من وستنفیلد (ش ۸ س ۱۲) وکتاب الاشتقاق ص ۱۹۷؛ [٢] راجع کتاب الاغانی ج ۲۱ ص ۱۹۳ - ۱۹۵ طبع لیدن؛

فاقطع يديه ورجليه وادفنه حيًّا" فاخذ هاالمتلمّس وقذفها في نهر الحيرة، ثمّ قال لطرفة: انّ في صحيفتك والله مثل ما في صحيفتي فقال طرفة: كلّا! لم يكن ليجترئ عليّ؛ واخذ المتلمّس نحو الشام فنجا براسه، وتوجّه طرفة نحو البحرين فقتل، وقال الفرزدق[١]:-

الق الصحيفة يا فرزدق لا تكن ... نكداء مثل صحيفة المتلمّس

(٩٨) المتمنّى[٢] عامر بن عبد الله بن الشجب بن عبد ودّ ابن عوف الكلبيّ الشاعر[٣]

ذكره الامير ابو نصر عليّ بن ماكولا في كتاب الاكمال عن دفع عارض الارتياب عن الاسماء والكنى والالقاب؛ وقال: لقب ببيت قاله؛

(٩٩) المتمنّى نصر[٤] بن الحجّاج السُلَميّ الشاعر الفارس

كان من احسن الناس وهو الذي حلق راسه عمر بن الخطّاب ونفاه الى البصرة وكان من حديثه انّ عمر بن الخطّاب رضي الله عنه سمع فارعة[٥] بنت همّام تنشد:-

هل من سبيل الى الخمر فاشربها ... ام هل سبيل الى نصر بن حجّاج

---

[١] انظر: ديوان الفرزدق ص ٥٧، وفيه: الق الصحيفة يا فرزدق انّما-الخ

[٢] ضبطناه بصيغة اسم المفعول تبعًا للمصنّف ولكن الصحيح ضبطه بصيغة اسم الفاعل لانّه لقّب بالمتمنّي لانّه تمنّى رقاش امرءة من عامر الاجدار، انظر تاج العروس (١٠: ٣٥٠)

[٣] كتبه مقدّمًا على عامر ثمّ اشار الى تأخيره، [٤] انظر تاج العروس (١٠: ٣٥٠) ورغبة الآمل (٥: ١٣٩)، [٥] وهي امّ الحجّاج بن يوسف الثقفيّ؛ ذكرها ابن خلّكان في الوفيات (١: ١٢٣)؛

فلمّا اصبح احضره المتمنّي فلمّا راٰه بهرهٗ جماله، فقال له :
انت الذي تتمناك الغانيات في خدورهن والله لأزيلنّ عنك
رداء الجمال، ثمّ دعا بالحجّام فحلق راسهٗ، وكانت له جمّة
فينانة، فقال: انت محلوقاً احسن، فقال ايّ ذنب لي وذاك،
فقال: صدقت، الذنب لي ان تركتك في دار الهجرة فنفاه الى البصرة
وكتب الى مجاشع بن مسعود انّي سيّرت نصر المتمنّي ابن حجاج
الى البصرة، فاستلب نساء البصرة لفظة عمر فضرب بها المثل،
ولمّا قدم البصرة انزله مجاشع منزله لقرابته واخدمه
امرأته شميلة؛

(١٠٠) المتنبّي ابو الطيب احمد بن الحسين بن عبد الكندي
الكوفيّ الشاعر المجيد

ذكره الثعالبيّ في شعراء الشام، وقال: هو كوفي المولد شاميّ
المنشأ نادرة الفلك وواسطة عقد الدهر في صناعة الشعر، ولد
بالكوفة في كندة سنة ثلاث وثلاثمائة، وبلغ من كبر نفسه
ان دعا الى بيعته قوماً على حداثة سنّه وعرف به والى البلدة
فحبسه، وقال ابو الفتح عثمان بن جنّي انّما سمّي المتنبّي بقوله:-

انا في امّة تداركها اللّـــه غريب كصالح في ثمود
ما مقامي بارض نخلة الّا كمقام المسيح بين اليهود

وكان قبل اتّصاله بسيف الدولة مدح جماعةً، ويقال:

---

١ انظر يتيمة الدهر (١: ٩٥-١٨٩)؛ ٢ في اليتيمة: هو وان كان كوفي المولد؛
٣ انظر ديوان المتنبي بشرح التبيان ج ١ ص ١٩٨ - ٢٠١، م؛

انّ علیّ بن منصور الحاجب لمّا مدحه بقصیدته التی اوّلها :-

بِابی[1] الشموسُ الجانحاتُ غواربا

اعطاه دیناراً واحداً، فسمّیت الدیناریّة، واخباره واشعاره قد ذکرها افاضل العلماء والادباء وسارت مَسیر الشمس فی الشرق والغرب، وصنّفوا فی شعره اکثر من مائةِ مصنَّف، وکان قد مضی الی فارس ومدح عَضُد الدولة، وارتحل عن شیراز بحسن حالٍ ووفور مالٍ ولم یَقبل ما اُشیرَ علیه من الاحتیاط باستصحاب الخفراء والمبذرقین فخرج علیه سریّة من الاعراب فقتل مع ابنه محسّدٍ ونفر منه غلمانه وفاز الاعراب باموالهٖ وذلک سنة اربع وخمسین وثلثمائة بالقُرب من جَبُّل[2]؛

(١٠١) المتنبّی ابو علیّ الحسن بن محمّد بن الحسن الواسطیُّ الادیبُ

کان ادیباً فاضلاً انشد فی شکر بعض الرؤساء :-

وما زال فی الاقوام اوّلَ قائمٍ بعارفةٍ تُسدٰی ولِخَرقٍ عاملِ

---

[1] انظر دیوان المتنبّی بشرح التبیان ج ا ص ١٩٨-٢٠١، ٨٠، [2] قال یاقوت: قتل ببیزع قریة من دیر العاقول وجَبُّل، وجبّل بلیدة بین النعمانیة وواسط؛ انظر معجم البلدان مادّة بیزع وجبُّل، واخبار المتنبّی مشهورةٌ؛ انظر لبعضها دائرة المعارف الاسلامیّة (٣ : ١٨٥ بما بعدها) والمصادر التی ذکرت فیها ؛

يروح بآلاءٍ ويغدو بمثلها   على قاطنٍ من أهليه ووافدٍ

منها :-

فدونك منّي سائرات مدائح   بواقٍ على أخرى الليالي خوالد
تلذّ بأفواه الرواة كأنّها   جنا النحل ومعسول لماء ناهد

(١٠٢) المتنبيّ طُلَيحة بن خويلد الأسديّ الفارس

كان ممّن ارتدّ عن الإسلام وبعث إليه أبوبكر رضي الله عنه خالد بن وليد في ثلثة آلاف فارس إلى بُزاخة[١] وكان قد اتّبعه عيينة بن حصن فلمّا هزمه الله مرّ طليحة في مهربه على امرءةٍ من بني أسدٍ فضحكت منه، وقالت: أتفرّ وأنت نبيٌّ؟ فلم يُجبها، ولحق طليحة بالشام، ثمّ قدم مُسلماً إلى المدينة فلم يعرض له أبوبكر [رضي الله عنه] وفي زمن عمر [رضي الله عنه] بعثه إلى نهاوند فاستشهد بها سنة احدى وعشرين؛

(١٠٣) المتوّج أبوعبدالله محمّد بن سبأ الزريعيّ اليمنيّ صاحب الدعوة باليمن

ذكره[٢] القاضي الأكرم[٣] في كتابه، وقال: لـمّا بلغ

---

[١] ماء لبني طيّ أو بني أسد بأرض نجد؛ [٢] انظر تاريخ اليمن لعمارة اليمني ص ٥٥ وبحسب الفهرس؛ [٣] القاضي الأكرم هو جمال الدين يوسف المقدّم ذكره ولكنّ المصنّف حين أتى على ذكر محمّد بن سبأ هذا في بيان الملقّبين بالمكين نقل مثل هذه الأحوال عن القاضي الأرشد عمارة اليمني والله أعلم بحقيقة الحال؛

الحافظ لدين الله موت الداعي سبأ الزريعي سنة اربع وثلثين وخمسمائة، انفذ الرشيد بن الزبير ليولي ولده علياً، فوجد علياً قد مات، فقلد الدعوة اخاه محمد ابن سبأ ونعته المعظم المتوج المكين وعاد من اليمن موفوراً من المال والصلات ؛

(١٠٤) المتوج ابو شجاع يحيى بن سعد الله بن يحيى الزبيدي

كان من رؤساء اليمن، وممن حكم على زبيد وعدن، فله هناك آثار حسنة وسيرة مستحسنة، وكان دائم الاستشهاد بشعر رافع بن الليث بن نصر بن سيار الكناني :—

النار لا العار فكن سيداً	فرّ من العار الى النار
وتلك اخلاق كنانية	خص بها نصر بن سيار
فهن في ليث وفي رافع	تراث جبار لجبار

(١٠٥) المتوسم بسيف الله جمال الدولة ابو المظفر عبد الرشيد بن يمين الدولة محمود بن سبكتكين الغزنوي صاحب غزنة

اخذ المملكة من ابن اخيه مودود بن مسعود بن محمود، قال محمد بن عبد الملك في تاريخه : كان مودود قد حبس عمه عبد الرشيد فلما توفي مودود انزله العسكر

---

[١] ٤٤١ - ٤٤٤ هـ ؛

وبايعوه، وانفذ الى القائم بامر الله ابا النجم المُنْجِم بن عبد الملك طالبًا للتقليد فورد الى بغداد فى المحرّم سنة ثلاث واربعين واربعمائة، ومعهُ برسم الخليفة عشرون الف منّ من النّيل وخمسمائة نافجة مسكًا، وخمسمائة مثقال عنبرًا، والف مثقال كافورًا، وسأل ان يلقّب بالمتوسّم بسيف الله، فخوطب بجمال الدولة وكمال الملّة وجلال الامّة شمس دين الله ومجد عباد الله المتوسّم بسيف الله نصير امير المؤمنين؛

(١٠٦) **المتوكّلُ** ابو القاسم احمد بن عبد الله بن عبد المُطَّلِب الهاشِمِيُّ النبيُّ صلّى الله عليه وسلّم

ومن القابه صلّى الله عليه وسلّم المتوكّل، فى حديث محمّد ابن حمزة بن عبد الله بن سلام عن جدّه عبد الله بن سلام انّه لمّا سمع بمخرج النبيّ صلّى الله عليه وسلّم خرج فلقيه[1] فقال له صلّى الله عليه وسلّم: انت ابن سلام عالم يثرب؟ قال نعم! قال: فناشدتك الله الذى انزل التوراة على موسىٰ بطور سيناء هل تجد صفتى فى كتاب الله الذى انزل على موسىٰ؟ فقال عبد الله بن سلام: انسب ربّك، يا محمّد! فارتجّ النبيّ صلّى الله عليه وسلّم فقال له جبريل: قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ الى اخر السورة، قال ابن سلام: اشهد انّك رسول الله، وانّ الله مُظهرك ومُظهر دينك

[1] انظر الحديث بلفظه منتخب كنز العمّال لعلىّ المتّقى (على هامش مسند احمد طبع مصر ج ٢ ص ٢٥٣)

على الاديان ، وانّى لاجد صفتك فى كتاب الله تعالىٰ: "يٰاَيُّهَا النَّبِىُّ اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيرًا انت عبدى ورسولى سَمَّيْتُكَ المتوكّل ، ليس بِفَظٍّ ولا غليظٍ ولا صخّابٍ فى الاسواق ، ولا يجزى بالسيّئة مثلها ولكن يعفو ويصفح ولن يقبضه الله حتى يستقيم به الملّة المعوجة حتى يقولوا لا اله الّا الله ، ويفتحوا اَعْيُنًا عُمْيًا واٰذانًا صُمًّا وقلوبًا غُلْفًا"؛

(١٠٧) اَلْمُتَوَكِّلِى ابراهيم بن مِمْشاذ بن عبدالله الاصفهانى[1] الكاتِبُ

[63 b / 64 a]

ذكره حمزة بن[2] الحسين فى كتاب اصفهان ، وقال : كتب مدّة للمتوكّل على الله ثمّ صار من ندمائه فسمّى المتوكّلى ، ولم يكن بالعراق فى ايّامه ابلغ منه ، له رسائل ؛

(١٠٨) اَلْمُتَوَكِّلُ على الله ابوالفضل جعفر[3] بن محمد المعتصم ابن هارون الرشيد الهاشمىّ العبّاسىّ الخَلِيفَة

امّه امّ ولد يقال لها : شجاع ، مولده بفم الصلح سنة سبع ومائتين ، بويع له بالخلافة بسرّ من رأى يوم الاربعاء لستّ بقين من ذى الحجّة سنة اثنتين وثلثين ومائتين بعد وفاة اخيه الواثق وعمره يومئذٍ ستّ وعشرون سنة

---

[1] انظر معجم الادباء (٢: ١٤–٢٠) [2] اكثر ذكره صاحب معجم البلدان وذكره الحاجى خليفة فى كشف الظنون (١: ٢٨٠) ولم يذكر سنة وفاته ؛ [3] راجع تاريخ الخلفاء ص ٣٥٢ ؛

وبايعه سبعة كلّ منهم ابن خليفة، وهم محمّد بن الواثق واحمد بن المعتصم وموسىٰ بن المأمون وعبد الله بن الامين وابو احمد بن الرشيد والعبّاس بن الهادی ومحمّد بن المتوكّل يعنى ابنه المنتصر، وقتل سنة سبع واربعين، فكانت خلافته اربع عشرة سنة وعشرة اشهر؛

(١٠٩) المتوكّل على الله، الناصر لدين الله ابو الحسن علیّ ابن حمّود بن ابی العيش ميمون العلوی الحسنی الخليفة بالاندلس

بويع له بقرطبة بعد قتل سليمان المستعين واخيه وابيهما يوم الاحد لسبع بقين من المحرّم سنة سبع واربعمائة، وكان سبب قيامه بالخلافة انّ خيران العامری[1] كان راغبًا عن دولة المستعين سليمان بن الحكم، وكان علیّ بن حمود بسبتة، واجتمع خيران بعلیّ بن حمّود، و عقد الولاية خيران العامری باسم بن حمّود على طاعة المؤيد بالله هشام بن الحكم فی المصلّی بالمرية، وخرج علیّ بن حمّود من مالقة، واجتمعت معه العساكر، وساروا الى قرطبة، وسيق سليمان المستعين اسيرًا فقتل مع

---

[1] راجع نفح الطيب (١: ٢٨٨، ٣١٤ — ٣١٨) [2] من الموالی العامريّين ملوك الطوائف بالاندلس فی حدود سنة ٤١٢ ھ؛ نفح الطيب (١: ٣١٥ - ٣١٦)؛

ابیه وتملك وسنذکرہ[1] فی کتاب النون ان شاء الله تعالیٰ؛

(۱۱۰) **المتوکّل** الهادی ابوالحسن علیّ[2] بن محمّد الجواد بن علیّ الرضا العلویّ الحُسَینیّ الامام

هو الهادی ابوالحسن علیّ بن الجواد ابی جعفر محمّد بن الرضا ابی الحسن علیّ بن الکاظم ابی ابراهیم موسی بن الصادق ابی عبدالله جعفر بن الباقر ابی جعفر محمّد بن زین العابدین ابی الحسن علیّ بن الشهید ابی عبدالله الحسین بن المرتضیٰ علیّ بن ابی طالب (کرّم الله وجهہم)؛

(۱۱۱) **المتوکّل** علی الله ابو محمّد عمر[3] بن محمّد بن عبدالله ابن مسلمة بن المظفّر المعروف بابن الافطس التُّجیبیّ الاندلسیّ المتغلّب علی الاندلس

وکان ادیبًا فاضلًا ملکًا مطاعًا عادلًا، ومن شعرہ یستدعی احدٌ ندمائه،

اَقبِل ابا طالبٍ[4] علینا | وقَعْ وقوعَ المُنیٰ علینا
فنحن عِقْدٌ بغیر وُسطیٰ | ما لم تکن حاضِرًا لدینا

(۱۱۲) **المُتَیَّم** ابوالحسن مُحمّد بن احمد بن محمّد الافریقیّ الادیب

---

[1] یرید مکررًا، فی الملقّبین بالناصر؛ [2] هو الملقّب کابنه الحسن بالعسکریّ، [3] المتوفّی لخامس وعشرین من شهر جمادی الثانیة سنة ۴۸۷ھ؛ [4] وهو الوزیر ابوطالب بن غانم مراجع: قلائد العقیان ص ۵۲، وروایة البیت الاوّل فیه،-

آقبل ابا طالب الینا | وقَعْ وقوعَ الندیٰ علینا

ذکرہ ابو منصور الثعالبیؒ فی کتاب یتیمة الدهر فی محاسن اهل العصر، وقال: خرج عن وطنه ولقب فی البلاد ودخل مدن الشام وخراسان وسکن بآخرہ بخارا، و کانت حرفته التی یعتمد علیها الشعر، وکان صاحب جدّ وهزل یطیّب ویتجّم، وصنّف کتاب الانتصار عن فضل المتنبیّ، وکتاب[2] اشعار الندماء ومفاکهة الخلعاء وله دیوان کبیر، ومن شعرہ فی وصف اللیل والنجوم:—

کانّما اللیل جواد ادهم ۔۔۔ حُلیّه دون الحُلیّ الانجم

کانّما البدر المنیر غرّۃ ۔۔۔ فی وجهه لمّا انحنی یصمّم

وله فی وصف السماك[3] الرامح:—

کأنّه قلب محبّ یخفق ۔۔۔ اومقلة بدمعها ترقرق

کانّما اشراقه وجه الذی ۔۔۔ انحلنی لوجهه التشوّق

وله فی وصف السماك الاعزل[4]:—

کانّ اشراق السماك الاعزل ۔۔۔ فی ظلمة اللیل البهیم الالیل

وجه الحبیب من لعبه قد بدا ۔۔۔ یمشی لهُوَینی فی رداء اکحل

---

[1] ج ۳ ص ۱۴۶، بما بعدها؛ من غیر ذکر هذه الاشعار، وذکر الحاج خلیفة ایضاً کتابیه فی کشف الظنون (۱: ۲۴۲، ۲۵۱)؛ [2] ا: شعار الندماء؛ [3] ا: السماك الاعزل؛ [4] ا: السماك الرامح؛

المیم والثاء وما یثلثهما

(١١٣) المثقّف وسوان بن منصور الکردیّ الاربلیّ الجُندیّ الشاعر نزیل مصر

ذکره شیخنا تاج الدین ابو طالب فی کتاب لطائف المعانی وقال: هو شاعرٌ مُجیدٌ مُحسِن، کان جندیًّا فی خدمة زین الدین علی کوجك ثمّ فارقهٗ و توجّه الی خدمة صلاح الدین یوسف بن ایّوب ثمّ خدم مع اخیه العادل ثمّ خدم مع نجم الدین الاوحد ایّوب بن العادل وسار معهٗ الی خلاط فقتل بها سنة ثلاث عشرة و ستّمائة و من شعره :—

کم یکتُم الصبُّ ماذا الدهر یُظهِرهٗ	ردیٰ لصبابة تطویه وتنشرهٗ
والحبّ طیبهٗ ما باح صاحبهٗ	بما یکتّمو المحبوب یهجرهٗ
وفی البکاء شفاء النفس من قلق	اذا شغلی النفس من دمع تحدّرهٗ

(١١٤) المثلّث بالنعمة اخنوخ - ادریس - ابن الیارد بن مهلاییل بن قَینان بن انوش بن شیث بن آدم النبیّ علیه السلام

ویقال لهٗ: هرمس الهرامسة، قالت الیهود: ولد للیارد اخنوخ وهو ادریس ونبّأه الله وقد مضی من عمر آدم[١]

---

[١] اخبار ادریس مبسوطةٌ فی اوائل کتب التاریخ تکفینا الاشارة منها الی ابی الفداء (١: ٩)، وبیان المصنّف یختلف کثیرًا من بیانه فلیراجع؛

ستمائة سنة واثنان وعشرون سنة وانزل عليه ثلاثين صحيفة، وهو اوّل من خطّ بالقلم وخاط الثياب ولبسها، و لم يكن للناس من قبله ملبس غير الجلود وتوفى آدم بعد ان مضى من عمر ادريس ثلثمائة وثمان وستون سنة، وسمّى ادريس لدراسته الكتب الالهيّة، ولمّا رفع الى السماء كان عمره ثلاثمائة وخمس وستون سنة، وذلك فى حياة ابيه، وعاش ابوه بعده ثلثين سنة، وقيل انه نُبّئ بعد آدم عليه السلام بمائتى سنة وُلد له متوشلخ وهو ابن خمس وستّين سنة، واستخلف متوشلخ بن اخنوخ على امراته وعلى اهل بيته قبل ان يرفع، واعلمه ان الله سيعذّب ولد قابيل ومن خالطهم، ونهاه عن مخالطتهم، واستجاب له الف انسان ممّن كان يدعوه فلمّا رفعه الله احدثوا بعده الاحداث الى زمن نوح، ورفع وهو ابن ثلاثمائة وخمس وستّين سنة؛

الميم والجيم ومايثلثهما

(١١٥) **المُجَابُ** بِرَدِّ السلام ابو محمد ابراهيم بن ابى جعفر محمد العابد الصالح بن موسى الكاظم بن جعفر الصّادق الهاشميُّ العَلَوَيُّ الزاهِدُ

كان من الزّهاد العبّاد كثير الدعاء والاوراد، وكان لا يخرج من بيته الّا لضرورة، وهو مواظب على العبادة ليلاً ونهاراً،

والذی یُروٰی عنه انّه دخل ذات یومٍ الی حضرة علیٍّ علیه السّلام وقیل، حضرة جدّه الحسین علیه السلام ، فقال : السّلام علیك یا ابه! فاجابهٗ ، وعلیك السّلام یا ولدی! ، اوکما قال ؛

(١١٦) المجاب الدعوة ابواسحاق سعد[1] بن ابی وقّاص مالك بن اُهیب الزهریّ مِن العشرة المبشّرة

احد العشرة المشهود لهم بالجنّة ، شهد بدرًا والمشاهد کلّها ، روٰی عن النبیّ صلی الله علیه وسلم ، روی عنه عبد الله بن عبّاس ، وعبد الله بن عمرو وجابر بن سمُرة والسائب بن یزید وبنوه عامر ومُصْعَب ومُحمّد وابراهیم وعُمَر وعائشة بنو سعدِ بن ابی وقّاص ، ذکره ابونعیم الاصفهانیّ فی کتاب معرفة الصحابة[2] ، ومن اسامیه الحسنة سابع السبعة وثالث الاسلام والمفدّی بالابوین والمجاب الدعوة والخال والحارس ، وعادهٗ رسول الله صلّی الله علیه وسلم فی مرض لهٗ ، فقال : اللّٰهمّ اَذهب عنه البأس اِلٰهَ الناس ، ملك الناس ، انت الشافی لاشفاء الاشفاءك ، اُرقیك مِن کل شیئ یؤذیك من حسدٍ وعَین ، اللّٰهُمّ اصح قلبه وجسمه واکشف سقمهٗ واَجِبْ دعوته ، توفی سنة خمسین[3] ؛

---

[1] انظر اخبار سعد فی اسد الغابة (٢ : ٢٩٠) والاستیعاب (٢ : ٥٥٨) والاصابه (٢ : ٣٢) ؛ [2] یوجد منه مجلّد واحد بمکتبة بارلیس ؛ [3] قال ابن حجر : وقال ابونُعَیم : مات سنة ٥٥هـ ؛ والله اعلم ؛

(٤١١) المجاب الدعوة ابو الاعور سعيد[1] بن زيد بن عمرو ابن نفيل بن عبد العزّى بن رياح بن عبد الله بن قرط [64b / 65a] ابن رزاح بن عدىّ بن كعب العدوىّ القرشىّ عاشر العشرة

احد العشرة المشهود لهم بالجنّة، وقد تقدّم ذكره،
قال ابو نعيم فى كتاب[2] معرفة الصحابة، جاءت اروى
بنت اويس الى ابى محمّد بن عمرو بن حزم فقالت: انّ سعيد
ابن زيد قد بنى ضفيرة فى كنفى فأته فكلّمه ان ينزع
من حقّى، فوالله ان لم يفعل لاصيحنّ به فى مسجد رسول
الله صلّى الله عليه وسلّم، فقال لها: لا تؤذى صاحب رسول
الله صلّى الله عليه وسلّم فما كان ليظلمك، فلمّا سمع سعيد
قال: انّى سمعت رسول الله صلّى الله عليه وسلّم يقول:
من اخذ شبرًا من الارض بغير حقّ طوّقه يوم القيامة من
سبع ارضين، لتأتينّ فلتأخذنّ ما كان لها من حقّ، اللّهمّ
فان كانت كذبت علىّ فلا تمتها حتّى تعمى بصرها، فجاءت
فهدمت الضفيرة وبنت بنيانًا فعميت، وخرجت ليلًا
فسقطت فى البئر فماتت؛

---

[1] انظر اخبار سعيد فى اسد الغابة (٢: ٣٠٦ بما بعدها) والاستيعاب
(٢: ٥٥٢) والاصابة (٢: ١٩١)؛ [2] روى الحديث ابن حجر فى الاصابة نقلًا
عن معرفة الصحابة باسناد ابى بكر بن محمد بن حزم والله اعلم؛ وانظر ايضًا
صحيح مسلم كتاب البيوع باب تحريم الظلم وغصب الارض وغيرها؛

(١١٨) **مجاهد الدین** ابو المظفر اَللُّدِی بن قلابن عبداللہ الحصکفی مُتَوَلّی حصن کیفا

کان من الفرسان الشجعان والامراء الکبراء، ولی حصن کیفا واعمالها من قبل ایلغازی بن اُرتُق، وکان ممدحًا، وفیہ یقول الشریف الراشدی من ابیات :-

یا کعبۃ حجّها فرضٌ علی البشر   تھوی الیھا وفود البدو والحضر
سَرَوْا یأمّون من جرموک قصدھم   مجاھد الدین للدی خیر مفتخر

منھا :-

رَوحٌ لمنتصرٍ امن لمنذعرٍ   مالٌ لمفتقرٍ نصرٌ لمنتصرٍ

(١١٩) **مجاهد الدین** ابو نصر ایاز بن عبداللہ البرلو- یعرف بسربک- الناصِرِیُّ متولّی شہرزور

کان من الامراء المعروفین؛ بالشجاعۃ والریاسۃ، ولیَ شھرزور واعمالھا، وکان حسن السیرۃ فی الرعیۃ خفیف الوطأۃ فی ولایتہ؛

(١٢٠) **مجاهد الدین** حسام الدین ابو المیامن ایبک[له] بن عبداللہ الجرکسی المستنصری الدواتی امیر الامراء

کان دواتی الامیر المستنصر باللہ واخص خواصہ بلغ من التقدم ما لم یبلغہ احد من ابناء جنسہ، فانّہ لم یزل منذ اشتراہ الی ان مات مولاہ فی رفعۃٍ ومنعۃ وزیادۃ و سعادۃ، وکان متیقظًا ملازمًا لسدتہ، وزوجہ بابنۃ السلطان

له راجع الحوادث الجامعۃ ص ۲۷، ۸۷؛

بدر الدين لولو سنة اثنتين وثلاثين وسلطنه وخلع عليه من مفاخر ملابسه وقلّده بسيف بحلية الذهب والجوهر النفيس، ورفع خلفه من السلاح المجوهر والالوية والاعلام ورتّب امير الحاج فى ايّام المستعصم بالله لمّا حجّت والدته سنة احدى واربعين، وفى سنة اربع[1] وخمسين كان قد طغى الماء واغرق دار الخلافة، وكان مجاهد الدين يقصد دار الخلافة فى الاحيان مع جماعة من الامراء فنسب اليه انّه يريد ان يفتك بالخليفة فانكر ذلك واستوحش من الوزير ابن العلقمىّ وامتنع من الخروج، فتوصّل صاحب الديوان فخر الدين[2] وكان السبب فى الصلح وفى سنة ستّ وخمسين لمّا نزل هولاكو على بغداد اخذ الاموال والجواهر واراد ان ينحدر فى سفينة فاستولى المغول عليها، وكان قد عبر الجانب الغربى مع الامراء وكسر المغول واشار عليه اهل المعرفة بالرجوع الى بغداد فلم يلتفت وكانت الكسرة عليهم، وقُتل[3] مجاهد [الدين]

---

[1] كان طغيان الماء مرّتين مرّة سنة ٦٥٣ھ واخرى سنة ٦٥٤ھ، وذكر صاحب الحوادث الجامعة الوحشة بين ابن العلقمى ومجاهد الدين فى حوادث سنة ٦٥٣ھ وحيث انّه حوّل فى بيان اكثر الحوادث على نقول من كتب المصنّف كما هو واضح من اسلوب كتابه فالواجب علينا ان نعتمد على قول المصنّف؛ وانظروا ايضاً تاريخ العراق (المجلّد الاوّل) بحسب الفهرس؛ [2] هذا اللفظ مشتبه بالاصل وصحّحناه من الحوادث الجامعة (٢٩٥) وهو فخر الدين ابن الدامغانى (انظر تاريخ العراق بحسب الفهرس)؛ [3] وذكر صاحب الحوادث الجامعة انّه نجا اوّلاً ثمّ قتل مع الخليفة؛

واُنفِذ رأسُه الى الموصل ، واليه تنسب المدارسة المجاهدِيّة ببغداد ؛

(١٢١) مجاهد الدين ابو التمام بدر بن عبدالله الحبشيُّ

كان من الامراء الاعيان كريم البنان وفارس الشجعان وله فى ذلك مقامات مشهورةٌ ؛

(١٢٢) مجاهد الدين ابو الفوارس بزان بن مامين بن عبدالله الكُردِيُّ الامير

ذكره الحافظ ابو القاسم على بن الحسن بن عساكر الدمشقيُّ فى[1] تاريخه ، وقال ، كان اميرًا عادلاً ، وله مدرسة بدمشق[2] تعرف به ، وله مسجد كبير خارج باب الفراديس على يمين الخارج ، فيه بركة وسقاية ، وله امام ووقف وطاقات الى النهر وخيرات كثيرة ، وهذا الامير هو الذى [مدحه][3] حسّان بن نمير الكلبىّ بقصيدة اوّلها :—

كُحلُ بعينيه ام ضربٌ من الكحَلِ　　وَرْدٌ بخدّيه ام صبغٌ من الخجَلِ

فيها :—

---

[1] لم نجده فى تهذيب التأريخ ، [2] انظر خطط الشام (٦ : ٨٩) ؛
[3] عرقلة الدمشقىّ المتوفى سنة ٥٦٧ هـ ، انظر فوات الوفيات (١ : ١١٢)؛ وفى فهرست دوزى (ص ٢٢٢) ما نصّه : عرقلة الكلبىّ وهو ابو الندى حسّان بن نمير توفى سنة ست اوسبع وخمسين بدمشق ؛ وقد نقل ديسلان فى حواشيه على ترجمة الوفيات (٢ : ٥٦١) ترجمته من الخريدة تجزم بأن وفاته كانت سنة ٥٦٦ هـ ؛

مجاهد الدین فی الادیان قاطبةً — وصارم الدولة الغرّاء فی الدُوَل
مَلْكٌ لهُ الرأیُ والرایاتُ غالبةً — یومَ الطِراد علی العَسّالة الذُبُل

منها :—

ما انت فی اُمَراء الدهر مفتخراً — وانّما تفخر ابنَ عبدِاللّٰهِ فی الدُوَل
حُوِیتَ بالولد بن الحمد حین اتی — محمّدٌ وتوقّیتَ العُلَی بعَلی

٦٢٣) **مجاهد الدین** ابو نصر بهرام بن عبد الله الناصریّ
الامیر

ذکره شیخنا تاج الدین ابو طالب علیّ بن انجب فی تاریخه ، وقال : کان لطیف الاخلاق ، تأدّب وکان یفهم قول الظرفاء ونکتهم ، وکان ملیح الصورة وهو الذی سمع بعض من تردّد الیه یُنشِد :—

اخلاقک الغُرُّ السجایا ما لها — حملت قذی لو انّها هی سُلافُ
والحقّ فی مرآة رأیک ما لهُ — یخفی وانت الجوهر الشفّافُ

فاعجبه ذلک منه واستعادهُ وکتبهُ بخطّه ؛

٦٢٤) **مجاهد الدین** ابو الخیر بهروز بن عبد الله الابیض
الرومیُّ الغیاثیُّ شَحنة العراق

ذکره محبّ الدین محمّد بن النجّار فی تاریخه ، وقال : هو مولی السلطان غیاث الدین محمّد بن ملکشاه ، ووَلِی الامارة بالعراق نیفاً وثلاثین سنةً ، نافذ الامر مطاع الحکم ، والیه

انظر ترجمته فی دائرة المعارف الاسلامیّه (١ : ٤٧١) ؛ والکامل ابن الاثیر (٨ : ٣٠٠، ٣٠٢، ٣٠٤) ؛

ينسب رباط الدرجة بسوق المدرسة النظاميّة، وانشأ رباطاً للخدم باعلى البلد، وعمر النّهروان، واجرى الماء فيه بعد ان كان قد خرب منذ سنين، وتولّى شحنة بغداد بعد الامير زنكى بن آقسُنقُر سنة احدى وعشرين و خمسمائةٍ، واُقطِع الحلّة السيفيّة وكان بتكريت، وقدِم بغداد واحسن السيرة، وعدل فى الرعيّة، وكان مِحماراً للبلاد، وعَمَرا المحوّلة المعروفة بالمجاهديّة، وجمع لها الرّجال من الاعمال، وعمرا الخالصَّ واعماله[1]، وجمع الآلات لسدّ بثق بُوَهرِز[2]، وتمّم عمارة جامع المداينة وتوفّى ببغداد فى رجب سنة اربعين وخمسمائةٍ ودفن بالمثمنة بجاور رباط الخدم؛

(١٢٥) **مجاهد الدين** ابو محمّد ثابت بن ابى سعد المظفّر بن الحسن بن المظفّر بن السِبطِ البغداديُّ المحدّثُ

ذكره الحافظ محمد بن الدبيثيُّ فى تاريخه، وقال: ابن اخى شيخنا ابى القاسم هبة الله بن الحسن بن السبط سمع جدّه الاعلى (؟) الحسن بن المظفّر بن السبط وغيره، سمع منه احمد بن طارق، قال. واجازنا، وكانت وفاته فى رابع عشر رجب سنة تسع وثمانين وخمسمائةٍ؛

---

[1] ذكرها ياقوت استطراداً ضمن الكلام عن واسط [2] اسم كورة عظيمة من شرقى بغداد، بها قرية كبيرة بقرب بعقوبا ثم م ١٠٥٩ هـ؛ شذرات الذهب (٤ : ٣٣٣)؛

(١٢٦) **مجاهد الدين** ابو محمّد حسن بن احمد بن عبد الله بن عبد العزيز البغدادىّ الفقيه

كان من اعيان الفقهاء، قرأ الفقه على الشيخ[1] . . . .

(١٢٧) **مجاهد الدين** ابو علىّ الحسن بن ابى البركات محمّد بن علىّ بن طوق الموصلىّ الفقيه الكاتب

ذكره محمّد بن الدبيثى فى تاريخه، وقال: اصله من الموصل وهو بغدادىّ الدار والمولد، تفقّه بالنظاميّة، وسمع ابا الوقت عبد الاوّل، وتولّى النظر فى ديوان التركات، وتوفّى فى شوّال سنة ستّ وتسعين وخمسمائة؛

(١٢٨) **مجاهد الدين** ابو الفضائل خالص بن عبد الله الناصرىّ امير الجيوش

كان من اكابر امراء الدولة الناصريّة، وكان امير الجيوش جليل القدر كريمًا، له انعام على الفقراء، حسن الوساطة بين الرعيّة والخليفة وله مجلس يتردّد اليه فيه الامراء والاكابر، وكان ممدّحًا، وقد مدحه النقيب شمس الدين ابو القاسم علىّ بن محمّد بن عدنان بن المختار من ابيات:-

يوم تمرّ ولا ا ـــ ر ا ـــ هم فيه عندى فهو شهر
فمتى يُدال من الهوى — لم يبق لى جلد وصبر
بمجاهد الدين اغتدت — ظلم الامانى وهى غبر
ملك لنا فى كلّ يو — م منه احسان وبرّ

---

[1] بياض فى الاصل لم نستطع تكميله؛

متهلّل طلق المحيّا زانه كرم وبشر
سيف الامام المنتضى عند الحوادث حين تعرو

(١٢٩) مجاهد الدين ابو العز راشد بن علي بن راشد الاسد ابادي المقرئ

[65 b / 66 a]

ذكره الحافظ ابو طاهر احمد بن محمد السلفي في كتاب معجم السفر، وقال: روى لنا بالاهواز عن ابي محمد الحسن بن احمد بن موسى الغندجاني، روى باسناده قال: دخل مالك بن دينار على بلال بن ابي بردة وهو امير البصرة، فقال: ايها الامير! قرأت في بعض الكتب: من احمق من السلطان! ايا راعي السوء! دفعت اليك غنماً سماناً صحاحاً فاكلت اللحم وشربت اللبن وائتدمت بالسمن ولبست الصوف وتركتها عظاماً تقعقع!

(١٣٠) مجاهد الدين ابو الفضل سليمان بن محمد ابن علي الموصلي المحدث

ذكره الحافظ زين الدين ابو الحسن محمد بن القطيعي في تاريخه، وقال: هو موصلي الاصل بغدادي المولد والدار اخو يوسف وعلي، قال: وكان احد الصوفية برباط ابي النجيب السهروردي، سمع ابا القاسم اسمٰعيل بن احمد

---

[1] يعرف بالاسود وكانت وفاته سنة ٤٢٨ هـ؛ انظر ترجمته في معجم الادباء (٧: ٢٦١) وبغية الوعاة (ص ٢١٧) ونزهة الالباء (ص ٤٣٧)؛ [2] ٥٣٦ هـ؛ الشذرات (٤: ١١٢)؛

ابن عمر بن السمرقندی، قال ابن القطیعی، وسمعنا علیه ثلثة اجزاء من الجعدیات[1]، وروی لنا عنه شیخنا محی الدین ابو البرکات عبد الحی بن احمد الحزلی؛

(۱۳۱) **مجاهد الدین ابو المجد شکر بن عبد الله الناصری الامیر**

کان امیراً کیّساً مختصاً بالرکوب مع الامام الناصر لدین الله، وتقدم بان یکون فی جملة الزعماء سنه اربع عشرة و ستمائة، وکان محبّاً فی الخدمة مهتماً بالملازمة لیلاً و نهاراً؛

(۱۳۲) **الملک المجاهد اسد الدین ابو الحارث شیرکوه بن ناصر الدین محمد بن اسد الدین شیرکوه بن شاد الحمصی الوزیر**

ذکره العماد الکاتب فی کتاب الخریدة وفی کتاب البرق الشامی، قال: وفی سنة اثنتین وثمانین وخمسمائة امرنی المولی السلطان الملک الناصر صلاح الدین ابو المظفر یوسف بن ایوب ان اکتب منشوراً للملک المجاهد اسد الدین شیرکوه بن محمد بن اسد الدین شیرکوه، فصل منه:-

---

[1] اجزاء الجعدیات المنسوبة الی ابی الحسن علی بن الجعد بن عبید الجوهری المتوفی سنة ۲۳۰ھ، اثنا عشر جزءاً؛ انظر کشف الظنون (۱: ۳۹۲)؛ وترجمة الجوهری مبسوطة فی تذکرة الحفاظ (۱: ۳۶۱) وتاریخ الکامل و ترجمة الوفیات لدیلان (۲: ۱۵۰)؛ [2] لم اجد ذکره فی فهرست دوزی؛

"وولدنا الملك المجاهد اسد الدين ناصر الاسلام والمسلمين ابو الحارث شيركوه بن محمد بن شيركوه سيف امير المؤمنين من محتد الكرم الذى اليه ينتمى ومن نجار السودد الذى الى فخاره يرتمى، وهو شبل الغاب الاسدى الذى يشتد الازر بمكانه، وواحد البيت العلى الذى يستند كلنا الى اركانه، والفرع الفارع ذروة السيادة النامية بنموه، والقمر الزاهر فى سماء السعادة المتسامية بسموه"؛

(١٣٣) **مجاهد الدين** ابو الفضائل صندمرد[1] بن نصرة الدين بغدى بن بهاء الدين ارغش البغدادى الكاتب من بيت الامارة والرياسة والذكاء والمعرفة والكياسة، ومولده ببغداد ووقع والده اسيراً مع الامير سوغونجاق[2]، وسكن مراغة فى خدمة والده سنة ثلاث وستين وستمائة، واشتغل وحصل، ولازم علماء الايغور والبخشية، وتعلم منهم كتابة الخط الايغورى ولغتهم، وكان فى غاية الذكاء ومكارم الاخلاق، ورجع الى بغداد ورايته بها وكان بينى وبينه وبين والده المودة التامة، وسيأتى ذكر والده فى كتاب النون ان شاء الله وحده؛

---

[1] له ولابيه وعمه ذكر فى تاريخ العراق (١: ٢٩١) فليراجع؛ [2] احد القواد فى جند هلاكو حين احتلال بغداد سنة ٦٥٦ هـ؛

(١٣٤) مجاهد الدين ابو حامد عبد الرحمن بن محمود بن بختيار بن عزيز الاربلي الفقيه الكاتب

ذكره كمال الدين ابن الشعار في كتاب عقود الجمان وقال : تفقه على ابي اسحق ابراهيم بن عمر بن زبيد الجزري، وانقطع الى خدمة كمال الدين ابي الكرم محمد ابن علي بن مهاجر الموصلي، وانشد له :-

يقول زميلي حين جد بها السرى ... وعاين مني فيض دمع المحاجر

أشوقا الى الاوطان وهي قريبة ... اليك فما القاك عنها بصابر

فقلت له مهلا وكن لي مساعدا ... فاين زرود الحدباء من دير حافر

(١٣٥) مجاهد الدين ابو بكر عبد العزيز بن عبد الرحمن ابن احمد بن هبة الله بن احمد بن علي بن الحسين ابن محمد بن جعفر بن عبيد الله بن عبد الله بن طاهر بن الحسين بن مصعب بن رزيق، المعروف بابن قرناص الحموي الاديب

ذكره ابن الشعار، وقال : من بيت معروف بالادب والفقه، وله شعر جيد، من ذلك في مدح النبي صلى الله عليه وسلم اولها :-

هبت عيون الغواني من كرى الخطل + لها خشوع واغراء عن الغزل

واضلت الجن عضبا منه منفجما ... حتى القرايض اضحى عنه في وهل

---

(١) بتقديم الراء على الزاء كذا علق عليه المصنف ؛ ت م ٦٥٤ه ؛ انظر الشذرات (٥ : ٢٦٥) وتاج العروس (٤ : ٢١٣) ؛

ونافست فيه اوزان العروض فما | سعى السريع اليه سابق الرمل
واقبلت تتهادى شُرَّعاً ذُبُلاً اليـ | ـراع تهزأ بالخطية الذُبُلُ
كلٌّ يؤمِّل بالسعى القبول لدى | مَن لم يؤمِّنه بالاخفاق ذو أمَلِ

منها :—

محمد المصطفى خير البرية من | بِهَدْيِهِ افترّ ثغر الدهر من جذلِ

(١٣٦) مجاهد الدين ابو عمرو عثمان بن شجاع الدين ابى الحسن بن موسى الهكّارىّ المقرى

كان من القرّاء العلماء بالقراءات واختلاف القرّاء فى ذلك، وسمع من الشيخ كمال الدين ابى الحسن علىّ بن شجاع بن سالم المقرى بقراءة ابى الفضل حامد بن منوجهر بن شاه خسرو بن روزبهان الشيرازىّ بالقاهرة فى شهر ربيع الاوّل من سنة اربع وعشرين وستّمائة ؛

(١٣٧) مجاهد الدين ابو الحسن علىّ بن محمّد بن احمد ابن علىّ بن ابراهيم، يعرف بابن الميناوىّ، العلوىّ الحسنىّ الحلبىّ الاديب

[هو] علىّ بن محمّد بن احمد بن علىّ بن ابراهيم بن محمّد ابن علىّ بن جعفر بن عبد المطّلب بن القاسم بن علىّ[١] بن حمّود ابن ميمون بن احمد[٢] بن عمر[٢] بن عبيد الله بن ادريس بن ادريس بن عبد الله المحض بن الحسن المثنّى بن الحسن

---

[١] ا : علىّ بن محمّد بن حمّود بن ميمون بن احمد بن احمد ؛ والتصحيح ممّا مرّ ؛

[٢] فيه اختلاف يراجع لمعرفته عمدة الطالب (ص ١٣١) ؛

ابن علیّ بن ابی طالب الهاشمیّ العلویّ الحسنیّ الحلبیّ، من بیت الریاسة، وولیَ جدّه الخلافة، ویعرف بابن المیناویّ الزجّاج، ذکره کمال الدین ابن الشعّار فی کتابه، وقال: کانت له مروّة ظاهرة ونفس کبیرة،

ومن شعره فی احمد:—

إنّ الذی اهواهُ نصفُ اسمه | مصحّفُ اسمٍ بلا مَیْن
فنصفه دمعی فی کثرةٍ | وعکسه یحکیه فی اللون

وله فی نُشّابة:—

ما طائرٌ بریش | لکنْ بلا جناحِ
مرامُه ان یطیر حتّی | یُعْلِنَ بالصیاحِ

قال: وسألته عن مولده فقال: سنة ثمان وستمائة؛

(١٣٨) **مجاهد الدین ابو الحسن علیّ بن یوسف بن محمّد ابن عبد الله بن الصفّار الماردینیُّ المنشی** یعرف بالحاجی لانّه حُمِل الی مکّة صغیراً، [هو] علیّ بن یوسف بن محمّد بن عبد الله بن شیبان بن الحسن بن عامر بن عُبَید الله بن کنّاز بن خلید بن نمیر بن عامر بن صعصعة بن بکر بن هوازن بن منصور بن خصفة بن قیس عیلان بن مضر بن نزار بن معدّ بن عدنان النمیریّ المعروف بابن الصفّار الماردینیّ، ذکره کمال الدین ابن الشعّار[1]، کان کاتب الانشاء بین یدی الملک المنصور ناصر الدین ارتق

---

[1] یرید المتوکّل علی الله علیّ بن حمّود المتقدّم ذکره؛

ابن اَلبی بن ایلغازی بن اَلبی بن اُرتُق الاُرتقیّ صاحب دیار بکر، قال: رکان عالمًا فاضلاً، وتولّی الاشراف بدیوان دُنیسر، ذکرہٗ صاحب کتاب حلیة السّریّین من خواصّ الدُّنیسریّین، وقال: ذکیٌّ فَطِنٌ دقیق النظر فیما یُرَتّب ویُصَنّف ویُنْشی من النظم والنثر، ذو فنون من الآداب والحِکم وغیرها، وتولّی الاعمال السلطانیّة بدُنَیسَر[2]، کتبتُ عنه وانشدنی لنفسہٖ :—

اَمِن هِلالٍ انت یاوَجْهَهُ الـ‍ـ‍ـ‍ـ‍بادی بهذا المنظر القمرِ
وجهُهُ من الرّوم ولکن لهٗ فی الخدّ خالٌ من بنی العَنْبَرِ
یغنی باغلیٰ ثمنٍ نظـ‍ـرةً احیابها یاطَلعة المشتری

ولهٗ فی الغزل :—

ردّت یداہ الیٰ ذوَا بتـ‍ـهٖ صُدغیه لمّا امکن الـرّدّ[3]

. . . . .

(۱۳۹) مُجاهِدُ الدّین ابوحفص عمر بن مکّی سَرجا بن محمّد الحَلَبِیُّ المقرئی [66 b / 67 a]

---

[1] ل: قال؛ [2] اَعربه المصنّف فجعل السین مفتوحة والمعروف کسر السین ؛

[3] کتب هہنا ذلاً؛ وکانت وفاتهٗ فی اوا خرذی الحجّة سنة احدیٰ وخمسین وستمائة، ودفن بمقابر ابراهیم علیه السلام قبلی المداینة، ومولدہٗ بحلب . فی شهر ربیع الاخر سنة اثنتین وتسعین وخمسمائة؛ ثم مدّ علیه خطّ النسخ؛ وذکرہٗ صاحب الفوات (۲ : ۹۷) فلقّبه جلال الدین، قال: قتلته التتر لمّا دخلوا ماردین ؛

كان من القرّاء المجوّدين، قال: لمّا مات الامام جعفر بن محمّد الصادق قال ابو حنيفة [رحمه الله تعالى] لشيطان الطاق: مات إمامُك؛ قال: لكنّ امامك من المُنظَرين الى يوم الوقت المعلوم، وانشد:-

لئن كدّر الدهر الخؤون مشاربي ... ومات اميري ناصر الدين بن الملك
فلي من يقيني بالإله وفضله ... امير يقيني السوء في النفس والملك
وان باح طوفان الخلاف فانّني ... هنالك نوحٌ واعتزالي كالفلك

(١٤٠) مجاهد الدين ابو الفوارس فارس بن عبد المجيد ابن احمد بن سعيد السُّلَيْحِيُّ[1] الكَفَرطابيُّ الشاعِرُ

ذكره ابن الشعّار في عقود الجمان، وقال: هو من دمشق لكنّه سافر الى بلاد العجم، ثمّ عاد الى دمشق وشخص الى الديار المصريّة، فاقام دهراً ثمّ رجع الى دِمَشق وسافر الى ميّافارقين حين كانت للملك المنصور ناصر الدين ابي المعالي محمّد بن عمر بن شاهنشاه بن ايّوب فلمّا ملك[2] حماه قدِم معهُ اليها، وكان مشرفاً في ديوانه ثمّ انقطع الى القاضي نجم الدين ابي البركات[3] عبد الرحمن ابن عبد الله بن محمّد بن عصرون؛

---

[1] سُليح بن حلوان بطن من قضاعة؛ [2] بعد وفاة ابيه الملك المظفّر عمر بن شاهنشاه سنة ٥٨٧هـ؛ وكان وفاة الملك المنصور سنة ٦١٧هـ؛ انظر الوفيات (١: ٤٨٣)؛ [3] هو ابن العلّامة الشهير شرف الدين ابي سعد بن ابي عصرون المتوفّى سنة ٥٨٥هـ؛

قال الوزیر مخلص الدین محمّد بن فارس، کتب والدی الی بعض اصدقائه :—

تطاولت مدّة الفراق | فهل سبیلٌ الی التلاقی

منها :—

یاسیّدی والذی اُرجّی | اضوّبی نحوک اشتیاقی

وله فی لابسٍ ثوبٍ اسود :—

وذی لباسٍ یحاکی لونُ طُرّته | فی ضوء بهجته مع عارضٍ بهجٍ

بدرًا تکنّفه جنح الظلام له | جسم من الدرّ فی ثوبٍ من السبج

وتوفّی فی شوّال سنة ستّ عشرة وستمائة؛

(۱۴۱) مجاهد الدین ابو الظفر فیروز بن عبد الله الخراسانیّ الکاتبُ

کان من الکُتّاب الموصوفین بجودة الخطّ وحسن العبارة رأیت فی مجموعةٍ له : الکریمُ اذا نال أنال، واللئیمُ اذا طال استطال ؛

(۱۴۲) مجاهد الدین ابو منصور قایماز بن عبد الله

الزینیّ الموصلیُّ الادیب المقری دُزدارا لموصل[1] ذکره الصاحب بهاء الدین محمّد بن حمدون فی تذکرته، وقال : کان مجاهد الدین قایماز کلفاً[2] بجبّ الحسنات وعاکفاً على فعل الخیرات فممّا شاهدته من

---

[1] سیأتی ذکره فی موضعه ؛ [2] ل : بدر ؛ [3] م ۵۶۲ ھ ؛ قاموس الاعلام للزرکلی (۳ : ۸۸۵) [2] ل : کلف وعاکف ؛

ذلك انه كان موئلاً لكل وافدٍ اليه من بلادنا العراقية ملجأ لكل خائفٍ يصل اليه منها، واما ما منحه الله تعالى من بذل الاموال وانفاقها فی عمارة بیوت الله عزّ وجلّ وتجدید الرباطات والمدارس والجسور والقناطر....[1] وعمر بظاهر الموصل جامعاً ورباطاً للصوفية وبيمارستاناً للمرضى، عزم على ذلك ما ينيف على مائة الف دينار احمر، ونصب على دجلة جسراً من الخشب، واوقف على هذه الوجوه اوقافاً كثيرةً يحصل منها فی السنة عشرة الاف دینار واکثر. وكان عاقلاً فقيهاً والياً بالموصل توفی سنة خمس[2] وتسعین وخمسمائة؛

(١٤٣) مجاهد الدين ابو المظفر قايماز[3] بن عبدالله المعروف بابی فُصيبد المعظّمی الشمسی الامیر

ذكره محمّد بن عبدالعظیم المنذری فی كتابه الی الحافظ ابن النجار البغدادی، وقال: سمع مع مولاه المعظّم من الحافظ ابی طاهر السلفی، وحدّث بدمشق وبمصر والاسكندرية والبُحَيرة وتوفی فی شوّال سنة تسع وثلثين وستمائة؛

---

[1] اهتدانا سياق العبارة الى الفصل بين الجملتين بالنقاط تنبيهاً على سقوط شيئ من البين؛ [2] هو الصحيح كما ذكره ابن الاثير لا كما ذكره ابن العماد بشذرات ٤: ٣١٨) انّ وفاته كانت سنة ٥٩٤ هـ؛ [3] والى البحيرة، نظرا لشذرات (٥: ٢٠٥)؛

(١٤٤) مجاهد الدين ابو عبد الله محمد بن ابراهيم بن يحيى السمرقندي[1] المحدث

(١٤٥) مجاهد الدين ابو عبد الله محمد بن الحسن بن احمد بن ابي الحسين الديباجي المصري الكاتب

كتب الانشاء للملك العادل محمد بن الكامل محمد بن العادل محمد بن ايوب في حياة ابيه وبعده عند استقرار[2] السلطنة له ولما انتزع ملكه واعتقل نهض المجاهد الى دمشق واتصل بعمه الصالح بن العادل بن ايوب فكتب لولده الملك المنصور محمود ثم اتصل بالملك الناصر يوسف ابن العزيز بن الظاهر وذلك سنة اربع واربعين وستمائة، وله شعر جيد منه قوله :-

ومبلبل الاصداغ بلبلني هوى	فمتى يفيق مبلبل بمبلبل
قالوا اتبدل بالعذار حبا له	فاسل الغرام وعن هواه تبدل
فظللت انشد ذ تبدى سائلا	وقف الهوى بي[3] حيث انت فليس لي

مولده سنة ستمائة ؛

(١٤٦) مجاهد الدين ابو فراس محمد بن حيدرة بن محمد بن نصر التغلبي الاديب

---

[1] لم يذكر في ترجمته شيئا ؛ [2] ٦٣٥ - ٦٣٧ ؛ [3] تضمين من قول ابي الشيص محمد بن رزين الخزاعي المتوفى سنة ١٥٠ هـ عم دعبل :-

وقف الهوى بي حيث انت فليس لي	متأخر عنه ولا متقدم

انظر كتاب الاغاني (١٥ : ١٠٩) وباب النسيب من كتاب الحماسة لابي تمام ؛

ذکرہ محب الدین ابو عبد اللہ بن النجار فی تاریخہ ، و قال : [ولد] ببغداد ونشأ بها ، ثم سافر عن بغداد واقام ببلاد الجزیرة والشام ، وعاد الی بغداد بعد التسعین والخمسمائة ورتب مشرفًا علی مناثر الدیوان ، وکان من اکرم الناس خُلقًا ونفسًا ، وکتب کثیرًا من کتب الادب والتواریخ ، وارتحل عن بغداد سنة ثلاث وتسعین ، واقام بنصیبین ، وله شعر ، وکانت وفاته بنصیبین فی شعبان سنة اثنتین وستمائة ؛

(١٤٧) **مجاهد الدین** ابو المظفر منصور بن نجم بن رضوان الکنانی الامیر

من بیت الامارة ، وکان مجاهد الدین عظیم الهمّة ، ممدّحًا ، وقد اشتغل وحفظ کثیرًا من اشعار العرب ، وکان محبّبًا الی عشیرته واهله کثیر الانعام علیهم ، انشد :—

جهلوا السبیل الی المکارم والعُلی ورضوا من الافعال بالالقاب

(١٤٨) **مجاهد الدین** ابو سعید **یاقوت** بن عبد اللہ الرومیُّ الناصریُّ امیر الحاجّ المتولّی علی خوزستان

ذکرہ شیخنا تاج الدین فی کتاب ولاة خوزستان ، وقال : ولاّہ الامام الناصر الامارة ، وحجّ بالناس سنة اثنتین و ستمائة ، ولم یزل یحجّ بالناس الی ان عُزل قطب الدین سنجر[1] عن بلاد خوزستان سنة سبع وستمائة ، ولم یزل حاکمًا علی خوزستان الی ان وُلی الامیر المؤیّد بن المعظم

---

[1] قال ابن الاثیر انه جعل امیر الحاج فی هذه السنة ؛ الکامل (١٢ : ٢١٤) ؛

علیّ بن الناصر وكفت يدهٗ عنها ، وكان قد اُقطِع الحُوَيزة وفرض لهٗ من حاصل الخواص الخوزستانيّة لاستقبال سنة اربع وستّمائة فی كلّ سنة عشرون الف دينار ؛ ذكرهٗ ابو الحسن علیّ بن سُنْقُر فی كتاب منار التاريخ ، وقال : كان شريف النفس والهمّة ، وتوفّی سنة اربع عشرة و ستّمائة ، ودفن بمشهد جرجيس بوصية منه ؛

(۱۴۹) مجاهد الدين ابو الخير يحيى بن اسحاق بن ابراهيم الاستراباذیّ الفقيه

قال : لمّا قسم سعد علیٰ اهل القادسية ما قسم ، الفارس ستة الاف ، والراجل الفان ، وبقی مال كثير ، كتب[1] الی عمر رضی الله عنه يُعَلِّمهٗ بذلك ، فكتب اليه عمر : فرّق الباقی علی اهل القران ، فجاءهٗ عمرو بن معديكرب ، فقال لهٗ : ما معك من القران ؟ قال : لا شیئ اسلمت وشغلنی الغزو ، قال : لا شیئ لك ، فانشأ يقول :-

اذا قُتِلنا فلا يبكی لنا احدٌ قالت قريش الا تلك المقاديرُ
نُعطی السويّة من طعن لهٗ نفذٌ ولا سويّة اذ تُعطی الدنانيرُ

(۱۵۰) مجاهد الدين ابو منصور يرنقش[2] بن عبد الله التركی الامير

[67 b]
[68 a]

كان اميراً شهمًا عارفًا بقوانين الملوك والسلاطين وتربية اولادهم ، وكان مملوك عماد الدين زنكی بن قطب الدين مودود

---

[1] ا : فكتب ؛ [2] راجع لترجمته تاريخ الكامل (۱۲ : ۶۲) ؛

ابن عماد الدين زنكى بن آق سنقر صاحب سنجار، ولمّا
توفّى سيّده عماد الدين سنة اربع و تسعين وخمسمائة
خلف ولداً صغيراً وهو قطب الدين محمّد، فقام مجاهد الدين
بتربيته، وكان شديد التعصّب على مذهب الشافعىّ،
وانشأ مدرسةً للحنفيّة بسنجار، وشرط ان يكون النظر
فى وقوفها للحنفيّة دون الشافعيّة؛

(١٥١) المجبّر ابو محمّد عبد الرحمٰن بن عبد الرحمٰن
ابن عمر بن الخطّاب العَدَوىّ المَدَنىّ المحدِّثُ ذكره
ابو عبد الله مصعب بن عبد الله الزبيرىّ فى كتاب
انساب قريش، قال: وولد عمر بن الخطّاب عبد الرحمٰن
الاكبر[1] فهلك، وترك ابناً له نسمّى به، وسمّته حفصة
بنت عمر بن لك ولقّبته المجبّر، قالت[2]: يجبره الله، فولده
يعرفون بولد المجبّر، وأمّ المجبّر بنت قدامة بن مظعون
ابن حبيب بن وهب بن حذافة بن جُمَح؛

(١٥٢) المُجْتَبىٰ ابو القاسم محمّد بن عبد الله بن عبد المطّلب
الهاشمىّ النبىّ صلّى الله عليه وسلّم
ومن القاب النبىّ صلّى الله عليه وسلّم: المجتبىٰ، فى حديث
عبد الله بن عبّاس انّ النبىّ صلّى الله عليه وسلّم لمّا اسرى

---

[1] ل: الاصغر؛ والتصحيح من تاج العروس (٣: ٨٩)؛ [2] قال فى تاج العروس،
[سمّى المجبّر] لانّه وقع وهو غلام فقيل لعمّته حفصة: انظرى الى ابن اخيك
المكسّر؛ فقالت: بل المجبّر، فبقى لقباً عليه؛

به أُتى على ارواح الانبياء فاثنوا على ربّهم، فقال ابراهيم عليه السلام: الحمد لله الذى اتّخذ ابراهيم خليلاً، وانقذنى من النار وجعلها علىّ برداً وسلاماً، وقال موسى عليه السلام: الحمد لله الذى كلّمنى تكليماً واصطفانى برسالته وقرّبنى اليه نجيّاً، وقال داود عليه السلام: الحمد لله الذى خوّلنى ملكاً وانزل علىّ الزبور والآنَ لِىَ الحديد، وقال سليمان عليه السلام: الحمد لله الذى سخّر لى الرياح والانس والجنّ وعلّمنى منطق الطير وآتانى ملكاً لاينبغى لاحد من بعدى، وقال عيسى عليه السلام: الحمد لله الذى جعلنى ابرئ الاكمه والابرص، وقال محمّد صلّى الله عليه وسلّم: الحمد لله الذى ارسلنى رحمة للعٰلمين وانزل علىّ الفرقان وشرح صدرى ووضع عنّى وزرى وجعلنى فاتحاً وخاتماً وجعل امّتى خير الامم وجعل اُمّتى اُمّة وسطاً، وجعل اُمّتى هم الاوّلون وهم الاٰخرون؛

(١٥٣) **المُجتبىٰ** ابو محمّد الحسن بن علىّ بن ابى طالب عبد المناف الهاشمىّ الخليفة

ومن القاب ابى محمّد الحسن الزكىّ المجتبىٰ ولى الامر بعد ابيه سنة اربعين، وقد تقدّم ذكرهٗ فى تراجمه؛

(١٥٤) **مُجتَبَى المروّة** ابو سعد عبدالله بن احمد الحَنَفِىُّ الشاعر ذكره شيخنا الصدر العالم مجد الدين اسعد بن ابراهيم النشّابىّ[1]

[1] م ٦٥٧ھ؛ يأتى ذكرهٗ منسوباً هناك الى النشاشيب بصيغة الجمع؛

الاربلیّ فی کتاب المذاکرۃ فی القاب الشعراء، وقال:
کان عبداللہ بن احمد الحنفیّ یلقّب مجتنی المروءۃ وکان
صدیقاً لعبداللہ بن المقفّع، ولقّب مُجتنی المروءۃ لکثرۃ
ذکرہ المروءۃ فمن ذلک قولہ:-

لاتحسبنّ انّ المروءۃ مطعمٌ اوشرب کأسٍ
اوفی الولایۃ والمواکب والمراکب واللباس
لکنّھا کرم الفروع زکت علی کرم الغراس

۱۵۰) مجدالدین ابواسحاق ابراھیم بن احمد بن ابراھیم الحرّانی الصوفی

کان من ظرفاء الصوفیۃ، حافظاً للامثال السائرۃ نثراً و
نظماً، وکان اذارأی من لہٗ ابّھۃ فی الخلقۃ، ولہٗ ملبس
سَرِیّ وھیئۃ وزیّ ولم یرعندہٗ ما یفضیہ من فضّۃ
ولافائدۃ انشد:-

اذامالم یکن فی الغَیم وَدْقٌ فلیس بنافعٍ رعدٌ وبرقٌ
ولست معدّداً ایام شھرٍ اذامالم یکن لی فیہ رزقٌ

۱۵۶) مجدالدین ابورشید ابراھیم بن الحسین بن علیّ البغدادیّ الادیب

ذکرہ الحافظ ابوطاھر احمد بن محمّد السلفیّ فی کتاب
معجم السفر، وقال: کان یُعرف بالبرزبانیّ، روی لنا
بالریّ عن ابی سعد اسماعیل بن علیّ بن الحسین بن السّمان؛

۵ م ۴۴۵ھ؛

(۱۵۷) **مجد الدین ابو اسحاق ابراهیم بن علیّ بن محمّد ابن برکہ الانصاریّ السراوجیّ المحدِّثُ**

ذکرہ الحافظ جمال الدین ابو عبد اللہ محمّد بن سعید ابن الدبیثیّ فی تاریخہ، وقال کان من اھل الخیر و الصلاح، سمع ابا الفتح عبید اللہ بن شاتیل[1] وطبقتہ، سمعنا منہ، وکانت وفاتہٗ سنۃ اثنتین وستمائۃ ودُفِنَ بالشونیزیۃ؛

(۱۵۸) **مجد الدین ابو طاھر ابراھیم بن محمّد بن عبد اللہ الإِسْعَردیّ الحشائشی المتطبّب، یعرف بابن الحُتَیتی**

شیخنا الحکیم الصوفی، کان شیخًا عارفًا لہٗ معرفۃ تامّۃ بالحشائش ومواضعھا، وخواصّھا ومنافعھا مع طھارۃ النفس والھمّۃ العالیۃ والاخلاق الحمیدۃ، وردمراغۃ، وعَمَّرَ بنواحیھا زاویۃ بناحیۃ اھق فی موضع کثیر الانھار والاشجار وھناک دُلْبۃ عظیمۃ عرفت الزاویۃ بھا، والجبل المشرف علیھا یسمّی داوشت، یحتوی علی اکثر حشائش التریاق، واستُدعِیَ الی حضرۃ السلطان غازان بن ارغون، وصعد السلطان معہ الجبل وعرّفہٗ انواع الحشائش واحبّہ السلطان وادرّلہٗ ادرارًا سنویًّا، وکانت وفاتہ سنۃ ستّ وسبعمائۃ باسعرد؛

---

[1] وفی معجم البلدان (۲: ۳۱) : شاتیل؛

(١٥٩) **مجد الدين** ابو منصور احمد بن ابراهيم بن ليث الجُوَينيُّ الكاتب

كان اديبًا فاضلًا، له شعر حسن، فمن شعره قوله في الربيع:-

ضرب الروضُ فساطيط الزَهَرْ ... وغدا ينشر من طيّ الحِبَرْ

عقد النيروزُ في مفرِقه ... تاجَ دُرٍّ صِيغَ من ماء المَطَرْ

(١٦٠) **مجد الدين** ابو العبّاس احمد بن اسماعيل بن هاشم الواسطِيُّ المقرئُ

كان من القرّاء الظرفاء، انشد في رجل قصير:-

انظر اليه والى قامةٍ ... قريبةِ البعض من البعضِ

لا ينظر الناس اذا ما بدا ... منه سوى الرأس على الارضِ

(١٦١) **مجد الدين** ابو الفضل احمد بن ابي بكر بن ابي محمّد الخاورانيُّ النحويُّ [68 b / 69 a]

ذكره ياقوت الحَمَويُّ في كتاب معجم الادباء[1]، وقال: لقيتُه بتبريزَ[2]، وهو شابٌّ فاضلٌ قيّمٌ بعلم النحو، وكان محترقًا بالذكاء، حافظًا للقرآن المجيد، وكتب بخطّه الكثير من كتب الادب، وصنّف كتبًا مختصرةً في النحو، قال: وكتب عنّي الكثير وفارقته سنة سبع عشرة وستّمائة، وتوفّي سنة[3] عشرين وستّمائة؛

---

[1] ج ٢ ص ٢٣٨ بما بعدها؛ وكلام المصنّف نخبة منه؛ [2] في معجم الادباء: بعرف سوين؛ وقال ناشره: اسم موضع؛ ولم يعرّفه؛ [3] ترجم له السيوطي في بغية الوعاة (ص ١٢٩) ايضًا؛

(١٦٢) **مجد الدين** ابو العبّاس احمد بن تميم بن علّی الخلخالیّ الصوفیّ

اورد باسناده الی انس بن مالک رضی اللہ عنه قال: قال النبیُّ صلّی اللّٰه علیه وسلم: "اللّٰهمّ انّی اعوذ بک من علم لا ینفع، ومن قلب لا یخشع، ومن نفس لا تشبع، ومن دعاءٍ لا یسمع، اللّٰهمّ انّی اعوذ بک من هؤلاء الاربع"؛

(١٦٣) **مجد الدین** ابومنصور احمد بن جَعْفَر بن مَسْعُود القاشیُّ الادیب

کان حافظًا لنوادر الادباء واکثر حکایات ابی العیناء[1]، ومنها انّ ابا العیناء دخل علی صاعد بن مخلد بعد انقطاع کان منه عنه، فقال له: یا ابا العیناء، ما الذی اخّرک عنّا؟ قال: بنتی، قال: وکیف؟ قال: قالت: "تروح من عندنا مُسْلِفًا وترجع مُعْتِمًا صِفْرَ الیدین بخُفّی حُنَین، فالی من؟ قلت: الی ذی الوزارتین ابی العلا؛ قالت: أفیشفعک؟ قلت: لا؛ قالت: افیُعطیک؟ قلت: لا، قالت: أفیَرفع مجلسک؟ قلت: لا؛ قالت: یٰآبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا یَسْمَعُ وَلَا یُبْصِرُ وَلَا یُغْنِی عَنْکَ شَیْئًا"؛ فضَحِک صاعِدٌ وامرله بثلاثة الاف درهم وقال: الفان لک، والف لابنتک لئلّا تضربنا بقوارع القرآن؛

(١٦٤) **مجد الدین** احمد بن حارث بن عمر و بن مطر ابن سُرخاب بن ابراهیم بن ابی الهیج بن ابی الهیجا بن

---

[1] هو محمّد بن القاسم بن خلّاد المتوفّی سنة ٢٨٢ھ؛ انظر الوفیات (١: ٥٠٢)؛

برجم بن حمدون بن مضوّس بن ابی فراس الحارث
ابن حمدان بن خلف بن کعب بن واثلۃ بن سعد
ابن زائدۃ بن بکر بن طریف بن خلف بن محراب
ابن خصفۃ بن عیلان بن مجرس بن کُلَیب بن ربیعۃ
ابن مُرّۃ بن الحارث بن زُہَیر بن جُشم بن بکر بن
حُبَیب بن عمرو بن غَنْم بن تغلب بن بکر بن وائل؛

(۱۶۵) مجد الدین ابو الفتح احمد بن حمزۃ بن الحسن
ابن العبّاس الحُسَینیّ الادیبُ

کان ادیبًا فاضلًا ولہٗ رسائل، انشد فی وصف قصّ الشّیب:-

کانّ المقاریض التی تعتورنہٗ   مناقیر طیرٍ تنتقی سنبل الزرع

(۱۶۶) مجد الدین ابو جعفر احمد بن زید بن عُبَید اللہ
الحسنیّ المُوصِلیّ النقیب

من بیت النقابۃ والتقدّم بالمُوصِل ونواحیہا، ولہٗ فی الادب
القدم الراسخ والاجتماع بالافاضل والادباء وافضال
علیہم، وکان ممدّحًا کریمًا، ولابی علیّ الحسن بن علیّ
ابن نصر انعبدیّ فی مدحہٖ من قصیدۃٍ اوّلُہا:-

شِیمُ معی بَرقًا علی جوّ الغریّ   ھبّ ھبّاتِ الحُسام المشرفیّ
ھبّ وھنًا فتوھّمتُ الدُجیٰ   حَبَشیًّا فی رداءٍ مُذْھَبیّ

منہا:-

غیر مولیً من قریشٍ ماجدٍ   اَلمَعِیٍّ لوذعیٍّ اَرْیَحیّ

منہا:-

من اتى يفخر يوماً بأبٍ   فله فخر نبيٍّ ووصيّ

منها :—

غير انّى فى التدانى والنوى   ذلك الراعى لكم عهد الوفىّ

فارضَ منّى بالذى ابعثه   لك من نشر ثناء عنبرىّ

(١٦٧) **مجد الدين** ابو العبّاس **احمد بن عبد الله بن المسلّم الدمشقىّ الفقيه**

كان فقيهاً عالماً قد قرأ الادب والفقه وسمع الاحاديث النبويّة، وكتب بخطّه الكثير، وكتب عن الكبير والصغير، ومن فوائده : قال المبرّد : سمعت ابن الاعرابى يقول : اذا سمعت الرجل يقول : رأيت فلاناً يذكر فلاناً ؛ فاعلم انّه قد عابه ؛ فقلت : اوجدُ فى ذلك فى القرآن ؛ فقال : قول الله تعالى فى قصّة ابراهيم " قَالُوا سَمِعْنَا فَتًى يَذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهُ إِبْرَاهِيمُ " اى يعيبهم[1] ؛ وقال عنترة :—

لا تَذكرى[2] فرسى وما اطعمته   فيكونَ جلدُكِ مثل جلد الاجرب[3]

(١٦٨) **مجد الدين** ابو العبّاس **احمد بن عسكر الواسطىّ المقرى الضامن**

ذكره شيخنا تاج الدين علىّ بن انجب، وقال : ولِىَ الاعمال السلطانيّة، ولم يكن محموداً فى سيرته، وعزل سنة خمس واربعين وستّمائة، ورُتّب عوضه شهاب الدين احمد بن عامر؛

---

[1] ا : يعيبه ؛ [2] انظر العقد الثمين فى دواوين الشعراء الستّة الجاهليّين (ص ٣٥) [3] وفى العقد الثمين : مهرى ؛

(۱۶۹) **مجد الدین ابو العبّاس احمد بن علیّ بن عبد الرحمٰن النِفّریّ[1] الکاتب**

من کلامه فی تقلید: وأمَرَهُ ان یجعل تلاوة کتاب الله عزّ وجلّ دَیْدَنَهُ وان یجعلهُ مثالاً یُحتذی اوامرُهُ ویُهتدی بهُداه، وان یتدبّر معانیه الغامضة وعجائبه، ویتبحّر الفاظه البدیعة وغرائبه، فانّه المُرشد اذا عمیت المسالك والمنقذ اذا عمّت المهالك؛

(۱۷۰) **مجد الدین ابو الفضل احمد بن علیّ بن محمود الکوفیّ الادیبُ**

کتب :-

هنّیت بالشهر الشریف ودمت فی	ملكٍ یظلّ العالمین ظلالُهُ
شهرٌ یبشّر ان تدوم مُبلَّغاً	اقصی الامانی لرائقات هلالُهُ
ابداً تدوم ممکّناً فی نعمةٍ	ورخاء عیشٍ لایُحلّ عقالُهُ

منها: وهو المملوك الذی قد استرقّه الاحسان الیه و استعبده الانعام علیه وهو یسأل الله تعالیٰ ان یُوزِعهُ شکر مالكِ رِقّهِ ومستوجب حمده ومستحقّهِ؛

(۱۷۱) **مجد الدین ابو عبد الله احمد بن علیّ بن المعتمر الحسینیُّ النَقیبُ**

کان من السادات النقباء، والاکابر النجباء رأیت دیوان ترسّلهِ بالرصد المحروس سنة خمس وستّین وستّمائة، کتب الی الشام

---

[1] نِفّر من نواحی بابل بأرض الکوفة: معجم البلدان؛

المقتفي لامر الله لما تقدم بختان السادة اولاده لازالت العراص المطهرة اهلة المغاني بافواج المسار والافراح، وازدحام وفودها الى ابوابها المنصورة في الغدو والرواح، واتصال امدادها وفق البغية والاقتراح، وجعل هذا الطهر الميمون طائره، المؤذن بتوالي النعمى بشائره طليعة جيوش تضاعف السعود والاقبال، ورائد بلوغ نهاية الاماني والآمال، في سلائل مجدها الذي غدا اعلى مفرق النجم ساحب الاذيال

مطهرين خلقتم من سائر الادناس
فان اتيتم بطهر فسنة للناس

(١٧٢) **مجد الشرف** ابو عبد الله احمد بن عمار بن احمد الحسيني الجبلي النقيب الاديب

ذكره العماد الكاتب في كتاب الخريدة[١]، وقال: علوي نجم سعده في النظم علوي، وشريف شرى في سوق الادب فضله بكد النفس والادب، شرفت همته وظرفت شيمته، وانشد له :-

وشادن في الشرب قد اشربت	وجنته ما مج راووقه
ما شبهت يوماً اباريقه	بريقه الا ابى ريقه

وانشد له في جارية اسمها قوته :-

---

(١) ـــــ : لم اجده في فهرست دوزي ، وله ذكر في مخطوطة الخريدة بمكتبة باريس كما ذكره هامير في تاريخه لاداب اللغة العربية (٦٢٠٦م) ؛

قالوا نرى قوتة مصفرّةً ... وما دروا ما بك يا قوته

قد كنت بالامس لنا دُرّةً ... فصرت فينا اليوم ياقوته

انتِ حياة النفس بل قوتُه ... فكيف يسلو عنكِ ياقوته

وتوفى ببغداد سنة سبع وعشرين وخمسمائة وعمره اثنان وخمسون سنةً ؛

(١٧٣) مجد الدين ابو العزّ احمد بن عمر بن سعيد الابيورديّ الصوفى

قال : دخل الحسين[1] الصوفى المعروف بالجمل المصرى على قادم من مكّة ، وعنده قومٌ يهنئّونه ، وبين ايديهم اطباق حلواء ، وليس يمدّ احدهم يده اليها ، فقال : والله يا قوم ! لقد اذكرتمونى ضيف ابراهيم ، وقرأ[2] " فلمّا رَأَى أَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ إِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً " ثمّ قال : كلوا رحمكم الله ؛ فضحكوا واكلوا ؛

(١٧٤) مجد الدين ابو الليث[3] احمد بن عُمر بن محمّد ابن احمد النسفيُّ الواعظُ

ذكره تاج الاسلام ابو سعد السمعانى فى تاريخه ، وقال : هو من اهل سمرقند من اولاد المحدّثين والائمّة ، كان فقيهاً

---

[1] يريد الحسين بن عبد السلام الشاعر المعروف بالجمل المتوفى سنة ٢٥٨ھ ولم يكن صوفيًا فيما نعرفه ؛ انظر ترجمته فى معجم الادباء (١٠ : ١٢١) ؛ [2] سورة هود (١١) الآية (٧٠)

[3] هو الامام الحنفى الشهير بأبى الليث السمرقندى من شيوخ صاحب الهداية ، انظر الجواهر المضيئة (١ : ٨٦) ؛

فاضلاً، وواعظاً كاملاً، سمع من ابيه الكثير، قال: وقدم
علينا مرو سنة سبع واربعين وخمسمائة متوجهاً الى الحجاز،
ورحلنا الى بغداد جميعاً سنة احدى وخمسين [وخمسمائة]
وكان الناس فى شدة عظيمة والحرب قائمة بين المقتفى لامر الله
والسلطان محمد شاه، وخرج من بغداد سنة اثنتين وخمسين
[وخمسمائة] وخرج جماعة من الملاحدة وقتلوا
اهل القافلة، واخذوا اموالهم وكان منهم مجد الدين النسفى
ومولده سنة سبع وخمسمائة؛

(۱۷۵) مجد الدين ابو زيد احمد بن الفضل بن عبدالله الطيبى الاديب

كان اديباً عارفاً بالامثال والاشتقاق، وكان يحفظ اكثر امالى
ثعلب[1]، وانتخب لنفسه جزءاً حسناً من الامالى، من ذلك
قولهم" ليس له اصل ولا فصل"، الاصل الوالد والفصل
الولد، ومن فوائده: ــ

يامن فدت انفسنا نفسه موعدنا بالامس لا تنسه

(۱۷۶) مجد الدين ابو على احمد بن القاسم بن طباطبا العلوى الحسنى الاصفهانى المدرس

ذكره العماد الاصفهانى فى كتاب الخريدة[2]، وقال: ادركت
زمانه باصفهان، وهو من ائمتها الافاضل، وهو القائل

---

[1] احمد بن يحيى (۲۰۰ - ۲۹۱)؛ [2] لم اجد اسمه فى
فهرست روزى؛

فی مرثیة ابراهیم[1] الغزّی الشاعر :—

همومی فی فراق امام غزّة ۔۔۔ همومُ کُثَیّر لفراق عزّة

وطلب من تاج الدین ابی طالب الحسین بن الکافی زید حنطة فبخل بها فکتب الی بعض الصدور :—

یا علماً علاّمةً للوری ۔۔۔ زندک فیما تُرتجی واری

سُنبلة الحنطلة مشدُودةٌ ۔۔۔ فی جنّة الخُلد بأزدارها

اطلُبُ جهلاً من ابی طالبٍ ۔۔۔ وهو بضحضاحٍ من النار

(١٧٧) مجد الدین ابو العبّاس احمد بن ابی القاسم المعروف بابن الزرق الدارقزی الصوفی

ذکرهُ الحافظ محمّد بن الدبیثی فی تاریخه، وقال : روی عن علیّ[2] بن المبارک بن الجصّاص، سمع منه عبدالرحمن ابنُ[3] عمر الواعظ، وکانت وفاته سنة خمس وتسعین و خمسمائة ؛

(١٧٨) مجد الدین احمد بن المبارک بن عوض بن المبارک ابن ابی عمرو یعرف بابن الصبّاغ الطبیب

کان حکیماً فاضلاً، ولاجله صنّف والده کتاب الزلقة فی الطبّ ؛

---

[1] هو ابراهیم بن عثمان الاشهبی الغزّی من اهل غزّة بفلسطین توفی سنة ٥٢٣ھ ؛ انظر: بروکلمن (١ : ٢٤٨) ؛ [2] لعله علی بن المبارک المعروف بابن غربیة الورّاق المتوفی سنة ٥٧٨، الشذرات (٤ : ٢٦٤) ؛ [3] م ٦١٥ھ ؛ الشذرات (٥ : ٦٤) ؛

(۱۷۹) مجد الدین ابو العبّاس احمد بن محمّد بن برکة یعرف بابن البرید ار البغدادیّ المحدّث الکاتب

کان والده من ندماء الخلفاء وخدم الناصر والظاهر والمستنصر والمستعصم، وکان ولده مجد الدین حافظاً لنکت الاخبار ومعانی الاشعار، وکان اذا اشتغل فی الاعمال الدیوانیة لا یکاد یراقب احداً، فاذا عزل عن عمله تردّد الی الاخوان والاصحاب، وکان له تردّد الی الشیخ عزّ الدین علیّ بن الاعزّ، توفّی سنة اربع وتسعین وستمائة.

(۱۸۰) مجد الدین احمد بن محمّد بن ابی بکر النسفی المقری

ذکره شیخنا صدر الدین ابراهیم بن شیخ الشیوخ سعد الدین محمّد بن المؤیّد الحمّویهی الجُوَینیّ، وقال: لقیته ببغداد وقرأت علیه احادیث من وسیط التفسیر[1]

(۱۸۱) مجد الدین ابو عبد الله احمد بن محمّد بن تمیم یعرف بالاعرج الاصفهانیّ

کان ادیباً فاضلاً، وجدت له فی بعض المجامیع هذه الرباعیة :-

اَترع قدحَ المدام یاساقِ هات	نشربهُ فکلّ ما سیأتی هوات
قم فانتهز الفرصة من قبل فوات	فالعمر وان طالَ سریع الخطوات

---

[1] لابی الحسن علیّ بن احمد بن محمّد بن متّویه الواحدیّ المتوفّی سنة ۴۶۸ھ؛ الوفیات (۱: ۳۳۳)؛

(۱۸۲) مجد الدین ابو الفضل احمد بن محمّد بن ثابت النظامی

کتب الیه رئیس الاصحاب کمال الدین البلدی نزیل کاشغر

ایا مجد الهدی مغناک وِرد ... لمن هو فی اسی الحرمان ظامی

بفضلک عاد غُصن العلم غضّاً ... وشمل الفضل ملتئمُ النظام

حویت المجد حتیّ النّاس قالوا ... نظام المجد بالمجد النظامی

(۱۸۳) مجد الدین ابو الحسن احمد بن محمّد بن ابی الحسن الطبریُ الخواریُّ الادیبُ

اورد باسناده الی قتادة [رحمه الله] قال : جاء کتاب عمر ابن عبد العزیز الی والیه ان دع لاهل الخراج من اهل الفُرات ما یتختّمون الذهب ویلبسون الطیالسة ویرکبون البراذین وخذ الفضل ، سمع الطبَری کتاب شرح السنّة علی الشیخ نجم الدین الکبری عن محمّد بن اسعد حفدة عن المصنّف محی السنّة ابی محمد الحسین بن مسعود البغویّ ؛

(۱۸۴) مجد الدین ابو العبّاس احمد بن محمّد بن عبد الله یعرف بابن برغوث الدوری الفقیه

ذکره القاضی تاج الدین ابو زکریّا یحیی بن القاسم بن المفرّج التکریتیّ فی تاریخه فی ذکر من قرأ علیه او روی عنه ، و کان من جملة من صحِبه الی بغداد لمّا ولی تدریس المدرسة النظامیّة ، ونظر فی وقفها ، واستعان به فی شیء من ذلک ؛

(۱۸۵) مجد الدین احمد بن علاء الدین محمّد بن علم الدین عبد الله بن عبد الغنی یعرف بابن سکینة البغدادیّ الکاتب

قد تقدّم ذكر والده، واما مجد الدين فانّه كتب الكثير، وكان عالماً بالتصرّف، وهو من جملة من عيّن عليه فی كتابة تصانيف المخدوم خواجه رشيد الدّين فضل الله، وقد انعم جمال الدين بن العاقولی وامر بكتابة محضر ليأخذ له الرباط المنسوب الى ابن سكينة بالمشرعة.. ... [1] من بنات ابن سكينة فكتبتُ له صورة النسب فی ربيع الآخر سنة اربع عشرة و سبعمائة، وهو المستحق للنظر له الرباط المذكور لاتّصاله ومعرفته وادبه اذ كان قد جدّ واجتهد وحصّل وتوصّل وكتب مليحاً وضبط صحيحاً، وعنده اخلاق صوفية طاهرة ظاهرة؛

(١٨٦) **مجد الدين** - [و] يقال قطب الدين **احمد بن محمد ابن محمد بن احمد القطّان**

سمع بالحرم الشريف شرّفه الله علی شيخنا كمال الدين هبة الله بن ابی القاسم سنة ستّ وثمانين وستّمائة؛

(١٨٧) **مجد الدين** ابو العبّاس **احمد بن محمّد بن محمود الدّوری القاضی**

استنابه قاضی القضاة عزّ الدين احمد بن الزنجانی فی الحكم والقضاء، وكان جميل القاعدة ولم تطل ايّامه فی الحكم، وتوفی سنة احدی وسبعين وستّمائة؛

(١٨٨) **مجد الدين** ابو نصر **احمد بن محمود بن علی النظامیّ الشاعر**

---

[1] هنا كلمة فی الاصل لم نفهمها)

هذا شاعرٌ حافظ للاشعار الفارسية ينتمي الى النظامي الجنزي[1] الذي كان في ايام الوزير نظام الملك ابي علي الحسن وبه لقب النظامي[2]، وكان شاعراً فصيح الكلام، حسن النظم، له بالفارسية كتاب خسرو وشيرين وكتاب ليلى ومجنون ترجمه ونظمه اُرجوزةً، وهذا المذكور رأيته سنة خمس وسبعمائة، كان في مخيّم الصاحب سعد الدين رحمه الله، وله فيه مدائح بالفارسيّة، رأيته بكاباوي[3] ولم اكتب عنه شيئًا؛

(١٨٩) مجد الدين احمد بن موسى بن نصر بن موسى الانصاري الثوري الفقيه [٥٦٠ ؟ / ٦١١ ؟]

ذكره الحافظ ابو طاهر احمد بن محمد السِلَفي في كتاب معجم السفر، وقال: اجتمعت به بزنجان، وروى لنا عن ابي اسحاق ابراهيم بن علي بن يوسف الفيروزابادي، قال: وهو من اولاد البراء بن عازب بن الحارث بن عدي بن مجدعة بن حارثة بن الحارث بن الخزرج[4] الحارثي الخزرجي؛

---

[1] نسبة الى جنزة وتعرف عند العامّة بكنجه؛ [2] هذا لا اصل له فان النظامي الجنزي ولد بعد وفاة نظام الملك (٤٨٥ هـ) بنيف وخمسين سنةً، انظر مجلة ارمغان - طهران (السنة ١٩ العدد ٢ ص ٩٧)؛ [3] لم اتحقق اسمه بعد، [4] الخزرج، هذا البطن من الاوس والبراء رضي الله عنه اوسيٌّ؛ انظر تهذيب الاسماء للنووي (١ : ١٣٢) و وستنفيلد (ش ١٣ س ٣٠)؛

(١٩٠) مجد الدين ابو الفضل احمد بن المؤيد بن الحسن الدبوسی الادیب

ذکرہ شیخنا تاج الدین علی بن انجب فی کتاب لطائف المعانی لشعراء زمانی، وانشد لہ :-

یا من ترک الفرقد للقلب سمیر   اللہ فقد کدت من الشوق اطیر

خدّاک ریاض من الدمع غدیر   ما احسن لو ضمّ الی الروض غدیر

توفی سنۃ سبع وتسعین وخمسمائۃ؛

(١٩١) مجد الدین ابو محمد احمد بن یحیی بن الطباخ الواسطی الکاتب ناظر واسط

ذکرہ شیخنا علی بن انجب فی تاریخہ، وقال: کان ناظر واسط سنۃ سبع واربعین وستمائۃ، وکان عالماً بالحسبانات والمعاملات والمقاسمات؛

(١٩٢) مجد الدین مؤید الدولۃ ابو المظفر اسامۃ بن مرشد ابن علی ابن منقذ الشیزری[1] الامیر الادیب

ذکرہ الحافظ ابو القاسم بن عساکر فی تاریخہ[2]، وقال: قدم دمشق سنۃ اثنتین وثلاثین وخمسمائۃ، وخدم بہا، وکان فارساً شجاعاً، ثم خرج الی مصر فاقام بہا مدۃ، ثم رجع فاقام بحماۃ قال: واجتمعت بہ بدمشق و

---

[1] شَیزَر قلعۃ بقرب حماۃ؛ [2] انظر تہذیب التاریخ (٢: ٤٠٠ وما بعدہا) و ترجمۃ مبسوطۃ فی کتابہ الاعتبار وترجمۃ کتابہ لباب الادب؛ ودائرۃ المعارف الاسلامیۃ (٣: ١٠٢٧) والمصادر التی ذکرہا؛

انشدنی من شعره فی ضرس قلعه،

وصاحب لا أملّ الدهر صحبته، یسعی لنفعی ویسعی سعی مجتهد[1]

لم یبد لی مذ تصاحبنا فحین بدا لناظری افترقنا فرقة الابد،

(١٩٣) مجد الدین ابوالفضل اسحاق بن ابراهیم بن عبد المحسن الکرخیّ الکاتبُ

کان کاتباً سدیداً، له فی حلّ النثر ونثر العقد طریقة حسنة،

له رسالة فی حلّ قول الببّغا[2]:—

فی خمیس کأنّما السمرُ[3] والاب‍+ طال فیه غیل[4] حمته اسود

سلب الشمس ضوءها بشموس طالعات افلاکهنّ حدید

عارض کلّما جلته بروق ال‍+ بیض حنّته بالصهیل الرعود

یفودون رعیلاً غدت رماحهم لِأُساد وغاه غیلاً، وشفت صفاحهم من قلوب حُماته [کذا] غلیلاً قد طرف عِشْیَاهُ[5] طرف الغزاله، وطلعت شموسه فی افلاک من نسج داود یحجبها سجوف مُذاله؛

(١٩٤) مجد الدین اسحٰق بن عبد الکریم بن محمّد ابن ابی سعد الصندوقیّ

---

[1] ا: یملّ؛ والتصحیح من التهذیب؛ [2] هو ابوالفرج عبد الواحد بن نصر المتوفی سنة ٣٩٨ھ؛ انظر الوفیات (١: ٢٩٨) ویتیمة الدهر (١: ٢٠٠ — ٢٣٤)؛ [3] ا: الشمس؛ والتصحیح من الیتیمة (١: ٢٣١)؛ [4] فی الیتیمة: خیل؛ والصحیح ماذکره المصنّف؛ [5] زیادة بالهامش من غیر ترجمة؛

(١٩٥) مجد الدين اسحٰق بن فضل الله بن ابی الخیر ابن عالی الهمذانی[1]

(١٩٦) مجد الدين ابوالفضل [و] ابوسعد اسعد بن ابراهیم

ابن الحسن یعرف بالنشاشیبی[2] الإربلی الکاتب الشاعر قدم بغداد وکان من کتّاب إربل، وحصل له الجاه الرفیع بها، ورتّب مشرفاً بنهر الملك، وله رسائل فصیحة، واشعار ملیحة، منها انّه اُهدی الی المستعصم بالله غراب ابیض[3] فقال فیه الشعراء، فمن نظمه :—

لقد بهر الخلیفة حین ابدی غراباً بالبیاض له إهاب
وکان یقول قوم من قنوط اذا شاب الغراب دنا الطلاب
فقال لهم امام العصر جودی طلابکم وقد شاب الغراب

بقی بعد الوقعة، وتوفّی سنة سبع وخمسین وستّمائة، وله کتاب جمعه، فی القاب الشعراء اجاد فیه؛

(١٩٧) مجد الدين ابوالمجد اسعد بن سعد بن عبدالرحیم الحرّانیّ الصوفی

کان من الصوفیة العارفین له معرفة بمذهب التصوّف، قال: کان من دعاء عمر بن الخطّاب رضی الله عنه "اللّٰهمّ اجعل عملی کلّه صالحاً واجعله لك خالصاً ولا تجعل لغیرك

---

[1] لم یترجم له المصنّف والظاهر انّه من ولد رشید الدین فضل الله (م ٧١٨ھ)

[2] نسبة الی النشاشیب جمع النشّاب کانّه کان یعملها او یبیعها؛ [3] سنة ٦٤٣ھ؛ انظر الحوادث الجامعة (ص ٦٤٣)؛

منه شيئًا ، اللّٰهمّ انّى اعوذ بك من ظلم خلقك ايّاى واسئالك العافية من ظلمى ايّاهم ؛

(١٩٨) مجد الملك المشيّد ابو الفضل اسعد بن محمّد ابن عبد الله القُمّىّ الوزير[1]

ذكره العماد الكاتب ، وقال : كان من اكابر صدور السلجوقيّة ، وكان[2] فى جماعة مؤيّد الملك عبيد الله بن نظام الملك فى حرب ركن الدولة بركيارق مع عمّه تُتُش ، فلمّا كُسر عسكر تُتُش ، وقُتل فى المعركة توحّد بركيارق بالمملكة فى صفر سنة [ثمان[3] و] ثمانين واربعمائة ، ولمّا وصلوا الى الرى بادر مجد الملك الى الرى من اصبهان ، واستمال فى مبدأ الامر قلب والدة السلطان ، وتمكّن من الدولة فعل اشياء ، و اعتقل مؤيّد الملك ، وولّى اخاه فخر الملك فهرب مؤيّد الملك الى غياث الدين محمّد بن ملكشاه وكان نازلاً بأرّان فلم يزل[4] . . . .

---

[1] انظر ترجمة مجد الملك اسعد فى دائرة المعارف الاسلامية (٣ : ٥٠٩) والكامل لابن الاثير (١٠ : ١٢٠) ؛

[2] راجع لكشف المطالب مادّة بركياروق من دائرة المعارف الاسلامية ؛ [3] سقط هذا اللفظ من الاصل وزدناه تبعًا لابن الاثير وغيره من اصحاب التواريخ ؛ [4] بياض فى الاصل ، وقال قوام الدين البندارى فى زبدة النصرة (ص ٨٩) : ولم يزل يقرّب على السلطان محمّد البعيد ويليّن عنده الشديد .... حتّى .... سار من أرّان به فى شرذمة قليلة وبلغ به الى دار الملك اصفهان ، فتبوّء ابها سرير سروره والجأ بركياروق من الاوساط الى الاطراف ، .... واما مجد الملك فانّهم افسدوا عليه قلوب العساكر .... فبضّعوا بين الجمهور بسيوفهم اعضاءه .... وذلك فى سنة ٤٩٢ هـ ، وله احدى وخمسون سنة ؛

(١٩٩) مجد الملك مشيد الدولة ابو الفضل اسعد بن محمد ابن موسى البراوستانى الوزير

ذكره العماد الكاتب، وقال: كان من صدور الملوك السلجوقية، وكان هيوبًا. ذكر ذات يوم فى مجلسه ان اول من اظهر السياسة وهابه الناس زياد بن ابيه، وما زال الناس يتكلمون عند السلطان ويكلمونه كما يكلم بعضهم بعضًا، حتى كان زياد فجعل بينه وبينهم حرسه على راسه قيامًا، فكان اذا مس موضعًا من لحيته ضربوا رأسه، فكان الرجل لا يشعر وهو جالس الا ورأسه قد سقط فى حجره، فلما رأى الناس ذلك تركوا الكلام عند الولاة؛ فاستحسن ذلك من سيرته، وقال: ينبغى ان يكون الوزير هيوبًا، فان هيبته من هيبة سلطانه، ومتى لم يرتدع الخاص والعام باشارة وزير المملكة كان فيه هلاكهم وهلاكه، وربما ادى ذلك الى هلاك الوالى عليهم ايضًا، لتهاونه بالامور، وسماعه فى حق وزيره من كل احد، مع علمه بان مرتبة الوزارة محسودة؛

---

(١) هذا هو المتقدم كما ذكره المصنف وكذلك الذى يأتى بعده؛ (٢) شك المصنف فى انه موسى بن محمد او محمد بن موسى فكتب فوق محمد: قيل انه موسى؛ وكتب فوق موسى: محمد؛ (٣) براوستان قرية قرب قم؛ انظر هذه المادة فى معجم البلدان؛ (٤) راجع: زبدة النصرة بحسب الفهرس؛ (٥) انظر ترجمة زياد فى دائرة المعارف للبستانى (٩: ١٠٣ وما بعدها)؛

(٢٠٠) **مجد الملك** ابو الفضل اسعد بن موسى البراوستانى القمّىّ

(٢٠١) **مجد الدين** ابو محمّد اسماعيل بن جمال الدين ابراهيم بن محمّد الرشيدىّ العبّاسىّ السّامرّىّ النقيب

من اعيان سادات العبّاسيين بالعراق، والبيت المبارك على الاطلاق، ومجد الدين واسطة قلادتهم، ورئيس سادتهم، صاحب الاخلاق الحميدة والسيرة الحسنة والهمّة العليّة، وولى النقابة على من تخلّف بالعراق من آل عبّاس سنة عشر وسبعمائة، وكنت اغشى مجلسه فى الاحيان فأجد من مكارم اخلاقه وطيب اعراقه ما يدلّنى على اريحيّته؛

(٢٠٢) **مجد الدين** ابو محمّد اسماعيل بن ابراهيم بن نصر ابن احمد بن منصور الحرّانىّ الفقيه

كان فقيهًا نبيهًا عالمًا، قال: جاء رجلٌ الى الشعبىّ[1] الفقيه ومعه صبىٌّ، فقال له: هذا ابنك؟، قال: بل ابن ابنى؛ فقال الشعبىّ: فهو ابنك من وراء؛ فتغيّر وجه الرجل، فقرأ الشعبىّ قوله تعالى: فَبَشَّرْنَاهَا بِإِسْحَاقَ وَمِنْ وَرَاءِ إِسْحَاقَ يَعْقُوبَ[2]؛

(٢٠٣) **مجد الدين** ابو الفضل اسماعيل بن ابراهيم بن نصر يعرف بابن الزاهد الحلّىّ الكاتب الاديب

---

[1] هو عامر بن شراحيل المتوفّى سنة ١٠٣هـ؛ راجع الوفيات (١: ٢٤٤)؛ [2] سورة هود (١١) الآية (٧١)؛

كان شابًّا فاضلاً كيّسًا دمث الاخلاق تام الذكاء حسن الملتقى متودّداً جميل المعاشرة شهىّ المحاضرة، قدِمَ بغداد مع اخيه الصاحب عفيف الدين واشتغل وحَصّل ودأب وتأدّب وكتب لى اوراقًا من نظمه الرائق بخطّه الفائق فممّا انشد فى لنفسه :—

ما اسم زهرٍ من النبات انيق　　نشرهُ فاق كل طيب وعطر
هو نبت وبعضهُ حيوان[1]　　فتعجّب لما به من سِرّ
ان تصحّفه فهو فى كلّ عامٍ　　قادمٌ لا يخلّ طول الدهر

وسألته عن مولده فذكر انّه ولد بالحِلّة سنة اثنتين و ستّين وستّمائة وتوفى شابًّا فى . . . [1]

(٣٤) مجد الدين ابو ابراهيم اسماعيل بن احمد ابن عبد الرحمٰن الزبيزى الفقيه [71/72a]

كان من الفقهاء الاخيار ومن بيت الفقه والعلم كثير المحفوظ من الآداب والاشعار، انشد لمهيار[2] :—

استنجد الصبر فيكم وهو مغلوب　　واسأل النوم عنكم وهو مسلوب
وابتغى عندكم قلبًا سمحتُ به　　وكيف يرجع شئ وهو موهوب
رضاه[3] اسخط ام ارضى تلوّنه　　وكلّ ما يفعل المحبوب محبوب
استودع الله فى ابياتكم قمراً　　تراه بالشوق عينى[4] وهو محجوب

---

[1] بياض فى الاصل؛ [2] راجع ديوان مهيار (١: ٣٣)؛ [3] فى ديوان مهيار: ارضى واسخط؛ [4] فى الاصل: بالغيب عنّى؛ والتصحيح من ديوان مهيار؛

(۲۰۵) مجد الدین ابو جعفر اسماعیل بن الیاس بن عبد الله یعرف بالکتبی البغدادی الصاحب

کان صدراً کاملاً عالماً فاضلاً حسن الهیئة جمیل الصورة، ذکر السیّد شرف الدین ذو الفقار بن محمّد بن الاشرف العلوی الحسنی المرندی انّ والده الیاس کان من سادات مرند، أُسِرَ صغیراً، ووُلِد مجدُ الدین ببغداد، ونشأ بها، وتأدّب وقرأ وکتب، وحصّل العلوم الادبیّة والمعانی الطبّیّة والنکت الحکمیّة، ولمّا اتّصل الصاحب شرف الدین هارون[1] ابن الصاحب بالسیّدة المعظّمة النبویّة رابعة بنت الامیر ابی العبّاس احمد بن المستعصم بالله ارتفع قدره، ولم یزل یتوقّل فی المراتب ویتنقّل فی المناصب الی ان وَلِیَ ریاسة العراق وحکم فی اقطارها، وانشأ مارستاناً علی شاطئ الفرات بالحلّة، وکان حسن الاخلاق، ظریفاً، له رسائل واشعار لولا ما کان یشوبه من الترفّع والتعزّز، واستشهد بدار الشاطیا قبل صلاة المغرب من یوم الثلاثاء الحادی والعشرین من رجب سنة ثمان وثمانین وستمائة؛ کان قد رکب فی خدمة الصاحب شرف الدین هارون بن الصاحب شمس الدین فکبا به الفرس فقال:—

یقول جوادی اذ کبا بی فلمته ... رُوَیْدَک لا لوم علیّ ولا حرج

---

[1] انظر ترجمته فی تاریخ العراق (۱: ۲۷۵ وبحسب الفهرس) ۷۵ وص توفّیا سنة ۶۸۵؛ انظر تاریخ العراق (۱: ۳۳۸)؛

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
وطاب	عَفزَرا	طويل	٢	٢٣٧
ألم	المُضفّرا	"	٣	٦٠
بعينيّ	تيَمّرا	"	٣	١٧٢
ويدعوا	غرغرا	"	٣	١٨٥
وإنّي	أتعذّرا	"	٣	٣٢٠
أناخ	أكورا	"	٣	٤١١ (= ٦: ٤٧١)
وقد	نوّرا	"	٣	٤٤١
وإنّي (راو مُقتري)	أغبرا	"	٣	٤٤٣
فقرّبت	المُوَتّرا	"	٤	٢٤ (= ١٨: ٧٥)
فأتت	أحمرا	"	٤	٤٣
على	بربرا	"	٤	٥٣
ومستعطم	أوفرا	"	٤	٩٦
لكم	وأقترا	"	٤	١٨٨ (= ٦: ٣٧٨، ٨: ٣٣٦، ١٨: ١١٩)
أمسكين	فتحدّرا	"	٤	٢٧٧ (= ١٧: ١٥١، ١٩: ٢٤٨)

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
وقائلة	تغيّرا	طويل	٤	٢٧٧
له (راو لها)	الكنهورا	"	٤	٣٤٣ (= ٦: ٤٤٠)
سقاها	وأمطرا	"	٤	٣٧٣
ولمّا (راو فلمّا)	ليضمُرا	"	٤	٤٠٨ (= ٥: ٤٥)
تطاير	أمعرا	"	٥	٢٨
اذا	قيصرا	"	٥	٦٩
وأنتم	تأطّرا	"	٥	٨٣ (= ٨: ٣١٦)
وقد	المؤمّرا	"	٥	٩٤
ومن	تبحترا	"	٥	١١٠
ولا	يكدّرا	"	٥	١١٢ (= ١١: ٢٣)
ويدعى	أنكرا	"	٥	١٢٤
أخبّر	يصّرا	"	٥	١٣٣
وقد	فبيقرا	"	٥	١٤١
ألا	بيقرا	"	٥	١٤١ (=

صدر البيت	قافيته	بحر	جلد	صفحة
				١٩: ١٦٣)
شِباكاً	مُثغَـرا	طويل	٥	١٧٢
اِلىَ	جُعفَـرا	"	٥	٢١٢ (= ١١: ٣٠٥)
لأدرَكهُم	المُجَمّرا	"	٥	٢١٧
اذاما	المُجَيّرا	"	٥	٢٢٨
كما	أسطُرا	"	٥	٢٢٩ (= ٩: ٢٤٦،
اذا	أحمَرا	"	٥	٢٨٩ (= ١٠: ٣٢٥، ١٢: ١٣٣)
وما	بِأحوَرا	"	٥	٢٩٨
ومَوضُوفة	غرغرا	"	٥	٣٠٠ (= ٦: ٣٢٤، ١١: ٢١، ١٨: ٥١)
سأحمِى	أخضَرا	"	٥	٣٢٨
ولا	تَدَبّرا	"	٥	٣٥٨
أضاحَ	تَداثَرا	"	٥	٣٦٢
كسا	مُدَغَّلِ	"	٥	٣٧٤

صدر البيت	قافيته	بحر	جلد	صفحة
ومِثْلَ	أذْعَرا	طويل	٥	٣٩٣
خَناجِرُ	زَمْخَرا	"	٥	٣١٨
فَلَمّا	أضمَرا	"	٦	٢١
مَتىَ	المُعَوّرا	"	٦	١٣٦ (= ٢٩٣،
أباحاضِرٍ	مُسَكّرا	"	٦	١٣٩ (= ١٩: ٧٩)
تَقَطّعَ	شَيزَرا	"	٦	٧٢
ولَمّا	بِشَمّرا	"	٦	١٩٨ (= ٨: ٢٠٦، ٢٠: ٢٥١)
أبوكَ	شَمّرا	"	٦	٩٨
وباتَت	تُشَذّرا	"	٦	٩٩
أرىٰ	بأصبَرا	"	٦	١٠٨
ودَعْ	مُزدَرا	"	٦	١١٨
وكُلّ	لضَمزَرا	"	٦	١٦٥
فَشَذّبَ	مِطحَرا	"	٦	١٦٨
ألا	طُرطَرا	"	٦	١٧٢
ألَهفِي	فأدبَرا	"	٦	١٩٨
بَلَغنا	مَظهَرا	"	٦	٢٠٢

صدر البيت	قافية	بحر	جلد	صفحة
كأنّ	بِعَبْقَرا	طويل	٦	٢٠٨
بِسَيْرٍ	تَعَذَّرا	»	٦	٢٢٣
أرى	عَذَوَّرا	»	٦	٢٣٠
سَمَا	فَعَرْعَرا	»	٦	٢٣٦
لها	أَعْسَرا	»	٦	٢٤٠
وسار	عَفَّرا	»	٦	٢٦٠
قَتَلْت	مَسَوَّرا	»	٦	٢٦٠
وكُنَّا	أُعْفَرا	»	٦	٢٦١ (= ١٧: ٢٠٩)
أُشَيْمُ	عَفْزَرا	»	٦	٢٦٨
ولو	عُقَّرا	»	٦	٢٦٨
لَعَلَّكُم	تَعَمَّرا	»	٦	٢٨٧
فأُنْزِلُهم	أَغْبَرا	»	٦	٣٠٨
أُلُفُّهُمُ	غَرْغَرا	»	٦	٣٢٤
تَوَاعَدْن	مَغْضَرا	»	٦	٣٢٨ (= ٢٠: ٢٧٦)
كأثْلِ	لِغَضْوَرا	»	٦	٣٢٨ (= ٣٣٧)
كأَنّ	عَضَوَّرا	»	٦	٣٢٨
فلا	تَيَسَّرا	»	٦	٣٤٢

صدر البيت	قافية	بحر	جلد	صفحة
تأمّلْ	فَفَتَّرا	طويل	٦	٣٠٥٩
اذا	فَرْفَرا	»	٦	٣٥٩
غرائرُ	مُفَقَّرا	»	٦	٣٧٢
وكُنّا	تَقَتَّرا	»	٦	٣٨٠
مِنْ	لِأُثَّرا	»	٦	٤١٠ (= ١٣: ٢٨٧)
كأنّ	الصَّنَوبَرا	»	٦	٤١٧
تَمَنَّى	أُقْهُرا (او أَقْهَرا)	»	٦	٤٣٣ (= ٩: ٣٩٥)
أبَوْا	تَكَوْثَرا	»	٦	٤٤٨
وأنْتَ	كَوْثَرا	»	٦	٤٤٨
ضَرَبْنَاهُ	مُكَوَّرا	»	٦	٤٧٣
وبُسْتَان	تَغَشْمَرا	»	٧	٤٢
كما	وأَهْجَرا	»	٧	١١٤
فَدَعْها	وهَجَّرا	»	٧	١١٥
أَشاعَتْ	المُوَقَّرا	»	٧	١٥٥
فأضْحَتْ	تَغَوَّرا	»	٧	٣٤١
أقامَتْ	وتَجَاوُرا	»	٧	٣٦٨ (= ١١: ١١٥)
فلِلّٰه	أَصْبَرا	»	٨	٨٣

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
لعمرك	يشكرا	طويل	١٣	٣٢
أتيح	تحيرا	"	١٣	١٣٢
وما	وأفقرا	"	١٣	٢٢٩
وعادية	مصدرا	"	١٣	٣٢٨
. أشق	أشقرا	"	١٣	٣٦١ (= ١٥: ٣٨٣)
وعمداً	تنكرا	"	١٣	٣٨٢
فلا	بقيصرا	"	١٣	٤٦٢
فلا	أنسرا	"	١٤	٣٥
وصلب	تبطرا	"	١٤	٣٣٦
وباتت	حسرا	"	١٤	٣٥١
فدعها	هجرا	"	١٥	٢٤٤
يروم	معورا	"	١٦	٢
فان	أشعرا	"	١٦	١٨٥
وما	أخضرا	"	١٦	٢٦٨
تحشدت	الحزورا	"	١٦	٢٧٥
خبعثنة	تكسرا	"	١٦	٢٩٤ (= ٢٠: ٢٧٦)
ومرتبئ	فأدبرا	"	١٧	٣٤
مطاعيم	أغبرا	"	١٧	٧٣

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
وبانا	المقترا	طويل	١٧	٢٦١ (= ٢٠: ٧٨)
ولم	محجرا	"	١٧	٣٣٥
نوقن	أحمرا	"	١٧	٣٤٥
عشية	تعذرا	"	١٨	٢٤
جزى	حضرا	"	١٨	٧٢
وكنا	أعصرا	"	١٨	٢٣٩
ولا	أبصرا	"	١٨	٣٠٦
وأعلم	تيسرا	"	١٩	١٢٩
نوى	تأخرا	"	١٩	١٣٩
مصابين	أقفرا	"	١٩	١٨٣
وأمهلت	فأهجرا	"	١٩	٢٧٩
ألا	فأبصرا	"	١٩	٢٨٨
بعيد	تحدرا	"	١٩	٣٠٨
وحتى	أعصرا	"	١٩	٣٣٩
منكب	تنشرا	"	١٩	٣٧٢
فصبحن	معجرا	"	٢٠	١٦
واني	أتأخرا	"	٢٠	٣٢
سما	أقصرا	"	٢٠	٧٦
وكانت	غيرا	"	٢٠	١٠٥ (=

صدر البيت	قافیته	بحره	مجلد	صفحة
غمرتها	الصَّبرُ	بسيط	١٧	١١٥
يُعطي	الزَّهرُ	″	١٧	١٣٠
كُرُّوا	البَقرُ	″	١٧	٣٤٣
ياتيمُ	عُمَرُ	″	١٨	١٢
إمّا	تَذَرُ	″	١٨	٣٩ ر= ٥٠ص)
يَمشي	أثرُ	″	١٨	٢٥٨
وإنْ	صَبَرُوا	″	١٨	٢٧٥
تُزلي	تختكرُ	″	١٩	١٩ ر ١٢٩)
ولا	العَوَرُ	″	١٩	٨١
ياقاتلَ	الكِبَرُ	″	١٩	٨١
لايشكرون	السَّفَرُ	″	١٩	٢٠٨
فقلْ	الصَّدَرُ	″	١٩	٢١٤
إنّي	سَحَرُ	″	١٩	٣١٦
وإنّما	العُمُرُ	″	٢٠	٢٦٤
لوكان	الذَّكَرُ	″	٢٠	٣١٦
ماكان	عُمَرُ	″	٢٠	٣٥٤
فأطلعتْ	آهِرُ	″	٧	٢٥٨
أمْ	صَوّارُ	″	٣	١٧٤

صدر البيت	قافیته	بحره	مجلد	صفحة
إنَّ	الدّارُ	بسيط	٤	٤٤
يَطوي	الجارُ	″	٥	٣٠٣
إنَّ	مُختارُ	″	٥	٣٤٩
فما	إكبارُ	″	٦	١٢٩
وعاثَ	نُغّارُ	″	٧	٨١
فأدركوا	فاستنارُوا	″	٧	١٠٤
ومَرَّ	وبارُ	″	٧	١٣٤
جَلْدٌ	مِسْعارُ	″	٩	٤٥١
فما	إسرارُ	″	١٣	٤٥٤
تَرتعُ	إدبارُ	″	١٤	١٥٤ ر= ١٩: ١٣٥)
كم من	صَارُوا	″	١٧	٢٣٨
بل	أعمارُ	″	١٧	٢٧١
كحلفة	الكبارُ	″(؟)	١٧	٣٦٢ ر=
(راو كدعوة)				٤٣٤)
بزواء	قارُ	″	١٨	٧٨
نَعَنّ	مِضمارُ	″	١٩	٣٧٦
حتى	القارُ	″	٢٠	٤٠
فإنْ	مَخمورُ	″	١	١٤٣
أهاأهاً	خُورُ	″	١	١٧٤ ر=

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
بِجَسْرَةٍ	الظُّرُرِ	بسيط	۱۴	۱۷۱
أَبْلِغْ	والشَّجَرِ	″	۱۵	۱۳۹
مُنْقَضِبِينَ	البَصَرِ	″	۱۵	۳۸۴
فَظَلَّ	الزَّهَرِ	″	۱۷	۲۱
وصاحِبِي	والعَصَرِ	″	۱۷	۴۶۱
شُمَّ	مَحَجَرِ	″	۱۸	۵۲
وبازِل	زَوَرِ	″	۱۸	۱۴۹
تُشْلِي	والقَصَرِ	″	۱۹	۱۷۴
سَلَّى	الأُخَرِ	″	۱۹	۱۹۸
خُبِّي	فَوَرِ	″	۱۹	۲۶۷
حَسِبْتُمُ	الغِيَرِ	″	۱۹	۳۶۷
ياما	والسَّمُرِ	″	۲۰	۳۲۰
بَيْضاءَ	نارِ	″	۱	۴۳
مَهْمَهٍ	مِسْفارِ	″	۱	۱۴۱ (= ۶:۳۳،)
أو أَضَعَ	السّارِي	″	۱	۱۹۵ (= ۳:۲۷۹، ۷:۳۶۳)
لا	بِمُخْتارِ	″	۱	۲۶۳
كَأَنَّ	السّارِي	″	۱	۳۵۹
كَأَنَّما	نَظّارِ	بسيط	۱	۳۶۷
قَومٌ	النّارِ	″	۱	۱۴۱ (= ۳:۳۴۹،)
لَيْسَتْ	النّارِ	″	۲	۷۴
ماذا	الدّارِ	″	۲	۳۵۷ (= ۸:۴۰۹،)
لطالَما	بأَكْدارِ	″	۳	۳
صَنَّ	بأَصْحارِ	″	۳	۶۹ (= ۱۲:۳۰۳،)
وما	النّارِ	″	۳	۱۶۰
اذا	عَمّارِ	″	۳	۲۱۸
قَوْمِي	الدّارِ	″	۳	۲۲۹
يا قابِضَ	النّارِ	″	۳	۲۹۶
كانَ	دُرّارِ	″	۳	۳۳۴ (= ۵:۳۶۵، ۱۹:۲۹۲،)
فأَرْسَلُوهُنَّ	أَوتارِ	″	۳	۵۰۰
ولو	الجارِي	″	۴	۱۲۰
يا قاتَلَ	وارِي	″	۴	۱۷۹ (= ۷:۱۳۸،

صدر البيت	قافیہ	بحر	مجلد	صفحہ
				٢٠: ٢٤٢، ٣٨٤)
شُویخُ	أظْفاري	بسيط	٤	٢٦٩
مَعْكوسَةٌ	تَكْرار	״	٤	٣٦٠
كأنّما	الجاري	״	٤	٤٢٩
ساق	تَجّار	״	٥	٣٥
والوَرْدُ	بِمِنْجارِ (او بمنجار)	״	٥	٦٧ (= ٧: ٤٧،)
أثارتهم	إتآري	״	٥	١٥٥
بحترو	تَسْياري	״	٥	٢٢٨ (= ١٣: ٢٧٩، ١٢: ١٤٤)
وشارب	بِسَوّارِ (او بسآر)	״	٥	٢٦٩ (= ٢٠٦، ٥١)
فما	بأشْرارِ	״	٥	٣٣٨
أنا	عارِ	״	٥	٣٥٤
هذا	بإدْبارِ	״	٥	٣٥٤
أبْلِغْ	دِيْنارِ	״	٥	٣٨٦
لِطوالُ	بأزْفارِ	״	٥	٤١٣ (=

صدر البيت	قافیہ	بحر	مجلد	صفحہ
				٢٠: ٢٠٥)
أبْلِغْ	اسْتارِ	بسيط	٦	٨
لَمّا	الضّاري	״	٦	٥١ (= ١٩: ٢١٩)
بَلْ	إسْوارِ		٦	٥٤
تَداعى	صَبّارِ	״	٦	١١١
تَدْعى	مُصْطارِ	״	٦	١٢٥
لَقَدْ	أصْفارِ	״	٦	١٣٣
ظَلّتْ	أضْوارِ	״	٦	١٥٥
والقوم	أضْوارِ	״	٦	١٥٦
إذا	بالدّارِ	״	٦	١٥٦
وبَلْدَة	عَرْعارِ	״	٦	٢٣٦
وعَيّرتني	عارِ	״	٦	٣٠٤
آلَتْ	الغارِ	״	٦	٣٤٠ (= ١٦: ٦، ٢٤١)
قالوا	اغْوارِ	״	٦	٣٤٤ (= ٧: ٣٢١)
لو	بأشْيارِ	״	٧	٨ (= ٢: ١٩٥، ١٠: ٣٨١)

صدالبیت	قافیته	بحرہٗ	مجلد	صفحۃ
قد أُعجِلَ	مذکورِ	بسیط	۷	۲۹۵
اللاّتِ	القَوارِیرِ	"	۷	۳۸۳ (= ۱۰۵:۲۰)
مِنْ	الکُورِ	"	۸	۱۸۶
مُخَلَّفُونَ	یُصَنبُورِ	"	۸	۲۱۳
اِنَّ	کمَکفُورِ	"	۸	۲۹۰
اِنَّ	المَحاضِیرِ	"	۹	۴۴۸
حارِ	الجَمَاخِیرِ	"	۱۰	۳۷۹
حتی	مُقَدُّرِ	"	۱۱	۱۶ (= ۳۸)
مُستَقبِلِینَ	مَنثُورِ	"	۱۱	۳۰
نا شُوا	بِالکُورِ	"	۱۳	۵۰۹
یَمْشِینَ	مَسْتُورِ	"	۱۴	۳۶۷ (= ۵۴:۱۶)
قَودَاءُ	بِیرِ	"	۱۵	۴۰۴
لا	العَصَافِیرِ	"	۲۰	۷۱
آلُ	زُهَرا	"	۵	۴۲۱
کانَتْ	غُدُرَا	"	۱	۳۹۱ (= ۱۷۸:۷)
کانُوا	المَطَرا	"	۳	۸

صدالبیت	قافیته	بحرہٗ	مجلد	صفحۃ
یاطِیبَ	فَاَنْجُدَرَا	بسیط	۵	۱۹۳
تَجْلُو	الحِبَرَا	"	۵	۲۳۱
حَتیَّ	اَختَدَرَا	"	۵	۳۱۳
کانَتْ	دُرَرًا	"	۵	۳۶۸ (= ۲۲۵:۱۰)
مَنْ	سَطَرَا	"	۶	۲۸ (= ۳۲:۹)
طَافَ	مُشتَجِرَا	"	۶	۶۳
تَرَی	عَبَرَا	"	۶	۱۲۴
تَرَی	بِتَیَرَا	"	۶	۱۲۴
أَشبَهنَ	صُوَرَا	"	۶	۱۴۴ (= ۲۹۵:۸)
أَوردَتهُ	صَعَرَا	"	۶	۱۶۱
أو	اعتَمَرَا	"	۶	۲۰۶
لَنجدَعَنَّ	الغِیَرَا	"	۶	۳۴۶
مُتَوَّجَ	القَتَرَا	"	۶	۳۷۹
وَقَنْعَوتَهُ	کِبَرَا	"	۶	۴۳۰
نَقرِی	عُصُرَا	"	۷	۲۵
وَیلُ اُمِّ	هَصَرَا	"	۷	۱۲۶
الشَّمسُ	وَالقَمَرَا	"	۷	۲۱۸ (=

صدر البیت	قافیته	بحر	جلد	صفحة
فأصبح	إشارُ	وافر	١٧	٢٢٠
ألا	اعتذارُ	"	١٧	٣١٢
فمن	تعارُ	"	١٨	١٥٢
غذاها	العشارُ	"	١٨	١٥٤
اذاما	الإزارُ	"	١٨	١٩٥
فقد	قصارُ	"	١٩	٨٤
ليالي	الإزارُ	"	١٩	٢٢١
غدونا	النهارُ	"	١٩	٢٩٠
تخالطونا	السرارُ	"	٢٠	٤٥
فلأيا	النهارُ	"	٢٠	٦٩
أقولُ	نهارُ	"	٢٠	١٩٢
وعاها	غارُ	"	٢٠	٢٧٥
وعامت	الجوارُ	"	٢٠	٣٣٢
وقدما	قدارُ	"	٢٠	٣٥٨
شققت	الفطورُ	"	١	٢٧٣ (= ٥: ٣٩٠ء، ٦: ٣٦١ء)
اذا	الضميرُ	"	٢	١٣٨
لها	السريرُ	"	٢	٣٠٢ (= ١١: ٢٧٩ء، ١٩: ٤٧ء)

صدر البیت	قافیته	بحر	جلد	صفحة
فمن	فخورُ	وافر	٢	٣٣٣
بغاث	نزورُ	"	٢	٣٧٧ (= ٣: ٤٢٣ء، ١٦: ٥٧ء)
ألا	نغيرُ	"	٢	٤٣٧
فليت	تحورُ	"	٢	٤٥٨ (= ٥: ٤٣٥ء)
وكان	سعيرُ	"	٣	٢٧٩
وصدري	الصدورُ	"	٣	٣٤٤
ومن	بشيرُ	"	٣	٤٥٤
مساميح	الجزورُ	"	٤	٩٢
أسلي	زئيرُ	"	٤	١٩٤
على	إيرُ	"	٥	٩٧
اذا	البكورُ	"	٥	١٤٤
لعل	يدورُ	"	٥	٢٢٨
فواعدني	الخفورُ	"	٥	٣٣٨
من	دثورُ	"	٥	٣٦٥ (= ٦: ١٥٨ء، ١٥: ٣٦٨ء)

صدر البيت	قافية	بحر	جلد	صفحة
ومرضى	تطير	وافر	١١	٤١
تَرَدَّدْنا	كثير	"	١١	٣٠٠
فغيث	تغور	"	١٢	٣٤٨
له	زمير	"	١٣	٣٢١ (= ٢٠: ٣٦٧)
منازل	سطور	"	١٣	٤٨٧
شمالك	الغزير	"	١٤	٤٠
وثامر	يمور	"	١٤	١٠٦
فلذر	بغور	"	١٤	١٦٩ (= راوفلدع ١٧٤)
اذا	السفير	"	١٥	٢٣٨
بلى	القتير	"	١٥	٢٦٠
أقول	البحور	"	١٥	٣٤٧
فلمّا	صور	"	١٦	١٤٨
فانّ	اير	"	١٧	١٥٧
فبتّ	تدور	"	١٧	٣٩٣
فحقّا	صبور	"	١٧	٤١٠
فانك	نذور	"	١٧	٤١٧
اذاما	الغيور	"	١٧	٤٦٠
فقلنا	الصدور	"	١٨	٢١

صدر البيت	قافية	بحر	جلد	صفحة
رأى	الجرير	وافر	١٨	٣٦٦
سيخبر	القبور	"	١٨	٣١٧
اذاما	الوكور	"	١٩	٢٧
فانّي	السمير	"	١٩	١٠٦
ينوّخ	نكير	"	٢٠	٢٣٦
هو ابن	شهر	"	٣	٢٠٢ (= ٢: ١٥٧)
اذا	بستر	"	٣	٢٢٩ (= ٢٩٨)
تنزّح	بدر	"	٣	٢٩٧
وربّة	تمر	"	٣	٣٠٥
أبا الشنم	تجري	"	٣	٣٢١
وكم	بجري	"	٣	٣٢٣
وما	وتر	"	٤	٧١
أضاعوني	ثغر	"	٤	١٩١ (= ١٠: ١٠٠)
جلاها	بأثر	"	٥	٦٤ (= ٢٠: ٢٨٣)
تقول	سحر	"	٦	١٦
معاذ	بكر	"	٦	٦٠ (=

صدر البیت قافیہ بحر مجلد صفحہ

٧:٢٢٧،
٩:٤٨٤)،
فاما فَجْرِ وافر ٦ ١٥٢
قَتَلْتُ بِشْرِ " ٧ ٢٠٩
وأبْيَضَ شَهْرِ " ٧ ٣٩٣
يُخَفِّضُ قَبْرِى " ٧ ٤٠٦
كأنّى آلِ عَمْرو " ٩ ٣٠٩
سَماعَ عَمْرو " ١٠ ١٢٧ (ر=
١٨:٢٠٦)،
فَلَسْتُ بَكْرِ " ١٢ ٢٩٠
تَرَى بِجَبْرِ " ١٣ ٤٥١
فلم عَمْرو " ١٤ ٢٨٧
يَرَى تَمْرِ " ١٤ ٣٥٧
ويا بِوَتْرِ " ١٦ ١٢٨
أجِنّى بِجَمْرِ " ١٦ ٢٥١
فإنْ جُبَيْرِ " ١٨ ٦٨
يُنازِعُنى بَكْرِ " ١٩ ٣١
أؤَمِّلُ جَبّارِ " ٢ ١٨٢ (ر=
(او أتقى) ٥:١٨٦،
٣٦٠،

صدر البیت قافیہ بحر مجلد صفحہ

٦:١٠٦،
٧:٣١١،
١٤:٣٣٥،
١٧:٣٣١)،
جَمادُ الظِّئارِ وافر ٣ ٩٤
لَعَمْرُكَ الحِمارِ " ٣ ١٢٩ (ر=
٤:٣٧٥،
٥:٣٩١)،
كأنّ خِمارِ " ٤ ٢٣٧
تَبُولُ الدِّيارِ " ٤ ٢٩٠
ألا إزارى " ٥ ١٧٥ (ر=
٨:٣٥٠،
٦:١٨٨،
١٣:٤٨٦)،
لَحافِرَةٌ عارِ " ٥ ٢٨٢
كأنّ الصَّبارِ " ٦ ١١١ (ر=
(او الصِّيارِ) ١٥٠،)
ومَحْشَك صِغارِ " ٦ ١٢٧
كأنّ مَطارِ " ٦ ١٨٦
أقُولُ فالضِّمارِ " ٦ ٢٣٥

صدر البیت قافیہ بحر مجلد صفحہ

۲۱۰:۶،
۵۴:۱۸)
قَبَّاءِ المُتَبَتِّرِ کامل ۹ ۴۹
إنّ لِلمُقْتِرِ " ۹ ۸۴
إنّ الیَسَرِ " ۹ ۴۳۰
ودلائح لِلجُزُرِ " ۹ ۴۴۵
عَمِلَ مُتَنَشِّرِ " ۱۰ ۱۶۲
اوطائرٍ مُنَوِّرِ " ۱۰ ۲۹۵
ذهبت الأعفرِ " ۱۱ ۳۲۸ (=
۷۵:۱۸)،
فاذا أبْصُرِ " ۱۲ ۳۳۹
أصبحت فأقْصُرِ " ۱۳ ۲۷
شَدّوا الأُبْجُرِ " ۱۳ ۲۶۴
قوم الحُمُرِ " ۱۴ ۱۹۲
هَل تُقْبَرِ " ۱۴ ۳۳۲ (=
۱۵۲:۱۵)
زَعَمَ بالأشقرِ " ۱۶ ۱۴
حَرْبًا تَخْطُرِ " ۱۷ ۱۷۳
یَنذرو العَنبَرِ " ۱۸ ۳۰۹
صوت مُقْفِرِ " ۱۹ ۱۳۱

صدر البیت قافیہ بحر مجلد صفحہ

ونُضِیتُ کالمُقْتَدِرِ کامل ۲. ۲۰۲
وأُبِی اللّایِرِ " ۲ ۲۱ (=
۳۵۵:۵،
۳۰۶:۷)،
والتّغلبیّةُ مُشافِرِ " ۲ ۱۲۶
یا أُمّ الغائِرِ " ۴ ۴۲۴ (=
۳۳۸:۶)،
ولقد الدّایِرِ " ۵ ۳۵۵ (=
۱۲۶:۱۸)،
أمّا العاقِرِ " ۶ ۲۶۹
فتذکّرا کافِرِ " ۶ ۴۶۳ (=
۹۳:۱۳،
۲۵۳:۱۷،
۳۱۴:۱۸،
۳۰۶:۲۰)،
یُعلی القُراقِرِ " ۷ ۱۱۲
تَفتَرُّ کالحافِرِ " ۹ ۲۶۷
بأکرتهم الطائِرِ " ۹ ۴۵۲ (=
۱۱۹:۲۰)،
هل النّافِرِ " ۱۲ ۳۳۷

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
واذا	ضامرِ	كامل	١٣	٢٨٨
هلّا	طائرِ	"	١٤	٥
ولرُبَّ	هاترِ	"	١٥	٧١
ولذائذ	ماطرِ	"	١٧	٣
تمشي	الزّوافرِ	"	١٨	٤٧
فليأزلنّ (راو وليأزلنّ)	بسمارِ	"	١	١٢٦ (=٦:٤٤، ١٣:١٣)
واذا	الاحفارِ	"	١	١٨٥ (=١٩:٨٠)
لوقد	الاحجارِ	"	١	١٨٧
قالوا	الاكوارِ	"	١	٣٦٦
شُعَبُ	الاطهارِ	"	٢	١٨٧ (=٣:١٦٧)
زيدٌ	حِمارِ	"	٢	٢٢٤ (=٤:٢٣٦)
إنَّ	صَفارِ	"	٢	٤٦٢ (=٦:١٣٥، ١٥:١٧٣، ٢٩١)

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
أفكان	وجارِ	كامل	٣	١٤٥
يا أيّها	جعارِ	"	٣	١٤٩
وأبي	سيّارِ	"	٣	٤٧٧
لن	الاشعارِ	"	٤	٣٥
سوّارُ	تماري	"	٤	٢١٥
فيهم	المضمارِ	"	٤	٢٨٢ (=١٢:٢٤٤)
يتحلّبُ	الجرجارِ	"	٤	٢٨٧ (=٥:٢٠٢)
لا	المعصارِ	"	٤	٣٢٠
ولرهط (راو ولآل)	بمطارِ	"	٤	٣٤٣ (=٦:٥١، ١٨٢)
تلك	أيارِ	"	٥	٩٨
إنّا	فجارِ	"	٥	١١٧ (=٦:٣٥٣)
حتّى	الثّمارِ	"	٥	١٧٥
جهراء	أشوارِ	"	٥	٢٢٢
إنّ	الاخبارِ	"	٥	٢٢٩
حلفَ	الاقدارِ	"	٥	٢٤٨

صدر البيت	قافيته	بحره	جلد	صفحة
واذا	حذارِ	كامل	۵	۲۴۹
شُمُسُ	المِغيارِ	"	۵	۲۵۵ (=
				۶:۳۴۷،
				۷:۴۱۹)
وعرفتُ	مِذْكارِ	"	۵	۳۹۷
إنَّ	اُسْتارِ	"	۶	۸
سَهِكينَ	البقّارِ	"	۶	۴۷ (=
				۱۲:۳۳۰)
شَغّارةٌ	الأبكارِ	"	۶	۸۵
كَمْ	عِشارِي	"	۶	۲۴۹ (=
				۱۵:۴۳۳)
حتى	كعُصارِ	"	۶	۲۵۳
ولقد	العَيّارِ	"	۶	۳۰۱
ومَنَبَتَّ	الأعْيارِ	"	۶	۳۰۴
وتجرّدت	بِقُتارِ	"	۶	۳۴۹
قَدارُ	بِدارِ	"	۶	۳۸۲ (=
				۱۴:۱۷۶)
مَنْ	الإنْذارِ	"	۷	۱۸ (=
				۱۰:۴۶۳)
أفبعدَ	الأطهارِ	"	۷	۱۳۵ (=

صدر البيت	قافيته	بحره	جلد	صفحة
				۴:۳۶۴،
				۲۰:۷۰)
ولَقَدْ	للإيغارِ	كامل	۷	۱۴۹
مِنْ كُلِّ	صِيقارِ	"	۷	۱۵۲ (=
				۱۶:۲۱۷،
				۲۷۹)
خَزَرُ	وإزارِ	"	۷	۱۸۶
ما زالَ	الأشبارِ	"	۷	۳۶۸
إنَّ	الأطهارِ	"	۸	۲۵
وكأنَّ	الأثمارِ	"	۸	۱۷۹
تدعوا	بالأزوارِ	"	۸	۳۵۱
شَهِم	الأوتارِ	"	۹	۳۰۵
مِنْ وَسْطِ	خَوّارِ	"	۹	۳۰۸
ولقد	العَيّارِ	"	۹	۳۲۹
واذا	الأبصارِ	"	۹	۴۲۷
آتِي	حِماري	"	۱۱	۷۱
ومُجنّبات	الأمهارِ	"	۱۱	۱۴۰
لَمْ	الأشجارِ	"	۱۲	۷۴
لم يحرموا	مذكارِ	"	۱۲	۲۲۹
ولقد	وبارِ	"	۱۳	۴۱۶

مئی سنہ ۱۹۴۰ء

ضمیمہ

اورینٹل کالج میگزین

من جانب

عربک اینڈ پرشین سوسائٹی

پنجاب یونیورسٹی

لاہور

نوٹ :- ضمیمہ صرف عربک اینڈ پرشین سوسائٹی کے ممبروں اور ضمیمہ کے خریداروں میں تقسیم

فہرست مضامین

ضمیمہ مئی سنہ ۱۹۴۰ء

گیلانی الیکٹرک پریس ہسپتال روڈ لاہور میں باہتمام مہتہ الیشر داس پرنٹر طبع ہوا اور بابو صدیق احمد خاں نے اورینٹل کالج لاہور سے شائع کیا

دیده کآئین مرد می داند[1] | لعل و دُر در کنارم افشاند
هر که نیک است از و بدی ناید | زانکه از آدمی ددی ناید
لفظ تازی چه پرسی از سندی | ترک تازی چه جوئی از هندی
از کریمان سخا نباشد دور | وز لئیمان دغا نباشد دور[2]
نام خواجو ز نامه بیرون ست | حرفش از نوک خامه بیرون ست

مقالهٔ نهم

ای خوشا عاقلان لایعقل | حبذا بی دلان صاحبدل
سالکان مسالک جبروت | مالکان ممالک ملکوت
تاجداران بی سریر و علم | قلعه گیران بی سپاه و حشم
دُرد نوشان بزمگاه الست | هوشیاران مست باده پرست
سرفرازان هفت طیّاره | دلفروزان هفت سیّاره
بادشاهان ملک درویشی | ناخدایان فلک بی خویشی[3]
طایران حدایق توحید | زایران سرادق تجرید
دانه ریزان دام ناسوتی | جرعه خواران جام لاهوتی
بلبلان ریاض هشت چمن | ساکنان[4] رواق شش روزن
شهریاران بارگاه وجود | پیشه کاران کارخانهٔ جود

---

[1] در نسخهٔ آ چنین نوشته اند ــ "دیده کان بین مرد میداند" [2] در نسخهٔ ب نماند،
[3] نسخهٔ ب، بادشاهان ملک استغنا ـ تاجداران فلک استغنا، [4] ب، سالبان،

عود سوزانِ مجمرِ تکمیل / عود سازانِ پردهٔ تفضیل

دسته بندانِ لاله برگِ نیاز / نازنینانِ عیش خانهٔ ناز

گل فشانانِ بوستانِ کرم / نافه چینانِ آهوانِ حرم

شیرگیرانِ مرغزارِ یقین / گشته نخچیرِ دام و دانهٔ دین

شهسوارانِ خیلِ آگاهی / کرده تسخیر ماه تا ماهی

شاهبازانِ آشیانهٔ راز / بی پر و بال جمله در پرواز

همه مستور و مستِ جامِ جلال / همه مخمور و غرقِ آبِ زلال

همه گنجند و دهر ویرانه / همه شمعند و چرخ پروانه

همه در گفتگوی و دم بسته / همه در پویه و قدم بسته

همه بی کام و کامران چو زبان / همه جان بخش و تنگدل چو دهان

همچو شمع آمده ملمع پوش / بی قدح کرده جامِ نوشین نوش

بو درجِ کهربا روان کرده / روی دل در جهانِ جان کرده

شسته دست از محیط و یم در دست / مرده مخمور و جامِ جم در دست

درس در مکتبِ بقا خوانده / سبق از دفترِ فنا رانده

رفته بیرون ز آشیانهٔ گل / کرده منزل بر[1] آستانهٔ دل

برده محمل ز رختگاه[2] عدم / زده خرگه به تختگاهِ قدم

روی در بزمِ ایزدی کرده / باده از جامِ سرمدی خورده

کام نگرفته و رسیده بکام / دام نادیده و رمیده ز دام

شسته[3] در آبِ روزنامهٔ راز / بی زبان گفته حالِ عالم باز

تیغ در دست و دست پیدا نه / تیر در شست و شست پیدا نه

---

۱ آ: در، ۲ ل: خفتنگاه، ۳ ل: تشنه،

بردہ بیرون نشیمن از شش کاخ | برکشیدہ ترنم از نہ شاخ
چار تکبیر گفتہ بر دو سرای | وآمدہ بر سر و فتادہ ز پای
سر ز ایوان دل برآوردہ | رخ بہ بستان جان درآوردہ
چرخ از ایشان بلند و ایشان پست | عقل از ایشان بہوش و ایشان مست
گنج در دست و پای بر سر مار | غنچہ در پیش و جای بر سر خار
کردہ از برج کبریا سر باز | وآمدہ با فرشتہ در پرواز
کان و دریا طفیل گوہر شان | عرش و کرسی حروف دفتر شان
از نظر غایب اند و در نظر اند | از گذر فارغند و در گذرند
شہ نشانند اگرچہ درویشند | روح بخشند اگرچہ دلریشند
ہمہ ہم نقطہ اند و ہم پرگار | ہمہ ہم ساکن اند و ہم سیار
مردہ و زندگان جاویدند | مفلس و وارثان جمشیدند
گاہ با دانہ اند و گہ با دام | گاہ با مصحف اند و گہ با جام
دل خواجو چرا پریشانست | زانکہ جمعیتش ز ایشانست

حکایت امام غزالیؒ و برادرش و آمدن امام در حلقۂ صوفیہ

چون امام زمانہ غزّالی | کہ شد اعلام علم ازو عالی
گل تالیف را[۱] ورق می کرد | نقل تصنیف بر طبق می کرد (۳۱)
چشمش افتاد بر برادر خویش | گفتش از روی وعظ کای درویش

---

[۱] ل: بر ،

تا بکی سر بجیب در کردن | چشم از آب خیال تر کردن
در دانش بخواب در بستن | قلب عقل از گزاف بگسستن
در طریق کسالت افتادن | جام غفلت[۱] بدست دل دادن
خیز و زین تیرگی برون پای | بخرد دیدهٔ روان بگشای
خویشتن را بعلم واصل[۲] کن | شمه زین شمامه حاصل کن
ورق از شاخسار ما بفشان | عرق از نوبهار ما بستان
پیر صافی درون صاحب حال | گفت کای مانده در عقیدهٔ[۳] قال
توسن عشق کس بعقل نراند | نامهٔ قرب کس بنقل نخواند
سبق ما ز لا و لن خالیست | ملک وحدت ز ما و من خالیست
تا تو این نکته کرده ادراک | که بلوث چگونه گردد پاک
قلمت گشت از برای بیان | در حدیث حدث گشاده زبان
ما به بستان سرای جان رفتیم | چند نوبت به لامکان رفتیم
وز سمن زار سدره بگذشتیم | گرد گلزار عرش برگشتیم
درس روحانیان ز بر کردیم | دامن روح پر گهر کردیم
تا تو کردی علوم را احیا | بنهایت رسید دور بقا
از سواد و بیاض لیل و نهار | محو شد روزنامهٔ اعمار
بیش ازین چشم خانه خیره مکن | بخطا روی نامه تیره مکن
گر چه گردد ز کنج خانهٔ دل | کیمیای سعادتت حاصل
برو و ترک قیل و قال بگوی | بگذر از گفتگوی و حال بجوی
ورق باغ دل بصحرا ریز | و آب چشم قلم بدریا ریز

---

۱ ل: عقلت، ۲ ل: فاضل، ۳ ل: عقیله،

سر برآور ز کنج[1] و گنج نگر — گرد ویران مگرد و رنج مبر

هر کرا زادِ آخرت باید — کی بدنیای دون فرود آید

رخ بتاب از خود و خدا را جوی — زر بینداز و کیمیا را جوی

چشمه بگذار و بحرها را بین — چشمِ جان برگشا و ما را بین

سر ز موجِ عدم برآورده[2] — رو بفوجِ قدم در آورده

عرصهٔ گلشنِ فنا دیده — میوهٔ روضهٔ بقا چیده

اگر این نکته باورت نشود — وین معانی مصوّرت نشود

ما ثنی[3] نیست برگشای نظر — عالمِ قدس بی حجاب نگر

نظری کن که گرددت روشن — که گشادست راهِ نُه گلشن

حجة[4] الحق چو این سخن بشنود — گرچه در خاطرش غریب نمود

سوی بالا و زیر در نگرید — از ثری تا بساقِ عرش بدید

پشت بر آستانِ هستی کرد — روی در آشیانِ مستی کرد

از کتب خانه و کتب بگذشت — ساکنِ خلوتِ انابت گشت

در مقاماتِ عشق[5] راسخ شد — خاک روبِ درِ مشایخ شد

فضل در راهِ عشق چیست فضول — عاقلان را عقال[6] چیست عقول

ملکِ الفت چه جای تالیف ست — راه عرفان ورای[7] تعریف ست

بُعدِ صورت تقربِ معنیست — قربِ ادنی تباعدِ مالیست

اگرت وصل می شود حاصل — بگذر از وصل تا شوی واصل

قطع این ره بپای نتوان کرد — بر سرِ تیغ جای نتوان کرد

---

[1] ا: کنج گنج، [2] ا: سر بموج عدم فرو برده، [3] ا: ما ثنی، [4] ا: حجة الخلق [5] ا: فقر، [6] ا ب - اصل عقیله، [7] ب: نه راه تعریف،

خبر عشق مبتدا لیش نیست | شرط دیوانگی جز ایش نیست
آنکه او می زند ز دانش لاف | نیست تفسیر کشف راکشاف
از بزرگان شنیده ایم بسی | کین معانی بیان نکرد کسی
زین جماعت جز این دلیل مخواه | که آلاء اولیاء اللہ
خیز خواجو و راه مردان گیر | زنده دل باش و پیش مردان میر

وہم درین معنی فرموده

کار مردان راه حق دارند | که درین کارخانه بی کار اند
گاه چون شمع رخ برافروزند | گرچه پروانه بال و پر سوزند
می پرستند اگرچه هشیارند | تندرستند اگرچه بیمارند
رخش بر قلهٔ فلک رانند | دست بر هر دو عالم افشانند
صید گیرند و خود شکار شوند | تیغ رانند و خود فگار شوند
درد بخشند و خود دوا سازند | ساز سوزند و خود نوا سازند
همه گنجند اگرچه ویرانند | همه شاهند اگرچه دربانند
گر تو پروانه شان نهی شمعند | ور پراگنده شان نهی جمعند
شاهبازند و بال و پرشان نیست | سرفرازند و پای و سرشان نیست
گه مقیمند و گه بری ز مقام | گاه در نیمروز و گه در شام
جمله بی صوت گشته نغمه نواز | بی وجود زبان سخن پرداز
سر فشانند و دست نکشایند | کلک ریزند و شست نکشایند
گر تو گوئی تن اند خود جان اند | ور تو گوئی زرند خود کان اند

۱۔ ا ، رانند ،
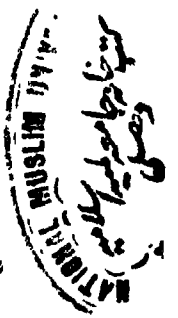
هر که او قطرهٔ خوانیش دریاست | وانکه جاهل شماریش داناست
کیست[1] خواجه گدای درویشان | سر[2] او خاک پای درویشان

مقالهٔ دهم

حذر از صف دران صوفی نام[3] | با صف و صوفشان صفای تمام
صف شکافان[4] رزمگاه جدال[5] | نقش بندان کارگاه خیال
خرقه پوشان حلقهٔ تشویر | جرعه نوشان ساغر تزویر
خوشه چینان کارخانهٔ گل | نسخه شویان[6] روزنامهٔ دل
ناتراشیدگان موی تراش | برخروشندگان سینه خراش
وشته بندان نرگس دستان | نُقل خواران مجلس مستان
سالکان ره خطا و زلل | سالکان ره دغا و دغل
کاسه لیسان مطبخ سالوس | جامه دزدان مسلخ افسوس
شهریاران کشور تلبیس | شهسواران لشکر ابلیس
مایه شان در معاملات غرور | زر و تزویر و زرق و زاری و زور[7]
همه از بادهٔ حیل سرمست | برده از سروران بدستان دست
جسته تخفیف و بسته تخفیفه | شده مزکوم و نافه در نیفه

---

[1] ل: بگشت، [2] از نسخهٔ ب "سر او" ساقط شده، [3] ل: صوفیان نیکونام، [4] ل: صف نگاران!
[5] ل: جلال، [6] ب: نسخه رویان، [7] ل: دیده بندان [8] ا: زر و تز دیر و
زر و تزویر و زاری و زور، ب: زر و تزویر و زاری و زور، صرف نظر از هر دو تصحیح شد،

سکه دار و دو روی همچو درم   اشک ریز و سیاه رخ چو قلم

سینه افراز[۱] قلب و صدر نشین   دل بدنیا و غرّه گشته بدین

کرده تحصیل و هیچ حاصل نه   جسته تفضیل و هیچ فاضل نه

دلِ شمعی چو شمع پوشیده   جامِ نوشینِ درمع[۲] نوشیده

خرقه شان تر ز چشمِ گوهربار   لیک در زیرِ خرقه شان زنّار

چون زر و سیم جمله بازاری   چون نی زیر گشته با زاری

بس رشک از سحاب و دریابار   جسته اُجری و خواسته ادرار

همچو سجّاده افتاده ز دست   گشته در زیرِ پایِ دستان مست

چون قلم خشک مغز و تر دیده   ناتراشیده و تراشیده

پیشِ چشمِ پری رُخان مرده   خویش را صیدِ آهوان کرده

عسلی در بر و عسل در پیش   همچو زنبور در طبیعت نیش

آخر ای کرگس نشیمن آز   تا کی آئی بریش[۳] در پرواز

تو چه مرغی که هست این همه بال[۴]   مشکن بالِ خویشتن بوبال

گر[۵] ز زنبورِ نفس مهجوری   بگذر از پردهای زنبوری

تو غزال از غزاله نشناسی   تو نوال از نواله نشناسی

مردِ کاری ز کار نامه مگوی   بار خاطر ببار[۶] نامه مجوی

بر سرِ دختران چو نعش[۷] ملرز   مهر مه پیکران چو قطب مورز

---

۱ ل: سینه افروز، ۲ ل: زدرمع، ۳ ریش یعنی پر، ۴ ل، تو چه مرغی که هست با این بال؛ مصرع ثانی هم بطوری نوشته است که چیزی فرانمی گیریم، ۵ در نسخهٔ ب یک شعر قبل ازین یافته می شود که مصرع اول او چنین است "اشک اگر بر محاسن اندازی". و مصرع ثانی سراسر لغو و بے معنی واقع شده، ۶ ل: بیار، ۷ ل: نقش!

فلک از دستِ تست کور و کبود | وز تو رفت آبروی زهد برود
به سرافرازی و کله داری | نتوان کرد خانقه داری
خونِ جانِ مجاوران چه خوری | وآب روی مسافران چه بری
بر کمن بیخِ خود ز بهرِ منال | وز برایِ منال بیش منال
سروری بایدت قدم در نه | زر بر افشان و سکه بر زر نه
مرهم ریش باش و نیش مباش | داروی درد باش و ریش مباش
دست کوته کن از ممالکِ شاه | آستین را چرا کنی کوتاه
مهر گر دیدهٔ ز مار چه غم | ور سمن چیدهٔ ز خار چه غم
مرغِ جان را بباز باز مخوان | سوزِ دل را بساز باز مخوان
چشم را روشناس مردم کن | وآشنا باش و خویش را گم کن
صاف کن سینه تا صفا یابی | درد می جوی تا دوا یابی
گوهرِ دیده‌ات ندارد آب | واخترِ خاطرت ندارد تاب
هست خواجو همی ز مطلعِ غیب[ث] | گر کنی عیب او نباشد عیب

حکایت شیخ مجهول النسب که به ریاکاری خود اعتبار وافر اندوخته مرجع خلایق شده بود

بود شیخی بزرگ صاحب جاه | سر تعظیم بگذرانده ز ماه
همه پیران فرودِ پایهٔ او | شرف مهر و مه ز سایهٔ او
روضهٔ خلد طرفِ خانقهش | کحل گردون غبارِ خاک رهش

ث ب: هست خواجو زبهر مطلع غیب،

رهبر و رهنمای گمراهان | رخ نهاده بعرصه[1] اش شاهان
قبلهٔ قوم و پیشوای سبیل | حرمش از شرف مقام خلیل
چشم انجم بروی او روشن | باغ گیتی بروی[2] او گلشن
مال[3] او داده خاک را مالش | وآب را از منال او نالش
گوهر از بحر طبع او ارزان | وآتش از تاب خاطرش لرزان
مرغ دل پرده ساز صحبت او | چشم جان پیه سوز خلوت او
اصلش از خاندان پیران بود | در او سجده[4] گاه میران بود
لیک سرمایه اش درین بازار | زر و زور و مزوّر[5] و آزار
در لباسات و حیله و تلبیس | کمترین بندهٔ درش ابلیس
بجز انبار هیچ بارش نه | بجز از احتکار کارش نه
همدمانش چو زیر بازاری | در سر او خیال سرداری
ظاهرش بوستان حور العین | باطنش آشنای دیو لعین
همچو دل قلب و جایگاهش صدر | چون فلک سرفراز و کارش غدر
درکفش نیش و در زبانش نوش | در رخش چشم و در قفایش گوش
صورتش محض لطف و دلداری | معنیش عین قهر و خونخواری
داده خاطر بتازی و تازان | کرده صید شهان چو شهبازان
دنی و دون پرست و دنیادار | از برون خرقه وز درون زنار
چون برآوردی از حجاز آواز | باده را در نهفت کردی ساز

۱؎ ا: بعرصه، ۲؎ ا: برای او، ۳؎ قبل این بیت در هر دو نسخه این شعر نوشته اند که بصورت موجوده بی معنی است. "از غلامان او کی شادی - داور شادی هزارش آزادی" ["داد" باید خوانند بجای "داور" پس با معنی است - ادیٹر] ۴؎ ا: قبله گاه، ۵؎ مزوّر؟

در مخالف همه نوا خواندی — کُلّی رنج را شفا خواندی
غم نمودی و گفتی این شادیست — بند کردی و گفتی آزادیست
زهر پاشیدی و شدی تریاک — و آتش افروختی و گشتی خاک
سر فگندی و دست ننمودی — صف شکستی و شست نکشودی
تلخ گفتی که شکّرِ نابست — ظلمت انگیختی که مهتاب است
سور کردی چو ماتمی دیدی — ز خشم[۱] خوردی چو مرهمی دیدی
ناوک انگندی و سپر گشتی — حنظل آوردی و شکر گشتی
خلق در گفت و گویش افتادند — جمله در جست و جویش افتادند
چون مقاماتِ درسش[۲] او خواندند — همه در این مقام درماندند
کز چه روی این بهار روح افزای — دارد این رنگ و بوی روح گزای
از چه این آفتاب روز افروز — میزند دم ز تیغ عالم سوز
فاش کردند این سخن بجهان — باز جستند سرِّ این زهان
ناگهان بر فتاد پردهٔ راز — سرّ آن حُقّهٔ[۳] گهر شد باز
حرف پوشیده برملا افتاد — و آن سطور از ورق جدا افتاد
گشت روشن که در زمانِ نخست — سکّهٔ آن درم نبود درست
آن گل زرد کاهناک[۴] نبود — رسته بود از گلی که پاک نبود
تخم آن کس نگفت تا که فشاند — بیخ آن کس نگفت[۵] تا که نشاند (۴۷
قطره کز دیدهٔ سحاب افتاد — از هوا رفت و در خلاب افتاد
قیمتِ دُر ز آبِ عمّان است — رونقِ گل ز خاکِ بستان است

---

۱ ل: زهر خوردی، ۲ ل: او فرو خواندند، ۳ ل: طبله، ۴ ل: اصل کاینک،
۵ ل: ندید،

روشن اختر از سپهر بود | ماه را روشنی ز مهر بود
اصل فرزند روز مادر پرس | وز صدف ماجرای گوهر پرس
پیش چوگان حدیث گوی مگو | وآتش می ز آب جوی مجو
چون حرم منزل حرامی شد | مجلس خاص جای عامی شد
بمثل گر مقام محمود است | بگذر از وی چنان که معهود است
علاقلان این سخن نکو گفتند | دُر این دُرج را نکو سفتند
کاصل هرگز خطا کند نکند | عمر با کس وفا کند نکند
چشم خواجو اگر چه پُر گهر است | گوهر او ز طبلهٔ دگر است

وهم درین معنی فرموده

بروای زرد گوش ازرق پوش | شیخ زراق و شوخ زرق فروش
همچو نرگس بسیم و زر مغرور | وز غم باغ و بوستان رنجور
تیز کرده بشش درم بازار | خویش را خوانده مالک دینار
همچو پیران نژاد دست از دیسه | داده خاطر بکاسه و کیسه
صاف نوشی و در مصاف آنی | صوف پیرائی و صف آرائی
بصف و صوف دل نگردد صاف | صف بیارا و در گذر ز مصاف
اژدهم عجب تا بکی تازی | رخ بگردان چو اژدهم از بازی
دم ز شبلی زنی درین بیشه | وانگهت هست روبهی پیشه

له ا: اصل زرد اوش، ب: زرد گوش. زرد گوش یعنی مذبذب، منافق، بی غیرت، تنبل وغیره،
له ب: اصل - ازرق؛ له ا: شوق! له ا: تیره کرده، له ا: بیرزن، له ا: صاف پوشی،
له ا: بیارا-! له ا: دم شیری +

همچو منصور سر مپیچ از دار — کز اناالحق بسر نیاید[1] کار
با خودای خواجه در خدا نرسی — وز تکبر بکبریا نرسی
گر تو خواهی که با صفا باشی — با همه صاف باش تا باشی
از تو گر دو دلِ مشایخ ریش — شرم دار آخر از مشایخ خویش
دست ازین ریشِ پُر[2] زر لشیه بدار — پشم را از پی نمد بگذار
همه داری بدست و هیچ نیست — همه گوئی که هست و هیچ نیست
گل خواجو اگرچه[3] زین خاک است — دلش از نقش آب و گل پاک است

مقالهٔ یازدهم

ای تذرو ریاض لاهوتی — گل بستان فروز ناسوتی
صبح دم می زند بر آر نفس — راه عنقا بزن ببانگ جرس
سر بر آور ز پردهٔ فلکی — بر کش آواز پردهٔ ملکی
کم این گلخن مسدس گیر — راه آن[4] گلشن مطوس گیر
پشت بر آستان غبرا کن[5] — روی در آشیان خضرا کن
ترک این چار طاق شش سوده — قصر هفت آشکوب یکسو نه[6]
چنگ در پردهٔ ملائک زن — تکیه بر چنبری ارائک زن
جای در مجلس معانی ساز — ساز بر نغمهٔ آفاقی[7] ساز

---

[1] ل: نیامد، [2] ل: ریش پرزریش، [3] ب: اگرازین، ل: اگرچه این، صرف نظر از هر دو تصحیح شد، [4] ل: این، [5] ل: وان [6] ب: ده. نسخهٔ ب لفظ آشکوب ندارد، [7] ب: افاقی.

سر ازین خاکدانِ تیره برآر | دست ازین خاکسارِ خیره بدار
خاک بر آب آسمان افشان | بادِ آتش رخِ فلک بنشان
دود در دودهٔ[1] سپهر افگن | تابِ دل در نهادِ دهر افگن
نیل افلاک را برو[2] ده | ترکِ این[3] اطلسِ کبود بده
نامِ این مرغِ شش پرا زچه بری | غمِ این[4] دیو نهسر از چه خوری
هوشیاری کنی چو مست شوی | بر بلندی رسی چو پست شوی
لب فرو دوز اگر سخن گوئی | سوی دریا شو ار گهر جوئی
هر چه گوئی ز حالِ خویش بگوی | وانچه جوئی ز مالِ خویش بجوی
خامشی چیست عینِ گویائی | عاقلی چیست ترکِ[5] انائی
گر[6] درین راهِ پر نشیب و فراز | بودت[7] سوزِ دل ز آتش آز
کندت دودِ سینه جامه سیاه | نامت از دل شود چو نامه سیاه
دستِ شه گیر و شاهبازی کن | بر سرِ دستِ شاه بازی کن
صیدِ بازان نگر چو آئی[8] باز | وز زبان در گذر چو گوئی راز
باز کن چشم و چشمِ بازان بین | سازِ[9] پر سوزِ نغمه سازان بین
گر عقابی بقیدِ باز ممان | ور همائی بصیدِ باز ممان
بار در بارگاهِ دل تا کی | کار در کارگاهِ گل تا کی[10]
بارگاه ترا چه حاجتِ بار | کارگاه ترا چه حاجتِ کار
سبزهٔ بوستانِ جان کرم است | نقدِ بازارِ کرمت درم است

۷۵ ل

---

[1] ل : سینه ، [2] ل : بدود بده ، [3] ق ب : آن ، [4] ق ب : آن ،
[5] ل : کر ، [6] ل : برون ، [7] ق ب : بجای آئی ، ز چیزے ندارد ، ل : آئی بناز ،
[8] ل : بار ، [9] این شعر از نسخهٔ ق ب ساقط شده است ،

در حقیقت کسی که جودش نیست — پیشِ صاحبدلان وجودش نیست
هر کرا نیست دل نباشد جان — ور ترا نیست این نباشد آن
سکه او زد که سیم و زر در باخت — وآن سرافراز شد که سر در باخت
خاک بر فرقِ آن که خاک نشد — مرده دل آنکه او هلاک نشد
سر درانداز تا[1] سرافرازی — که سرافرازی است سر بازی
بحر و کان بایدت گهر درباز — گمرکوه گیر و سر درباز
چه بود کیمیا زر افشانی — چیست گردن کشی سرافشانی
هرکه دارد دلی بجان بخرش — ور بصد جان (بود) روان بخرش
گنج دریاب و از درم بگذر — کعبه را بین و از حرم بگذر
زر بتدریج تاجِ شه[3] گردد — ور خورد خاک خاکِ ره گردد
آب دریا اگر کسی خوردی — فلکش نیلگون چرا[4] کردی
خانِ وقت است هرکه خوانش نیست — وآب رخ دارد آن که نانش نیست
از لبِ چشمه هیچ نگشاید — گر از و تشنهٔ نیاساید
آنکه آبش نداده باری — آب رویش چرا بری باری
هرکه نانت بسالها نشکست — دلش از بهر نان نشاید خست
سفره را گر نمی کنی سرباز — خانقه را چرا می کنی درباز

گر بجوا[2] جو نمی چشانی آب
از سر آب مفگنش بسراب

---

[1] ل : هرکه او ، [2] قب : اگر ، [3] ل : خاک ره ،
[4] ل : کجا ؛

حکایت پیر خانقه‌دار که از بی‌مروّتی درویشی را از کاخ بیرون رانده نکبت دو جهان اندوخت

بود پیری بروزگار سلف — روزگارش بهرزه گشته تلف

شهرت او بآستان داری — کار او باغ و بوستان کاری

همه بازار پر ز نعمت او — میل بازاریان بصحبت او

زده بیرون علم ز خانهٔ دل — گشته خلوت‌نشین خانهٔ گل

وجه خوانش لبی و خوانش هیچ — سفره‌اش بلشمار و نانش هیچ

آبش از بهر نان بباد شده — وانگهش آب و نان زیاد شده

کرده ایوان سپید و جامه سیاه — ساخته منزل و فتاده ز راه

خانقاهش چو بوستان ارم — لیکن از رستنی چو راه حرم

ساکنانش همه ریاضت‌کش — بهر مطبخ چو دود بر آتش

تشنه در وی بخواب دیدی آب — دیده از غم بآب دادی خواب

گر مسافر درو نهادی پای — ور مجاور درو گرفتی جای

آن نخوردی برون ز خون جگر — وین نبردی مگر بروزه بسر

هر که در خانقاه او بودی — از طلب خاک راه او بودی

سائلی را برو گذار افتاد — وآستانش بدان دیار افتاد

بزیارت بخانقاه شتافت — شیخ را بر سر عمارت یافت

---

۱ ل: ره، ۲ ب: سبزه‌اش، ۳ ل: بی‌نماز؛ ۴ ل: خانه، ۵ ل: تهی چو، ۶ ل: دیدم؛ ۷ ل: ز آستانش،

دید آن بوستان بی خوشه | پر ز آوارگان بی توشه
گنج نایاب گشته ویرانه | سوخته شمع و مرده پروانه
مدحتش گفت و محمدت آراست | وآب رخ صرف کردونانی خواست
طیره شد شیخ و گفت در این کاخ | بچه راه آمدی چنین گستاخ
گر اشارت کنم بسان نمد | در کشندت کنون بزیر لگد
بگشود از سر تطاول دست | قالبش[1] را بزخم[2] خشت شکست
پیکرش در میان خون افگند | وز در خانقه برون افگند
سائل خسته دل فغان برداشت | کرد نفرین و دل ز جان برداشت
گفت کای پای بند خانهٔ گل | ره[3] ندانسته سوی خانهٔ دل
کار گل کار کارداران است | کار دل پیشه کن که کار آنست
اگرت نیست سفره کاخ چه سود | وگرت نیست میوه شاخ چه سود
خانقه کز تهی ریا باشد | در[4] خور نفط و بوریا باشد
تا کی این تختهای[5] بی پایه[6] | تا کی این چترهای بی سایه
این همه روضهای بی حور است | وین همه چشمهای بی نور است
چند بر خاک تیره[7] ریزی آب | تشنگان را بشربتی دریاب
رهروان را درین سراچهٔ گل | قوت از قوت می شود حاصل
بگذر از خانه که خوانش نیست | منگر در تنی که جانش نیست
وطنی کان بود ز نان خالی | بدنی باشد از روان خالی
از برای رضای یک منان | دو[8] جهان را بخر بیک من نان

---

[1] ل: قابش ؛ [2] ل: بزیر خشت بجست ، [3] ل: ره ، [4] ل: لائق ، [5] ل: تخمهای ، [6] ب: بی مایه ، [7] ل: تشنه ، [8] ل: دو جهان را ،

دادنِ وجهِ نانِ یک روزه ‌‌ ‌ به زهر روز داشتن روزه
پیشِ خواجو چه گوهر است چه خاک ‌ ‌ ‌ این[1] نباشد مگر ز گوهر پاک

وهم درین معنی فرموده

ای که از تشنگان نیاری یاد ‌ ‌ ‌ چه دهی آبِ سایلان برباد
سر بگردان ز آستان داری ‌ ‌ ‌ که بسی سر بر آستان داری
بکرم گرد آستان بنشان ‌ ‌ ‌ وآستینی بر آستان بفشان[2]
خونِ مستسقیانِ تشنه مخور ‌ ‌ ‌ وآب[3] آتش دلانِ خسته مبر
خانقاهِ تو جای پیران است ‌ ‌ ‌ یا نه[4] خود بارگاهِ میران است
کارِ شوخی کنی بشیخی ساز ‌ ‌ ‌ چشم شوخی[5] کنی بشیخی باز
هر که او پای بندِ نانِ تو شد ‌ ‌ ‌ حلقه[6] در گوش گردِ خوانِ تو شد
روشنست این که گِرد ها است ‌ ‌ ‌ که ازان دستِ خلق کوتاه است[7]
نان بده کآبِ رخ کنی حاصل ‌ ‌ ‌ سر بنه تا بسر شوی واصل
کاخِ بی سفره خاکِ راه ارزد ‌ ‌ ‌ شجرِ بی ثمر گیاه ارزد[8]
وانکه او را ز خود فرو دنهی ‌ ‌ ‌ آب رویش چرا برو دهی[9]
باز گیری ز حلقِ سایل آب ‌ ‌ ‌ وافگنی جانِ خویش در غرقاب
جو جو از مالِ خانقاه بری[10] ‌ ‌ ‌ کشت زاری بنام خویش خوری
گنج وقتی بری که زر بخشی ‌ ‌ ‌ بر سر آئی گهی که سر بخشی

---

1 ل: وین چه باشد! 2 ل: افشان، 3 ل: آب وآتش دلان، 4 ل: زخود، 5 ب: شوخ چشمی،
6 نسخهٔ ل این شعر ندارد، 7 ل: ازو! 8 ل: نهی، 9 ل: جو از مال خانقاه بدوی، در نسخهٔ ب
هم مسخ شده، ل: در مصرع ثانی 'کشته زاری' دارد، صرف نظر از هر دو تصحیح شد،
عه صوابش: حلقه در گوش گِرد خوانِ تو شد (اڈیٹر)

گرچه خواجو بر بی زری سمراست　　کارش از اشک سیگون چو زراست

مقالهٔ دوازدهم

گرچه ما را خبر زمانی[1] نیست　　هستی ما بجز خدائی نیست
هرچه بر لوح آفرینش ماست　　چون به بینی ورای بینش ماست
گرچه هست افسر شهی ما را　　از ولایت چه آگهی ما[2] را
کین ولایت ولایتی دگراست　　وین حکایت حکایتی دگراست
گر بدین قبله نیّت آوردیم　　بهوای هویّت آوردیم
گرچه هستیم معدن خردیم　　ورچه پستیم سرور ابدیم
این نه هستی ماست مستی اوست　　این نه هستی ماست هستی اوست
جامهٔ زهد ما بجام بشوی　　نامهٔ ننگ ما زنام بشوی
پوشش ما ز جامهٔ[3] بیرونست　　کوشش ما ز نامه بیرونست
جرس ما ز کاروان فناست　　نفس ما ز بوستان بقاست
گر تو خواهی که جای[4] ما بینی　　از در دل در آی تا بینی
بحر مائیم و اشک ما گهراست　　گنج مائیم و رنگ ما چو زراست
بود و نابود ما چه خواهد بود　　مایه و سود ما چه خواهد بود
بی زبانی زبان خامهٔ ماست　　بی نشانی نشان نامهٔ ماست

---

[1] کذا فی الاصل، ب: ماهی،　[2] این شعر از متن ل ساقط شده،　[3] ب: خامه!
[4] ل: جان،

"بمن" ای خواجه کی بکار رسی	تا[۱] "من و ما" مباش تا برسی
مرد این راه را نشانی نیست	واهل این کوی را مکانی نیست
من که بی او نمی کنم پرواز	خویشتن را ازو ندانم باز
در نهانم بلند و پیدا پست	نیست در صورت و بمعنی هست
جرعه از ساغر ازل خورده	روی در ساقی ابد کرده (۲۷۶ ل)
ساحت گلشن عدم دیده	غنچهٔ گلبن قدم چیده
پی شادی[۲] بخار غم خسته	وز گل عیش دستها بسته
درس بر مفتی خرد خوانده	لوح در مکتب جنون مانده
از شراب ندم خراب شده	وز دم آتشین کباب شده
دامن دل بدست غم داده	خاک ره را باشک نم داده
گر دل پر غمم نمی بینی	دیدهٔ پر نمم نمی بینی
ساز عشاق را نوا نبود	مرض عشق را دوا نبود
غم چو نیکو نظر کنی شادیست	بندگی پیش بنده آزادیست
هوشیار آن بود که باشد[۳] مست	وآن شود مرتفع که گردد پست
بر سر آید[۴] کسی که پای افشرد	وآنکه او دست داد دست ببرد
غمگسار مشوشان غم به	همدم اهل عشق همدم[۷] به
می پرستی ورای هشیاریست	زیر دستی بجای سرداریست
خاص نزدیک عارفان عام است	صبحدم پیش صادقان شام است
روضهٔ قرب از چمن خالیست	چمن وحدت از سمن خالیست
بی[۵] طریقت براه نتوان شد	بی[۶] سپه پیش شاه نتوان شد

---

[۱] ل: بی، [۲] ل: بادشاهی! [۳] ل: باشد، [۴] ل: آید، [۵] ب: در طریقت، [۶] ب: باسپه،
[۷] صواب‌ش بهم دم (ایڈیٹر)

هر که گوئی ز جاجبان شه است — چون نکو بنگری حجاب ره است

ملک دارا بنزد اهل نظر — سد درین راه سد اسکندر

رو رضا ده بهر چه حکم قضاست — که قضا چیست آنچه حکم خداست

گر فرو ماند خطائی کرد — وز فرو ماندگی دغائی کرد

تو قلم بر سر خطایش کش — ذیل اغماض بر دغایش کش

روبهی کو اسیر گشت بقید — شیر زر را بحیله ساز د صید

هر که چرخش درآورد بکمند — بحیل چرخ را کشد دربند

صبح در دل چو آتش افروزد — بفلک مهره بازی آموزد

جرم خواجو گرش نهایت نیست — عفو را نیز حد و غایت نیست

حکایت آن پیر مرد مفلوک الحال که دعوی ملاقات خضر علیه السلام کرده بادشاهی را از بارتش امید وا گردانید

از جهاندیدهٔ بعهد شباب — می شنیدم حکایتی زین باب

که درین تیره خاکدان دودر — بود فرماندهی چو اسکندر

دیده در بسته و جهان دیده — و آب حیوان بچشم جان دیده

در سر او هوای روی خضر — در دلش آرزوی روی خضر

زد منادی که هر خجسته خصال — که ازامروز باز تا یکسال

بمن آرد ز وصل خضر نوید — برساند گلم ز باغ امید

بمن سر گشته راه درین ظلمات — از قدومش رساند آب حیات

۱ب : آنکه ۲ اصل : کر ۳ و : کند ۴ و : حکم ۵ ب : رساند

یا بد از من بسی عطا و نوال   رسد از من بجاه و مال و منال

پیری از جانم دورست شده   وز غم نیستی ز دست شده

قامتش چون فلک دوتا گشته   سال او از شمار بگذشته

گرد بستان دهر گردیده   گل باغ بقا بسی چیده

دور اقبال او تمام شده   وآرزومند نان شام شده

گفت تا چند جام فاقه خورم   جامهٔ جان ز دست فاقه درم

بار چرخ ستیزه کار کشم   ستم و جور[1] روزگار کشم

چون ندارم امید سال دگر   از ره مصلحت برآرم سر

بدغا بیذقی در اندازم   وز دغل بیرقی برافرازم

در شهر خلاف بگشایم   نقدی[3] از شهریار بربایم

شد بدرگاه شاه و گفت منم   کان گل باغ قدس را چمنم

ساغر عیش خویش را هر سال   بینم از آب خضر[2] مالامال

تا بدآن ماه علویم بر بام   افتد آن مرغ عرشیم در دام

شاه از آن فسانه باور کرد   همچو گل دامنش پر از زر کرد

خسرو تیز تاز شیر سوار   چون برآمد[4] بگرد سبز حصار

گشت روشن چو آفتاب منیر   که همه باد بود وعدهٔ پیر   (۷۶ ب)

قول او جمله جز ترانه نبود   وآن فسونها بجز فسانه نبود

بگرفتند خادمان شهش   بسته بردند سوی بارگهش

خضر ناگاه پیش باز آمد   وز سر راه او فراز آمد

چون چنان دید از کرانهٔ راه   در عقب رفت تا بخانهٔ شاه

---

۱ ل: جور، ۲ ا: "زار" و ب: "زاد" دارد، ۳ ب بجای نقدی چیزی ندارد، ۴ ل: درآمد،

شهِ دین پرورِ جهان آرای — بود چندش وزیرِ روشن رای
جمله را پیش خواند و کرد سوال — کای[1] بنزدِ شما عطارد لال
بچه صورت کنم سیاستِ پیر — تا خلائق شوند عبرت گیر[2]
از وزیران یکی جوابش داد — کای شهنشهِ جهان بکامِ تو باد
آن چنان به که پیشِ دشمن و دوست — بکشند از سرش به نیرو پوست
بعد از انش به تیغ پاره کنند — تا بعبرت در و نظاره کنند
دیگری گفت کین چنین شاید — لیکن ار شاه حکم فرماید
بامدادان که بر سرِ بازار — جمع باشند مردم بسیار[3]
همچو آتش تنوره بر زنند — در تنوری پر آتشش فگنند
دیگری گفت شهریارِ جهان — نیک داند که از کهان و مهان
هر کرا روزگار تیره شود — گر خورِ خاور است خیره شود
وانکه زو بخت نیک برگردد — گر بود بحر بد گهر گردد
روزِ محنت عزیز خوار بود — زاهدِ جام باده خوار بود
گرچه او را گنه ز حد بدر است — پایهٔ عفو ازان رفیع تر است
کرمِ شاه را نهایت نیست — وگرش می کشی شکایت نیست
لیک پیر است و روزِ او شده شب — وآمده جانِ خسته اش بر لب
صبحِ امیدِ او رسیده بشام — وآفتابش گزشته از لبِ بام
تیغِ کینش مزن که دورِ سپهر — بر گرفت است ازو بکلی مهر
خونِ او را مریز و ریخته گیر — رشتهٔ جانِ او گسیخته گیر
خضر پیش آمد و زبان بکشاد — بمعانی درِ بیان بکشاد

---

۱ ب: کهان، ۲ ب: عبرت پذیر! ۳ ق: نظار،

گفت شاها بدان که این دستور / که زند دم ز خنجر و ساطور

اصل او از فلانه قصاب است / لاجرم قول او ازان باب است

وانکه او از تنور گوید باز[1] / هست از گوهر فلان خباز

وانکه در راه لطف می پوید / باشه از باب عفو می گوید

بلبل بوستان دستوریست / چمن ملک را گل سوریست

می کند نور اصل خویش پدید / مهر[2] را کی بگل توان پوشید

اختر مطلع امارت اوست / در خور مسند وزارت اوست

غیر او جمله را بران از راه / کو سزد فرز این بساط و نوشاه

بگذر از قتل و گوش کن سخنم / نیک درین نگر که خضر منم[3]

چرخ آئینه ایست اصل[4] نمای / نوع بگذار و گرد اصل برآی

قند را از نی نباتی[5] جوی / وز بزرگان کمال ذاتی جوی

گر ز خواجو جریمه آید / شاه باید که عفو فرماید

وهم درین معنی فرموده

هرکه بر تخت ملک دارد جای / گو وزیری بجوی ملک آرای

کانکه دستور کار دانش نیست / نیست الا تنی که جانش نیست

هرکه او مختلف بود بصفات / آن نماید که باشدش در ذات

از بدان عاقبت بدی خیزد / وز خردمند بخردی خیزد

نافهٔ چین نسیم مشک دهد / مجمر انفاس عود خشک دهد

تیغ را از گهر توان دانست / مرد را از هنر توان دانست

---

[1] ب : گوید باز، [2] ب : روز، [3] این شعر از نسخهٔ ب ساقط شده، [4] ب : مدل، [5] ب : پی

هر که او را[1] بود خرد قادر | نشود خردهٔ ازو صادر
وانکه او پیر و سالخورده[2] بود | عمر را پایمال کرده بود
از سر خستگی ز پای افتد | منقبض طبع تیز رای افتد
نوجوان گو ز دست منداز ش | همچو ناوک ز شست منداز ش
که فلک تیر قامتش بشکست | رهِ عقلش بنوکِ تیر ببست (۷۷ب)
گشت سر شمعِ دیده اش بی نور | شد بهشتِ طبیعتش بی حور
طرّهٔ دلبرانِ سیمرخسار | می شود در شکستگی طرّار
و آهوی چشم لعبتانِ طراز | چون علیل است هست روبه باز
نامِ خواجو ز نامهٔ دگر است | عطرِ او از شمامهٔ دگر است

در مدح شیخ جمال الدین ابواسحق اینجو پادشاه شیراز فرماید

چون سمندِ سخن برون راندم | دست بر چرخِ توسن افشاندم
تیغِ خاطر بعقل بزدودم | ملکِ معنی بنطق بگشودم
جای در بوستانِ[3] جان کردم | قصری از بهر دوستان کردم
ساختم عیش خانهٔ چو بهشت | صحنش از سیم و از جواهر خشت
همچو باغی درو دوازده کاخ | یا نهالی برو دوازده شاخ[4]
بگذراندم سرش ز نُه منظر | برساندم درش بهفت اختر
داد جامِ مشعشعم خورشید | گفت قولِ سپهریم ناهید
در زمان کان شراب کردم نوش | در نفس کان سماع کردم گوش

---

۱ آ ب: بر، ۲ ل: پیر سالخورده، ۳ آ: صحن بوستان، ۴ اشاره بمقالات دوازده،

بر پریدم ز آشیانهٔ خاک　　درگذشتم ز گلشن افلاک
ترک بازار کن فکان کردم　　عزم گلزار لامکان کردم
چون شدم از مکونات بدر　　باز کردم بکائنات نظر
دیدم این هفت چنبری خرگاه　　چون غباری بر آستانهٔ شاه
ملک ملک بخش ملک آرای　　خسرو دیو بند قلعه کشای
سر گردنکشان روی زمین　　شاه اعظم جمال ملت و دین
نقطهٔ دور هفتمین پرکار　　گل صد برگ هشتمین گلزار
مطرب بزم عشرتش ناهید　　شمسهٔ قصر دولتش خورشید
کان و دریا طفیل گوهر او　　دو جهان یک ورق ز دفتر او
اطلس چرخ فرش خرگاهش　　واختران خاک روب درگاهش
ای خورت یک سوار تیغ گزار　　وی مهت یک غلام مشعله دار
قیصر هفت قصر مینا فام　　کمترین بندهٔ تو شمسش نام
سطح افلاک صحن میدانت　　عالم خاک گرد یکرانت
تشنهٔ آب خنجر تو نهنگ　　کشتهٔ نوک ناوک تو پلنگ
نام جیش تو خیل دارا فوج　　خون خصم تو سیل دریا موج
طائر گلشن تو چار ملک　　زائر درگه تو هفت فلک
خاطرت آفتاب اوج جلال　　نعل زرین توسن تو هلال
از حیای کف تو حاتم طی　　کرده طومار مکرمت را طی
بر سمند تو کهکشان شده تنگ　　و آسمانت شب آخر شبرنگ
زخم تیغ تو بهرهٔ بهرام　　ناوکت خار دیدهٔ اجرام

ملہ ق: ہم نشین؛ ملہ ق: خیل؛ ملہ در ق لفظ آخر نیست ،

خسرو هند بندهٔ رایت — شه مشرق اوفتاده در پایت
گر کنی در فلک بکینه نگاه — بردمد[۱] نار از انجمش چو گیاه
ور کنی در چمن بلطف نظر — روید از خاک[۲] تا بمحشر زر
عکس تیغت چو بر سپهر افتد — لرزه بر دست و تیغ مهر افتد
سوسن از شوقِ مدحتت در باغ — شود آتش زبان بسانِ چراغ
حرمت ار بر فلک گذر یابد — عزت ار بر زمین مقر یابد
زان به تمکین شتاب دفع کند — زین بسرعت درنگ رفع کند
کوه را خونِ لعل در جگر است — زانکه او را ز تیغت آبخور[۳] است
اگر آهنگ کارزار کنی — بر بداندیش کارزار کنی
همچو آتش زبان[۴] بر افرازی — دود در خانهٔ خور اندازی
خون بگرید ز سهم تیرت ابر — بحر وشد ز تاب[۵] تیغت ببر
سر سر سازی زینِ بسیم سمند — چرخ را در کشی بخمِّ کمند
در چنان ساعتی که از تفِ کین — همچو اخگر شود سپهر برین
کوه و در گردِ[۶] تازیان گیرد — خشک و تر جوشِ غازیان گیرد
دل [اندیره؟] گوان سنان گردد — دستگیر سران عنان گردد[۷]
پشتِ چرخ از فزع در آرد خم — روی خاک از عرق بر آرد نم
همه ثعبان شود هوا از گرد — همه ضیغم شود زمین از مرد
کوه خارا ز سر بر اندازد — بحر جوشن ز بر بر اندازد
ترک تازی ز لشکرت بکند — قیصر[۸] روم را کشد در بند

(۷۰ب)

---

۱ ل: برد، ۲ قب: باغ، ۳ ل: الور، ۴ متن قب این مصرع ندارد، ۵ ق: سنان، ۶ ل: آب، ۷ ل: کوه، ۸ از متن قب ساقط شده است، ۹ قب: خسرو روم،

تو چو شیر ژیان برآری چنگ | برکنی نیش پیل و چشم پلنگ
دیدهٔ تیغ را چو میغ کنی | جوشن میغ پر ز تیغ کنی
ناوکت[1] برق دیده دوز شود | خنجرت آب سینه سوز شود
شیر این بیشهٔ زمرّد فام[2] | خون روان گردش ز جوی مسام
بلارک چو دست بکشائی | بزره چشم چو شست بکشائی[3]
زنگ بزدائی از دل جیپور | بری چین ز ابروی فغفور
سازی از نعل رخش گه پیکر | تاج مهراج و افسر قیصر
تا برآرند تخت مهر بسام | تا درآرند مهد ماه بشام
که شهنشاه قصر مینا رنگ | خنجر هندیش بگیرد زنگ
که بشمشیر خون فشان فغفور | بشکند قلب لشکر جیپور
کمترین بندهٔ تو خسرو هند | کمترین چاکرت شهنشه سند
هفت کشور ترا مسخر باد | پنج نوبت ترا میسر باد
شه قفچاق باد دربندت | همه قفچاقیان کمربندت

جان خواجو بوستان نیاز
در مدیح تو مرغ نغمه نواز

در اندرز بفرزند خود فرماید

نور چشم من ای گزیده پسر | دُرّ درج من ای ستوده گهر

---

[1] از متن فب این لفظ افتاده است ، [2] متن فب زمرد رنگ دارد و مصرع ثانی نمی دارد ،
[3] تو ، مشت بنمائی ؛ عه صوابش 'بزره چشم' است (صفت تیر) (اڈیٹر) .

گل باغ دل و چراغ ضمیر — شمع خلوت سرای دیده مجیر
هم مرا فر[1]وز زیب و هم فرزند — هم مراد گشای و هم دلبند
گرچه هست از سعادت ازلی — کنیتت بوسعید نام علی
نامداران مجیر خوانندت — در هنر بی نظیر دانندت
لیکن آن دم برآیدت کامی — که بدانش برآوری نامی
چشم مردم بمردمی باز است — کار عالم بعلم در ساز است
مردمی کن ز علم روی متاب — تا شوی قبلهٔ اولوالالباب
خانهٔ دیده وقف مردم ساز — مهر با مردمان واقف باز
پیر[2] عقل باش (و) علم آموز — راحت خلق خواه و روح افروز
خرد اندوز تا کسی باشی — ور نداری خرد خسی باشی
در هنر کوش اگر سری داری — که رسی از هنر بسرداری
حرف تعطیل را قلم درکش — نقش تحصیل را رقم برکش
دانش آموز و سرفرازی کن — خاطر افروز و دل نوازی کن
باخدا باش و خودپرست مباش — می تحقیق نوش و مست مباش
در[3] جوانی طریق پیران گیر — تا طریقت روا[4]ن نهندت پیر
اهل صورت گرت برند از راه — مدد از رهروان معنی خواه
شمع دل پیش راه ایشان دار — خویش را در پناه ایشان دار
ملک کیخسروی ز پیران جوی — گنج قارون ز کنج ویران جوی
راه این قوم را منازل نیست — بحر این جمع[5] را سواحل نیست
این بزرگان ز کشور دگر اند — وین سواران ز لشکر دگر اند

---

[1] آ: فرزیب، [2] ب: درپی، [3] د: از، [4] آ: روان، [5] این لفظ از متن ب افتاده است،

رایتی دیگراست این رایت / وآیتی دیگراست این آیت
هرچه جوئی برو ز ایشان جوی / وآنچه گوئی بیا از ایشان گوی
بگذر از ملک وپادشائی کن / زهد مفروش وپارسائی کن
خویش را در میان بنه چون شمع[1] / تا شود روشن از تو خاطر جمع
سرفرازی ز زیر دستی جوی / ذوق هستی[2] ز ترک هستی جوی
مطلب زر ز مالک دینار / رندی از بهر جام چشم مدار
خاص خود را بعامه باز مخوان / نام خود را بنامه باز مدان
هیچ دانی که کیست دشمن کام / آنکه او دوست را نداند[3] نام
اگر از دوستی ترا خبر است / دوستی پیش دوستان دگر است
تا توانی نوای عشق ساز / که ازین ره کسی نیامد[4] باز
ورکنی ساغر محبت نوش / کسوت عاشقی ز خلق بپوش
عشق محمود را ایاز کند / چشم بلبل بغنچه باز کند
ناز را صورت نیاز دهد / پشه را بال شاهباز دهد
نتوانی که این قدح نوشی / نتوانی که این قبا پوشی
برو از این طریقه دست بدار / سر ز بستان سرای عقل برآر
هرکه گردد اسیر سرستان / دست او گیر وبگذر از دستان
خودکسی باش ودم مزن زکسی / بازکی باز گوید از مگسی
همه[5] را نیک بین وبد مشمار / بیخودانرا ز جمع خود مشمار
کانکه اورا گدا نهی شاهست / وآنچه اورا سُها نهی ماهست

---

۱ آ: خویشتن در میان بین چون شمع ، ۲ ب: بستی ، ۳ ب: ندارد ،
۴ از متن ساقط شده است ، ۵ ب: هرکرا ،

گر دلی همچو بحر دُر پر تست | روشنست این که آن ز گوهر تست
آب دریا دلان برو مده | دل برین ساز پر سرود مده
این زمان کن اگر کنی کاری | تا ازین باغ برخوری باری
تشنه[1] چون خاک گشت آب چه سود | ور زمان فوت شد شتاب چه سود
پند من کار بند[2] و کاری کن | دولت نو طلب ز چرخ کهن
وقت دریاب و عمر فرصت دان | مشو ایمن ز دور جور زمان
بگذر از شهر بند طبع و حواس | قدر عهد شباب را بشناس
یار او شو که هیچ یارش نیست | غم او خور که غمگسارش نیست
زان صفت (باش) کآسمان بلند | گویدت: آفرین برین فرزند
هر که در راه دین نگردد خاک | نکند آب و آتش او را پاک
آنچه بایست گفتنت گفتم | بخدایت سپردم و رفتم
باد بختت مشار و عقل مشیر[3] | و لک الله حافظٌ و نصیر

چشم خواجو و طرف گلشن شاه
بتو روشن علیک عین الله

وهم در باب نصیحت و عبرت فرماید

حبذا نکهت شمیم شمال | که رساند بما نوید وصال
آید از کوی دوستان قدیم | و آورد بوی بوستان نعیم
شمع مجلس نشست خیز غلام | که صبا می دهد ز روضه پیام

---

۱ ب: تفته، ۲ ب: کارگیر، ۳ ل: بشیر،

همچو من دور رهِ تو خاکی نیست | گر بر فتم بباد باکی نیست
ور خمارم بگو شراب کجاست | وقتِ صبح است آفتاب کجاست
راحِ گلبویِ ارغوانی کو | بگذر از راح روحِ ثانی کو
اگر اندُه گسارِ مستانی | شمعِ ایوانِ می پرستانی
بصبوحی شرابِ روشن جوی | میِ گلبو زطرفِ گلشن بوی[1]
رخ برافروز و جامِ می درکش | نائی[2] برگیر و بانگِ نی برکش
برفشان دست و ترکِ دستان ده | می بدست آر و دلِ[3] مستان ده
خیز کانفاسِ مشک بیزِ بهار | می برد آبِ آهوانِ تتار
بانگِ مرغانِ صبح خیز بخاست[4] | وز چمن بادِ مشک بیز بخاست
در چنین وقت اگر دلی داری[5] | تازه کن جان بجامِ گلناری
نفسی خوش برآ که خوش نفسیست | زانکه دستانِ چرخِ پیر بسی ست
گل بدست آر و رُخ زخار متاب | گنج بردار و سر زمار متاب
زندگی بایدت زخویش بمیر | وآشنا باش و ترکِ خویش بگیر
نوش حاصل کن و زنیش مترس | غمِ مرهم خور و زریش مترس
دامنِ کفر گیر و ایمان بین | دُردِ دردی نوش و درمان بین
باده در ده که عمر برباد است | دادگر دونِ[6] سفله بیداد است
جامِ نوشین روان بباید خورد | که زنوشیروان نشانی گرد
شد زدورِ سپهر روئین تن | گورخانان را بگورخانه وطن

---

[1] ل: بصبوحی شرابِ بستان جوی + می گلگون وطرفِ بستان جوی، [2] ل: پای، [3] ل: ترکِ مستان، [4] ل: کجاست، [5] ل: وقت دریاب اگر دلی داری، [6] اصل ب: دادکردن،

گر فریدون شوی به تخت و علم | ور سکندر شوی بملک[1] و حشم
عاقبت روی سوی خاک آری | ملک را بگذری و بگذاری (۸۰)
ور تهمتن شوی زمانه ز جاه[2] | افگند همچو بیژنت در چاه
زنده آن ماند کو ز خویش بمرد | مرده دل آنکه آب خویش ببرد[3]
زیر دستی بجای سرداریست | می پرستی ورای هشیاریست
بگذر از سرکشی و سر در باز | کوه گیر از غم و کمر در باز
جام بر کف بنه و ز چشم[4] یاد آر | اشک ما بنگر و ز یم باز آر
من که از جام می گزیرم نیست | بجز از باده دستگیرم نیست
تا کی در خمار بنشینم | بی می و میگسار بنشینم
بوده و نابوده تا بکی گویم | راه بیهوده تا بکی پویم
سیر گشتم ز خون دل خوردن | بزبان قلم سخن کردن
چند[5] جان در کشاکش افگندن | نعل خاطر در آتش افگندن
قدحی ده که سر در اندازم | قدحی ده که سر بر افرازم
چهره بنما که رخ برافروزم | پسته بکشا که لب فرودوزم
در حدیثم میار[6] و می در ده | که بجز من نماند کس در ده
من همانم که آفتاب بلند | زورق از دست من در آب افگند
چون[7] بدین بحر سر فرو بردم | ای بسا دُر که بر سر آوردم
بادپای سخن برون راندم | دست بر چرخ توسن افشاندم[8]

---

۱ ب: نخست، ۲ ا: زمانه وگاه، ب چیزی ندارد، ۳ ا: خاک ره گشت آنکه آب خویش برد
۴ ب: غم، ۵ ا: جعد جان! ۶ ا: بیا، ۷ ب: چونکه در بحر،
۸ این شعر از متن ب افتاده است،

بزدم در زمانه کوس بیان | بگرفتم جهان به تیغ زبان
همچو بینو بنام داور دهر | ساختم در دو مه دوازده شهر
برزدم سر ز فلک هفت فلک | برگذشتم ز ملک چار ملک
نسخهٔ شش رساله برخواندم | دست برنه مجلد افشاندم
با نوا ساز بزمگاه سپهر | برکشیدم ترنم از سر مهر
چنگ در عود[1] زرنگار زدم | نوبت مدح شهریار زدم

بگذراندم سخن ز نه طارم
تا چو خواجو بلند شد کارم

درباب خاتمهٔ کتاب

سال تصنیف و زیارت مرشد خود فرماید

چون بپایان رسید نامهٔ من | گشت کوته زبان خامهٔ من
کاروانم بدین دیار رسید | بار گیرم بدین گذار رسید
صبحدم بود و باد عنبرسای | چون سر زلف یار نافه کشای
مرغ خوش نغمهٔ مسیح نفس | بفلک درفگنده بانگ جرس
طائر طور باغ موسی وار | برکشیده نوای موسیقار
مرشدم در رسید چرخ زنان | دست داده بدست هفت تنان
شکر از لفظ در کنارم ریخت | گهر نطق برگذارم ریخت

---

[1] متن حب لفظ "عود" ندارد۔

گفت کای نقش بند زمزمه راز / در گنج سخن بروی تو باز
بسرا نوبتی که ساخته‌ای / بنما مهره‌ای که باخته‌ای
بگشا آن کمر که دربستی / بفشان آن شکر که بشکستی
من سر درج نطق بگشودم / درهای نسفته بنمودم
برفشاندم برو جواهر خویش / عرض کردم نهان و ظاهر خویش
راندم آن اشقری که می‌راندم / خواندم آن دفتری که می‌خواندم
برکشیدم چو عندلیب آواز / وآن نوا در نهفت کردم ساز
در سماع آمد از ترنم من / وآفرین کرد بر تکلم من
تا بشب در خروش و مستی بود / فارغ از نیستی و هستی بود
چون سر زلف شب پریشان گشت / دل سیارگان درافشان گشت
نقشم از پردهٔ خیال برفت / رنگم از چهرهٔ مقال برفت
شب تاریک دید و من مدهوش / سینه‌ام[1] پر آتش و جگر در جوش
تابم از طرهٔ بیان رفته / وآبم از خنجر زبان رفته
چشم خاطر ز فکر خیره شده / دل دفتر ز خامه تیره شده
دهنم پر ز در معانی کرد / دامنم پر گل امانی کرد
دیدم آنها که دیدم از نظرش / چیدم آنها که چیدم از گذرش ۱۱
خرقه داد و اجازتم فرمود / ره[2] ملک حقیقتم بنمود
چون بچشم کمال در من دید / خار نقصان ز دامنم برچید
نام نظمم[3] کمال نامه نهاد / وز کمالیتم دری بگشاد
شد بجان و جهان دلم واصل / کشف ارواح شد مرا حاصل

---

[1] ا: در آتش ، [2] ب: راه ، [3] ا: نظم ،

مه دی بود و چرخ سنجابی — در پس پرده های سیمابی

زال زر در هزیمت از بهمن — رفته در زیر آبگون جوشن

بز کوهی بکوه برده مآب — وز تف تیغ مهر گشته کباب

شد بتاریخ هفصد و چهل و چار — کار این نقش آزری چو نگار

هیچ صورت بدین معانی نیست — چشمهٔ جان بدین روانی نیست

گرچه نبود چو من شکرشکنی — نیست در بی زبانیم سخنی

من نه آنم که این ورق می خواند — وین حکایت بدین نسق می راند

آن سخن از سخنوری دگر است — وین سخنها ز دفتری دگر است

تو چه دانی که این سخنها چیست — گر ندانی که آن سخنور کیست

گوهری کش بها نداند کس — قیمت آن خدای داند و بس

مدعی گو بترک دعوی گیر — یا برو در مقام دعوی میر

که دو عالم طفیل همت ماست — خرد پیر طفل صحبت ماست

قمر از شاخسار ما ورقیست — و آفتاب از بهار ما عرقیست

منزل ما مقام بی جائیست — دانش ما خلاف دانائیست

نفخهٔ روح یکدم از دل ماست — چشمهٔ مهر یک نم از گل ماست

روح قدسی تذرو این باغ است — عقل علوی چراغ این راغ است

شمع توفیق را شبستان نیست — گل تحقیق را گلستان نیست

دل خواجو که مرغ بال زن است — عندلیبی ز طرف نُه چمن است

چند گویم سخن که لال شدم — همچو مرغی شکسته بال شدم

دلم از عقل و فضل گشت ملول — که عقال است عقل و فضل فضول

۱؎ ا، ابرهای، ۲؎ ب: نقشه، ۳؎ ب: شمهٔ مهر! ۴؎ ب: عقیله!
۵؎ صوابش "نه" (اڈیٹر)

برگِ این شاخ چند بتوان چید | صحن این باغ چند بتوان دید
خیز و بگذار تا کنم پرتاب | خامہ و نامہ را در آتش و آب
دلم آمد ز دستِ ہر دو بجان | کین دو روی ست آن یکی دو زبان
بقلم چشم جان چرا دوزم | ز آتش دل تبی چرا افروزم
چون رساندم سخن بحدِ کمال | در شکستم ورق ز بیم ملال

طمع از ہر چہ غیر حق دیدم
چون بمقطع رسید ببریدم

خـتـم شـد

تاج محمّد خان

[نواب صدر یار جنگ بہادر امراء و فضلائے سلف کی یادگار ہیں۔ نہایت سلیم ادبی ذوق کے ساتھ ان کو نفائس کتب کے جمع کرنے کا شوق ہے۔ اور ایک بے مثل خزانۂ کتب ان کے پاس جمع ہو گیا ہے۔ اس کتاب خانہ کی ہمہ گیری ملاحظہ ہو کہ ہرچند گمان یہ تھا کہ خواجو کرمانی کی مثنویات کے نسخے چند مشہور نسخوں کے سوا اب ناپید ہو گئے ہیں۔ اور خصوصاً ہندوستان میں ان کا وجود نہ ہوگا۔ اس کتاب خانہ نے اس گمان کو باطل کر دیا ہے۔ اور اس میں ایک ضخیم نسخہ کلیات خواجو کا موجود ہے چنانچہ فاضل موصوف نے والانامہ مورخہ ۱۷ جون ۱۹۳۹ئہ میں تحریر فرمایا ہے :۔

" اورینٹل کالج میگزین میں مثنوی کمال نامہ شایع ہو رہی ہے۔ مئی کے نمبر میں (حاشیہ صفحہ ۷، پر) شکایت ہے کہ صرف دو نسخے ملے۔ دونوں میں قیاساً ایک یا دو شعر نہیں ہیں۔

میرے یہاں خواجو کرمانی کی ضخیم و حجیم کلیات ہے جس میں اصناف کلام میں مثنویاں بھی ہیں۔ جن میں کمال نامہ ہے۔ حکایت معہود میں موقع بالا پر اسی قدر اشعار ہیں جس قدر آپ کے میگزین میں ہیں۔ اطلاعاً مکلف ہوا۔" ۔ اڈیٹر]

غلط نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴۴	۵	ردن	زدن
۵۲	[مصرع ثانی]	کی دل اہل راز بود	کی دل آلودہ اہل راز بود
۶۰	۷	جاودان	جادوان
۶۶	۲	کوہ درگر دِکوہ پیکر او	کوہ و درگر دِ کوہ پیکر او

تبصرہ و تنقید

الرق فی الاسلام یعنی اسلام میں غلامی کی حقیقت، حصہ اول، باہتمام منیجر ندوۃ المصنفین قرول باغ نئی دہلی، جید برقی پریس دہلی میں طبع ہوئی۔ قیمت عہ/ مجلد عہ/ مجلد سنہری ۳/

عہد نبوت اور اس سے کچھ عرصہ بعد تک اسلام کا فوجی نظام سراسر جمہوری تھا۔ ہر شخص مکلف تھا کہ اپنے طور پر جنگی تیاری کرے اور خود اپنے لئے اسلحہ وغیرہ ضروریات جنگ بھی اپنی گرہ سے مہیا کرے، اس کے علاوہ جنگی کرتبوں کی مشق بھی خود اپنے طور پر ہوا کرتی تھی، نفیر عام کے وقت عام باشندے ایک جرار فوج کا کام دیتے تھے۔ نہ موجودہ دستور کی فوج تھی اور نہ اس کے قواعد و ضوابط۔ ساتھ ہی جنگی قیدیوں کے لئے بھی کوئی خصوصی مستقل نظام سلطنت کی طرف سے قطعاً نہ تھا بلکہ سپاہ کی طرح اس سلسلہ میں بھی جمہوریت کارفرما تھی۔

مثلاً ایک جنگ میں مسلمان فوج کو فتح نصیب ہوئی اور غنیم کے چند قیدی مسلم فوج کے قبضہ میں آئے۔ چونکہ فوج کا نظام محض جمہوری ہے اسلئے وہ اسیر انہیں سپاہیوں میں تقسیم کر دیئے جاتے تھے۔ روایات صحیحہ سے ثابت ہے کہ یہ جنگی قیدی مسلم سپاہیوں میں تقسیم ہو کر ان کے فیملی ممبر کی حیثیت سے بسر اوقات کرتے تھے۔ شریعت اسلامیہ میں ان کے متعلق گھر والوں کو بہت کچھ وصیتیں فرمائی گئی ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ ان سے انسانیت و شرافت کا سلوک کیا جائے سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے آخری جملے ان قیدیوں کے متعلق یہ ہیں "الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم"۔ بعد اس کے کہ ایک اسیر مثلاً زید کے یہاں پرورش پاتا رہا ہے۔ زید کو شرعاً اختیار ہے کہ اسیر مذکور کے وارثوں سے حق الخدمت لے کر اس کو رہا کر دے، یا کسی اور مسلمان یا غیر مسلم سے اپنے اخراجات کے عوض کچھ لے کر اس کو اس کے حوالے کر دے۔

بس یہ ہے ہمارے ہاں ابتدائے عہد اسلام میں غلامی کا تصور۔ لہذا اگر فوج کا نظام جمہوری نہ ہوتا۔ تو یہ قید کا سلسلہ بھی نہ ہوتا جس کو عرف عام میں غلامی کہا جاتا ہے۔

بعد میں جب خلافت کے بجائے ملوکیت قایم ہوئی جمہوری نظام کی جگہ دستوری نظام نے لے لی۔ اور فوج کا نظام بادشاہ کے ہاتھ میں آگیا اور فوج کے لئے نئے نئے آئین و ضوابط مقرر ہوئے تو جنگی قیدیوں کے لئے بھی سلطنت ہی کی طرف سے انتظامات ضروریہ کئے گئے، الغرض غلام جنگی قیدی کا دوسرا نام ہے۔ جس کا حالات اور ماحول کے پیش نظر باقی رکھنا ناگزیر تھا۔ اسکے بعد اسلام نے جس طرح بعض حالات میں دوسری قسم کے صدقات و خیرات کا حکم دیا ہے اسی طرح ان جنگی قیدیوں کو مفت رہا کرنے کی بھی ترغیب یا حکم دیا ہے اسی پر بس نہیں بلکہ انسانی مساوات کے اصول و ضوابط کا لحاظ کرتے ہوئے سوسائٹی میں غلاموں کا درجہ بلند کرنے کے لئے ہمارے سلف کرام نے پوری جدوجہد کی جس کے لئے یہاں صرف ایک مثال کافی ہوگی صدر الائمہ موفق بن احمد المکی الحنفی المتوفی ۵۶۸ھ اور حافظ الدین محمد بن محمد الکردری صاحب الفتاوے البزازیہ متوفی ۸۲۷ھ فرماتے ہیں:[1]

---

[1] یہ قصہ بعض اختلافات کے ساتھ العقد طبع ۱۳۲۱ھ ج ۲ ص ۵۰ پر درج ہے۔ فروری اختلافات اگلے صفحہ کے حاشیہ میں درج کئے جاتے ہیں۔

عن عثمان بن عطاء عن ابیه، قال دخلت علی ہشام بن عبد الملک بالرصافۃ فقال یا عطاء اھل لک علم بعلماء الامصار؟ قلت بلی یا امیر المومنین، فقال فمن فقیہ اھل المدینۃ؟[1] قلت نافع مولی ابن عمر۔ قال فمن فقیہ اھل مکہ؟ قلت عطاء بن ابی رباح، قال مولی ام عربی؟ قلت لا بل مولی۔ قال فمن فقیہ اھل الیمن؟ قلت طاؤس بن کیسان۔ قال مولی ام عربی؟ قلت لا بل مولی۔ قال فمن فقیہ اھل الیمامۃ؟ قلت یحیی بن ابی کثیر، قال مولی ام عربی؟ قلت لا بل مولی۔ قال فمن فقیہ اھل الشام؟ قلت مکحول۔ قال مولی ام عربی؟ قلت لا بل مولی۔ قال فمن فقیہ اھل الجزیرۃ؟ قلت میمون بن مہران، قال مولی ام عربی؟ قلت لا بل مولی، قال فمن فقیہ اھل خراسان؟ قلت الضحاک بن مزاحم، قال مولی ام عربی؟ قلت لا بل مولی، قال فمن فقیہ اھل البصرۃ؟ قلت الحسن وابن سیرین۔ قال مولیان ام عربیان؟ قلت لا بل مولیان، قال فمن فقیہ اھل الکوفۃ؟ قلت ابراھیم النخعی قال مولی ام عربی؟ قلت لا بل عربی۔ قال کادت تخرج نفسی ولا تقول واحد عربی ٥ ص ۱ ۵۶ ص ۱ ۵۷

خلاصۃ المرام اینکہ تغیر اصطلاحات و تبدل الفاظ سے حقیقت قطعاً مستور نہیں ہوا کرتی۔ جنگی قیدی اور غلام ایک حقیقت کے دو عنوان ہیں اور اس سے کسی وقت بھی کسی حکومت کو ابد الاباد تک مفر ہی نہیں،

عیسائی مؤرخین اور ناقدین نے اسلام کے خلاف جو آخری حربہ اختراع کیا ہے وہ غلامی کا طعنہ ہے جس کا مبنے فلسفۂ اسلام سے ناواقفیت اور اس کی علت ان کے اذہان کی سطحیت ہے اور بس +

زیر تبصرہ کتاب "الرق فی الاسلام" اسی مسئلہ کو حل کرنے کے لئے لکھی گئی ہے۔ صاحب مولف نے مواد ضروریہ کے فراہم کرنے میں پوری جانفشانی سے کام لیا ہے۔ غالباً اردو لٹریچر میں یہ سب سے پہلی کتاب ہے جو ایک ایسے مسئلہ پر لکھی گئی جس کے متعلق دور آخر کے عیسائی بے جا نوغا آرائی کر چکے ہیں۔ کتاب کے مولف جناب مولوی سعید احمد صاحب فاضل دیوبند ایم اے ہیں۔ مولف موصوف نے کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے حصے میں اس پر بحث ہے کہ اسلام میں غلامی کی کیا حقیقت ہے۔ یہ حصہ شائع ہو چکا ہے۔ دوسرا حصہ جس میں غلام کی ترفیع سے بحث ہوئی ہے۔ زیر طبع ہے حصہ اول ۲۰×۲۶ کی تقطیع پر ۲۷۲ صفحہ پر ختم ہے۔ کاغذ نہایت اعلیٰ چکنا دبیز، طباعت بہت ہی دیدہ زیب۔ کتاب مذکور ندوۃ المصنفین قرول باغ نئی دہلی سے مل سکتی ہے +

محمد نور الحق

---

[1] عقد: قال ابن ابی لیلی قال لی عیسی بن موسی وکان دیانا شدیدا لعصبیۃ من کان فقیہ البصرۃ، [2] عقد میں زید بن اسلم و محمد بن المنکدر و نافع بن ابی نجیح ہیں بجائے نافع مولی ابن عمر، [3] عقد میں ان کے سوا مجاہد، سعید بن جبیر اور سلیمان بن یسار بھی مذکور ہیں، [4] عقد میں ابن طاؤس اور ابن منبہ بھی ہیں، [5] عقد میں فقیہ اہل یمامہ و اہل جزیرہ کی بجائے فقیہ اہل قبا مذکور ہے، [6] عقد میں عطاء بن عبد اللہ الخراسانی ہے، [7] عقد: فواللہ لو لا خوفہ لقلت الحکم بن عتیبہ وحماد بن ابی سلیمان ولکن رایت فیہ الشر فقلت ابراھیم والشعبی قال فما کانا؟ قلت عربیان، قال اللہ اکبر وسکن جاشہ (ایڈیٹر)

(٥٥٢) كمال الشرف ابو البركات محمّد بن ابی عبد الله محمّد بن ابی محمّد الحسین العَلَوی النقیب

ابو البرکات محمّد بن محمّد بن الحسین بن احمد نقیب النقباء ببغداد توفّی سنة ثلثین واربعمائة ابن ابی طالب القاسم بجرجان ابن محمّد العوید بن علیّ بن علیّ بن عبد الله رأس المدارى بن جعفر الاعرج بن عبد الله بن جعفر بن ابی القاسم محمّد بن الحنفیّة ابن علیّ بن ابی طالب العَلَوی المحمّدی ذکره شیخنا جمال الدین بن المهنّا الحسینیّ فی مشجّره[1]،

(٥٥٣) كمال الشرف ابو المعالی محمّد بن محمّد بن زید العَلَوی

قرأت بخطّه[2]:-

فضمّ ید المولود ساعة وضعه دلیل علی الحرص المرکّب فی الحیّ

وفی بسطها عند الممات اشارةٌ الا فانظروا انّی خرجت بلا شیئٍ

كمال الدین[3] ابو عبد الله محمّد بن محمّد بن سرایا البَلَدی المحدّث

کان شیخاً صالحاً سمع مسند الامام الشافعیّ علی الشیخ ابی زرعة طاهر[4] بن محمّد المقدسیّ وغیره سمع منه جماعة من الحفّاظ والفقهاء،

---

[1] راجع عمدة الطالب ص ٣٢٠، [2] انشدهما قبل ذلك لکمال الدین عبد الودود بن محمود (الترجمة ٤٢١)، [3] کتب تحته هذا تقدّم فی کتاب الجیم، [4] المتوفی سنة ٥٦٦ ھ،

(٥٥٤) كمال الدين ابو عبد الله محمد[1] بن محمد بن عبد الخالق بن المبارك بن عيسى بن علي بن محمد البغدادي مدرس الحنفية بالمستنصرية

كان فقيهاً فاضلاً واديباً كاملاً حسن الكلام في المناظرة، ولي قضاء واسط في الايام المستنصرية في رجب سنة سبع وعشرين وستمائة، وعزل في المحرم سنة ثمان وعشرين ولما فتحت المدرسة المستنصرية رتب بها معيداً لدرس اقضى القضاة كمال الدين عبد الرحمن بن اللمغاني ولما توفي ابن اللمغاني رتب مكانه في رجب سنة تسع واربعين وخلع عليه بدار الوزير، وركب في خدمته الصدور والاكابر كعادتهم وله شعر كثير، وبعد الواقعة لما فتحت المدارس درس بالمستنصرية كعادته وكانت وفاته يوم السبت ثالث شعبان سنة سبع وستين وستمائة ودفن بالمدائنية،

(٥٥٥) كمال الدين ابو الفضائل محمد بن محمد بن عبد الكريم القَزْوِينِي الفقيهُ المحدّثُ

ذكره الحافظ سديد الدين ابو محمد اسماعيل بن شيخنا ابراهيم بن محمود بن الخير في مشيخته وقال، قدم بغداد سنة احدى وثمانين وخمسمائة واستوطنها وسمع بها ابا السعادات نصر الله[2] بن عبد الرحمن القزاز وابا الفرج عبد الرحمن بن الجوزي

---

[1] هو الذي ذكره صاحب الحوادث الجامعة ص ٢٣ (حوادث سنة ٦٢٨ه) باسم ابي عبد الله محمد ابن ابي الفضل، ذكر عزله [2] المتوفى سنة ٥٨٣ه‍ ر: الشذرات ج ٤ ص ٢٧٦،

وقال: كتبت عنه وسمعت عليه بمنزله فی جمادی الآخرة سنة خمس وعشرين وستمائة، ومولده فی اخر ثمان و خمسين وخمسمائة،

(٥٥٦) كمال الدين ابو منصور محمّد بن محمّد بن علیّ بن ابی تمّام العبّاسی الزّينبیّ المحدّث

ذكره الامير ابو نصر علیّ بن ماكولا العجلیّ فی كتاب الاكمال[1] وقال: كان يلقّب كمال الدين، روی عن عيسی بن علیّ ابن عيسی الوزير وطبقته، واخوه ابو الفوارس طرّاد بن محمّد بن علیّ يلقّب بالكامل، وقد تقدّم ذكره[2]،

(٥٥٧) كمال الدين ابو عبد الله محمّد بن محمّد بن علیّ الشيذقانی الجوينیّ المحدّث

ذكره شيخنا صدر الدين ابراهيم بن شيخ الاسلام سعد الدين الحمّوييّ فی مشيخته وقال اجازنی جميع مرويّاته ومسموعاته سنة ثلاث وستّين وستمائة، روی لنا عن صفیّ الدين علیّ بن محمّد بن المرزبان السّمنانیّ،

(٥٥٨) كمال الدين ابو الحسن محمّد بن محمّد بن علیّ الحسنیّ العلویّ [٢٣٣ a]

قرأت بخطّه:-

لئن قويت عزمات الفراق وشطّت مسافة قصد النّوی
فانّ الوداد الّذی تعرفون علی القرب والبعد منّی سوا

---

[1] راجع نسخة المكتبة ص ٢٢٨ (ب)، [2] راجع الصفحة ٨٤،

وان قصر اللفظ عن شرح ذاك　　فانّ لكلّ امرءٍ ما نوى

(۵۵۹) كمال الدين ابو الفضل محمّد بن محمّد بن غزالة المدائنيّ الكاتب

كان كاتباً ضابطاً حاسباً حافظاً ولى عدّة اعمال، منها نظارة قوسان[1] وواسط[2]،

(۵۶۰) كمال الدين ابو عبدالله محمّد بن محمّد بن القاسم بن مسعود بن علّان القوسانيّ الناظر

صدر جليل ورئيس جميل ولى الاعمال السلطانيّة، وهو عالم بامور السواد ومعرفة الزروع وعمارة الاراضي وتسقيم الاعمال واختيار العمّال اجتمعت به عند الامير عماد الدين ابى المظفر بن علجه، وسألته عن مولده فذكر لى انّه ولد سنة ثلاث وخمسين وستمائة بقوسان،

(۵۶۱) كمال الدين ابو عبدالله محمّد بن محمّد بن ابى الكرم الموصليّ المعروف بالرقّام الاديب

كان شاعراً بديع النظام قدم بغداد بعد الوقعة واستوطنها روى لنا شعره جماعة منهم شيخنا جمال الدين ابو الفضائل احمد بن المهنّا الحسينيّ وقال: كتب الى السيّد محي الدين[3] محمّد بن الطوزيّ الجعفري وقد وهب له فوقانية خليعة:-

---

[1] و[2] قوسان وواسط لواءان من التشكيلات الادارية بالعراق راجع تاريخ العراق ج ۱ ص ۵۴۸، [3] هو محي الدين محمد بن ابى الفوارس بن ابى القاسم ابن الطوزي شيخ رباط دار سوسيان (م ۶۱۰ - ۶۷۰هـ) ترجم له المصنف فى كتاب الميم،

البسنی السیّد الجلیلُ   المُنعِمُ المُفضِل المُنیلُ
ثوبًا کسته الصبا سُحَیرًا   کأنَّه خلقه الجمیلُ
اذا اردتُّ التجرید منه   اظلّ فی حیرة اقولُ
لبُسی له کیف قد تهیّا   وما الی خلعه سبیلُ

(٥٦٢) کمال الدین ابو المعالی محمّد بن محمّد بن محمّد النعمانیّ الصوفیّ

قال: ذکر ابو عبد[1] الله بن المرزبان فی کتاب المستنیر ان ابا نواس[2] لمّا انشد النظّام[3]:—

سبحان من خلق الخلـق من ضعیف مهین
یسوقه من قرار   الی قرار مکین
یحول شیئًا فشیئًا   فی الحجب دون العیون

---

[1] لم نقف لابی عبد الله بن المرزبان و لا لکتاب المستنیر علی ذکر و الاشبه ان یکون ابو عبد الله المرزبانی، وهو ابو عبد الله محمد بن عمران بن موسی المرزبانی صاحب معجم الشعراء وله مصنفات کثیرة عدّها ابن الندیم فی الفهرست (ص ١٣٠ - ١٣٢) توفی سنة ٣٨٤هـ اما تراجمه فمبسوطة فی عدّة من الکتب منها الوفیات ج ١ ص ٦٤٢ وذیل تاریخ الآداب العربیة لبروکلمن ج ١ ص ١٩٠ بما بعدها و المصادر التی ذکرت هناك ولم نجد فی الکتب المنسوبة الیه ذکر کتاب المستنیر وله کتاب المنیر فی الزهد و الورع کما ذکره ابن الندیم و الله اعلم،

[2] الحسن بن هانی المتوفی سنة ١٩٨هـ،

[3] ابراهیم بن سیّار بن هانی البصریّ من ائمة المعتزلة توفی سنة ٢٢١هـ،

حتى بدت حركات مخلوقة من سكون

فوضع [؟ وضع] النظام كتابه في الحركة والسكون

(٥٦٣) كمال الدين ابو عبد الله محمد بن محمد بن محمود الطيبي[1] الكاتب

من كلامه : لازالت شمس الاسلام به مُشرقةً ، ودوحة الملك ببقائه مؤنقةً ، ماجنّ الظلام ، واصطفّت لاداء الفريضة الاقدام ، افضل ملك جرت باحصاء مناقبه الاقلام ، وفرعُ سامي مجده باذخُ الاعلام ،

(٥٦٤) كمال الدين ابو البدر محمد بن محمد بن محمود ابن النجيب الواسطي المعدل يعرف بالاحمر

كان من المعدلين الاعلام وله سماع بواسط على[2] . . .

كتب لي الاجازة بسعي المفيد جمال الدين ابي بكر احمد[3] بن علي القلانسي ورأيته ولم اكتب عنه شيئًا ، ذكره شيخنا العدل ظهير الدين علي بن محمد بن الكازروني في تاريخه[4] وقال : توفي ليلة الجمعة ثالث ذي الحجة سنة احدى وثمانين وستمائة ، ودفن بمقابر[5] قريش ، ومولده سنة ثلاث وستمائة ،

(٥٦٥) كمال الدين ابو العز محمد بن محمد بن محمود ابن مودود الحسني العلوي الحافظ نزيل تبريز

كان من اكابر السادات الاشراف حافظًا للقرآن الكريم

---

[1] الطيب بلد بين واسط وكور الاهواز ، [2] بياض في الاصل ، [3] المتوفى سنة ٧٠١هـ ، [4] تاريخ العراق ج ١ ص ٣٠٣ ، [5] مقبرة ببغداد وبها مشهد فيه قبر موسى بن جعفر ع

وله اشعار و تحصیل، وَوَلِيَ النقابةَ بالموصِل واعمالها على قاعدة والده واهله[1] انشد فی اللغز باحمد:—

اقبل کالبدر فی مدارعه　　یُشرِق فی السعد من مطالعه

اوّله رُبع عُشرِ ثالثه　　ورُبع ثانیه جذر رابعه

(۵۶۶) کمال الدین ابو جعفر محمّد بن محمّد بن الناعم البابَصری[1] حاجب الباب

ذکره تاج الدین فی کتاب الروض الناضر و قال وَلِیَ حجابة الباب فی رمضان سنة ستّ و تسعین و خمسمائة وعزل سنة ستمائة، وسمع ابا محمّد محمّدَ بن احمد بن الماندائی[2] وتوفی فی المحرّم سنة تسع و ستمائة،

(۵۶۷) کمال الدین ابو زید محمّد بن محمد بن یحیی الدِمَشقیّ الکاتب المقرئ

من کلامه:— لازال ملکه مخلّدا علی الدوام، نافذ الامرِ ما جَرَت الاقلام حاکماً فی الرّقاب ما سعت الاقدام، وملاذاً لِلمُعتَفِین ما غرّد الحمام، ومعاذاً لِلمُلتَجِین ما سحّ الغمام، وطودًا لا یُخضَع المستجیر به ولا یُضام،

(۵۶۸) کمال الدین ابو غالب محمّد بن محمّد بن یحیی المدائنیّ الکاتب

من کلامه: ولله دَرُّ سیرة مولٰنا العُمَریّة ومکارمه الحاتمیّة فانّها قد اُحیت الرّمم بغیثه السکوب، وکانت کقمیص

[1] نسبة الی بابِ لبصرة من بغداد، [2] المتوفی سنة ۵۵۶، ر: الشذرات ج۴ ص ۱۷۸،

يوسف فی اجفان يعقوب، فلکم لشرت بعد لها عديما، وشفت من الجور سقيما، وجلت ظلم الظلم بنور عدلها، وقطعت غمام الغم بفواضل فضلها، واحالت حال العسر بتطاول طولها،

(۵٦۹) كمال الدين ابو عبد الله محمّد بن محمّد بن يعقوب البغدادیّ المحتسب

من عهده التی كتب له سردار الخلافة، ويتقدّم الى الخبّازين والطاهين وباعة الادام بتنظيف آلاتهم وتهذيب ادواتهم، والى اصحاب الصنائع فی الاسواق بأداء الامانة فيما يعملونه، ويأخذ على الجزّارين ان يتخيّروا ذبائحهم ويشحذوا مداهم وصفائحهم، ويأخذ ارباب المحالّ بتطريق سبلهم وتنظيفها الى غير ذلك،

(۵۷۰) كمال الدين ابو طالب محمّد بن محمود بن داؤد الجوينیّ الاديب

نقلت من خطّه:-

لو قنع الانسان من حظّه	بمثل ما يقنع من عقله
لزال جلّ الغمّ عن نفسه	وكلّ ما يهتمّ من اجله
لكنّه يرضى بغير الرضا	من علمه والخلق من جهله
ويستقلّ الحظّ مع وفره	ويجهر المذموم من فعله
وفی انعكاس الامر لو رامه	راحته والفوز من مثله

(۵۷۱) كمال الدين ابو عبد الله محمّد بن محمود بن محمّد

المسكيّ الاصفهانيّ العارض

كان من الصدور الكبار ولد باصفهان ونشأ بها وكان يتردّد الى بغداد فى التجارة ثمّ قدم ابوه بغداد فى خدمة صدر الدّين[1] الخجندى، وناب عنه فى ولاية النظاميّة، ثم توكّل للامير جمال الدينّ[2] قشتمر الى ان مات، وقام ولده كمال الدين مقامه، وانتقل الى عرض الجيوش فى شعبان سنة اربعين وستّمائة، وكان العارض يومئذ تاج الدين ابو علىّ الحسين بن علىّ بن المختار، فعزل به، ولم يزل على مرتبته الى ان توفّى فى شوال سنة ثلاث واربعين وستّمائة،

(٥٧٢) كمال الدين ابو نصر محمّد بن نصر الله بن اسماعيل الجبّىّ الشاعر [47b/48a]

قرأت بخطّه:—

وقائلٍ قال لى، لابدّ من فرج … فقلت واختلطت لم لابدّ من فرج
فقال لى، بعد حين قلت وا عجبا … من بغض العُمر لي يا باردا الحُجج

(٥٧٣) كمال الدين ابو الفضل محمّد بن يحيى الزّرمى ثم الدمشقىّ الكاتب

---

[1] الاشهر بهذا اللقب محمد بن عبد اللطيف بن محمد بن ثابت المتوفّى سنة ٥٥٢ هـ ولم يكن متوليًّا للنظامية بل كان مدرّسًا بها والاقرب انه يريد حفيده احمد بن عبد اللطيف بن محمد بن عبد اللطيف المتوفى سنة ٥٩٢ م الا انّا لم نجد من لقّبه صدر الدين ، [2] توفى سنة ٦٣٦ م وكان مقدّم العساكر ،

كان كاتباً مجيداً[1] انشد لابي علي الحسين بن عبدالله بن البنّاء

اذا غُيّبت اشباحنا كان بيننا رسائل صدق في الضمير تراسل

وارواحنا في كلّ شرق ومغرب تلاقى باخلاص الوداد تواصل

وثَمّ امور لو تحققت بعضها لكنت لنا بالعذر فيها تقابل

وكم غائب والقلب منه مسالم وكم زائر في القلب منه بلابل

فلا تجزعن يوماً اذا غاب صاحب امين فما غاب الصديق المجامل

(۵۷۴) كمال الدين ابو علي محمّد بن يوسف بن محمّد ابن هبة الله يعرف بابن البوقيّ الواسطي ثم البغدادي الحاجب الكاتب الاديب

من بيت الرئاسة والتقدّم في العلم والمعرفة والرئاسة وكان كمال الدين اديباً عاقلاً فاضلاً ذكره تاج الدين ابو طالب في تاريخه وقال: كان من حجّاب المناطق، ذكره شيخنا جمال الدين ابو الفضل بن مهنّا في كتاب الطرف الحسان من اعيان الآن وانشد له في صبيّ اسمه عثمان من التركمان :-

أأحبّ عثماناً واتبع الهوى فيه وانت مطالبي بالثار

لا تأخذنّ بثاره متعدّياً حتى تراه محاصراً في الدار

وله فيه :-

قالوا تعشّقت عثماناً فقلت لهم ما الحسن في الناس مخصوصاً بانسان

[1] كذا في الاصل ويحتمل ان يكون من ترجمة محمود بن احمد الحلّيّ الا انّا اثبتنا ههنا ما كان اوفق باسلوب خطّ الكتاب،

انّی وان کنت شیعیّاً کما زعموا　　فقد تسنّنت فی حُبّی لعثمان

(۵۷۵) کمال الدین ابو الوفا محمود بن ابراهیم بن سفیان ابن مندة الاصفهانی المحدّث

من بیت معروف بالفضل والعلم والروایة والفقه والادب

(۵۷۶) کمال الدین ابو الثنا محمود بن احمد الحلّی[1] الشاعر

کان من الشعراء الادباء، ومن شعره :-

بنفسی اغیدُ الحاظهٌ　　تمهّد لی فی الذنوب الرُخَص

یُشقّقُ کبدی اذا ما شدا　　ویرقص قلبی اذا ما رَقَص

(۵۷۷) کمال الدین ابو الثنا محمود بن اسماعیل بن عبد الله الموصلی الصوفی

انشد لزید بن الحکم :-

رأیت السخیّ النفس یأتیه رزقهٗ　　هنیئاً ولا یُعطی مع الحرص حاشِعٌ

فکم من حریصٍ لا یجاوِز رزقهٗ　　وکم من مُوَفّی رزقه وهو وادِعٌ

(۵۷۸) کمال الدین محمود بن حسین بن علیّ بن خسرو البیّاتی

قدم بغداد فی صحبة شیخ المشایخ نظام الدین محمود بن علیّ الشیبانیّ، رأیته وله اخلاق حمیدة، وقد تقدّم ذکر ولده الامیر بدر الدین محمّد فی کتاب الباء،

---

[1] المتوفی سنة ۶۳۲ھ، الشذرات ج ۵ ص ۱۵۵ بما بعدها، [2] البیات بلدة علی الجنوب من طریق خراسان، نزهة القلوب ص ۳۹، لسترنج ص ۶۳، ۶۴،

(۵۷۹) كمال الدين ابو القاسم محمود بن خليفة الجيلي الفقيه

قال: أُتِيَ الحجاج برجلٍ من الخوارج فأمر بضرب عنقه فقال له ان رأيتَ ان تؤخرني الى غدٍ فافعل قال: ولم؟ فانشأ يقول:-

عسى فرجٌ يأتي به الله إنّهُ　　له كلّ يوم في خليقته امرُ

فقال الحجاج: انتزعه من قول الله تعا: كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ[۱]؛ وامر بتخلية سبيله،

(۵۸۰) كمال الدين ابو الثنا محمود بن عبد السلام الحرّاني[۲] الفقيه -

ذكره سديد الدين ابو محمّد اسماعيل بن الخيّر في مشيخته وقال: سمع على الشيخ ابي محمّد عبد اللطيف ابن سلمان الخيّاط بمدرسة ابن الجوزيّ في ربيع الآخر سنة عشرين وستمائة،

(۵۸۱) كمال الدين ابو القاسم محمود بن محمّد بن احمد العَلَوي

قرأت بخطّه، قال وكيع بن الجرّاح[۳]: رأيت في المنام رجلاً له جناحان، فقلت له: من انت؟ فقال: مَلَكٌ من

---

[۱] القرآن الكريم سورة الرحمن (۵۵) الآيه ۲۹، [۲] حرّان مدينة قديمة بينها وبين الرقّة يومان وقيل هي اوّل مدينة بعد الطوفان، مراصد ص ۱۳۰، [۳] الحافظ المحدّث المتوفّى سنة ۱۹۷ھ،

ملائكة الله تعالى، فقلت: اسألك؟ قال: سل، فقلت: ما اسم الله الاعظم؟ قال: الله؛ قلت: وما برهان ذلك؟ قال: انه قال لموسى عليه السلام: إِنِّيْ أَنَا اللهُ[1]؛ ولو كان له اسم اعظم منه لقاله تعالى،

(۵۸۲) كمال الدين ابوبكر مَدَائِنِيّ بن صِدِّيق بن محمود المرجيّ الفقيه مُرَتِّبُ الشافعيّة بالمستنصريّة

رأيته لما قدمت مدينة السلام، وكان فقيهًا عالمًا، وهو مرتّب الشافعيّة بالمدرسة المستنصريّة، لبس خرقة التصوف من يد شيخنا السيّد المعظّم عماد الدين ابى ذى الفقار محمّد ابن ذى الفقار الحَسَنِيّ المَرَنْدِيّ مدرّس المستنصرية، واخبره انّه لَبِسها من الشيخ بهاء الدين محمود بن ازاذ روبه المفسّر الخوى بطريقته[2] المبينة، ثمّ لَبِسها من الشيخ شهاب الدين عُمَر[3] السُّهْرَوَرْدِيّ بطريقته[4] المعروفة، وتوفى[5] بمدينة السلام فى ....[6]

(۵۸۳) كمال الدين ابو علىّ المرتضى بن حمزة بن الحسن العَلَوِيّ الخَوَافِيّ[7] تِبْرِيزِيّ المولد الفقيه الكاتب

قال: قرأت فى بعض الكتب المنزلة: اذا اغنيت عبدى عن طبيب يستشفيه وعمّا فى ايدى اخيه وعن سلطان يستعديه[8] وعن جار سوء يؤذيه فقد اتممت عليه نعمتى؛

---

[1] القرآن الكريم سورة طٰهٰ (۲۰) الآية ۱۴، [2] و[4] ل: بطريقه، [3] المتوفى سنة ۶۳۲، [6] بياض فى الاصل، [7] نسبة الى خواف ناحية بنيسابور،

(۵۸۴) کمال الدولة ابو الحسن مرجان بن عبد الله الحَبَشِيّ المُسْتَنْجِدِيّ استاذ الدار

كان خادماً خيّراً حفظ القرآن المجيد وقرأ مقدّمةً في الفقه على مذهب الامام محمّد بن ادريس الشافعيّ وسمع الحديث من القاضي ابي بكر محمّد بن عبد الباقي الانصاريّ، ذكره الحافظ زين الدين ابو الحسن بن القطيعيّ في تاريخه و قال، سمعت الحافظ جمال الدين ابن الجوزي يقول: كان كمال الدولة مرجان تصدّى قلع مذهب الحنابلة بالكلّية وبلغ من قلّة عقله و تعصّبه البارد ونكثر جهله انّ الحطيم الّذي كان بمكّة يصلّي فيه الامام ابن الطبّاخ[1] مضى مرجان فازاله من غير تقدّم [كذا] تعصّباً منه فاخذه السلّ لمّا ازاله، وبقي سنة كاملة يتمنّى الموت، وجاف ولم يقدر احد ان يتقرّب اليه، وضجروا منه الى ان مات شرّ ميتةٍ واسوأها في ذي القعدة سنة ستين وخمسمائة، نعوذ بالله من سوء العاقبة ونسأله حسن الخاتمة، انّه جواد كريم؛

(۵۸۵) كمال الدين ابو الفرج مسعود بن ابراهيم ابن خليل الانطاكيّ المُقرئ

[قال:] قال بعض السلف: سمع اعرابيّ عبد الله بن عبّاس رضي الله عنهما يقرأ: وَكُنْتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ

---

[1] هو ابو محمّد بن الطبّاخ المبارك بن علي بن الحسين المحدّث الحافظ امام الحنابلة بالحرم الشريف توفي سنة ۵۷۵ ھ، الشذرات ج ۴ ص ۲۵۳،

مِّنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا [1]. فقال: نجونا ورب الكعبة، ما انقذنا منها وهو يريد ان يلقينا فيها، فقال ابن عباس: خذوها من غير فقيه [2]،

(۵۸۶) كمال الدين ابونصر مسعود بن احمد المحلّى الشاعر

[48 b, 49 a]

كان شاعراً بليغاً له شعر حسن، من ذلك قوله:-

ليهن بنى الزوراء او به ماجد　　كريم السجايا فى المكارم واحد

له الفضل ما بين البرية شائعاً　　على غائب من فاضليها وشاهد

اتاها فروّى من صداها بانعم　　افمن بها سوق الثنا والمحامد

(۵۸۷) كمال الدين ابوعلى مسعود بن ابى العلا بن روح الخزاعى النطنزى [3] الاديب القاضى

كان من اعيان العلماء واكابر الائمة الفقهاء والادباء البلغاء، قدم علينا مراغة سنة ثمان وستين وستمائة الى حضرة مولنا نصير الدين ابى جعفر ومدحه فاكرم مورده، وحقق مقصده وكتب له بخطه ما اراده وطلبه، وعيّن له ما يرومه ويتبعه وكان كمال الدين دمث الاخلاق لطيف الكلام فصيح النظام اورد مولنا السعيد نصير الدين من نظمه قصيدة بالفارسية من يده كتبت عنه بالرصد،

---

[1] القرآن الكريم سورة آل عمران (۳۰) الآية ۱۰۳، [2] اخرج السيوطى فى الدر المنثور من طريق عبد بن حميد عن ابن عباس رض انه قال: ارجوان لا يعيدنا فيها الخ

[3] نطنز بفتح النون والطاء المهملة وسكون النون بعدها بلد باصفهان،

(۵۸۸) كمال الدين مسعود بن قوام الدين ابي المجد بن عز الدين ابي الفضائل القزويني الفقيه

من بيت العلم والحكمة والفقه اصله من قزوين انتقلوا الى تبريز،

(۵۸۹) كمال الدين مسعود بن جمال الدين محمد ابن هاشم التفليسي الكاتب الاديب الفاضل

من اولاد القضاة والاكابر قد تقدم ذكر والده جمال الدين وكان من اصحاب مولانا نصير الدين ابي جعفر محمد ابن محمد بن الحسن الطوسي بمراغة وكان بيني وبينه من الاجتماع والانبساط والصحبة ما هو مذكور في تذكرة من فصل الرصد، واما كمال الدين مسعود المذكور فقد صحت الاخبار عنه بمكارم الاخلاق ورأيت خطه اللائق في كلامه الفائق، وهو الآن ملازم معسكر الامير الكبير جوبان[1] ابن ملك بن تردان[2] السلدوسي النويان[3] الاعظم،

(۵۹۰) كمال الاسلام ابو الفتح مسعود بن محمود ابن عبد اللطيف بن محمد بن ثابت الخجندي الواعظ

---

[1] وفي تاريخ العراق (ج ۱ ص ۴۴۷): جوبان بن الملك تناون؛ وجوبان هذا كان قد استولى على ادارة المملكة للسلطان ابي سعيد بهادر خان لما ملكها وهو ابن عشر سنين (بعد وفاة ابيه السلطان الجايتو محمد خدابنده)

[2] سلدوس قراءة عربية لسلدوز وهو اسم لقبيلة وقرية في شمالي ايران،

[3] النويان: الحاكم، قاموس التركية والانكليزية،

من بيت الفضل والعلم، ذكره شيخنا تاج الدين ابو طالب علي بن انجب، وقال: صاحب الوعظ المليح واللفظ الصحيح والشعر اللائق والنثر الفائق،

ومن شعره:—

هاذي ديار هُمُ دُرسن بمنعج ... فاعطف على اطلالهن وعرّج

انّ الوقوف على الطلول تعلّةٌ ... يقضي لبانته بها الصبّ الشّجي

لمّا اناخوا بالرّحيل تبرّجت ... نفسي لظعنهم واوّل لشرّ النّجي

وله:—

اذا ما جفاني الاقربون هجرتهم ... واحفظ عند الاجنبين لمساعد

وان وليا اجنبيّاً مساعداً ... لأولى واحرى من قريب مُعاند

(٥٩١) كمال الدين ابو القاسم مشرّف بن المتوّج بن المظفر القزوينيّ الاديب

ذكره شيخنا القاضي عماد الدين زكريّا بن محمّد بن محمود القزوينيّ، وقال: اجازني جميع مروياته وهو معدود في شيوخه الذين روى عنهم[1]

(٥٩٢) كمال الدين ابو محمّد مظفّر بن الحسن بن الحسين بن ابي السنان يعرف بابن الحداد، الموصليّ الفقيه

قرأت بخطه، ذكر عبد الله بن عبّاس رضي الله عنهما في

---

[1] وقد تقدّم ذكر بعض منهم في هذا الكتاب كعبيد الله بن محمّد بن عبد اللطيف و صدر الدين محمّد بن عبد اللطيف وحفيده محمد بن عبد اللطيف بن محمّد،

قوله جلّ وعلا: غَافِرِ الذَّنبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيدِ الْعِقَابِ[1]،
قال: غافر الذنب لمن قال لا اله الا الله وقابل التوب
ممّن قالها شديد العقاب لمن لا يعرفه غافرَ الذنب و
قابلَ التوب،

(۵۹۳) كمال الدين ابو احمد المظفّر بن محمّد بن سندى التجبلىّ الزنجانىّ الوزير

ذكره نظام الدين محمد بن الحسن فى اخبار الوزراء السلجوقية
وقال: كان غزير الفضل والادب، صاحب نَظْم ونَثْر
باللغتين، استوزره السلطان محمّد[2] بن محمود بن محمد بن
مَلِكشاه ولم تطل مدّته[3]، وله من ابيات:-

يَبْغى الوزارة قومٌ يكثُرون بها	وقد تصاغر قدرى فى توليها
فَلِدْتُها مُكْرَهاً والقوم فى تلَفٍ	يُراوِغون سُمُوّاً فى مراقيها
وخِفْتُها طائعاً والدولة اضطربت	من بعد من هو بعد الله يُحْيِيها

(۵۹۴) كمال الدين ابو الغنائم المظفّر بن محمّد ابن عليش الموصلىّ الشاعر

قدم بغداد واستوطنها، وكان اديباً شاعراً، روى عنه
شيخنا شمس الدين ابو المناقب محمّد بن احمد الهاشمىّ
الحارثىّ الكوفىّ، وذكر لى ولد لأصديقنا العدل الامين جلال الدين

---

[1] القرآن الكريم سورة المؤمن (۴۰) الآيه ۳، [2] من سنة ۵۴۷ھ الى سنة ۵۵۴ھ، [3] ذكره البنداريّ فى تاريخ دولة آل سلجوق (ص ۲۷۸) فقال: واستوزر كمال الدين الزنجانى المعروف بالتجبلى وبقى سنين وعزل،

ابوهاشم انه اجاز عامة لمن ادرك حياته سنة احدى و سبعين وستمائة ،

ومن شعره :-

بالله يا نفحات البان والضال لا تهتكي سر وجدي بين عذالي
نبهت يا ريح لوامي على وكفى في حب ذات اللمى المعسول والخال
انسيتني ليوم ما اذكرتني زمنا ولي وحالي بمن حل الحمى حالي
زدني احاديث ليلى يا نسيم صبا نجد وان زدت في وجدي وبلبالي

(٥٩٥) كمال الدين ابومنصور المظفر بن محمد بن المظفر، يعرف بابن البواب البغدادي المقرئ

قال: قرأت ان عبد الملك بن مروان قال لاعرابي، تمن، قال: العافية، قال: ثم ماذا؟ قال: رزق كفاف في دعة، ليس لاحد فيه منة ولا من الله تبعة، قال: ثم ماذا؟ قال: الخمول، فاني رأيت الشر الى ذي النباهة اسرع، فقال عبد الملك: وددت لو ظفرت بما تمنى عوضا من الخلافة .

(٥٩٦) كمال الدين منصور بن احمد الدوري ،

من ارباب البيوتات القديمة خرج بعد الوقعة سنة ست وخمسين وستمائة وسكن الشام، وانفق اموالا اشترى بها الأسرى من المغول وكان كثير الخيرات والمبرات، و وقف كتبه على المدرسة المجاهدية المنسوبة الى الملك مجاهد الدين

---

[١] الدور محلة ببغداد ، [٢] استشهد على يد التتار سنة ٦٥٦م وترجم له المصنف في كتاب الميم ،

الى الياس من ايبك المستنصري سنة ثمان وخمسين وستمائة،

(۵۹۷) **كمال الدين ابو المحاسن منصور بن احمد**
يعرف بابن الشديدي الكوفي الظريف الشاعر

كان من ظرفاء العصر، وله نظم حسن، وكان يلبس القميص والقباء ويحضر في مجالس الصدور الكبار، ويتكلم بالمغولية ويتفخم الالفاظ من غير معرفة بها ويتمسخر في كلامه، وقد ذكرته في التاريخ، وتوفي في شهر ربيع الآخر سنة خمس سبعين وستمائة، وحضر في مجلس مولانا نصير الدين،

(۵۹۸) **كمال الدين ابو العلاء منوّر بن محمود بن ابي العلاء**
السَروِستانيّ المؤدّب

سروستان من بلاد فارس، كان اديباً بليغاً ومعلماً عالماً انشد ...[1] ...

(۵۹۹) **كمال الدين موسى بن عبد الله بن محمود**
ابن اسماعيل بن ابي كاكل، الاردبيلي

من بيت الحكم والقضاء وقد ذكرنا جماعة منهم في كتابنا وهذا كمال الدين اعلمهم واورعهم واتقاهم واعرفهم، سافر في طلب العلم الى الموصل، وقرأ على السيد ركن الدين الفقه والاصول، وهو الآن بالمدرسة السلطانية الغازانية سنة اربع عشرة وسبعمائة، وفي خدمته اتفقت مقابلة كتاب جامع التواريخ الذي صنفه المخدوم العادل رشيد الدين،

---

[1] بياض بالاصل،

(۶۰۰) کمال الدین ابو المعالی موسی بن یونس بن ابراهیم السَاسَکونی[1] الادیب

کان ادیباً عالماً، قال باسناد یرفعه الی النبیّ صلی الله علیه وسلم: ان الله تعالیٰ یعطی کلّ مومن جوازاً علی الصراط، و فیه بسم الله الرحمن الرحیم لفلان بن فلان اما بعد فادخلوه جنةً عالیة قطوفها دانیة ؛

(۶۰۱) کمال الدین ابو المعالی[2] مُوسَیٰ بن یُونُس بن محمّد بن مَنَعَه بن مالک بن محمّد بن سعد بن سعید بن عاصم بن عابد[3] بن کعب بن قیس الموصلی العُقَیلی المدرّس الاصولی، [49b 50a]

کان شیخ وقته فی علم الاصول والحکمة عالم بالمنقولات و المعقولات مُتَفَق علی فضله ومعرفته، وکان یدرّس بعدّة مدارس فی الموصل، ویُقصد من الشرق والغرب للقراءة علیه والاستفادة منه، وغلب سنّه، وکان صائب الفکر صحیح الحدس عالماً بدقائق العلوم وحقائق الحکمة، وکان له طبع مُواتٍ فی النظم مع ترفّعه عن ذلک ومن شعره:—

لئن زیّنت الدنیا بمالک امرها[4] فمملکة الدنیا بکم تتشرّف

---

[1] نسبة الی ساسکون وهی قریة بحماة، لب اللباب ص ۱۳۰، [2] کناه السبکی ابا الفتح تبعاً لابن خلکان، [3] فی الوفیات (ج ۲ ص ۵۵۵ فی ترجمة والده) عائذ، [4] فی الوفیات، لئن شرفت ارض بمالک رقّها، وزاد بعد البیتین بیتاً ثالثاً وهو: ومکّنت فی حفظ البسیطة مثل ما تمکّن فی امصار فرعون یوسف،

بقيت بقاء الدهر امرك نافذ   وسعيك مشكور وحكمك ينصف

وقال عمر[1] بن عبد النور الصنهاجي

تجرّ الموصل الاذيال فخراً   على كل المنازل والرسوم

بدجلة والكمال هما شفاء   لهيم او لذي فهم سقيم

فذا بحر تدفّق وهو عذب   وذا بحر ولكن من علوم

واهدى له بعض اصحابه موسى حسنة الصنعة وكتب معها :—

بعثت الى موسى بموسى هدية   ولم يك من تبيين حاليهما بدّ

فهذا له حدّ ولا فضل عنده   وهذا له فضل وليس له حدّ

وكان مولده بالموصل فى جمادى الاولى سنة احدى وخمسين وخمسمائة ، وتوفى فى منتصف شعبان سنة تسع وثلاثين وستمائة ، وحضره كافة اهل الموصل ، وكان يوم مدفنه يوماً مشهوداً ،

(٦٠٢) كمال الشرف مهدى العلوى الحسينى

قرأ الوزير مؤيد الدين ابو طالب محمد بن احمد بن العلقمى[2] على هبة[3] الله بن نما بن على بن حمدون عن الشيخ ابى عبد الله الحسين

---

[1] هو عماد الدين ابو على عمر بن عبد النور بن ماخوخ بن يوسف الصنهاجى اللزنى النحوى المتوفى سنة ٦٣٩ ھ ، [2] هو الوزير الشهير بابن العلقمى بطل كائنة بغداد توفى بعد الوقعة فى مستهل جمادى الآخرة سنة ٦٥٦ ھ عن سن ٦٣ ٪ : الحوادث الجامعة ص ٢٣٦ وتاريخ العراق بحسب الفهرس وفوات الوفيات ج ٢ ص ١٥٢ ودائرة المعارف الاسلامية مادة ابن العلقمى والمصادر التى ذكرت فى الآخر ذكرها [3] هو ابو البقاء هبة الله بن نما بن على الحلى ، كان حياً سنة ٥٦٥ ھ ، روضات الجنات ص ١٢٥ ترجمة حميد[؟] جعفر ،

ابن احمد بن طحاين[1] [؟ طحال] عن السيد الموفّق كمال الشرف ذى الحسبين مهدى العلوىّ الحسينى ،

(٦٠٣) كمال الدين ابو الميامن بن ابى الغنايم بن المعين البَرْزَبِىّ[2] الكاتبُ الاديبُ

كان كمال الدين ابو الميامن شيخاً فاضلاً له رسائل واشعار كتبت من شعره فى كتاب نظم الدرر الناصعة فى شعراء المائة السابعة وله رسالة النارنجيّة ،

(٦٠٤) كمال الدين ابو الفضل ميثم بن علىّ بن ميثم البحرانىّ[3] الاديب الفقيه

قدم مدينة السلام ، وجالسته وسألته عن مشايخه فذكر انه قرأ على جمال الدين سليمان البحراني ، وطلب منىّ رسالته التى كتبها الى حضرة مولٰنا نصير الدين فكتبتها له وصنّف وكتب شرح نهج البلاغة من كلام امير المومنين عليه السلام ، كتبت عنه وكان ظاهرا لبشر حسن الاخلاق واقام فى دار السيّد المُنعم الفاضل صفىّ الدين بن الاعسر الحسينىّ ،

(٦٠٥) كمال الدين ابو الفتح نصر بن ابراهيم بن اسماعيل ابن محمد الاَهْرِىّ الصوفىّ

ذكره الحافظ ابو طاهر احمد بن محمّد السِلفىّ فى كتاب مُعجم السَفر

---

[1] كذا بالاصل والاشبه ان يكون طحال كما فى روضات الجنات ص ١٤٦ ، [2] نسبة الى برزبين قرية ببغداد على خمسة فراسخ منها ، مراصد [3] نسبة الى البحرين ،

وقال: روى لنا عن القاضي ابي محمّد عبد الله بن احمد ابن جَرير،

(٦٠٦) كمال الدين ابو الفتح نصر الله بن احمد بن عبد العزيز الحَدِيثيّ[1] الكاتب

كان كاتباً فاضلاً سديداً له رسائل مدوّنة، منها: كتبت وانا من تضاعف الاشواق والنزاع، وتذكّر الفراق ووقفات الوداع، بين قلبٍ شاردٍ وطرف ساهرٍ، وحشا خافق ودمع صادق، اتعلّل بالاماني وارتاح للبرق اليماني،

(٦٠٧) كمال الدولة ابو نصر بن المفضّل بن ابي الحسين ابن يوسف الاسرائيلي الكرخيّ الكاتب

من اكابر الكتّاب المعروفين بآداب الكتابة والحساب، وله محضر كريم وخاطر مستقيم واخلاق حميدة،

(٦٠٨) كمال الدين نعمان بن عبد الله المَوصِليّ الخطيب

سمع ببغداد جميع الخطب النُّبَاتِيَّة على مجاهد الدين سليمان ابن محمد بن عليّ المَوصِليّ بسماعه على ابراهيم بن محمّد ابن نبهان بسنده سنة عشر وستّمائة،

(٦٠٩) كمال الدين ابو الحسن نعمة الله بن عمر بن ابي الحسن السَّلماسيّ رئيس سَلماس

---

[1] نسبة الى الحديثة وهما حديثتان حديثة الفرات وتسمّى حديثة النورة وبلدة على فراسخ من الانبار، والحديثة من قرى غوطة دمشق واشهرها الاولى،

ذکرہ الحافظ ابوطاهر السِلَفی، وقال: کان رئیساً فاضلاً کریم النفس محبّاً للفضلاء،

(٦١٠) کمال الدین ابومقلّد وشاح بن علا الکوفی ناظر الکوفة

ولی نظارة الکوفة فی ایام الصاحب السعید عطا ملك ابن محمّد بن محمّد الجوینی وکان مشکور الطریقة فی ولایته،

(٦١١) کمال الملك ابو المعالی هبة الله بن ابی القاسم الحسین بن علیّ بن عبد الرحیم البغدادیّ اصله من براز الروز[1] الوزیر،

ولی هو واخوته عمید[2] الدولة وشرف[3] الامة وزعیم[4] الملك الوزارة لبنی بویه ذکره ابو الحسن ابن الصابیٔ فی تاریخه، وقال، ولی الوزارة للملك جلال[5] الدولة ابو طاهر بن بهاء الدولة مرتین الاخیرة منهما سبع[6] سنین،

---

[1] من طساسیج السواد ببغداد من الجانب الشرقی، [2] هو عمید الدولة ابو الحسن محمّد ابن الحسین بن عبد الرحیم وزر مرّات للملك جلال الدولة ولم یزل بین عزل ونصب الی ان توفّی سنة ۴۴۰ ھ، راجع تاریخ الکامل ج ۹ ص ۱۷۱، ۱۷۴، ۱۸۲، ۱۸۵، ۱۸۹، ۲۱۵، [3] و [4] لم نقف لهما علی ذکر بعد [5] ولد سنة ۳۸۳ ھ وتوفّی سنة ۴۳۵ ھ، راجع: الکامل ج ۹ ص ۲۱۵، [6] لم نتحقّق ذلك ولا وجه لدینا لانکاره ایضاً، امّا ما یعلم من تاریخ الکامل فهو انّه قبض علیه سنة ۴۲۷ ھ ثم عند ذکر وفاة جلال الدولة (سنة ۴۳۵ ھ) نراه یقول انّه اختفی کمال الملك وزیره فیمکن انّه تولّی الوزارة ثانیاً سنة ۴۲۸ ھ،

ثم ولی الوزارة للملك ابی[1] كاليجار بن سلطان الدولة، و فتح له البلاد الی شیراز، وفشت المصادرات فی ایامه، وهلك فی الواقعة بين صاحبه الملك ابی نصر[2] واخيه ابی منصور[3] ابني ابی كاليجار، وامتدحه المرتضی[4] علم الهدی الموسوی منها:-

امّا بنو عبد الرحيم فانّهم حدّ الرّجاء وغاية الطلّاب

وغرق[5] فی شهر ربيع الآخر سنة ثلاث واربعين واربعمائة، ومولده فی ذی القعدة سنة تسعين وثلاثمائة،

(٢٦١٢) كمال الدين ابو غالب هبة الله بن ابی الفتح

عبد الله بن هبة الله بن محمّد السامرّی الواعظ الفقيه ذكره الحافظ جمال الدين ابو عبد الله بن الدُبيثی الحافظ وقال: هو بغدادی المولد تفقّه علی مذهب الامام ابی عبد الله احمد بن محمّد بن حنبل الشيبانی ووعظ، سمع ابا البدر محمّد بن ابراهيم بن محمّد الكرخی وغيره، وتوفّی ليلة الخميس ثامن عشر المحرّم سنة ثمان وتسعين وخمسمائة، ودفن بباب الحرب،

---

[1] هو ابو كاليجار المرزبان بن سلطان الدولة ابن بهاء الدولة بن عضد الدولة توفّی رابع جمادی الاولی سنة ٤٤٠ھ عن اربعين سنة ١ھ: تاريخ الكامل ج ٩ ص ٢٢٧،

[2] هو الملك الرحيم خرّه فيروز بن ابی كاليجار (٤٤٠-٤٤٧ھ) [3] هو ابو منصور فلاستون بن ابی كاليجار له وقعات مع اخيه ثم استسلم له سنة ٤٤٧ھ، اما الوقعة التی هلك فيها ابو المعالی فكانت سنة ٤٤٣ھ لابی منصور علی ابی نصر بالاهواز، [4] هو الشريف المرتضی المتوفّی سنة ٤٣٦ھ، [5] لكن انّ الاصل ولا يظهر له وجه حين ما نوازنه بقول ابن الاثير انه فقد فلم يعرف له خبر،

(٦١٣) كمال الدين ابو غالب هبة الله بن ابی القاسم علیّ بن ابی غالب السامرّیّ الفقیه

قال: دخل ابو مجلز علی قُتَیبة بن مسلم و بین یدیه رجل یُضرب بالعصا، فقال له: ایها الامیر قد جعل الله لکلّ شیئ قدرا، و وقت له وقتاً، فالعصا للانعام والهوام والبهائم العظام، والسوط للحدود و التعزیر، والدرّة للتادیب، والسیف لقتال العدوّ والقود، فقال قتیبة: صدقت، وامر برفع الضرب عن المضروب وخلّی سبیله،

(٦١٤) کمال الشرف ابو الفوارس هبة الله بن المُحَیّا ابن هبة الله العبّاسیّ الکوفیّ الخطیب

هبة الله بن المحیّا بن ابی منصور احمد المعمّر بن محمّد ابن شیبان بن محمّد بن علیّ بن یحیی بن عبدالله بن محمّد بن عبید الله الزاهد بن الامیر ابی موسی عیسی بن موسی بن محمّد بن محمّد بن علیّ بن عبدالله ابن العبّاس، کان خطیباً بلیغاً فصیحاً عالماً بالادب حسن القراءة، حدّث عن ابن عبّاس رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلّی الله علیه وسلّم: اللّهُمّ بارك لامّتی فی بکورها واجعل ذلك یوم خمیسها؛

(٦١٥) کمال الدین ابو الفتح یحیی بن ابراهیم ابن عبد الاعلی بن احمد بن ابی عبد الله بن علیّ الواسطیّ الخطیب

روی عن ابی العبّاس[1] هبة الله بن نصر الله بن محمّد
ابن مخلد الازدیّ ، انشد

کم من لبیب راجح علمه   مستحصف الرأی مُقلّ عدیم
ومن جهول وافر مالُهٗ   ذلك تقدیر العزیز العلیم

(۶۱۶) کمال الدین ابو عبدالله یحیی بن سفیان ابن مندة[2] ، الاصفهانی المحدّث [50 b / 51 a]

روی بسنده عن فخر الغامدی قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ، اللّهمّ بارك لأُمّتی فی بکورها ؛ وقوله ، الغُدُوّ برکة ونجاح ؛ وفی روایة ابن عباس قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : اللّهمّ بارك لامتی فی بکورها واجعل ذلك فی یوم خمیسها ، وکان صلی الله علیه وسلم اذا بعث سریّة اوجیشا بعثهم فی اول النهار ، وفی روایة عنه صلی الله علیه وسلم ؛ باکِرُوا فی طلب الرزق فانّ الغدوّ برکة ونجاح ،

(۶۱۷) کمال الدین ابو الخیر یحیی بن علی بن هبة الله ابن یوسف الواسطیّ المحدّث

روی بسنده عن سعید بن المسیب انّ معاویةؓ دخل علی عائشةؓ فقالت له : اقتلت حجرا واصحابه یا معاویة ؟ ما امنك ان افعل لك رجلاً یفتك بك ، فقال معاویة ، انی فی

---

[1] هو المعروف بابن الجلخت تقدم ذکره [2] ابن مندة بیت معروف منهم ذکر ابراهیم بن سفیان ومحمد بن ابراهیم ومحمود بن ابراهیم من رجاله ،

بیت امن، سمعت نبیّ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول، الایمان قیّد الفتك، لا یفتك مؤمن، ثم قال، کیف انا فی حوائجك؟ قالت: صالح، قال، فدعینی وحجرا نلتقی غدا عند اللہ،

(۶۱۸) کمال الدین ابوزکریّا یحیی بن محمد بن دُلَف البغدادی المعدّل

انشد لابی الفتح علیّ بن محمّد البستی الکاتب:—

اذا خدم السلطانَ قومٌ لیُشرُفوا ... به ویناً لوا کلّ ما یتشوّفُ
خدمتُ الٰھی اعتصمتُ بحبلہٖ ... لیعصِمَنی فی کلّ ما اتخوّفُ
وخدمة من یؤتی السلاطین مُلکھم ... وینزعه عنهم اجلّ واشرفُ

(۶۱۹) کمال الدین ابویوسف یعقوب بن نصر بن یعقوب الغنوی الدارقزّی الادیبُ المقرِیُ

کان من القرّاء المجیدین، خرج عن بغداد، واقام بسنجار، وکان عالمًا ادیبًا، ومما ینتسب الیه، وانشدنیه محمّد ابن علی السنجاری سنة سبعین وستمائة:—

مالی اذا رمتُ الدخول الیکم ... اَلقَی الھوانَ بصولة الحجّابِ
واذا قصدتکم ولم اكُ طالبًا ... شیئًا رجعتُ بذلّة الطلّابِ
انا عبدُ نعمکم ولولا انّنی ... اشتاقکم ما جئتکم فی البابِ

ۓ المتوفی سنة ۴۳۰ھ، لمعرفة احواله تتمّة صوان الحکمة للبیھقیؒ ص ۳۲ بما بعدها والمصادر التی ذکرھا مرتّب التتمّة الاستاذ الفاضل محمد شفیع فی حواشی الکتاب،

(۶۲۰) **كمال الدين** ابو يوسف يعقوب بن هبة الله ابن عبد الله الاربلی ثم البغدادی الخطيب

من كلامه: الحمد لله علی سابغ نعمائه، وسائغ آلائه الاوّل بلا بداية، والآخر بلا نهاية، الذی ليس لمدته غاية، وفی كل شیئ له آية، وعلی كل شیئ دلالة، و هداية، الّذی جعل سقف السمآء، عالی البنآء، محكم التدبير فسيح النواحی والارجآء،

(۶۲۱) **كمال الدولة** ابو الحسن يُمن بن عبد الله المستظهری الامير

ذكره ابو الحسن ابن الهمذانی فی تاريخه وقال: وفی سنة ثلاث وتسعين واربعمائة تقدّم المستظهر الی كمال الدولة يُمن بتهذيب البلد فعبر فی عسكره[1] وطاف علی المفسدين وقتلهم[2]،

(۶۲۲) **كمال الدين** ابو محمد يوسف بن احمد بن السيبی القارض

قال ابن الساعی فی تاريخه: كان كمال الدين ابن السيبی شابًا سريًا لطيف الاخلاق ذا مروة تامة، وله قرب بسدة الامام المستعصم بالله بسبب تردده الی سطوح الحمّام ومعرفته بامور الطيور، وتوفی فی شهر رمضان سنة خمس

---

[1] كان ذلك علی ما قال ابن الاثير فی الكامل (۱۰: ۱۲۴) لزيادة امر العيارين بالجانب الغربی من بغداد، [2] قال ابن الاثير: فاخذ جماعة من اعيانهم وطلب الباقين فهربوا،

واربعين وستمائة ،

(۶۲۳) كمال الدين ابو المظفر يوسف بن اسعد ابن عبد اللطيف التكريتي الفقيه

كان فقيهاً عالماً انشد لابي الفتح البستي :-

سبحان من سخّر الاقوام بعضهم ... للبعض حتى استوى لتدبير ما طردا

فصار يخدم هذا ذاك من جهة ... وذاك من جهة هذا وان بعدا

كل بما عنده مستبشر [؟ فرح] ... يرى السعادة فيما نال اعتقدا

(۶۲۴) كمال الدين ابو نصر يوسف بن ابي القاسم ابن اسماعيل الاتقاني الفقيه

كان من العارفين باللغة والادب ، انشد في وصف الربيع :-

اربع بربع للربيع وكن به ... ضيفاً تكن ندماءك الانوار

من فاقع في ناصع في قانئ ... في ناضر صبّاغها الجبّار

(۶۲۵) كمال الدين ابو بكر يوسف بن ابي محمّد المبارك بن ابي السعادات المبارك بن عبيد الله بن هبة الله البغدادي البيّع المحتسب

قال ابن الدُبيثي في تاريخه ، شهد عند قاضي القضاة ابي الفضائل القاسم بن يحيى بن الشهرزوري في المحرم سنة سبع وتسعين وخمسمائة ، وتولّى ديوان التركات

---

۱ بياض في الاصل والتكميل عن القياس ، ۲ ل : اتقاني ولم نجد له وجهاً امّا الاتقاني فهو نسبة الى الاتقان قصبة من قصبات فاراب ، ۳ هو ابن اخي كمال الدين محمد بن عبد الله الشهرزوري الذي تقدم ذكره وكانت وفاته في رجب سنة ۵۹۹ عن ۶۵ سنة ، راجع الشذرات ج ۴ ص ۳۴۳ ،

وولی الحسبة والنظر فی الوقف العامّ فی شعبان سنة تسع و ستّمائة، وعزل فی المحرّم سنة ثلاث عشرة وستّمائة، سمع ابن البطّی[1] وطبقته سمعنا منه وتوفّی فی شهر ربیع الآخر سنة ثلاث عشرة وستّمائة،

(۶۲۶) کمال الدین ابو المظفّر یوسف بن محمّد بن جستان الشمکوذیّ[2] الصوفیّ

انشد :-

ومنتظر سؤالك فی العطایا — وافضل من عطایاه السؤال

اذا لم یأتك المعروف طوعًا — فدعه فالتنزّه عنه مال

(۶۲۷) کمال الدین ابو العزّ یوسف بن محمد بن المظفّر ابن نظام الملك الطوسیّ الکاتب

کان عارفًا بالخیل وشیاتها وخواصّها وله فیها رسالة ضمّنه اورد فیها باسناده عن النبیّ صلی الله علیه وسلم، اذا ارتبطت فرسًا فخذه ادهم محجّل الثلاث مطلق الیمین فانها امیا من الخیل، وکذلك الکمیت، وقال صلّی الله علیه وسلم: خیر الخیل الشقر:

(۶۲۸) کمال الدین یوسف بن محمّد بن عبد المؤمن القونویّ النقّاش

من الشهود الذین شهدوا فی السجلّ المکتوب بخط قاضی القضاة محمود بن ابی بکر بن احمد الارمویّ، لاجل لقبی

---

[1] هو محمد بن عبد الباقی بن سلمان المتوفی سنة ۵۶۴ھ [2] نسبة الی شمکور حصن من عمل اران،

شمس الدین محمد بن عثمان السَرُوِیّ سنة ستّین وستمائة ،

(۶۲۹) کمال الدین ابو المظفر یوسف بن شهاب الدین ابی سعد محمد بن یعقوب یعرف بابن ابی الدنیه الاُرْبَجی المحدّث

سمع فی صباہ جماعة من المشایخ وهو ابن شیخنا ابی سعد وله اجازات وقد سمع منه بعض اصحابنا ، ولم یتّفق لی السماع علیه ، ورأیت بخطّه : سبحان من لا یحدہ الاوهام والالسنة ، ولا تغیّرہ الشهور والسنة ، ولا تأخذہ نوم ولا سِنة ؛

(۶۳۰) کمال الدین ابو الفرج یوسف بن محمود ابن احمد المحاربی السَمَرقَندِیّ الادیب

کان من ادباء العصر ، ذکرہ لی شیخنا شمس الدین احمد بن محمد بن عُمرَ السمرقندیّ ، وقال : کان من نواحی جبال سمرقند وکان ادیبًا فاضلًا ؛

وانشد فی له :-

الا فاسکن خُجَندَةَ واحترز من سواها کی تفوز عن الاماکن

فهاهی معدن العرفاء طرًا فقلت نعم لقد کانت ولاکن

وقال هذا من قولهم : خُجَندَةُ مَعْدِن العارفین ؛

---

[1] هو مسند العراق محمد بن یعقوب بن ابی الفرج البغدادیّ المتوفی سنة ۶۸۰ م عن احدی وتسعین سنة ، تاریخ العراق ج ۱ ص ۳۰۳ بما بعدها ؛

(٦٣١) كمال الدين ابو الفتح يوسف بن يحيى ابن محمد الخوارزمي الفقيه

كان فقيهاً فاضلاً عالماً له معرفة بالادب واطلاع في الكتب. رأيت جزءاً من سماعه من الشيخ ابي نصر ابن الخزّاز وفي الجزء من سماعه: قال بعض السلف: انّما جعل الله تعالى النبيّ بالمؤمنين اولى من انفسهم لانّ النفس امّارة بالسوء والنبيّ صلى الله عليه وسلّم لا يأمر الّا بما فيه صلاح الدارين وان الله تعالى ادّب نبيه باحسن الادب، فقال عزّ من قائل: خُذِ العَفوَ وَأْمُرْ بِالعُرفِ وَأَعرِضْ عَنِ الجَاهِلِينَ،

(٦٣٢) كمال الدين يوسف بن يعقوب بن اسير بن موسى بن ابي القاسم الاربلي الشاعر

ذكره ابن الشعار في كتاب عقود الجمان وقال: رأيته باربل؛ قال، وذكر لي جماعة انّه ينتحل الاشعار ويمتدح بها الناس؛ قال، وانشدني لنفسه وكتب لي بخطّه:-

أأحبابنا الّا بلغت فيكم المنى نفوسٌ اذا لم تغن اعمارها وجدا
ولا رقأت عين من الدمع بعدكم اذا لم تخدّد في محاجرها خدّا

قال وتوفّي سنة اربعين وستمائة،

(٦٣٣) كمال الدين ابو بكر يونس بن احمد بن محمود الطبسي العراقي الكاتب

من كلامه يحذّر صديقاً له: انّ فلاناً وان ضحك اليك
فانّ قلبه يضحك منك وان اظهر لك الشفقة عليك
فانّ عقاربه تسري اليك فان لم تتخذه عدوّاً
في علانيتك فلا تجعله صديقاً في سريرتك؛ ومن
فصل له في المعنى: انّ فلاناً كثير المسئلة حسن البحث
لطيف الاستدراج يحفظ اوّل كلامك على آخره فباثّه
مباثّة الأمن وتحفّظ منه تحفّظ الخائف واعلم ان من
يقظة المرء ان يظهر الغفلة مع الحذر؛

الكاف والنّون وما يثلثهما

(٦٣٤) كُندُوج العلم ابو محمّد الحسن بن بندار الجُرجانيّ المحدّث

ذكره الحافظ جمال الدين ابو الفرج عبد الرحمن
ابن علي بن محمّد بن الجوزي في كتاب كشف النقاب
عن الاسماء والالقاب[1] ورواه لنا غير واحد عنه منهم
ولده الصاحب محي الدين ابو محمّد يوسف[2] بن ابي الفرج
وغيره، وقال: لقّبه ابو حاتم الرازي[3] كُندُوج العلم،

---

[1] توجد منه نسخة خطّيّة بليدن، ر. تاريخ الآداب العربية لبروكلمن ج ١ ص ٥٠٣ والذيل عليه ج ١ ص ٩١٦، [2] توفّي مقتولاً سنة ٦٥٦ه كما في الحوادث الجامعة [3] هو محمد بن ادريس بن المنذر بن داود الرازي الحنظلي المتوفّى سنة ٢٧٧ه، الشذرات ج ٢ ص ١٧١، ترجمة الوفيات لدي سلان ج ٢ ص ٣٦٩ بالهامش نقلاً عن النجوم الزاهرة

٦٣٥) كنز الدّولة ابو محمّد عمران بن الطّليق المصري ثم الأسواني الامير

تولّى اسوان ونواحيها وهي متاخمة بلاد السودان[1]

قرأت في كتاب جنان الجنان ورياض الاذهان الذي صنّفه الرشيد[2] بن الزبير الاسواني في ترجمة البديع طرّاد[3] بن علي الدمشقيّ وانشد له في ابن الطّليق المنعوت بكنز الدولة بأسوان وكان قد استهدى اجارية[4] فبعث اليه بعبد اسود فاعاده وكتب معه بهذه الابيات :-

قل للامير اذا دعيـ ـت ابا الطليق ابا الطّليق
يا زلّة الرجل الحليـ ـم ونبوة السيف العتيق
اشياء يحوجني اصـ ـرح بعد برّي بالعقوق
ماضرّكم ان تملكوا رقّي برأس من رقيق
انا راحل عنكم بلا مالٍ كسبت ولاصديق

فلمّا قرأها بعث له مملوكاً وجاريةً ومائة دينارٍ ،

---

[1] يحتمل ان يكون هو الذي ذكره ابن الصيرفيّ في الاشارة (ص ٢٥ و ١٣) وقال عنه : انّه ثار بأسوان سنة ٤٦٩ هـ وتغلّب عليهم وكانت وفاته سنة ٤٩٨ هـ ولكنّه قال ان اسمه محمّد ولم يذكر كنيته ولا اسم ابيه ، وهو غير كنز الدولة الذي حاربه صلاح الدين سنة ٥٧٠ هـ كما في الوفيات ج ٢ ص ٥١٠ ، [2] هو احمد بن علي بن ابراهيم بن علي بن الزبير ابو الحسن القرشيّ الاسواني المنعوت بالرشيد المتوفّى بالقاهرة سنة ٥٦١ هـ راجع الوفيات ج ١ ص ٦٣ بما بعدها والطالع السعيد للادفوي ص ٦٤ بما بعدها ، [3] توفّي سنة ٥٢٤ هـ ٧٠ ، فوات ١ : ١٩٦ ،

الكاف والواو

(٦٣٦) كوكب الصبح ابو البيان راجز بن عبد الله بن عبيد الله الكوفي، العريف

قرأت في الكتاب العباسي في اخبار المنصور واخبار قضاته وولاته قال: كان القاضي ابن شبرمة[1] يسمّي اصحاب المسائل الهداهد، قال فبعثهم مرة يسألون عن العرفاء بالكوفة في بعض امرهم فطرح من طرح منهم قال ويمرّ على رجل منهم عليه قلنسوة طويلة اسمه راجز، ولقبه كوكب الصبح، فقال مالي؟ فقال: لا ادري! قال: اسألك بالله الّا سألت عني، فقال: ابن شبرمة:-

سألنا فلم نجهل وعمّ سؤالنا ۔ وكم من عريف طحطحته الهداهد

الكاف والهاء

(٦٣٧) كهف الدين اسماعيل بن الحسن القصري [؟] الشيخ المحدث

كان من المحدثين عباد الله الصالحين جمع كتاب الاربعين

---

[1] هو عبد الله بن شبرمة بن الطفيل قاضي الكوفة (٩٢-١٤٤هـ)

رواه عنه حافده کهف الدین اسماعیل بن عثمان
ذکره شیخنا صدر الدین ابو المجامع ابراهیم بن
شیخ الاسلام سعد الدین محمّد بن المؤیّد الحمّویهی
فی کتاب الاربعینات من جمعه وقال اخبرنا عنه
الشیخ مجد الدین ابو یزید بن محمّد بن مسعود بن
ابی یزید بقراءتی علیه فی جمادی الآخرة سنة
اربع وتسعین وستّمائة بمزارعمّ جده الاعلی سلطان
العارفین ابی یزید طیفور بن عیسی بن سروشان البسطامی،

(۶۳۸) **کهف الدین** ابو ابراهیم اسماعیل بن
عثمان بن محمّد بن کهف الدین اسماعیل القعوی
المخزومیّ الواعظ، حافد المتقدّم

کان اماماً فاضلاً عالماً عاملاً حافظاً واعظاً، له
العبارات الرقیقة الرائقة والاشارات الرشیقة
الشائقة، ورد بغداد سنة خمس وسبعین وستّمائة
وعقد بها مجلس الوعظ بالمدرسة المستنصریّة، فلما
قدمت مدینة السلام باشارة الصاحب السعید
علاء الدین عطا ملك کتبت الیه رسالةً التمس منه
الاجازة وما ینضمّ الی ذلك من الفوائد والفرائد،
فکتب لی اجازة جامعةً ومعها کرّاسةٌ
بخطّه یحتوی علی النثر والنظم، ذکرته
فی المشیخة،

(٦٣٩) كهف الامة مجد الدولة ابو طالب رستم ابن فخر الدولة علی بن الحسن بن بويه الديلمی ملك الجبال

ذكره ابو الحسن بن الصابیٔ فی تاریخه وقال: وفی ذی القعدة سنة ثمان وثمانين وثلثمائة جلس القادر[1] بالله وكنّی ابا طالب رستم بن فخر الدولة و لقّبه مجد الدولة وكهف الامّة، وعهد له علی الریّ و اعمالها وعقد له لوآءً وحمل اليه الخلع والطوق والسوارين والحملان بالمركب المذهّب،

(٦٤٠) كهف الدين سليمان بن علیّ بن عبد الله ابن العبّاس الهاشمیّ الاديب

انشد فی وصف اللّيل والصّبح:-

ولمّا رأيت الصبح قد سلّ سيفهُ ... وولّی انهزامًا ليله وكواكبهُ

ولاحَ احمرارٌ قلت قد ذُبح الدُّجیٰ ... وهذا دم قد طرّز الافقَ ساكبهُ

(٦٤١) كهف الدين ابو عبد الملك محمّد بن ابی الحسن طغان بن بدار بن ابی الوفا الشامیّ الفقيه

كان من الائمّة العلماء والسادة الفقهاء، وله كتاب مصنّفٌ فی الفقه، وقال: اوّل من قال علی المنبر فی الصلاة علی النبیّ صلی الله عليه وسلم كان المهدیّ[2] بن منصور

---

[1] هو ابو العباس بن اسحق بن المقتدر خليفة بغداد (٣٨١-٤٢٢ ھ) [2] كذا ذكره السيوطی فی تاريخ الخلفاء (ص ٢٨ بما بعدها)

فقال : انّ الله تعـ امركم بامرٍ بدأ فيه بنفسه و ثنّى بملائكته فقال انّ الله وملائكته يصلّون على النبيّ يا ايها الذين آمنوا صلّوا عليه وسلّموا تسليماً ؛

(٦٤٢) كهف الاسلام والمسلمين يمين الدولة ابو القاسم محمود بن سُبُكْتِكِين الغزنوىّ السلطان

قد ذكرنا بعض احواله فى تراجمه ، وقال ابو الحسن بن الفقيه بن الهمذانى فى تاريخه : وفى سنة سبع عشرة واربعمائة عاد ابو العبّاس الرشيدىّ الى السلطان يمين الدولة[1] ابى القاسم محمود بن سبكتكين من دار الخلافة وزِيدَ فى القابه كهف الاسلام والمسلمين مضافاً الى يمين الدولة وامين الملّة نظام الدين وخطب له بذلك ،

الكاف والياء

(٦٤٣) الكيّس ابو حرب زيد بن عوف بن سعد السعدىّ

انشد لابى دُلامة[2] حين خرج مع رَوح بن المهلّب

---

[1] ا: يمين الدين والقياس ما اثبتناه كما يذكره فى ما بعدها [2] هو زند بن الجون المشهور اخباره ذكر نبذة منها صاحب الاغانى (ج ٩ ص ١٢٠–١٤٠) وهذه الاشعار ذكرها فى ص ١٢٥ ،

اورینٹل کالج میگزین

حصہ اوّل

ایڈیٹر

محمد شفیع

(پروفیسر پنجاب یونیورسٹی)

اورینٹل کالج میگزین

عرض واجب

اغراض ومقاصد | اس رسالے کے اجراء سے غرض یہ ہے کہ احیاء و ترویج علوم شرقیہ کی تحریک کو تا حدِ امکان تقویت دی جائے اور خصوصیت کے ساتھ ان طلبہ میں شوقِ تحقیق پیدا کیا جائے۔ جو سنسکرت، عربی، فارسی اور دیسی زبانوں کے مطالعہ میں مصروف ہیں ؛

کس قسم کے مضامین کا شایع کرنا مقصود ہے | کوشش کی جائے گی کہ اس سلسلہ میں ایسے مضامین شایع ہوں جو مضمون نگاروں کی ذاتی تلاش اور تحقیق کا نتیجہ ہوں غیر زبانوں سے مفید مضامین کا ترجمہ بھی قابل قبول ہوگا اور کم ضخامت کے بعض مفید رسالے بھی باقساط شایع کئے جائیں گے ؛

رسالے کے دو حصے | یہ رسالہ دو حصوں میں شایع ہوتا ہے حصہ اول عربی، فارسی، پنجابی (بحروف فارسی) حصہ دوم سنسکرت، ہندی، پنجابی (بحروف گورمکھی) ہر ایک حصہ الگ الگ بھی مل سکتا ہے ؛

وقت اشاعت و قیمت اشتراک | یہ رسالہ بالفعل سال میں چار بار یعنی نومبر، فروری، مئی، اگست[1] میں شایع ہوگا۔ سالانہ چندہ حصہ اُردو کے لئے ۲؏ اورینٹل کالج کے طلبہ سے چندہ داخلہ کے وقت وصول ہوگا۔ کسی سہ ماہی کے رسالہ کے نہ پہنچنے کی شکایت رسالہ شایع ہونے کی تاریخ سے ایک ماہ کے اندر دفتر میں پہنچ جانی چاہیئے ورنہ ایسی شکایت پر غور نہ ہو سکے گا۔ یہ ایک ماہ کی مدت فروری، مئی، ستمبر اور نومبر کے آخر سے شمار کرنی چاہیئے ؛

خط وکتابت و ترسیل زر | خرید رسالہ کے متعلق خط وکتابت اور ترسیل زر صاحب پرنسپل اورینٹل کالج کے نام ہونی چاہیئے۔ مضامین کے متعلق جملہ مراسلات ایڈیٹر کے نام بھیجنے چاہئیں ؛

محل فروخت | یہ رسالہ اورینٹل کالج کے دفتر سے خریدا جا سکتا ہے ؛

قلم تحریر | حصہ اُردو کی ادارت کے فرائض پرنسپل محمد شفیع ایم اے اورینٹل کالج سے متعلق ہیں اور یہ حصہ ڈاکٹر محمد اقبال ایم اے پی ایچ ڈی کی اعانت سے مرتب ہوتا ہے ؛

---

[1] چونکہ اگست ... [illegible]

فہرست مضامین

جلد ۱۷ عدد ۲	بابت فروری ۱۹۴۱ء	عدد مسلسل ۶۴

نوٹ:۔ ضمیمہ صرف عربک اینڈ پرشین سوسائٹی کے ممبروں اور خریداران ضمیمہ میں تقسیم ہوتا ہے

گیلانی الیکٹرک پریس لاہور میں باہتمام مہتہ الیشر داس پرنٹر طبع ہوا اور [illegible] صدیق احمد خاں نے اورنٹل کالج لاہور سے شائع کیا

دائرہ کے مہدویوں کا اُردو ادب کی تعمیر میں حصّہ

(سلسلہ کے لئے دیکھو یہی رسالہ بابت ماہ نومبر ۱۹۴۰ء)

تاریخِ غریبی

یہ ایک ضخیم مثنوی ہے۔ جو تقریباً سات سو صفحات اور دس ہزار ابیات کی حامل ہے۔ اس کو منظوم قصص الانبیا کہا جاسکتا ہے۔ مصنف کا نام معلوم نہیں ہوسکا۔ اسی قدر کہا جاسکتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو خوب میاں کا خانہ زاد بیان کرتا ہے یعنے میاں مصطفےٰ کے خاندان کا۔ خوب گجرات میں ایک عام نام ہے۔ یہاں اس سے مُراد میاں مصطفےٰ ہیں جن کا لطفی نام جو ان کی والدہ نے رکھا تھا۔ خوب[۱] میاں تھا۔

مصنف اپنی تاریخ کو ہندی زبان میں لکھنے کے لئے معذرت خواہ ہے۔ اور کہتا ہے کہ ہندی پر کب تک طعنہ زنی کی جائے گی۔ آخر سبھی اپنا مقصد ہندی میں ادا کرتے ہیں۔ بلکہ قرآن پاک کے معنی بھی تو ہندی میں سمجھائے جاتے ہیں۔ حضرت مہدی نے ہندی کا استعمال کیا ہے۔ اور

[۱] میاں عبداللہ مبارک بدن ایک غزل میں لکھتے ہیں ؎ ہر کرا ہمچون خوب میاں مرشدات - بےعدد بیشک بحرِ لُگاہ دین اور تشریح میں کہتے ہیں۔ "خوب میاں نام میاں مصطفےٰ اکہ والدہ معظمہ لطفی نہادہ بودند" (بحرالنکات قلمی مملوکہ سید خیرالدین صاحب وکیل ٹھکانجات جے پور)

میاں خوندمیر نے بھی۔ چنانچہ کئی دوہرے اور ساکھیاں ان سے منقول ہیں اور میاں مصطفےٰ کے استعمال میں بھی آئی ہے۔ اس استدلال سے ظاہر ہے۔ کہ اس عہد تک اہل دائرہ میں اردو کا استعمال اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔

ہندی پر نا مار و طعنا	سبھی بتاویں ہندی معنا
یہ جو ہے قرآن خدا کا	ہندی کریں بیان سدا کا
لوگوں کوں جب کھول بتاویں	ہندی میں کہکر سمجھاویں
ہندی مہدی نیں فرمائی	خوندمیر کے منہ پر آئی
کئی دوہرے ساکھی بات	بولے کھول مبارک ذات
میاں مصطفےٰ انیں بھی کہی	اور کسی کی پھر کیا رہی

یہ مثنوی جو کسی کہنہ مشق اور قابل مصنف کے قلم سے نکلی ہے اہل دائرہ کی تمام تالیفات میں چوٹی کی تصنیف مانی جا سکتی ہے۔ سنہ ۱۱۶۴ھ میں شروع ہو کر سنہ ۱۱۷۰ھ میں ختم ہوتی ہے۔ راجپوتانہ کی اردو کا صحیح نمایندہ اس کو قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس کی لسانی خصوصیات بے شمار ہیں۔ چونکہ اس کتاب پر میں نے اورینٹل کالج میگزین کے دو پرچوں میں (نومبر سنہ ۱۹۳۸ء و فروری سنہ ۱۹۳۹ء عدد مسلسل ۵۵ و ۵۶) ایک سیر حاصل مضمون حوالۂ قلم کیا ہے۔ اس لیے اس پر مزید خیال آرائی کی ضرورت نہیں۔

تاریخ غریبی معلوم ہوتا ہے۔ دائرہ کی حدود سے باہر بھی کافی مقبولیت حاصل کر چکی ہے۔ چند سال ہوئے دہلی سے ایک معلم اس کا ایک نسخہ فروخت کرنا چاہتے تھے۔ گذشتہ دسمبر میں دہلی کی نمایش میں جو انجمن ترقی اردو ہند دہلی کے زیر اہتمام ہوئی تھی۔ ایک صاحب جو پٹیالہ کے علاقہ کے متوطن تھے۔ اس کا نسخہ نمایش میں رکھنے کے لیے لائے تھے۔

رسالہ در حجت دلیل بے واسطہ

ناظم نے اس کا نام خلاصۂ عقیدۂ فرقہ (میاں مصطفٰی) دیا ہے۔ چنانچہ ؎

اگر نام این نسخہ پرسی تو جان ۔۔۔ خلاصہ یقیدہ ہے فرقہ میاں

اس کی ابتدا ہے :-

خدا راست حمد و ثنا و شکر ۔۔۔ کہ خالق خلق کا ہے جن و بشر

توانا و قادر عجز نا اسے ۔۔۔ کند آنچہ خواہد نپرسد کسی

صفت اوسکی کوئی نہ کرنی سکے ۔۔۔ اگرچہ عمر ساری کرکر تھکے

ملایک نبیوں نے عجز جب کیا ۔۔۔ تو عاصی بشر کوں سخن کیا رہا

تیں اپنی صفت آپ پر جو کری ۔۔۔ وہی حق ہے اور دگر ناصحی

کسی کی صفت میں تو آتا نہیں ۔۔۔ ہر یک کا صفت تجھکوں بھاتا نہیں

حمد و نعت کے بعد مصنف جس کے نام سے ہم ناواقف ہیں جناب مہدی کی ثنا گستری میں مصروف ہے :-

بھی مہدی اوپر بہت صلوٰۃ باد ۔۔۔ کہ ہست او خلیفہ خدا بر عباد

نبی نیں شرف اوسے ایتا دیا ۔۔۔ کہ دو نبیوں میں ذکر اسکا کیا

کہا میری رہ پر چلن ہار ہے ۔۔۔ نبی میری امتکا او رکھوار ہے

شریعت حقیقت کا مارے گا دم ۔۔۔ او میرے قدم پر رکھے گا قدم

اس کے بعد کہتا ہے۔ کہ ان دنوں ہمارے فرقہ میں یہ مسئلہ چھڑا ہوا ہے کہ میاں مصطفٰی کے متعلق کیا رائے قایم کی جاے۔ آیا ان کو اہل امر یا اولوالامر مانا جائے یا صرف مقلد؟ اس کا جواب ہے۔ کہ وہ نہ یہ تھے نہ وہ تھے۔ بلکہ ماں کے پیٹ سے سعید پیدا ہوے تھے۔ رسول اللہ کے زمانہ میں جو رتبہ حضرت

اویس قرنی کا تھا۔ یہی نسبت میاں مصطفےٰ کو حضرت مہدی سے تھی۔ خدا نے میاں کو بلا واسطہ ہادی و رہنما بنادیا۔ اس میں تعجب کی کونسی بات ہے۔ وہ خدا کے پیدائشی عاشق تھے۔ ان کا مقام تجلی ذاتی تھا۔ کسی کے سامنے زانوی شاگردی نہ نہیں کیا۔ فضلِ خداوندی سے علم لدنی حاصل تھا۔ باقی کتاب اسی قسم کے دلائل اور مشاہدات پر شامل ہے۔ کتاب کے پچیس صفحات ہیں۔ فی صفحہ پندرہ سطریں ابیات کی تعداد قریباً تین سو ستر ہے۔ تاریخ تالیف ۱۱۶۵ھ ہے۔ مصنف کا نام معلوم نہ ہوسکا۔ مرقوم ہے :-

اگر اسم کاتب تو پرسی ہمیں ۔۔۔ بیابی تو در چہل و پنج اندرین

اگر سن این نظم پرسی بسنج ۔۔۔ زہجرت ہزار و صد و شصت و پنج

نہم بود تاریخ ذی الحج ماہ ۔۔۔ کہ شد نظم تمت ز فضل الٰہ

ریختہ کی طرح اس رسالہ کی زبان فارسی ہندی آمیز ہے۔ کبھی نصف مصرع فارسی اور نصف ہندی۔ کبھی پورا مصرع فارسی اور دوسرا مصرع ہندی کبھی پورا شعر فارسی میں۔ کبھی متعدد اشعار ہندی میں اور پھر یکایک فارسی کا پیوند نظر آنے لگتا ہے۔ الغرض ساری مثنوی میں یہی گنگا جمنی صورت آنکھوں کے سامنے سے گذرتی ہے۔ میاں کے علم لدنی کے مالک ہونے کے ثبوت میں مصنف نے ان کی ایک کرامت نقل کی ہے۔ جب وہ چار سال کے تھے۔ ایک روز اپنے والد میاں عبدالرشید کی خدمت میں بیٹھے تھے۔ اتنے میں ایک عالم کچھ علمی اشکال مع کتاب لے کر آیا اور بولا کہ میری بعض مشکلات ہیں۔ مہربانی کرکے حل کر دیجیے۔ میاں عبدالرشید ابھی جواب دینے نہ پائے تھے۔ کہ زنانے سے ایک لونڈی آئی اور بولی کہ آپ کو اندر بلاتے ہیں۔ میاں نے اس عالم سے کہا۔ آپ ذرا صبر کریں۔ میں ابھی واپس آیا۔ وہ تو یہ کہہ کر اندر چلے گئے۔ مگر

میاں مصطفےٰ اس عالم سے پوچھنے لگے ۔ کہ آپ کی وہ مشکل کیا ہے ۔ میں بھی تو سنوں ۔ وہ عالم متعجب ہوتا ہے ۔ پہلے تو بتانے سے گریز کرتا ہے ۔ لیکن جب میاں مُصر ہوتے ہیں وہ عالم اس خیال سے کہ آخر پیرزادے ہیں معمولی بچے نہیں ۔ تین دفعہ انکار کر چکنے کے بعد زیادہ انکار مناسب نہیں جانتا ۔ کتاب کھول کر وہ مشکلات، ان کو بتلاتا ہے ۔ میاں مصطفےٰ وہ اشکال بسہولت تمام اس کے ذہن نشین کر دیتے ہیں ۔ وہ عالم ان کا تبحر دیکھ کر دنگ رہ جاتا ہے ۔ میں یہ حکایت یہاں نقل کرتا ہوں جس سے ہم کو اس کی زبان کا اندازہ ہو سکے گا ۔

لدنی علم کا ذکر جو کیا ۔۔۔ میاں مصطفےٰ کوں جو تھا از خدا
تو تائید ایس قول کی اے عزیز ۔۔۔ توں انصاف سوں سن اے صاحب تیز
میانکے ولینعمی عبدالرشید ۔۔۔ او حافظ اتھے اور علم میں مزید
جو اشکال غامض دقایق کُبل ۔۔۔ کوئی بے کے آتا تو کر دیتے حل
کتے ایک علما و لیکر کتاب ۔۔۔ میاں پاس آیا او طالب صواب
کہیا آمیانکو اے روشن ضمیر ۔۔۔ مرے پر ہے اشکال بزرگ عسیر
فضل کن وبکشائے اشکال ما ۔۔۔ کرم خویش فرمائے بر حال ما
میاں نیں کہیا اسکوں بیٹھو اتا ۔۔۔ کہ انشاء اللہ یابی مقصود را
درانثنای آن یک کنیزک دوان ۔۔۔ بنزد میاں آمدہ گفت آن
شتابی سوں یکبار گھر میں چلو ۔۔۔ کہ کاری ضروری ست آنرا شنلو
میاں نیں او سائل کوں بولے چنیں ۔۔۔ کہ اندک صبر کن درینجا نشین
اتا باز پھر کر سو آتا ہوں میں ۔۔۔ بھی اشکال تیرا بتاتا ہوں میں
میاں تو جداں زود گھر میں گئے ۔۔۔ میاں مصطفےٰ اوہاں بیٹھے رہے
میاں مصطفےٰ کی عمر آن زمان ۔۔۔ برس چار یا کم زیادہ ازان

نخواندہ یقین بسم اللہ آنجناب — ولی علم بود از حدیث و کتاب
اسٹھے بول علماو کوں آن زمان — کہ کیا پوچھتے تھے سو پوچھو ازان
اٹھا بول علماو یوں کر سخن — بروکو دکوں ہیچ بازی بکن
اتا تم ہو بالک تمہاری کیا شان — کہ اشکال کوں چاہیے علم گیان
میاں نیں اُسے دوسری بر کہا — کہ تجکوں دکھانے میں کیا لاگتا
اونیں دوسری بار پھیرا سخن — کہ کھیلوں نہ میں کودکوں کے کدھن
میاں نے سویم بار تکرار کر — کہا کیا زیاں ہے دکھانے بہتر
کیا فکر علماو نیں آن زمان — کہ شاید کہ حکمت بود اندران
سخن انکا پھیرا ہے میں تین بار — اسے فرزند ہیں بہت عالی تبار
کہ نہوا دکر انکو جانو نکو — خدا بہت داناچہ راز است درو
مبادا کہ باشی تو ہم برخطا — تو اشکال بکشا بدیشان نما
جب اشکال کاڈھا و کھولی کتاب — رکھی جا میانکے اسنگے جب شتاب
کہیا جب میانکو یہ اشکال ہے — نہ اس میں زرا ہیچ ادخال ہے
میاں نیں چنان کشف کرد آن زمان — کہ علماو کے ہوئی وہ خاطر نشان
بھی حیراں ہوا اور پڑا در فکر — کہ یا رب کہاں یو علم کیا عمر
دراثناء آن میاں عبدالرشید — اوس علماو کن زود تر میرسید
بفرمود اشکال دکھلا مجھے — کشف جو کروں اسکے معنی تجھے
اٹھا بول علما کہ اسے دیندار — نہ در من عقل ماند نے کچھ قرار
کہ خوندکار جب آپ گھر میں گئے — میاں مصطفیٰ یہانچہ بیٹھے رہے
انہوں نے کیا مجھسوں دو بر سوال — کہ کیا پوچھتا تھا سو پوچھو اتال
میں دو برانہوں سوں کری بے ادبی — کہ لڑکوں ہیں جاؤ کھیلو ابھی

سویم بار پوچھا بھی تکرار کر جداں ہیں کری اپنے دل میں نکر
کہ فرزند ہیں نسل مرد خدا ہراناانوں کا سخن نہیں بھلا
جداں میں او اشکال انکے حضور کیا کھول کر جب حوالا حضور
نشان خاطر من بکرد آنچنان کہ از من عقل ہوش رفت آنزمان
ڈبیا ہوں ہیں حیرت کے دریامیں آن کہ اس عمر میں یہ فضیلت کہاں
کہا جب میاں نیں عجب ہیں نہ آ کہ انکوں علم ہے محض از عطا
نہ مکتب میں بیٹھے نہ سیکھے حرف علم ہے لدنی یو از حق طرف
میاں نیں زباں سوں جداں یہ کہا او علما رضا لیکو گھر کوں گیا

یہ مثنوی نہ صرف فارسی اور ہندی زبانوں کی مجمع البحرین ہے بلکہ دکنی اور راجستانی کی بھی سنگھم ہے۔ اگرچہ بحیثیت مجموعی اردو کی تقسیم میں شامل ہے ذیل میں بعض دکنی الفاظ یہاں درج ہوتے ہیں جو اس مثنوی میں موجود ہیں۔
مثلاً اتھا۔ اہے۔اہیں۔ ملکو (مل کر)۔ نکو (کلمۂ نفی)۔ ہوکو (ہوکر) ع

غصہ ہوکو بولا یوں اکبر کلام

کدھن (پاس) ع کہ کھیلوں نہ میں کودکوں کے کدھن
نہواد (بچہ) ع کہ نہواد کہ انکوں جانو نکو
کبل (مشکل) س جو اشکال غامض دقایق کبل۔ کوئی لیکو آتا تو کر دیتے حل
اتال (اب) ع مجھے فکر دیگر نہ دستی اتال۔
ہمن (ہم) ع کہ جو کچھ تو کہتا سو کرتے ہمن
یہانچہ (یہاں ہی) ع میاں مصطفےٰ یہانچہ بیٹھے رہے
آتا (ابھی) ع آتا تم ہو بالک تمہاری کیا شان
ندھان (آخر) ع میاں کی زباں سوں سنا جب ندھان

راجستانی کا اثر

'ہی' مستقبل۔ 'ہ' اور 'س' آپس میں بدل جایا کرتے ہیں۔ 'ہی' کے مقابلے میں 'سی' بہت عام ہے لیکن راجستانی میں 'ہی' بھی بکثرت آرہا ہے۔ چنانچہ مثال:-

جو چاہے سو کرہی توکرتار ہے　　　کوئی کام تجھ پر نہ دشوار ہے

رکھوار (رکھوالا) ~ کیا میری رہ پر چلبہار ہے　　　بھی بیری امتکا او رکھوار ہے

تیں (تو) ~ کسی کوں دیا تیں لدنی علم　　　کسی کوں دیا کسبی از رہ کرم

جداں (جب) ع جداں ہیں کری اپنے دل میں فکر

پاوتے (پاتے) ع خضر پاوتے تھے زراہ اصل

کاڈھا (نکالا) ~ جب اشکال کاڈھا و کھولی کتاب　　　رکھی جا میانے کے انگے جب شتاب

لاگتا (لگتا) بر (بار) ~ میاں نیں اُسے دوسری بر کہا　　　کہ تجھکوں دکھلیں ہیں کیا لاگتا

پگ (پاؤں) ع پگوں میں ہیں بیڑیاں انوں کے کبل

آپنے (اپنے) ع کہ تم نیں کیا آپنیں دل بھی گیاں

یا (یہ) ع خدا کے امر سوں یا بولو ہو تم

چیلہا (پہیے کا نشان)۔ باہناں (ڈالنا) ~

کہ گردوں کے چیلہے کی خاک اپن زناں　　　لیاناں و آنکھوں منے باہناں

ماٹی (مٹی) ع جداں لیا سے چیلہے کی ماٹی اٹھا

انجنا (سرمہ لگانا) ~ میاں اپنی آنکھوں میں انجی اول　　　بھی انجی یوں ہی سب فقیروں نیں مل

کریں تھے (کرتے تھے) ~

میاں جب وقت پر دوگاناں نماز　　　کریں تھے سو او وقت آیا فراز

دھکیلنا (دھکیانا) ~

جو کوئی حق نمانے دھکیلے اوسے　　　محض سینہ زوری سوں ٹھیلے اوسے

اسی طرح راجستانی کے تتبع میں اُردو کی 'ڑے' کی جگہ 'ڈال' بہت استعمال ہوتی ہے۔ یعنے :-

چھڈانا (چھڑانا)۔ کاڈھنا (کاڑھنا)۔ پڈھنا (پڑھنا)۔ بڈا (بڑا)۔ چھوڈنا (چھوڑنا)

دکنی میں عربی فارسی الفاظ کے تلفظ میں بہ تقلید عوام و ضرورت شعری ترمیم کردی جاتی ہے۔ یہی دستور اس مثنوی میں پایا جاتا ہے۔ مصنف لفظ و معنی کا قتل عام کرتا ہوا جارہا ہے ؎

نیش خاری نیست کز خون شکاری سرخ نیست
آفتی بود آن شکارافگن کہ از صحرا گذشت

بعض مثالیں درج ہیں :-

یقیدا (عقیدہ)۔ علماو (علماء)۔ کلماں (کلمہ)۔ اَول (اوّل)۔ کی شکل میں ملتے ہیں اور فکر۔ ذکر۔ امر۔ اسم۔ اہل۔ فضل۔ کشف۔ وقت۔ خلق۔ شکر۔ اسم۔ حزم۔ عدل۔ کبر۔ علم اور عجز کو بتحریک دوم اور سبب ثقل بزرگان۔ سخن۔ محض وغیرہ کو بسکون دوم باندھا ہے ؛

وفات نامہ

تالیف ۱۱۷۵ھ ہجری

یہ اور شہادت نامہ جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ ایک ہی شخص کی تصنیف معلوم ہوتے ہیں۔ دونوں کے آخر میں چار چار اڑل[1] دیے ہیں جن میں صرف ایک ایک موقع پر لفظ "آدھین" جس کے معنی مطیع۔ تابع۔ مسکین و عاجز وغیرہ ہیں۔ استعمال

---

[1] اَڑل :- چار مصرعوں یا دو بیتوں پر شامل ایک نظم ہوتی ہے جو ہندی میں بھی ندرت کے ساتھ استعمال ہوتی ہے ہر بیت کے قافیے مثنوی کی طرح جدا جدا ہوتے ہیں۔ آخری مصرع میں "بہ ہاں ہانجی" ضرور آتا ہے۔ جو شاید بطور تکیہ کلام لایا گیا ہے۔

ہوا ہے اور غالباً بحیثیت تخلص استعمال ہوا ہے۔ اس خیال کی تائید اس امر سے ہوتی ہے کہ 'زینت المصلی' (جس کا تبصرہ آیندہ ہوگا) کا مصنف اپنے آپ کو 'آدھین مہدوی' کے نام سے یاد کرتا ہے۔ چنانچہ :۔

آدھین مہدوی ہے جسنے نظم کہی ہے

اب ظاہر ہے کہ 'آدھین' وفات نامہ اور شہادت نامہ میں بحیثیت تخلص آیا ہے ذیل کے ارل میں جو وفات نامہ سے نقل ہوتا ہے 'آدھین' موجود ہے :۔

ارل

کہے بات آدھین گیان کرمان جیو ۔۔۔ آج کال میں موت سو آئی جان جیو
بھی بچار من مانہہ سو تو با کیجیو ۔۔۔ پرہاں ہانجی رہی عمر سو نیکی میں چت دیجیو

وفات نامہ کی ابتدا :۔

حمد حی قایم کوں سا جے ۔۔۔ آدانت جو وہی برا جے
وہی سدا کا سانچا ساقی ۔۔۔ ہیں تمام فانی وا باقی
ساقی باقی مجلس فانی ۔۔۔ آدانت قدرت ربّانی
ابدا ابد سو ایکوں کارا ۔۔۔ الکھ نرنجن اپرم پارا
سبکوں وہی پلاوے پیالا ۔۔۔ جیوے سدا پلاون والا
اس پیالے سوں کوئی نہ بانچا ۔۔۔ مرد استری جوٹھا سانچا
نبی ولی اور مومن پیارے ۔۔۔ سووے رب ہے یہ پیکر سارے
اسکوں پیوے دنیا ساری ۔۔۔ اپنی اپنی آوے باری
کوئی پی گیا کوئی پیوے ۔۔۔ سدا نکوئی جگ میں جیوے
ایک روز وا ہول دھری ہے ۔۔۔ انت ایک دن موت کھڑی ہے
سبکوں وہی پلاوے پیالا ۔۔۔ اس پیالے کا اسے حوالا

اسکی قدرت سب میں جاری   دنیا سمجھے کون چکاری

چونکہ وفات نامۂ نبی لکھنا مقصود ہے۔ اس لئے مصنف نے ایسی تمہید جس سے دل کا کنول مرجھا جاتا ہے۔ شروع کی ہے۔ ایسے موضوع کے لئے اسی قسم کی تمہید نہایت مناسب ہے۔ اس نے اپنے مضمون میں ادبی شان پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اگرچہ زبان اس کے خیالات کا ساتھ نہیں دیتی وہ اپنے سرود فنا کو جاری رکھتے ہوئے کہتا ہے:۔

پلک ماںہہ جن خلق بنائی   جامیں اپنی جھلک دکھائی
ہو کسان جن باہی کھیتی   دھرن گگن میں اوگے اینی
پھیر کاٹ لے جب واچا ہے   کون کہہ سکے کیوں تو باہے
آپ کمہریا ماٹی سانے   بھانڈے کیسے سو بھید بانے
کوئی مٹکیا کوئی گگریا   بھانت بھانت وامیں رس بھریا
پھیر کرے ماٹی کی ماٹی   ایسی کون پڑھا جو پاٹی
مالی ہو کر باغ لگایا   جا کے کھلک تماشے آیا
برن برن اوگی بن باڑی   بھانت بھانت پھولی پھلواری
آپ بھنور ہو پھول کلی پر   بیٹھ باس لے رنگ رلی کر
پھیر پھول کوں پکڑ مروڑے   کون کہہ سکے کیوں تو توڑے
وا جو کہے سو حق کر جانو   وا جو کہے سو دل کر مانو
اکھت کتھا ہے بیم کہانی   کا ہونے یا مرم نہ جانی

دوہرہ:—

کرن ہار جو کچھ کرے دھرن گگن میں کاج
سزاوار واکوں سجے تین لوک میں راج

سورٹھ :- راجا کرے سونیاؤ پرجا کا اس میں بھلا
پاسا پڑے سو وا و ناتھ پر اے ہاتھ ہے

اس تالیف میں دکنی اثر بہت کم رہ گیا ہے اور راجستانی اثر بڑھ گیا ہے
'نکو' دکنی کلمۂ نفی اس شعر میں آرہا ہے ؎

مار پچاس ہمارے تن کوں نکو مار اس پاک بدن کوں

ایک خصوصیت یہ ہے کہ امر خاص خاص مصادر کے ساتھ مضارع کا افادہ دیتا ہے۔ مثلاً 'ہو جا' یعنے ہو جائے۔ مثال :-

بات کم کرو کھاؤ تھوڑا ہو جا نفس تمہارا گھوڑا
مثال دیگر :- لکھے آکر مل عالم سارا تین لوک ہو جا سب ہارا
" دیگر :- کسکوں دیکھ خوشی ہو جانگے کون بھانت اسے مرمر جانگے
" دیگر :- کھڑیاں وکھیتیاں راہ تمہاری وار پھیر ہو جاں بلہاری
" دیگر :- سنکر دیجا آنا کانے بات بنی کی ایک نمانے
" دیگر :- بہت بیجیا ہو جاں ناریاں تھوڑیاں حیا جو کرنے ہاریاں
" دیگر :- ہو جاں ایسیاں نپٹ اُمانیاں پھریں جہاں چاہیں بےطانیاں

'نے' کا استعمال

اگرچہ عام طور پر اردو کے مطابق ہے مگر بعض موقعوں پر بے قاعدہ بھی ہوا ہے۔

مثال :- جب بلال نیں دوڑا جاکر دیا کوڑڑا اسکوں لیاکر
" دیگر :- پھیر نبی صاحب نیں بولا سنو جو میری امت ٹولا
" دیگر :- عمر اور عثمان علی نیں بولے مل کر ولی بلی نیں
" دیگر :- جب رسول نیں شکر بچایا ہو نچنت ایسیں فرمایا

مثال دیگر:۔ کرو امامت میں نیں بولا کھڑے رہو پیچھے سب ٹولا
" دیگر:۔ پھیر نبی نیں سن یہ بولا سکھی رہو یہ امت ٹولا
حذف کی مثال:۔ پھیر گگن کوں سیس اٹھایا کہا الٰہی میں پہنچایا

بعض افعال جو اردو میں متعدی ہیں وفات نامے میں لازمی استعمال ہوئے ہیں مثال:۔

ناوا ایسی سکت دھراوے ہو کر کھڑا نماز کراوے ؛ یعنی سکت دھرے

مثال دیگر:۔ کہا عائشہ کے سر سیتی گئی ہوا میں چادر اڑتی
آسمان کی طرف چلائی میرے پھیر نظر ناں آئی
چلائی یعنی چلی

مثال دیگر:۔ کروں امامت وہاں چل آؤں میں نہ آپ میں سکت دھراؤں
یعنی سکت رکھوں

" دیگر:۔ بی بی نیں جب دیکھا سینا جسمیں پاوے غیر کہیں نا
بہت گرم بیتاب دکھایا بے قرار اندام جو پایا
دکھایا یعنے دکھا

'یجے' اور 'جیو' خطابیہ اردو میں صرف چند افعال کے ساتھ آتا ہے مگر وفات نامہ میں اس کا دائرۂ عمل وسیع ہے۔ وہ امریہ ہے اور استمرار کا کام بھی دیتا ہے۔ مثالیں:۔

حاضر ہے سو دل میں لیا جیو غیر حاضر و نکو پہنچا جیو
(دیگر) جو کھاؤ سو انہیں کھلا جیو جو پہنو سو انہیں پنہا جیو
(") بات دنیا کی وہاں نہ کیجے ادب خدا کے گھر کوں دیجے
(") اتفاق سوں سارے رہجیو کام نیک کر جیو اور کہہ جیو
(") خوف خدا کا دل میں دھر جیو اور کسیکا خوف نہ کر جیو

(دیگر) یہ سلام میرا پہنچا جیو   میں بولوں سو ادب بجا جیو
(") فحش جھوٹ غیبت بدگوئی   ایسی بات نکہ جیو کوئی
(") یارو منکا برا منا جے   دے زکات سکھ جا جے

یہ 'جے' راجستانی کے اثر میں معلوم ہوتا ہے۔ جے واحد کے واسطے اور جیو جمع کے واسطے ۔

راجستانی اثر

وفات نامہ پر راجستانی اثر بہت غالب ہے۔ جو نہ صرف الفاظ تک محدود ہے بلکہ ضمائر اسمائے اشارہ اور افعال تک حاوی ہے۔ ذیل میں بعض مثالیں درج ہیں :۔

ترتابی (بےتابی) :۔ لیاؤ کوڑا یار شتابی   ہیہ مانہہ لاگی ترتابی
بیاکل (بیکل) :۔ بیقرار بیاکل ہو پیارا   لا علاج یوں کیا اشارا
کھم (ستون) :۔ بڑا کھم گھر کا سو ٹوٹا   ٹھور ٹھور سوں مسند رپھوٹا
جا (جس)۔ للاٹ (پیشانی) :۔

سیس مبارک بہت دھکتا   جا للاٹ پہ نور چمکتا

گھالے (بنا پر۔ وجہ سے) :۔

تکوں پوچھیں انکے گھالے   ہو جو تم انکے رکھوالے
باجے (کہلائے) :۔ اگر قریشی سید باجے   کرتا بدی نہ ہرگز لاجے
کھوسا (چھینا) :۔ کھوسا آپنے کیا لیایا   پھیر سنگ کیا لیجایا

'لیجایا' یعنے لے گیا۔ اگرچہ مطابق قیاس ہے۔ مگر مستعمل نہیں ہوتا۔

تیں (نو) :۔ کرن ہار مینے پہنچایا   منجھے جو کچھ تیں نیں فرمایا
چھوراچھوری (بچہ بچی) :۔ ہاتھ تلے کے چھوراچھوری   ان پر کدی نہ کیجیو زوری

عیب (زبان) :- اس زبان سوں آچھا بولو غیر بات پر عیب نکھولو
کلیس (لڑائی جھگڑا) :- دور ہوئی سب بلا تمہاری کلہ کلیس مٹادی ساری
چھانا (مخفی۔چھپا) :- وہاں کچھ چھپار ہے نہ چھانا سبکوں انت خدا کن جانا
کسے (کسی کو) :- کدی کسی پر ظلم نہ کیجیو یعنی کسے نہ ایذا دیجیو

دھیر دلاسا (تسکین و تسلی) :-

سو تو میرا صاحب پیارا دھیر دلاسا دینے ہارا

رنجانا (رنج پہنچانا) :- مائی باپ کی بیفرمانی جن نیں فرات انکی رنجانی
اوپاڑنا (اکھیڑنا) :- یا ہی بسے محل اجاڑے یا ہی گھر نیویں اوپاڑے
نکالن لاگا (نکالنے لگا) :- جب جم جیو نکالن لاگا ٹوٹ گیا سب تن کا تاگا

یا ہی (یہی) ۔ واہی (وہی) :-

ملک الموت کہیں سو یا ہی دروازہ پر کھڑا واہی
اوچانا (اٹھانا) :- پھیر گگن کوں سیس اوچایا کہا الٰہی میں پونچا یا

اُردو کی 'ڑے' کی جگہ 'ڈال' زیادہ آتی ہے۔ مثلاً :- بڈا (بڑا)۔ پڈھنا (پڑھنا)۔ چھوڈ (چھوڑ)

نون اور ڑہ کا تبادلہ :- جانڑے (جانے)۔ سنڑو (سنو)

جمع

نمازاں۔ زکاتاں۔ نیازاں۔ فوجاں۔ باتاں۔ نکاتاں۔ صفاں۔ بھشتاں۔ حوراں۔ نوباتاں (نبات) ناریاں۔ تھوڑیاں۔ امتاں۔ درودال تحیاتاں

بعض مثالیں :-

یہ ایمان جانے کیاں باتاں جو کہ دین میں ہوں آفاتاں

(دیگر) :- اور امتاں ہیں جو ساریاں — سگل انبیا کیاں نر ناریاں
(دیگر) :- بہت بیچیا ہو جاں ناریاں — تھوڑیاں حیا جو کرنے ہاریاں
(دیگر) :- کن دیکھیاں آگے کیاں باتاں — کروں ذوق یہاں ہیں دن راتاں
(دیگر) :- گھر میں ہیں تمہارے ناریاں — ہویاں تمہارے سارے ساریاں
وے جو بچاریاں گھر میں ہتیاں — جو تم کہو سو کرتیاں کہتیاں

عربی فارسی الفاظ کی بگڑی شکلیں

ایشارا = اشارہ ۔ ترتابی = بیتابی ۔ بے مان = بے ایمان ۔ جانُو = زانو ۔ اعلا = اعلیٰ ۔ اندیشا (با نون غنہ) = اندیشہ ۔ درونا = درون

خاتمہ :-

یہ غریب عاجز کیا ہوگا — اس بچار کی باتوں جو گا
اس نبی کی رکھے یوں خاصی — کریں شفاعت ہوے خلاصی
میاں جی کا داس بچارا — اسنے لکھا یو قصہ سارا
عیسیٰ میاں سو مرشد میرا — منجھے آسرا ہے بہتیرا
اس وفات نامہ کی باتاں — سنے بیٹھ جو کوئی نکاتاں
وا ثواب ایسا بھر پاوے — جیسا مکہ مدینے جاوے
جا رسول کی کرے زیارت — یوں گناہ کی ہوے کفارت
اور مرتبے ملیں سو اعلا — ہوے خدا کن درجا بالا
نبی محمد کریں شفاعت — ہو قبول سب نیکی طاعت
نبی محمد پر صلواتاں — بیشمار دل سوں تحیاتاں
اور آل اصحاب پیارے — ان پر بھیجو مل کر سارے

دوہرا :- یک ہزار یک سو برس ستراو پر پانچ — یہ وفات نامہ لکھا روز جمعہ تھا سانچ

وفات نامہ کو آدھین مہدوی جس کے اصلی نام سے ہم ناواقف ہیں ۱۱۷۵ھ/۱۷۶۱ء میں ختم کرتا ہے۔ ایک امر حیران کن ہے کہ وہ عیسیٰ میاں متوفی ۱۱۵۱ھ کا مذکور کرتا ہے۔ ان کو اپنا مرشد مانتا ہے لیکن موجودہ پیشوا میاں نجم الدین ۱۱۶۷ھ و ۱۲۰۹ھ کا نام نہیں لیتا۔ اس کا سبب میاں عیسیٰ کے ساتھ اس کا ذاتی خلوص ہو سکتا ہے مگر میاں نجم الدین کے نام سے اعراض کی کوئی معقول وجہ ہمیں معلوم نہیں ؛

وفات نامہ میں تقریباً گیارہ سو شعر ہوں گے۔ تعداد صفحات پچھتر (۷۵) ۱۵ سطریں فی صفحہ ؛

شہادت نامۂ امام حسن و حسین

غالباً اسی مصنّف کا ہے جس کے قلم سے وفات نامہ مرقوم ہوا ہے ۔ دونوں کتابوں کی زبان اور طرز بیان ایک ہے۔ خاتمہ کے ایک ارل میں آدھین تخلص بھی موجود ہے۔ وہو ہذا :۔

ارل :۔ بات کہے آدھین سکل سن لیجیو گنہگار مت ہیں دعا کچھ دیجیو

اہل بیت کا داس جنوں کی آس ہے پرہاں ہانجی یاہی پونجی خاص ہمارے پاس ہے

طرز نگارش بھی وہی اور بندش کا اسلوب بھی قریب قریب وہی ہے۔ اس لئے یہاں بھی وہی امور پیش نظر رکھے جاتے ہیں جو پچھلی تالیف کے تبصرہ کے وقت تھے ؛

شہادت نامہ کی ابتدا ہے :۔

عقل چہ داند کہ کلام خدا چون نشد اول ز الف ابتدا

ب کہ کلید آمدہ بر گنج بسم ہر کہ کشادست در این طلسم

بول بچن بسم اللہ بانی رحیم رحمت رحمانی
حمد ثنا جو کچھے ساری ساجے اسے جو خالق باریؔ
سبکوں واروزی دینے ہارا سبکے کاج سدھارے پیارا
تین لوک کا کام چلاوے وہی دلاسا دھیر بندھاوے
مہربان ویسا ستاری سترما وہاں کون چکاری
مالک یوم الدین کہاوے سبکوں لیکھا لین بلاوے
ایک ایک سوں لیکھا لیگا جو کچھ بدلا ہو سو دیگا
کے بندگی کر توں میری کروں دستگیری میں تیری
چلہ پکڑ کر رستا سیدھا یعنے آچھے عقل عقیدا
جو ہے نبیوں ولیوں کا رستا کوس کوس پر گانو جو بستا
اودھر گیا وانیں سکھ پایا امرت بھوگ امر پھل کھایا

مصنّف اپنے مآخذ میں ذیل کے نام گناتا ہے :-

(۱) دُرّ مجالس (۲) تفسیر حسینی (۳) شرح مقاصد از سعدالدین تفتازانی ،

ضمیر و اسمائے اشارات۔ ظرف وصفت تشبیہی و مقداری و استفہام

یا (یہ)۔ وا (وہ)۔ کا (کیا)۔ جا (جس)۔ یاہی (یہی)۔ واہی (وہی)۔ اتنا۔ کتنا۔ اِتنی۔ سیتی۔ کاہو (کسی)۔ ایسیں۔ کیسیں۔ او (اُس)۔ تیں۔ یونکر۔ جیونکر۔ کے (کیا)۔ کے (یا)۔ ایتا۔ جیتا۔ جیتے (جتنے) ویتے (وتنے)۔ اس۔ اوس۔ وِس (اُس)۔ اے۔ وے۔ کہا (کیا) ،

متعدی و لازمی

امثال :- ایسا وقت انوں پر آیا ملک فلک سارا لرزایا
یعنے لرزا

(دیگر) :- تین لوک زاری میں آئے عرش کرس سارے لرزائے
یعنے لرزے

(دیگر) :- چھوڑو باٹ جو ہم چل جاویں کوفے میں جاکر ٹہراویں
یعنے ٹھہریں

(دیگر) :- اہل بیت میں اب چل جاؤ بی بیوں میں جاکر ٹھہراؤ
یعنے ٹھہرو

(دیگر) :- جیو جنت زاری میں آیا گگن دھرن سارا لرزایا
یعنے لرزا

(دیگر) :- جب وے چلے شہر میں آئے اہل بیت سب قید کرائے
یعنے قید کئے

(دیگر) :- بال بچے سب گلے لگائے سبکے سر پر ہاتھ پھرائے
یعنے پھیرے

(دیگر) :- نیں اسپر کیوں ہاتھ چلایا یہی بول کر اسے ڈٹایا
یعنے ڈانٹا

(دیگر) :- بڈا خاص گنبد بنوایا جا پر سارا جگت لبھایا
یعنے ریجھا

'جے' کا استعمال

مثال :- اپنے گھر تو اوسے بلا جے میں جو کہوں سو خاطر لیا جے

(دیگر) :- سر حسین کا لیکر آجے میرے کنے سو لیا پہنچا جے

(دیگر) :- کہو جو اسکوں کیا کیا کہہ جے لعنت دیسے بناں کیوں رہ جے

(دیگر) :- تو نہ آپ وہاں غافل رہجے جو میں کہوں سو کرجے کہہ جے

(دیگر) :- کاٹ سیس اسکا پہنچا جے　　میرے پاس وا بھیج دلا جے

قافیہ کی خاطر بے ضابطگی

بالفاظ دیگر پہلے مصرع کے قافیہ کی رعایت کے واسطے دوسرے مصرع کے قافیہ کو اگر مونث ہے مذکر۔ اگر واحد ہے جمع یا ان کے برعکس کردینا :-

مثال :- راہ ماںہہ ہرکارا آیا　　اسنے خبر ایسیں پہنچا یا

خبر مونث ہے۔ اسلیے اس کا فعل پہنچایا دوسرے مصرع میں مونث آنا چاہیئے تھا۔ یعنے 'پہنچائی'۔ لیکن پہلے مصرع میں فعل 'آیا' مذکر ہے۔ اس سے مطابقت دینے کے لئے۔ دوسرے مصرع میں فعل مونث کو مذکر بنا لیا گیا یعنے 'پہنچائی' کو 'پہنچایا' کرلیا۔ دوسری مثال :-

اسکا گھوڑا خالی آیا　　اہل بیت سارے چر لایا

اس شعر میں بقاعدۂ صرف 'چرلائے' آتا۔ مگر پہلے مصرع کے قافیہ کی خاطر فعل جمع غائب کو فعل واحد غائب میں تبدیل کر دیا۔

(دیگر) :- تم جو پانی بھرن ندیتے　　تیاسے مریں خلق یو کہتے

(دیگر) :- اُن دونوں کوں مار شتابی　　نہیں کروں ہیں تجھے خرابی

(دیگر) :- مرد ہویں سو کریں لڑائی　　نہیں عورتوں کوں فرمائی

تصریف میں بیقاعدگی

مثال :- تو ہے میرا ماکا جایا　　ایسا بڈا بچھوہا آیا

'میری ماکا' چاہیئے

(دیگر) :- اسے چھوڑ دے بیٹا میرا　　نہیں ندیکھوں منہ اب تیرا

'بیٹے میرے' چاہیئے

(دیگر) :- صالح نیں جب انکوں بولا　　تجھے جو وہی یزیدی ٹولا

(دیگر) :- بولی جان کلیجا میرے ٹوک ٹوک کن کیے سو تیرے
'کلیجے' چاہیئے

'نے' کا استعمال

مثال :- پھیر یزید نیں بولا یونکر کرو کام میں کہوں سو جیونکر
(دیگر) :- جب امام نیں بولا یونکر اوسے کہو میں بولوں جیوں کر
(دیگر) :- جب حسین نیں بولا یونکر جان بوجھ تم کرو سو کیونکر

امر و مضارع

مثال :- اور درد کیاں کہاں سو باتاں اگر لکھے دن ہو جاں راتاں
(دیگر) :- اور شیر خوار تھا تیجا اب سن انکی بات کہیجا
(دیگر) :- نہو جو ہو جاں اسکے چینتے ہرگز مت تم رہو نچینتے
(دیگر) :- آواں جو روحانیونکیاں فوجاں جیوں دریاو کیاں اٹھیں موجاں

راجستانی اثر

یاہی (یہی) - واہی (وہی) :-

آخر کری نصیحت یاہی جو میں بولوں کرو سو واہی

دھوں (طرح) :- ایسی دھوں تروار چلاؤں کافر ایک نہ ڈھونڈھا پاؤں

کے (یا) :- حکم کرو تو پانی لیاؤں کے جا لڑوں شہادت پاؤں

کن (کنے) :- تھا جو علی اکبر کا گھوڑا اہل بیت کن آیا دوڑا

تیاسے (پیاسے) :- تم جو پانی بھرن نہ دیتے تیاسے مریں خلق یوں کہتے

چرلانا (چلانا) :- بیٹے کا منہ چوماں جا کر اسی بھانت بولی چرلا کر

بلنبا (پہونچ) :- ایسا ہوا بچھوہا لنبا روز حشر لگ جائے بلنبا

بہارنا (جھاڑنا) :- وا کارن زمین بہاروں روئے روئے تن جان لبساروں

پازی (پاجی) :- درون جو ایسا موذی ماضی — ہو ملعون کینا پازی

بیاکل (بیکل) ات (بہت) اتنا - بڑا :-

وس نیں او سپر ڈنک جو مارا — ات ہی بیاکل ہوا بچارا

باہوں (بٹھاؤں) :-

جیوں اسے اذن ہیں لیاؤں — کر نکاح لے گھر میں باہوں

نگوڈی (نگوڑی) :-

جس نیں ایسی عورت چھوڈی — بے گناہ یوں کری نگوڈی

دھول ملانا (خاک میں ملانا) :-

میں تو انکوں دھول ملاؤں — اوسی روز راحت پاؤں

دوتی (کٹنی) :- اونے بات جب یو سن پائی — اوسی وقت دوتی بلوائی

سکھپائی (ہچکچائی - ڈری) :-

میں اپنے من ہیں سکھپائی — ہو دلگیر سو تجھ کن آئی

جیوڈِگانا (دل ڈولانا - دل ڈگمگانا - بے وفائی کرنا) :-

تو امام کوں اگر بلاوے — کوئی نہ تجھ سوں جیو ڈگاوے

گھابرا ہوا (گھبرایا) :-

جیو گھابرا ہوا سو بھاگا — اوسی وقت جیو نکلن لاگا

پلیکھا (اندوہ - قلق - رنج) :-

کہو اماں تم نیں کیا دیکھا — رو رو ایسا کیا پلیکھا

مثال دیگر :-

میں نے اپنی آنکھوں دیکھا — جس کا منجھ کوں بڑا پلیکھا

کھوسنا (چھیننا) :- ننگے پاؤں سر سب کھلے — کھوس لئے ان کے سب حلے

بھرمایاد للچایا)۔ عبداللہ من میں بھرمایا ہو فریفتہ دل میں بھایا

عربی فارسی الفاظ کی بگڑی شکلیں

خوشیالی (خوشحالی)۔ پاژی (پاجی)۔ جاد (زاد۔ توشہ)۔ ترتابی (بیتابی)

داغل (داغ۔ داغدار)۔ بشارا (بشارت)۔ کفرانا (کفر)۔ امامین (امام)۔ نبیول (نبی۔ بابایے مخلوط)۔ دریاو (دریا)۔ رانی (مونث ازرانده)۔ صحی (صحیح) ؎

جمع

یہاں میں صرف مثال کے چند ابیات پر قناعت کرتا ہوں :۔

(۱) اور دردو مانم کیاں باتاں سو کا ہوسوں کہیاں نجاتیاں

(۲) اور نبیوں کیاں بیبیاں پیاریاں ڈولی بیٹھیاں آیاں ساریاں

(۳) آیاں فرشتوں کیاں چل فوجاں جیوں دریاو کیاں اڈیں موجاں

(۴) جب وے بولیاں بی بیاں ساریاں ہمتو تیاسیاں مریں بچاریاں

ایک امر قابل گذارش ہے۔ کہ شہادت نامہ وفات نامہ از آدھین اور تاریخ غریبی اہل دائرہ کی دیگر تالیفات کو دیکھتے ہوئے جن کا تبصرہ آئندہ صفحات میں ہوگا ایک ہی سلسلے کی چیزیں معلوم ہوتی ہیں۔ ان میں آپس میں قریبی تعلق اور مناسبت ہے۔ اگرچہ یہ تو دعوے نہیں کیا جا سکتا کہ وہ ایک ہی مصنف کے قلم سے نکلی ہیں ؎

خاتمہ میں چار ارل مرقوم ہیں۔ ان میں سے نمبر تین اس تبصرہ کے آغاز میں نقل ہو چکا ہے۔ نمبر چار یہاں درج کیا جاتا ہے۔ تعجب ہے کہ اس موقعہ پر بھی آدھین صرف میاں عیسیٰ کے نام کو شہرت دے رہا ہے ؎

ارل

عیسیٰ میاں جو مرشد کامل ذات ہے مجھ اناتھ کی ناتھ اسکے ہاتھ ہے

وسے نکہ دالد ہرن چرن چت لائے　　پرہان ہانجی تین لوک میں جاپن سرب سکھ پائے

نمونۂ مثنوی

اور نقل ایک سن رے بھائی　　بحر سعادت میں بتلائی
تھا دمشق میں بھاری صوبا　　جس کا کہیں بڑا منصوبا
نپٹ فوج رکھتا تھا بھاری　　بھانت بھانت مدھ مانتی ساری
لیا فوج کا اتی موہلا　　دیکھ نین سوں ہانی چلا
عرض کری بخشی نیں یا ہی　　اے نواب کر شکر الٰہی
تیری اے دل بادل فوجاں　　جیوں دریا و کیاں اٹڈیں موجاں
تو کیوں دل میں کرے اوداسی　　ایسی تیری دولت خاصی
کہا منجھے ایک خطرا آیا　　میں افسوس یو کر پچھتایا
آپ امام حسین پیارا　　ایسا عاجز کر کر مارا
میں جو ہر ول میں اسکے ہوتا　　مار یزیدیونکی سدھ کھوتا
ان پر یوں تروار چلاتا　　ملعونوں کو پکڑ ڈوباتا
ایسی انکی کرتا خواری　　کاٹ کاڑھتا سب مرداری
یوں امام آگے میں لڑتا　　جاں نثار ہوکر میں مرتا
سو دریغ میرے من آوے　　نین نیر یوں بھر بھر لیاوے
اوسی رات وا سویا غازی　　کر کر وضو طہارت تازی
ایسا خواب اسی کوں آیا　　آنسرور نبی گلے لگایا
بہت پیار کر بولا یا ہی　　توں قبول بندہ درگاہی
تجھے خدا نیں بخشیا پیارے　　ہو تم خاصے دوست ہمارے
ہے میرا فرزند جو پیارا　　آپ امام حسین بچارا

اوسکا رحم جو تجھکوں آیا تجھے خدا کن ہیں بخشلیا
لڑکر جیوں تو ہوا سو غازی مارے ہیں وے کافر پازی
ایتا تجھے ثواب دیا ہے حق نیں تجھپر فضل کیا ہے
مسلمان پر فرض یہی ہے بات لکھی سو سانچہ صحی ہے
جن امام زادے مروائے اور جوکہ مارن کون آئے
اون پر لعنت سانچہ سکارے مسلمان سب بھیجیو سارے
اللہ نبی لعنت برساویں مسلمان کیوں ڈھیل لگاویں
جو یزید پازی کوں لیاویں اوس لعین کے ٹوک کراویں
وہی ٹوک سارے لیجا کر کاگ کتوں کوں ڈالیں لاکر

شہادت نامہ کے اشعار کی تعداد ساڑھے بارہ سو کے قریب ہوگی ۔ تعداد صفحات پچھتر فی صفحہ سترہ سطریں ۞

رسالہ راگ

تالیف سنہ ۱۱۸۱ھ / ۱۷۶۷ء

یہ رسالہ بھی آدھین مہدوی کی تالیف ہے ۔ اس میں ناظم نے سماع کے متعلق مختلف عالموں اور صوفیوں کی آراء جمع کردی ہیں ۔ لیکن وہ کہاں تک حقیقت پر مبنی ہیں ۔ میں نہیں جانتا ۔ رسالہ پر کسی نے بعد میں لکھا ہے ” این رسالہ تصنیف محمد جی صاحب “ لیکن متن میں محمد جی کا نام نہیں آتا بلکہ آدھین مہدوی کا ۔ اس لئے موخر الذکر کی تالیف ہونے میں ہمیں کوئی شبہ نہیں کرنا چاہیئے ۔

جس طرح تحفۃ النصائح کو مولنا یوسف نے ایک ہی وزن و قافیہ میں نظم کردیا ہے اسی طرح آدھین نے بھی اس رسالہ کو ایک ہی وزن و قافیہ میں

نظم کا جامہ پہنا دیا ہے۔ اشعار کی تعداد ایک سو چالیس کے قریب ہے - اور صفحوں کی تعداد دس ہے۔ فی صفحہ ۱۴ سطریں۔

اس کے تمہیدی ابیات ہیں :-

بولو جو حمد للہ جیوں حق بتاوتا — دیکھو جو سورہ فاتحہ سکوں وکھاوتا
صلواۃ بے حساب وتحیات بے عدد — بر مصطفےٰ کہ دین جگت میں جگاوتا
بر آل و برصحاب جو ارکان دین کے — جنکے سبب شریعت کا پنتھ پاوتا
اب راگ کا بیان سنو دل کے کان سے — عاجز بڑی کتابوں سے ہے جو سناوتا
یو راگ ہے مباح سو دیکھو قران میں — تفصیل ہے بیان سو آیت میں لیاوتا
سنتے ہیں راگ نیک طرف کوں لگاوتی — تعریف دوستوں کی پیارا بتاوتا
یا قول جو کہا سو عوارف میں لکھ دیا — کامل جو سہروردی ہے صاحب سناوتا

میں خاتمہ سے چند اشعار دیتا ہوں۔ جن میں مصنف کا تخلص بھی موجود ہے :-

بے انت راگ ساگر بالو کی کھان ہے — طاقت نہیں کسیکو جو سارا بتاوتا
افسوس ہے خبر کو کہاں لک کریں خبر — جو بانگر نگر کی ڈگر میں نہ آوتا
اپنا اگر سنانے کوئی پھر تو کیا کریں — اپنا کیا سو آپہی آگے سو پاوتا
آیت حدیث اجماع کھولا اَقل قیاس — اسے چار ہیں اصول شرع کے بتاوتا
جنکیاں کہیاں دلیلاں سب کھول کر تمام — اس بات سوں زیادا پھر کیا بتاوتا
کہیت ادھر اودھر کی لکھی سو نما نجیو — یا بات ہے اصل کہ جو عاجز لکھاوتا
اپتیاں لکھیاں کتاباں تیار سب دھریاں — دیکھے سو آسے دیکھو جو نا پتیاوتا
آدھین نیں لکھی ہے غزل ریختہ تمام — یا بے سجھ ضعیف جو طاقت نلیاوتا
اس کی مدد میں خوب میاں مصطفےٰ ولی — انکا طفیل ہے یو زباں میں سو پاوتا
یا راگ کا رسالہ اسکا جو نانو ہے — آسان کر دیا ہے ڈھونڈھے سو پاوتا

ابتابھی جو نمانے اسکوں خبر پڑے — جب موت کا پیالہ جم بھر پلاوتا
مرشد نیں دی بشارت مجکوں یو خواب میں — یا خوب ہے رسالہ جو تو بناوتا
احیا علوم کیاں سو دلیلاں جو خوب ہیں — ہیں معتبر رسالہ میں تو جو (ہے) پاوتا
یا خواب میں جو دیکھا عاجز غریب نیں — عربی کی جو عبارت اس میں لکھاوتا
جسکے جو کھول معنے یہاں مختصر بیان — عربی جو ہندویکوں یہاں لیا ملاوتا
اشجار ہاکوں دیکھو اثمار ہا لذیذ — اظہار (کذا) گلغدار سو کیا کیا دکھاوتا
اس میں جو دیکھ چوک صحی کر لکھے یو بات — بیشک اجر ثواب خدا کن سو پاوتا
ناظم غریب عاجز عاصی کرے یو آس — بخشے خدا افضل کریوں دلمیں لیاوتا
ہجرت کا سنہ ۱۱۸۱ الیکاسی یکصد ویکہزا — یا راگ کا رسالہ طیار پاوتا
صلوات بے نہایت تحیات بے شمار — خاتم نبی و لی پو جو قرآں بتاوتا

تمت تمام شد رسالہ راگ وقت دوپہری۔ دستخط عاصی حافظ محمد اسد اللہ ولد محمد عارف حافظ ابن محمد مجتبیٰ مہدوی۔ تحریر تاریخ ۱۲ ربیع الاول ۱۱۸۲ھ

اس رسالہ کی زبان کے متعلق مجھے زیادہ حاشیہ آرائی کی ضرورت نہیں۔ اسی قدر کہنا کافی ہوگا کہ وہ اسی طرز میں گامزن ہے جیسے پچھلی کتابیں۔ دکنی کا اثر برائے نام موجود ہے اور راجستانی شدت سے غالب آچکی ہے۔ مثلاً 'کو' بمعنی 'کر'، 'پو' بمعنی 'پر' اور 'کبل' (مشکل) وغیرہ جو دکنی کی یادگار ہیں ابھی تک موجود ہیں۔ نبھاوتا گاوتا۔ چھڈاوتا۔ اوڈاوتا۔ سہاوتا۔ سجائے نبھاتا۔ گاتا۔ چھڑاتا۔ اڑاتا۔ سہاتا۔ راجستانی کے اثرات میں ہے۔ ہندی حروف کا فرق 'ٹ' کو ث چار نقطے اوپر دے کر اور 'ڑ' 'ڈ' کو 'ڑ' 'ڈ' تین نقطے نیچے دے کر دکھایا ہے۔

نمونۂ زبان کے واسطے چند شعر یہاں درج کئے جاتے ہیں:۔
بھی تحفۃ النصائح دیکھو سو کیا کہے — دیکھو دیوان حافظ جو کیا دکھاوتا

یابین بانسری جو کہے روح کوں پیام — گندا یو خاکدان تجھے کیوں سہاوتا
تیرا قدیم وطن عرش ہے سو بھول کر — ایسے اوجاڑ میں بھی کوئی جیو لگاوتا
دنیا ہے جا کسی سو نپٹ نا کسی نا — یو خاک سے خراب تجھے کیوں سہاوتا
سنکر پیام روح نپٹ بیقرار ہو — جانے نکل چلوں سو بدن تلملاوتا
تحفہ میں ہو بہو یو لکھیا ہے سو کھول دیکھ — دیکھو دیوان حافظ میں کھول پاوتا
اس راگ کوں سوا دکھو زنگ رو پ پاس — کیا ہے کہانسوں آوتا کیوں جیو ہلاوتا
باچون کیا کریگا بیچون کا بیان — اپرم اپار ساگر پیندا نہ پاوتا
ہے بانسری تو ایک برن بانسری لیکہ — یا بانسری کوں دیکھ جو کیا کیا بجاوتا
کہتے ہیں چار تار تجھے بار بار یوں — اس تار کو بسار کہاں جیو لگاوتا
قانون جو سناوے بیچون کی ندا — دل ہیں دھمال دھوم کیا کیا مچاوتا
کہتا سرود سر ذکر دل کوں دسوں — ہے مرد سوں بعید کہ دل کوں ڈگاوتا
کہتا طبل کبل ہے نپٹ بنت پیم کا — سو لی کی سانھڑی پو سلونا بلاوتا
کہتا رباب باب کھایگا ہے جال کو ذوق — ہر دن ہمیشہ ہر دم سذکلی ہلاوتا
دف چنگ مدنگ جو رنگ کہے تجکوں بیدرنگ — یا چھوڑ نام و ننگ، جو تجکوں ڈوباوتا
ایسیں کتے طنبورا دے دے گئے گوشمال — پورا نہیں سو کام پیا کے نہ آوتا
بر دنگ کوں حرام شریعت نیں جو کہا — اسکا بیان خاص ولی یوں بتاوتا
لعنت کرے بجاوج شیطان کی آونز — بوجھیں منجیرے کس پر چوٹاں چلاوتا
کچینی کا بجاؤ بھر بھر بانٹے برابری — چاروں طرف کہے کہ جو حاضر سو پاوتا

زینت المصلی

جیسا کہ اس سے قبل اشارہ کیا جا چکا ہے۔ آدھین مہدوی کی تالیف ہے

یہ ایک مختصر سی نظم ہے جس میں نمازیوں کے واسطے وضو اور نماز کے متعلق ہدایات ہیں۔ نظم ہذا میں تین ہم قافیہ مصرعے اور ایک ترجیعی مصرع مل کر چار مصرعوں کا ایک بند بنتا ہے۔ تمام نظم میں ایسے سناسی اٹھاسی بند ہوں گے۔ اسکا وزن مفعول فاعلاتن بحر مضارع اخرب مربع ہے۔ ہر مصرع کے آخر میں سرخ سیاہی سے تین تین واو معکوس بطور علامت وقفہ دیے گئے ہیں۔ نظم کا آغاز :-

سن بات ایک بھائی ،، بولوں میں یاد آئی ،، تنبیہ میں بتائی ،، دل ٹھیک رکھ نمازی ،،
عربی میں معتبر ہے ،، امت میں مشتہر ہے ،، اس میں لکھی خبر ہے ،، دل ٹھیک رکھ نمازی ،،
کرتے جو دو رکعتاں ،، انکیاں سنو جو باتاں ،، کیا کیا بھرے نکاتاں ،، دل ٹھیک رکھ نمازی ،،
بارا ہزار مسلا ،، ان میں بھرے جو اصلا ،، مجمل سنو جو فصلا ،، دل ٹھیک رکھ نمازی ،،

یہاں ایک اقتباس جو وضو سے تعلق رکھتا ہے نقل کیا جاتا ہے :-

اب سن وضو کیاں باتاں ،، اس کیاں جو ہیں صفاتاں ،، کہنے میں جو کہ آتیاں ،، دل ٹھیک رکھ نمازی ،،
کیتا حسد برائی ،، دل میں ... کا ... ،، اس بات میں بھلائی ،، دل ٹھیک رکھ نمازی ،،
دل میں رکھے جو پاکی ،، ہرگز نہ ہو ... ،، بندا غریب خاکی ،، دل ٹھیک رکھ نمازی ،،
تن میں جو ہو خرابی ،، تو پاک کر شتابی ،، بے شک نجات پابی ،، دل ٹھیک رکھ نمازی ،،
پیچھے وضو کا پا نڑیں ،، لے کر وضو سو جا پڑیں ،، جیسے کہ تین چھا پڑیں ،، دل ٹھیک رکھ نمازی ،،
جاماں جو پاک پاوے ،، جیسیں شرع بتاوے ،، خاصا حلال لیاوے ،، دل ٹھیک رکھ نمازی ،،
دامن زمیں بہارے ،، اسکوں شرع بدارے ،، آگے خدا لے مارے ،، دل ٹھیک رکھ نمازی ،،
جاماں بچھوڑ لنبا ،، دھرتی کوں جا بلنبا ،، ہرگز نہ پہن تنبا ،، دل ٹھیک رکھ نمازی ،،
پگھڑی نہ باندھ گھیرا ،، دل پر جو [ہو] اندھیرا ،، جس میں زیان تیرا ،، دل ٹھیک رکھ نمازی ،،
یا طور پا زیاناں ،، اشرت نیں نماناں ،، تیرا بڑا ٹھکاناں ،، دل ٹھیک رکھ نمازی ،،
پھنو نہ لال پیلا ،، کیسر کسونبھ نیلا ،، ریشم کوں ڈال ڈھیلا ،، دل ٹھیک رکھ نمازی ،،

پہنو جو پاے جاماں ،، ٹخنا کھولے تماماں ،، یا ہے شرع کا ساماں ،، دل ٹھیک رکھ نمازی ،،
ململ جو پہن خاصا ،، نیت رکھو خلاصا ،، عنتر پھولیل باسا ،، دل ٹھیک رکھ نمازی ،،
کپڑ جو ہو رزالا ،، پھاٹا جو میل والا ،، دلپر نہو اوجالا ،، دل ٹھیک رکھ نمازی ،،
اسکوں نہ پہن بھائی ،، ہے نیستی ریائی ،، ساچی حدیث پائی ،، دل ٹھیک رکھ نمازی ،،
ساماں پاک ساجے ،، مسجد منے سو جاجے ،، حق کے حضور آجے ،، دل ٹھیک رکھ نمازی ،،

ابیات خاتمہ :-

ایسیں نماز کرہے ،، آخر خدا سوں ڈرہے ،، دل میں جو آس دھرہے ،، دل ٹھیک رکھ نمازی ،،
خالص خدا کوں راضی ،، دلسوں کرو نمازی ،، جیوں ہووے سرفرازی ،، دل ٹھیک رکھ نمازی ،،
آدھین بہدوی ہے ،، جس نیں نظم کہی ہے ،، سب ان لیو صحی ہے ،، دل ٹھیک رکھ نمازی ،،
یا زینت المصلی ،، جس میں ہے بات بھلی ،، حق کی طرف کی کلی ،، دل ٹھیک رکھ نمازی ،،
صلوات ہے نبی پر ،، آل و اول سبھی پر ،، اصحاب مقتدی پر ،، دل ٹھیک رکھ نمازی ،،
اسکوں جو یاد کیجے ،، دل سوں دعا دیجے ،، ہنتی یوں مان لیجے ،، دل ٹھیک رکھ نمازی ،،

گناہ کبیرہ

از محمد جی میاں

ابتدا :-

اول صفت اللہ کی کر تو بھیج دُرود سلاماں   خاص نبی اور آل پر اور اصحاب کراماں
جو کوئی پوچھے گناہ کبیرے کیتے ہیں تبلاؤ   اسکوں پاس بٹھا کر تم یہ سب مسلے کھول سناؤ
ہیں پینتیس کبیرے سارے نکتہ یہ سن لیجے   آٹھوں پہر خدا سوں ڈر ہے ایسا کام نکیجے

رسالے کے اشعار کی تعداد پچاسی نوے کے قریب ہوگی - اشعار کا
وزن وہی ہے جو کثرت سے پنجاب میں رائج ہے اور جو فقہی کتابوں کے لیے

بڑی حد تک مخصوص ہے۔ باراں انواع جس کے مصنف مولوی عبداللہ لاہوری
جہانگیر و شاہجہان کے عہد کے بزرگ ہیں۔ اسی وزن میں ہے۔

محمد جی میاں کے حالات سے ہم واقف نہیں۔ ان کا ایک خط اہل دائرہ
میں بہت مشہور ہے۔ جو غالباً ۱۱۹۰ھ میں مدینہ سے جب ان کی عمر اسی سال کی
تھی بھیجا تھا۔ جس کا عنوان ہے :۔ "اظہار دعوت مہدی موعود علیہ السلام در مدینہ
منورہ محمد جی میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ اظہار کردہ بودند" اور ان فقروں سے
شروع ہوتا ہے :۔

"حقیقت حرمین شریفین بطریق مختصر آنکہ چون این ضعیف و میاں امیر الدین
رحمۃ اللہ علیہ و بایزید فقیر و بختیار ابھائی از برہانپور بطرف سورت روانہ شدند۔
درمیان راہ بزیارت بندگی میان شاہ دلاور رضی اللہ عنہ مشرف شدیم"

اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۱۹۰ھ میں محمد جی میاں نے حرم روضۂ رسولؐ میں
ایک روز مہدی موعود کے نام کی منادی کی تھی۔ جس کو ہزاروں زائروں نے سنا
ان میں مکی۔ مدنی۔ شامی۔ بغدادی۔ مغربی۔ ہندی و سندھی شامل تھے۔

'گناہ کبیرہ' محمد جی نے ۱۱۹۰ھ سے بہت سال قبل تصنیف کیا ہوگا۔ کیونکہ
اردو زبان میں فارسی اوزان اور بحور کے رواج سے پیشتر ہندی اوزان میں
لکھنے کا دستور تھا اور محمد جی میاں جو متعدد کتابوں کے مصنف ہیں ۱۱۸۰ھ کے
قریب فارسی اوزان میں نظمیں لکھ رہے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ ان کے
ہندی اوزان کی نظمیں اس عہد سے پہلے کی تالیف ہوں گی۔ یہاں چند ابیات
بطور نمونہ درج کئے جاتے ہیں :۔

گانجھا اور تما کو تاڑی سیندھی بوزا سارے   اصل حرام جو پیویں کھاویں بڑے خدا کے مارے
لائق ہیں تعزیر کرن کے انکی ساکھ رزالی   حکم شرع میں بات شاہدی انکی ساری ڈالی

سونگھ تماکو پانوں میں کھان بولیں اسکوں بونٹی　　یہہ مردار نجاست بھونڈی بدعملوں کی گھونٹی
گنجیفہ شطرنج پچیسی چوپڑ جوا جو کھیلیں　　لاکھ لعنتاں انپر برسیں پاپ سمندر ریلیں
تنبا پہن منڈاویں ڈاڑھی سنا پہن دکھاویں　　پشتیاں رکھیں بڈھاویں موچھاں مسلمان کہلاویں
زرا ریشمی کپڑا پہنیں جامہ زمین بُہاریں　　مغروری کی چال چلیں تن ایسی بھانت سنواریں
مجلس بیٹھ نچاویں کنجنیاں رکھیں ویکے دے پیسے　　انکے اوپر لعنت برسے ہیں گیدی وے ایسے
اہل علم کی مجلس سیتی بیگے بھاگ جو جاویں　　وہ خرچی دوزخ کی باندھیں دوزخ ٹھار بساویں
عیب چھپائیں مول چڑھائیں بیچیں جنس ادھاری　　ان پر لعنت کریں فرشتے پاپ کمایا بھاری
سارے تن کے بال منڈاویں چوٹی پٹے کھاویں　　کیہہ رکھیں کلپ کر ڈاڑھی اجلے بال چگاویں
ہولی کھیل دیوالی دیکھیں دسراہی میں جاتے　　آتش بازی رے شبرات گگن کی طرف چلاتے
ڈولے کاڈھیں آگ جلاویں اور فقیری لیتے　　اہل بیت کے دوست کہاویں انکو ایذا دیتے
پڈھیں نمازاں نپٹ گھابرے سجدہ رکوع ملا کر　　سب ارکان بجاویں ناوہ ہریک ٹھور جدا کر
لعل کسونبا پگڑی باندھ نماز اسی سوں کرتے　　حیلہ کریں لپیٹیں کپڑا رخصت دل میں دھرتے
بیاز نکال تجارت کرتے سو بنیا دپلیتے　　کدی برکت ہونا ان میں جنم جنم کوں ریتے
بار گیری اور نفری کیجے گھوڑا ایک لکھا جے　　گھاس کھود کر لکڑیاں لیاجے سودی مال نکھاجے
لکڑی گھاس جو مول کریں پھر دابیں مرکی کوڈی　　اسکی لذت چاکھینگے جب پہنچے قبر نگوڈی

خاتمہ:۔

مسلہ کوئی اٹھا کر دلسوں بناں دلیل کہیگا　　وہ پھر بھار اسی کی گردن ابدا ابد رہیگا
قول امر معروف خدا کا بولا ہے سن لیجیو　　جگ میں جینا تھوڑا یارو عمل اسی پر کیجیو

اس رسالے کے آخر میں اگرچہ کوئی تاریخ کتابت موجود نہیں۔ مگر اس کے ساتھ کے باقی رسالوں پر ۲۷-۱۲۳۶ھ / ۲۱-۱۸۲۰ء درج ہے اور کاتب کا نام فقیر اللہ بن عبدالرحمٰن میاں بھدوی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ رسالہ ہٰذا اسی کاتب نے انہی

تاریخوں میں نقل کیا ہوگا ؛

عقائد گروہ مہدویان

من تصنیف محمد جی میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ

یہ رسالہ بھی اسی قدیم پنجابی وزن میں ہے۔ جو گذشتہ رسالہ کا ہے۔ اشعار کی تعداد بانوے ۹۲ اور موضوع جیسا کہ رسالہ کے نام سے ظاہر ہے مہدویوں کے اعمال و عقائد ہیں ؛

ابتدا :-

اول کیجے صفت اللہ کی جیسے ایک کر جانا دوجے کہو درود نبی پر جو بر حق کر مانا

رسالۂ ہذا پر سرسری نظر ڈالنے سے یہ امر روشن ہوتا ہے کہ مہدویوں اور سنیوں کے اعمال و عقائد میں کوئی فرق نہیں سوائے اس کے کہ انہوں نے سُنی معتقدات کے ساتھ حضرت سید محمد جونپوری کی ذات کے لئے مہدی موعود ہونے کا عقیدہ ضم کر لیا ہے۔ اور ان تمام مذہبی تعدیوں کے باوجود جن کا دسویں صدی ہجری میں یہ گروہ ہدف رہا ہے۔ اس کا اہل سنت سے بچھڑ کر عقائد میں انحراف جس کا بصورت حالات بہت قوی امکان تھا واقع نہیں ہوا ؛

اشعار از خاتمہ :-

اگر تفاوت کہوں تو آگے اس کا بدلا پاؤں سانچی کہوں تو سداں سرخ روئے شرب سکھی ہو جاؤں
سانچ بات جو کوئی سمانے آدانت چھپاوے آنکھاں موندے خبر پڑیگی یوں غریب بتلاوے
جنکا لکھا رویا سارا جو مہدی کا ٹولا لکھا ہندوی میں کر ساکھی محمد جی نیں بولا
گنہگار یہ عاجز بندا کرسے بنتی زاری خطا چوک اس میں جو پاوے کردے پوری ساری
سب گروہ کا خاک پاہے دعا خیر تم کیجیو خوب نعمتاں صاحب آگے بدلا بھر بھر لیجیو

ان لوگوں کی کرو پیروی جنکی لکھی نشانی کہو در رود نبی مہدی پر پوری ہوئی کہانی

تمام شد بدستخط فقیر اللہ بن عبدالرحمٰن میاں مہدوی غفر اللہ لہ ولوالدیہ۔

سید خیر الدین صاحب وکیل ٹھکانجات جے پور کے مجموعۂ کتب میں اس رسالہ کے دو نسخے ہیں۔ پہلا وہی جس کا فقیر اللہ کاتب ہے۔ دوسرا نسخہ محمد کمال الدین ولد محمد اسد اللہ ولد محمد عارف حافظ مہدوی کے ہاتھ کا جو ۱۱۸۳ھ میں نقل ہوا۔

ذیل میں بعض پرانے الفاظ درج کئے جاتے ہیں:۔

لاگے (لگے)۔ ناری (عورت)۔ دارو (شراب)۔ بیاز (بیاج)۔ منتی (منت) آندھا (اندھا)۔ بھانے (توڑے)۔ کوڑا گیانی (کودن۔ نادان یعنی بےحس) ناری تیاگے (عورت چھوڑ دے)۔ بے نستارے (بے بخشے)۔ موندھا کر (پابند کرکے)۔ گانجھا (گانجا)۔ گھونٹی (گھٹی)۔ بونٹی (بوٹی)۔ موچھاں (موچھیں) ٹھار (ٹھور)۔ ادھاری (اُدھار)۔ دسراہی (دسہرا)۔ گگن (آسمان)۔ کاڈھیں (نکالیں)۔ گھابرے (گھبراے)۔ بجاویں (بجالائیں)۔ اپاڑ (جڑ سے کھودنا) کھوسیں (چھینیں)۔ بوجھن لاگے (پوچھنے لگے)۔ اٹھاون ہارے (اٹھانے والے)۔ چھوڑاون (چھڑانا)۔ کال (کل)۔ بیگے (جلدی)۔ کریاں (کریم)۔ سانچہ (سچ)۔ ارادہ (محبت وخلوص)۔ ٹھاڈے (کھڑا)۔ جانڑ (جان)۔ سندیسا (پیغام)۔ دھرن (زمین)۔ جیتیاں (جنتی)۔ اتریاں (اتریں)۔ آدانت (اول آخر)۔ بخشاون ہارے (بخشانے والے)۔ تیرے (قریب)۔ باٹ (راستہ)۔ دوہیلی (مشکل کٹھن)۔ اوبارے (نجات دے)۔ نستارے (رہائی دے)۔ ایسیں (ایسے)۔ چکاری (بیکار۔ ناکارہ)۔ سودھی (سیدھی) آپا مارنا (نفس کشی)۔ باہنا (بونا)۔ آچھے (اچھے)۔ پاچھے (پیچھے) آنکھاں موچے (آنکھیں میچے)۔ کیہرا (کیسری۔ زعفرانی)۔

رسالہ سے ایک ورق چھوڑ کر جس میں مہدوی بزرگوں کی تاریخہائے وفات درج ہیں۔ایک قصیدہ آتا ہے جو باردیف و بے قافیہ ہے۔ جعفر زٹلی اور دوسروں کے ہاں بھی ایسی نظمیں ملتی ہیں۔ مہدویوں کو اپنے مذہب سے قریبی لگاؤ ہے۔ اور وہ دینی احکام پر نہایت سختی کے ساتھ عامل ہیں۔ہمیں جس قدر ان کا لٹریچر ملا ہے تقریباً سب کا سب مذہبی ہے یا اخلاقی جو پند و تلقین سے آراستہ ہے۔ یہ قصیدہ بھی ایک نصیحت نامہ ہے جس کا انداز بے لاگ اور لہجہ کسی قدر تلخ اور محکمانہ ہے۔ وہو ہذا :-

حق حاضر ہے حق ناظر ہے ہشیار کہ آخر بوجھیگا
وہ اوّل ہے وہ آخر ہے ہوشیار کہ آخر بوجھیگا

وا حق باطل سب جانے ہے ترے دل کی بات پچھانے ہے
تو کرتا ہے سو جانے ہے ہوشیار کہ آخر بوجھیگا

تو کھوٹا دمڑا دیتا ہے پھر لیتے آچھا لیتا ہے
اب کہو جیونا کیتا ہے ہوشیار کہ آخر بوجھیگا

سوڈے میں عیب چھپاتا ہے تو دھوکا دے سمجھاتا ہے
یوں اپنا کام چلاتا ہے ہوشیار کہ آخر بوجھیگا

تو نیکی سانگ دکھاتا ہے جیوں آچھا ہو کہلاتا ہے
باطن میں بورا دکھاتا ہے ہوشیار کہ آخر بوجھیگا

تیرے سوں جو کوئی پیار کرے تو اسکے ٹکڑے چار کرے
انصاف نہ دلمیں یار کرے ہوشیار کہ آخر بوجھیگا

مونہہ میٹھا دلمیں کھٹا ہے پھر ظلم بیا زا ورٹا ہے
تو ایسا کافر کٹا ہے ہوشیار کہ آخر بوجھیگا

تو باہر بڑا نمازی ہے دل اندر گیدی پازی ہے
حق کیونکر تجھ سوں راضی ہے ہوشیار کہ آخر بوجھیگا

تو فرض وقت کوں کھوتا ہے کیوں غافل ہو کر سوتا ہے
دوزخ کے لایق ہوتا ہے ہوشیار کہ آخر بوجھیگا

تیرے سر قرض جو آتا ہے تو اسکوں بہت کڑھاتا ہے
اور اپنا کام چلاتا ہے ہوشیار کہ آخر بوجھیگا

جسکے سر زا آتا ہے تو اسکوں پکڑ بہٹھاتا ہے
دونا ڈیوڑھا لکھواتا ہے ہوشیار کہ آخر بوجھیگا

تو چار عرض بازار کرے جو اسکے آڑھ ادھار کرے
پھر بار اسے کر خوار کرے ہوشیار کہ آخر بوجھیگا

تو دا بے حق برانے کوں تو روا رکھے ظلمانے کوں
کر یاد خدا اگن جانے کوں ہوشیار کہ آخر بوجھیگا

تو تریا پر قربان ہوا ماں باپ سوں بے فرمان ہوا
تو جان بوجھ انجان ہوا ہوشیار کہ آخر بوجھیگا

تو چغلی چاڑی کھاتا ہے ہر یک کوں جا سکھلاتا ہے
تو آپس بیچ لڑاتا ہے ہوشیار کہ آخر بوجھیگا

جھوٹھی سوگند جو کھاویگا دوزخ میں چل کر جاویگا
جب اس کا بدلا پاویگا ہوشیار کہ آخر بوجھیگا

سکھ دیکھ برا جلتا ہے دل اندر حسد ابلتا ہے
تو تیری اگن میں جلتا ہے ہوشیار کہ آخر بوجھیگا

قصیدہ میں اگرچہ کسی ناظم کا نام موجود نہیں مگر ہم کو کوئی تعجب نہیں ہوگا اگر وہ بالآخر محمد جی میاں کا ثابت ہو۔

حافظ محمود شیرانی

اُردوئے قدیم کے متعلّق چند تصریحات

اردوئے قدیم کے متعلق اب تک جو اہم تصنیفات شایع ہوئی ہیں - اُن میں سے چند ایک میں کہیں کہیں واقعات حقیقت کے خلاف درج ہو گئے ہیں - اس کی وجہ اردوئے قدیم کے متعلق تصنیفات مرتّب کرنے والوں کی لاپروائی نہیں اور نہ ہی یہ کام اُنھوں نے عمداً کیا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے - کہ بسا اوقات مصنفین کی رسائی تحقیق کے صحیح مواد تک نہیں ہو سکی اور اس وجہ سے ان سے کہیں کہیں لغزش سرزد ہو گئی ہے - اردوئے قدیم کی بیشتر تصنیفات اب تک مخطوطات کی صورت میں محفوظ ہیں اور یہ مخطوطات ہندوستان کے مختلف کتبخانوں کے علاوہ سارے یورپ اور انگلستان کے کتب خانوں میں بکھرے پڑے ہیں - نہ صرف یہ بلکہ نوابانِ اودھ اور سلطان ٹیپوؒ کے عظیم الشان کتب خانوں کی مطبوعہ فہرستیں موجود ہونے کے باوجود یہ پتہ نہیں چلتا کہ ان کتب خانوں کے مخطوطات کیا ہوئے - راقم نے ان شاہی کتب خانوں کے چند مخطوطات برٹش میوزیم، انڈیا آفس اور لندن کے مشہور کتاب فروش لیوزک (Luzac) کے کتب خانوں میں دیکھے ہیں لیکن یہ معلوم نہ ہو سکا - کہ شاہی کتبخانوں کے عظیم الشان ذخیرے اس طرح پریشان کیسے ہو گئے - گمان غالب یہ ہے کہ ہندوستان میں انگریزوں کے تسلّط کے بعد کتب خانوں کا جو حصہ انگریز انفرادی طور پر انگلستان لے جا سکے وہ تو وہاں پہنچ گیا ہے اور باقی کا با تو زمانے کی دست برد کی نذر ہو گیا ہے یا نجی کتب خانوں میں محفوظ ہے - ظاہر ہے کہ ان حالات میں اردوئے قدیم کے متعلق تحقیق کرنے والوں کے

راستے میں بہت سی ایسی مشکلات حایل ہیں جن کا درمان اُن کے بس کی بات نہیں - علاوہ ازیں چند ایک ایسے مخطوطات بھی ہیں جو امتدادِ زمانہ کے ساتھ ساتھ دریافت ہو رہے ہیں - اور اس میدان میں ابتدائی کام کرنے والوں کو اُن کا علم نہیں تھا - مثال کے طور پر راقم نے خود چند ایک مخطوطات انگلستان کے قیام کے دوران میں دیکھے ہیں جو یا تو ابھی دریافت ہی نہیں ہوئے تھے اور یا ان کا صحیح علم تحقیق کرنے والوں کو نہ تھا - میں بیشتر انہی مخطوطات کی مدد سے اُن نتائج پر پہنچا ہوں جو اس مقالہ میں درج کئے گئے ہیں - اور جو میرے پیشروؤں سے مختلف ہیں - امید ہے کہ ان نتائج کو نکتہ چینی پر محمول نہ کرتے ہوئے صرف اظہارِ حقیقت کے طور پر قبول کیا جائے گا - اس سلسلے میں مجھے بالخصوص اپنے استاذِ گرامی حافظ محمود شیرانی صاحب - سیّد شمس اللہ صاحب قادری اور ڈاکٹر محی الدین قادری سے معذرت عرض کرنا ہے جن کے نتائجِ تحقیق اس مقالے میں زیرِ بحث لائے گئے ہیں -

۱- نامۂ مراد کا سنِ تصنیف

اور

لفظِ اُردو کے استعمال کی اولین تاریخ زبان کے معنوں میں

نامۂ مراد حضرت مراد شاہ لاہوری کی تصنیف ہے - یہ ایک منظوم خط ہے جو مراد شاہ نے اپنے والد پیر کرم شاہ عرف سیتا شاہ کے شاہجہان آباد کے قریب قزاقوں کے ہاتھوں ۱۲۰۱ھ (۱۷۸۶ء) میں قتل ہونے کے بعد لکھا ہے - اس منظوم خط سے دنیائے ادب پہلی مرتبہ حافظ محمود شیرانی صاحب کی مساعی سے روشناس ہوتی ہے - جو اپنی گرانقدر تصنیف "پنجاب میں اردو" میں اس خط پر

تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"ان (مراد شاہ) کی طبیعت غزل سے بہتر مثنوی پر جمتی ہے ....
۱۱۹۶ھ میں ایک منظوم خط عزیزان وطن کو لکھتے ہیں جو نامۂ مراد
کے نام سے موسوم ہے اور ہمارے مخدوم جناب غلام دستگیر
صاحب نامی کی سعی سے چھپ چکا ہے[1]"

نامۂ مراد کا سن تصنیف شیرانی صاحب نے ۱۱۹۶ھ / ۱۷۸۱ء مقرر کیا ہے۔ حالانکہ یہ خط اس وقت سے سات سال بعد نظم کیا جاتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ نامۂ مراد کے مطبوعہ نسخے کے دیباچے سے شیرانی صاحب کو کوئی مغالطہ ہوا ہے۔ یہ دیباچہ نامی صاحب نے تحریر کیا ہے۔ لندن سے میں نے جب نامی صاحب سے اس کے متعلق استفسار کیا تو انہوں نے مجھے لکھا:-

"حضرت مراد ۱۱۹۶ھ میں لکھنؤ گئے۔ سات سال کے بعد یعنی
۱۲۰۳ھ میں آپ نے نامۂ مراد رقم فرمایا۔ اس وقت آپ کی عمر
۱۷ برس کی تھی۔ شیرانی صاحب کو میری مبہم تحریر سے دھوکا ہوا
ہے۔
دیباچے کی تحریر کو آپ اب وقیع نہ سمجھیں جو کچھ وہاں لکھا گیا ہے
اسے نظر انداز کردیں۔"

نامی صاحب نے ازراہِ کرم مجھے حضرت مراد کے والد پیر کرم شاہ کے سوانحِ حیات کے متعلق بھی ایک اقتباس اذکار قلندری سے نقل کرکے ارسال فرمایا۔ جس سے واضح طور پر پتہ چل جاتا ہے کہ حضرت مراد اپنے والد کے ساتھ لاہور سے ۱۱۹۶ھ / ۱۷۸۱ء میں لکھنؤ تشریف لے جاتے ہیں۔ اذکار قلندری حضرت مراد کے

[1] حافظ محمود شیرانی: پنجاب میں اردو۔ صفحات ۲۹۶، ۲۹۷

بھائی پیر فرح بخش کی تصنیف ہے اور اس کا ایک مخطوطہ نامی صاحب کے پاس محفوظ ہے۔ اس میں پیر کرم شاہ کے نقل مکان کا ذکر یوں کیا گیا ہے :۔

" در وقت ویرانی پنجاب و لاہور کہ در خروج سنگھاں بظہور پیوست وطنِ مالوف گذاشتہ اقامت بلدۂ لکھنؤ اختیار داشتہ در ۱۱۹۶ھ یکہزار و یکصد و نود و شش من ہجرت نبی علیہ السلام مع اہل و عیال عازم بلدۂ مسطور گردیدند "

مذکورہ بالا بیان سے یہ صاف طور پر پتہ چلتا ہے کہ حضرت مراد کے والد انہیں ۱۱۹۶ھ/۱۷۸۱ء میں لکھنؤ لے کر گئے تھے۔ اب نامۂ مراد کے متن پر نگاہ ڈالئے تو وہاں مراد شاہ لکھتے ہیں :۔

طپد دل از برائے شہر لاہور — میانِ لکھنؤ باشم از ین طور
وے یہ لکھنؤ کو بھی دعا دو — ہمیں لاہور میں جلدی بلاؤ
رئیسوں کو یہاں کے شاد رکھے — کہ حق اس شہر کو آباد رکھے

. . . .

ہر اک اس شہر میں آکر بھرا ہے — اور اطرافوں سے منعم یا گدا ہے
کہ جوں بتیس دانتوں میں زباں ہے — یہ عالم اس طرح بستا یہاں ہے
کہ بے پروا یہاں اک ایک سے ہے — تعرض کچھ نہ بد کو نیک سے ہے
کٹی ہے سات سال اوقات اپنی[1] — کچھ اطرافوں میں کچھ اس شہر میں بھی

ظاہر ہے کہ اگر مراد شاہ ۱۱۹۶ھ/۱۷۸۱ء میں لکھنؤ گئے تھے اور لکھنؤ اور اس کے اطراف میں سات سال رہنے کے بعد یہ خط لکھ رہے ہیں تو یہ خط یقیناً ۱۲۰۳ھ/۱۷۸۸ء میں لکھا گیا ہوگا نہ کہ ۱۱۹۶ھ/۱۷۸۱ء میں جیسا کہ شیرانی صاحب نے

---

[1] مراد شاہ : نامۂ مراد ۔ صفحہ ۱۴ ۔

پنجاب میں اُردو میں درج کیا ہے۔

علاوہ ازیں مراد شاہ کی عمر کے متعلق بھی غور کرنے سے یہ نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ نامۂ مراد ۱۱۹۶ھ ۱۷۸۱ء کی تصنیف نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ مراد شاہ کی عمر اس وقت بہت چھوٹی تھی۔ نامی صاحب نے کلیاتِ مراد کے ایک مخطوطے سے مراد شاہ کی تاریخ وفات کے متعلق مندرجۂ ذیل اشعار نقل کر کے ارسال فرمائے ہیں۔ یہ شعر مراد شاہ کے بھائی پیر قلندر شاہ نے لکھے تھے:

غلام رکنِ دین شاہ مرادم — کہ معدوم است در دنیا مثالش

. . . .

بر آمد بست و نہ سال و مہے چند — نمودم چون حسابِ سن و سالش

بہ بزمِ وصلِ جان چون از جہان رفت — دریغا گشت تاریخِ وصالش

ان اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ مراد شاہ اُنتیس سال کی عمر پا کر ۱۲۱۵ھ ۱۸۰۰ء میں فوت ہوئے یعنی وہ ۱۱۸۶ھ ۱۷۷۲ء میں پیدا ہوئے تھے۔ لہذا اگر انہوں نے ۱۱۹۶ھ ۱۷۸۱ء میں نامۂ مراد نظم کیا ہو تو اِس حساب سے اُن کی عمر اس وقت دس سال کے لگ بھگ ہو گی۔ لیکن بظاہر یہ ناممکن معلوم ہوتا ہے کہ کوئی آدمی دس سال کی عمر میں منظوم خط میں اس قدرت سے اپنے خیالات کا اظہار کر سکے جیسا کہ مراد شاہ نے کیا ہے۔ اسلئے میرے خیال میں مراد نامہ یقیناً ۱۲۰۳ھ ۱۷۸۸ء میں نظم ہوا ہے جبکہ مراد شاہ کی عمر سترہ سال کی تھی۔

نامۂ مراد کی تاریخِ تصنیف معین کرنے میں غلطی کھا جانے کی وجہ سے شیرانی صاحب نے یہ بھی لکھا ہے:۔

"لفظ اردو کا استعمال اِن (مراد شاہ) کے ہاں تحسین کی طرح قدیم ہے گویا تحسین نثر میں اور یہ نظم میں سب سے پہلے لاتے ہیں۔"

یہ صحیح ہے کہ مراد شاہ اُن پہلے شاعروں میں سے ہیں جنہوں نے "اُردو" کا لفظ زبان کے معنوں میں استعمال کیا ہے۔ چنانچہ نامۂ مراد میں انہوں نے لکھا ہے:۔

وُہ اُردو کیا ہے یہ ہندی زباں ہے
کہ جس کا قایل اب سارا جہاں ہے[1]

لیکن بہ یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ مراد شاہ سب سے پہلے شاعر ہیں جنہوں نے نظم میں سب سے پہلے اُردو کا استعمال زبان کے معنوں میں کیا ہے۔ غلام ہمدانی مصحفی ۱۱۶۴ھ ۱۷۵۰ء سے لے کر ۱۲۴۰ھ ۱۸۲۴ء تک یعنی مراد شاہ کے وقت میں بقیدِ حیات تھے۔ مراد شاہ نے مندرجہ بالا شعر ۱۲۰۳ھ ۱۷۸۸ء میں لکھا ہے اور مصحفی کا ایک شعر ہے:۔

خدا رکھے زباں ہم نے سنی ہے میر و مرزا کی
کہیں کس منہ سے ہم اے مصحفی اردو ہماری ہے

اس شعر میں بھی اُردو زبان کے معنوں میں استعمال ہُوا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ شعر ۱۷۵۰ء ۱۱۶۴ھ اور ۱۸۲۴ء ۱۲۴۰ھ کے بین بین مراد شاہ کے شعر سے پہلے ہی لکھا گیا ہو۔ ہمیں صرف اتنا معلوم ہے کہ مصحفی نے یہ شعر لکھا ہے لیکن معیّن طور پر یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ یہ شعر مصحفی نے عمر کے کس حصّے میں نظم کیا ہے۔

دوسری گذارش یہ ہے کہ تحسین نے سب سے پہلے نثر میں اردو کا لفظ زبان کے معنوں میں استعمال نہیں کیا۔ پنجاب میں اردو میں شیرانی صاحب نے فرمایا ہے:۔

"زبان کے معنوں میں اس (اردو) کا استعمال چنداں قدیم نہیں ہے اس کو رواج میں آئے سو۔ سوا سو سال کا عرصہ کم و بیش گذرتا ہے

---

[1] مراد شاہ، نامۂ مراد، صفحہ ۸۔

ادبیات میں سب سے پیشتر میر محمد عطا حسین خان تحسین نے یہ نام اختیار کیا۔ چنانچہ نوطرزِ مرصّع تالیف سنہ ۱۲۱۳ھ کا یہ فقرہ :[1]

"اور جو کوئی حوصلہ سیکھنے زبان اردوئے معلّیٰ کا رکھے گا سو مطالعہ اس گلدستہ نگارین کیسے ہوش اور شعور فحوائے کلام حاصل کرے"[2]

تحسین نے اپنے بیان میں ایک تو "اردو" کی بجائے "زبانِ اردوئے معلّیٰ" کے نام سے زبان کو یاد کیا ہے۔ دوسرے ادبیات میں اس سے قبل مصحفی نے صرف "اردو" کا لفظ زبان کے معنوں میں استعمال کیا ہے۔ مصحفی تذکرۂ ہندی میں نثار کے متعلق ذکر کرتا ہوا لکھتا ہے :-

"چون اصلش معمار است لهذا بنائی ریختہ ہم بخوبی نہادہ ادائی زبان اردو چنانچہ باید از زبانِ ندرت بیانش میشود۔"[3]

اور اسی تذکرے میں مندرجہ ذیل بیان میں بھی مصحفی نے اردو کا لفظ زبان کے معنوں میں استعمال کیا ہے۔ لکھا ہے :-

"نقل است کہ روزی در شاہجہان آباد بخانۂ لطف علی خاں ناطق مشاعرہ بود۔ غزل طرحی میر صاحب کہ ردیفش بعد قافیہ حرف اور بمعنی طرف تقرر داشت و ازین جہت بعضی از فصحا اُورا خلافِ اردو شمردہ پیرویش نکردند۔ و اکثری اطاعتِ اُستادیش کردہ اشہبِ فکر را در میدانِ خیال دوانیدہ"[4]

مصحفی کا یہ تذکرہ جس میں اردو کا لفظ زبان کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے تحسین کی تالیف نوطرزِ مرصّع سے کم از کم چار سال پہلے لکھا گیا ہے۔ جیسا کہ شیرانی

---

[1] حافظ محمود شیرانی، پنجاب میں اردو۔ صفحہ ۲، [2] میر محمد عطا حسین خاں تحسین: نوطرزِ مرصّع۔ صفحہ ۵،

[3] غلام ہمدانی مصحفی؛ تذکرۂ ہندی، صفحہ ۲۵۵، [4] ایضاً ۔ صفحہ ۸۳،

صاحب نے بیان کیا ہے۔ نوطرزِ مرصع کا سن تالیف ۱۲۱۳ھ/۱۷۹۸ء ہے لیکن مصحفی کا تذکرۂ ہندی ۱۲۰۹ھ/۱۷۹۴ء میں مکمل ہوتا ہے۔ کیونکہ تذکرے کے اختتام پر سن تکمیل یوں درج ہے :-

چونکہ از فضلِ خدا ساختہ شد | جلد این تذکرہ مانندِ بہشت
سال او چون ز خرد پرسیدم | یک ہزار و دو صد و نہ بنوشت

دیگر

چون ز انعامِ خدای کارساز | شد مرتب این کتاب دلپذیر
بسکہ در معنی نظیرِ خود نداشت | گفتہ شد تاریخ جلدِ بی نظیر[1]

اس سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچتا ہے کہ تحسین سے چار سال قبل مصحفی نثر میں اردو کے لفظ کو زبان کے معنوں میں استعمال کر رہا ہے۔

۲۔ شمس العشاق کا سالِ وفات

شاہ میراں جی شمس العشاق قدیم اردو کی تصنیف سب رس کے مصنف ہیں۔ اور بادشاہِ بیجاپور یوسف عادل شاہ (۱۴۸۹ئہ — ۱۵۱۱ئہ) کے عہدِ حکومت میں بقیدِ حیات تھے۔ آپ بارہ برس تک مدینہ رہے اور بارہ حج کرنے کے بعد ہندوستان لوٹے تو بیجاپور میں باقی کی عمر گزار کر یہیں فوت ہوئے۔ ڈاکٹر سید محی الدین قادری نے اپنی گراں قدر تصنیف اردو شہ پارے میں شمس العشاق کا سالِ وفات ۱۴۹۸ئہ درج کیا ہے[2]۔ لیکن اور کسی مصنف نے شمس العشاق کا یہ سالِ وفات نہیں دیا۔ زبیری ان کی تاریخ وفات ۲۵ رشوال ۹۰۲ھ مطابق ۱۴۹۶ئہ

---

[1] غلام ہمدانی مصحفی : تذکرۂ ہندی ، صفحات ۱۸۷ ، ۱۸۸ ،

[2] محی الدین قادری : اردو شہ پارے ۔ صفحہ ۴۱ ، ۴۳ ،

معین کرتا ہے[1]۔ ڈاکٹر بیلی اور حافظ محمود شیرانی نے بھی بالترتیب سال وفات ۱۴۹۶ء اور ۹۰۲ھ درج کیا ہے[2]۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اردو شہ پارے میں کاتب کے سہو سے شمس العشاق کا سالِ وفات ۱۴۹۶ء کی بجائے ۱۴۹۸ء درج ہوگیا ہے۔ کیونکہ اور کسی تذکرے میں شمس العشاق کا سالِ وفات یوں درج نہیں ۔

۳۔ لذت النسا کا مصنّف

لذت النسا، فارسی کی وہ تصنیف ہے جس کا منظوم ترجمہ اردوئے قدیم میں سید میراں حسینی نے عبداللہ قطب شاہ (۱۶۲۶ء۔ ۱۶۷۲ء) کے عہد میں تحفۃ العاشقین کے نام سے کیا۔ سید شمس اللہ قادری نے اردوئے قدیم میں لکھا ہے کہ لذت النسا، کے مصنّف کا نام شاہ محمد جامی تھا۔ اور اس کا تعلق عبداللہ قطب شاہ والیٔ گولکنڈہ کے پیشرو محمد قلی قطب شاہ ۱۵۸۰ء۔ ۱۶۱۲ء) کے دربار سے تھا[3]۔ راقم نے لذت النسا کا ایک مخطوطہ برٹش میوزیم کے کتب خانہ میں دیکھا ہے۔ جس میں لذت النساء کے مصنف نے مندرجہ ذیل شعر نظم کیا ہے :۔

بدانی محمد قلی نام من تخلص بہ جامی درالنظام من[4]

اس شعر سے واضح طور پر پتہ چلتا ہے کہ لذت النسا کے مصنّف کا نام محمد قلی اور تخلص جامی تھا۔ نہ کہ اس کا نام شاہ محمد تھا جیسے کہ سید شمس اللہ نے تحریر فرمایا ہے

---

[1] زبیری: روضۃ الاولیا، صفحہ ۱۲۱،
[2] ملاحظہ ہو پنجاب میں اردو۔ صفحہ ۲۳ ۔ اور تاریخ ادب اردو۔ صفحہ ۱۷،
[3] سید شمس اللہ قادری: اردوئے قدیم۔ صفحہ ۶۷،
[4] محمد قلی جامی، لذت النسا۔ ورق ۳۔

برٹش میوزیم کے اسی مخطوطے میں دوسرے ورق پر مندرجہ ذیل اندراجات ملتے ہیں :۔

در مدح سلطان عبداللہ قطب شاہ

بلند مرتبہ شاہِ عالم پناہ　　　جہاندار سلطان عبداللہ شاہ
یکی از غلامانِ درگاہِ او　　　غلام است جامی نکو خواہِ او

مندرجہ بالا اشعار سے یہ امر واضح ہوتا ہے۔ کہ جامی کا تعلق سلطان عبداللہ قطب شاہ کے دربار سے تھا۔ نہ کہ محمد قلی قطب شاہ کے دربار سے جس کے متعلق سارے مخطوطے میں جامی نے کوئی ذکر نہیں کیا ؛

۴۔ کیا ملک خوشنود نے یوسف زلیخا بھی لکھی تھی ؟

ہشت بہشت کی تاریخ تصنیف

ملک خوشنود سلطان عبداللہ قطب شاہ کے غلام تھے۔ جن کو سلطان نے اپنی لڑکی شہزادی خدیجہ سلطان کی شادی کے وقت ۱۶۳۲ء میں جہیز میں دے دیا تھا۔ شہزادی خدیجہ سلطان جب اپنے میکے گولکنڈہ سے اپنے سسرال اور خاوند محمد عادل شاہ کے پاس بیجاپور پہنچی تو دورانِ سفر کی خدمات کے عوض شہزادی نے ملک خوشنود کو اعزاز و اکرام سے سرفراز کیا اور ملک خوشنود تھوڑے عرصے بعد محمد عادل شاہ کے دربار کا ایک معزز رکن شمار ہونے لگا۔ اسی سلطان کی فرمایش پر ملک خوشنود نے امیر خسرو کی مثنوی ہشت بہشت کو ۱۶۴۰ء میں قدیم اردو کے سانچے میں ڈھالا۔ سید محی الدین قادری کا بیان ہے کہ ملک خوشنود نے یوسف زلیخا کی مثنوی بھی نظم کی تھی[1]۔ اور اس مثنوی کے متعلق ملک خوشنود نے

---

[1] سید محی الدین قادری ، اردو شہ پارے ۔ صفحہ ۴۸ ،

برٹش میوزیم کے ہشت بہشت کے مخطوطے میں ذکر کیا ہے۔ راقم نے برٹش میوزیم کے مخطوطے کو خوب غور سے دیکھا ہے۔ لیکن یوسف زلیخا کا کوئی ذکر کہیں نہیں ملا ہے۔ قادری صاحب نے ورق یا کسی دیگر سند کا حوالہ نہیں دیا۔ جس سے پتہ چل سکتا کہ ملک خوشنود نے یوسف زلیخا بھی نظم کی تھی علاوہ ازیں کسی دیگر تذکرہ نگار نے بھی ملک خوشنود کی یوسف زلیخا کا ذکر نہیں کیا ؛

قادری صاحب اور برٹش میوزیم کے ہندوستانی مخطوطات کی فہرست مرتب کرنے والے نے بھی یہ لکھا ہے کہ ملک خوشنود کی منظومہ مثنوی ہشت بہشت کی تاریخ تصنیف کا کوئی پتہ نہیں چلتا[1]۔ حالانکہ برٹش میوزیم کے ہشت بہشت کے مخطوطے میں ورق ۸۰ اپر یہ شعر درج ہے :-

ملک خشنود موتی صاف رولیا
اپس کے ناؤں کا تاریخ بولیا

یعنی ملک خوشنود نے اپنے نام ملک خشنود کے اعداد سے کتاب کی تاریخ تکمیل نکالی ہے۔ ان اعداد سے ۱۰۵۰ھ مطابق ۱۶۴۰ء حاصل ہوتا ہے اور یہی سن کتاب کی تکمیل کا سال ہے ؛

مثنوی ہشت بہشت میں کل ۳۲۲۵ اشعار ہیں۔ اس کی طرف شاعر نے خود بھی اشارہ کیا ہے :-

کیا ہوں بیت کا نادر شمار یو
جو ہے دو سو پچیس ہور تین ہزار یو[2]

---

[1] سید محی الدین قادری : اُردو شہ پارے صفحہ ۴۹ ، برٹش میوزیم کے ہندوستانی مخطوطات کی فہرست صفحہ ۲۸ ، [2] ملک خوشنود : ہشت بہشت ، ورق ۱۷۸ ،

قادری صاحب نے لکھا ہے کہ اس مثنوی میں ۱۰۰۰ اشعار ہیں[1]۔ نہ جانے انہوں نے یہ تعداد کیسے مقرر کی ہے۔ حالانکہ ملک خوشنود نے صاف طور پر لکھا ہے۔ کہ اس مثنوی میں تین ہزار دو سو پچیس اشعار ہیں۔ علاوہ ازیں راقم نے برٹش میوزیم کے مخطوطے کے اشعار کو شمار کیا ہے۔ اور دیکھا ہے کہ ملک خوشنود کا بیان درست ہے۔

۵۔ پھولبن کی فارسی اصل

پھولبن اردوئے قدیم کی ایک مثنوی ہے۔ جو ابن نشاطی نے ۱۰۶۶ھ/۱۶۵۵ء میں نظم کی تھی۔ سید شمس اللہ قادری نے اردوئے قدیم (ص ۶۹) میں بیان کیا ہے۔ کہ پھولبن ملا احمد زبیری کی فارسی تصنیف بساتین الانس کا ترجمہ ہے لیکن راقم نے برٹش میوزیم کے مخطوطے سے معلوم کیا کہ بساتین الانس کا مصنف ملا احمد زبیری نہیں بلکہ احمد حسن دبیر عیدوسی ہے۔ چنانچہ وہ اسی مخطوطے میں ورق ۸ ب پر اپنا نام یوں درج کرتے ہیں:-

محمد صدر علا احمد حسن دبیر عیدوسی (کذا)

سید شمس اللہ نے ملا احمد زبیری کے نام کے لئے کشف الظنون مصنفہ حاجی خلیفہ کی سند دی ہے لیکن راقم کو کشف الظنون سے بھی یہ سند دستیاب نہیں ہوئی۔

سید شمس اللہ قادری اور ڈاکٹر زور نے یہ بھی بیان[2] کیا ہے کہ پھولبن فارسی بساتین الانس کا ترجمہ ہے۔ حالانکہ حقیقت صرف یہ ہے۔ کہ

---

[1] سید محی الدین قادری، اردو شہ پارے۔ صفحہ ۴۹،

[2] شمس اللہ قادری: اردوئے قدیم صفحہ ۶۹، ڈاکٹر زور، اردو شہ پارے صفحہ ۱۰۸،

پھولبن کا افسانہ فارسی بساتین الانس سے ماخوذ ہے۔ جیسا کہ ابن نشاطی نے خود پھولبن میں تسلیم کیا ہے :-

طبیعت کی مری ہے سب یو صافی کیا ہر بیت کو میں مو شگافی
پرت کے باغ کی لی باغبانی بساتین ہیں کریا سو ترجمانی[2]

لیکن ابن نشاطی نے بساتین الانس کو لفظ بلفظ ترجمہ نہیں کیا۔ اردو تالیف فارسی اصل کے مقابلے میں بہت سادہ اور مجمل ہے۔ مثال کے طور پر میں یہاں فارسی بساتین الانس اور اردو پھولبن سے دو متوازی اقتباسات درج کروں گا۔ جن سے قارئین اندازہ لگا سکیں گے کہ میرا دعوے کہاں تک صداقت پر مبنی ہے۔ ان اقتباسات میں ایک نوجوان کی حکایت بیان کی گئی ہے۔ جو ایک لڑکی کے حُسن کی شُہرت سن کر اسے دیکھنے کے بغیر اس کی محبت میں گرفتار ہو جاتا ہے :-

اقتباس از بساتین الانس (فارسی)

چون آنجا رسیدم مرا چنان روشن شد کہ درفلان محلہ خانۂ زاہدیست و اُورا دختریست چون حُورِ خلدِ برین، بکمالِ حسن و زیبائی آراستہ و بناز و کرشمۂ دلربا چون جان در دلہا عزیز شدہ۔ خورشید نور و ضیا از ماہِ رخسارِ اُو اقتباس می نماید و این ترانۂ بدیع در وصفِ جمالِ او درست می آید :-

گر حُسن تو بر فلک زند خرگاہی از ہر فلکی جُدا بتابد ماہی
ور لطف تو در زمین بیاید راہی صد یوسف برآرد از ہر چاہی

و بادِ صبا از شکنجۂ زلفِ دلاویزش مشک بر خروار بر بندد، و مشاطۂ بہار برائی تزئینِ رخسارِ عروسانِ چمن نمونہ از باغِ عارضِ گلگونِ اُو برد۔ و صفائی تنِ نازنینِ اُو

---

[1] بساتین الانس کا لفظی ترجمہ ہے ، [2] ابن نشاطی : پھولبن ورق ۱۲ ب ،

بدان حد کہ راز سینہ اش چون بادہ از جامِ بلورین در نظرِ نظارگیان روشن نمودہ ....

شب افروزی چون مہتابِ جوانی	سیاہ چشمی چون آبِ زندگانی
فسونگر کردہ بر خود چشمِ خود را	زبان بستہ بہ افسون چشمِ بد را
نمک دادہ لبش در خندہ پیوست	نمک شیرین نباشد آن شکرست
در رشکِ نرگسِ مستش خروشان	بہ بازارِ ارم ریحان فروشان

بحکم آنکہ الشباب شعبۃ من الجنون خیالِ لقائے او در سرِ من افتاد و قایدِ شوق عنانِ شکیبائی از دستِ خرد بر بود، و جذبِ عشق صبر و ہوش را از منزلِ سینہ موی کشان بیرون بُرد . . . . و در ین تمنا دل چون کانِ گوہر خراب شد۔ و ہر روز کہ شاہدِ روشن روئی آفتاب سر از گریبانِ صبح بر آوردی در جستجوی آن ماہ روی بر مرکبِ شوق سوار پیادہ در کوی آن زاہد برفتم۔ و ہر شام کہ دستِ تقدیر مصابیح نور گستر انجم در ین نہ طاقِ گردان بر افروختہ و طویلہ ہائی دُرِ شب افروزِ کواکب بر گوشِ گردنِ افلاک بستی دیدہ خونبار در محلۂ آن ماہ ستارہ شمردی و گفتمی :

خداوندا شبم را روز گردان	چون روزم بر جہان فیروز گردان
شبی دارم سیاہ از صبح اُمید	در ین شب روسفیدم کن چون خورشید
بفریادِ من فریاد خوان رس	توی یاری رسی فریادِ ہر کس

تا بعد امتدادِ روزگار و تعاقبِ لیل و نہار صبحِ اُمید در تنسم و غنچۂ دولت در تبسم آمد و نیرِ اقبال در بیت الشرف رسید۔ و گوشِ جان از ہاتفِ غیب ندای بشارت انا رادوہ الیک شنید، و مرا با او سرو جویبارِ جوانی و نہایتِ آرزوی انسی و جانی نعمتِ دیدارِ بی مزاحمتِ اغیار حاصل شد، و اساسِ عہد و پیمان استحکامی ہر چہ تمامتر پذیرفت[1]

---

[1] احمد حسن دبیر: بساتین الانس، ورق ۴۲، ۴۳ اور ۴۴۔

اقتباس از پھولبن (اُردو)

تجارت کی بہوت صورت سوں وو گیا یک مرتبہ گجرات کوں سو
اتھا میں اس سفر میں اس کے سنگات گھڑیا سو کیا کہوں اس ٹھار پر گھات
مری اس وقت تھی اول جوانی نوی انپڑی تھی مجھ کو شادمانی
اتھی اس ٹھار یک زاہد کوں بیٹی فرشتہ خو تھی تس عابد کی بیٹی
چتر، چنچل، سرک، کنٹل، سہانی نہ اس کا کوئی تھا صورت میں ثانی
چندر آدھا کہوں میں کیوں پیشانی چندر آدھا نہیں ویسا نورانی
بھنواں کے کیوں کہوں محراب تجھے گر کہاں وہ نور محراباں کے اوپر
نین کو نرگساں کہنا ہے ناساز چمن کے نرگساں میں کاں ہے وو ناز
کہوں رخسار کو کیوں اس کے لالا ہر اک لالے کے درمیانی ہے کالا
میں سر تے پاؤں لگ اس موہنی کا کہ تھا تیوں۔ کیا صفت کرنی سکونگا
ہوس اوس دیکھنے کی مجھ کو آیا تماشے کوں مرا دل سر اچایا
اول تھا حال کچھ آخر ہوا اور پرت کی چیٹپٹی مج کو لگی زور
جو یاد آتی اتھی وہ چلبلی مج تو ہوتی تھی سینے میں گدگلی مج
پیارے کا پرت پیارا لگیا سو پرت کا ٹھنڈ ہور بارا لگیا سو
لگے چشمہ ہو کر نیناں اُبلنے لگیا جیوں شام ہو کر جیو جلنے
دھواں آہاں کر سر پر ہو بدل چھائے گرم بھاپاں سوں ہو نیناں پر چھلے آئے
کلی منے ہوا دل تنگ و ناشاد ہوا ٹکڑے گریباں پھول کی ناد
پرت کی آگ سوں دل جل ہوا راک صبوری کا جو تھا دامن ہوا چاک
جو اُس کو دیکھنے کا مجھ ہوا ذوق جو آیا دل منے میرے ایل شوق
ہر اک نس جاؤں چنچل کی گلی کوں ہلوں چھپ کر دیکھیں اس چلبلی کوں

سینے میں دم کو اپنے سانہ لے کر | کمر کوں اپنے دامن باند لے کر
یکیلا اس گلی میں کوئی نا دُو جا | جلوں میں چاندنی کی دھوپ میں جا
کر اس چندر بدن کے گھر طرف مُوں | ہر یک نس نین کے تارے بکھیروں
کروں ہر شب نَیَن سوں آبپاشی | اساساں کی کروں دم سوں فراشی
کتک دن کے پچھے اُمید کا سُور | مرے بختاں کے نیناں کو دیا نور
یکا یک جھانک کر دیکھی مجھے نار | مرے ہو اُس کے دو دیدے ہوئے چار[1]

۶۔ شریعت نامہ یا احکام الصلواۃ

شریعت نامہ شاہ ملک کی ایک مذہبی مثنوی ہے۔ جو ۱۰۷۷ھ/۱۶۶۶ء میں لکھی گئی ہے۔ سید شمس اللہ کے پاس اس کا جو مخطوطہ ہے۔ اس میں مندرجۂ ذیل شعر درج ہے:

یو مسلیاں کو دکنی کیا اس سبب | فہم کر کے دل میں کریں یاد سب
فرس کو دکنی میں بولیا ہے صاف[2] | . . . .

آخری مصرعہ سے پتہ چلتا ہے کہ شریعت نامہ کسی فارسی تصنیف کا ترجمہ ہے لیکن ابھی تک یہ معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ شریعت نامہ کی فارسی اصل کیا ہے۔ میں نے انڈیا آفس لائبریری (لندن) اور برٹش میوزیم کے کتب خانے کا جائزہ لیا تو مخطوطات میں شرف الدین بخاری کی فارسی مثنوی مقدمۃ الصلواۃ نظر پڑی جس سے شریعت نامہ کا نفس مضمون ماخوذ معلوم ہوتا ہے۔ بخاری نے یہ مثنوی ۷۰۳ھ/۱۳۰۴ء میں لکھی تھی مندرجۂ ذیل متوازی اقتباسات سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ شاہ ملک شرف الدین

---

[1] ابن نشاطی، پھولبن۔ ورق ۲۹ — ۳۲،

[2] شاہ ملک: شریعت نامہ، مملوکہ سید شمس اللہ (ملاحظہ ہو اُردو کے قدم، صفحہ ۸۸)

بخاری کی تصنیف کے اقتباس میں کہاں تک کامیاب رہے ہیں :

اقتباس از مقدمۃ الصلوٰۃ

در بیان وضو

سنتِ آبدست دہ باشد　　ہر کہ دانست مردِ رہ باشد
شستنِ دست پیشِ مسواک است　　نام حق گفتن از دل پاک است
مضمضہ، مسح گوش و استنجا　　بہ کرات شستنِ اعضا
نیز انگشتِ پائی را تخلیل　　سنت آمد ز مصطفٰے بے قیل
باز تخلیل لحیہ استنشاق　　گفتن این جملہ را علی الاطلاق
عضو گر تر کنی روا نبود　　راندنِ آب جز دوا نبود[1]

اقتباس از شریعت نامہ

در بیانِ وضو

وضو میں کے سنت یو دس ہیں یار　　سو کرنا ہے اول استنجا یوں ہوشیار
بھی پڑھنا ہے بسم اللہ سو دوسرا　　دھونا ہاتھ مکٹ تے سو تیسرا
ہے چوتھا توں دانتاں کو مسواک کر　　اہے پانچواں منہ میں پانی کو دھر
چھٹا ناک میں لے آئے خلال　　ہے ہفتم سو ڈاڑھی کوں کرنا خلال
سنت آٹواں ہے توں انگلیاں کو سب　　خلال کر وضو کریگا توں جب
نواں مسح کانوں کے کرنا اے یار　　ہے دسواں ہر یک عضو دھو تین بار[2]

ڈاکٹر زور کا یہ خیال ہے کہ احکام الصلوٰۃ شاہ ملک کی تصنیف شریعت نامہ کا ایک حصہ ہے[3] لیکن یہ خیال محض قیاس پر مبنی نظر آتا ہے۔ حقیقت سے

---

[1] شرف الدین بخاری : مقدمۃ الصلوٰۃ ۔ ورق ۵ ،　[2] شاہ ملک : شریعت نامہ ۔ ورق ۲۳ و ۲۴ ،　[3] سید محی الدین قادری زور ، اردو شہ پارے ، صفحہ ۶۸ ،

اس کا کوئی تعلق نہیں۔ شریعت نامہ اور احکام الصلوٰۃ دونو کے آغاز اور انجام کے اشعار یہ ہیں :-

آغاز

الٰہی دے توفیق انسان کوں　　کریں بندگی تیری دل جان سوں
توں پیدا کیا محض بندگی کے تئیں　　سوا او چھوڑ کر پڑے ہے گندگی کے تئیں

انجام

سو پوشین ہے امیم لام کاف　　فرس کو دکنی میں بولیا ہے صاف
سن یک ہزار ہے ہور سر لو بیات　　کیا تھا اسی سال میں یو حکات[1]

ظاہر ہے کہ جب دونو تصنیفات کے آغاز اور انجام کے اشعار ایک ہیں اور باقی کے مطالب بھی ایک ہیں۔ تو ایک کتاب دوسری کتاب کا حصہ نہیں ہو سکتی بلکہ ایک ہی کتاب کے دو مختلف نام ہیں۔ صرف مختلف مخطوطات پر مختلف نام درج ہو گئے ہیں ؛

۷۔ احسن القصہ یا یوسف زلیخا

احسن القصہ اندھے شاعر ہاشمی کی دکنی میں تصنیف ہے۔ جو اُس نے ۱۰۹۹ھ/۱۶۸۷ء میں مکمل کی تھی۔ ہاشمی علی عادل شاہ ثانی (۱۶۵۶ - ۷۳) کے عہدِ حکومت میں زندہ تھا اور اپنے مرشد شاہ ہاشم سے تعلق کی وجہ سے اپنا تخلص ہاشمی کرتا تھا ہاشمی کے سوانحِ حیات کے متعلق زیادہ تفصیلات معلوم نہیں لیکن اس بات پر تمام وقایع نگار متفق ہیں کہ وہ مادرزاد اندھا تھا۔ محمد ابراہیم زبیری اپنی تصنیف بساتین السلاطین میں لکھتے ہیں :-

---

[1] انتخاب از شریعت نامہ شاہ ملک، ورق ۱، ۴۷۔ و احکام الصلوٰۃ (اردو ئے قدیم صفحہ ۸۸)

"باوجودیکہ بصیرِ مادر زاد بود اما بہ بصیرتِ چشم دلش بینا۔"[1]

کہا جاتا ہے کہ ہاشمی نے احسن القصص کے علاوہ ایک مثنوی یوسف زلیخا بھی لکھی تھی۔ زبیری نے بساتین السلاطین میں لکھا ہے:۔

"ونیز از جملہ ہندی گویانِ زمان یکی میاں ہاشمی است . . . . . .
قصۂ یوسف زلیخا را بہ محاورۂ آنزمان بہ زبانِ دکنی نظم نمودہ و دیوان
غزل مشتمل بر مضامین سنجیدہ . . . . ہم دارد۔"[2]

اس بیان سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ ہاشمی نے قصۂ یوسف زلیخا کو دکنی میں نظم کیا تھا۔ تذکرہ نویسوں میں ڈاکٹر زور پہلے صاحب ہیں جنہوں نے یہ دعوے کیا ہے کہ ہاشمی نے احسن القصص کے علاوہ ایک اور کتاب یوسف زلیخا بھی تصنیف کی تھی اپنے بیان کی تصدیق میں انہوں نے پیرزادہ غلام محی الدین کی سند پیش کی ہے جس نے اپنی تصنیف احوالِ سلاطین بیجاپور میں لکھا ہے:

"یکی ازان ہاشمی است کہ بزبانِ ہندی احسن القصص را در سلک . . . .
شعر کشیدہ"[3]

ڈاکٹر زور نے خود یہ تسلیم کیا ہے۔ کہ اُن کی رسائی یوسف زلیخا کے کسی مخطوطے تک نہیں ہوئی معلوم ہوتا ہے۔ ڈاکٹر زور کو تاریخ نگاروں کے مختلف بیانات سے دھوکا ہوا ہے کہ ہاشمی نے یوسف زلیخا اور احسن القصص دو مثنویاں نظم کی تھیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ دونو نام ایک ہی مثنوی کے ہیں۔ ہاشمی کی یوسف زلیخا کے اب تک تین ہی مخطوطے دستیاب ہوئے تھے۔ جن میں سے

---

[1] محمد ابراہیم زبیری: بساتین السلاطین انڈیا آفس کا مخطوطہ، ورق ۳۱۵ ب،

[2] ایضاً۔ ورق ۳۱۵۔ [3] سید محی الدین قادری زور: اردو شہ پارے، صفحہ ۷۲،

[4] پیرزادہ غلام محی الدین: احوالِ سلاطین بیجاپور، ورق ۳۱

ایک حکیم شمس اللہ قادری کے پاس ہے۔ ایک کتب خانہ مخطوطات مشرقیہ مدراس میں محفوظ ہے۔ اور ایک جرمن اورینٹل سوسائٹی کے کتب خانے میں۔ بدقسمتی سے ڈاکٹر زور کو ان میں سے کوئی نسخہ دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ حالانکہ ان تین نسخوں کے علاوہ برٹش میوزیم میں بھی ایک نسخہ محفوظ ہے۔ برٹش میوزیم کے عظیم الشان کتبخانے کو دیکھ کر جہاں علمی ذخائر کو جمع کرنے کی کوشش پر عجایب خانے کے کارپردازوں کو داد دینی پڑتی ہے۔ وہاں آدمی یہ شکایت کیئے بغیر بھی نہیں رہ سکتا۔ کہ اب تک ان ذخائر کی تفصیلات کو مرتب کرنے کی پوری سعی نہیں کی گئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ابھی تک بہت سی قدیم اور علمی کتابیں انبار کی صورت میں کتب خانے میں جمع ہیں۔ اور چونکہ اس انبار تک پڑھنے والوں کو پہنچنے بھی نہیں دیا جاتا۔ اسلئے نہیں کہا جاسکتا کہ اس ڈھیر میں کیا کیا جواہر پنہاں ہیں۔

خوش قسمتی سے راقم کو ایک ایسا مخطوطہ برٹش میوزیم میں ملا۔ جس کے متعلق ایک دستی فہرست میں صرف اتنی تفصیل درج ہے کہ "یہ ایک دکنی مخطوطہ ہے"۔ مخطوطہ نکلوا کر دیکھنے سے معلوم ہوا کہ یہ ہاشمی کی وہی تصنیف ہے جسے یوسف زلیخا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور جس کا کوئی نسخہ اب تک انگلستان میں نہیں پایا جاتا۔ اس مخطوطے کے مطالعہ سے راقم کو یہ پتہ چلا کہ یوسف زلیخا اور احسن القصص ہاشمی کی ایک ہی تصنیف کے دو نام ہیں۔ اور ڈاکٹر زور سے ان ناموں کو دو مختلف تصانیف سے منسوب کرنے میں غلطی ہوئی ہے۔ ہاشمی نے کتاب کا نام احسن القصص کی بجائے احسن القصہ رکھا ہے۔ اسی لیئے راقم نے بھی اس کے لیئے یہی نام استعمال کیا ہے۔

مثنوی کے آغاز میں ہاشمی نے اپنی اس مثنوی کے متعلق لکھا ہے:۔

کہ یو قصہ توں بول عرفان سوں　　　کتابوں کے اب دل کے سن کان سوں

کہا احسن القصہ جس کوں خدا کتاہوں ہیں اس کا تجھے ابتدا[1]

مثنوی کے آخر میں ہاشمی نے پھر مثنوی کے اسی نام کا اعادہ کیا ہے :-

مصر میں گئے جونکہ یوسف نے راج سننہار کوں نیوں ہوا آرام آج

لکھن ہار کا ہوئے تازہ دماغ پڑہنہار کا ہوئے دل باغ باغ

رکھیا احسن القصہ رب جس کا نام تجھے کھول کر میں او بولیا تمام[2]

اس سے کچھ آگے جہاں اس نے مثنوی کے نفس مضمون یا دوسرے نام کا ذکر کیا ہے۔ وہاں اسے زلیخا کے قصے کے نام سے پکارا ہے :-

اگر توں بی اپنا منگے رکھنا نام زلیخا کے قصہ کوں کر اب تمام[3]

ہاشمی کے ان اشعار سے صاف طور پر ظاہر ہے کہ احسن القصہ اور یوسف زلیخا اس کی ایک ہی تصنیف کے دو نام ہیں۔ علاوہ ازیں جب راقم نے سید شمس اللہ کے مملوکہ مخطوطہ یوسف زلیخا کے اقتباسات کا مقابلہ برٹش میوزیم کے مخطوطۂ احسن القصہ سے کیا تو معلوم ہوا کہ یہ اقتباسات ایک کتاب کے ہیں اس لئے یہ کہنا کسی طرح بھی درست نہیں کہ احسن القصہ اور یوسف زلیخا ہاشمی کی دو مختلف تصانیف کے نام ہیں۔

---

[1] ہاشمی ؛ احسن القصہ ، ورق ۱۴ ،

[2] " " ، ورق ۲۵۱ ،

[3] " " ، ورق ۲۵۲ ،

یہ مضمون میں نے اپنے اس غیر مطبوعہ مقالے سے مرتب کیا ہے ۔ جو میں نے پی ۔ ایچ ۔ ڈی کی ڈگری کے لئے لندن یونیورسٹی میں ۱۹۳۹ء میں پیش کیا تھا ۔ اور اس مضمون کی تدوین میں مندرجہ ذیل کتب کے حوالے دیئے گئے ہیں :۔

۱۔ نامۂ مراد ۔ مصنفہ پیر مراد شاہ ، مطبوعہ لاہور ۱۳۴۳ھ
۲۔ پنجاب میں اُردو ۔ مصنفہ حافظ محمود شیرانی ، مطبوعہ لاہور ۱۹۲۹ء ۔
۳۔ نوطرز مرصع ۔ مصنفہ میر محمد عطا حسین خاں تحسین ، مطبوعہ بمبئی ۱۸۴۶ء
۴۔ اذکار قلندری ۔ مصنفہ پیر فرح بخش ۔ مخطوطہ } مملوکہ پیر غلام دستگیر صاحب نامی ۔ لاہور
۵۔ کلیات مراد ۔ مصنفہ پیر مراد شاہ ۔ مخطوطہ }
۶۔ تذکرۂ ہندی ۔ مصنفہ غلام ہمدانی مصحفی ۔ مطبوعہ اورنگ آباد ۱۹۳۳ء ۔
۷۔ اردوئے قدیم ۔ مصنفہ حکیم سید شمس اللہ قادری ۔ مطبوعہ لکھنؤ ۱۹۳۰ء
۸۔ اردو شہ پارے ۔ مصنفہ ڈاکٹر محی الدین قادری زور ۔ مطبوعہ حیدر آباد ۱۹۲۹ء ۔
۹۔ تاریخ ادب اُردو ۔ مصنفہ ڈاکٹر گراہم بیلی ۔ مطبوعہ میسور ۱۹۳۲ء ۔
۱۰۔ تاریخ ادب اُردو ۔ مصنفہ رام بابو سکسینہ ۔ مطبوعہ الہ آباد ۱۹۲۷ء ۔
۱۱۔ روضۃ الاولیا ۔ مصنفہ زبیری ۔
۱۲۔ لذت النساء ۔ مصنفہ محمد قلی جاجی ۔ برٹش میوزیم کا مخطوطہ نمبر ایڈیشنل ۱۷۴۸۹
۱۳۔ ہشت بہشت ۔ مصنفہ ملک خوشنود ۔ برٹش میوزیم کا مخطوطہ نمبر ایڈیشنل ۔ ۱۰۵۹
۱۴۔ فہرست کتب خانہ برٹش میوزیم ۔ ہندی پنجابی اور ہندوستانی کے مخطوطات ۔ مصنفہ جے ۔ الیف ۔ بلوم ہارٹ ، مطبوعہ لندن ۱۸۹۹ء ۔
۱۵۔ کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون ۔ مصنفہ حاجی خلیفہ مطبوعہ لائیپزک ۱۸۳۵ء ۔ ۱۸۵۸ء ۔

۱۶۔ بساتین الانس۔ مصنفہ احمد حسن دبیر عیدوسی۔ برٹش میوزیم کا مخطوطہ نمبر ایڈیشنل ۷۷۱۷۔

۱۷۔ پھولبن۔ مصنفہ ابن نشاطی۔ کتبخانہ انڈیا آفس لندن کا مخطوطہ نمبر پ ۱۴۔

۱۸۔ شریعت نامہ۔ مصنفہ شاہ ملک، کتب خانہ انڈیا آفس لندن کا مخطوطہ۔ نمبر پ ۱۲۳۶۔

۱۹۔ مقدمۃ الصلوٰۃ۔ مصنفہ شرف الدین بخاری۔ کتبخانہ انڈیا آفس لندن کا مخطوطہ۔ نمبر پ ۱۳۴۵۔

۲۰۔ بساتین السلاطین۔ مصنفہ محمد ابراہیم زبیری۔ کتب خانہ انڈیا آفس لندن کا مخطوطہ نمبر فارسی ۳۴۰۶۔

۲۱۔ احوالِ سلاطینِ بیجا پور۔ مصنفہ پیرزادہ غلام محی الدین، برٹش میوزیم کا مخطوطہ نمبر ایڈیشنل ۲۶۲۷۰۔

۲۲۔ احسن القصص۔ مصنفہ ہاشمی، برٹش میوزیم کا مخطوطہ نمبر اورینٹل ۱۱۳۶۸۔

محمد باقر

نوروز پر مزید نوٹ

اگست ۱۹۴۰ء کے اورینٹل کالج میگزین میں میں نے نوروز کے عنوان سے ایک مضمون شایع کیا تھا جس کو بہت مختصر کہنا چاہیئے۔ اسلئے کہ نوروز کی ابتدا، اسکی تاریخ اور اس کے آداب و رسوم کے بارے میں قدیم اور جدید مصنفوں نے اتنا کچھ لکھا ہے۔ کہ اس کو پیش نظر رکھ کر ایک کتاب تالیف کی جاسکتی ہے، پہلوی، عربی، اور فارسی کتابوں میں اس موضوع پر جابجا بحث ہوئی ہے۔ لاطینی اور یونانی مؤرخوں کے ہاں بھی بعض جگہ اس کی طرف اشارے موجود ہیں۔ یورپ کے سیاحوں نے بھی اپنے سفرناموں میں نوروز کا ذکر کیا ہے اور اب مستشرقینِ یورپ نے اس پر ناقدانہ مقالات لکھے ہیں ؛

موجودہ زمانے میں مغرب کے تین بڑے مصنفوں نے نوروز کے موضوع پر قلم فرسائی کی ہے : (۱) پروفیسر مارکوارٹ آلمانی جنہوں نے بزبانِ جرمن ایک مقالہ اُس مجموعۂ مضامین میں لکھ کر پیش کیا ہے جو شمس العلماء جمشید جی جیون جی مودی کی یادگار میں شایع کیا گیا ہے[1]، (۲) موسیو انوس ترانت زیف۔ جنہوں نے نوروز کے مبحث پر ایک مضمون روسی زبان میں اپنی کتاب موسوم بہ "مطالعاتِ ساسانی"[2] میں لکھا ہے جس کا فارسی اور انگریزی ترجمہ مازندی نے "ارمغان نوروز" کے نام سے شایع کیا ہے[3]، (۳) فرانسیسی زبان میں پروفیسر کرسٹن سین نے اس مضمون پر بہت سے مفید مشاہدات ایک ضمیمے میں درج کئے ہیں۔ جس کو انہوں نے

---

[1] مودی میموریل وولیوم (بمبئی)، ص ۷۰۹ - ۷۶۵ ، [2] طبع سینٹ پیٹرزبرگ، ۱۹۰۹ء ص ۸۲ ببعد

[3] تمۂ مجلۂ ایران لیگ، بمبئی ،

اپنی کتاب موسوم بہ "انسان اوّلین و شاہ اوّلین"[1] کی دوسری جلد کے آخر میں اضافہ کیا ہے۔

پہلے اور دوسرے مقالے سے میں نے بالواسطہ یا بلاواسطہ اپنا سابقہ مضمون لکھتے وقت استفادہ کر لیا تھا۔ لیکن کرسٹن سین کا ضمیمہ اس وقت میرے پیش نظر نہ تھا۔ اس میں نوروز کی ابتدا اور رسوم کے متعلق بعض ایسے نکتے بیان ہوئے ہیں جو عربی اور فارسی مآخذ کو دیکھنے سے ذہن میں نہیں آسکتے اور چونکہ وہ مفید مطلب ہیں اسلئے ان کا بتانا مضمون کو مکمل کرنے کے لئے ضروری معلوم ہوتا ہے۔ سطور ذیل میں اس تکمیل کی کوشش کی گئی ہے۔

خاندان ہخامنشی کے بانی شاہ کُرش بزرگ نے تقریباً سارے مغربی ایشیا کو فتح کر کے اپنی سلطنت میں ملا لیا تھا۔ جتنے ملک اس نے فتح کئے ان میں سب سے زیادہ مہذّب اور متمدّن بابل کی مملکت تھی۔ چونکہ اُس زمانے میں اہلِ ایران مغربی ایشیا کی دوسری قوموں (خصوصاً اہلِ بابل) کی نسبت بہت کم تہذیب یافتہ تھے۔ اس لئے لازمی طور سے انہوں نے تمدّن کے بہت سے لوازمات بابل والوں سے اخذ کئے۔ مثلاً لباس۔ رسم الخط۔ آئینِ حکومت۔ مذہبی عقاید، آدابِ معاشرت وغیرہ۔ پروفیسر کرسٹن سین کا عقیدہ ہے کہ نوروز کا تہوار اور اس کی رسوم بھی ایرانیوں نے اہلِ بابل سے اخذ کیں، نہایت قدیم زمانے میں بابل میں ایک تہوار منایا جاتا تھا جس کا نام زَگمُک تھا۔ پرانے کتبوں میں اس کا ذکر ہے اور ۲۳۴۰ قبل مسیح میں اس کا وجود پایا جاتا ہے۔ یہ تہوار سال کے پہلے مہینے نیسان میں جو ۱۵ مارچ سے شروع ہوتا تھا منایا جاتا تھا۔ اور برابر گیارہ دن تک اس کی رسم و رسوم کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔

---

[1] طبع لیڈن، ۱۹۳۴ء، ص ۱۳۸ بعد،

اعتدالِ ربیعی کا دن (۲۱ مارچ) چھٹا یا درمیانی دن ہوتا تھا۔ تمام رسم و رسوم کا مرکز شہر بابل میں مردوک دیوتا کا مندر تھا۔ جو بابل والوں کا سب سے بڑا خدا تھا۔ خود بادشاہ مندر میں آتا تھا اور مردوک کا ہاتھ پکڑ کر طاعت و بندگی کا اظہار کرتا تھا۔ اور رعایا کے ساتھ حسن سلوک کے پیمان کو تازہ کرتا تھا۔ شہر میں بڑی بڑی آگیں جلائی جاتی تھیں اور مردوک کی مورتی کو گاڑی میں رکھ کر بہت بڑا جلوس نکالا جاتا تھا۔ بابل والوں کا عقیدہ یہ تھا کہ زگمگ کے آٹھویں دن خدائے زمین و آسمان ایک دربار کرتا ہے جس میں باقی تمام خدا جمع ہوتے ہیں اور اس کے سامنے بحالتِ رکوع جھکے رہتے ہیں۔ اور وہ اس وقت آنے والے سال میں تمام انسانوں کی قسمت کا فیصلہ کرتا ہے۔ ساسانیوں کے زمانے میں جشنِ نوروز چھ دن منایا جاتا تھا اور زگمگ کی طرح اس میں بھی اعتدالِ ربیعی کا دن چھٹا دن تھا اور زرتشتیوں کا بھی بعینہٖ یہی عقیدہ تھا کہ اس موقع پر خدا نے زمین و آسمان کو پیدا کیا اور ہر شخص کو اس کی قسمت عطا کی[۱]، خداؤں کے دربار کا ذکر بھی زرتشتی عقیدے میں موجود ہے۔ اوستا میں کتابِ وندیداد (بابِ دوم) میں جس دربار کا ذکر ہے وہ خدائے برتر اہورمزد نے منعقد کیا تھا جس میں جم بھی موجود تھا جو از روئے روایت جشنِ نوروز کا بانی ہے۔

نوروز کی رسوم میں ایک اور بڑے تہوار کے آثار بھی موجود ہیں۔ جو تمام مغربی ایشیا اور یونان میں بہار کے موسم کا تہوار تھا۔ اس کا نام ایڈونیا[۲] تھا اسلئے کہ وہ ایڈونس[۳] دیوتا کی یادگار میں منایا جاتا تھا۔ یونانی اساطیر میں ایڈونس نباتات اور زرخیزی کا دیوتا ہے اور قصہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اس کو جنگل میں ایک

---

[۱] دیکھو اورینٹل کالج میگزین۔ اگست ۱۹۴۰ء ص ۱۰ ۔ [۲] Adonia [۳] Adonis

سؤر نے پھاڑ کر مار ڈالا تھا۔ محبت کی دیوی ایفروڈائٹی[1] (زہرہ) جو اس کی عاشق زار تھی اس کے مرنے کے صدمے سے نڈھال ہوگئی۔ اس کے شدتِ الم کو دیکھ کر خدائے خدایان یعنی زئیوس[2] نے حکم دیا کہ ایڈونس کو دوبارہ زندہ کیا جائے اور اس کو اجازت دی جائے کہ وہ سال میں چھ مہینے اپنی محبوبہ ایفروڈائٹی کے پاس زمین پر بسر کیا کرے اور باقی چھ مہینے بحالتِ مرگ آسمان پر رہا کرے۔ چنانچہ اگلے دن ایڈونس کو دوبارہ زندہ کیا گیا اور اسی دن سے آج تک وہ چھ مہینے زمین پر اور چھ مہینے آسمان پر بسر کرتا ہے۔ اہلِ بصیرت پر یہ بات واضح ہے کہ یہ ایک تمثیل ہے جس کے ذریعے سے سال میں چھ مہینے موسم بہار اور گرمی کی سرسبزی اور چھ مہینے خزاں اور سردی کی پژمردگی کو بیان کرنا مقصود ہے۔ ایڈونیا کے تہوار میں پہلے دن ایڈونس دیوتا کی موت پر ماتم کیا جاتا تھا اور اس میں خصوصیت کے ساتھ عورتیں بہت نمایاں حصہ لیتی تھیں۔ سینہ زنی کرتی تھیں اور نہایت جوش کے ساتھ بین کر کر کے روتی تھیں۔ دیوتا کے مرنے کی کیفیت کو ڈرامے کی شکل میں بھی دکھایا جاتا تھا۔ اگلے دن (جو اعتدال ربیعی کا دن ہوتا تھا) اس کے دوبارہ زندہ ہونے کی خوشیاں منائی جاتی تھیں۔ باغوں میں پودے اور پھول لگائے جاتے تھے اور گھروں میں گملوں اور گلدستوں سے در و دیوار کو سجایا جاتا تھا ؛

بعض موجودہ مؤرخوں کا خیال ہے کہ ایڈونیا کے تہوار میں ایڈونس کے ماتم کی جو رسوم تھیں۔ ایران میں وہ محرّم کی رسوم میں منتقل ہوگئیں اور اس کے دوبارہ زندہ ہونے کی جو خوشیاں منائی جاتی تھیں وہ نوروز کے تہوار کی خصوصیت بن گئیں ؛

---

[1] Aphrodite. [2] Zeus

اوپر کے بیان کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ ایران میں نوروز کا تہوار قدیم زگمک اور ایڈونیا کے تہواروں کا بقیہ ہے۔ لیکن ان کے علاوہ اہلِ بابل کا ایک اور تہوار بھی تھا جس کے بعض آثار نوروز میں موجود ہیں۔ اس کا نام یونانی اور لاطینی مؤرخوں نے سکائیا[1] بتلایا ہے۔ وہ خزاں کے موسم میں منایا جاتا تھا اور اس کی ایک خاص رسم یہ تھی کہ اس دن غلام آقا بنتے تھے اور آقا غلاموں کے فرائض انجام دیتے تھے۔ ایک واجب القتل شخص کو اس دن بادشاہ بنایا جاتا تھا اور اسے اجازت دی جاتی تھی۔ کہ جو جو بے اعتدالیاں اور زیادتیاں وہ چاہے کرے۔ اس کے بعد اسے قتل کر دیا جاتا تھا ؛

نظام الملک نے سیاست نامے میں نوروز کے متعلق شاہانِ ساسانی کا ایک دستور بیان کیا ہے[2] جو سکائیا کی ان رسموں کو یاد دلاتا ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ نوروز کے دن منادی کی جاتی تھی کہ جس شخص کو بادشاہ کے خلاف شکایت ہو آکر بیان کرے۔ بادشاہ دوزانو ہوکر موبدان موبد کے روبرو نہایت عاجزی کے ساتھ بیٹھتا تھا اور اسے تاکید کرتا تھا کہ میرے معاملے میں اپنا فیصلہ سنانے میں تُو ہرگز میری رعایت کو ملحوظ نہ رکھ اور پورے انصاف سے کام لے اگر تُو میرے خوف سے یا رعایت سے بے جا فیصلہ دے گا۔ تو خدا تجھے سزا دیگا بادشاہ کے ساتھ اس وقت ایک معمولی مُجرم کا سا سلوک کیا جاتا تھا اور اگر بادشاہ کا قصور ثابت ہو جاتا تو اسے اپنے گناہ کی پوری تلافی کرنی پڑتی تھی ؛

نوروز کے متعلق تاریخوں میں لکھا ہے کہ ساسانیوں کے زمانے میں اور بعد میں زمانۂ اسلامی میں بھی وہ چھ دن منایا جاتا تھا جن میں آخری یعنی چھٹا دن

---

[1] Sacaea [2] طبع پیرس، ص ۳۸ و ۳۹ ،

بہت اہمیت رکھتا تھا جس کو البیرونی نے النوروز الکبیر لکھا ہے[1]۔ چھٹے دن کی اہمیت کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے۔ کہ ساسانیوں کے زمانے کے سالانہ تہوار (جو اصل میں موسمی اور دیہاتی نوعیت کے تھے اور امور کاشتکاری سے متعلق تھے) تعداد میں چھ تھے جن کو مجموعی طور پر گاہان بار کہا جاتا تھا۔ چونکہ مذہب زرتشتی میں زراعت اور کاشتکاری کو ایک مذہبی فرض قرار دیا گیا ہے لہذا رفتہ رفتہ ان تہواروں کا تعلق مذہب کے ساتھ بھی قائم ہوگیا اور مذہبی رسوم وعبادات بھی ان میں شامل ہوگئیں، گاہان بار میں سے ہر ایک تہوار پانچ دن منایا جاتا تھا اور ان پانچ دنوں کے نام اوستا کے پانچ مقدس گاتھاؤں کے ناموں پر رکھے گئے تھے۔ سال کا سب سے آخری تہوار ہمسپت مئیدیا تھا جو خمسۂ مسترقہ[2] کے پانچ ایام میں منایا جاتا تھا، "یہ دراصل مُردوں کا تہوار تھا... موجودہ اوستا کے تیرھویں یشت (فروردین یشت، آیت ۴۹ - ۵۲) میں لکھا ہے کہ ہمسپت مئیدیا کے دنوں میں فروشی یعنی باایمان لوگوں کی روحیں برابر دس راتیں مؤمنوں کے گھروں پر آتی ہیں اور صدقہ و قربانی کا تقاضا کرتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس "یوم اموات" کو فروردگان یعنی فروشیوں کا تہوار بھی کہتے تھے، بیرونی لکھتا ہے کہ ان ایام میں لوگ بروج اموات یعنی دخموں پر کھانا رکھواتے تھے اور اپنے گھروں کی چھتوں پر پینے کی چیزیں رکھتے تھے تاکہ مُردوں کی روحیں (فروشی) کھائیں پئیں۔ اعتقاد یہ تھا کہ ان دنوں میں یہ روحیں غیر مرئی طور پر آکر اپنے خاندان کے لوگوں میں رہتی ہیں۔ لوگ اِس موقع پر شرِ سرو کوہی (حب العرعر) کی دھونی بھی دیتے تھے۔ کیونکہ یہ سمجھا جاتا تھا

---

[1] الآثار الباقیہ، ص ۲۱۷، [2] زرتشتی سال کا ہر ایک مہینہ تیس تیس دن کا ہوتا تھا۔ اس حساب سے سال کے ۳۶۰ دن ہوتے۔ بارھویں مہینے کے بعد یعنی سال کے اخیر میں پانچ دن اور بڑھا دئے جاتے تھے جن کو خمسہ مسترقہ کہتے ہیں

کہ اس کی خوشبو مُردوں کو مرغوب ہے۔[1] ہمسپث مئیدیا کے پانچ دن ختم ہونے کے بعد نیا سال شروع ہوتا تھا۔ یعنی چھٹا دن نوروز کا دن تھا۔ جس میں حسب معمول نئے سال کی خوشیاں منائی جاتی تھیں۔ بعد میں جب ایرانیوں نے اسلام قبول کر لیا تو زرتشتی تہوار ہمسپث مئیدیا کی رسمیں تو منسوخ ہو گئیں لیکن تہوار کے پانچ دن نوروز کے ساتھ شامل رہے اور وہ چھ دن تک منایا جانے لگا۔ جن میں چھٹا دن جو اصل میں فروردین کی پہلی تاریخ کو ہوتا تھا اب چھٹی تاریخ کو ہونے لگا۔ لیکن اس کی اہمیت اور عظمت وہی رہی جو پہلے تھی ؛

نوروز کی صبح کو ندیوں پر جا کر نہانے اور ایک دوسرے پر پانی چھڑکنے کی رسم کی اصلیت کے بارے میں متعدد وجوہات بیان کی گئی ہیں۔ رزمیات ایران میں تو یہ لکھا ہے کہ جمشید (بانیِ نوروز) نے حکم دیا تھا کہ اس روز نہا دھو کر اپنے آپ کو پاک کرو۔ بیرونی کا قول ہے کہ نہانا اور پانی چھڑکنا ایک ٹوٹکا تھا تاکہ سال میں بارش کافی ہو۔ جمشید کے زمانے میں ایک دفعہ سخت قحط پڑا۔ آخر بہت عرصے کے بعد بارش ہوئی۔ لوگوں نے اس کی خوشی میں ایک دوسرے پر پانی چھڑکا۔ تب سے یہ رسم جاری ہو گئی۔[2] قزوینی نے عجائب المخلوقات میں[3] ایک اور وجہ لکھی ہے جو اس نے رسولؐ اللہ کی زبانی بیان کی ہے :-

وعن عبد الصمد بن علی یرفعه الی	عبد الصمد نے اپنے دادا عبد اللہ بن
جدّه عبد الله بن عبّاس انّه أهدی	عباس کے حوالے سے روایت کی ہے
الی النبیّ صلی الله علیه وسلّم	کہ ایک دفعہ رسولؐ اللہ کے پاس تحفے کے

---

[1] تاریخ ساسانیان مؤلفہ کرسٹن سین ، [2] فتبرّکوا به وصبّه بعضهم علی بعض فبقیت سنّةً بهم (الآثار الباقیہ، ص ۲۱۸) ، [3] طبع یورپ ص ۸۰ ،

جام فضۃ فیہ حلواء فقال ما ھذا قالوا حلاوۃ النیروز قال وما ھو قالوا عید عظیم للفرس قال نعم ھوالیوم الذی أحیا اللہ فیہ العسکر قالوا وما العسکر یا رسول اللہ، قال الذین خرجوا من دیارھم وھم الوف حذر الموت فقال لھم اللہ موتوا ثم احیاھم فی ھذا الیوم ردّ علیھم ارواحھم امر السماء فمطرت علیھم فلذالک اتخذ الناس صبّ الماء فیہ سنۃ ثم اکل الحلواء وقسم الجام بین اصحابہ،

طور پر ایک چاندی کا پیالہ جس میں مٹھائی تھی لایا گیا، آپ نے پوچھا یہ کیا ہے ؟ لوگوں نے کہا نوروز کی مٹھائی ہے۔ آپ نے فرمایا نوروز کیا ہے ؟ لوگوں نے کہا۔ ایرانیوں کا بہت بڑا تہوار ہے ۔ فرمایا بیشک یہی دن ہے جس میں اللہ تعالٰے نے لشکر کو زندہ کیا، لوگوں نے پوچھا ۔ یا رسولؐ اللہ کونسا لشکر ؟ آپ نے فرمایا وہ جو اپنے گھروں سے موت کے ڈر کے مارے نکل کھڑے ہوئے حالانکہ وہ تعداد میں ہزاروں تھے۔ پس اللہ تعالٰے نے ان سے کہا کہ مرجاؤ پھر ان کو اسی دن (یعنی نوروز کے دن) زندہ کیا انکی روحیں انکو واپس دیں ان پر مینہ برسایا اسی لئے لوگوں نے ایک دوسرے پر پانی ڈالنے کی رسم کو اختیار کرلیا۔ تب آپ نے مٹھائی کو چکھا اور باقی پیالہ اپنے اصحاب میں تقسیم کردیا ؏

لیکن پانی چھڑکنے کی رسم کے ساتھ کوئی تاریخی واقعہ مربوط ہو یا نہ ہو وہ بظاہر ایک شگون تھا جو سرسبزی اور شادابی کی فال کے طور پر کیا جاتا تھا۔ یا طبیعتوں کے جوش میں محض دل لگی کا اظہار تھا۔ جیسے ہمارے ہاں ہولی کے دن ایک دوسرے پر رنگ چھڑکا جاتا ہے۔ نوروز کا چھٹا دن روز خرداذ کہلاتا تھا ۔ اور

زرتشتی عقیدے میں خرداد پانی کا فرشتہ ہے۔ عجب نہیں کہ اس فرشتے کے اعزاز میں مذہبی رسم کے طور پر ایسا کیا جاتا ہو۔

جس طرح ہندوستان کی موسیقی میں موسمی راگ اور راگنیوں کے نام ہیں بعینہ اسی طرح ایران میں ساسانیوں کے زمانے کی موسیقی میں موسمی راگوں کے نام تھے۔ ہندوستانی موسیقی میں فصل بہار کی دو راگنیاں ہیں۔ بسنت اور بہار۔ اسی طرح ایران میں بھی موسم بہار کے کئی راگ تھے۔ جن میں سے بعض کے نام نوروز کے ساتھ وابستہ تھے۔ ان میں سے ایک راگ کا نام نوروز تھا۔ ایک کا نام سازِ نوروز ایک نوروزِ بزرگ اور ایک نوروزِ کے گوانی (کیقباد) تھا، موسمِ بہار کی ایک راگنی کا نام سبز اندر سبز تھا۔ جس کا نام فردوسی نے باربد کے ذکر میں لیا ہے۔

محمد اقبال

دنیائے اردو جنگ عظیم کے بعد

اپنے زمانہ کے ادب کی قدر و قیمت کا اندازہ لگانا جہاں بظاہر آسان ہے وہاں بہت مشکل بھی ہے۔ اور غالباً مشکل بھی اسی لئے ہے کہ بظاہر بہت آسان ہے۔ انسان کی فطرت میں اسلاف کی عظمت اور بڑائی کی جو طلسم بھری عقیدت موجود ہوتی ہے۔ اس کی وجہ سے ہم عصر مصنف کی شخصیت نظروں میں نہیں جچتی۔ اس کے علاوہ معاصرانہ مدارات اور مراعات، دوستانہ مراسم اور تعلقات، صلہ کی تمنا اور شہرت ارزاں کی ترغیبات حقیقتاً بے لاگ اور سچی تنقید کے راستے میں سنگِ گراں ثابت ہوتی ہیں۔ اور ایک نقاد کے لئے کھرے کھوٹے کا پرکھنا دشوار ہو جاتا ہے۔ جدید ادب کے مبصر کی سب سے بڑی بدقسمتی یہ ہے۔ کہ بقول ولیمز[1] اسے اکثر ایسے گلفروشوں سے سابقہ پڑتا ہے۔ جن کے ہاں کا ہر پھول عمدہ، اعلیٰ اور بے نظیر ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اسی دعویٰ اور اسی اعلان پر ان کی بِکری موقوف ہے۔ بقول شاعر ؎ آپ جس پھول کو توڑیں وہی رعنا ہوگا۔

اسی طرح ادبی ادوار کی حد بندی بھی بہت مشکل چیز ہے۔ اثرات کا عمل اور رَدِّ عمل وہ مخفی اور خاموش سلسلۂ فعل ہے۔ جو غیر محسوس طور پر لٹریچر میں شروع ہو جاتا ہے اور اپنے وانشگاف اظہار کے لیے کسی اہم وقت اور موقعہ کا متلاشی رہتا ہے۔

جنگ عظیم سے پہلے دنیا کی تاریخ میں جنگ عظیم ۱۹۱۴ء ایک بہت بڑی حدِ فاصل[2] ہے جس سے اِدھر اور اُدھر مختلف اثرات و عوامل مختلف خصوصیات

(1) WILLIAMS, MODERN ENG WRITERS (1890- 914) - P.3

(2) MUIR, POLITICAL CONSEQUENCES OF THE WAR (1930) جنگ کے اثرات کیلئے دیکھو

نیز پیام شباب رقاصی نذر الاسلام کی نظموں کا مجموعہ ص ۷

وامتیازات اور مختلف میلانات و رجحانات کی صاف صاف اور واضح سرحدیں نظر آتی ہیں۔ مثلاً جنگ سے پہلے کے یورپ اور بعد کے یورپ میں خیالات کے معاملہ میں اتنا بیّن فرق نظر آتا ہے جس کا اندازہ شاید ہندوستان میں نہ کیا گیا ہو۔ جنگ سے پہلے یورپ کی فضا مادہ پرستی اور قوم پرستی، سائنس کے 'این جہانی' پس منظر اور روحانیت سے بیزار جارحانہ سپرٹ سے اس طرح لبریز ہوگئی تھی کہ غیب کی تاریکیوں سے گذر کر حقائق کی درخشاں دُنیا پر پڑنے والی نظروں نے پیش گوئی کردی تھی کہ تہذیب مغرب کی قبا کے پُرزے اب فضائے آسمانی میں اڑنے والے ہیں۔ کیونکہ ڈارون کے نظریۂ حیات نے زندہ رہنے اور ترقی کرنے کے لیے جو زہر پلایا۔ مگر سچا تصور عجلت پسند اور فریب خوردہ انسان کے سامنے پیش کیا تھا اس نے خود ہی دارونیت کی موت کا بندوبست کردیا تھا وکٹورین عہد کے اواخر میں انگلستان میں جو تردد اور روحانی بے اطمینانی موجود تھی۔ اس کا اظہار اس عہد کے صاحبان کمال اور ارباب فن کے کارناموں سے بخوبی ہوتا ہے مثلاً جان رسکن نے آرٹ اور اخلاق میں جو گہرا رشتہ قائم کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس کے خلاف ردّعمل ہُوا۔ اور آسکر وائلڈ نے ایک ایسا نظریۂ فن پیش کیا جس میں آرٹ کو زندگی سے الگ اور سراسر منقطع حقیقت ثابت کیا۔ یہ شاعر اور مصنف "آرٹ محض آرٹ کی خاطر" کے خیال کا مبلّغ تھا اور زندگی میں مروجہ اخلاقی اصولوں کا سب سے بڑا مخالف۔ اس کی اپنی زندگی آزاد روش کی آئینہ دار تھی۔ جس کا اثر انگلستان اور ہندوستان کے نوجوانوں پر بہت گہرا پڑا۔ اگرچہ بٹلر کی کتاب The way of all flesh. نے اس کے خلاف دوسری شاہراہ نکالی لیکن واقعہ یہ ہے۔ کہ آسکر وائلڈ اور اس کے بعد ڈی۔ ایچ لارنس نے جو راستہ قائم کیا۔ اس کا اثر آج تک محسوس ہوتا ہے۔

---

(1) Routh — Towards the 20th Century P 9:

Williams — Modern English writers (1890-1914)

جنگ کے بعد یورپ میں جنگ عظیم کا اثر مختلف طبیعتوں پر مختلف ہُوا۔ ایک فرانسیسی کے یہ الفاظ ایک گروہ کی ذہنیت کو آشکارا کرنے کے لئے کافی ہیں۔ کہ "اگر واقعی خدا ہوتا تو شاید یہ تمام مصیبتیں ظہور میں نہ آتیں"[1]۔ مگر ایک جماعت ایسی بھی تھی۔ جس نے اس خوفناک قیامت کو روحانی کمزوریوں کی طرف منسوب کیا۔ اور دنیا میں ایک اخلاقی انقلاب کی ضرورت محسوس کی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ موخر الذکر جماعت کا نظریہ چنداں ہمہ گیر نہیں ثابت ہُوا۔ اس لئے کہ تھوڑی ہی مدت کے بعد یورپ میں پھر مایوسانہ شک و تردّد، اجتماعی مسرت کے مقابلہ میں ذاتی خوشی کی تلاش، عام آزادی رائے کے مقابلہ میں عقاید پرستانہ عصبیت اور روحانیت سے عاری تصوف کو بہت فروغ ہُوا۔ جرمنی میں expressionism کی تحریک عام ہوئی۔ جس نے بعض غیر فطری رجحانات کو نشو و نما دی۔ عورتوں کے بارے میں گوئٹے کا نظریۂ محبت غلط ثابت کیا۔ اور ان کے مقابلہ میں مردوں کو موضوع محبت بنانے کی تحریک پیدا ہوئی۔ ٹامس مَن اس جماعت کے بہت بڑے علمبردار ہیں۔ روس میں گورکی نے عوام کے ادب کی طرف توجہ کی اور ہیوزن نے ادب کو زندگی سے پیوستہ کیا۔ کارل مارکس کے نظریۂ اقتصاد کو اگرچہ روس کے علاوہ کہیں بھی عام مقبولیت نہیں حاصل ہوئی۔ تاہم ۱۹۱۸ء کے بعد سے دنیا میں اس کے متعلق خاص دلچسپی نظر آتی ہے۔

جنگ کا اثر ہندوستان پر افسوس ہے کہ ہندوستان میں جنگ عظیم نے کوئی خاص روحانی اثر پیدا نہیں کیا۔ خلافت کی تحریک میں عارضی طور پر احیائے مذہب کی تحریک کو کچھ سنبھالا نصیب ہُوا۔ لیکن اس کے بعد روحانی تصفیہ کی تحریک مردہ ہوگئی۔ البتہ سیاسی رنگ میں ہندوستان میں جنگ عظیم کا اثر روس کی طرح ایک نئی زندگی اور تازہ بیداری کا پیغام بن کر آیا۔ ۱۹۱۸ء کے بعد جبکہ یورپ

(1) Rose + others — Contemporary movements in European Literature)

میں جنگ کا عملی طور پر خاتمہ ہو چکا تھا۔ ہندوستان میں اثرات جنگ کے طور پر اقتصادی بےچینی پیدا ہونے کے علاوہ قومی حکومت کے حصول کے لئے تحریک ترک موالات وجود میں آئی۔ جو ٹرکی کی تقسیم اور مسئلۂ خلافت کی وجہ سے مسلمانان ہند کے اضطراب و احتجاج کی بنا پر ۱۹۱۹ء میں اس درجہ قوی اور مستحکم ہو گئی۔ کہ اس کی وجہ سے آل انڈیا نیشنل کانگریس ایک حقیقت ثابتہ بن گئی۔ ادھر ہجرت کی تحریک کی وجہ سے بعض ہندوستانی نوجوانوں کو جدید روس کے خیالات سے روشناس ہونے کا موقعہ ملا۔ جنہوں نے ہندوستان میں واپس آکر روس کے اشتراکی خیالات کی تبلیغ کی۔ ملک کے اندر کسانوں اور مزدوروں میں ایک خاص احساس ترقی پذیر ہوا۔ جس کی وسعت اور شدت یہاں تک پہنچی کہ ۱۹۳۵ء میں آل انڈیا نیشنل کانگریس کے پلیٹ فارم سے اشتراکی اصولوں کی تبلیغ کی آواز اٹھی۔

مغربیت کی مخالفت تحریک ترک موالات نے خالص ادب پر کوئی نمایاں اثر نہیں ڈالا لیکن اس ذہنیت کی تعبیر میں بہت بڑا حصہ لیا۔ جس کی پیداوار ادب ہے۔ ترکِ موالات کی تحریک کا سب سے بڑا مقصد جو ہندو مسلمانوں کو کچھ دیر باہم ملائے رکھنے کا باعث ہوئی۔ ہندوستانیوں کے لئے قومی حکومت کا حصول تھا۔ لیکن چونکہ جس جماعت سے قومی حقوق کا مطالبہ تھا۔ وہ ایک مغربی قوم تھی۔ اس لئے ہندوستان میں ترکِ موالات کی تحریک سے 'مغرب' کے خلاف بہت بڑی بغاوت پیدا ہوئی چنانچہ مغربی تہذیب، مغربی وضع، مغربی تراش خراش، مغربی علوم، مغربی نظریات و تصورات سب کی مخالفت ہوئی۔ مغرب سے دشمنی یا بالفاظِ دیگر' مشرقیت کے احیا' کی تحریک کو زیادہ تقویت اس لئے بھی ہوئی۔ کہ ترک موالات کے لیڈروں میں ایک طرف مہاتما گاندھی اور دوسری طرف علمائے اسلام (مثلاً مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی اور مولانا عبدالباری صاحب فرنگی محلی) نے سیاسیات کی گاڑی کو مذہبی احساسات کی قوت سے چلایا۔

تحریک عدم تعاون کی بے اثری

تحریک ترک موالات کو ایک سیلاب سے تشبیہ دی جا سکتی ہے جس کا چڑھاؤ جتنا تیز اور مہیب تھا۔ اس کا اتار اس سے کہیں زیادہ فوری اور افسوسناک ثابت ہوا۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کے بعد ملک میں مصنفین کی ایک اچھی خاصی تعداد پیدا ہو گئی تھی۔ جن کے نتائج ذہن سے اردو کا ذخیرہ مالا مال ہے۔ لیکن موجودہ تحریک نے علم و ادب کی نئی دنیا میں بڑے ناموں کا کسی طرح اضافہ نہیں کیا۔ جن کو ہم زبان اردو کے عناصر خمسہ کے مقابلہ پر پیش کر سکیں۔ اقبال اور ابوالکلام ظفر علی اور حسرت چند ایسی شخصیتیں ہیں۔ جن کی ذہنی تربیت "اتحاد اسلام دور" میں ہو چکی تھی۔ لہذا انہوں نے جو کچھ اس زمانے میں لکھا۔ اُسے محض اثرات جنگ کی تحریک یا پیداوار نہیں کہا جا سکتا۔

تحریک عدم تعاون کے نتائج

بایں ہمہ تحریک ترک موالات بالکل بیکار نہیں گئی۔ انگریزی سکولوں اور کالجوں کے بائیکاٹ کے طفیل ۱۹۲۰ء میں علیگڑھ میں مولانا محمد علی نے جامعہ ملیہ کے نام سے ایک یونیورسٹی کا سنگ بنیاد رکھا۔ جس کا نظام تعلیم دیسی اور قومی ضروریات کے عین مطابق تھا اور جس کی غایت طلبہ میں قومی حس کی نشوونما اور آزاد ذہن کی پرورش اور تربیت تھی درحقیقت جامعہ ملیہ کی کارکردگی اس کے حسن نیت اور صدق ارادت کا ایک شیریں ترین نتیجہ ہے۔ جامعہ ملیہ میں اسلامی ہندی تمدن کی تبلیغ اور اسلامی ہندی قومیت کے فروغ کے لئے نہایت پرخلوص خدمت ہو رہی ہے۔

پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ ترک موالات کے زمانے میں مغرب اور مغربیت کے خلاف جو زبردست نفرت پیدا ہو گئی تھی۔ اس سے مشرقیت کی تحریک کو کسی قدر فروغ ہوا۔ لیکن مغربی اثرات کے نفوذ اور شیوع کو بہت جلد ایک دوسرا راستہ مل گیا۔ اگرچہ مذہب اور فلسفۂ مذہب میں اقبال جیسی بلند پایہ شخصیت نے مغربیت کے خلاف پرزور

جہاد کا علم بلند کئے رکھا۔ لیکن ادب، شعر، افسانہ، ناول، آرٹ اور فن کی دنیا میں مغرب کا اثر پہلے سے کہیں زیادہ محسوس ہوا۔ علی الخصوص ۱۹۲۷ء کے بعد جب کہ ہندوستان میں کارل مارکس کے نظریات کے متعلق عام دلچسپی پیدا ہوئی۔ اور اس کے ساتھ ہی روسی واقعیت (Realism) نے نوجوانانِ وطن کو مسحور کرنا شروع کیا اِس دور میں روسی اثرات اس درجہ کارفرما ہیں۔ کہ اگر ہم آئندہ زمانے کو روسی اثرات کا دور کہدیں تو بے جا نہ ہوگا۔

قبل از جنگ یورپ کا اثر ہند پر

اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہندوستانی مصنفین یورپ کے جدید ترین اثرات سے ہی متاثر ہیں۔ اور ان اکابر کے علمی اور ذہنی فیضان سے یکسر محروم ہیں۔ جو آج سے تیس چالیس سال پہلے یورپ کے دل و دماغ پر حاوی تھے۔ بلکہ یہ ایک حیرت انگیز حقیقت ہے کہ ہندوستان کے مصنفین پر ۱۹۱۸ سے ۱۹۳۵ تک کے دور میں بعض ایسے مغربی مفکرین کا اثر نظر آتا ہے۔ جن کا مسلک یورپ میں ناقابل قبول قرار پاکر مسترد ہو چکا تھا۔ گویا ہندوستان میں دنیا کی عام ادبی اور علمی لہر پندرہ بیس سال بعد پہنچتی ہے۔ ۱۹۳۵ء سے پہلے نمایاں طور پر آرٹ محض آرٹ کی خاطر کا مذہب فروغ پذیر رہا۔ چیخوف جو روس میں انقلاب کے بعد بہت کچھ ناقبول ہو گیا تھا۔ ہندوستان میں بہت پسند ہونے لگا۔ اسی طرح آسکر وائلڈ کا تصورِ زندگی نوجوانوں کیلئے اس وقت بہت کچھ کشش کا باعث بن رہا ہے جب خود انگلستان میں اس کے خلاف باقاعدہ ردِ عمل ظہور میں آگیا۔

ادب اور زندگی

تاہم اس دور میں ادب اور زندگی کی تحریک پوری قوت کے ساتھ پھیلی جس میں مفکرین مغرب کے تتبع میں اس بات پر خاص زور دیا گیا کہ ادب کا زندگی کے ساتھ گہرا تعلق ہونا چاہئے۔ وہ ادب جو ہمیں روزمرہ زندگی کے مسائل سے دور لے جاتا ہے۔ بیکار اور بیمار ادب ہے جس سے قوم کو کچھ فائدہ

نہیں۔ اس تحریک کے علمبرداروں کے نزدیک روایات اور قدامت کا احترام ترقی کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے۔ اور نئی زندگی کے ساتھ ساتھ نئی روایات اور نئے رسوم اور طریقے ظہور میں آنے چاہئیں۔

ادب میں صوبہ پرستی

اس دور کے لٹریچر میں صوبہ پرستی کے آثار نہایت نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ غلامانہ زندگی کے زیر اثر ہندوستان جیسے وسیع براعظم میں وحدت کا پیدا ہونا ایک مشکل بات ہے لہذا اس میں مختلف قوموں، جماعتوں، خطوں، اور صوبوں کے درمیان اختلافات کا پیدا ہونا نہایت آسان ہے ۱۹۲۳ء کے بعد ہندوستان میں منافرت اور باہمی نزاعات کی صرصر کچھ ایسی چلنے لگی۔ کہ ملک کی وحدت ایک بسرا ہوا خیال بنکر رہ گئی۔ اس زمانے میں ہر صوبے میں بعض ایسی سوانح عمریاں لکھی گئیں۔ جن سے ان خاص خطوں کے بعض تاریخی ناموروں کے کارناموں کو اجاگر کرنا مقصود تھا۔ اسی طرح زبان اردو کے اصلی مولد اور وطن پیدائش ہونے کا دعوی مختلف صوبوں کیطرف سے کیا گیا۔ جو ایک آدھ جگہ تو خالص علمی تحقیق کا ثمرہ ہے۔ لیکن بیشتر اسی صوبہ پرستی کا مظاہرہ!

تحریک عدم تعاون سے اردو بولی کی ترقی

تحریک ترک موالات میں زبان اردو کو عوام میں پھیلنے کا بہت موقعہ ملا۔ خلافت اور کانگرس کے مبلغین نے گاؤں گاؤں میں پھر کر اپنے مقاصد کی تبلیغ کی۔ جس کے لئے زبان اردو کو ذریعۂ اظہار خیال قرار دیا۔ اس عہد میں تحریر کے مقابلہ میں تقریر کی طرف خاص توجہ کی گئی۔ اگرچہ یہ دور بہت سے اچھے اخبار نویسوں کو منصۂ شہود پر لانے کا باعث ہوا۔ لیکن چونکہ یہ عہد جذبات کا دور، تھا۔ اس لئے مفکرین کی بجائے مقررین کی تعداد میں بہت اضافہ ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ اس عہد کے اثرات محض نقش بر ہوا ہونے کی وجہ سے بہت جلد دلوں سے محو ہو گئے۔ اور خیالات و افکار کی دنیا میں ان کا کوئی پایدار اثر باقی نہ رہا۔ اردو کے اس قبول عام کے خلاف، ہندوؤں میں بہت زبردست ردعمل ہوا۔

چنانچہ ہندی کے فروغ کے لئے پہلے سے بھی باقاعدہ، پرجوش اور منظم کوششیں ظہور میں آئیں۔ اسی دور میں ہماری زبان کے لئے اردو کی بجائے "ہندوستانی کے پرانے لقب کا احیا ہوا۔ جس سے مقصود یہ ہے کہ ایک آسان مشترکہ "ہندی اردو" زبان وجود میں لائی جائے۔ جو تمام ہندوستان میں سمجھی اور بولی جائے۔

بعض بلندپایہ رسائل اور ادارے بھی اسی دور کی یادگار ہیں۔ مثلاً معارف (اعظم گڈھ) جامعہ (دہلی) اردو (اورنگ آباد)۔ ہندوستانی (الہ آباد) ہمایوں (لاہور)۔ کارواں (لاہور) اورنیٹل کالج میگزین لاہور۔ اس ضمن میں جامعہ عثمانیہ کے ترجمے اور جامعہ ملیہ کا سیاسی لٹریچر بھی خاص قابل ذکر ہے۔

نیا ادب کی تحریک ۱۹۳۶ء میں نیا ادب یا ترقی پسند ادب کی تحریک کا آغاز ہوا جس کا مقصد یہ تھا۔ کہ ادبیات اور فنون لطیفہ کو قدامت پرستوں کی مہلک گرفت سے نجات دلائی جائے۔ اور ان کو عوام کے دُکھ سُکھ اور جد وجہد کا ترجمان بناکر اس روشن مستقبل کی راہ دکھادے۔ جس کے لئے انسانیت اس دور میں کوشاں ہے۔ نیز یہ کہ "ہندوستان کا نیا ادب ہماری زندگی کے بنیادی مسائل کو اپنا موضوع بنائے یہ بھوک افلاس، سماجی پستی اور غلامی کے مسائل ہیں۔"[1] ترقی پسند ادب کی تحریک ابھی نئی ہے اور ہر نئی تحریک کی طرح جوش اور انتہا پسندانہ بے اعتدالی کے اثرات اس میں نمایاں معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن یہ توقع رکھی جاسکتی ہے کہ جب بہتر لوگ اس کی باگ اپنے ہاتھوں میں لیں گے۔ تو اس سے ملک کے ادب کو بہت فائدہ ہوگا۔

لاادریت اور لادینی اب تک جو کچھ بیان ہوا۔ اس سے مقصد ادبی تحریک کے متعلق متفرق اظہار رائے تھا۔ مجموعی اعتبار سے یہ دور سوائے تحریک خلافت کے زمانے کے جو لذت یقین کا حامل تھا، روحانی بے اطمینانی، مذہبی کش مکش

---

[1] اقتباس از اعلان نامہ انجمن ترقی پسند مصنفین۔ (از رسالہ اردو ص ۳۲۳ (۱۹۳۶)

اور افکار کے ہیجان کا زمانہ تھا۔ اگرچہ "اتحاد اسلام" دور کے مفکر روحانی سکون کے پیدا کرنے اور ایمان و ایقان کے مضبوط کرنے کے لئے مسلسل کوشش کرتے رہے (مثلاً علامہ اقبال وغیرہ) لیکن اس میں شبہ نہیں کہ غلامانہ زندگی سیاسی ہیجان اور یورپ سے مسلسل و پیہم رابطہ و تعلق کی وجہ سے بیدار اور تعلیم یافتہ جماعت میں تردد اور شک، لاادریت اور مادیت کے عناصر زیادہ سے زیادہ ہو رہے ہیں۔ اور روحانیت ایک موہوم بہشت کی طرح اب اس قابل نہیں سمجھی جاتی کہ مادہ پرست مخلوق اس کو قابل اعتنا خیال کرے۔ مجلسی مسائل کی بدستور چھان بین ہو رہی ہے اور اگرچہ عنایت اللہ خان المشرقی کی تحریک اور جدید علیحدہ قومیت کے تصور نے مسلمانوں کی سیاسی عصبیت کو محکم بنا دیا ہے۔ لیکن مذہب کے روحانی پہلو اور اس کے مجلسی نظام کے متعلق ان تحریکوں سے تنقید اور جرح و قدح میں کمی نہیں آئی۔ درحقیقت علامہ اقبال کے روحانی اور ایمانی پیغام کی بے اثری کا سب سے بڑا سبب یہی ہے۔ کہ ان کی پیروی کا دعوی کرنے والے ان کے مذہبی فکر سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے۔ ادب کے لطیف مظاہر کے بارے میں کوئی زاویۂ نظر متعین نہیں ہوا۔ کیونکہ آرٹ اور زندگی' کا فلسفہ نہایت سختی کے ساتھ 'آرٹ محض آرٹ کی خاطر' کے ساتھ برسرپیکار ہے (James Joyce) D.H.Lawrence اور (James Joyce) کی حقیقت پسندی اور عریاں نگاری نوجوان ادیبوں میں بہت فروغ پا رہی ہے۔ اور جنس (Sex) اور اقتصاد کو بہت اہمیت مل رہی ہے۔ اور اگرچہ کسان اور مزدور اور ملکی غلامی کا مسئلہ 'نیا ادب' کے مقاصد میں بمنزلہ عنوان ہے۔ لیکن محنت کش اور مزدور ابھی تک اس قابل نہیں سمجھا گیا۔ کہ عورت کے مقابلے میں ہمارے نوجوان ادیب ان غریب اور بے کس انسانوں کی اصلاح اور بہتری کی جانب ملتفت ہو سکیں پھر یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے۔ کہ اسلاف کی تقلید کے خلاف احتجاج کرنے والے یورپ کی تقلید میں جمود کا وہ راستہ اختیار کر رہے ہیں۔ جس سے

شاکی ہو کر علامۂ اقبال نے جدید ترکوں کے متعلق فرمایا تھا۔

ترک را آہنگِ نو در چنگ نیست
تازہ اش جز کہنۂ افرنگ نیست

مذہب علم الکلام اور سیاست

گذشتہ سطور میں اس دور کے ذہنی رجحانات کی طرف جو مجمل اشارات کئے گئے ہیں۔ اب ان کی کسی قدر تشریح کی جاتی ہے۔ سب سے پہلے مذہب اور متعلقات مذہب پر نظر ڈالتا ہوں۔ جو اس دور میں ایک زندہ حقیقت کا درجہ رکھتا ہے۔ اور ابھی تک دنیائے اردو کے مفکرین کے لئے مخالفانہ یا ہمدردانہ توجہ کا موضوع بنا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ چونکہ اس دور میں مسلمانان ہند کی ۱۸۵۷ء کے بعد سب سے بڑی اجتماعی مذہبی تحریک خلافت ظہور میں آئی۔ اس لئے اس سے قطع نظر کرنا ممکن نہیں۔

شبلی کا اثر میں عرض کر چکا ہوں۔ کہ اتحاد اسلام دور کے سب سے بڑے رہنما اور مفکر جنہوں نے سرسید کے علم کلام اور فلسفہ سیاست کی موثر مخالفت کی۔ علامہ شبلی تھے۔ اگرچہ مدرسۂ دیوبند اپنے رنگ میں قال اللہ و قال الرسول کی مشعل کو روشن کئے ہوئے تھا۔ لیکن شبلی نے اپنی مذہبی فکر کو جارحانہ سیاسی نصب العین سے مسلح کیا۔ اور نوجوانوں کے مشوش اور تاریک قلوب کو مغرب کی مخالفت کی تیز روشنی سے منور کرنے کی کوشش کی۔ شبلی کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد اور کارنامہ یہ تھا۔ کہ مسلمانوں کو سرسید کے علم الکلام اور ان کی سیاست کے اثرات سے بچایا جائے۔ چنانچہ انہوں نے باقی کاموں کے علاوہ خود علیگڈھ کالج (جو اب یونیورسٹی ہے) کے مقابلہ میں ندوۃ العلما کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا۔ جو "توسیع علم اور ترقی و اصلاح ہی کا مرکز نہ رہا۔ بلکہ علیگڑھ کی مخالفت میں ردعمل کا مرکز بھی بن گیا"۔[۱]

---

[۱] موج کوثر (از شیخ محمد اکرام، ص ۱۷۱)

اس موقعہ پر ہمیں مولانا شبلی کے فکر کے امتیازات پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں۔ موجودہ مقصد کے لئے صرف اتنا اشارہ کر دینا کافی ہوگا کہ شبلی کی عظیم الشان شخصیت کا اثر "اتحادِ اسلام دور" کے اکثر مصنفین مذہب پر بہت گہرا نظر آتا ہے۔ ان اثرات کا رنگ ان کے رفقا اور شاگردوں کے ذریعے "ترکِ موالات" کے زمانے میں اور بھی گہرا ہو گیا۔ مغربی تعلیم اور مغربی طرزِ زندگی کے خلاف جو جہاد مولانا شبلی نے شروع کیا تھا۔ اس کی تکمیل مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا سید سلیمان نے اس نئے دور میں بڑی شد و مد کے ساتھ کی۔ اگرچہ مولانا ابوالکلام آزاد نے الہلال کو دوبارہ جب زندہ کیا تو اس کی زندگی بہت کم تھی۔ تاہم الہلال کے قدیم دور نے جو ذہنیت مغرب کے خلاف پیدا کر دی تھی۔ وہ بجائے خود جدید خیالات کی تشکیل کے لئے کافی تھی۔

رفقائے شبلی

مولانا شبلی کے رفقائے کار اور تلامذہ نے اسلام کے ذہنی اور عملی پہلو کا جس رنگ میں مطالعہ کیا۔ اور ان کو جس دلکش اور موثر انداز میں پیش کیا۔ اس کی سب سے بڑی غایت یہ تھی کہ اسلام کو جدید سائنس اور علم کی دنیا میں کامیاب ترین مذہب ثابت کیا جائے۔ مغرب سے متاثر ہو کر ہمارے نوجوان اسلام کے مستقبل بلکہ اس دورِ عقل و ترقی میں اس کی زندگی سے ہی مایوس ہو رہے تھے۔ ان کے دلوں میں پھر سے یقین پیدا کیا اور درخشان ماضی کی دلکش تصویریں دکھا دکھا کر یہ حقیقت نمایاں کی کہ اسلام کا حال اگرچہ مایوس کن ہے۔ لیکن ماضی کے اصولوں پر عمل کرنے سے مستقبل بہتر بن سکتا ہے۔

اس کام کے لئے شبلی اور رفقائے شبلی نے تاریخ اسلامی[1] سے کام لیا۔ اور تمدن اور علوم سیاسیہ کی روشنی میں اپنی سوسائٹی کا تجزیہ کیا۔ خالص مذہبی عقائد پر بحث و نظر سے اجتناب اس لئے ضروری نظر آیا۔ کہ اب اس کی ضرورت باقی نہ تھی۔ علوم جدیدہ کی

---

[1] دار المصنفین کی کتب تاریخ اور معارف اعظم گڑھ کی مجلدات (از ۱۹۱۶ء تا حال) ملاحظہ ہوں۔

کی روشنی میں اپنے علوم کو دیکھا۔ اور ان سے اسلام کی فوقیت ثابت کی۔ فکری ہیجان کے اس پہلو سے زیادہ واقفیت حاصل کرنے کے لئے معارف اعظم گڑھ کی مجلدات کا مطالعہ بہت مفید ہوگا۔ یہ رسالہ شبلی کے ارشد تلامذہ مولانا سید سلیمان صاحب ندوی نے ۱۹۱۶ء میں جاری کیا تھا اور درحقیقت اسی رسالہ کو افکار شبلی کا ترجمان خیال کرنا چاہئے۔

سید سلیمان ندوی

مولانا سید سلیمان نے سینکڑوں مضامین کے ذریعے اسلام کے تمدنی اور عقلی پہلوؤں کی فوقیت پر بحث کی ہے۔ وہ اپنے استاد شبلی کی طرح مغرب کے سارے نظام علمی و تمدنی کے مخالف ہیں۔ اور بقول شیخ محمد اکرام اس مخالفت کے اظہار کا کوئی موقعہ ضائع نہیں ہونے دیتے[1] تحریک خلافت کے دوران میں مسئلۂ خلافت کی مذہبی اہمیت پر بہت عالمانہ تحقیق و تدقیق ہوئی۔ اس لئے کہ مسلمانان ہند اپنی موجودہ سیاسی زندگی میں اس حادثے سے بہت گہرے طور پر متأثر ہوئے۔ اس علمی اور قلمی کوشش میں مولانا سید سلیمان، مولانا عبدالسلام ندوی۔ ابوالحسنات ندوی اور بعض دوسرے حضرات نے بھی شرکت کی۔ اور مولانا ابوالکلام آزاد (جو دارالمصنفین کے حلقہ سے الگ ہیں) نے اپنے خطبۂ صدارت میں اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث کی۔ اس تجزیہ و تحلیل کا ایک غیر محسوس سا اثر مسلمانوں کے ذہن پر یہ پڑا۔ کہ انہوں نے پہلی دفعہ خلافت کے اصول اور موجودہ جمہوریت کے تقابل کے مبحث پر نگاہ ڈالی چنانچہ جب خود ترکی نے خلافت کو منسوخ کردیا تو مسلمانان ہند اس تلخ مگر سچی حقیقت سے روشناس ہوگئے کہ اب انہیں ہندوستان کے وطنی مسائل میں دلچسپی لینی چاہیئے۔

مذہب اور عقلیات میں مولانا عبدالماجد اور مولانا عبدالباری کے مضامین خاص طور پہ قابل توجہ ہیں۔ برکلے کا تصور الٰہ مسلمانوں کے فکر کے بہت نزدیک ہے۔ اس کے مکالمات کا ترجمہ ہوا۔ مولانا عبدالباری[2] مذہب اور عقل کی حدود پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں "ریل کی دو گاڑیاں ٹکرا سکتی ہیں۔ اور ٹکراتی ہیں۔ لیکن ریل گاڑی

---

[1] موج کوثر [2] رسالہ معارف اعظم گڈھ فروری ۱۹۲۲ء

اور جہاز میں تصادم ناممکن ہے۔ اس لئے کہ ریل سمندر میں چل ہی نہیں سکتی اور نہ جہاز خشکی پر"۔ مولانا شبلی نے شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی کے فلسفۂ سیاست کی طرف خاص توجہ کی تھی اسکے زیر اثر حجۃ اللہ البالغہ کی جانب خاص توجہ ہونے لگی۔ چنانچہ اب شاہ صاحب کے متعلق رسائل کے خاص نمبر نکل رہے ہیں۔

اس دور میں قرآن مجید کے مطالعہ کی طرف بہت میلان پیدا ہوا چنانچہ ارض القرآن کے نام سے سید سلیمان صاحب نے ایک کتاب لکھی۔ جس میں قرآن مجید کے جغرافیہ سے بحث کی ہے[1]۔ معلومات جدیدہ کی روشنی میں اگرچہ اس کتاب کے بعض واقعات غلط ثابت ہوئے ہیں۔ لیکن قرآن حکیم کے مطالعہ کی طرف یہ پہلا قدم ہے۔

مولانا ابوالکلام

مولانا ابوالکلام اگرچہ دارالمصنفین سے متعلق نہیں۔ لیکن وہ مولانا شبلی کے سرچشمۂ افکار سے بہت سیراب ہوئے ہیں۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ شبلی کی طرح سرسید کے اثرات کی مخالفت ہے۔ "سرسید سے ان کے اختلافات صرف مذہب اور سیاسیات تک ہی حاوی نہ تھے۔ بلکہ علیگڑھ تحریک کے قریب قریب ہر پہلو پر حاوی تھے"[2]

مولانا ابوالکلام کی شخصیت، آپ کا تبحر، آپ کی مقناطیسی کشش، آپ کی تحریر و تقریر آپ کا ذوق علم، آپ کا اعلیٰ ذوق غرض آپ کی جامع قابلیت نے بہت جلد آپ کے اثر کو نمایاں کر دیا۔ شبلی ایک مصنف تھے۔ ان کا وقت بیشتر تدوین و تالیف میں گذرا لیکن مولانا ابوالکلام نے جریدہ نویسی اور صحافت کے ہمہ گیر اور مؤثر فن سے اعتصام کیا یہی وجہ ہے کہ علیگڑھ پر جو حملہ انہوں نے کیا وہ شبلی کے مقابلہ میں کہیں زیادہ ہلاکت آفرین تھا۔

---

[1] قرآن مجید پر چند کتابیں جو اردو میں اس عہد میں لکھی گئی ہیں۔ یہ ہیں۔ مولانا عبدالحق فاروقی کی کتابیں کشاف[2] المہدی از سیٹھ یعقوب حسن۔ مقاصد[3] القرآن از مولانا ممتاز علی، ترجمان[4] القرآن از مولانا ابوالکلام آزاد۔ بیان للناس از مولانا احمد امرتسری۔ [2] موج کوثر ص ۱۵۴،

اگرچہ علمائے اسلام پر مولانا ابوالکلام کا اثر زیادہ نمایاں معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ علما کے نزدیک زہد و تقویٰ کا جو معیار ہے اس پر مولانا ابوالکلام پورے نہیں اترتے۔ تاہم مولانا کی علمیت اور فاضلانہ شان سے بڑے سے بڑے علما بھی مرعوب ہیں۔ چنانچہ مولانا سید سلیمان ندوی نے ایک موقعہ پر ان کے حالات قلمبند کرتے ہوئے لکھا تھا "ان سطروں کے لکھنے وقت ہم کو یہ دھوکہ ہو رہا ہے۔ کہ کیا میں خود ابن تیمیہ اور ابن قیم یا شمس الائمہ سرخسی یا امیہ بن عبدالعزیز اندلسی کے حالات تو نہیں لکھ رہا ہوں؟"[1]

مولانا ابوالکلام احیائے مشرقیت کی تحریک کے بہت بڑے علمبردار ہیں۔ الہلال والبلاغ کے ذریعے آپ نے اپنا پیغام جدید تعلیمیافتہ لوگوں تک پہنچایا۔ اور اس میں بہت بڑی حد تک کامیاب بھی ہوئے۔ آپ کا سٹائل آپ کی عظیم الشان شخصیت کا آئینہ دار ہے۔ علامہ اقبال اور مرزا غالب کی طرح آپ بھی اپنے بلند اور عالی خیالات کو آسان زبان میں ادا کرنے سے قاصر ہیں۔ شاید خیالات بلند سے زیادہ انکا فراواں خلوص اور بے پایاں جوش، عام اور معمولی الفاظ کے پیمانہ میں نہیں سما سکتا۔ یہ درست ہے۔ کہ اس طرز تحریر نے اردو زبان کی سلاست کو بہت نقصان پہنچایا[2]۔ لیکن مولانا اس معاملے میں مجبور رہتے۔ آپ کے قلب میں جو طوفان اُمڈ رہا تھا۔ وہ قیود اور رسوم کی پابندیاں کو برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

آپ کا علمی کارنامۂ حیات کیا ہے؟ آپؒ نے جدید علم کلام کی تردید و اصلاح کی اور مغربیتؒ کے طلسم کو پاش پاش کرتے ہوئے خود اعتمادی کے جذبات کو بلند کیا[3] قرآن مجید کا غائر مطالعہ کیا۔ اور لوگوں میں قرآن فہمی کا ذوق پیدا کیا۔ آپؒ شبلی کے بعد پہلے مصنف ہیں۔ جنہوں نے تصانیف مذہبی کا معیار بلند کرتے ہوئے جدید علمی اصولوں

---

[1] معارف مارچ ۱۹۱۹ء مضمون "ہمارے موجودہ نظر یہ دانِ اسلام"
[2] سکینہ۔ تاریخ ادب اردو

سے بلا تکلف اپنے تصورات کی وضاحت میں مدد لی ؎

ترجمان القرآن | آپکی سب سے بڑی تصنیف ترجمان القرآن ہے۔ جو کئی بار زندانوں کی چار دیواری میں جبری تنہائی کی فرصتوں میں لکھی گئی۔ اور خانہ تلاشیوں اور اسیری کے مواقع پر ضائع ہوتی رہی ؎

مثال یہ مری کوشش کی ہے کہ مرغ اسیر
کرے قفس میں فراہم خس آشیاں کے لئے

بالآخر لوگوں کے اصرار سے آپ نے دوبارہ اپنی یادداشتوں کو قلمبند کیا اور ۱۹۳۰ء میں ترجمان کی پہلی جلد شائع ہوکر لوگوں کے سامنے آگئی ؎

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر مے خواست
آخر آمد زپس پردۂ تقدیر پدید

ترجمان القرآن دور حاضر کے ایک عظیم الشان مفکر اور مفسر کا کارنامہ ہے۔ اس میں قرآن حکیم کے ان معارف وحکم کی نقاب کشائی کی گئی ہے۔ جن کی موجودہ زمانے کو نہایت ضرورت تھی۔ کچھ مدت سے مسلمانوں میں عمل سے خالی عقاید پرستی آ چلی تھی۔ وقت کی سب سے بڑی ضرورت یہ تھی۔ کہ قوم کو نیک عملی کی طرف متوجہ کیا جائے۔ جو قرآن مجید کا ایک اہم موضوع ہے۔ محض نیک عقیدہ اچھے نتائج نہیں پیدا کرسکتا بلکہ اچھے عقیدہ کا نتیجہ حسن عمل ہونا چاہیئے۔ اگر یہ نہیں تو قرآن کی رُو سے وہ عقیدہ کھوکھلا ہے مولانا ابوالکلام نے جس طرح نیک عملی کی تلقین وہدایت کی ہے۔ اُسی طرح قرآن حکیم کو عالمگیر انسانیت کا پیغام بردار بھی ثابت کیا ہے "غور کرو۔ مذہبی تصور کی یہ نوعیت انسان کے ذہن وعواطف کے لئے کس طرح کا سانچا مہیا کرتی ہے؟ جس انسان کا دل و دماغ ایسے سانچے میں ڈھلکر نکلے گا۔ وہ کس قسم کا انسان ہوگا؟ کم از کم دو باتوں سے

انکار نہیں کر سکتے۔ ایک یہ کہ اس کی خدا پرستی، خدا کی عالمگیر رحمت وجمال
ے تصوّر کی خدا پرستی ہوگی۔ دوسری یہ کہ وہ کسی معنی میں بھی نسل و قوم یا گروہ بندیوں
انسان نہیں ہوگا۔ عالمگیر انسانیت کا انسان ہوگا اور دعوت قرآنی کی اصل
رح یہی ہے"!۱

نانے وحدتِ دین اور عالمگیر انسانیت کا جو تصور پیش کیا ہے اس پر بعض معترضین نے اعتراضات بھی کئے ہیں
ن دراصل اس وقت 'انسانی وحدت' کی جو تحریک دنیا میں چل رہی ہے۔ اس
ہلا علمبردار قرآن حکیم ہے۔ لہٰذا اس کی توضیح نہ کرنا بہت بڑی فروگذاشت
تی۔ ہندوستان میں نئی قومیت سے اتحاد و تعاون کی خواہش بھی ترجمان کے
راق میں منعکس ہو رہی ہے۔ جو اس شور و غوغا کی اصل وجہ معلوم ہوتی ہے۔
یہ ہے۔ کہ ترجمان کے مداحوں اور مخالفوں نے ابھی تک ٹھنڈے دل سے
مطالب پر غور نہیں کیا۔ امید ہے کہ جب خاموش اور خالی از جذبات فضا
۲ مطالعہ کیا جائے گا تو یہ تفسیر ایک عظیم الشان تصوّر کی طرح بہت
نئے اثرات پیدا کرے گی۔

ترجمان القرآن کا سٹائل الہلال کے مقابلہ میں سلیس ہے۔

رجمان القرآن ص ۱۷۴، ۲ تنقید از غلام احمد پرویز (معارف جنوری ۱۹۳۳ء و مابعد)، ۳ شیخ محمد اکرام
ب نے مولانا کے سٹائل پر بہت سے اعتراضات کئے ہیں لیکن درحقیقت ہر شخص کا سٹائل اس کی شخصیت'
کے ماحول اور اس کے نصب العین پر موقوف ہوتا ہے۔ سرسید کی زندگی اس لحاظ سے پرسکون تھی کہ
نوں کے جوش کو ٹھنڈا کرنا چاہتے اور تعمیر کے لئے ذہن کو تیار کر رہے تھے لیکن مولانا کا کام جوش
نا تھا۔ مولانا ظفر علی کے سٹائل پر آزاد کا اثر ضرور ہے۔ اس کی وجہ بھی یہی ہے۔ علامہ اقبال نے بھی جو
ب العین اپنے سامنے رکھا اس کی وجہ سے ان کی زبان مشکل ہے۔ مزید یہ کہ مولانا اردو میں گہری
سلامیت اور عربیت پیدا کرنا چاہتے تھے۔ (بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۸۷)

م ہوتا ہے کہ آفتاب عمر کے ڈھل جانے سے جوش کے طوفان میں بھی کمی
ع ہو گئی ہے۔ یا پھر اس لئے کہ قرآن مجید کا حطیرۂ قدس اس
دخرامی کا متحمل نہیں ہو سکتا ہے

عرفی مشتاب این رہ نعت است نہ صحراست
ہشیار کہ رہ بردم تیغ است قدم را　(عرفی)

مولانا ابوالکلام کا سٹایل عظمت اور شان و شوکت کے اعتبار سے ابوالفضل
ہ مشابہ ہے۔ ان کے جذبات کا سیلِ رواں جب اُمڈتا ہے تو راستے کے
ب و فراز سے بے پروا ہو کر کوہ و دمن سے گذر جاتا ہے ۔ لیکن شاید یہ کہنا
جانہ ہوگا ۔ کہ "ان کی تحریروں میں روشنی تو ہے لیکن حرارت نہیں" مولانا کا
ی کام احیائے مذہب تھا۔ اصلاح اخلاق یا تلقین صفائے نفس نہ تھا [1]
ں نے قوم میں بیداری ، جرأت اور ہمت کے جذبات کو برانگیختہ کیا ہے
تقدس اور صلحا کا رنگ پیدا نہیں کیا ۔ مولانا اس باعمل جرنیل
مشابہ ہیں جس نے ساری عمر میدانِ جنگ میں سپاہیوں کے عزم اور
کو مشتعل کرنے میں بسر کی اور یہی وہ مجاہدانہ عزیمت ہے جو انہیں
نین علماء سے ممتاز کرتی ہے۔ جن کی زندگی اس جنگ آزما بہادر کی دل کی
ں سے ناآشنا ہے۔ جس کا ہر لمحہ ہنگاموں میں گذرتا اور طوفانوں میں بسر ہوتا ہے

حاشیۂ صفحہ ۸۶) یہ خیال کہ محض اس طرزِ تحریر سے اُردو اسلامی زبان ہو کر رہ گئی صحیح نہیں۔ ایک
اجب ہندو فارسی عربی کے عالم ہوا کرتے تھے۔ لیکن اب انقلاب حالات نے ان میں سیاسی بیداری
ی ہے۔ جس کی بنا پر وہ ہندی کے حامی ہیں اور اگر آپ اپنی زبان کو خالص 'ہندی' بھی بنا کر
ں کریں گے۔ تب بھی ہندو اردو کو اپنی زبان نہیں کہیں گے۔

یہ صفحہ) [1] موج کوثر ص ۱۴۳ تا ۱۶۶

یہ بات کسی حد تک دُکھ کے ساتھ محسوس کی جاتی ہے۔ کہ مولانا کی بلند شخصیت اور نادرہستی سے علم وفضل کو جو فائدہ پہنچ سکتا تھا۔ وہ سیاسیاتِ وطنی کی اُلجھنوں کی نذر ہوگیا۔ اس میں شک نہیں کہ مولانا نے وطن اور ملت کے مفاد کے لئے اپنی عمر گرانمایہ کو وقف کردیا ہے اور اپنی بے مثال یکرنگی اور بے نظیر ثابت قدمی سے خلوص اور پختگی کا سکہ بھی بٹھادیا ہے۔ لیکن رونا تو یہ ہے کہ وہ شخص جو اس دور کا شاہ ولی اللہ ثابت ہوسکتا تھا۔ یا جسے ہم ثانی ابن تیمیہ کہہ سکتے تھے۔ علمی لحاظ سے قوم کے لئے اتنا مفید ثابت نہ ہوسکا۔ باقی رہی سیاست سو اس کا رُخ بھی مخالف ہواؤں کی طرف ہے۔ اور مولانا تاریک رات میں مہیب طوفانی سمندر کی کسی کشتی کے ایسے ناخدا سے مشابہ ہیں جس نے اہل کشتی کی رائے کے خلاف صرف اپنی بصیرت کے اعتماد پر بادبانوں کو کھول رکھا ہو ؎

ہوا مخالف وشب تار و بحر طوفاں خیز
گسستہ لنگر کشتی و ناخدا خُفت است

علامہ اقبال

مولانا ابوالکلام کی طرح اقبال بھی اتحاد اسلام دور کے ماحول میں سوچنے اور لکھنے لگے۔ آپ کے خیالات اور تصورات کا ارتقا یہ ظاہر کرتا ہے۔ کہ آپ عصری تحریکوں سے پورے پورے متأثر ہوتے رہے ہیں۔ ۱۹۰۷ء سے لے کر اتحادِ اسلام دور کے آغاز تک آپ نے حبّ وطن کے گیت گائے۔ ۱۹۱۱ء سے لے کر تحریکِ خلافت تک آپنے اتحادِ اسلام تحریک کی ترجمانی کی۔ ۱۹۱۸ء سے ۱۹۲۳ء تک آپ نے تحریکِ خلافت کا ساتھ دیا۔ ۱۹۲۳ء کے بعد آپ نے یورپ کی نیشنلزم کے خلاف ایک زبردست ردِعمل محسوس کیا۔ جس کے بعد آپ نے ایک عالمگیر نظام کے امکانات پر

غور کیا - سرمایہ اور مزدور کی کشاکش میں آپ نے مزدور کی حمایت کی اور ۱۹۳۱ء میں آپ نے مسلمانوں کے لئے ہندوستان میں ایک نیا گھر بسانے کا تخیل پیدا کیا - اور آخری وقت تک اس خیال پر قایم رہے ؛

لیکن ان ارتقائی تغیرات کے باوجود ، ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اقبال کا فکر ہمیشہ مغربیت کے خلاف ردِ عمل کا ایک زبردست مظہر رہا ہے - ۱۹۱۲ء میں "شمع و شاعر" میں آپ نے قوم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا ؎

مژدہ اے پیمانہ بردارِ خمستانِ حجاز بعد مدت کے ترے رندوں کو پھر آیا ہے ہوش
نقد خودداری بہائے بادۂ اغیار تھی پھر دکاں تیری ہے لبریز صدائے ناؤ نوش
پھر یہ غوغا ہے کہ لاساقی شراب خانہ ساز دل کے ہنگامے مے مغرب نے کر ڈالے خموش

اس زمانے سے لے کر وفات تک اقبال نے مغرب کے خلاف جنگ کو جاری رکھا - شروع میں یہ محض منفیانہ حیثیت رکھتا تھا - لیکن آہستہ آہستہ یہ جذبۂ پیکار ایک تعمیری تصور میں مبدل ہو گیا - انہوں نے دنیا کے لئے ایک پُر امن اور مقدس نظام کا خاکہ تجویز کیا - جس میں خالص اسلامی فکر سے تصوراتی رنگ بھرے - سب سے پہلے 'انسان کامل کی نشوونما' پھر ایک اعلےٰ اور مثالی سوسائٹی کی تشکیل - اقبال کے فکر کے دو اہم اجزا ہیں - یہ افلاطون کی جمہوریت سے مختلف، سر ٹامس مور کے جنت الحمقا (Utopia) سے زیادہ علمی - ابراہیم الجیلی کے خیالی 'الانسان الکامل' سے بلند تر اور نٹشے کے مافوق الانسان سے زیادہ روحانی شخصیت کا تصور تھا ؛

اقبال کی سب سے بڑی خوبی یا سب سے بڑا عیب یہ تھا کہ وہ 'مسلمان' رہنے پر مجبور تھا - اس کے تصور کی ساری عمارت فکر اسلامی کے اینٹ چونے گارے سے تعمیر ہوئی - وہ 'آئیڈیل سوسائٹی' کے لئے بھی (مسلمانی نہیں) اسلامی

اصولوں سے کام لینا چاہتا ہے۔ وہ یہ عقیدہ رکھتا ہے۔ کہ دنیا کا کوئی اعلےٰ نظام اسلامی تصور معاش و معاد کو جذب کئے بغیر کامیاب نہیں ہو سکتا ۔

اقبال نے اسلام کے متعلق اعتراضات کا جواب دینے کی کوشش نہیں کی۔ بلکہ خود مسلمانوں کو توحید و رسالت میں پختہ اعتقاد رکھنے کی تلقین کی۔ اس کے بعد قرآن مجید کے مطالعہ پر اصرار کیا۔ کیونکہ اسکے نزدیک اسی کتاب فطرت میں زندگی اور موت کے سارے اسرار درج ہیں ۔

اقبال کا فلسفۂ خودی خود شناسی کا ہدایت نامہ ہے۔ اقبال کی رجائیت مردہ اقوام کے لئے پیام حیات ہے۔ اقبال کی عقلیت دشمنی عشق کا سوزِ یقین پیدا کرتی ہے۔ اقبال کا عقیدہ 'قوت' غلامی کی رگوں کو کاٹنے والا ہے۔

اقبال پر یورپ کا اثر کہاں تک ہوا؟ اس کا جواب دیتے وقت لوگوں نے عجیب عجیب ستم ظریفیاں کی ہیں۔ بعض 'اقبالسٹ' اس بات پر مُصر ہیں۔ کہ اقبال نے یورپ کے افکار سے بالکل اثر قبول نہیں کیا کیونکہ ان کے خیال میں یہ چیز عظمت کے منافی ہے لیکن راقم الحروف کو اس خیال سے اتفاق نہیں۔ اقبال یورپ کے خیالات سے بہت متاثر ہوئے۔ انہوں نے بعض افکار کو اپنے فلسفہ میں جذب کیا۔ اور بعض سے ردِّ عمل کے طور پر کوئی سلبی رائے قایم کی۔ البتہ اس حد تک درست ہے کہ اقبال یورپ کے افکار کو اسلامیات کی روشنی میں دیکھنے کے عادی ہیں۔ اور مقابلہ و تقابل کے بعد اپنا اجتہاد کرتے ہیں۔ جو سر سید وغیرہ کے اجتہاد سے بالکل مختلف ہے کیونکہ "ان کا اجتہاد تقلیدی اجتہاد تھا"[1] آپ نے برگساں کے Intuition کی بحثوں کا بغور مطالعہ کیا اور کانٹ کے Critique of Pure Reason پر

[1] موجِ کوثر از شیخ محمد اکرام ص ۱۸۱ ۔

تنقید کی ۔ نٹشے کے افکار کی مدح کی اور براوننگ کے پرامید کلام سے حظ اٹھایا اور پھر گوئٹے کے تصوف اور شرق پسندی کی بھی تعریف کی غرض یورپ کے فلسفہ کے گہرے مطالعہ کے بعد اس کے بعض پہلوؤں سے متاثر ہونا بڑائی اور عظمت کے منافی نہیں اس لئے کہ اس سے اقبال کی مشرقیت کے احساسِ برتری کو بالکل صدمہ نہیں پہنچا۔ بلکہ درحقیقت ان مغربی فلسفیوں سے اقبال نے صرف وہی تصورات لئے جو ان کی مشرقیت کے لئے قابلِ قبول تھے۔

اقبال کا فکر جدید و قدیم کا ایک خوشگوار امتزاج ہے۔ انہوں نے اسلامی عقاید کے بعض Orthodox پہلوؤں کی زبردست حمایت کی ہے یہی وجہ ہے۔ کہ علمائے وقت کے ساتھ ان کے تعلقات عموماً خوشگوار رہے۔ دراصل بقول شیخ محمد اکرام[1] وہ اس بحث میں ہی نہ پڑنا چاہتے تھے۔ اس لئے کہ ایک مومن کو 'زمان و مکان' کی پابندیوں سے بلند ہو جانا چاہیئے ؎

زمانہ ایک حیات ایک کائنات بھی ایک
دلیلِ کم نظری قصۂ قدیم و جدید

اقبال شاعر تھے لیکن اب ان کو محض شاعر سمجھنا دیانت اور حقیقت کے خلاف ہے۔ کیونکہ صرف شاعری اُن کے لئے عیب ہے ۔ آپ کو 'احیائے اسلام' کی تحریک کا رہنما خیال کرنا چاہیئے۔ اور یہی ان کی سب سے بڑی تعریف ہے[2]۔

عنایت اللہ خان المشرقی

شبلی۔ ابوالکلام، اقبال اور سید سلیمان نے سرسید کی تحریک کے خلاف جو جہاد کیا۔ اس کے بعد یہ خیال میں نہ آسکتا تھا کہ عقل پسندی ، مادیت اور مغربی تصورِ زندگی پر

---

[1] موجِ کوثر از شیخ محمد اکرام آئی۔ سی۔ ایس۔ ص ۱۸۱ ، [2] آگے چل کر اُن کی شاعری پر بھی تبصرہ کیا جائے گا۔

قایم کی ہوئی کوئی مذہبی تحریک پھر سے ظہور میں آسکے گی۔ لیکن ملک میں جدید قسم کی تعلیم و تربیت کا نظام اتنا پھیلتا گیا اور کالجوں کے ایوانوں سے یورپ کے تصورات سے لبریز ذہن اس کثرت سے نکلنے لگے۔ کہ یہ قیاس کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا تھا۔ کہ جدید انگریزی تعلیم پانے والے حضرات میں کوئی ایسا شخص نہ پیدا ہوگا۔ جو سر سید کی عقلیت اور مادیت کی تحریک کی ٹوٹی ہوئی کڑیوں کو از سر نو جوڑ سکے گا۔

۱۹۱۷ء میں نواب وقار الملک کے انتقال پر اظہار خیال کرتے ہوئے سید سلیمان نے یوں لکھا تھا[1]:۔ "یہ ہستی گرانمایہ جس نے ہماری دنیا کو ۲۷ جنوری ۱۹۱۷ء میں الوداع کہا۔ ہمارے کارفرما قافلہ کا آخری مسافر تھا۔ اس کے بعد وہ دور جو انقلاب ہند کے بعد شروع ہوا تھا۔ ختم ہو گیا۔۔۔۔۔۔۔ آیندہ ہماری قسمت کے مالک عربی مدارس کے شملے نہ ہوں گے بلکہ انگریزی درسگاہوں کے ہیٹ اور جبّے ہوں گے۔ اب مشرق مشرق کی قومیت پر حکومت نہ کرے گا بلکہ مغرب' اب لیڈری اور رہبریٔ جمہور کے لئے جوشِ دل اور اخلاصِ عمل ضروری نہ ہوگا۔ بلکہ ایک کامیاب عہدہ اور عمدہ سوٹ!" یہ ایک پیشگوئی تھی۔ بلکہ ایک چیلنج تھا۔ جو مشرقی مشرقیوں کی طرف سے مغربی مشرقیوں کی طرف پھینکا گیا تھا۔ (اور غالباً اس توقع کے ساتھ کہ اس کو قبول کرنے والا کوئی نہ ہوگا)۔ لیکن آخر یہ پیشگوئی پوری ہو کر رہی اور ۱۹۲۴ء میں عنایت اللہ خان المشرقی نے ایک کتاب 'تذکرہ' کے نام سے شایع کی۔ جس میں قرآن حکیم کو مغربی تصورات کی عینک سے دیکھنے کی تازہ کوشش ظہور میں آئی۔ تذکرہ کا نمایاں امتیاز جو سر سید احمد خاں کے فکر سے اس کو جدا رنگ دیتا ہے یہ ہے کہ اس میں

---

[1] معارف۔ فروری ۱۹۱۷ء،

ایک شدید قسم کی جارحانہ اسلامی سوسائٹی کا نظریہ زندہ کیا گیا ہے۔ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی اور سر سید دونوں بزرگ ایک پُرامن اور اعتدال پسندانہ اسلامی زندگی کے مبلغ تھے اور جہاد کے تشدد پسندانہ خیال سے ان کو سخت مخالفت تھی۔ لیکن مشرقی صاحب اس معاملے میں ان دونوں کی پوری پوری ضد ہیں۔
۱۹۲۳ء میں تحریک ترک موالات ناکام ہو کر معدوم ہو گئی۔ ملکی سیاسیات میں فرقہ پرستانہ ذہنیت کچھ اس انداز میں پیدا ہو گئی کہ ہندو اور مسلمان اپنی اپنی جدا ہستی کے بچاؤ اور حفاظت کی تدابیر میں منہمک ہو گئے اور اگرچہ مولانا محمد علی وغیرہ ابھی تک کانگرسی سیاسیات کے زبردست مؤید تھے۔ لیکن قوموں کے دل ایک دوسرے سے اس طرح پھر گئے تھے۔ کہ ان کو پھر سے پیوند دینا معجزہ سے کم نہ تھا۔

تذکرہ — ان حالات میں 'تذکرہ' عوام الناس کے سامنے پیش ہوا۔ خالص اسلامی حکومت کا تصور اس کا طرۂ امتیاز تھا۔ جس کے قیام کے لئے 'عسکری' تنظیم کی ضرورت پر زور دیا گیا۔ قوت اور کش مکش (تنازع للبقا) کا ڈارونی تخیل قرآن مجید کے بین السطور سے نکالا گیا اور ایک "قسم کی عسکری جارحانہ اسلامیت" کی نشو و نما کے لئے قرآنی احکام سے استدلال کیا گیا۔

یہ عجیب بات ہے کہ تذکرہ میں اس 'اسلامیت' کے باوجود (قولاً نہیں بلکہ عملاً) اقبال کی پیدا کی ہوئی مشرقیت کی بے حد مخالفت موجود ہے۔ جسے درحقیقت سر سید کی تحریک احیائے مغربیت کے مرادف خیال کرنا چاہیئے۔ سر سید قدیم اسلامی نظام تعلیم کی پیداوار تھے لہٰذا ان کے ذہن کا پس منظر ہر حالت میں اسلامی تھا لیکن المشرقی کا ذہن مغربی ماحول کا پرورش یافتہ ہے۔ جس میں علوم اسلامیہ کی سپرٹ سے کافی ناواقفیت کا پتہ چلتا ہے۔ اور ان کا مطمح نظر

اسلام کے ماضی کے بارے میں اتنا وسیع نہیں۔ جتنا قرآن مجید پر قلم اٹھانے والے کے لئے ضروری ہونا چاہیئے ۔

تذکرہ پر علماء کی جانب سے کافی لے دے ہوئی ۔ چونکہ قوم پر شبلی اور اقبال کا اثر غالب تھا۔ اس لئے یہ کتاب مدت تک گمنامی کے پردوں میں چھپی رہی ۔ تا آنکہ المشرقی نے ایک سیاسی مجلسی تحریک کا آغاز کیا جس کو لوگ تحریک خاکساران کے نام سے یاد کرتے ہیں ۔ علمی لحاظ سے تذکرہ کو کوئی اہمیت حاصل نہیں بلکہ اس میں بہت سی نمایاں غلطیاں نظر آتی ہیں لیکن تحریک خاکساران کے رہنما کی تصنیف ہونے کے لحاظ سے تذکرہ کا اثر بہت دور رس بلکہ خطرناک معلوم ہوتا ہے۔ عوام کو تحریک خاکساران سے جو دلچسپی ہے وہ اس کے عسکری پہلو کی وجہ سے ہے ۔ لیکن صاحب تذکرہ کا سارا رجحان عقل پسندی اور مادہ پرستی کی جانب ہے ۔ جس سے عوام بھی متاثر ہو رہے ہیں ۔ سر سید نے صرف چند روشن خیال حضرات کو متاثر کیا ۔ جس سے کچھ زیادہ خطرہ نہ تھا۔ اس لئے کہ بیدار مغز اور تعلیم یافتہ لوگ بہرحال اشیا کے اقدار سے واقف ہوتے ہیں ۔ لیکن عوام میں مذہب کے روحانی پہلو کے متعلق مخالفت کا جذبہ اس کے دینی اساس کے لئے ازبس خطرناک ہوگا ۔ انگریزی تعلیم یافتہ گروہ میں دینی اور اسلامی حس کے فقدان کی شکایت پہلے سے ہی کافی رہ چکی تھی ۔ لیکن تذکرہ کے اصول ان اثرات کو عوام میں پیدا کرنے اور پھیلانے کا باعث ہوں گے ۔

تاریخ

"اس دور کے ادب کے متعلق ایک اور قابل ذکر حقیقت یہ ہے کہ[1] اس

---

[1] معارف ۱۹۲۵ء

ہ میں تاریخ سے، بالخصوص ہندوستان کی تاریخ سے بے اعتنائی برتی گئی:
ڈاکرام صاحب کی یہ رائے "اتحاد اسلام دور" کے بارے میں ہے - جس
وہ یہ ثابت کرتے ہیں - کہ اس عام بے اعتنائی کا سبب یہ تھا - کہ مولانا
ور ان کے رفقاء نے جو عام جذباتی فضا بیرونِ ہند کے اسلامی ممالک
بارے میں پیدا کر دی تھی - اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملکی تاریخ سے عام دلچسپی
ی - چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"چونکہ ہندوستانی مسلمانوں کی آنکھیں اس وقت ہندوستان سے باہر
ڈی تھیں - اس لئے انہوں نے ہندوستان کی تاریخ پر توجہ نہ کی"۔[1]
"موج کوثر" کے لائق مصنف کی یہ رائے کسی قدر احتیاط کے ساتھ
کرنے کے لائق ہے - اس لئے کہ "اتحاد اسلام" لیڈروں نے
ی ہند کے واقعات سے متاثر ہو کر جو احساسات پختہ کئے - اس کا علیگڑھ
باب علیگڈھ پر ہرگز کوئی اثر نہیں ہوا - اس وقت وطنی سیاسیات یا
ت سے دلچسپی ارباب علیگڈھ کے لئے ایک شجر ممنوعہ تھی - اس لئے یہ باور
ارباب علیگڈھ کے جوشِ عمل کو اتحاد اسلام تحریک نے ٹھنڈا کر دیا -
ہے ع

گر میں نے کی تھی توبہ ساقی کو کیا ہوا تھا

اگر ز روے ورع زاہدان قدح ندہند
چہ مانع است حریفانِ بادہ پیمارا (نظیری)

سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ مغربیت کی تحریک نے مسلمان نوجوانوں کو انکے
ر ماضی سے بالکل غافل کر دیا تھا - ان کی نظروں میں نپولین اور ہنی بال،

---

[1] موج کوثر - ص ۱۷۴ - ۱۷۵ ،

فریڈرک اور پیٹر دی گریٹ ، گبن اور برکلے ، ڈارون اور شکسپیئر سما گئے تھے۔ اور ان کے مقابلے میں انہیں اپنے ناموروں اور بزرگوں کے کارناموں میں کوئی فخر محسوس نہ ہوتا تھا۔ یہی وہ چیز تھی جس کی جانب مولانا شبلی نے اپنی نظموں میں بار بار اشارہ بھی کیا ہے

از ہنی بال واز آئین جہانبانیے او ٭ واقف و بے خبر از سنت نعمان باشی

اس عام ذہنی غلامی نے قوم کو اپنی روایات سے غافل کر دیا۔ جس سے نہ صرف تاریخ بلکہ تمام علوم قدیمہ سے بے التفاتی پیدا ہو گئی۔ سر سید مرحوم کی بات اور تھی۔ انہوں نے ہندوستان کیا اسلام کے عام معاملات کی طرف جو توجہ کی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انہیں اپنے ہی لگائے ہوئے پودے کے اس تلخ برگ و بار کا علم نہ تھا۔ چنانچہ اکبر الہ آبادی نے فرمایا ع

نہ تھا یہ مطلب سید کہ اس رخ پر چلے دھارا

انہوں نے تاریخ ہند کی جو شاندار خدمات انجام دیں۔ ان کے پیروؤں نے اس سلسلے کو قایم نہ رکھا۔ بلکہ یہ واقعہ نہایت افسوس کے ساتھ دیکھے جانے کے لایق ہے کہ علیگڈھ سے سوائے سلسلۂ خسرویہ کے آج تک کوئی علمی کارنامہ ظہور میں نہ آیا ؛

ہندوستانی تاریخ کے متعلق ایشیاٹک سوسائٹی نے جو کام کئے۔ شبلی اور ان کے رفقاء اس کے بے حد ممنون اور تعریف گزار تھے — لیکن بد قسمتی سے۔ ہندوستان کے انگریزی تعلیم یافتہ مسلمانوں میں ہندوستان تو درکنار اسلام کی صداقت اور تاریخ اسلام کے شاندار ماضی کے متعلق لاعلمی اور جہالت بلکہ تنقیص کے خیالات موجود تھے۔ پس مؤرخین اسلام کا پہلا فرض یہی تھا کہ اسلام کی پرانی اور قدیم ادوار کی تاریخ کو اردو میں منتقل کریں۔ اس کے علاوہ چونکہ یہ

دَورِ مغربیت کے خلاف ردِّ عمل کا دَور تھا۔ اس لئے عام مفکرین کا نعرۂ جنگ "Back to Mecca" "Back to Arabia" ۔ "بازگو از نجد و از یارانِ نجد" تھا۔

اسی جذبہ کے ماتحت شبلیؔ نے سیرۃ النبی لکھی اور اسلام کے دوسرے ناموروں کے حالات قلمبند کئے۔ دار المصنفین کا مقصد خود ناظم دار المصنفین کی زبان میں یہ تھا " ہمارا مقصد صرف زبان اُردو کے سرمایہ کی ترقی نہیں ہے بلکہ ملک میں ایک ایسی جماعت پیدا کرنا ہے جو قوم کی دماغی قوتوں کے نشوونما کا سامان کر سکے"[1]۔ انہوں نے قوم کی دماغی قوتوں کی نشوونما کے لئے اور اسلامی ذہن تیار کرنے کے لئے اسلام سے ابتدائی اور قرونِ اولیٰ کی اسلامی تاریخ کو اپنے سامنے رکھا۔ جس کے بغیر صحابہ تابعین اور متقدمین کا فکر و ذہن نئی نسلوں میں منعکس نہ ہو سکتا تھا چنانچہ اسی غرض سے صحابہ، تابعین، انصار، صحابیات مہاجرین کی زندگیاں حضرت عمر بن عبدالعزیز کے حالات اور اسی نوع کی چند اور کتابیں رفقائے شبلیؔ کے قلم سے اُردو زبان[2] میں نکلیں۔ جامعہ ملیہ سے نکلی ہوئی کتاب تاریخ الاُمّہ کو بھی اسی صف میں شمار کرنا چاہیئے۔

تحریکِ خلافت میں ہندو مسلمانوں کے اتحاد نے اس بات کی ضرورت پیدا کی کہ ان دو اقوام کے قدیم تاریخی تعلقات پر نظر ڈالی جائے۔ اسی ضرورت کا نتیجہ مولانا سلیمان کی کتاب "عرب و ہند کے تعلقات" ہے۔

شیخ اکرام صاحب نے صحیح لکھا ہے کہ " جس دَور کا ہم ذکر کر رہے ہیں۔ اس میں شایع شدہ کتابوں کی تعداد کے لحاظ سے تاریخی مباحث پر نسبتاً بہت کم کتابیں تصنیف ہوئیں۔ اور ہندوستان کے متعلق جو اس زمانے کی تاریخی کتابیں ہیں

---

[1] معارف۔ ستمبر ۱۹۱۶ء۔ مضمون (خواب تمنا یا دار المصنفین)، [2] مولانا شررؔ کی کتاب تاریخ اسلام (۳ جلد)۔ تاریخ سندھ، اکبر شاہ خان نجیب آبادی کی تاریخ اسلام،

ان کی تعداد تو انگلیوں پر گنی جاسکتی ہے۔ (موج کوثر ص ۱۷۷) یہ ایک المناک واقعہ ہے۔ کہ ہندوستان کی تاریخ پر الہ آباد سے بہت سی کتابیں انگریزی زبان میں شائع ہوئی ہیں۔ لیکن زبانِ اردو ابھی تک ہندوستان کی مستند تاریخوں سے محروم ہے۔ سید ہاشمی فرید آبادی[1] اور مولوی غلام طیب[2] وغیرہ نے درسی مقاصد کے لئے کچھ کتابیں لکھی ہیں۔ لیکن ان میں وہ محققانہ شان نہیں۔ جامعہ عثمانیہ کے تاریخی ترجمے گو لائق تحسین ہیں۔ لیکن ترجمے آخر ترجمے ہیں۔

صوبائی تاریخیں تحریک ترک موالات کے زوال کے بعد ہندوستان میں پہلے فرقہ بندی اور پھر صوبہ پرستی کا جذبہ فروغ پذیر ہوا۔ مہاراشٹر اور جنوبی ہندوستان میں سیواجی کو ہیرو بنانے کی تحریک تلک نے پیدا کی تھی۔ چنانچہ انگریزی اور مرہٹی میں بہت سی کتابیں اس موضوع پر لکھی جاچکی ہیں۔ مسلمانوں میں اسکا ردِعمل ہونا ایک قدرتی بات تھی۔ چنانچہ زیرِ بحث دور میں دکن کے بعض ناموروں کے متعلق عمدہ کتابیں لکھنے میں آئیں۔ مثلاً "سلطان شہید" از محمود بنگلوری، "چاند بی بی" از احمد قادری۔ "ملک عنبر از شیخ چاند،" "تاریخ سلطنت خداداد" از محمود بنگلوری، ملیبار از شمس اللہ قادری، اسی طرح شمال میں بھی بعض معمولی رسالے شایع ہوئے ہیں۔ جن کو نظر انداز کردینا بہتر معلوم ہوتا ہے۔

تاریخ (علے الخصوص تاریخ اسلام) کے بارے میں اگرچہ ذوق کی کمی افسوسناک حد تک پہنچ چکی ہے۔ تاہم اِدھر اُدھر انگریزی زبان میں ہندوستان اور اسلام کے متعلق بہت سی کتابیں لکھی جارہی ہیں۔ جن میں تاریخ کے سائنٹیفک اصولوں کو مدِنظر رکھا گیا ہے۔ پنجاب میں اورنٹیل کالج لاہور کے بزرگوں کی وجہ سے تحقیقِ علمی اور تاریخ کا نمایاں ذوق پیدا ہوا۔ جس کی وجہ سے

---

[1] تاریخ ہند، [2] دیس کہانی،

توقع رکھی جاسکتی ہے۔ کہ کسی تر کسی دن اُردو زبان کو تحقیق و تدقیق کے نئے طریقوں سے بہت فائدہ پہنچے گا۔ کیونکہ کسی اچھی تاریخ کی ترتیب و تدوین کے لئے جو اَور کُل مواد یا ذخیرۂ کتب درکار ہوتا ہے۔ وہ بہت محنت سے مہیا کیا جارہا ہے ٭

سیرۃ | فن سیرۃ (بیاگرافی) میں بھی عمدہ تصانیف کی بہت کمی ہے۔ اس دَور کی ایک خصوصیت "غالب پسندی" ہے۔ جو بقول شیخ اکرام اس دور کے جذباتی نقطۂ نظر[1] کا نتیجہ ہے۔ مرزا غالب کے متعلق اتحادِ اسلام دَور میں جو والہانہ عقیدت پیدا ہوئی۔ اس کا اثر تحریک ترکِ موالات کے بعد تک رہا۔ اور اگرچہ اب اس محبت کے خلاف کسی قدر ردِ عمل محسوس ہورہا ہے۔ لیکن مرزا غالب ابھی تک دل و دماغ پر غالب ہیں۔ اس غالب پسندی' کے زیرِ اثر مرزا کی کچھ سوانح عمریاں، کچھ شرحیں، کچھ عمدہ ایڈیشن (مثل مرقع چغتائی مصوّر ایڈیشن) شایع ہوئے۔ ڈاکٹر لطیف (حیدر آباد) نے انگریزی میں ایک مختصر سی کتاب لکھی۔ جس کا مقصد غالب کی عظمت کو گرانا تھا۔ 'محاسن کلام غالب' (بجنوری) اور 'غالب' (لطیف) کے درمیان متوسط اور معتدل راستے کی ضرورت سے متاثر ہوکر شیخ اکرام صاحب نے 'غالب نامہ' کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ جس میں سیرۃ نگاری کے اعلےٰ اصول و قواعد پر عمل کرتے ہوئے مرزا غالب کی زندگی پر ارتقائی اور نفسیاتی نظر ڈالی گئی ہے۔ غالب کی سوانح عمری میں شاید یہ پہلی کتاب ہے جس میں مرزا کو ان کے حقیقی خط و خال اور ان کی ہو بہو بشریت کے رنگ میں پیش کیا گیا ہے۔ اسی کے قریب قریب دَور میں مولانا غلام رسول صاحب مہر نے مرزا کی اپنی تحریرات سے ایک لایف تیار کی۔ جس کا نام 'غالب' رکھا[2]۔ یہ کوشش بھی اپنے رنگ میں ایک کامیاب اور قابلِ قدر کوشش ہے۔ مالک رام کی

---

[1] موجِ کوثر۔ ص ۱۰۲، [2] رامپور سے غالب کے خطوط کا مجموعہ مکاتیب غالب کے نام سے شایع ہوا ہے ٭

کتاب "ذکر غالب" بھی اگرچہ مختصر ہے۔ لیکن نظرانداز کرنے کے قابل نہیں۔

مشرق اور مغرب میں عمر خیام کے سلسلے میں جو دلچسپی لی جا رہی ہے۔ وہ محتاجِ بیان نہیں۔ اگرچہ ہندوستان میں فارسی شاعری کا ذوق اب روز بروز انحطاط پذیر ہے۔ تاہم ابھی تک علمائے یورپ کی مہربانی سے کلیۃً مفقود نہیں ہوا۔ فٹز جیرلڈ کے ترجمۂ رباعیات کے بعد عمر خیام انگریزی ادب کا ایک حصہ بن گیا ہے۔ جس سے اہلِ مغرب کافی محظوظ ہوتے ہیں۔ گذشتہ بیس پچیس سال میں انگریزی زبان میں اس حکیم نیشاپور کے متعلق اچھا خاصہ کام ہو چکا ہے۔ چنانچہ رباعیات کے بہت سے عمدہ ایڈیشن بھی شائع ہوئے ہیں اور پرانے سے پرانے قدیم نسخوں کی تلاش اب بھی ہو رہی ہے۔

افسوس ہے۔ کہ اردو زبان اس دانائے راز کے حالات و کوائف سے بالکل محروم تھی۔ بالآخر اسی دور میں مولانا سید سلیمان صاحب ندوی نے ایک مفصل اور مبسوط کتاب "خیام" کے متعلق شائع کی جس میں نہ صرف اس شاعر کے حالاتِ زندگی ہیں بلکہ خیامیات کے ہر پہلو پر بحث موجود ہے۔ بعض اہل الرائے کا خیال ہے۔ کہ یہ سید صاحب کی بہترین تصنیف ہے اور بظاہر اس رائے سے اختلاف کرنے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔

(باقی دارد)

سید محمد عبداللہ

---

[1] سیرت کی بعض اور کتابیں یہ ہیں:۔ اقبال از احمد دین، وقارِ حیات۔ از اکرام اللہ ندوی، بہادر شاہ ظفر از امیر احمد علوی (۱۹۲۵ء)۔ سیرۃ محمد علی از جعفری (۱۹۳۲ء)۔ کبیر صاحب از منوہر لال زتشی، امرائے ہنود از سعید احمد و طرۂ امیر از امیر احمد علوی وغیرہ،

تبصرہ و تنقید

(۱) بلیٹن آف دی دکن کالج ریسرچ انسٹی ٹیوٹ۔ پونہ جلد دوم

حصہ ۱ و ۲۔ نومبر ۱۹۴۰ء صفحہ ۲۱۶ + ۵۹ ضمیمہ :-

اس رسالہ میں چھوٹے بڑے کل اٹھارہ مضامین ہیں۔ سب سے پہلے مضمون میں دکن کالج کی گذشتہ تاریخ اور آئندہ کی امیدوں کا بیان ہے۔ باقی مضمون اورینٹل ریسرچ کے مختلف پہلوؤں سے تعلق رکھتے ہیں۔ سبھی مضمون نہایت عالمانہ طریق سے لکھے گئے ہیں۔ تین مضمونوں کا تعلق لسانیات سے ہے یعنی "ٹاکی (ڈھکی) پراکرت کی کچھ خصوصیتیں"۔ "کچھ انڈو یورپین زبان کے لہجہ کے متعلق"۔ "دراوڑی زبان کی خصوصیتیں"۔ "ناگارجن کونڈا کے پتھر کی مورتوں کا مطالعہ" نہایت دلچسپ ہے۔ مصنف نے ان مورتوں کی رو سے زمانہ قدیم کی زندگی پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ مضمون ہذا میں زیورات پوشاک وغیرہ کے متعلق بعض اطلاعیں درج کی گئی ہیں۔ مورتوں کی تصویریں ساتھ دی گئی ہیں۔ جن کے دیکھنے سے ٹھیک مطلب سمجھ میں آجاتا ہے۔ "مراٹھی زبان میں مختلف رشتوں کے نام"۔ اس عنوان کا مضمون بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔ اس میں لطف کی بات یہ ہے کہ رشتوں کے اکثر نام غیر سنسکرت ہیں مثلاً دادا اور نانا کے لئے جیسا کہ ہندی پنجابی ہیں۔ ویسے ہی مراٹھی میں بھی غیر سنسکرت الفاظ پائے جاتے ہیں۔ "سلطنت ناگور" اور "مشاہیر بغداد" یہ دو مضمون فارسی عربی علما کے لئے کافی پرلطف ثابت ہوں گے۔ دیگر مضامین

بھی اسی قسم کے ہیں جو اپنے اپنے مصنّفوں کے گہرے تخیّل اور علم کا نتیجہ ہیں ؛

ضمیمہ میں "عہدِ گُپتا کے کتبوں میں پائی جانے والی پرانوں کی روایات" کے پتے لگائے گئے ہیں۔ جو نہایت دلچسپ ہیں ؛

غرضیکہ یہ بلیٹن سنسکرت، عربی، فارسی سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے بڑا قیمتی مسالہ پیش کرتا ہے ؛ (ڈاکٹر) بنارسی داس

(۲) افتتاح الاندلس۔

علّامہ ابن القوطیہ (متوفی ۳۶۷ھ) کا رسالہ "تاریخ افتتاح الاندلس" علمی دنیا میں مشہور و معروف ہے۔ عربوں کی فتحِ سپین پر وہ ایک مستند رسالہ ہے۔ اسی لئے یورپ کے مؤرخینِ اسلام نے اس کی طرف بہت توجّہ مبذول کی ہے۔ اس کا فرانسیسی ترجمہ اوّل مرتبہ ۱۸۵۶ء میں اور پھر دوبارہ ۱۸۸۹ء میں مع عربی متن شائع کیا گیا ؛

اب تک جتنے مؤرّخوں نے اسلامی اندلس کی تاریخ لکھی ہے سب نے اس رسالے سے استفادہ کیا ہے۔ علّامہ ابن القوطیہ خود اندلسی تھے اور ایسے زمانے میں گذرے ہیں جو کہ سپین میں اسلامی تہذیب و تمدّن اور تصنیف و تالیف کا زرّین عہد سمجھا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو تاریخی مواد اور روایات انہیں اپنے زمانے میں میسّر آئی ہوں گی وہ بعد والوں کو نصیب نہیں ہو سکتی تھیں ؛

ہمارے پیشِ نظر اس رسالے کا اُردو ترجمہ ہے جو مولوی محمد جمیل الرحمٰن صاحب ایم اے، پروفیسر تاریخ جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد نے کیا ہے اور کتابستان الہ آباد نے اسی سال شائع کیا ہے۔ پروفیسر موصوف نے اس کے شروع

میں ایک طویل تنقیدی مقدمہ لکھا ہے جس میں دوسرے تاریخی ماخذ سے عربوں کی فتح اندلس کے حالات اخذ کر کے تحریر کیے ہیں۔ ترجمے کے ساتھ مفصل حواشی بھی ہیں۔ جن میں تاریخی واقعات، اشخاص اور مقامات پر مزید روشنی ڈالی گئی ہے ؛

مسلمانوں کو روز بروز اپنی تاریخ سے اور خصوصاً زبانِ عربی سے جو اُس تاریخ کا سرچشمہ ہے جو بُعد ہوتا جا رہا ہے اس کو دیکھتے ہوئے ہمیں یہ بات ضروری معلوم ہوتی ہے۔ کہ عربی تاریخوں کے اُردو ترجمے شائع کر کے اس تاریخ کو ان سے زیادہ قریب لایا جائے۔ مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے عربوں کی فتحِ اندلس ایک قابلِ فخر واقعہ ہے، پروفیسر جمیل الرحمٰن صاحب ہمارے شکریے کے مستحق ہیں کہ انہوں نے تاریخِ اسلام کے ایک زرّین ورق کو ہمارے سامنے پیش کیا ہے ؛

فہرست اماکن میں فاضل مترجم نے یہ بہت ہی اچھا کیا ہے کہ ہر جگہ کے متعلق مفصل جغرافیائی نوٹ لکھ دئیے ہیں۔ اس انڈکس کے آخر میں اگر ایک اور انڈکس انگریزی ناموں کا بھی دے دیا جاتا تو بہتر ہوتا۔ تاکہ جو لوگ سپین کی تاریخ کو انگریزی کتابوں سے مطالعہ کرتے ہیں۔ وہ جگہوں کے ناموں کی عربی شکلیں بھی معلوم کر سکتے۔ مثلاً شہر ناربون کی عربی شکل اربونہ ہے جس شخص کو ناربون کا نام معلوم ہے وہ یہ اندازہ نہیں کر سکتا کہ اس کی عربی شکل اربونہ ہوگی ؛

کتاب بحروف ٹایپ نہایت عمدہ چھپی ہے۔ تعداد صفحات ۱۶۴۔ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے ؛ (م۔ ا)

(۳) وشو وانی۔ ہندی کا ماہوار رسالہ ہے۔ جس کا پہلا نمبر جنوری سنہ ۱۹۴۱ء

میں نکلا ہے۔ پنڈت بشمبر ناتھ اس کے اڈیٹر ہیں اور دفتر ساؤتھ ملاکا الہ آباد میں ہے۔ سالانہ چندہ چھ روپیہ ہے ؛

وِشو بانی کے اغراض و مقاصد ہیں ہندوستان کے ساتھ ساتھ دیگر ممالک کے پولٹیکل حالات کا مطالعہ کرنا اور ان کی گذشتہ تاریخ اور موجودہ حالت کی سچی تصویر کھینچنا۔ اس کا نصب العین ہے۔ ہندوستان کی مکمل آزادی کا حاصل کرنا جس کی کامیابی کے لئے یہ ہندو مسلم اتفاق و دیگر اقوام کے باہمی میل جول کا حامی ہے۔ اس کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ ہندو مسلم نفاق کی وجہ ملک کی پولٹیکل غلامی ہے ؛

پہلے پرچہ کے مضامین اس کے اغراض و مقاصد کی کافی تائید کر رہے ہیں۔ اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ اُردو رسالوں میں ہندوؤں کے قلم سے اور ہندی رسالوں میں مسلمانوں کے قلم سے شاذ و نادر ہی کام لیا جاتا ہے برعکس اس کے وِشو بانی کے نامہ نگار مذہب کے رو سے ہندو۔ مسلم۔ عیسائی وغیرہ اور قومیت کے رو سے ہندوستانی۔ انگریز۔ جینی وغیرہ ہیں۔ سری رابندر ناتھ ٹیگور اور مولانا ابوالکلام آزاد کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں ؛

وِشو بانی کے مضامین کا معیار بھی بہت اونچا ہے۔ جو مضمون نگاروں کی اعلےٰ تعلیم اور آزاد خیالات کا ثبوت ہے ؛

زبان کے لحاظ سے وِشو بانی سچ مچ ہندو مسلم اتحاد کا نمونہ ہے۔ یہ ہندی اور اُردو کا خوش ذائقہ مرکب ہے۔ عام طور پر اُردو میں سنسکرت الفاظ کا اور ہندی میں عربی فارسی الفاظ کا استعمال ممنوع سمجھا جاتا ہے خواہ انگریزی الفاظ۔ محاورے اور ترکیبوں کی دونو میں بھرمار ہو جاوے۔ لیکن وِشو بانی میں بعض جگہ ایک ہی فقرہ میں عربی۔ فارسی اور سنسکرت تینوں کے الفاظ موجود ہیں

خود ایڈیٹر صاحب کے اپنے نوٹ میں پچاسوں الفاظ عربی فارسی کے موجود ہیں۔ میں تو اسی کو سچے معنوں میں ہندوستانی زبان کہوں گا۔ جس کی حمایت مکمل آزادی چاہنے والی کانگرس نے کی ہے۔ کلاسیکل زبانوں کی مدد کے بغیر عام بول چال کی کوئی بھی زبان علمی زبان ہونے کا دم نہیں مار سکتی۔ اسلئے ہندوستان کی ملکی اور علمی زبان وہی ہو سکتی ہے جس کی پشت پناہ اس ملک کی کلاسیکل زبانیں یعنی عربی۔ فارسی اور سنسکرت ہوں۔ پس وشوبانی ملک کے ہر ایک محب وطن سے ہمدردی اور خیر خواہی کی مستحق ہے ۔ (ڈاکٹر) بنارسی داس جین (ایم اے پی ایچ ڈی) ۱۹ جنوری ۱۹۴۱ء

(۴) نظام ادب بابت ستمبر ۱۹۴۰ء :-

پیش نظر رسالہ طلبۂ نظام کالج دکن کی کوششوں سے سال میں دو بار شایع ہوتا ہے۔ جو بعض پروفیسروں مثلاً آغا حیدر حسن صاحب دہلوی وغیرہ کی زیر نگرانی مرتب ہوتا ہے۔ ادبی اور علمی لحاظ سے نظام ادب کا معیار اچھا خاصا ہے۔ خصوصاً جب کہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اس کی ترتیب میں بہت سا حصہ خود طلبہ کی مساعی کا رہین منت ہے۔ پیش نظر پرچہ میں بعض مضامین مثلاً "پریم چند اور ان کے افسانے"۔ "ہندوستانی کا آغاز اور اس کا ارتقا" اور "مکاتیب اردو" خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ طباعت اور کتابت بھی عمدہ ہے (س۔م۔ع)

(۵) انشای فارسی جدید حصہ اوّل و دوم۔ مصنفہ و مرتبہ

محمد شمس الحسن شمس قریشی۔ فاضل مشرقیات۔ صفحات حصہ اوّل ۱۰۸، حصہ دوم ۹۴۔ کتابت، طباعت عمدہ۔ ناشر:۔ ایجوکیشنل بک ہاؤس۔ پبلشر و بک سیلر، سول لائن علیگڈھ۔ قیمت درج نہیں ۔

جناب شمس نے انشای فارسی جدید بالخصوص طلبہ کی رہنمائی کے لئے مرتب کی ہے۔ پہلے حصے میں فن انشا سے تعارف کرانے کے بعد آپ نے انشا کے انواع و اقسام گنائے ہیں اور محاسن و معائب انشا پر بھی بحث کی ہے۔ لیکن انشا کی متداول کتابوں کا حوالہ دینے پر اکتفا کرتے ہوئے آپ نے مثالوں سے اپنے مقاصد کی وضاحت نہیں کی۔ البتہ مکتوباتِ قدیم و جدید فارسی کے باب میں یہ التزام ملحوظ رکھا گیا ہے۔ جدید فارسی میں عام رسمی مراسلات کے وہ نمونے درج ہیں جو آغاز سے لے کر انجام تک عہدِ حاضر کی مستعمل فارسی میں لکھے گئے ہیں۔ ہندوستانی طلبہ اس اسلوب نگارش سے بہت کم آشنا ہیں۔ ہمارے خیال میں اُن کے لئے یہ تصنیف بہت مفید ثابت ہوگی ؛

حصہ اوّل میں جدید فارسی کے الفاظ کی ایک مختصر فہرست بھی درج ہے اور ایران کے سکہ جات، اوزان، رقوم اور اسمائے شہور کی تفصیل دی ہوئی ہے۔ سکہ جات میں شمس صاحب نے تومان کی قیمت تین ہندوستانی روپے درج کی ہے۔ حالانکہ بانکِ ملی ایران نے ایک عرصے سے فی تومان تقریبًا ایک روپیہ دس آنے شرح مبادلہ مقرر کی ہوئی ہے۔ اس حصے میں علم بدیع پر ایک مختصر بحث کے بعد صنایع لفظی و معنوی درج کی گئی ہیں۔ یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ صنعتِ تجنیس کی وضاحت کے لئے انگریزی اور مراعات النظیر، اشتقاق، رقطا اور کئی دیگر صنائع کی مثالوں کے لئے اُردو کی طرف رجوع کیا گیا ہے حالانکہ یہاں فارسی کی مثالیں درج ہونا چاہیئے تھیں ؛

حصۂ دوم میں ادب کی حقیقت، قدیم و جدید فارسی کی خصوصیات، صنایع بدایع، تشبیہ و استعارہ، علم بیان اور فصاحت و بلاغت کے

مباحث درج کئے گئے ہیں ۔ اور آخر میں ہندوستان کی قدیم فارسی انشاء کے چند منتخب مقالات درج ہیں ۔

(ڈاکٹر) محمد باقر

(۶) سلسلۂ یوسفیہ کے مطبوعات :-

یہ سلسلہ "مجلس اشاعت دکنی مخطوطات" کی طرف سے شایع ہو رہا ہے جس کے سرپرست عالیجناب نواب سالارجنگ بہادر ہیں ۔ یہ علمی مجلس" قدیم شاہان دکن کے ادبی آثار اور اُردو کی قدیم کتابوں کی اشاعت کی غرض سے حیدر آباد میں قایم کی گئی ہے ۔ متعدد کتابیں جو اُردو کے ابتدائی دور سے تعلق رکھتی ہیں زیر ترتیب و اشاعت ہیں ۔ ذیل کی پانچ کتابیں ۱۳۵۷ھ میں شایع ہو چکی ہیں ۔ ہمارے مکرم سید محمد اعظم صاحب کا پیش لفظ سلسلہ کی ہر جلد کے شروع میں دہرایا گیا ہے ۔ اس کے علاوہ ہر جلد کے شروع میں مقدمہ مرتب ہے ۔ وہ پانچ کتابیں حسب ذیل ہیں :-

۱ ۔ پھول بن از ابن نشاطی مرتبہ عبدالقادر صاحب سروری ایم ۔ اے ایل ۔ ایل ۔ بی ۔ لکچرر اُردو جامع عثمانیہ ۔ (صفحات ۳۰۶ ۔ جن میں سے ۱۱۹ صفحات مقدمہ کے ہیں ۔ ہر صفحہ متن پر اختلافات قرأت بھی دئے ہیں ۔) سلطان عبداللہ قطب شاہ کی تصویر سے کتاب مزیّن ہے قیمت تین روپیہ ۔

۲ ۔ کلام الملوک یعنی سلاطین دکن کا فارسی کلام ۔ مرتبہ میر سعادت علی صاحب رضوی ایم ۔ اے ۔ جناب مرتب کو سلطان محمد قطب شاہ کا کلام ایک قدیم مجموعہ سے ملا ۔ اس کے علاوہ انہوں نے بعض سلاطین بہمنیہ ، سلاطین عادل شاہیہ اور سلاطین قطب شاہیہ کا کلام متفرق مواضع سے لیا اور اس مجموعہ میں یہ کلام مع مختصر حالات و شجرات سلاطین شایع کیا ۔ صفحات ۶ + ۱۱۲ سلطان محمد قطب شاہ کا کلام اور حالات ۵۸ صفحوں پر ختم ہوئے ہیں ۔ مقدمہ مرتب

۱۴ اور پیش لفظ ۶ صفحوں پر۔ باقی صفحات پر دیگر سلاطین کا کلام ہے۔ کتاب میں ۶ تصویریں بھی ہیں۔ عادل شاہیوں کی تین اور قطب شاہیوں کی بھی اسی قدر۔ قیمت ۱۲/ ر

۳۔ مثنوی سیف الملوک و بدیع الجمال۔ از غواصی۔ مرتبہ میر سعادت علی صاحب رضوی ایم۔ اے۔ صفحات ۲+۶ (پیش لفظ) + ۳۷ (مقدمہ) + ۱۷۹ = ۲۲۶۔ متن کے حواشی میں اختلافاتِ قرأت دیئے گئے ہیں اور بین السطور میں معانی الفاظ مشکلہ، سلطان عبداللہ قطب شاہ اور ملا غواصی کی تصاویر بھی کتاب میں شامل ہیں۔ قیمت دو روپیہ ۴ ر

۴۔ مثنوی طوطی نامہ از غواصی مرتبہ میر سعادت علی صاحب رضوی ایم۔ اے۔ تعداد صفحات ۳ + ۶ (پیش لفظ) + ۴۱ (مقدمہ) + ۲۹۰ = ۳۴۰، الفاظ مشکلہ کے معنی بین السطور میں دئے گئے ہیں۔ اس میں وہی دو تصویریں ہیں جو مثنوی سیف الملوک میں دی گئی ہیں۔ قیمت تین روپیہ ۴ ر

۵۔ قصہ بے نظیر۔ از عزلتی۔ مرتبہ عبدالقادر صاحب سروری ایم۔ اے۔ ایل ایل بی۔ تعداد صفحات ۴ + ۶ (پیش لفظ) + ۳۶ (مقدمہ) + ۱۱۴ = ۱۶۰، متن میں کہیں کہیں الفاظ مشکلہ کے معنے دیئے گئے ہیں۔ شروع میں فہرست مشتملات کے بعد سلطان محمد عادل شاہ کی تصویر ہے۔ قیمت ایک روپیہ ۱۲ ر

پانچوں کتابوں کا سرورق ایک ہی کاغذ اور ایک ہی ڈیزائن کا ہے سب کی سب کتابیں دلچسپ ہیں اور ان میں سے چار کتابیں اردوئے قدیم کے ادب کے مطالعہ کے لئے نہایت درجہ اہمیت رکھتی ہیں۔ یہ سب کتابیں سب رس کتاب گھر خیریت آباد (حیدرآباد دکن) سے مل سکتی ہیں۔

(۷) "غلامانِ اسلام"۔

یہ کتاب " السرق فی الاسلام" یعنی " اسلام میں غلامی کی حقیقت" کا دوسرا حصہ ہے جو باہتمام منیجر ندوۃ المصنفین قرول باغ نئی دہلی۔ جید برقی پریس دہلی میں طبع ہوا۔ قیمت غیر مجلد للعہ۔ مجلد ؎عہ

حقیقت شناس علما اس مسئلے کو دو طریق سے حل کرتے ہیں۔ اسلام سے پیشتر غلامی کا رواج عرب وعجم میں اپنے انتہائی عروج کو پہنچا ہوا تھا۔ غلام انسانی حقوق سے لازمی طور پر عاری سمجھا جاتا تھا۔ ترقی کے تمامتر راستے اس کے سامنے بند تھے۔ جس سے بڑے بڑے قابل جوہر ضائع ہوتے رہے۔ عنترہ مشہور شاعر باوجودیکہ عبسی ہے۔ مگر ایک حبشن لونڈی کا بچہ ہونے کی وجہ سے اس کو قومی محفل میں بیٹھنے اور امورِ قومی وملکی پر رائے زنی کرنے یا جنگ میں جوہر مردانگی دکھانے کی تو کہاں مجال، اس کو تو انسان سمجھنا ہی غلط شمار ہوتا تھا۔ آخر ایک جنگ میں غنیم کے مقابلے سے تنگ آکر عنترہ کے والد شداد نے عنترہ سے کہا جبکہ وہ باڑے میں اونٹنیاں دوہ رہا تھا "یا عَنْتَرَۃُ کُرَّ" عنترہ نے جواباً کہا "یَا اَبَتِ الْعَبْدُ اِنَّمَا یُحْسِنُ الصَّرَّ وَلَا یُحْسِنُ الْکَرَّ"۔ یہ تعریضی جملہ گویا تیرِ وسنان تھا جس نے شداد کو بھڑکا دیا۔ اس پر اس نے فوراً کہا۔ "کُرَّ وَاَنْتَ حُرٌّ"۔ پس کیا تھا عنترہ نے غنیم کی صفوں کو الٹ ڈالا اور اس کے بعد آج تک تاریخ میں عنترہ نہ صرف زبردست شاعر کی حیثیت سے مشہور ہے۔ بلکہ اصمعی کے قول کے مطابق وہ جنگ کا نقشہ الفاظ میں اس طرح کھینچ کر رکھ دیتا ہے کہ گویا جنگ متشخص ہو کر مخاطب کے سامنے لڑی جا رہی ہے۔

یورپ میں غلامی کی کیفیت سمجھانے کے لئے اقتباس ذیل پر نظر ڈالئے۔

"غلاموں کی دو بڑی بڑی قسمیں تھیں۔ جو قانون کی کج مج اور پیچدار اصطلاح کے موافق "غلام اسفل" اور "غلام اعلے" کہلاتے تھے۔ ان دونوں پر جاگیرداروں کو کامل اختیار حاصل ہوتا تھا۔ اُن کے معاملوں میں جاگیردار کو کسی کی جواب دہی کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ مقدم الذکر تو جاگیردار کی ذات خاص سے وابستہ تھے اور جائداد منقولہ کی طرح ہر وقت فروخت یا کسی اور طرح منتقل کئے جا سکتے تھے۔ مؤخر الذکر کا تعلق اراضی (کاشتکاری) سے تھا اور وہ کسی طرح اُن سے جُدا نہ ہو سکتے تھے۔ یہ غریب باربردار جانوروں کی فہرست میں شامل تھے اور ان کی ان ہی جیسی قدر و قیمت تھی۔ ان کو وہ تمام سختیاں اُٹھانی پڑتی تھیں جو طمع اور خوئے بد اختراع کر سکتی تھی یا جذبات بیرحمی اُن پر ڈال سکتے تھے۔ صرف یہی نہ تھا کہ وہ اپنے جاگیرداروں کے جبر و ستم کو سہتے تھے بلکہ اُن پر کچھ پابندیاں بھی تھیں جن کو اسی زمانہ کے لوگ گوارا کر سکتے تھے۔ کہ جب نہ عزت و حرمت کا خیال تھا نہ انصاف و عدل کا نہ ننگ و ناموس کا۔ اگر کوئی جاگیر کسی وجہ سے منتقل ہوتی تھی تو دستاویز میں اُن غریبوں کا نام بھی نہ آتا تھا۔ کیونکہ قانون نافذ الوقت کے موافق یہ جاگیر کا ایک حصّہ سمجھے جاتے تھے۔ جیسے اینٹ یا پتھر یا درخت اور جھاڑیاں۔ حالانکہ یہی لوگ وہ چیز تھے۔ جن کی وجہ سے کسی جاگیر کی قیمت میں کمی یا اضافہ ہوتا تھا۔ بے رحم جاگیردار اُن سے رات دن برابر کام لیا کرتے تھے اور جہاں جانور باندھتے تھے وہیں ان کو پڑ رہنے کو جگہ دیتے تھے۔ ان کی گردن میں کسی دھات کا طوق پڑا رہتا تھا (بعض کے تانبے کا اور بعض کے چاندی کا) اور اس پر اُس کا اور اُس کے آقا کا نام کھدا رہتا تھا۔ اس کی عمر دیدہ و دانستہ ضائع کی جاتی تھی۔ اس کو کوئی حقوق حاصل نہ تھے۔ آزادی کے نام سے بھی وہ آشنا نہ ہوتا تھا۔ اس کو سیر و تفریح سے کوئی سروکار نہ تھا

اس کی شخصیت گم ہو جاتی تھی - وہ اُسی زمین کی مٹی ہو جاتا تھا جس پر وہ دن رات محنت و مشقت کرتا تھا - جب موت آکر اُسے اُس مصیبت سے رہائی دلاتی تھی تو وہ اسی خاک میں مل کر خاک ہو جاتا تھا - بیکسی اور جانکاہی کی کوئی مثال، اور انسانی ظلم کی کوئی افسوسناک نظیر دنیا بھر میں ایسی نہیں ملتی جیسی کہ قرون وسطی کے ان "غلامان اسلئے" کی تھی ۔

جاگیرداروں کو اپنے غلاموں کو لوٹنے کا حق تو قانوناً حاصل تھا ہی - لوٹ میں اضافہ کرنے میں وہ مجبر العقول ذرائع سے کام لیتے تھے - غلاموں کی زندگی میں جو تبدیلی ہو، وہ کوئی نیا کام شروع کریں، اُن کے یہاں کوئی بچہ پیدا ہو، شادی ہو یا مرے، وہ کوئی نیا جھونپڑا یا مکان بنائیں، جانور رکھیں، فصل اُٹھا کر گھر لائیں تو اجازت کی ضرورت ہوتی تھی - اور ہر اجازت کے لئے الگ نذرانہ ادا کرنا پڑتا تھا - غلاموں کے خاندان کی عورتوں کی عصمت و عفت بالکل آقاؤں کے ہاتھ میں ہوتی تھی - قانون مذکورہ کی نہایت شرمناک دفعات کے موافق ان عورتوں کی حالت انتہا سے زیادہ بُری تھی - بہت سی جاگیروں میں قانون نے غلاموں کی دلہن کے متعلق جاگیرداروں کو بے انتہا آزادانہ حقوق عطا کر رکھے تھے ۔

زمانہ حال کی تہذیب و ثقاہت اس کو گوارا نہیں کر سکتی کہ اس عجیب و غریب اور شرمناک قانون کی تفصیل کی جائے"۔ (التقاط از اخبار الاندلس ترجمہ ہسٹری آف دی مورش ایمپائر ان یورپ از علامہ سکاٹ صفحہ ۴۲۳ ببعد)

اسلام نے اس سراسر ظلم اور بدترین رسم و رواج کا قلع قمع کرنے کے لئے "تحریر رقبۃ" کو قانون قرار دیا - تاکہ رفتہ رفتہ یہ سلسلہ جو ایک مدت دراز سے چلا آرہا ہے خود بخود ختم ہو جائے ۔

تاریخ بتلاتی ہے اور زیر تبصرہ کتاب میں تفصیل سے بیان ہؤا کہ "تحریر مکد" کے ذریعہ کیسے کیسے گوہر ہائے گرانمایہ خاکِ مذلت سے اُٹھ کر بام رفعت پر پہنچے۔ کتاب "غلامانِ اسلام" کو در اصل قانون "تحریر رقبہ" کی تشریح اور اس "تحریر" کے نتائج و فوائد کا مفصل تذکرہ سمجھنا چاہیئے ؛

تنقید :- (۱) قانون "تحریر" کے ذریعے ان بے زبانوں نے ہر ایک میدان میں ترقی کی اور انسانی جوہر دکھائے۔ وہ نہ صرف فن حدیث و تفسیر و تصوف و شاعری وغیرہ علوم و فنون میں یکتائے روزگار ثابت ہوئے بلکہ سلطنت اور بادشاہت کی عنان بھی سنبھال کر ایک عالم کو دکھا گئے۔ کہ خلافت الٰہیہ کا منصب رفیع یوں سنبھالا جاسکتا ہے ؛

قرآن حکیم کی اصطلاح میں منصب سلطنت وحکومت کو "اتمام نعمت" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ مادی ترقی میں اس سے بڑھ کر کوئی اور درجہ نہیں ہوسکتا ؛

بنابریں مؤلف "غلامانِ اسلام" کے لئے ضروری تھا کہ وہ "تحریر رقبہ" کی اس انتہائی ترقی یافتہ صورت کو بھی بحث میں شامل کرتے۔ مقدمہ کتاب کے صفحہ ۱۲ پر اس کے متعلق اُن کا عذر ہمارے خیال میں چنداں وقیع نہیں ؛

(۲) مزید براں کتاب میں کوئی ترتیب قائم نہیں کی گئی۔ صرف یہ کہنا کہ کتاب کو علما و فضلا کے ذکر تک محدود رکھا گیا ہے کافی نہیں ؛

ہر ایک ملت کو تین حصوں میں منقسم مانا جاتا ہے۔

فلاسفہ اشراقیہ۔ وہ ہمارے ہاں صوفیہ صافیہ ہیں ؛

فلاسفہ مشائیہ۔ ملت اسلامیہ میں انہیں علمائے کلام اور فقہا کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے ؛

سیاستین۔ وہ ہماری ملت میں خلفاء۔ ملوک۔ امراء اور ان کے دست و بازو ہیں۔ آخر الذکر طاقت کا فرض منصبی قانون ملت کی حفاظت اور اس کا نفاذ ہے۔ اور اول الذکر جماعت، قانون مذکور کی روح کو، اور متوسط اس کی صورت کو برقرار رکھنے کے لئے کوشاں رہتی ہے ؛

جب تک یہ ہرسہ اصناف مل کر کام نہ کریں۔ ملت کو انتظام نصیب نہیں ہوتا۔ تاریخ بتلاتی ہے کہ مذکورہ بے زبانوں کے صنف نے ان ہرسہ مدارج میں حیرت انگیز جولانیاں دکھائی ہیں ؛

تاہم کتاب اردو زبان میں ایک معتدبہ علمی اضافہ ہے اور اس سے اس مسئلہ کی مزید تحقیق کی سبیل نکل آئی ہے ؛

(ب) دوسرا طریق وہی ہے۔ جسے ہم "الرق فی الاسلام" کی تنقید میں عرض کر چکے ہیں۔ وہ حصہ ضمیمہ اورینٹل کالج میگزین بابت ماہ مئی ۱۹۴۰ء میں شایع ہو چکا ہے ؛

امر اول کے سمجھنے میں گو کوتاہیاں ہوئیں۔ مگر امر ثانی کو حل کرنے میں جس قدر افسوسناک تغافل برتا گیا۔ وہ علمی دنیا کا نہایت ہی رنج دہ واقعہ ہے ؛

ضمیمہ مذکورہ میں ہماری تصریحات کا مطالعہ کرنے کے بعد امر ثانی اصولاً حل ہو جاتا ہے ہم نے ستمبر ۳۹ء میں اس مسئلے (امر ثانی) پر کسی قدر تفصیل سے بحث کی اور اسکو قلمبند کر کے اورینٹل کالج میگزین کے دفتر میں اشاعت کے لئے بھیجا۔ اگر اسکی اشاعت کی نوبت آئی تو یہ مسئلہ جمیع جوانب و اطراف سے حل ہو جائے گا ؛ محمد نور الحق

The Origins of Ismailism by B. Lewis Cambridge, 1940 (

عالم اسلام میں وقتاً فوقتاً جو مذہبی اور سیاسی تحریکیں نمودار ہوتی رہی ہیں۔ اُن میں دعوت اسمٰعیلیہ کو بدیں وجہ ایک خاص اہمیت حاصل ہے کہ اس سے دنیائے سیاست میں

بہت اہم اور دُور رس نتائج پیدا ہوئے۔ مدت دراز تک اسمٰعیلی داعی خلفاء عباسیہ کے خلاف سازشیں کرتے رہے اور اپنی خفیہ تعلیم کے ذریعہ سے لوگوں کے دلوں میں حاکم وقت اور مروج مذہبی عقاید کی مخالفت کا بیج بوتے رہے۔ چونکہ اُن کا مقصد سوسائٹی کے نظام اجتماعی میں ایک عالمگیر انقلاب پیدا کرنا تھا اور انہیں اپنی انقلاب انگیز تعلیم کی اشاعت وترویج میں سوسائٹی اور حکومت کی شدید مخالفت کا خطرہ ہمیشہ دامنگیر رہتا تھا اس لئے اسمٰعیلی لوگ اپنے مخصوص عقاید کی اشاعت نہایت خفیہ طریق پر کرتے تھے اور اپنی مذہبی کتابوں کو بھی اپنے ہم عقیدہ اشخاص تک محدود رکھتے تھے اور دوسرے لوگوں سے بڑی احتیاط اور کوشش سے چھپاتے تھے۔ نتیجہ اس اخفا کا یہ ہؤا کہ اُن کے عقیدہ اور عمل کے متعلق جو لٹریچر ہمیں آج تک دستیاب رہا ہے وہ بیشتر اغیار کا لکھا ہؤا ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ وہ ہر پہلو سے کلیتہً قابلِ اعتماد نہیں ہوسکتا اگرچہ اس میں فرقہ اسمعیلیہ کے آغاز، اُن کے عقائد اور ان کی تاریخ کے متعلق بہت کچھ مفید مطلب مواد موجود ہے ؛

علمی اغراض ومقاصد کے لحاظ سے یہ امر موجب مسرت ہے کہ تقریبًا نصف صدی سے اسمعیلیہ کی خود نوشتہ دستاویزیں اور تحریریں بھی ہمیں دستیاب ہو رہی ہیں جن سے اسمعیلیہ کے صحیح عقائد۔ اُن کی اشاعت کے طریقوں اور اُن کے سرکردہ مشاہیر کے متعلق ہمارا علم یومًا فیومًا بڑھ رہا ہے۔ اس سلسلہ میں گریفینی، ماسینیو، کراؤس، ہمدانی، آیونوف اور دیگر علماء کی علمی مساعی خاص طور پر قابلِ ذکر اور لائقِ شکریہ ہیں۔ ان کی تحقیقات سے اسمعیلیہ کے لٹریچر اور اُن کے عقاید کے متعلق ہماری معلومات میں بہت کچھ اضافہ ہؤا ہے ؛

زیر تبصرہ کتاب میں لائق مصنف نے تحریکِ اسمعیلیہ کے تاریخی پہلو کی طرف توجہ کی ہے اور اس کے اوائل پر نئے مصادر کے ذریعہ سے روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے مصنف نے نہ صرف اُن تمام کتابوں کو بغور پڑھا ہے۔ جو اس موضوع پر مغربی زبانوں میں لکھی گئی ہیں بلکہ ان اسمعیلی ماخذوں کو بھی استعمال کیا ہے جو اُسے مشرقی ممالک کی

سیاحت کے دوران میں دستیاب ہوئے ہیں۔ اس سیاحت کے دوران میں اُسے مسلمانوں کی ذہنیت اور اسلامی تحریکوں کے طریق کار کو مطالعہ کرنے کا بھی کافی موقع ملا ہے جس سے اُسے مختلف مسائل خصوصاً مذہبی تحریکوں کی ماہیت اور اصلیت کے متعلق صائب رائے قایم کرنے میں بہت مدد ملی ہے ؛

اپنی اور دیگر علماء کی تحقیقات کی بنا پر اسمٰعیلیہ کے اوائل کے متعلق مصنف جن نتائج پر پہنچا ہے وہ ذیل میں اختصار کے ساتھ درج ہیں :-

(۱) تحریکِ اسمٰعیلیہ کا آغاز اسمٰعیل بن جعفر (رض) کے مریدوں کے درمیان ہُوا۔ اس تحریک میں اسمٰعیل اور ان کے بیٹے محمد بذات خود شریک تھے اور ابو الخطاب، میمون القداح اور عبد اللہ بن میمون اُن کے اصحاب اور تحریکِ اسمٰعیلیہ کی تنظیم کرنے والوں میں سے تھے

(۲) یمن اور شمالی افریقہ کی فاطمی تحریک اسی اسمٰعیلی تحریک کی ایک شاخ تھی اور عبید اللہ المہدی میمون کا جانشین اور براہ راست اس کی نسل سے تھا۔ فاطمی خلفاء صحیح النسب علوی تھے اور اُن کا اول خلیفہ القائم اُن مستور اماموں کی نسل سے تھا جن کے حق میں عبید اللہ اور اس کے آباء دعوت پھیلا رہے تھے ؛

(۳) مندرجہ بالا بیان سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کرنا چاہیئے کہ قرمطی اور اسمٰعیلی ہم معنی اور مترادف ہیں۔ عبد اللہ بن میمون تحریکِ اسمٰعیلیہ کے بانیوں میں سے تھا۔ مگر قرامطہ کے ساتھ اس کا تعلق محتاجِ ثبوت ہے ؛

(۴) شام اور الجزیرہ کے قرامطہ دعوت اسمٰعیلیہ کا ایک جزو تھے ؛

(۵) بحرین کے قرامطہ اپنے اصل کے لحاظ سے علیحدہ ہیں مگر بعد میں خلفاء فاطمیہ کے ساتھ ملحق ہو گئے۔ تاہم انہوں نے اپنی شخصیت کو علیحدہ قائم رکھا۔ غالباً اسمٰعیلی عقاید اختیار کرنے کے بعد اُن کو قرامطہ کا نام دیا گیا ؛

(۶) قرامطہ اور فاطمیہ کے درمیان جو مناقشہ بعد میں پیدا ہُوا وہ اعتدال پسند

اور انتہا پسند گروہوں کے اختلاف کا نتیجہ تھا؛

ڈاکٹر لوئس نے جو لنڈن کے مدرسۃ السنہ شرقیہ میں تاریخ اسلام کے استاد ہیں۔ زیر تبصرہ کتاب لکھ کر اسمعیلیہ کے متعلق لٹریچر میں ایک مفید اضافہ کیا ہے۔ اس لحاظ سے اُن کی تصنیف ہماری قدردانی اور ان کی ذات ہمارے دلی شکریہ کی مستحق ہے۔

اس کتاب کے متعلق بعض جزئی باتیں درج ذیل ہیں؛ [عنایت اللہ]

ص ۵ س ۶۔ سید مرتضی رازی صاحب تبصرۃ العوام کے والد کا نام مصنف نے حُسنی لکھا ہے۔ جس کی کوئی جہت معلوم نہیں ہوتی۔ تبصرہ مطبوعہ کے مصحح جناب عباس اقبال نے لکھا ہے کہ مصنف کتاب تبصرہ کا صحیح حال معلوم نہیں مشہور تر یہ ہے کہ وہ سید مرتضیٰ بن قاسم حسنی رازی ہیں یہ اور ایک اور تخمینہ جو مصنف کے متعلق موصوف نے دیا ہے 'حسنی' کے موید ہیں نہ 'حُسنی' کے؛

ص ۲۷۔ 'کیسان' کو مصنف نے مختار کا دوسرا نام بتایا ہے۔ حالانکہ کتاب المعارف ص ۳۰۰ پر 'کیسان' مختار کا لقب ہے نہ نام (ویذکرون ان لقبہ کیسان)،

ص ۲۹۔ مغیریہ بقول شہرستانی اور صاحب تبصرۃ العوام مغیرہ بن سعید العجلی کے پیرو تھے جو خالد بن عبداللہ القسری کے موالی سے تھا۔ ابن قتیبہ (م ۲۷۶) نے کتاب المعارف میں ص ۳۰۰ پر لکھا ہے؛ المغیرۃ من الرافضۃ ینسبون الی المغیرۃ بن سعید[۱] مولی بجیلۃ" اس صورت میں اس کی نسبت 'بجلی' ہونی چاہیئے تھی۔ مجھ کو معلوم نہیں کہ اسکو بعض مصنفین (مثلاً شہرستانی اور صاحب تبصرہ) 'عجلی' کس بنا پر لکھ رہے ہیں سمعانی (ص ۵۳۸ ب ذیل المغیری) نے اس کی نسبت نہیں دی فقط یہ لکھا "المغیرہ بن سعید ..... وھوالذی وصف معبودہ بالاعضاء علی مثال حروف الھجاء"۔ اس فرقہ اور منصوریہ کا ذکر کامل المبرد (طبع یورپ)

---

[۱] کامل ص ۴۰ س ۱۵ پر بھی سعید ہے مگر عقد (طبع ۱۳۰۲ھ) ج ۱ ص ۲۱۷ س ۲۸ اور آغانی (طبع اول) ۱۹ ، ۵۸ پر سعد ہے بجائے سعید؛

ں ۵۴۷ پر بھی ہے۔ وہاں لکھا ہے" الغیلۃ خلق من اخلاق الغالیۃ" پھر الغالیہ کی تشریح
ہے کہ وہ المغیریہ اور المنصوریہ ہیں۔

ص ۳۰۔ ابومنصور العجلی" الکسف" کی بابت کتاب المعارف ص ۳۰۰ پر ہے" ومنھم
اقون" اور کتاب الانساب ص ۶۰ پر ہے: وھذا القول مسروق من قول الجناحیۃ [الخناقیۃ؟]
معوریۃ من غلاۃ الروافض الذین کفروا بالجنۃ والنار والقیمۃ واسقطوا الفرائض واستحلوا المحرمات۔

ص ۳۲۔ الخطابیہ کے عقائد کا حال ابن قتیبہ (م ۲۷۶) نے المعارف ص ۳۱ پر نوبختی (م
۳۰۰ و ۳۱۰) سے پہلے لکھا ہے۔

ص ۳۶۔ عبداللہ الرجانی، الرجانی بالکسر نہیں، بالفتح ہے۔ دیکھو الانساب ص ۲۴۸ ب،
ہ الذہبی ص ۲۱۸، لب اللباب ص ۱۱۵، عبداللہ بن بکر کی نسبت کشی نے ص ۱۹۰ پر الرجانی لیکن
۲۰ پر الجرجانی دی ہے۔

ص ۴۱۔ آدم صفا، ڈیباسی نے الصفا لکھا ہے لیکن آدم صفی بمعنی مصطفی کا الصفا بمعنی حجر سے
لق نہیں بظاہر اصل میں" آدم الصفی الکلی" تھا جس طرح آدم العاصی الجروی" اور آدم الناسی الجرمانی"۔
یباسی کی کتاب" عصم عدع" ج ۲ ص ۱۱۵ حاشیہ۔

ص ۵۶ و ۵۷۔ محمد بن حسین زیدان کرخ، بظاہر کرج چاہیے بجای کرخ، ص ۶۹ پر ہے کہ وہ کرج
خ میں کرخ) واصفہان کے نواح میں رہتا تھا، کرخ یہاں کرج کا مصحف معلوم دیتا ہے۔

ص ۶۹۔ جہان بختار، حیان بختار، جہار بختان، چہار لختان یہ سب ایک ہی نام کی مصحف صورتیں ہیں، غالباً
ار بختان ہے جو چہار بختان کی معرب صورت اور ان مرکب اسماء میں سے ہے جو بوخت سے بنے ہیں جیسے سیبوخت
ع وغیرہما۔ طبری (طبع یورپ) ج ۱ ص ۸۷۴ پر چہار بخت فیروز (بادشاہ ساسانی) کی ماں کا نام ہے۔
پر دیکھو نولڈکی کا حاشیہ اس کے ترجمہ طبری کے ص ۳۹۶ پر)۔

ص ۷۲، مصنف نے کتاب الانساب کا حوالہ دیا ہے اس کتاب میں اسمعیلیہ (۳۶ ب) الباطنیہ (ص ۶۶ ب)
ملی (ص ۸۸ ب) کی ذیل میں کچھ دلچسپ حالات موجود ہیں مگر معلوم نہیں مصنف کو کتاب کے اور
واضع میں موضوع کتاب پر اطلاعات حاصل ہوئیں۔

محمد شفیع

نسب نامہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر صاحب کی پیدائش ۵۷۵ھ ہجری میں
ہوئی۔ اصلی نام مسعود تھا۔ آپ کے بزرگوں میں فرخ شاہ بادشاہِ کابل تھے۔
چنانچہ ذیل کے شجرہ سے ظاہر ہوتا ہے:[1]

شاہ احمد فرخ شاہ بادشاہِ کابل
|
شہاب الدین
|
شیخ احمد
|
خواجہ یوسف شہزادہ
|
احمد شاہزادہ
|
شعیب
|
جمال الدین سلیمان
|
شیخ فرید الدین گنج شکر

آپ کے اشعار پنجابی۔ ہندی اور فارسی زبانوں میں ملتے ہیں۔ سری
گرو گرنتھ صاحب میں آپ کے ۱۳۰ شلوک اور ۴ شبد (دو آسا راگ میں
اور دو سوہی راگ میں) موجود ہیں۔ اس کے علاوہ بھی بہت سی پنجابی نظمیں
آپ نے لکھیں (دیکھو اورینٹل کالج میگزین بابت ماہ نومبر ۱۹۳۰ء و ماہ فروری
۱۹۳۱ء حصہ پنجابی و ہندی)۔

آپ کا جنم ملتان کے نزدیک موضع چاولی میں ہوا۔ ابتدائی تعلیم ملتان

---

[1] سات ستارے مصنف بخشی رام سنگھ درویش۔

میں حاصل کی اور قرآن حفظ کیا۔ تحصیلِ علوم کے لئے آپ ملتان سے قندھار اور پھر وہاں سے بغداد تشریف لے گئے اور بڑے بڑے صاحب کمال بزرگوں سے علوم ظاہری اور باطنی کا اکتساب کیا۔ مقاماتِ مقدسہ اور ایران و عرب کے بڑے بڑے شہروں کی زیارت کی۔ جب خواجہ فریدالدین عطار نیشاپوری سے شرفِ نیاز حاصل کیا تو آپ نے بھی اپنا نام تبرکاً فریدالدین رکھ لیا۔ گنجشکر کا لقب ان کی والدہ محترمہ نے انہیں عطا کیا۔ جن کا آپ کی اعلےٰ زندگی بنانے میں سب سے زیادہ حصہ تھا۔ آپ کئی کئی دن لگاتار روزہ رکھتے۔ یہاں تک کہ نفس کشی اور عبادت میں اتنے محو ہوئے کہ بے خودی طاری ہوگئی۔ جنگلوں پہاڑوں و ندی نالوں کے کنارے تنہا رہا کرتے۔ آپ کی ایک شادی غیاث الدین بلبن شہنشاہ دہلی کی شاہزادی سے بھی ہوئی اور مذکورہ شاہزادی فقیرانہ لباس میں آپ کے ساتھ رہا کرتی تھی۔

مجھے مسٹر اے۔ سی۔ وُلنر وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی و پرنسپل اورینٹل کالج لاہور نے ماہ اکتوبر ۱۹۳۲ء میں چند قلمی نسخے ریاست فریدکوٹ میں ملاحظہ کرنے کے لئے بھیجا۔ یہاں پر مجھے سردار بہادر سردار اندر سنگھ صاحب بی۔ اے۔ پریزیڈنٹ کونسل آف ایڈمنسٹریشن ریاست فریدکوٹ کی عین عنایت سے چند قیمتی کتابوں اور نسخوں کو سٹیٹ لائبریری میں دیکھنے کا موقع ملا۔ اس کے علاوہ حاجی بابا فرید گنج شکر کے سجادہ نشین پیر شاہ محمد غوث صابری چشتی سے بھی شرف نیاز حاصل ہوا۔ انہوں نے چند کتابیں اور دیگر نہایت پرانے کاغذات شیخ فریدالدین گنج شکر کے متعلق مجھے دکھائے۔ وقت کی تنگی کی وجہ سے میں خود بیٹھ کر نقل کر کے ان کو اپنے ہمراہ نہ لا سکا۔

بابا فرید الدین گنج شکر صاحب اور ریاست فرید کوٹ

بارھویں صدی عیسوی کے آخر میں بابا فرید الدین گنج شکر اپنے خیالات اور عقاید کا لوگوں میں پرچار کرتے ہوئے موکل نگر (جسے اب ریاست فرید کوٹ کہتے ہیں) کے باہر دو میل کے فاصلہ پر اپنی گدڑی سے کچھ گیان چرچہ کرنے لگے۔ انہیں ایسا معلوم ہوا کہ گدڑی کہہ رہی ہے کہ اے فقیر تیری ملنتا میرے سبب سے ہے۔ اگر تو مجھے نہ اوڑھے تو تجھے کون پوچھے حضرت فرید الدین نے گدڑی اُتار دی اور موکل نگر کے اندر قلعہ کی عمارت میں بیگار میں پکڑے گئے اور سر پر گارے کی ٹوکری اُٹھاتے وقت گدڑی یاد آئی۔ بابا فرید صاحب کے سر پر گارے کی ٹوکری اونچی اٹھتی ہوئی دیکھ کر سب لوگ خوف زدہ ہوگئے اور راجہ موکل دیو سے سارا ماجرا کہہ سنایا۔

راجہ موکل دیو نے بابا فرید جی سے معافی طلب کی اور اپنا گاؤں و قلعہ بابا فرید جی کے نام سے بسایا اور فرید کوٹ نام رکھا جو اب ریاست فرید کوٹ کے نام سے مشہور ہے۔ اس کی یادگار میں تین جگہیں ریاست میں موجود ہیں:-

(۱) یہ جگہ زنانہ محلات میں ہے جہاں راجہ موکل دیو نے بابا فرید جی سے معافی مانگی تھی۔

(۲) چلّہ بابا فرید۔ جہاں گارے کی ٹوکری سر سے اتار کر گارے والے ہاتھ ایک درخت سے صاف کئے تھے۔ یہاں سال میں ایک دفعہ بہت بھاری میلہ بھی لگتا ہے۔

(۳) وہ جگہ جہاں بابا فرید جی نے گدڑی سے گیان چرچا کی۔ یہ جگہ

'پیر مال صاحب' کے نام سے مشہور ہے اور شہر ریاست فرید کوٹ سے دو میل کے فاصلہ پر ہے۔

حضرت بابا فریدالدین گنج شکر کی فارسی کی کچھ ایسی نظمیں جو ابھی تک کہیں نہیں چھپیں۔ مجھے جناب پیر محمد غوث صابری چشتی فریدی سجادہ نشین چلہ حضرت بابا فریدالدین گنج شکر ریاست فرید کوٹ کے قلمی نسخوں سے ملی ہیں اور اس کے علاوہ حضرت بابا فرید صاحب کا شجرہ (بنساولی)، بھی انہیں حضرت نے تیار کرکے مجھے ارسال فرمایا ہے جو ہم قارئین کرام کے مطالعہ کے لئے ذیل میں درج کرتے ہیں۔ پہلے ان کے اشعار اور پھر ان کا شجرہ درج کریں گے۔

حضرت بابا صاحب کے اشعار

حضرت باباصاحب کی زبان مبارک سے۔[1]

(بہ سند قاضی حمیدالدین ناگوری)

عشق تو مرا اسیر و حیران کردہ است ۔۔۔ در کوئے خرابات پریشان کردہ است

با این ہمہ رنج و محنت اے دوست ببین ۔۔۔ اسرارِ تو در دلم کہ پنہان کردہ است

(در جوشِ اسرارِ دوست)

آنانکہ در ہوای تو شیدا نشستہ اند ۔۔۔ از جملہ کس بریدہ و تنہا نشستہ اند

خود را فدای نامِ تو اے دوست کردہ اند ۔۔۔ آن عاشقان کہ بر تو از کذا شیدا نشستہ اند

در عالمِ تفکر بر دل نہادہ اند ۔۔۔ گاہے فتادہ و گہے برپا نشستہ اند

---

[1] یہ اشعار اور رباعیات پیر شاہ محمد غوث صابری چشتی فریدی سجادہ نشین چلہ حضرت بابا فریدالدین گنج شکر ریاست فرید کوٹ نے ۸ نومبر ۱۹۳۴ء کو اپنے دستخط کے ساتھ میری طرف روانہ کئے جو یہاں بعینہٖ درج ہیں۔

اپنے پیر و مرشد کی زبانِ مبارک سے سُنا ہُوا شعر جو وہ ہمیشہ پڑھا کرتے تھے
دیدۂ کو جمالِ دوست بدید تا بود زندہ مبتلا باشد

(عام مجلس میں)

چو درویش را کار بالا کشید
بیک لحظہ سر در ثریا کشید
چنان غرق گردد بدریای عشق
کہ یکدم سر از عشق بالا کشید

فرمودۂ پیر و مرشد جو حضرت نے ایک دم ہزار بار پڑھی :-

اصل ہمہ عاشقی ز دیدار آید چون دیدہ بدید آنگہ در کار آید
در دام بلا نہ مرغ بسیار آید پروانہ بطمع نور در نار آید

(ابسند قاضی حمید الدین ناگوری)

گر مے ندہد ہجرِ تو وصلت یارم
با خاک سر کوئے تو کارے دارم

گیرم کہ بشب نماز بسیار کنی در روز دوائے شخص بیمار کنی
تا دل نہ کنی ز غصہ و کین خالی صد خرمن گل بر سر یکخار کنی

حضرت بابا فرید صاحب کا شجرۂ نسب

نوٹ:۔ حضرت بابا صاحب کی کل اولاد ۲۹۔ جن میں سے چودہ[۱۴] لڑکے حقیقی اور ایک متبنٰی تھا۔ چودہ[۱۴] لڑکیاں تھیں۔ تیرہ[۱۳] خورد سالہ فوت ہوئیں۔ ایک بالغ جس کی شادی حضرت بابا صاحب کے حقیقی بھانجا علی احمد صابر کے ساتھ ہوئی۔ پندرہ[۱۵] لڑکوں میں سے پانچ کے اولاد ہوئی۔ چار حقیقی لڑکوں کے اور ایک متبنٰی لڑکے کے اولاد ہوئی۔ چار حقیقی لڑکوں کی اولاد پاک پٹن خاص اور چند اضلاع پنجاب علاقہ بنگال و ہندوستان اور دکن حیدرآباد میں ہے۔ جن میں بیشتر رئیس اعظم جاگیردار ہیں جن کی جاگیر تقریباً پچاس لاکھ روپیہ کی ہوگی۔ متبنٰے شیخ نصراللہ شاہ کی اولاد خاص پاک پٹن و چند اضلاع پنجاب میں موجود ہے۔ بابا صاحب کے اُن چار لڑکوں کے نام جن کی اولاد اب تک موجود ہے یہ ہیں:۔ (۱) شاہ و شیخ شہاب الدین گنج علم۔ (۲) دیوان شاہ و شیخ محمد بدرالدین شاہ صاحب کی اولاد کھائی تحصیل و ضلع فیروزپور ضلع منٹگمری ریاست بہاولپور و دیگر علاقہ جات پنجاب میں موجود ہے (۳) شاہ و شیخ محمد نظام الدین شاہ۔ ان کی اولاد بھی ہندوستان میں موجود ہے (۴) شاہ و شیخ محمد یعقوب شاہ۔ ان کی اولاد بھی ہندوستان میں موجود ہے۔

حضرت شیخ المشائخ

جناب شاہ و شیخ حضرت بابا فرید فرد مسعود العالمین گنج شکر قطب عالم اغیاث ہند عاشق و معشوق ذات احدیت ولایت درجہ زہد الانبیاء و فردیت رحمۃ اللہ علیہ تاریخ وفات ۵ محرم الحرام سنہ ۶۶۴

۱	۲	۳	۴	۵
شاہ و شیخ شہاب الدین گنج علم	شاہ و شیخ محمد بدرالدین شاہ ولایت سلیمانی دیوان قیس سرہ العزیز سنہ ۶۱۹	شاہ و شیخ محمد نظام الدین شاہ انکی اولاد مختلف علاقہ جات ہندوستان میں موجود ہے	شاہ و شیخ محمد یعقوب شاہ انکی اولاد ہندوستان کے مختلف علاقوں میں موجود ہے	شاہ و شیخ نصراللہ شاہ متبنٰی انکی اولاد خاص پاکپتن و چند اضلاع پنجاب میں موجود ہے

شاہ و شیخ محمد بدرالدین (مذکورۂ صفحہ ۱۲۲)
۱ ۲ ۳ ۴ ۵ ۶
یوان شاہ و شیخ
لاؤالدین
ج دریا صابر
فی قدس سرہ العزیز ۷۲۳ھ
شاہ و شیخ محمد شہید
شاہ و شیخ محمود شاہ
شاہ و شیخ تاج الدین
شاہ و شیخ احمد شاہ
شاہ و شیخ مودود شاہ
نوٹ:- حضرت شاہ و شیخ مودود شاہ صاحب کی اولاد حیدرآباد
دکن میں بطور جاگیردار رئیس اعظم موجود ہے۔
۱ ۲
دیوان شاہ و شیخ معز الدین شاہ ۷ محرم ۷۴۹ھ
شاہ و شیخ علم دین
۱ ۲
دیوان شاہ و شیخ محمد فضائل شاہ ۲۹ رجب ۷۵۶ھ
شاہ و شیخ صدرالدین
۱ ۲
دیوان شاہ و شیخ منور شاہ
شاہ و شیخ سعدالدین المعروف شمس الدین دریائی
۱ ۲ ۳ ۴ ۵
دیوان شاہ و شیخ
درالدین شاہ
۱۰۲۳ھ لاولد
دیوان شاہ و شیخ
بہاء الدین شاہ
۸۴۲ھ
شاہ و شیخ
خواجہ محمد
شاہ و شیخ
محمد الدین
شاہ و شیخ
ابراہیم شاہ
دیوان شاہ و شیخ محمد یونس
۱ ۲
دیوان شاہ و شیخ احمد شاہ
۸۷۷ھ
شاہ و شیخ
نعمت اللہ شاہ

دیوان شاہ و شیخ احمد شاہ (مذکورہ صفحہ ۱۲۴)
۲
۳
۴
دیوان شاہ و شیخ عطاء اللہ شاہ ۸۹۰ھ
شاہ و شیخ عزیز اللہ شاہ
شاہ و شیخ بہاء الدین
شاہ و شیخ برہان الدین شاہ ؎
؎ ان کی اولاد موضع آصف والہ وغیرہ تحصیل فاضلکا ضلع فیروزپور ملک پنجاب میں موجود ہے
۱
۲
دیوان شاہ و شیخ شہاب الدین شاہ ۹۱۷ھ
شاہ و شیخ قطب الدین شاہ
۱
۲
۳
دیوان شاہ و شیخ محمد ابراہیم شاہ المعروف براہم شاہ ۹۵۹ھ
شاہ و شیخ جلال شاہ
شاہ و شیخ خلیل شاہ
۱
۲
دیوان شاہ و شیخ محمد تاج الدین محمود حاجی الحرمین شریفین قدس سرہ العزیز ۱۰۲۳ھ
شاہ و شیخ منور شاہ
۱
۲
۳
۴
۵
دیوان شاہ و شیخ فیض اللہ شاہ ۲۵ ذوالحجہ ۱۰۱۸ھ
شاہ و شیخ فتح اللہ شاہ
شاہ و شیخ غضنفر علی شاہ
شاہ و شیخ احمد قتال
شاہ و شیخ امان اللہ شاہ
۶
۷
۸
۹
۱۰
۱۱
۱۲
شاہ و شیخ عبدالواحد
شاہ و شیخ محمد مکی
شاہ و شیخ عبداللہ شاہ
شاہ و شیخ حسن شاہ ؎
شاہ و شیخ کرم اللہ شاہ
شاہ و شیخ برخوردار شاہ
شاہ و شیخ فرید محمد عرف قطب الدین
۱۳
۱۴
۱۵
شاہ و شیخ برہان الدین
شاہ و شیخ حسین شاہ
ان کی اولاد خاص پاکپتن میں موجود ہے
شاہ و شیخ معین الدین شاہ
ان کی اولاد خاص پاکپتن میں موجود ہے

دیوان شاہ و شیخ فیض اللہ شاہ (مذکورہ صفحہ ۱۲۵)

دیوان شاہ و شیخ محمد ابراہیم شاہ ثانی ۸ محرم ۱۰۳۱ھ

1. دیوان شاہ و شیخ محمد حامد شاہ صاحب ۱۰۸۳ھ
2. شاہ و شیخ خواجہ محمد
3. شاہ و شیخ الہ بخش
4. شاہ و شیخ غلام محمد
5. شاہ و شیخ جان محمد شاہ

دیوان شاہ و شیخ محمد حامد شاہ صاحب کے فرزند:

دیوان شاہ و شیخ محمد اشرف شاہ ۱۱۲۲ھ محمد شاہ بادشاہ کے وقت میں ہوئے ہیں

شاہ و شیخ خواجہ محمد کے فرزند:

1. شاہ و شیخ لطف اللہ شاہ
2. شاہ و شیخ نعمت اللہ شاہ
3. شاہ و شیخ کرم اللہ شاہ
4. شاہ و شیخ فیض اللہ شاہ

شاہ و شیخ لطف اللہ شاہ کے فرزند:

1. دیوان شاہ و شیخ عطاء اللہ شاہ
2. شاہ و شیخ محمد اعظم ان کی اولاد ضلع منٹگمری

نوٹ (۱):- دیوان شاہ و شیخ عطاء اللہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے کا ذکر ہے کہ بادشاہ دہلی کسی خاص وجہ سے علاقہ پاک پتن سے گزرتے ہوئے شاہ و شیخ غلام رسول شاہ صاحب کو گرفتار کر کے دہلی لے گئے اور ان کو کچھ عرصہ تک قلعہ روہتاس میں نظر بند رکھا اسی اثنا میں بادشاہ دہلی اُن کے معتقد ہو گئے اور ان کو رہا کر دیا۔ ان کو رہا کرنے کی وجہ یہ ہوئی۔ کہ بادشاہ دہلی نے خواب میں دیکھا کہ ایک بڑا بھاری لشکر نیزے لے کر اس کے مارنے کے لئے مستعد ہے۔ اسی وقت بادشاہ نے خواب سے بیدار ہو کر غلام رسول شاہ صاحب کو رہا کر دیا۔ اور کچھ نذر و نیاز بھی پیش کی۔ شاہ صاحب نے بادشاہ سے درخواست کی کہ مجھے ایک فوج جرار دی جائے جس کی مجھے خاص ضرورت ہے۔ چنانچہ شاہ صاحب مع فوج دہلی سے روانہ ہو کر پاک پتن شریف پہنچے اور وہاں دیوان عطاء اللہ شاہ صاحب کے ساتھ جنگ کی۔ دیوان عطاء اللہ شاہ کو شکست ہوئی وہ شکست کھا کر پاک پتن سے روانہ ہو کر مقام کھائی تحصیل و ضلع فیروز پور پنجاب میں رونق افروز ہوئے۔ زاں بعد عطاء اللہ شاہ صاحب کا حق تلف کر کے غلام رسول شاہ پاک پتن میں گدی نشین ہوئے۔ فی الحقیقت یہ صاحب گدی کے وارث نہ تھے اور نہ ان کا کوئی حق تھا۔ نہ ہی اعلیٰ شاخ سے تھے۔ پیر عطاء اللہ شاہ صاحب اعلیٰ شاخ سے تھے اور اس گدی کی وارث اور حقدار اولاد عطاء اللہ شاہ صاحب ہے۔ ان میں سے موضع کھائی ضلع فیروز پور و ریاست فریدکوٹ خاص حلقہ بابا فرید گنج شکر کے گدی نشین اب تک موجود ہیں اور ریاست فریدکوٹ میں جاگیردار ہیں۔

نوٹ (۲):- بابا فرید شکر گنج سے شاہ و شیخ عطاء اللہ صاحب تک ان کی اولاد نسلاً بعد نسلٍ پاک پتن شریف میں گدی نشین ہوتے چلے آئے ہیں۔

دیوان شاہ و شیخ عطاء اللہ شاہ (مذکورہ صفحہ ۱۲۶)
دیوان شاہ و شیخ غلام محی الدین شاہ صاحب
دیوان شاہ و شیخ فخر الدین شاہ سیف اللہ ۳ اگست ۱۸۶۹ء
۱
شاہ و شیخ مہر الٰہی شاہ صاحب
ان کی مزار مبارک فرید کوٹ خاص
آستانہ چلّہ بابا فرید گنج شکر میں موجود ہے
۲
شاہ و شیخ خیر الدین شاہ صاحب
لاولد
۳
شاہ و شیخ فضل الدین شاہ صاحب
لاولد
ان کی مزار مبارک ریاست فرید کوٹ خاص
آستانہ چلّہ بابا فرید گنج شکر میں موجود ہے
شاہ و شیخ محمد غلام قادر شاہ صاحب
۱
شاہ و شیخ
محمد شاہ صاحب
۲
حضرت قطب اقطاب معشوق الٰہی دیوان شاہ و شیخ شاہ محمد غوث صاحب مجدد الوقت
سجادہ نشین چلّہ حضرت بابا فرید صاحب فرید فرد گنج شکر اغیاث ہند خاص ریاست فرید کوٹ جاگیردار
شاہ و شیخ
محمد عقیل شاہ
صاحب
۱
شاہ و شیخ
محمد عبدالرزاق
شاہ صاحب خلیفہ اکبر
۲
شاہ و شیخ
نیاز علی
شاہ صاحب
۳
شاہ و شیخ
شریف محمد شاہ
سیف زمان ۱۹۱۹ء
۴
شاہ و شیخ
غلام رسول
شاہ
۵
شاہ و شیخ
محمد امین
شاہ
۱
شاہ و شیخ
محمد الطاف حسین شاہ
۲
شاہ و شیخ
محمد اقبال حسین شاہ
۳
شاہ و شیخ
محمد اشرف شاہ
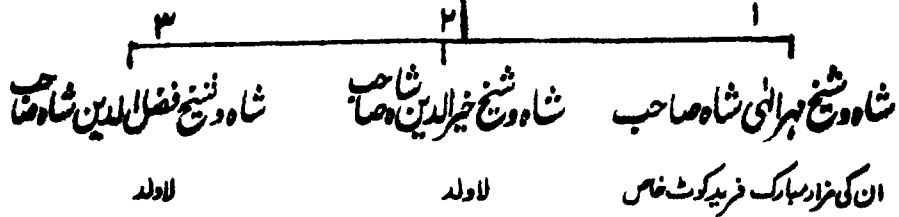
(بلدیو سنگھ)

ادارۂ اورینٹل کالج میگزین کو سالہائے گذشتہ کے
مندرجۂ ذیل پرچے درکار ہیں۔ اگر کسی صاحب
کے پاس ہوں اور ان کو خود بکار نہ ہوں تو پرنسپل صاحب
اورینٹل کالج کو بھیج دیں مناسب قیمت ادا کی جائیگی

حصۂ اردو

(۱) پرچہ اگست . . سنہ ۱۹۲۷ء
(۲) پرچہ اگست . . سنہ ۱۹۳۱ء
(۳) پرچہ فروری . . سنہ ۱۹۳۳ء

ایڈیٹر

(۳۵۳) مجد الدین ابو محمد عبد الملک بن محمود ابن ابی العلاء الیزدیؒ المقری

کان من القرّاء العلماء، قال: ثلثة اخوة ولدوا فی سنة واحدة، وقتلوا فی سنة واحدة، واسنانهم ثمان و اربعون، وهم یزید[1] و زیاد و مدرک بنوا المهلّب بن ابی صفرة، قُتِلوا یوم العقر، ومکث آل المهلّب بعد یوم[2] العقر عشرین سنة لا یولد لهم الّا ذکر ولا یموت لهم الّا انثیٰ؛

(۳۵۴) مَجد الدین ابو محمد عبد المنعم بن محمّد ابن یعقوب السامرّیُّ القاضی [81 a, 82 b]

کان من القضاة الحکّام، قرأت بخطّه، قال: صعد الحجّاج یوماً المنبر فحمدَ الله واثنیٰ علیه ثمّ ذکر الانبیاء فقال: صلی الله علیٰ موسیٰ وان کان جباناً حیث یقول: اِنِّیۤ اَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ؛ وعَلیٰ یوسفَ وان کان حریصاً حیث یقول: اِجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ؛ وعلیٰ لوطٍ وان کان لذلیلاً حیث یقول: لَوْ اَنَّ لِیْ بِکُمْ قُوَّةً؛ وعلیٰ سلیمان وان کان لحسوداً حیث یقول: هَبْ لِیْ مُلْکًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ؛

---

[1] انظر ترجمة یزید فی وفیات الاعیان (۲: ۲۶۴ بما بعدها) وما ذکره من احادیث محلّ نظر فانّه یختلف عمّا ذکره صاحب الوفیات، [2] کان بین مسلمة بن عبد الملک ویزید بن المهلّب سنة ۱۰۲ هجریه؛

(۳۵۵) مجد الدین عبد المؤمن بن عبد العزیز ابن عثمان بن عبد الرحمٰن الصمدانی الجنزی المحتد الصدر المعظّم

من اعیان الصدور والاکابر، سکن بغداد وله محضر حسن واخلاق محمودة؛

(۳۵۶) مجد الدین ابو علی عبد الواحد بن ابراهیم ابن اَسْعَد بن حَمْزَة الفارِقیّ الخطیبُ

انشد فی التهنیة بالمحرم :—

عامٌ مضیٰ کلفًا واخر مقبل	یأتی بما تختارهٗ وتؤمّلُ
یجری الزمان وانت فیه ثابت	ویحول منصرفًا ولا تتحوّلُ
والیک تشتاق السنون محبّةً	حتّی لقد حسد الاخیر الاوّلُ
فتهنّ بالعام الجدید فانّهٗ	عبدٌ یُصیخ لِمَا تقول وتَفْعَلُ

(۳۵۷) مجد الدین ابو المکارم عبد الوارث بن محمّد ابن عَبد المُنعم الاَسَدیُّ الابهریّ الفقیه الفاضل

ذکرہ تاج الاسلام ابو سعد السمعانی فی المذیّل، وقال:
کان احد الفضلاء المشهورین بالعلم والفضل الوافر، اقام ببغداد مدّةً مع الشیخ ابی[1] اسحٰق ابراهیم بن علیّ بن یوسف الفیروزابادیّ، وسافر واجتمع بعلماء الشام ومصر وعاد الی بلدہ، وانتفع به الناس، سمع بمصر ابا عبد الله محمّد[2] بن سلامة القُضَاعی وبمعرّة النعمان ابا العلاء المعرّیّ

---

[1] هو الشیخ ابو اسحٰق الشیرازی (م ۴۷۶ھ)، [2] المتوفی سنة ۴۵۴ھ؛ انظر ترجمته فی وفیات الاعیان (۱:۲۶۷)؛

قال : وروى لنا ابو عبد الله الحسين[1] بن عبد الملك الخلال باصفهان ؛ وذكره الباخرزي في كتاب دمية القصر ؛ وله تصانيف وتواليف ، وتوفي بابهر سنة خمس وخمسمائة ؛

(۳۵۸) مجد الدين ابو المعالي عبد الوهاب بن سعد ابن ادريس الفوشنجي المحدث

اورد بسنده عن ابي هريرة رضي الله عنه ان النبي صلى الله عليه وسلم قال : تقيء الارض افلاذ كبدها مثل الاسطوان من الذهب والفضة ؛ قال : فيجيء القاتل فيقول : في هذا قتلت ؛ ويجيء القاطع الرحم فيقول : في هذا قطعت رحمي ؛ قال : ثم يتركونها ولا يأخذون منها شيئاً ؛

(۳۵۹) مجد الدين ابو الفضائل عبد الوهاب بن عبد الله بن محمد البغوي المحدث

ذكره صائن الدين ابو رشيد بن الغزال في كتاب الجمع المبارك والنفع المشارك ؛ وقال : اجاز عامة لجميع المسلمين الموجودين على العموم في اواخر جمادى الآخرة سنة تسعين وخمسمائة ؛ سمع اباه عبد الله ، وله اجازة عن محيي السنة الحسين بن مسعود بن محمد الفراء البغوي بجميع تصانيفه وتواليفه ولد

---

[1] ذكره ياقوت في معجم البلدان (مادة جيراخشت) استطراداً ؛ [2] تعريب بوشنگ بليدة بينها وبين هراة عشرة فراسخ ، معجم البلدان وجغرافيه خلافت مشرقي (ص ۴۱۱-۴۱۲) ؛

ببغشور[1] فی شهر ربیع الاول سنة اربع عشرة وخمسمائة، وتوفی بهراة فی شهر ربیع الاول سنة اربع وتسعین وخمسمائة؛

(٣٦٠) **مجد الدین** ابو الیامن عبد الوهاب بن جلال الدین یوسف بن ایاز بن عبد الله البغدادی سمع عمه شیخنا جمال الدین حسین[2] النحوی، صاحب الاخلاق الجمیلة تزهد وترک ما کان علیه؛

(٣٦١) **مجد القضاة** ابو القاسم عُبید الله بن[3] ابی الفرج علی بن ابی خازم محمد بن ابی یعلی محمد یعرف بابن الفراء البغدادی القاضی المدرس ذکره جمال الدین ابو عبد الله محمد بن سعید الدبیثی فی تاریخه، وقال: کان مجد القضاة ابو القاسم عُبید الله احد المعدلین هو وابوه وجده وجد ابیه وجد جده؛ شهد عند القاضی القضاة علی بن احمد[4] بن الدامغانی

---

[1] بلیدة بین هراة ومرو الروذ یقال لها "بغ" ایضا والنسبة الیها البَغَوی علی غیر القیاس؛ [2] قال السیوطی: حسین بن بدر بن ایاز بن عبد الله ابو محمد العلامة جمال الدین کین ابساق بنسبة ابن رافع فی تاریخ بغداد؛ وهو یفید سقوط اسم بدر من النسب الذی ذکره المصنف ههنا؛ توفی جمال الدین حسین فی ذی الحجة سنة احدی وثمانین؛ راجع بغیة الوعاة (ص ٢٣٢ بما بعدها) [3] ترجم له ابن العماد فی الشذرات (٤: ٢٦٤ بما بعدها) حوادث سنة ٥٨٠ھ ونقل جزمه ابن رجب بوفاته سنة ٥٨٠ھ؛ [4] المتوفی سنة ٥٨٣ھ، انظر ترجمته فی الجواهر المضیئة (١: ٣٥٠ - ٢٥٢)؛

فی شهر ربیع الاوّل سنة خمس وخمسین وخمسمائة
وتوفی لیلة الجمعة یوم عید الاضحیٰ سنة ثمانین و
خمسمائة، ومولدہٗ فی ذی الحجة سنة سبع وعشرین
وخمسمائة؛

(۳۶۲) مجد الدین ابو الفضل عثمان بن فخراور بن
محمود السَرُوی الحکیم الاصولی

کان من الحکماء الفضلاء المبرّزین فی العلوم الحکمیة،
رأیت خطّه لتلمیذہ علیّ بن اصفهسالار بن علی السَرُوی
سنة ثلاث وثمانین وخمسمائة؛

(۳۶۳) مجد الدین عثمان بن شرف الدین محمّد
بن عبد الحلیم بن ابی عبد الله القرشیّ

سمع بالحرم الشریف مع والدہ شرف الدین علی شیخنا
کمال الدین هبة الله بن ابی القاسم بن ابی غالب سنة ستّ
وثمانین وستّمائة؛

(۳۶۴) مجد الدین عربشاہ بن شیخ المشائخ نظام الدین
محمود بن علیّ بن ابی الفتح الشیبانیّ الامیر الفاضل
لهٗ همّة عالیة ونفس شریفة ونظرٌ فی التصوّف ولهٗ
صحابة؛

(۳۶۵) مجد الدین ابو عبد الله عصام بن یوسف الفقیهی
الخوارزمیّ الفقیه الجدلیّ

کان من الفضلاء الکبراء، من اعیان علماء المشرق، وسمع

الكثير من الاخبار والحديث على الشيخ الامام المحدّث رشيد الدين ابي الفضائل محمّد بن ابي بكر احمد بن ابراهيم الخالدي سنة خمس واربعين وستمائة ؛

(٣٦٦) **مجد الدّين** ابو الحسن عليّ بن احمد بن عمر العَلَويّ الاشتريّ النقيب

[هو] عليّ بن احمد بن عمر بن محمّد بن عبيد الله بن محمّد ابن محمّد بن عليّ بن عبيد الله بن عليّ بن عبيد الله بن عليّ بن عبيد الله الاعرج بن عليّ بن الحسين بن علي بن ابيطالب العَلَوِيّ الكوفيّ من سادات الكوفة واولاد نقباء بها، رأيته بالكوفة سنة احدى وثمانين وستّمائة، وكتبت عنه ؛

(٣٦٧) **مَجْدُ الدّين** ابو الحسن عليّ بن احمد بن هبة الله يعرف بابن الماورديّ الواسطيّ الفقيه الخازن

كان فقيهاً فاضلاً، سافر في صباه الى خراسان وما وراء النهر وسمع ببخارا من الفقيه العالم جمال الدين المعروف بكوي خرذ منذ ان، واستوطن بغداد، وكان خازن الكتب بالمدرسة الشرفيّة بخان زياد من سوق السلطان سمعت عليه، وكتبت منه ونعم الشيخ كان ؛

(٣٦٨) **مجد الدين** ابو الحسن عليّ بن الحَسَن بن بشر ابن عمّار الاسكندريّ الاديب [82 b / 83 a]

كتب " يا ايها الملأ انّي اُلقِيَ اليَّ كتاب كريم وخطاب رخيم ذو لفظ مرصّع كطلع نضيد ودُرّ نظيم، ومعنىً مخترع

مبتدع فی کل وادٍ یهیم :-

قد اعجزت کل الوری اوصافهُ — وانساغ فی اذن اللبیب سُلافهُ

فکأن لفظك لؤلؤ مستخلّ — وکأنّما اذاننا اصدافهُ

(۳۶۹) مجد الدین ابو الحسن علیّ بن الحسن بن علی بن النفیس بن فضائل الموسوی الادیب

انشد من ابیات :-

ولا زال مولانا الوزیر محمّد — غیاثًا للملهوف وورداً لحائم

وزیرٌ له عدلٌ تلألأ نورهُ — فجلّی عن الدنیا ظلام المظالم

(۳۷۰) مجد الدین علیّ بن الحسین بن باقی الحِلّیّ القاضی

ذکرهُ شیخنا تاج الدین فی کتاب نزهة الابصار فی معرفة النقباء الاطهار، و انشد لهُ فی مدح النقیب قطب الدین الحسین بن الاقساسی :-

أفی مثلها تنبوا ایادیك عن مثلی — وهاذی الامانی فیك جامعة الشمل

وقد امن المقدار ما کنت اتّقی — وارخصت الایّام ما کنت أستغلی

واذعن صرف الدهر سمعًا وطاعةً — لما نُهت من قولٍ امضیت من فعلٍ

فی [ابیاتٍ] ؛

(۳۷۱) مجد الدین ابو الحسن علیّ بن رشید بن احمد بن

---

[۱] النقطة اللفظ فی التهذیب؛ [۲] قال ابن عماد فی الشذرات (حوادث سنة ۵۰۶ھ، ۵ : ۱۷) : وفیها علیّ بن ربیعة بن احمد بن محمد بن حینا الحربوی من اهل حربا من سواد بغداد قدم بغداد فی صباه وصحب عمّهُ لامّه ابا المقال سعد بن علی الخاطری وقرأ علیه الادب، والاختلاف بینهما واضح سببه الغلط المطبعی فی الشذرات کما نظنّهُ ؛

احمد بن خسینا الحربوی المعدل

قال شیخنا تاج الدین: دخل بغداد وهو شابٌ فقرأ

الادب، وصحب ابا المعالی سعد بن علی الکتبی، وکان اخا

لابیه من امه، وسمع ابا القاسم نصر بن نصر العکبری[1]

وابا الوقت عبد الاول، وشهد عند قاضی القضاة ابی الحسن

علی بن احمد بن الدامغانی سنة احدی وسبعین و

خمسمائة، واتصل بخدمة الدیوان، وتقدم وکان

موصوفاً بالثقة والامانة وحسن الطریقة، محباً لاهل العلم

وعُزل عن منصبه، وتوفی فی شوال سنة خمس وستمائة؛

(۳۷۲) مجد الدین ابو الفضل علی بن رمضان المخزومی الصوفی

کان صوفیاً کثیر الاسفار وله قبول، قال: لما هم المنصور[2]

باحراق المدینة وهدمها عند خروج ابراهیم ومحمد

ابنی عبد الله بن الحسن بن الحسن قال له جعفر بن محمد

الصادق: یا امیر المؤمنین! إن سلیمان اعطی فشکر،

وإن ایوب ابتلی فصبر، وإن یوسف قدر فغفر، فاقتد بمن

---

[1] المتوفی سنة ۵۵۲، راجع الشذرات (۴: ۱۶۶)؛ ونسبة الطبری کما فی الشذرات من اغلاط النساخ؛ والصحیح العکبری کما ذکره المصنف ویاقوت فی معجم البلدان (۱: ۸۸۰)؛ [2] الصحیح ان المنصور لم یهتم بهدم المدینة واحراقها قط؛ واما المکالمة بینه وبین جعفر الصادق المذکورة ههنا فکانت کما فی العقد الفرید (باب الاستعطاف من کتاب مخاطبة الملوک) - لما هم المنصور بقتله؛

شئت منهم ؛ فقال : حسبك ؛ ونقض عزمه ؛

(٣٧٣) مجد الدين ابو محمد علي بن ابي شجاع بن روح بن هبة الله البغدادي الامين

كان من الاعيان الاماثل حافظاً، انشد لبعض العرب :-

لها حكم لقمان وصورة يوسف ومنطق داؤد وعفة مريم

ولي سقم ايوب وغربة يونس واحزان يعقوب ووحشة آدم

(٣٧٤) مجد الكتاب ابو الخير علي بن صاعد اليزدي الكاتب

من شعره :-

يداك يد تنهل بالمال درهما (؟) واخرى بحد المشرفي ضروب

وسيفك يوم الروع اعني مجاعة اكول لاكباد الكماة شروب

وكل غريب في فنائك اهله وفي المنزل المأهول انت غريب

(٣٧٥) مجد الدين ابو الحسن علي بن الاتقى ابي احمد طلحة بن عبد الله الزينبي العباسي النقيب

ذكره شيخنا في كتاب منهاج الطالبين في معرفة نقباء العباسيين، وقال : قلد النقابة والخطابة بعد وفاة ابيه نقيب النقباء الاتقى، وذلك في يوم الاحد الحادي والعشرين من جمادى الآخرة سنة ثمان وخمسين وخمسمائة في ايام المستنجد بالله، وعمره يومئذ ثماني عشرة سنة، وكان شاباً سرياً، وحمل الى دار الخلافة مقيداً، ومولده سنة سبع وثلثين وخمسمائة، واخرج من حبسه ميتاً،

ط (٥٥٥ - ٥٦٦ هـ) ؛

فی ربیع الاوّل سنة احدیٰ وستّین وخمسمائة؛

(٣٧٦) مجد الشرف ابو الحسن علیّ بن النقیب ابی طالب عبد الله بن احمد بن علیّ بن المعمّر الحسینیّ النقیب الطاهر

مُعرِق فی النقابة والریاسة والتقدّم، ذکره الحافظ ابو عبد الله بن النجّار، وقال: کان ادیبًا فاضلًا، شاعرًا، کاتبًا، وجیهًا مقدّمًا، متواضعًا لطیف الاخلاق، حسن الطریقة جمیل السیرة، رأیته فی مجلس شیخنا ابی الفرج[1] بن کلیب غیر مرّة، یسمع منه الحدیث، وقد وخطه الشیب، وله اُبّهة جمیلة، روٰی عنه نجم الدین عبد السلام بن یوسف الدمشقیّ، وکتبت عنه شعره، وتوفّی فی شعبان سنة خمس وتسعین وخمسمائة؛

(٣٧٧) مجد الدین ابو المظفّر علیّ بن عبد الله بن عبد الجلیل الطهرانیّ نزیل بغداد المعدّل الفقیه

من اولاد العلماء والفقهاء، ولد ببغداد، وقرأ الفقه، و شهد عند قاضی القضاة عزّ الدین احمد بن الزنجانی[2] سنة ستّ وثمانین وستّمائة؛ انشدنی فی سلخ صفر سنة سبعمائة ممّا یکتب علی مقلمة:-

---

[1] هو عبد المنعم بن عبد الوهّاب الملقّب شمس الدین الحرّانی المتوفّی سنة ٥٩٦ھ. وفیات الاعیان (١: ٣٠٦-٣٠٧) والشذرات (٤: ٣٢٤)؛

[2] صاحب کتاب انموذج الزمان؛

كلّ السيوف لها جفون تنتضى　　منها وانّى جفن كلّ يراع
واعلم بانّ الفضل للقلم الذى　　لولاه خابت للسيوف مساعى

وكان من فقهاء مشهد الامام ابى حنيفة، ثمّ ترك الفقه ونزع اللباس ولبس البلاس، وتطوّق بطوق من الحديد وصار يمشى فى الاسواق حافيا مكشوف الراس؛

(٣٧٨) **مجد الدّين** ابو القاسم [و] ابو الحسن علىّ بن عبد الله بن محمّد بن الزيتونىّ الواسطىّ القاضى بواسط كان [بعد] شيخنا عماد الدّين زكريّا بن محمّد بن محمود الانصارىّ القزوينىّ قاضى واسط[1]، رايته ببغداد فى حضرة قاضى القضاة عزّ الدين الزنجانىّ حين ولّاه الحكم والقضاء بواسط واعمالها؛

انشد :-

حوائج الناس كلّها قضيت　　وحاجتى لا اراك تقضيها
اناقة الله حاجتى عقرت　　ام نبت الشوك فى نواحيها

(٣٧٩) **مجد الدين علىّ**[2] بن عبد الصمد بن محمّد الدّونى سكن اسد اباد وكان بينه وبين والدى مودّة مؤكّدة؛

---

[1] هو صاحب عجائب المخلوقات توفّى سنة ٦٨٢ھ وكان قاضيا بواسط من سنة ٦٥٢ الى ٦٨٢ھ

ومن ههنا ادخلنا كلمة بعد فى عبارة المصنّف؛ انظر ترجمة القزوينى فى دائرة المعارف الاسلامية (٢ : ٨٤١ — ٨٤٤) والمصادر التى ذكرت هنالك، وسيتكرر لمجد الدين هذا ترجمة اخرى باسم مجد الدين علىّ بن محمّد بن عبد الله؛　[2] لعلّه مجد الدين علىّ بن محمّد بن عبد الصمد الذى يأتى ذكره؛

(۳۸۰) مجد الدین ابو الحسن عَلیّ بن عبد المحسن بن محمّد الزُبَیدِیّ الواعظ

ذکرہٗ شیخنا تاج الدین علیّ بن انجب، وقال: کان واعظاً، وانشدَ لہٗ:—

لیالی المُنحنیٰ عُودِی ۔۔۔ فانّی قد ذَوٰی عُودِی
کما اَمرضتنی عُودی ۔۔۔ فمن جُونی فقد عُودی

سقی اللّٰہ الحمیٰ مُزْنًا ۔۔۔ فقد اورثنی حُزْنا
فکم قِدْمًا بہٖ فُزْنا ۔۔۔ بعیشٍ غیر منکودٍ

اجیران الغضا رِقّوا ۔۔۔ فانّی لکم رِقّ
وفی ایدیکم رِزقٌ ۔۔۔ شہودی فیہ مشہودی

اردتم کنہ تجریبی ۔۔۔ وسُفن الحُبّ تجری بی
فجوزوا الاٰن اَجْرِی بی ۔۔۔ ولو منکم بموعودٍ

(۳۸۱) مجد الدین ابو الحسن علیّ بن عُثمان بن محمّد الخراسانیّ الادیب

ذکرہ العماد الکاتب فی کتابہٖ[۱]، وقال: کان من اعیان الفقہاء الفضلاء، وما زال اسلافہم زعماء الکرّامیّة بخراسان، و کان مجد الدین فاضلاً، لہٗ رسائل واشعار، ولہٗ من ابیات:—

---

[۱] لمیرید خریدۃ القصر فانّ اسم المترجم موجود فیہا کما ذکرہٗ دوزی فی فہرستہٖ (ص ۲۳۰)؛

افقل لبرق لاح فی الجو ضوءہ — کلمع حسام فی مثار قتام

تحمّل الی الشیخ التمام اخی العلی — جمال الوری صدر الکرام سلامی

(۳۸۲) مجد الدین ابو القاسم علیّ بن علیّ بن محمّد العریضیّ الحسینیّ الفقیہ الادیب

[83b 84a]

قرأت بخط شیخنا العلّامۃ جمال الدین ابی الفضل احمد بن محمّد بن المھنّا الحسینیّ العبیدلیّ، قال: نقلت من خط الشیخ الادیب العالم منصور بن الخازن الحائری، انشدنی الشریف مجد الشرف ابو القاسم علیّ بن العریضیّ، قال: انشدنی الادیب ابن[1] حیّا الکاتب لنفسہ:-

للّٰہ درّ الششتیّ من رجل — فاق الوری فی السماح والکرم.

رای اخاہ لحمًا علی وضم — فانتاشہ من مخالب العدم

اساہ فی فقرہ ببلغتہ — واستعطفتہ شوابک الرحم

وکیف یستصغر الوری رجلًا — غبّر فی وجہ کلّ محتشم

والششتیّ[2] المذکور کان رجلًا عامیًّا، والیہ تنسب البثوق التی فی السعدیّ تعرف بدکان الششتیّ؛

(۳۸۳) مجد الدین ابو الفتح علیّ بن کامل بن علیّ بن شھریار الفالیّ الادیب النحویّ

من ادباء العصر وفضلاء الدھر، انشدنی لہ شیخنا الفاضل فخر الدین ابو علیّ بن ابی غسّان الفالیّ سنۃ اربع وسبعین و

---

[1] اصل: ابن حیّا؛ ولم نتمکّن من تصحیحہ بعد؛

[2] لم نتمکّن من معرفۃ الششتی ولا دکانہ ولا السعدی بعد؛

ستمائة بمراغة :—

لا يستحق ركوب الخيل كل فتى ... ولا يليق بأخذ السيف كل يد

الا فتى كملت فى المجد همته ... وفى المعارك يسطو سطوة الاسد

قال : وكانت وفاته سنة خمس وستمائة بغالة ؛

(٣٨٤) مجد الدين ابو محمد على بن كرم يعرف بابن الطباخ البغدادى الكاتب

من بيت معروف بالتصرف والكتابة ، وكان مجد الدين كاتباً سديداً وشاعراً مجيداً ؛

ومن شعره :—

الا علل نفسى البقاء وخادعا ... يقينى فكل بالخداع يعلل

ومد اياسباب المطامع منيتى ... فانا على الاطماع فيها نعول

ولا تعد انى الشر قبل وقوعه ... فان انتظار الشر داهى و اعجل

(٣٨٥) مجد الدين ابو محمد على بن المبارك بن على بن عبد الباقى - يعرف بابن بانوية - البغدادى الكاتب

من كلامه :— اما بعد فان الله - وله الحمد - انعم على عباده بنعم ليس لها حد ، ومن اعظم مننه الجزيلة و نعمه الجليلة ان استخلف فى ارضه خلائف يلجأ اليهم كل امن وخائف ، وينتصف المظلوم بهم من الظالم و يرجعون الى عدلهم وانصافهم فى الامور العظائم ؛

(٣٨٦) مجد الدين ابو طاهر على بن محمد بن احمد ابن جعفر الواسطى ثم البغدادى الفقيه المدرس

من بيت العلم والفضل والفقه والادب ، تفقّه على عمّه رضىّ الدين ابراهيم بن احمد بن جعفر ، وعلى جمال الدين ابن خنفر ، وسافر الى البلاد الشامية والديار المصريّة ولمّا قدم رتّب مدرّسًا بالمدرسة الفخريّة المعروفة بدار الذهب بعقد المصطنع ، وذكره ابن انجب فى طبقات الفقهاء ، وقال : كان حسن المعرفة بالعربيّة والاصول ، ونظم ارجوزة فى النحو سهلة الالفاظ ، ولمّا قدمتُ من مراغة سنة تسع وسبعين اجتمعت به وكتبت عنه ، وكتب لى الاجازة ، ورتّب مدرّسًا بالنظاميّة يوم الاثنين سادس المحرّم سنة احدى وثمانين و ستمائة ؛ ثمّ عزل بابى البيان ، ثمّ رتّب مدرّسًا بالمدرسة البشريّة[1] ، وتوفّى فى ذى القعدة سنة ثلاث وثمانين و ستمائة ، وكان مولده بواسط سنة سبع وعشرين و ستمائة ؛

٣٨٧) مجد الدين ابو القاسم علىّ بن محمّد بن الحسن التبريزىّ الفقيه

كان من الفقهاء الادباء الذين وردوا العراق ، رأيت بخطّه

---

[1] ذكر العزّاوى عزله وترتيبه بالمدرسة البشريّة فى حوادث سنة ٦٨٢ هـ ؛ نقلاً من الحوادث الجامعة (ص ٤٣٣) ، ولفظ الحوادث الجامعة ، وفيها نقل مجد الدّين علىّ بن جعفر من التدريس بالمدرسة النظاميّة الى المدرسة البشريّة ، ورتّب فى المدرسة البشريّة نور الدين ابو البيان (كذا) الحلبىّ ؛

فی بعض المجامیع :—

دخول النار للمهجور خیر ‌ ‌ ‌ ‌ من الهجر الذی هو یتقیه

لأنّ دخوله فی النار ادنی ‌ ‌ ‌ ‌ عذابًا من دخول النار فیه

(٣٨٨) مجد الدین ابو المظفّر علیّ بن محمّد بن زید العلویّ الموصلیّ النقیب

کان من نقباء الموصل وله الفضل العظیم، کتب الی بعض الوزراء :—

یا من اذا رمنا مدی فضله ‌ ‌ ‌ ‌ اعادنا عن شأوه حسری

ومن اذا الصّمت ثنی قوله ‌ ‌ ‌ ‌ انطق من البابنا اسری

ومن له الفضل علینا ومن ‌ ‌ ‌ ‌ اصبح فینا النعمة الکبری

(٣٨٩) مجد الدین ابو الحسن علیّ بن محمّد بن سعید العلویّ الشیرازیّ الادیب المفسّر

[من کلامه :—] قیل للربیع بن خُثَیم[1] فی مرضه : الا ندعو لك طبیبًا ؟ فقرأ " وَعَادًا وَّثَمُودًا[2] وَّاَصْحَابَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًا بَیْنَ ذٰلِكَ كَثِیْرًا[3] " ؛ قد کان فیهم اطبّاء فما اری المداوی بقی ولا المداوی، هلك الناعت والمنعوت له ؛ وانشد :—

انّ الطبیب بطبّه ودوائه ‌ ‌ ‌ ‌ لا یستطیع دفاع مکروه اتی

ما للطبیب یموت بالداء الذی ‌ ‌ ‌ ‌ قد کان یُبرئ مثله فیما اتی

---

[1] التابعی المتوفی سنة ٦١ ؛ ترجم له الحافظ فی التهذیب ؛ [2] بالتنوین (کما فی الاصل) قراءة الائمة الخمسة الباقیة من السبعة باستثناء حفص والکسائی ؛ انظر کتاب التیسیر لابی عمرو الدانی (مطبعة الدولة استنبول ص ١٢٥) ؛ [3] سورة الفرقان (٢٥) الآیة (٣٨) ؛

(۳۹۰) مجد الدین ابوالحسن علی بن محمد بن عبدالصمد الدونی - نزیل اسد اباد - اللغوی

من افاضل الزمان وعلمائه وادبائه، قدم بغداد شابًا، وحصّل علم اللغة علی الشیخ العالم رضی الدین ابی الفضائل الحسن بن محمد الصغانی، وکتب بخطه الکثیر من کتب اللغة المطوّلات والمتوسّطات والمختصرات ولمّا توجّهنا الی المعسکر فی صحبة النقیب الطاهر رضی الدین ابی القاسم علی بن طاوس الحسینی، و نزلنا باسد اباد کان موجودًا بها الّا انی لم اجتمع به و لا رأیته، وهو الآن حیّ یرزق بها؛

(۳۹۱) مجد العرب مصطفی الدّولة ابوفراس علی بن محمد بن غالب العامریّ الشاعر

ذکره العماد الکاتب فی الخریدة[1] وقال: مجد العرب ابوفراس یصبّ الشعر فی قالب السحر، وفیه یقول بعض فضلاء اصفهان: فاشعار الامیر ابی فراس کاشعار الامیر ابی[2] فراس، قال: قدم اصفهان فی شهور سنة سبع وثلاثین وخمسمائة، ومن شعره:-

قالوا بوجه الذی احببته کلف | فقلت بدر وما یخلو من الکلف
قالوا فلا وصل قلت الآن اطمع فی | تعانق لی باعتناق اللام بالالف

---

[1] راجع فهرست دوزی (ص ۲۱۳)؛ [2] الحارث بن حمدان المتوفی سنة ۳۵۷ھ؛

(۳۹۲) مجد الدین ابو الیمن و ابو الحسن علیّ بن ابی منصور النقیب الاغرّ محمّد بن محمّد الکلکویّ العلویّ البصریّ الادیب [84 b 85 a]

من السادات الادباء، والاماثل البلغاء، انشد لذی النون المصریّ :—

یجول الغنی والعزّ فی کلّ موطنٍ — لیستوطنا قلبَ امرئٍ إن توکّلا

ومن یتوکّل کان مولاهُ حسبَهُ — وکان له فیما یحاوِل معقِلا

اذا رضیت نفسی بمقدورحقّها — تعالت وکانت اکبرالناسِ منزِلا

(۳۹۳) مجد الدین ابو الحسن علیّ بن محمّد بن محمّد ابن اسحاق بن محمود الخطیبیّ الاصفهانیّ الخطیب

من کلامه : واحسانه الذی هو الی عبیده المخلصین مجدّدٌ ان یکون باجمال النظر فیه واولی ان یکون سهمهٗ منه هُوَ المُعَلّٰی ، وانشد :—

انتم ملوک العالمین خلافـةً — واری البریّة فی مقام الاعبُدِ

مثل النجوم تتابعت فی سیرها — نسقًا لعین الناظر المسترشِدِ

(۳۹۴) مجد الدین علیّ بن تاج الدین محمّد بن عبد الله الزنبونیّ الواسطیّ قاضی واسط

رایتهٗ فی حضرة قاضی القضاة عزّ الدین ابی العبّاس احمد بن محمود الزنجانیّ وهو جمیل الهیئة والصورة، سیّئ السیرة وذکر عنه اشیاء من غصب الاملاک ، شهد عند قاضی القضاة

له ثوبان بن ابراهیم المتوفّی سنة ۲۴۵ ھ ؛ انظر ترجمته فی الوفیات (۱ : ۱۰۱-۱۰۲)،

عز الدين بن الزنجانی فی المحرّم سنة احدی وثمانین وستمائة وكتب له شیخنا العدل رشید الدین محمّد ابن ابی القاسم المقری نسخة اجازة فی شعبان سنة سبع وتسعین وستمائة له ولولدیه تاج الدین عبد الله وشرف الدین احمد، كتبت فیها ؛

(٣٩٥) مجد الدین ابو القاسم علیّ بن محمود بن محمّد الراذكانیّ الطوسیّ الصوفی

سمع الراذكانیّ بخوارزم من الشیخ نجم [الدین] الكبراء ابی الجناب احمد بن عمر بن محمد بن عبد الله الخیوقیّ كتاب شرح السنّة من تصنیف محی السنّة ابی محمد الحسین بن مسعود الفرّاء البغویّ فی مجالس اخرها...[1] . صفر سنة خمس عشرة وستمائة ؛

(٣٩٦) مجد الدین ابو الحسن علیّ بن المظفّر بن علیّ ابن نصر بن نصر العُكبَریّ الكاتب

كتب الی بعض الوزراء :-

وملّقنت اٰمالی بجودك عالمًا	بأنّ نداك الغمر بالنجح كافلُ
وما شِمت الّا من ایادیك بارِقًا	لما صدّقتنی فیك تلك المخائلُ
وحاشاك یومًا ان یُخیّبَ قاصِدٌ	لدیك وان ـ . دونك سائلُ
فلا زلت تبقی للمكارم غایةً	فما الفضل شیئًا غیر ما انت فاعِلُ

---

[1] بیاض بالاصل ؛

(٣٩٧) مجد الدین ابو محمد علیّ بن المعمّر بن الحسن العلویّ الزیدیّ العابد

کان عالمًا عابداً فقیهًا زاهداً، اسند عن قیس بن عاصم قال: اتیت النبیّ صلی اللہ علیہ وسلّم فلمّا دنوتُ منه سمعتُهُ یقول: "هذا سیّدُ اهل الوبر" فقلت: یارسول الله! اخبرنی عن المال الذی لاتبعة علیّ فیه من عیالٍ ان کثروا او ضیفٍ ضافنی؛ فقال: نعم، المال الاربعون والکثیر ستّون، وویل لاصحاب المئین الّا مَنْ اعطیٰ فی رِسْلها ونجدتها، واطرق فحلها وافقر ظهرها، ونحر سَمِیْنها، واطعم القانع والمعترّ؛ فقلت: یارسول الله! ما احسن هذه الاخلاق واجملها؛ فی حدیثٍ ذکرهٗ؛

(٣٩٨) مجد الدین ابو الحسن علیّ بن منصور بن ناماور منصور بن علیّ السلماسیّ الادیب

الادیبُ العالمُ، قرأت بخطه المضبوط:-

نروح بهمٍّ ثمّ نغدو بمثله　　واعمارنا ما بین ذلک تذهبُ

فلاحسنات للمعاد نعدّها　　ولاسیّئات تستطابُ فتکتبُ

وکتب الکثیر من کتب الادب ولغات العرب؛

(٣٩٩) مجد الدین ابو الحسن علیّ بن ابی المیامن ابن امسینا الواسطیّ الکاتب

قال تاج الدین فی تاریخه: وفی صفر سنة اثنتین و اربعین وستمائة عُزل تاج الدین عبید الله بن النیّار

عن وكالة باب الحجرة ، ورتّب عوضهٗ مجد الدين على
ابن امسينا نقلاً من اشراف دار التشريفات ، وعُزِل
عن ذلك فی شعبان من السنة ، واُعيدَ تاج الدين
ابن النيّار الی عمله ، وفی رمضان صرف ابن محمد بن
غزالة من نظارة الطبق ، ورتّب عوضهٗ مجد الدين على
بن امسينا ثم عزل فی جمادی الاولی سنة ثلاث واربعين
ورُتِّبَ عِوَضهٗ عزّ الدين محمّد بن الحسين البادرائی ،
ذكر لی ولده شيخنا فخر الدين محمّد ، قال : توفی والدی
سنة احدی وثمانين وستمائة ببغداد ؛

(٤٠٠) مجد الدين ابو الفضل علىّ بن الامير نيكبی ابن عبد الله الاصفهانیّ الحاسب الكاتب

الصدر الكبير والكاتب الخطير والفاضل النحرير ، قدِمَ
بغداد وَوَلِیَ بها كتابة الديوان ، وهو من الاماثِل الاكابر
الاعيان محمود السيرة مشكور الطريقة ، حسن المنظر
كريم المخبر ، مجبول على الخير ، جميل الاخلاق ، حفظ
كتاب الاشارات لابی علیّ بن سينا على الشيخ . . . . . [١]
وحفظ كتاب الحاوی للفقيه العلّامة نجم الدين عبد الغفّار
القزوينیّ ؛

(٤٠١) مجد الدين ابو الحسن علىّ [٢] بن وهب القُشيریّ المصریّ يُعرَفُ بابن دَقِيق العيد

---

[١] بياض بالاصل ؛ [٢] توفی سنة ٦٦٧ هـ ؛ ذكره ابن العماد فی الشذرات (٥ : ٣٢٣) ؛

من افاضل مصر واعیانها فضلاً ومعرفةً وفقهاً وادباً،
وهو والد شیخنا بقیّة المجتهدین تقیّ الدین[1] المدرّس
المالکیّ، وانشد :-

ذهب الذین اذا رأونی مقبلاً — هشّوا وقالوا مرحباً بالمقبلِ
وبقیت فی قومٍ کانّ کلامهم — لفظ الکلاب تهارشت فی المنزلِ

(۴۰۲) مجد الدین ابو المظفر علیّ بن یوسف بن یحیی الشیلمانیّ[2] النحویّ

کان من علماء الجزیرة وهو من بعض اعمالها، قرأ النحو
والادب علی الشیخ ......[3]،

(۴۰۳) مجد الدین ابو الحسن علیّ بن یوسف بن عبد الغنی الحلوانیّ الصوفیّ

کان من ارباب التصوّف العارفین، جال فی الاقطار ورأی
الائمّة الکبار، روی باسناده عن ثابتٍ عن انس بن مالکٍ
رضی الله عنه قال: نُهِینا ان نسأل النبیّ صلّی الله علیه
وسلّم عن شیئٍ فکان یُعجبنا ان یجیئ الرجل من اهل
البادیة فیسأله ونحن نسمع، فجاء رجل من اهل البادیة
فقال: یا محمّد! انّ رسولک اتانا فزعم انّ الله ارسلک؛

---

[1] محمّد بن علیّ بن وهب المعروف بابن دقیق العید المالکی ثمّ الشافعی المتوفّی سنة ۷۰۲ھ؛ [2] الشیلمان بلدة من بلاد جیلان، ویمکن ان یکون موضعاً اخرمن بلاد الجزیرة کما یقول المصنّف: وهو من بعض اعمالها؛ او یکون اصله من جیلان؛ [3] بیاض بالاصل؛

قال: صدق؛ قال: فمن خلق السماء؟ قال: الله؛ قال: فمن خلق الارض؟ قال: الله؛ قال: فمن نصب الجبال؟ قال: الله؛ قال: فبالذی خلق السماء وخلق الارض ونصب الجبال آلله ارسلك؟ قال: نعم؛ قال: وزعم رسولك انّ علينا خمس صلوات فی یومنا ولیلتنا؛ قال: صدق؛ وذکر الحدیث بطوله[1]؛

(۴۰۴) مجد الدین ابوحفص **عمر بن**[2] **احمد بن ابی بکر بن مهران ابن اخت الکوذینیّ**[3] **الموصلیّ العنسفیّ النحویّ** [۵۵۶ / ۶۵۰ه]

یُنسب الی عین سفینة من بلد الهکّار، کان من الادباء الافاضل، قرأ النحو والادب علی ابی الحرم مکیّ بن[4] ریّان الماکسینیّ، واخذ عنه شمس الدین ابو العبّاس احمد[5] بن الخبّاز الموصلیّ النحویّ، ذکره ابن الشعّار فی کتاب عقود الجمان، وقال: مولده بقریة بُوهُرز من سواد العراق، وقدم صغیر السنّ الی عین سفینة من نواحی الموصل، فسکنها مدّةً فنُسبَ الیها، وقدم الموصل وحفظ القرآن وجدّ فی الاشتغال، ولمّا توفّی شیخه[6] قام مقامه وتصدّر،

---

[1] راجع للحدیث کتاب الایمان (الباب الرابع) من صحیح مسلم؛ [2] ذکره السیوطی فی بغیة الوعاة (ص ۳۶۰) ایضاً؛ [3] لم اجد ترجمته بعدُ؛ [4] المتوفّی سنة ۶۰۳ه؛ ذکره ابن العماد فی الشذرات (۵: ۱۱) والسیوطی فی البغیة (ص ۳۹۰)؛ [5] هو احمد بن الحسین المتوفّی سنة ۶۳۰ه؛ بغیة الوعاة (ص ۱۳۱)؛ [6] یرید مکیّ بن ریّان وکان بالموصل؛

وأقرأ الناس علوم الادب، وكان سريع الخط قوىّ النفس
وقت القراءة عليه لم يقبل من احد جزاءً ولا ثوابًا
وكان عالمًا بالفقه والحساب والاوقاف، وتوفى بالموصل
يوم عيد الفطر سنة ثلاث عشرة وستّمائة ودُفِنَ
بمقبرة المعافا ابن عمران الزاهد[1]؛

(٤٠٥) مجد الدين ابو حفص عمر بن ابى بكر بن يحيى البغدادىّ الصوفىّ

ذكره ابن الشعّار، وقال سمع ضياء الدين ابا احمد
عبد الوهّاب بن سكينة[2]، ومن شعره ما انشده فى كتابه
من ابيات :—

ان يكن مسعدى عليهم فوالله يمينًا بجمعهم لا اُبالي

استشهد باربل على يد التتار فى شوّال سنة اربع و
ثلثين وستّمائة؛

(٤٠٦) مجد الدين ذو النسبين ابو الخطاب عمر[3] بن الحسن ابن علىّ ابن دحية، نزيل مصر، الاندلسىّ الكلبىّ المحدّث

---

[1] المتوفّى سنة ١٨٥ هـ؛ تذكرة الحفّاظ (١: ٢٦٤)؛ [2] هو عبد الوهّاب بن علىّ ابن علىّ بن عبيد الله ابو احمد الامين (٥١٩ — ٦٠٧) ترجمته مبسوطة فى طبقات الشافعيّة (٥: ١٣٦ — ١٣٧)؛ [3] فى الشذرات (٥: ١٦٠): عمر بن حسن بن محمّد؛ وله فيها ترجمة طويلة، وُلِدَ سنة ٥٤٦ هـ وتوفى فى رابع عشر ربيع الاوّل من سنة ٦٣٣ هـ؛

جلد ۱۷ عدد ۴ شمارہ ۶۶ اگست

اورینٹل کالج میگزین

حصہ اوّل

ایڈیٹر
محمد شفیع
پروفیسر پنجاب یونیورسٹی

اورینٹل کالج میگزین

عرضِ واجب

اغراض و مقاصد اس رسالے کے اجراء سے غرض یہ ہے کہ احیاء و ترویج علوم شرقیہ کی تحریک کو تاحدِ امکان تقویت دی جائے اور خصوصیت کے ساتھ ان طلبہ میں شوقِ تحقیق پیدا کیا جائے۔ جو سنسکرت، عربی، فارسی اور دیسی زبانوں کے مطالعہ میں مصروف ہیں۔

کس قسم کے مضامین کا شائع کرنا مقصود ہے کوشش کی جائے گی کہ اس سلسلہ میں ایسے مضامین شائع ہوں جو مضمون نگاروں کی ذاتی تلاش اور تحقیق کا نتیجہ ہوں غیر زبانوں کے مفید مضامین کا ترجمہ بھی قابل قبول ہوگا اور کم ضخامت کے بعض مفید رسالے بھی باقساط شائع کئے جائیں گے۔

رسالے کے دو حصے یہ رسالہ دو حصوں میں شائع ہوتا ہے حصہ اول عربی، فارسی، پنجابی (بحروف فارسی) حصہ دوم سنسکرت، ہندی، پنجابی (بحروف گورمکھی) ہر ایک حصہ الگ الگ بھی مل سکتا ہے۔

وقت اشاعت و قیمت اشتراک یہ رسالہ بالفعل سال میں چار بار یعنی نومبر، فروری، مئی، اگست[1] میں شائع ہوگا۔ سالانہ چندہ حصہ اُردو کے لئے ۱۲/ اورینٹل کالج کے طلبہ سے چندہ داخلہ کے وقت وصول ہوگا۔ کسی سہ ماہی کے رسالہ کے نہ پہنچنے کی شکایت رسالہ شائع ہونے کی تاریخ سے ایک ماہ کے اندر دفتر میں پہنچ جانی چاہیئے ورنہ ایسی شکایت پر غور نہ ہو سکے گا۔ یہ ایک ماہ کی مدت فروری، مئی، ستمبر اور نومبر کے آخر سے شمار کرنی چاہیئے۔

خط و کتابت و ترسیل زر خرید رسالہ کے متعلق خط و کتابت اور ترسیل زر صاحب پرنسپل اورینٹل کالج کے نام ہونی چاہیئے۔ مضامین کے متعلق جملہ مراسلات ایڈیٹر کے نام بھیجنے چاہئیں۔

محلِ فروخت یہ رسالہ اورینٹل کالج کے دفتر سے خریدا جا سکتا ہے۔

قلمِ تحریر حصہ اُردو کی ادارت کے فرائض پرنسپل محمد شفیع ایم۔ اے اورینٹل کالج سے متعلق ہیں اور یہ حصہ ڈاکٹر محمد اقبال ایم۔ اے، پی۔ ایچ۔ ڈی کی اعانت سے مرتب ہوتا ہے۔

---

[1] چونکہ اگست میں کالج بند ہوتا ہے اس لئے یہ نمبر مجبوراً جون یا ستمبر میں شائع ہوتا ہے۔

فہرست مضامین

جلد ۱۷ - عدد ۴	بابت ماہ اگست ۱۹۴۱ء	عددِ مسلسل ۶۶

نوٹ۔ ضمیمہ صرف عربک اینڈ پرشین سوسائٹی کے ممبروں اور خریداران ضمیمہ میں تقسیم ہوتا ہے۔

گیلانی الیکٹرک پریس سپنل روڈ لاہور میں باہتمام جسٹ ابشر داس پرنٹر طبع ہوا اور بابو صدیق اصلاحی نے اورینٹل کالج لاہور سے شائع کیا

رباعیاتِ خیام کی تعیین

گذشتہ پچاس برس سے خیام کے سوانح نگاروں کے سامنے یہ مشکل مسئلہ درپیش ہے کہ مجموعۂ رباعیات خیام میں اسکی اصلی رباعیاں کتنی اور کونسی ہیں ؟ اس بحث نے اسقدر طول پکڑا ہے کہ بعض محققین نے اپنی تصانیف میں اس پر صفحے کے صفحے سیاہ کئے ہیں اور رباعیوں کے اعداد و شمار اور مختلف نسخوں میں ان کے مقابلے اور موازنے پر مہینوں کی محنت صرف کی ہے ۔

اس بحث کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ سب سے پہلے (۱۸۹۷ء میں) روس کے مشہور مستشرق پروفیسر ژوکوفسکی نے مجموعۂ رباعیات خیام میں ۸۲ ایسی رباعیاں نکالیں جو دوسرے شاعروں کے دیوانوں میں بھی جابجا ملتی تھیں اسی بنا پر اس نے ان رباعیوں کا نام "آوارہ رباعیاں" رکھا۔ اس نئی دریافت سے محققین کو دلچسپی پیدا ہوئی تو انہوں نے تلاش کو جاری رکھا اور چالیس پچاس اور اسی قسم کی رباعیاں ڈھونڈ نکالیں اور اس طرح آوارہ رباعیوں کی تعداد بڑھتی گئی لیکن آہستہ آہستہ یہ ثابت ہوا کہ جو رباعیاں خیام کے علاوہ دوسرے شاعروں کی طرف منسوب ہیں۔ انکے متعلق ہم یہ حکم نہیں لگا سکتے کہ وہ خیام کی نہیں ہیں اسلئے کہ مثلاً ان آوارہ رباعیوں میں دو ایسی ہیں جو طالب آملی کے دیوان میں موجود ہیں لیکن ساتھ ہی وہ رباعیاتِ خیام کے سب سے پرانے قلمی نسخے میں بھی ہیں جو ۱۴۶۱ء کا لکھا ہوا ہے اور طالب کی وفات ۱۶۲۵ء یا ۱۶۲۶ء میں ہوئی لہذا ظاہر ہے کہ وہ طالب کی نہیں ہوسکتیں یا مثلاً سولہ رباعیاں جو خیام اور حافظ کے ہاں مشترک پائی گئیں وہ تحقیق سے معلوم ہوا کہ ۱۵۰۰ء سے پہلے کے لکھے ہوئے دیوان حافظ کے کسی نسخے میں نہیں ملتیں۔ ان باتوں سے معلوم ہوا کہ "آوارہ رباعیوں" کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ درحقیقت وہ کس کا مال ہیں۔ جب یہ معیار ناکام ثابت ہوا تو پھر نئے سرے سے جستجو شروع ہوئی۔ بعض لوگوں نے یہ نظریہ پیش کیا۔ کہ رباعیات کے مضمون کی بنا پر فیصلہ ہونا چاہیئے۔ جن رباعیوں میں تصوف یا تقویٰ یا عشقِ مجازی کے مضامین پائے جائیں وہ خیام کی نہیں ہوسکتیں اسلئے کہ اسکی طبیعت کو ان چیزوں سے مناسبت نہیں تھی لیکن ظاہر ہے کہ یہ معیار بھی حتمی نہیں قرار دیا جا سکتا۔ بعض نے یہ تجویز پیش کی کہ قلمی نسخوں کی قدامت کو

فیصلے کی بنیاد قرار دینا چاہیے، لیکن جب سب سے قدیم نسخے میں بھی الحاقی رباعیاں دریافت ہوئیں تو یہ معیار بھی غلط قرار پایا۔ آخر میں کسی نے اس امر کی طرف توجہ دلائی کہ بعض رباعیوں میں خیام کا نام آتا ہے لہذا ایسی رباعیاں بلاشک وشبہ اصلی ہونی چاہئیں جب تلاش کی گئی تو ایسی رباعیاں دس بارہ سے زیادہ نہ ملیں تاہم یہ قلیل تعداد بھی یقین و اطمینان کے ساتھ خیام کی طرف منسوب نہ کی جا سکی۔ مثلاً اس قسم کی ایک رباعی ہے جس کا پہلا مصرع یہ ہے ع

خیّام تنت بہ خیمہ می ماند راست

اس کے متعلق بعض کتابوں[۱] میں یہ حکایت منقول پائی گئی کہ خیّام نے اپنے کسی معاصر صوفی کو ذیل کی رباعی لکھ کر بھیجی اور اس کا جواب طلب کیا:

دارندہ چو ترکیب طبائع آراست — باز از چہ قبل فگندش اندر کم و کاست
گر زشت آمد پس این صور عیب کراست — ور نیک آمد خرابی از بہر چراست

اس کے جواب میں اس نے حسب ذیل رباعی خیام کو مخاطب کر کے لکھی:

خیّام تنت بہ خیمہ می ماند راست — سلطان روح است و منزلش دار فناست
فرّاش اجل ز بہر دیگر منزل — ویران کند این خیمہ چو سلطان برخاست

اس حکایت کے علاوہ یہی رباعی دیوان شمس تبریز کے ایک پرانے نسخے میں بھی پائی گئی جس کا پہلا مصرع یوں ہے:

این صورت تن بہ خیمہ می ماند راست

ڈاکٹر روزن کا خیال ہے اور وہ غالباً صحیح ہے کہ لفظ 'خیمہ' کی رعایت سے کسی کاتب نے شروع کے الفاظ کو بدل کر "خیّام تنت" لکھ دیا ہے اور اس کو خیام کی طرف منسوب کر دیا ہے۔

دو اور رباعیاں جن میں خیام کا نام آیا ہے یکے بعد دیگرے بطور سوال و جواب کے لکھی گئی ہیں، وہ یہ ہیں:

(۱) از من بر مصطفیٰ رسانید سلام — وانگاہ بگوئید باعز از تمام
کای سیّد ہاشمی چرا دوغ ترش — در شرع حلال است و می ناب حرام

---

[۱] مثلاً دہ فصل تبریزی، تالیف ۸۶۶ھ، دیکھو کتاب The Nectar of Grace تالیف سوامی گوبند تیرتھا (۱۹۴۱ء) ص ۱۷۱،

(۲) ازمن بر خیام رسانید سلام وانگاہ بگوئید کہ خامی خیام
من کی گفتم کہ می حرامست ولی بر پختہ حلالست و بر خام حرام

ڈاکٹر روزن نے تو ان کو یہ کہکر رد کر دیا ہے کہ خیام کے سارے مجموعے میں اور کوئی مثال ایسی نہیں جہاں دو یا زیادہ رباعیاں اس طریقے سے بطور سوال و جواب کے یا ربط مضمون کے ساتھ لکھی گئی ہوں لیکن میرے نزدیک علاوہ اسکے کہ ان میں ایک سوفیانہ مضمون باندھا گیا ہے اور وہ خیام کے شایان شان نہیں ایک اور دلیل بھی ہے جسکی بنا پر وہ خیام کی نہیں ہو سکتیں اور غالباً وہ آٹھویں نویں صدی سے پہلے کی تصنیف نہیں ہیں پہلی رباعی میں "دوغ ترش" کو "می ناب" کے مقابلے پر بیان کیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ "دوغ" مزے کی پینے کی چیز ہے گویا دوسرے لفظوں میں وہ چھاچھ یا لسی ہے۔ آجکل بھی ایران میں "دوغ" بمعنی چھاچھ اور "ماست" بمعنی دہی مستعمل ہے لیکن پرانی فارسی میں (اور یقیناً سعدی کے زمانے تک) ان دو لفظوں کے معنے برعکس تھے یعنی "ماست" بمعنی لسی اور "دوغ" بمعنی دہی۔ جیسا کہ سعدی نے کہا ہے:

غریبی گرت ماست پیش آورد دو پیمانہ آبست و یک چمچہ دوغ

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ رباعی یقیناً سعدی کے زمانے کے بعد لکھی گئی ہے۔ علاوہ اس کے ایک قرینہ اسکے جدید العہد ہونے کا یہ بھی ہے کہ ترش دہی اور لسی کا مذاق ایران میں تاتاریوں کے ساتھ آیا ہے ورنہ اس سے پہلے نظامی کا مشہور مقولہ ہے کہ ع

کس نگوید کہ دوغ من ترش است

آجکل ایران میں لوگوں کا مذاق یہ ہے کہ دہی اور لسی جس قدر زیادہ ترش ہو اتنی ہی زیادہ وہ پسند کی جاتی ہے۔ دیہات سے دہی ٹین کے کنستروں میں آکر شہروں میں بکتا ہے اور ایک ایک کنستر گھی کی طرح دکاندار کے ہاں دس دس دن تک پڑا رہتا ہے اور آہستہ آہستہ بکتا رہتا ہے۔ میں جب ایران میں تھا تو ملک الشعراء بہار سے ایک دن دوران گفتگو میں سوال کیا کہ یہ کیا بات ہے کہ ایران میں اسقدر ترش دہی پسند کیا جاتا ہے اور میٹھا دہی ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتا۔ تو انہوں نے یہی جواب دیا۔ کہ یہ مذاق تاتاریوں کے ساتھ آیا جن کی من بھاتی خوراک ترش دہی اور لسی تھی۔ نظامی کے مقولے سے جو فارسی میں ضرب المثل ہے۔ واضح ہے کہ تاتاریوں کے آنے سے پہلے دوغ ترش

ایک ناپسند چیز بھی نیز سعدی کا شعر مظہر ہے کہ اس زمانے تک ماست کے معنی لسّی اور دوغ کے معنی دہی تھے۔ بعد میں معنی بدل گئے لہذا رباعی مذکور سعدی کے زمانے کے بعد کی ہے اور وہ خیّام کی نہیں ہو سکتی ؛

غرض یہ کہ نام کی سند بھی قابل قبول نہیں ہے۔ بعض اور معیار بھی تجویز کئے گئے ہیں۔ لیکن کہیں نہ کہیں آکر ناکام ثابت ہو جاتے ہیں ؛

میں نے اس موضوع پر ایک مقالہ آل انڈیا اورینٹل کانفرنس کے ساتویں اجلاس میں پڑھا تھا جو ۱۹۳۳ء میں بڑودہ میں منعقد ہوا۔ اس میں میں نے اس بارے میں ایک نیا معیار پیش کیا تھا جو خیام کی رباعیات کی تعیین میں بہت کچھ مفید اور ممد ہو سکتا ہے۔ مقالہ مذکور اس اجلاس کی روئداد میں چھاپا بھی گیا تھا[1] لیکن یا تو وہ علاقہ مند لوگوں کی نظروں سے نہیں گزرا یا شاید اس کو قابلِ توجّہ نہیں سمجھا گیا۔ اسلئے کہ حال میں رباعیات خیّام پر تبصرہ کرنے والوں میں سے کسی نے اسکی طرف اشارہ نہیں کیا۔ تاہم بمرور زمان مجھے اسکی صحت کا یقین ہوتا جاتا ہے ؛

مقالے کے شروع میں میں نے چہار بیتی، دوبیتی اور رباعی کا فرق بتایا تھا[2] اور پھر اس بات کا ذکر کیا تھا کہ غالباً پانچویں صدی سے چہار بیتی کو دوبیتی کہنے لگے۔ سلجوقیوں کے زمانے میں وہ برابر اسی نام سے پکاری جاتی رہی اور جب تک وہ اس نام سے پکاری جاتی رہی اسکے چاروں مصرعوں میں قافیہ کا آنا ضروری تھا چنانچہ دوبیتی یعنی دو بیت والی کا نام ہی اس استلزام کا یقین دلاتا ہے۔ لفظ "رباعی" کا اطلاق اس پر چھٹی صدی کے نصف آخر سے ہونا شروع ہوا جبکہ تیسرے مصرعے میں قافیہ لانے کی پابندی اُٹھ چکی تھی۔ مقالہ مذکور میں میں نے لفظ "دوبیتی" کو ایسی رباعی کے معنوں میں استعمال کیا ہے جسکے چاروں مصرعوں میں قافیہ ہو اور "رباعی" جسکے تیسرے مصرعے میں قافیہ نہ ہو۔ اسکے بعد میں نے تیسری صدی ہجری سے شروع کر کے ساتویں صدی کے آخر تک مختلف زمانوں کے اعداد و شمار سے کر فیصدی کا حساب لگایا تھا اور یہ نتیجہ نکالا تھا کہ رباعیات خیام کے اصلی اور صحیح مجموعے میں دوبیتیوں کی تعداد اسّی سے نوّے فیصدی تک ہونی چاہیئے[3] ؛

لیکن اب میرا عقیدہ یہ ہے کہ خیام کے زمانے میں صرف دوبیتی رائج تھی اور تیسرے مصرعے کو بلا قافیہ لانے کا دستور ابھی جاری نہیں ہوا تھا۔ اُس عہد کے شعراء کے دواوین میں دلشرطیکہ ان

---

[1] ص ۹۰۱ تا ص ۹۱۴، [2] بعد میں اس فرق کو زیادہ وضاحت کے ساتھ مولانا سید سلیمان ندوی نے اپنی کتاب "خیّام" میں اور پروفیسر حافظ محمود خاں صاحب شیرانی نے اپنے فاضلانہ مضمون میں جو انہوں نے رباعی کے اوزان پر گزشتہ سال اورینٹل کالج میگزین میں شائع کیا تھا بیان کیا ہے، [3] روئداد ص ۹۱۳ ؛

دواوین کے صحیح نسخے میسر آئیں) سوائے دوبیتیوں کے اور کوئی نمونہ رباعی کا دیکھنے میں نہیں آئیگا۔
افسوس اس بات کا ہے کہ اس زمانے کے شاعروں کا کلام محفوظ نہیں ہے اور جو ہے اس کے صحیح اور قابلِ اعتماد نسخے موجود نہیں ہیں، پھر بھی جو قلیل نمونے آج موجود ہیں وہ میرے عقیدے کی تصدیق کرتے ہیں؛ چہار مقالہ عہد سلجوقیہ کی تصنیف ہے۔ اور خوش قسمتی سے اس کا نہایت صحیح متن آج ہمیں میسر ہے اس کے اندر کُل پانچ رباعیاں منقول ہیں لیکن کہیں بھی ان کو رباعی کا نام نہیں دیا گیا بلکہ بلا استثنا ہر جگہ دوبیتی کہا گیا ہے[1]۔ اور ان پانچ میں سے ایک نمونہ بھی ایسا نہیں ہے جس میں مصرع سوم بغیر قافیہ کے ہو۔ دورِ غزنوی و سلجوقی کے جن شاعروں کے دواوین حال ہی میں تحقیق و تدقیق اور صحت متن کے ساتھ شائع ہوئے ہیں ان میں ایک ناصر خسرو کا دیوان ہے[2]۔ جس میں اگرچہ ایک ہی رباعی ہے تاہم وہ دوبیتی ہے عنصری کے دیوان کی نئی ایڈیشن میں[3] کل ۳۷ رباعیوں میں سے ۳۵ دوبیتیاں ہیں۔ فرخی کے ہاں[4] ۳۷ رباعیوں میں سے ۳۶ دوبیتیاں ہیں۔ مسعود سعد سلمان کے کلیات میں جو حال ہی میں طہران سے چھپ کر آیا ہے، ۴۰۷ میں سے ۳۹۸ دوبیتیاں ہیں۔ اوپر کی ہر مثال میں جو ایک ایک دو دو رباعیاں (مستثنے طور پر) دوبیتیاں نہیں ہیں ان کے متعلق ہمیں یقین ہے کہ ان کا تیسرا مصرعہ بعد میں تبدیل کیا گیا ہے۔ اس قسم کی تبدیلی کی مثالیں بہت ہیں۔ چنانچہ خود خیام کی ایک اصلی رباعی ہے جو اوپر نقل کی جا چکی ہے (دارندہ چو ترکیب طبائع آراست) زمانہ متأخر کے مجموعوں میں اس کے تیسرے اور چوتھے مصرعے کو بدل کر یوں کر دیا گیا ہے:

گر نیک آمد شکستن از بہر چہ بود ور نیک نیامد این صور عیب کراست

ہمیں کامل یقین ہے کہ جوں جوں چوتھی پانچویں اور چھٹی صدی کے شاعروں کے کلیات طبع ہو ہو کر ہمارے سامنے آتے جائیں گے۔ اس عقیدے کی پوری تصدیق ہوتی جائے گی۔

ہمارے اس نظریے کی تائید خود خیام کی اُن چار رباعیوں سے بھی ہوتی ہے

---

[1] دیکھو چہار مقالہ (گب اڈیشن)، ص ۳۵، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، [2] طبع طہران، [3] طبع لکھنؤ

[4] دیوان طبع طہران؛

جو سب سے قدیم مأخذوں میں ملی ہیں اور جن کے اصلی ہونے میں کوئی شک نہیں، یہ چاروں کی چاروں دوبیتیاں ہیں اور وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) دارندہ چو ترکیب طبائع آراست: الخ، (دیکھو اوپر)

(۲) در دائرۂ کآمدن و رفتن ماست — آن را نہ بدایت نہ نہایت پیداست
کس می نہ زند دمی درین عالم راست — کاین آمدن از کجا و رفتن بکجاست

اوپر کی دونوں رباعیاں شیخ نجم الدین دایہ کی کتاب مرصاد العباد سے منقول ہیں۔ جو سنہ ۶۲۰ھ کی تصنیف ہے،

(۳) ترکیب پیالۂ کہ در ہم پیوست — بشکستن آن روا نمی دارد دست
چندین سر و پای نازنین از سر دست — از مہر کہ پیوست و بکین کہ شکست
(جہانکشای جوینی تالیف سنہ ۶۵۸ھ)

(۴) خاری کہ بزیر پای ہر حیوانی است — زلف صنمی و ابروی جانانی است
ہر خشت کہ بر کنگرۂ ایوانی است — انگشت وزیری و سر سلطانی است
(تاریخ وصاف[۱])،

اوپر کی بحث کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ خیام کی تمام اصلی اور صحیح رباعیاں دوبیتیاں ہونی چاہئیں، اگر ہم اس نظریے کے ساتھ قفطی اور نجم الدین دایہ کا بیان بھی ملحوظ خاطر رکھیں جو کہتے ہیں کہ خیام کے اشعار مذہب اور شریعت کے حق میں سم قاتل ہیں[۲] اور یہ کہ حیرت و ضلالت اس کا شعار ہے تو ہمارے خیال میں اس کی اصلی رباعیوں کی تعیین میں زیادہ دقت نہ ہو گی، خلاصے کے طور پر اس تعیین کے لئے ہمارا فارمولا یہ ہو گا کہ رباعیات خیام کے قدیم مجموعوں میں تمام وہ رباعیاں جو دوبیتیاں ہیں اور جن میں فلسفہ اور آزادخیالی کی تعلیم ہے ضرور اصلی ہیں۔

محمد اقبال

---

[۱] دیکھو سوامی گوبند تیرتھا کی کتاب مذکور ص ۱۱۱ [۲] بو الفنطا (یعنی بواطن اشعار الخیام) حیات للشریعۃ لواسع (قفطی)،

محاضرات عن مصر

ألقى الأستاذ محمد حسن الأعظمي المدرس بالجامعة المصرية بالقاهرة أربع محاضرات (ارتجالا) أولاها بالهندوستانية (أردو) والباقية بالعربية، بقاعة الكلية الشرقية (ORIENTAL COLLEGE) بلاهور (بنجاب) بدعوة من عميد الكلية. ونحن نقدم خلاصتها للقراء للفائدة العامة

والمحاضر هذا قد درس دراسته العالية في القاهرة بالجامعة الأزهرية ونال منها "شهادة العالمية" وانتخب سكريتيرا عاما لجماعة الأخوة الإسلامية المؤلفة من جميع الأقطار الإسلامية ولها فروع في كثير من البلدان ومركزها العام بقبة الملك الغوري بالقاهرة ،

وعندما أنشأت الجامعة المصرية معهد اللغات الشرقية بكلية الآداب انتدبت الأستاذ المحاضر مدرسا للآداب الهندية ولغتها ؛

حضرات السادة :

قبل إلقاء ما أريد إلقاءه أحب أن أعلن من أعماق قلبي شكري الجزيل لصاحب العزة حضرة عميد كليتكم الأستاذ البحاث الأديب "محمد شفيع" لكونه سببا لهذه المحاضرات

المتواضعة ، ثم إني أكرر الشكر لحضرات المستمعين فردا
فردا من الأساتذة والطلبة ،

عظمة مصر في الغابر

مصر الفرعونية : سادتي الكرام ، يجب على الذين يشتاقون
بملء قلوبهم شوقا إلى الاطلاع على نهضة شعب من الشعوب
أن يعرفوا شيئا من تاريخه القديم أيضا ، ليسهل عليهم معرفة
النهضة الحاضرة والرقي الحديث ومَن أجهل ممن جهل
نهضة فراعنة مصر العالمية وتقدم تلك العصور الحافلة
بالعلم والفن والصناعة ؟

ومن بداية التاريخ الانساني أي منذ سبعة آلاف سنة
أو أكثر ، نجد النهضة الفرعونية زعيمة النهضات عند ذاك ؛
وإذا شاهدنا متاحف مصر اليوم ووقفنا على نصيب ما تحتويه من
ذخائرها ونفائسها وجدنا هناك أشياء تحير العقول وتبلبل الألسنة
وتنبه الألباب ؛ ومن ناحية أخرى نجد علاقة فنية ودينية
بين قدماء الهنود والمصريين ، ولا يمكن أن يدرك هذا
السر إلا من درس تاريخ الهند القديمة وشاهد آثارها ، ثم
درس تاريخ مصر القديمة وعرف أسرارها ؛ فهنالك صلة متينة
بين هاتين الأمتين في أساليب التعبد ونحت الأصنام ، و
كذلك في الفلسفة الدينية والعقائد المذهبية ، ولو زرتم
زهاء خمسمائة كيلومتر في أطراف القاهرة للبحث عن الآثار

القديمة والفنون والصناعات الفرعونية العجيبة دهشتم بوجود أشياء غريبة كل الغرابة ؛

ولماذا تذهبون بعيدا بل تعالوا معى لنفكر جميعا ساعة فى عجائب حديقة حلوان اليابانية التى تقع على مسافة عشرين ميلا من العاصمة (القصبة) وانظروا إلى تلك القردة الغامضة التى نصبت على جوانب غدير، وهى قديمة جدا، واحدها واضع يديه على فيه مشيرا الى أن الدنيا دار المكر والفناء لا دار الأمن والبقاء. وهى من الأمهات التى تأكل أبناءها، فعليهم أن لا يتفوهوا بكلمة تؤذى البشر حتى يأتى الأجل ؛

أما الثانى فقد أغلق عينيه قائلا : يا إخوانى! ليست دنيانا إلا عبارة عن فجور وفسق وظلم وخداع فلا تنظروا إليها فإنها عيب كله حتى تنقطع أعماركم وتقضوا حياتكم، وليس ذلك الا فى القريب العاجل ؛

والثالث وضع كلتا يديه على أذنيه كأنه ينادى بعدم السماع فى هذه الدنيا الدنية، لئلا يتأثر أنواع البشر بزخارفها الكاذبة، وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا - صائحا أيها الأصدقاء! ليست الدنيا الا ممرا وقنطرة، فعلى الإنسان أن يمر بها ولا يعمرها.

توقفوا هنا هنيهة أيها السادة وقارنوا هذه الفلسفة بالفلسفة الهندية وإذ ذاك تجدون قرابة متينة فى هاتين الأمتين العظيمتين، وهناك مثل هذا كثير، وفى الهند لها ألف نظير ؛

ونحن نلتفت الآن ثانياً الى الأهرام ـ أهرام مصر ـ وعظمها المعروفة ونخص بالذكر ثلاثاً منها، واذا رأيتها عن مسافة تخالها جبلاً شامخاً مخيفاً وقد شيدت على تل عال ومنظرها فى الليالى القمرية أجمل المناظر فى كل القطر المصرى وأبدعها، واذا دخلتها بسلالم ووصلت الى وسطها تحيرت عن كمال الصنعة، ففيها أحجار سوداء طولها ما يقرب من خمسة أمتار وكذلك عرضها وعمقها، وهذه الأحجار الثقيلة أخذت من جبل مرتفع على مسافة خمسمائة ميل منها. فنكتة التفكر والدهشة هنا، كيف استطاع هؤلاء الفراعنة ان يفصلوها من الجبل ويجروها حتى جاءوا بها الى مثل هذا العلو الخطير وما كانت قد اخترعت آلات الحمل والرفع ولا الجرال الكهربائية بعد.

ثم انظروا ثانياً الى دقة الهندسة فى هذه الأهرام وانظروا ثالثاً الى جثث الفراعنة المدفونة فى وسطها وهى محفوظة الى الآن فى المتحف المصرى ولم تفسد بتاتاً، ولم يفهم العلماء الطبيعيون سر بقائها على حالها بدون أى تغير ظاهر، وماذا كانت تلك الأدوية والعقاقير المدهشة التى استعملوها، ونحن اليوم فى عصر الرقى والتقدم لا نستطيع أن نخاف علاجاً كهذا.

ومعروف أن الشعب الروسى قد احتال كل الحيل الممكنة لابقاء جثة زعيمهم الأعظم "لينين" ولم تمر على موته الا بضع سنوات حتى بدأت تتغير شيئاً فشيئاً ولم تبق على صورتها الأولى

وهيئتها السابقة . وعند ما فتحوا قصر الفراعنة الواقع فى مدينة "الأقصر" بأعالى مصر ودخلوه وكان الذين اشتغلوا فى التنقيب عن هذا القصر التاريخى العظيم كثيرون ، وكلهم من جبابرة العلماء وجهابذة الدكاترة ولكنهم بعد كشفه ماتوا عن بكرة أبيهم ، ويقال إنه قد جاءت فى هذه الآونة سيدة أمريكية وكانت سافرت فى أكثر بلاد العالم واشتاقت الى زيارة هذا القصر الغامض ، وبعد وصولها الى وطنها المألوف ماتت هى الأخرى . فدققوا أيها المفكرون وتفضلوا بميزان العقل ومقياس التجربة لنزن ما هو الشئ الذى تركه هؤلاء الفراعنة المدهشون قبل الاف من السنين حتى قتل الآن كبار الماهرين فى علوم الطبيعة والآثار ، وقد عجز الكل عن فهم أسراره الى يومنا هذا .

وعلى مسافة أمتار الى الشرق من الأهرام تجدون "أبا الهول" واقفا كأنه رسول الفراعنة يذيع أخبارهم ويفسر أحوالهم ويظهر عظمتهم ، وهو هيكل هائل مهيب نحت فى قطعة من الجبل الأحمر وجسمه يشابه جسم الأسد أو جسم حيوان آخر شديد البأس عظيم القوة ، ورأسه رأس إنسان مفكر ، وهذا الهيكل كان شعار الفراعنة فى عصرهم ، فهو يدل على مقدرة قوتهم وفكرهم ، فان أجسادهم كأجساد الحيوان فى القوة والمنعة والشدة والعظمة ، ورؤوسهم رؤوس الانسان فيها أدمغة عاقلة مفكرة مميزة ، فهم كانوا من ناحية "أقوياء

أشياء كالحيوان وفي الوقت نفسه كانوا عقلاء مفكرين كالانسان.

ومنذ سنين عينت الحكومة المصرية هيئة من العلماء الطبيعيين لكشف الأسرار القديمة. وأكثر هؤلاء من تلاميذ الجامعة المصرية وبعضهم من المستشرقين، وهم جادّون ليلهم ونهارهم للبحث عما كان في الزمن الغابر من آثار العلم والفن و الصناعة، وقد نجحوا فيها نجاحاً يُحمدون عليه كل الحمد

تلك آثارنا تدل علينا   فانظروا بعدنا الى الآثار

الفاطميون في مصر : أول من فتح مصر هو القائد المسلم عمرو بن العاص بأمر الخليفة الثاني عمر بن الخطاب. وترك من آثارها جامعاً عظيماً في مصر القديمة (الفسطاط) المعروف الآن بجامع عمرو بن العاص .

وفي سنة ٣٥٨ هـ سيّر الخليفة الفاطمي المعز لدين الله من المغرب الى مصر قائده الكبير جوهراً، وكان تحت إمرة جوهر هذا جيش كثير العدد والعُدد للاستيلاء على مصر؛ والسبب في ذلك أنه لما مات كافور الاخشيدي صاحب مصر اختلفت القلوب فيها ووقع بها غلاء شديد حتى بلغ ثمن الخبز كل " رطل " بدرهمين والحنطة كل " ويبة " بدينار وسدس دينار مصري. فلما بلغت تلك الحال السيئة مسامع الخليفة الفاطمي وهو في بلاد المغرب سيّر جوهراً إليها لانقاذها من محنتها، وقد هوّن عليه الأمر رغبته بامتلاكها، وكانت شهرة هذا القائد قد طبقت الآفاق. فلما وصل خبر قدومه الى العساكر

الاخشيدية بمصر تعلقوا بأذيال الهرب جميعا قبل وصول الجيوش اليهم .

بناء القاهرة والأزهر : دخل جوهر الصقلي مصر يوم الثلاثاء السابع عشر من شهر شعبان سنة ٣٥٨ هـ فدعا أهلها الى طاعة الخليفة المعز لدين الله الفاطمي ، وبادر الى بناء القاهرة في نفس اليوم لتكون دار الخلافة العظمى ، وأتم بناءها في ثلاث سنين فشيد فيها قصر الخلافة وهو القصر الشرقي ومكانه الآن "خان الخليلي" و "المشهد الحسيني" ممتدا إلى أول شارع الصنادقية بالغورية" وشمالا الى جدار الجامع الأقمر القائم الآن بتجاه سبيل "السلحدار" وكانت مساحتها أول الأمر ٣١٥ فدانا وطولها ١٣٠٠ مترا ، وكانت مساحة القصر خمس مساحة المدينة .

ثم بنى الجامع الأزهر الشريف الى جنوب القاهرة وبينهما رحبة عظيمة وطوق المدينة بسور عظيم واتخذ في السور عدة أبواب هائلة ، وشيد نحو عشرين حارة للأمراء والجنود الذين هم في خدمة الخلافة ، ودخل الخليفة المعز لدين الله مدينة القاهرة يوم الثلاثاء ٧ رمضان سنة ٣٦٢ هـ بين عشائره وجنوده وشيعته العظيمة ، فلما مضى من عمر الدولة مئة عام قام وزيرها أمير الجيوش بدر الجمالي فزاد في امتداد القاهرة الى الشمال والى الجنوب حتى أصبحت مساحتها ... فدان .

واذا زرت القاهرة اليوم وجدت ثلاثة أبواب تاريخية

شهيرة على أحسن الحال الى الآن، وهى "باب المتولى وباب النصر وباب الفتوح" وستقرأ على نواصيها عظمة الفاطميين وتجد على رأس باب المتولى سفينة صغيرة معلقة الى يومنا هذا رمزا الى حديث النبى صلى الله عليه وسلم "مثل أهل بيتى كسفينة نوح من ركبها نجا ومن تخلف عنها غرق ".

وكان قصر الخلافة قد بلغ الغاية فى الجمال والزخرف ، فلما بلغه المعز خر ساجداً لله وصلى ركعتين وصلى بصلاته كل من دخل معه. وكان بالقصر ألف فارس يحرسونه بالليل والنهار .

قال المؤرخون فى وصف الايوان الكبير أنه فاق فى سعته ورونقه "قصر الخلد" الذى شيد للرشيد ببغداد، فقد كان يمتد فيه السماط فى المواسم والأعياد وطوله ٣٠٠ ذراع وعرضه ٧ أذرع ؛ فكم كان طول هذا الايوان العظيم ؟

ولو علمت أن ذلك الايوان على سعته البالغة وعلوه الباذخ كان يزين بأستار الديباج المذهب وبسط الحرير الموشى، وأن ما يفرش فيه صيفا غير ما يفرش فيه شتاء، لأحطت ببعض ما بلغته تلك الدولة المصرية من الحضارة والثروة والنعمة .

وقد جعل الخليفة المعز مدينة القاهرة ذات حرمة

مقدسة فلا يجوز سكناها لغير الخليفة وأهله وجنوده الخاصة
وقد زار القاهرة سائح ايراني وهو الناصر خسرو الشهير
وذلك بعد بنائها بخمسين عاماً، فقال عنها — إنه قل أن يجد
لها شبيهاً في مدن العالم وأغلب دورها من خمس طبقات
أوست، ولحسن الصناعة واتقانها يظن الناس أنها بنيت
من الأحجار الكريمة.

وصارت القاهرة في عهد المعز حاضرة الاسلام الكبرى
كل أيام الفواطم الى أن دالت دولتهم عام ٥٦٧ھ فصارت
مدينة سكنى لجمهور الناس بعد أن كانت للخليفة
وخاصته، فهانت بعد العز وابتذلت بعد الاحترام.

وبقيت الجامعة الأزهرية — الأزهر الشريف —
جامعة خاصة لدراسة العقائد الفاطمية وآداب الشيعة حتى
علا على عرش الخلافة العزيز بالله الفاطمي نجل المعز لدين الله
فأمر وزيره يعقوب بن كلس بجعل الأزهر جامعة عامة
للمسلمين كافة، فانتسب الى هذه الجامعة العظيمة طلبة
من جميع النحل الاسلامية وصارت أكبر جامعة اسلامية
في العالم

وقد أنشأ الحاكم بأمر الله "دار العلم" وافتتحها في جمادى الآخرة
سنة ٣٩٥ھ. كانت هذه الدار بجوار القصر الغربي من بحرية
يدخل اليها من باب التبانين المعروف الآن مكانه بالخرنفش،
جمع فيها من الكتب والخطوط المنسوبة ما لم يرمثله مجتمعا

لملك قط ؛ وحمل اليها الكتب من خزائن القصر؛ وقد قُدِّر ما فيها من الكتب بستمائة ألف مجلد، وأباحها للناس جميعا ممن يرغبون في قراءة الكتب والنظر فيها؛ وجعل فيها ما يحتاج إليه المُطالع من حِبر وورق وأقلام ومحابر؛ وجعل فيها مجالس للعلماء للمناظرة والتعليم. فجلس فيها القرّاء واللغويون وأصحاب النحو والطب والتنجيم، وفرش هذه الدار وزخرفها وعلّق على أبوابها وجدرانها الستائر، ورتّب لها قُوّاما وخُدّاما، ووقف عليها بالفسطاط أوقافا تقوم بشؤونها ولوازمها وكانت هذه المكتبة من أعاجيب الدنيا وغرائبها، دلّت على عظمة الحاكم وقدرته. وما زالت عامرةً حتى أزالت دولة الأيوبيين دولةَ الفاطميين. واستولى صلاح الدين على القصرين، وجمع أملاك الآمر الفاطمي، ثم وُشي إليه بأن في هذه الدار دار العلم كتبا فيها مذاهب الفاطميين وأفكارهم، وفي بقائها الضرر على المسلمين. فأمر بإتلافها، فاستأذنه القاضي الفاضل عبد الرحيم البيساني في أن ينتقي منها شيئا يضعه في مدرسته "الفاضلية" التي أنشأها بالقاهرة فأذن له في ذلك. فانتخب منها مائة ألف مجلد وضعها في مكتبة مدرسته. ثم ذهبت هذه الكتب أيضا في سنة ٥٦٩ ه‍، وسبب ذلك أنه لما وقع الغلاء بمصر في هذه السنة، كان طلبة هذه المدرسة قد مسّهم الضرر فصاروا يبيعون كل كتاب برغيف. ثم تفرق الباقي في أيدي الفقهاء بالعارية، كأن الدهر مُغرم بمحاربة الكتب والمصنفات.

ثم بيع منها شئ كثير على يد ابن صورة دلال الكتب فى عدة أعوام، ونُهب منها كثير اخُبئ فى ضواحى القاهرة، فسفت عليها الرياح التراب، فصارت تلالاً كانت تعرف فى عصر المقريزى بتلال الكتب۔ وكانت للفاطميين مكاتب خصوصية، فكان للعزيز بالله مكتبة خاصة جمعت ثمانية ألف كتاب أغلبها نفائس وغرائب؛ فمنها نسخ متعددة من كتاب العين فى اللغة للخليل بن أحمد منها نسخة بخط الخليل؛ ومنها نسخ فوق العشر من تاريخ الطبرى، منها واحدة بخط الطبرى؛ وعند ماضاق الأزهر بنى الحاكم جامعا أوسع منه وهو موجود قرب باب الفتوح الى الآن .

وتنشر الجامعة الأزهرية فى هذه الأيام مجلتين أدبتين دينيتين يساهم فى كتابة مقالاتهما كبار علماء الأزهر و رجال الدين فى العالم الاسلامى، واسم أولاهما "مجلة الأزهر" وهى شهرية ومديرها المسئول العلامة الجليل محمد فريد وجدى صاحب دائرة المعارف الاسلامية، وتسمى الثانية "نور الاسلام" وتنشر فى الشهر مرتين، ومديرها فضيلة الشيخ عبد اللطيف دراز عضو مجلس النواب بالمملكة المصرية ومفتش الوعظ والارشاد بالأزهر.

وفى رواية أن عدد الكتب التى كانت مدخرة بمكتبة الفاطميين من المخطوطات مايقدر بمليونين والله أعلم.

ونشرت جريدة الأهرام الغراء يوم الأحد ٢٦ يناير من سنة ١٩٤١م ميزانية الأزهر، فذكرت أن الايرادات قد قدرت

فى مشروع المجلس الأعلى للأزهر بمبلغ ٣٥٦٣٧٦ جنيها أى نهاء ٤٩٨٩٢٦٤ روبية هندية ، وقدرت المصروفات بمبلغ ٣٧٠١٥٢ جنيها بزيادة ١٣٧٧٦ جنيها ، فالمصروفات حوالى ٥١٨٢١٢٨ روبية

أما الايرادات المالية للمملكة المصرية فحسبما نشرت جريدة الدستور مساء الخميس ٣٠ يناير سنة ٤١ ١٩م ٤٦١٥٤٨٠٠٠ روبية هندية ، والمصروفات بمثل هذا المبلغ بنقص قدره مليون و ١٨ ألف جنيه .

عظمة مصر اليوم

الأزهر الجديد : سادتي الكرام ، قدمت الى حضراتكم شيئا من تاريخ الجامعة الأزهرية فى العصر الفاطمى ، وها أنذا اليوم لا أريد أن أسهب الكلام فيه خشية السأم والملل فان ذلك كفاية لمن يشتاق الى معرفة الأزهر سطحيا وأرجو منكم الاصغاء الى استماع كلمات فى الأزهر الجديد - أيها السادة ، الجامعة الأزهرية اليوم أكبر جامعة اسلامية فى العالم قاطبة ولها فروع فى أكثر المدن المصرية الكبيرة وادارتها العامة فى عاصمة مصر القاهرة بين مسجدى الأزهر والحسين عليه السلام ورئيس الادارة وشيخ الأزهر الحالى هو العلامة الشهير فضيلة الأستاذ الأكبر الشيخ محمد مصطفى المراغى الذى يأخذ من الأزهر ما يقرب من أربعة عشر ألف روبية شهريا ، جزاء ما يقدم من خدمات شاقة .

يبعث الأزهر علماءه وطلبته للتبشير والدراسة الى الشرق والغرب، ففي اليابان والصين وافريقية وغيرها وفي مدن أوربا علماء يبشرون الى الدين الاسلامي، وغادروا القاهرة بعد تعلم شئ من لغات هذه البلاد واصطلاحات أهلها ليفوزوا في مقاصدهم السامية الخالدة.

ويوجد في الأزهر خمسة عشر ألف طالب مسلم من مصر والحجاز والهند ويوغسلافيا والصين واليابان وألبانيا والعراق وكردستان وبلغاريا وافريقيه ورومانيا واليمن وسليبس وفلسطين وجاوه وبولونيا وافغانستان وطرابلس الغرب وايدل أورال وسودان وجزيرة القريم وحضرموت وايران وروسيا والحبشة والشام وتركيا وبلاد الملايو وسيلان وشرق الأردن والجزائر والمراكش والبحرين وسومطرا وبورنيو وتشيكوسلوفاكيا وإنجلترا والكويت وغيرها ولهم أروقة خاصة (Hostels) للسكنى يعطونها مجانا وتدر على أكثرهم الجرايا الشهرية والسنوية، فمنهم من ينال ثلاثة جنيهات مصرية في كل شهر ومنهم من يأخذ جنيهين أو جنيها واحدا أو أقل من ذلك.، ونفقات بعثة الصين بأكملها على جلالة مليك مصر فاروق الأول.

أما الكتب والمذكرات فتعطى مجانا في جميع الكليات والمعاهد الثانوية والابتدائية. ومن الممكن أن يعيش أحد منا عيشة راضية متوسطة في الأزهر بخمسين روبية شهريا.

جماعة الأخوة الإسلامية : المثقفون من هذه الأقطار الشقيقة قد شكلوا جماعة عظيمة الشأن سموها "جماعة الأخوة الإسلامية" واشتركوا فيها بدون قيد النحلة والمذهب ، ويُلقون في كل مساء الخميس محاضرة تاريخية أدبية دينية عن أوطانهم بمركزها بقبة الغوري في شارع المعز لدين الله بالقاهرة ، ويعلّمون اللغات المروجة في المقاطعات الإسلامية .

والى القارئ بيانا موجزا عن مقاصدها التي أنشئت من أجلها ، محلاّة بمقالين قصيرين ونشيدين إسلاميين ، وأحسب أن القارئ سيتبيّن أن هذه الجماعة كان لابد من إنشائها منذ زمن طويل ، بل منذ أول يوم أنشئت فيه الجماعات والهيئات في الدنيا كان يجب على المسلمين أن تكون لهم هيئة تجمعهم على هذه الصورة التي تقوم عليها الجماعة وقد التقى فيها المسلمون إخوانا كما كانوا في عهد الرسول إخوانا .

فمن مقاصدها : تعارف المسلمين عن اختلاف بلادهم ، وإحكام الأواصر بينهم وتذليل المسائل المذهبية المختلف فيها بينهم ، وتجنب الخوض فيها ، والدفاع عن حضارة الإسلام والدعوة اليها ، والتقريب بين مناهج التعليم الديني والخلقي في الأقطار الإسلامية ، والتعاون الأدبي والمادي بين طلاب الأقطار ، وايقاظ شعور المسلمين بمجد ماضيهم وتنبيههم الى واجبهم في المستقبل ، والاتصال بعظماء المسلمين في العالم للتشاور فيما يتعلق بنهضة المسلمين ، والدعوة الى مؤتمرات عامة ، ونشر

اللغة العربية وجعلها لغة التفاهم بين المسلمين جميعا، وارسال وفود الى العالم الاسلامى لنشر مبادئ الجماعة، وإلقاء محاضرات و خطب عامة باسمها، واجابة كل من يستفسر الجماعة عما يتعلق بالاسلام والمسلمين فى مختلف الأقطار بدون تقييد بلغة خاصة، وإنشاء مكتبة للجماعة تحتوى على الكتب الاسلامية فى كل لغة من لغات العالم.

وهذا أحد نشيدى الجماعة ترجمته أنا مع زميلى الشيخ الصاوى شعلان من نشيد فيلسوف الاسلام وفخر الهند السير الدكتور الشيخ محمد اقبال :

الصينُ لنا والعُرب لنا　　والهند لنا والكل لنا
أضحى الاسلامُ لنا دينًا　　وجميع الكون لنا وطنا
توحيد الله لنا نور　　أعددنا الروح له سكنا
الكونُ يزول ولا تُمحى　　فى الدهر صحائفُ سُؤددِنا
بُنيت فى الأرض معابدُها　　والبيتُ الأول كعبتُنا
هو أول بيت نحفظه　　بحياة الروح ويحفظنا
فى ظل السيف تربَّينا　　وبنيّنا العزّ لدولتنا
علمُ الاسلام على الأيام　　شعارُ المجد لملّتنا
بهلال النصر يُضيئ لنا　　ويُمثّلُ خنجرُ سطوتنا
قولوا للسماء الكون لقد　　طاولنا النجم برفعتنا
يادهر لقد جرّبت على　　نيران الشدة عزمتنا
لطوفان الباطل لم يُغرِق　　فى الخوف سفينةَ قوّتنا

يا ظلّ حدائق أندلسٍ ... أنسيتَ مغانيَ عشرتنا

وعلى أغصانك أوكارٌ ... عمرت بطلائع نشأتنا

يا دجلة هل سجّلتِ على ... شطّيكِ مآثر عزّتنا

أمواجُكِ تروى للدنيا ... وتعيدُ جواهر سيرتنا

يا أرض النور من الحرمين ... ويا ميلاد شريعتنا

روضُ الإسلام ودوحته ... في أرضك روّاها دمنا

ومحمدُ كان أمير الركب ... يقودُ الفوز لنصرتنا

إن اسم محمدٍ الهادى ... روحُ الآمال لنهضتنا

دوّت أنشودةُ إقبالٍ ... جرسًا أيقظ فيه الزمنا

ليُعيد قوافلنا الأولى ... في المجد ويبعث أمّتنا

وها هو النشيد الثاني وهو من تأليف زميلي الصاوى وكيل لجنة التحرير بالجماعة :

بنور الوئام وبشرى الإخاء ... نزفّ إلى المسلمين النداء

هلمّوا جميعًا فربُّ السماء ... بتوحيده وحّد المسلمين

أخوّتنا بين كل القلوب ... كفيلتنا في جميع الشعوب

تلاقى الشمال بها والجنوب ... مع الشرق والغرب في كل حين

توحّدنا في صفوف الصلاة ... وتجمعنا في جهاد الحياة

إلى الاتحاد دعانا الإله ... لإنشاء دنيا وإعلاء دين

بمصر وإيران رمز الوفاء ... لدين به كلّنا أقرباء

تسامى به في الحياة الإخاء ... لعُرب وترك وهند وصين

لقد خلّد الدين فينا مثالا ... نريد به ألفة واتصالا

فآخى صهيبًا وآوى بلالا ونادى بسلمان فى الأقربين
حياة الأخوة مجد رفيع وعيش التفرق موت سريع
لدين الجماعة نادوا الجميع وعيشوا بايمانكم أجمعين
بنينا الاخاء لكل الديار على ألفة أينعت بالفخار
كما ينظم الروض كل الثمار كما تجمع الجنة المتقين
فهيا ارفعوا للاخاء العلم وسيروا به جبهة فى الأمم
بضعف التآخى وصدق الهمم نعيد السلام الى العالمين

أما المقالان فأولهما لرئيس الجماعة العام الدكتور الجليل عبد الوهاب عزام وهو : "سألنى فى لندن أحد الهنود غير المسلمين : لكل نبى دعوة تتجلى فى دينه وتظهر فى شريعته كأنها أساس الدين وقوام الشريعة ، كالمحبة فى دين المسيح ، والفناء فى دين بوذا ، فما الدعوة التى تتجلى فى دين محمد ؟

قلت "الأخوة" الاسلام دين الأخوة الكاملة قد محق العصبيات وآخى بين البشر واشتد فى النهى عن التفاخر بالأنساب والأحساب وجعل الكرامة كلها بالتقوى وأمر بالاستباق إلى الخيرات ودعا إلى التنافس فيها "يا أيها الناس إنا خلقناكم من ذكر وأنثى ، وجعلناكم شعوبا وقبائل لتعارفوا ، إن أكرمكم عند الله أتقاكم" وفى الحديث "كلكم لآدم وآدم من تراب ، لافضل لعربى على عجمى الا بالتقوى" وقد عظم القرآن أمر الأخوة الاسلامية فقال "إنما المؤمنون إخوة" وقال

" واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا ، واذكروا نعمة الله عليكم
اذ كنتم أعداء فألف بين قلوبكم فأصبحتم بنعمته إخوانا "
وآخى الرسول صلى الله عليه وسلم بين أصحابه المهاجرين
والأنصار وجعل أخوة الدين فوق أخوة النسب .

وكان التاريخ الاسلامى اجابة لدعوة الأخوة فى الاسلام
فامتزج المسلمون على اختلاف أجناسهم وألوانهم وصاروا أمة
واحدة فى وطن واحد ، وتعاونوا على اقامة حضارة واحدة و
تاريخ واحد . فكان الرجل من المشرق يذهب الى المغرب فيقيم
دولة بعيدة عن منشئه وقومه ، وكان الأسود من أهل افريقية
يجد فى الأخوة الاسلامية طريقا الى رياسة أو امارة فى أقطار
الاسلام النائية عن موطنه ، وهكذا غلبت أخوة الاسلام على
حدود الأوطان والأجناس ، وامتاز الناس بأعمالهم لا بأنسابهم .

ومكن التاريخ هذه الأخوة فصارت أخوة نسب متشابك
وحضارة مشتركة وتاريخ جامع وجهاد فى معترك الحياة تعاونت
عليه عقولهم وأيديهم ، وسالت فيه ممتزجة دماؤهم ، و
توحدت سراؤهم وضراؤهم .

فالأخوة الاسلامية حقيقة نشأها الدين وربّاها التاريخ
وأحكمتها الواقعات ، ليست أمرا مصطنعا كالذى تصطنعه
الأمم اليوم ليعتز بعضها ببعض ، ويغلب بعضها بعضا فى معارك
السياسة والحرب ، ليس المسلمون اليوم فى حاجة الى أن يخلقوا
أخوة وينشئوا بينهم أواصر ، فذلك أمر قد ورثوه محكما متينا ،

وليس عليهم إلا أن يعرفوه ويقدروه قدره ويحتفظوا به .

إن المسلم من أقصى المشرق ليلقى المسلم من أقصى المغرب فيحدثه ساعة فيتم التعارف بينهما ، كأنهما تعارفا منذ سنين ، ذلك بأن النفوس بما فقهت من مقاصد الاسلام ، وبما عرفت من تاريخه وحضارته مهيئة للتآلف ميسرة للتآخي ، فالعقائد والمعارف والفضائل والآمال والآلام المشتركة يلقى بعضها بعضا في عقول المسلمين وقلوبهم فتعمل للتاليف بينهم في ساعة واحدة ما لا تعمله سنين في تاليف غيرهم ؛ هذا حق يدركه كل مسلم فارق بلده فلقى إخوانه في بلد آخر. بقيت الأخوة بين المسلمين على كثرة ما حاولت السياسة واجتهدت الفتن أن تفرق بينهم ، وتنسيهم أخوتهم وتضرب بعضهم ببعض في فتن المذاهب وعصبيات الأقوام والأوطان ، وستبقى إن شاء الله على مر الزمان .

وقد تألفت "جماعة الأخوة الاسلامية" استجابة لهذا التآخي المتين بين المسلمين ومسارعة الى الاحتفاظ به ورغبة في إحكامه وتمكينه والاستعانة به على إقامة مجد الاسلام وحضارة الأمم الاسلامية ، ونشر الاسلام في الأرض .

وجعلت من وسائلها تعريف المسلمين بعضهم ببعض ، و تعريف كل مسلم أوطان إخوانه المسلمين ، وأحوالها الحاضرة حتى يكون على بينة مما تحتاج اليه وما تستطيع أن تفيد به أو تستفيد .

وقد انضوى الى لواء هذه الجماعة وأجاب داعى الله جماعة من المثقفين المنتسبين الى المعاهد العلمية فى مصر ، فكان منهم نفر على قلته يمثل الاقطار الاسلامية كلها. وستبادر هذه الجماعة الى التوسل الى مقاصدها بالوسائل المبينة فى قانونها .

ودعوتنا الى المسلمين جميعًا أن يعاونوا هذه الجماعة بانشاء فروع لها فى أقطارهم. ودعوتنا هذه قوامها العلم والخلق الفاضل والرغبة فى اصلاح المجتمع الاسلامى خاصة والمجتمع البشرى عامة بعيدين عن السياسة والتحزب والتعصب ؛ والله يهدى بنا سواء السبيل ، ويهيئ لها من أمرها رشدا ".

والمقال الثانى لرئيس لجنة التحرير والمحاضرات الفيلسوف المرحوم العلامة طنطاوى جوهرى وهو : " أيتها الأمم الاسلامية سلام عليكم سلام عليكم - كتب ربكم على نفسه الرحمة - وهو الذى ينزل الغيث من بعد ما قنطوا وينشر رحمته وهو الولى الحميد .

لقد أصاب أمم الاسلام قبل اليوم داء الشقاق والتخاذل والتنابذ فتفرقوا شيعا وذاق بعضهم بأس بعض فلم يكد عهد الخلفاء الراشدين ينقضى حتى تفرق الجمع واتسع الخرق أيام الدولة العربية والفارسية والتركية وغيرها ، فلم يكن للمسلمين عصر اجتمعت فيه كلمتهم والتأم جمعهم وتضافرت

قواهم كالعصر النبوى وعصر الخلفاء الأربعة كما قدمنا، ثم أخذت الفتن تبدو للعيان، ولكن هذا الشر المستطير بين الأقوام قد كمن تحته سر شريف وحكمة واسعة وهو انتشار الاسلام فى بقاع الأرض شرقا وغربا وشمالا وجنوبا اذاً "باطنه فيه الرحمة وظاهره من قبله العذاب" وقد كان يخيل للناظر نظرا سطحيا أن هؤلاء أقوام لا يجتمعون، و شذاذ آفاق لا يلتئمون، وشراذم لا يتحدون — ولكن الله الذى وعدنا فى كتابه العزيز بقوله "كنتم خير أمة أخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتؤمنون بالله" وبقوله "قل الحمد لله سيريكم آياته فتعرفونها" وبقوله "سنريكم آياتنا فى الآفاق وفى أنفسهم حتى يتبين لهم أنه الحق" وبقوله تعالى "قل هذه سبيلى أدعو الى الله على بصيرة أنا ومن اتبعنى" قد أخذ اليوم يعدنا لهذا اليوم المعهود والمقام المقصود المشهود ويبوئنا تلك المنقبة الشريفة والمرتبة المنيفة فيجمعنا من أقطار مختلفة — وجعلنا أمة واحدة وان تباعدت الديار و تناءت الأقطار، ومهد لذلك سبحانه بالبريد الجوى والأرضى والبحرى وسخر الأمم كلها لهذه النهضة المباركة بـ ذيوع المذياع (*Radio*) واستخدام الكهرباء والبرق السلكى والذى لا سلك له والتلفزيون، حتى أن المسلم فى الصين سيصبح بعد زمن يسير يكلم أخاه المسلم فى أوربا وأمريكا وهو يشاهد وجهه ويجتلى طلعته وفاء لوعده تعالى اذ قال "يا أيها الناس إنا خلقناكم من ذكر

وأنثى وجعلناكم شعوبا وقبائل لتعارفوا" نعم يا الله ها نحن أولاء نتعارف بارشادك ونهتدى بإمدادك وسنجد اليوم فى القيام بخلافتنا فى الأرض التى استخلفتنا فيها فقلت "ويستخلفكم فى الأرض فينظر كيف تعملون" فنهيئ الأطفال من كل ذكر وكل أنثى فى إبان صغرهم لما استعد وا له من حرفة أو صناعة أو علم بحيث لا يتجاوز أحد ما استعد له بفطرته التى فطرته عليها، ولم نذر شبرا من أرضك التى ملكتنا ولا معدنا تحت أطباق الثرى وفى جوف الجبال خلال الصخور والأحجار أو فى قاع البحار إلا حاولنا الانتفاع بذلك على مقدار طاقتنا كما قلت لنا " لا يكلف الله نفسا الا وسعها " قبولا لوصيتك وفرحا بنعمتك إذ سخرت لنا ما فى السماوات وما فى الأرض وظهرهذا فى كلامك اذ قلت لنا " وسخر لكم ما فى السموات وما فى الأرض جميعا منه" فها نحن أولاء مجدون مرتقبون وعدك فى قولك " والذين جاهدوا فينا لنهدينهم سبلنا وان الله لمع المحسنين" ها نحن أولاء جماعة الأخوة الاسلامية " اجتمعنا من أمم فوق خمس وأربعين من الشرق والغرب والشمال والجنوب، ها نحن أولاء يارب عهدناك على أن يقوم كل منا فى أمته ويعلمها أن ديننا خير الأديان و آخرها وأننا سنتصف بالأخلاق التى نزل بها القرآن ونقرأ العلوم التى حث عليها وهى كل علم يشرح لنا جمالك ويبهجنا بالأنس بك وبحبك والشوق إلى لقائك والغرام بما أبدعت فى سماواتك وأراضيك ذلك الجمال الباهر والحسن والاشراق والكمال والبهاء

أنت يا أرباه لم تدر علما من العلوم ولا فنا من الفنون الصناعية التى تقدم بها حياة الأمم والأفراد الا عرضته اليوم علينا من الأمم التى حولنا لننهض نهضتنا المباركة الشريفة ۔ فها نحن أولاء نقبل هديتك ونشكر عطيتك ونقرأ جميع العلوم و نتعلم جميع الصناعات إجلالا لك وابتهاجا بجمالك وقياما بشكرك وحبا لذكرك وتأدية لغرضك واحياء لأممنا وارشادا للانسانية جمعاء فنكون لجميع الأمم مسعدين ونقوم بينهم مصلحين ولهم ناصحين ۔ لأننا إذ ذاك نكون قد بلغنا شأونا الذى قصدناه ونلنا من العلم منتهاه ، فيكون سعينا مشكورا وقولنا مقبولا بالخبرة العلمية والحكمة الاسلامية الواردة فى قولك لنا "وعد الله الذين آمنوا منكم وعملوا الصالحات ليستخلفنهم فى الأرض كما استخلف الذين من قبلهم وليمكنن لهم دينهم الذى ارتضى لهم وليبدلنهم من خوفهم أمنا يعبدوننى لا يشركون بى شيئا" صدق الله وعده ونصر عباده المجتمعين فى هذه الجماعة على الصدق والاخلاص والوفاء وصلى الله على سيدنا محمد النبى الأمى وعلى آله وصحبه وسلم۔"

كليات الأزهر ومعاهدها : المدرسون والأساتذة الذين يقومون بتدريس الطلبة وادارة شؤون الجامعة الأزهرية لا يقلون عن ألف واربعمائة . ومن أشهر كلياتها "كلية أصول الدين ، وكلية الشريعة ، وكلية اللغة العربية ، والقسم العام" وفى كل هذه الكليات أقسام للعلوم المختلفة ، فمثلاً الفلسفة

والتوحيد والوعظ والإرشاد والتاريخ وأصول الدين الأخرى تدرس في كلية أصول الدين، والفقه والتفسير والحديث وأحكام القرآن وسوى ذلك من أمثاله يعلّم في كلية الشريعة، أما المعاني والبديع والبيان والأدب والنحو والصرف والذي يماثله تجدونه في كلية اللغة العربية.

وهذه الكليات تدرس من اللغات الأوربيه شيئاً من الانكليزية والفرنسية ومن اللغات الشرقية شيئاً من الفارسية والتركية واليابانية،

وفي معاهد الأزهر الآن. معهد القاهرة، ومعهد الاسكندرية ومعهد أسيوط، ومعهد الزقازيق، ومعهد طنطا، ومعهد لقنا، ومعهد شبين الكوم

ومكتبة الأزهر غنية من المخطوطات النادرة النفيسة والكتب الثمينة المفيدة. وقد فكرت الحكومة منذ عهد غير بعيد بإنشاء "مدينة الأزهر" لأن الكليات بعضها بعيدة عن بعض ومنتشرة، وذلك بشرق القاهرة في الميدان العظيم بين العباسية والدراسة، ولولم تبدأ الحرب الجارية لبدأت في انشائها.

ونريد أن نقف هاهنا قليلا لنزيل خطأ عاماً يقع فيه أكثر الزائرين من العلماء والزعماء، وذلك أن جلالة مليك مصر المعظم الذي هو الرئيس الأعلى للأزهر، قرر بقاء القسم العام على الأساليب القديمة في مسجد الأزهر التاريخي، والانتساب اليه بدون قيد خاص لابقاء صورة حقيقية من عصر الفاطميين كأثر تاريخي في الأزهر

ومصر. فاذا ذهبت الى القاهرة وسألت أحدا عن "الجامع الأزهر" فهو لا يصد يك الا الى المسجد لأن الجامع معناه المسجد ، معتقدا أن الناس يقصدون المسجد لا الجامعة التى هى للدراسة لأن هذا المسجد هو المعروف فى العالم لقدمه وعظمته، والزائر لا يريد غيره فاذا دخلته وجدت الأساتذة المعمرين و المشائخ المسنين جالسين على عروش دينية وحواليهم طلبة من الصغار والكبار حلقات وجماعات وفصولا (CLASSES) على السجاجيد والبسط، ولكل واحد منهم فروة خاصة من جلود الغنم. ويجوز للتاجر اذا فرغ عن تجارته وللعامل اذا انتهى من عمله أن يشترك فى هذه الدروس لزيادة المعرفة فى الدين والعلم والتجربة. فتجد دائما فى هذا المسجد ألفى طالب، فيهم أجهل الناس وفيهم أعلمهم، وفيهم كذلك الصغير فى الثامنة من سنه والمسن فى الثمانين. و تستمر هذه الدراسة ليلا ونهارا، وعند ما يشاهد ذلك أجنبى غافل أو زائر جاهل، يظن أن الجامعة الأزهرية التى طبقت الآفاق شهرتها هى هذه، ولا يتفكر كيف يمكن تعليم ١٥ ألف طالب وتربيتهم فى مثل هذا المسجد، وكيف يستطيع ألف وأربعمائة مدرس أن يقوموا جميعا بخدمات التدريس فى مثل هذا المكان الضيق ؟؟

وأغرب من الغرابة أن بعض الزائرين يدعون أنهم علماء أو مؤرخون ثم يقعون مرغمين فى مثل هذا الخطاء المحزن المبكى،

ويستجلون فكرة سيئة عن مصر والأزهر في مذكراتهم ورحلاتهم قبل أن يسألوا أهل الذكر أو صاحب التجربة من حقيقة الأزهر.

ومن شروط الانتساب الى الأزهر، أن يكون الطالب حافظا للقرآن الكريم، ولكن هذا الشرط لازم للمصريين لا للأعراب ولابد من امتحان الغرباء وقت انتسابهم الى الأزهر ولو كانوا من حاملي الشهادات العالية في بلادهم؛ وطرق التدريس فيه تختلف اختلافا تاما عن طرقنا في الهند، فهنالك هيئات لعلماء الأجلاء تقوم بوضع مذكرات في أصول العلم والفن لئلا يتقيد الطالب بكتاب معين بل يطالع كل كتاب يمكنه مطالعته.

أما المدرسون فيلقون محاضرات في فصولهم ويعينون للطلبة بمذاكرة قسط من هذه المحاضرات أو شرح قسط منها، ثم يتجادلون بعد ذلك في الفصول في الأيام التالية.

والامتحانات هناك قسمان، شفويٌّ وتحريري، ولكن امتحانات الطلبة الأغراب تختلف عن امتحانات المصريين؛ فلامتحان الغرباء تشكّل لجان متعددة من العلماء، وفي كل لجنة خمسة أعضاء يتوسطهم رئيس اللجنة، ويجلس أمامهم الطالب فيقولون له: أيها الشيخ الفاضل! عليك أن تعتقد أننا تلاميذك، ثم تحل هذه المشكلة وتفسر هذا السؤال وو و و، ثم يعرضون عليه سؤالا تلو سؤال الى ساعات طويلة، ولا يرجى نجاحه لم يكن "ماهرا متكلما خطيبا عالما باحثا" والامتحان الشفوي

أصعب بالطبع من التحريرى.

ومنذ عهد بعيد كان خصص الأزهر ثلاث شهادات للأغراب ولكنه أخرج أخيرا واحدة منها وهى "شهادة الإجازة" فبقيت الشهادتان "الأهلية والعالمية" والأخيرة أعلاها شأنا وأسماها رتبة وهى شهادة نهائية للأجانب الغرباء.

وحدّد الأزهر فى قانونه الجديد أن تكون مدة هذه الشهادات اثنى عشر عاما، وقبل ذلك كانت نفس هذه المدة مع الحرية بترك بعضها والجلوس فى "العالمية" مباشرةً.

ومن الشهادات المعروفة الخاصة بالمصريين "شهادة العالمية المصرية" وليست لها مدة محددة. "والشهادة العالية" ومدة دراستها أربع سنوات بعد نيل الشهادات الثانوية." وشهادة التخصص" ومدة الحصول عليها من سنتين الى خمس سنوات حسب سهولة الأقسام وصعوبتها، وأسهلها وأقلها شأنا " تخصص الوعظ والإرشاد" ومدتها سنتان، وأصعبها وأخطرها شأنا " تخصص البلاغة والأدب" ومدة دراستها خمس سنوات.

وللأزهريين لباس خاص، وهو عبارة عن عمامة بيضاء خفيفة فى وسطها طربوش أحمر، وجلباب وقفطان طويلان الى الأرض وكانت قد اعتزمت الحكومة المصرية الاحتفال بالعيد الألفى للأزهر والقاهرة فى هذه السنة ولكنها أجّلت ذلك الى أجل غير مسمّى وربما تحتفل به فى عام ١٩٤٢م كما عيّنت لجنة

خاصة من العظماء والعلماء منذ خمسة أعوام على أن تبنى دورا وتنشئ معاهد وتؤلف نخبة من الكتب القيمة بهذه المناسبة وقدمت أنا كتابا ضخما الى الحكومة المصرية منتهزا هذه الفرصة وهو ديوان الأمير تميم نجل المعز لدين الله الفاطمى بانى القاهرة ومنشئ الأزهر، بعد أن شرحته وصححته على نسخ عديدة وعلقت عليه تعليقات هامة، وكتبت له مقدمة مسهبة فى آداب الفاطميين وتاريخهم قديما وحديثا؛ فقررت الحكومة ولها ألف شكر — بطبع هذا الديوان فى مطبعة دار الكتب المصرية وهى أحسن المطابع العربية على ظهر الأرض اليوم. وقيل انها ستنفق فى سبيله زهاء خمسمائة جنيه مصرى وسينتهى طبعه قريبا.

جامعات مصر ومعاهدها :-

الجامعة المصرية : أنشأت الحكومة المصرية جامعة عظيمة عصرية بأمر المليك المرحوم فؤاد الأول وسميت أخيرا بجامعة فؤاد الأول، وفيها كليات كثيرة، ومن أشهرها كليات الآداب والحقوق، والزراعة، والطب، والتجارة، والصيدلة، والعلوم، وأركان الحرب، والفنون وغيرها. ولهذه الكليات مجلات خاصة لنشر معارفها ومبادئها، وادارتها العامة فى الجيزة غرب القاهرة ومدير الجامعة عظيم من عظماء مصر وهو العلامة الفيلسوف الأديب لطفى السيد باشا، ولكل كلية من كليات الجامعة مدير خاص يقال له "عميد" (Principal) كما يقال لمدير كلية من

كليات الأزهر" شيئم". ولغة التدريس فى الجامعة المصرية هى العربية الفصحى رسميا؛ وتهتم بتدريس اللغات الأجنبية اهتماما بالغا، ففيها الانكليزية والفرنسية والألمانية واليونانية والسريانية والعبرانية والفارسية والتركية والأردوية، وهى أكبر جامعة للأدب العربي فى العالم كافة ولها فروع فى مدينة الاسكندرية،

وكثير من فحول الشعراء والأدباء والمؤرخين والفلاسفة فى مصر من أساتذتها أو تلامذتها، ونخص منهم بالذكر الفيلسوف الشيخ مصطفى باشا عبد الرازق والدكتور طه حسين بك والدكتور منصور بك فهمى والأساتذة أحمد أمين وعبد الوهاب عزام وامين الخولى وعبد الحميد العبادى وابراهيم مصطفى ومحمد عوض محمد وغيرهم، وجميعهم من كلية الآداب.

والطلبة فيها لا يقلون عن أحد عشر ألفا، وأكثر كلياتها فى غرب القاهرة على شواطئ النيل، وأسماء شهاداتها ليست كأسماء شهاداتنا فى الهند، ولو كانت متفقة الى حد كبير فى مناهج التعليم وأساليب التربية، فمثلا هم يسمّون "B A" الليسانس و"M. A" الماجستير، و"P H. D" الدكتوراه' و" Hons " الامتياز' واذا زاد على ذلك أحد وبالغ فى الاجادة' يقولون" نال فلان شهادة الدكتوراه أو شهادة الماجستير مع رتبة الشرف"، واذا كان أقل من ذلك يقولون" نال شهادة الدكتوراه أو الماجستير مع الامتياز' او مع الرتبة الجيدة"، وينقسم الذين يقومون بالتدريس فى الجامعة المصرية الى أربعة أقسام، فالقسم الأعلى يقال له"الأستاذ" (Prof)

والقسم الثانی یقال له "مساعد الأستاذ" (Asst. Prof) والقسم الثالث یقال له "المدرس" أو "المحاضر" (Lecturer) ویسمی القسم الأخیر "معیدا" (Reader) وهو الذی نال شهادة الليسانس أو الماجستير ويتمرن فی التدريس والتعليم وفی نفس الوقت يذاكر ويستعد للامتحان .

وهذه الجامعة تحت ادارة وزارة المعارف العمومية ورئيسها الأعلى صاحب المعالی العلامة الأديب الدكتور محمد حسين الهيكل باشا وزير المعارف . ولباس طلبتها كلباس أوربا بنداء أنهم لا الطربوش المصری الذی يرتدونه فهو الفارق الوحيد بين الأوربی والمصری فی الظاهر ، ونفقات الطلبة فيها كنفقات طلبة جامعة بومبای أو أكثر بقليل ، ويمكن الانتساب الى بعض كلياتها مجانا .

وفی القاهرة جامعة أخری معروفة وهی الجامعة الأمريكية ولغة التدريس فيها اللغة الانكليزية لأنها تحت ادارة الأمريكيين وعلی نفقاتهم الخاصة .

وتعترف جامعات أوربا وأمريكا كافة بشهادات الجامعات المذكورة الثلاث .

دار العلوم العليا : وفی القاهرة كلية أخری مستقلة فی برامج تدريسها ، تسمی "دار العلوم العليا" أنشئت منذ سبعين سنة أو أكثر ، وهی همزة الوصل بين الجامعة المصرية والأزهرية ، لأن الأزهر تخصص بعلوم الدين العالية ، والجامعة المصرية للعلوم العصرية والآداب العربية ، وهذه الكلية تجمع بين الاثنين ،

فتعتنى بالدراسة الدينية والعصرية، وهى " داخلية " أعنى أنها نطعم تلامذتها وتسكنهم أيام الدراسة مجانا، ومدة الدراسة بها و زمن نيل " دبلوما " سبع سنوات .

وهذه الكلية مفيدة ولاشك لمن يريد أن يتبحّر فى الأدب والدين معًا .

معهد التربية للبنات : ان وزارة المعارف قد أنشأت منذ عهد غير بعيد مدرسة عظيمة اسمها " معهد التربية للبنات " " بجاردن سيتى " فى القاهرة ، وهى تعلم بنات الطبقة الراقية الشؤون المنزلية ، أى أن المدرسة تعدّ الفتاة لتكون ربّةَ منزل مدبرة حكيمة عندما تكون سيّدة أسرة . ويدخل ضمن منهاج التعليم ، الأخلاق والعادات وطرق الأحاديث والتعوُّد على كل ما هو حَسَنٌ . وترك كل ما هو سَيِّئٌ .

وهذا المعهد مفيد بلاريب لكل مسلمة تريد تربيةً اسلامية . ويقال لمديرته " الناظرة " كما يقال لمدير المدارس الثانوية والابتدائية والأولية " الناظر " . (Head master)

كلية تحسين الخطوط : وهناك بالعباسية فى القاهرة كلية مستقلة لتحسين الخطوط وتجميلها ، وتهتم بتعليم خط النسخ والثُلُث والرِقْعَة والديوانى والكُوفى والفارسى وأوقاتها تبدأ بعد ظهر كل يوم من الساعة الرابعة الى السابعة وهى بالمجان أيضا .

ومن أشهر أساتذتها الآن السيد ابراهيم الخطاط والأستاذ حسنى الخطاط وغيرهما ، ويمكن أن يستفيد كل من أراد من أبناء

كليات القاهرة ومعاهدها الدينية والعصرية؛

مدارس أخرى: وغير هذا هنالك مدارس ثانوية وابتدائية وأولية فمنها أميرية ومنها حرّة. وتسمّى شهادة الثانوية "بكالوريا" اى "ميتركوليشن" ومدة الدراسة فى الثانوية وفى كليات الجامعات فى مصر كمدة الثانوية والكليات بالهند تقريبًا.

والدراسة فى سوى الأزهر ودار العلوم العليا مزدوجة، وتشترك الطالبات والطلبة سواء فى الفصول والمحاضرات بدون قيد الجنس والمذهب. ولكن الأزهر ودار العلوم خاصان بأبناء المسلمين لا غيرهم؛

محاضرات وجرائد: تتوفر وتكثر فى مصر يوميا المحاضرات والمناظرات والمجادلات الأدبية والعلمية والمطارحات الشعرية بقاعات الكليات والجماعات والجمعيات والرابطات والجاليات وتعلن عن مواعيدها فى الجرائد اليومية والمجلات الأسبوعية.

ومن أشهر جرائد مصر اليومية "الأهرام، والمصرى، والوفد المصرى" فى الصباح، والبلاغ، والمقطم، والدستور" فى المساء؛

ومن مجلاتها المنتشرة المحترمة "الثقافة، والرسالة، والمصور، والصباح أسبوعيا، والمقتطف، والهلال، والشؤون الاجتماعية، ومجمع الفؤاد الأول اللغوى شهريا، وللجمعيات الكبيرة مجلات خاصة للنشر مبادئها.

رجال مصر اليوم: ومن أعظم أدباء مصر مع أدباء الجامعة المصرية، حضرات الأساتذة عباس محمود العقاد، وابراهيم عبد القادر المازنى، ومحمد حسن الزيات، وعبد العزيز البشرى، ومحمد الهمياوى،

وزکی مبارک، ومن أکبر شعرائها الأساتذة علی الجارم بك، والسید حسن القایاتی، والعقاد، وعبدالله العفیفی. ومن أمهر خطبائها الأساتذة محمد توفیق دیاب، وطه حسین، ومکرم عبید باشا، ومحمد لطفی جمعة، وأحمد حسین زعیم مصر الفتاة، والصاوی علی شعلان وحسن البنا المرشد العام لجمعیة الإخوان المسلمین؛

ومن مشاهیر مرتلی القرآن بمصر المشائخ محمد رفعت، وعلی محمود، وعبدالفتاح الشعشاعی، ومحمد الصیفی، وطه الفشنی وغیرهم؛

ومن أرق ساستها الوطنیین علی ماهر باشا، وعزیز علی المصری باشا، وعبدالرحمن بك عزام، وصالح حرب باشا، ومصطفی النحاس باشا، وأحمد ماهر باشا، ومحمد صدقی باشا؛

جمعیات ورابطات: ومن أشهر جماعاتها ورابطاتها الإسلامیة جماعة الأخوة الإسلامیة المؤلفة من جمیع الأمم الإسلامیة ورئیسها الدکتور الأدیب عبدالوهاب عزام، وجمعیة الشبان المسلمین ورئیسها صالح حرب باشا، وجمعیة الإخوان المسلمین ورئیسها الشیخ حسن البنا، وحزب مصر الفتاة (الحزب الوطنی الإسلامی) وزعیمها الأستاذ الشاب أحمد حسین، وجمعیة الهدایة الإسلامیة وشیخها الأستاذ خضر حسین المغربی، وجمعیة السیدات المسلمات ومدیرتها السیدة زینب الغزالی.

ومن أهم الجمعیات الإجتماعیة جمعیة منع المسکرات ورئیسها الدکتور أحمد غلوش، وجماعة انقاذ الطفولة المشردة وزعیمها الدکتور علی ابراهیم باشا

عميد كلية الطب وشيخ أطباء مصر، ورابطة الاصلاح الاجتماعى و رئيسها الدكتور محمد حسين الهيكل باشا وزير المعارف .

ومن أهم هيئاتها السياسية الشهيرة "الوفد المصرى"، والدستوريين، والسعديين، والمستقلين .

وما كان سرورى يقدر عند ما كنت أرى فى المجالس و المحافل أن صفوة الأدباء والمثقفين كانوا يتعارفون مع بعضهم بمراكزهم العلمية لا بأنسابهم، وكم كان فرحى عظيما عند ما كنت أشاهد صغيرهم وكبيرهم، غنيهم وفقيرهم يسجل تجاربه وأعماله وأشغاله اليومية فى مفكرته الخاصة السنوية .

ويقرأ كل مصرى (تقريبا) الجرائد والمجلات، سواء أكان أميرا أو فقيرا صغيرا أو كبيرا، ورأيت غير مرة الكناسين والملاحين والغسالين والعاملين وغيرهم من أشباههم كانوا يطالعون الجرائد كلما وجدوا الى ذلك سبيلا عند الفراغ من أعمالهم وينقدون ساستهم وزعماءهم بكل حرية وجرأة .

ولعل من أهم نجاحهم أدبيا وماديا لغتهم الوحيدة، فكل قبطيا كان أو مسلما يهوديا كان أو يونانيا يتكلمون بالعربية ويكتبونها ولا يتكلمون فيما بينهم بلغة أجنبية بتاتا .

ولشدة وطنيتهم أسسوا منذ بضع سنوات مجمعا لغويا لتعريب أسماء المخترعات الحديثة ويسمى "مجمع فؤاد الأول اللغوى" ويشترك فيها مع علماء مصر الأجلاء علماء الشام والعراق ونخبة من كبار المستشرقين من فرنسيين وانجليز وهولنديين وألمان وطليان وغيرهم .

وهذا المجمع ينشر مجلة فيها نتيجة أبحاثهم وخلاصتها.

مجاملة مصرية: ومن عادة المصريين وكثير من العرب المثقفين المبالغة فى المجاملة لاكرام الضيف، وعندهم اصطلاحات وجمل كثيرة لارضاء ضيفهم، فهم يكررونها فترة بعد فترة لايناسهم.

ومن كلماتهم الخاصة: "أهلاً وسهلاً ومرحبًا" وجوابها "أهلاً بكم جزاك الله خيرا"، ويقولون بعد الجلوس "شرّفتم وآنستم" وجوابها "شرّف الله قدرك وآنسك". وفى الصباح اذا قابلكم أحد يقول: "صباح الخير، أو صبّحك الله بالخير، أو نهارك سعيد" وفى المساء: "مساء الخير، أو مسّاكم الله بالخير" وفى الجواب تعاد نفس الجملة أو كلمة دعائية أخرى؛ واذا فرغتم من تأدية الصلوة يقولون: "حرمًا، أو تقبّل الله صلوتك" وفى جوابها يقال: "جميعًا إن شاء الله". وبعد الوضوء يقولون "زمزم" ويجيب المتوضى بكلمة دعائية، وعند الوداع بعد التعزية يقال للزائر: "سعيكم مشكور". وفى الأعياد يقولون: "كل عام وحضرتكم بخير" وجوابها "وأنتم بالصحة والسلامة"؛ ولو غبت عن صديقك أو قريبك مرة يقول عند ما تلاقيه: "لقد أوحشتم" وجوابها "لا أوحشكم الله" وعند الوداع المعتاد يقولون: "مع السلامة، أو فى امان الله" وجوابها "سلمت، أو سلمك الله". وعند التعارف يقولون: "تشرفنا بكم" وجوابها "شرّف الله قدرك"؛ وعند ما يفرغ أحد من الشرب أو الاكل يقولون له: "هنيئا يا سيدى" وجوابها "هناكم الله بالايمان" واذا قدّم اليك أحد الشأى أو القهوة أو ما يماثلها من المشروبات تقول له بعد أن تفرغ من الشرب "دائمًا ان شاء الله"

وجوابها "كلمة دعائية". وبعد الاستحمام وحلق الشعر أو قصّه يقولون:
"نعيمًا" وجوابها "أنعم الله عليك". وبعد شراء شئ أو تبديل لباس
جديد يقولون "مبارك يا سيدى" وجوابها "بارك الله فيكم". ولو زرت
أحدهم بمنزله يقول لك: نوّرت البيت" وجوابها "نوّرك الله" وعند
الملاقاة العادية "كيف حالك" وجوابها "الحمد لله". وعند أداء الشكر
"أشكرك" أو شكراً، أو متشكر جدًا" وجوابها "العفو" أو عفواً" أو
لا شكر على واجب" أو الشكر لله". وبعد الاستيقاظ من النوم يقول
الحاضرون: "صحّ النوم" وجوابها "صح بدنك" بارك الله فيك". وللمريض
يقال "لا بأس عليك" وجوابه كلمة دعائية"، ويقول المعزون للثاكل
"لقد قدمت بين يديك شفيعا يشفع لك يوم حسابك بين يدى ربك" وللباكى أباه "ما مات من خلّف
مثلك" وللباكى أخاه "ان فى الباقى عزاء عن الماضى" وللباكية زوجها "الشباب
غض والرجال كثير" وللفاقد بصره "حسبك مما فقدت من نور بصرك
ما أبقى الله لك من نور بصيرتك" وللمحتضر المشرف "ان فى لقاء
ربك عوضا عن لقاء الدنيا" ولمن حلّت به نكبة الصمم "لقد
كفاك الله بما ابتلاك سماع أقوال الكذب وكلمات السوء."
وهلم جرا نعبر عن كل حركة جملة للمجاملة والايناس ولها جواب خاص.

ألقاب الرجال: ومن ألقاب مصر الخاصة "صاحب الفضيلة"
لرجال الدين وخريجى الأزهر؛ و"أفندى" للشرفاء عامةً؛ و"صاحب العزة"
لحامل "رتبة بك"؛ و"صاحب السعادة" لحامل "رتبة باشا" و"صاحب العظمة"
للسلاطين والزعماء؛ و"صاحب المعالى" للوزراء؛ و"صاحب الدولة" لرئيس
الوزراء؛ و"صاحب المقام الرفيع" اذا كان رئيس الوزراء حاملا لرتبة

"المقام الرفيع"؛ "وصاحب السمو" للأمراء؛ "وصاحب الفخامة" لرؤساء الجمهوريات؛ "وصاحب القداسة" لرؤساء الفرق الدينية؛ و "صاحب الجلالة" للمليك المعظم؛ "وصاحب الجلالة الامبراطورى" للملك الامبراطور؛ وغيرها.

الحياة الاجتماعية: أغلب المصريين يجلسون فى المقاهى والنوادى بعد الفراغ من أعمالهم اليومية. وهنالك يجتمع الأصدقاء والأقرباء، و تبدأ المناظرات والمناقشات. وتوجد فيها أدوات اللعب واللهو والرياضة الخفيفة والجرائد والمجلات المتنوعة. وأيام العطلة يذهبون الى الحدائق والمعارض والمسارح والمراقص للنزهة مع أزواجهم وأطفالهم. ومن أجمل حدائق مصر فى القاهرة حديقة الحيوانات بالجيزة وحديقة الأندلس على النيل وحديقة الأزبكية فى وسط المدينة والدخول فيها بالتذاكر.

وأكل المصريين وشربهم ولباسهم يشبه تماما ما عليه أهل أوربا وتخالك فى باريس لا فى مصر؛ ومنازل القاهرة تبلغ إلى خمسة عشر دورا. وشوارعها وسيعة نظيفة. ومن أبدعها شارع الملك فاروق وشارع العباسية وشارع مصر الجديدة وشارع قصر النيل وشارع القصر العينى وشارع الجزيرة وشارع عماد الدين، وأكبر الشوارع بالاسكندرية وأجملها وأبدعها شارع الرملة على البحر من قصر المنتزة الى قصر الزيتون.

أما ألعابهم ورياضاتهم فهى أوربية محضة اللهم الا بعضها فهى عربية قديمة أو مصرية خاصة. ولهم شغف عظيم فى التجذيف (Rowing) والسباحة والمصارعة وحمل الأثقال. وبطل العالم الأخير

فی حمل الأثقال هو مصری .

ومعاملة مسلمی مصر مع الأقباط وغيرهم معاملة الإخوان وعلى أحسن ما يرام ، وأكثر ما يسمع عند كل نزاع دينی قولهم : " نحن مصريون قبل كل شئ " .

مليك مصر : ومليكهم فاروق الأول ملك عظيم يشارك الشعب فی سرائه وضرائه ويحضر دائما صلوة الجمعة مع وزرائه و كبار دولته ويستمع الى دروس الوعظ من فضيلة شيخ الأزهر أحيانا فی قصر جلالته وفی الجوامع الأخرى .

ويدور جلالته فی أنحاء شتى من المدينة والقرى ليلا متنكرا للبحث عن حالة شعبه ، وكثيرا ما وجد وحده فی الحقول متكلما مع الفلاحين والعمال والفقراء البؤساء .

ويصرف جلالته من جيبه الخاص على كثير من البعثات الشرقية والغربية التی تتعلم فی المعاهد المصرية ، ويهب البسط والسجاجيد للمساجد على حساب جلالته الخاص ، ولا يعمل عملا مخالفا للدين الحنيف ؛ وهو شاب حسن الطلعة جميل الصورة جيد الصحة يجيد العربية والتركية والانكليزية والفرنسية والايطالية و هو محبوب من شعبه يفتخر به المسلمون فی بقاع الأرض ، أطال الله بقاءه وخلد ملكه وأعلى شانه ، وما أحوج المسلمين الى ملك مثله .

منهاج خمسة أعوام للتبحر في الأدب العربي حديثاً وقديماً

المدة . . .	الأسماء . . . . . .

١- نصف شهر، "القراءة العصرية" جزءان- للأستاذ زيدان بدران.

٢- ثلاثة أشهر، "أجزاء القراءة الرشيدة" و"الوسيط" المروجة في مصر.

٣- شهر ونصف شهر، "قصص مصمة" للأستاذ كامل كيلاني وبعض روايات جرجي زيدان والروايات التمثيلية الهامة.

٤- خمسة أشهر، "النحو الواضح" ستة أجزاء، للأستاذ على جارم بك.

٥- شهران، "الدروس النحوية" لحفني ناصف بك "والدروس العربية".

٦- شهر، "شذا العرف" للأستاذ المراغي المدرس بدار العلوم.

٧- ثلاثة أشهر، "البلاغة الواضحة" للأستاذ على جارم بك وزميله.

٨- ستة أشهر، "السنة التوجيهية" للدكتور طه وزملائه، وأجزاء "تاريخ الأدب العربي" للجنة التأليف والترجمة والمنتخب من أدب العرب.

٩- أربعة أشهر، "مذكرات أدبية وعلمية"- للأزهر ودار العلوم.

١٠- أربعة أشهر، "دواوين أحمد بك شوقي أمير الشعراء وشاعر الأمراء.

١١- ثلاثة أشهر، ديوان حافظ بك ابراهيم، شاعر الشعب.

١٢- ثلاثة أشهر، منتخبات أشعار البارودي واسماعيل صبري وعبد المطلب وخليل مطران والعقاد والأسمر والصراوي وغيرهم.

ثلاثة أعوام :-

مطالعة الكتب الآتية لتكميل الأدب الحديث

المدة .. .. الأسماء . . . .

(الف)

أهم مؤلفات السيد مصطفى المنفلوطي، والدكتور طه، و
ابراهيم عبد القادر المازني، وأحمد حسن الزيات، والدكتور
محمد حسين الهيكل باشا، وعباس محمود العقاد، ومصطفى
صادق الرافعي، وأحمد أمين، وابراهيم مصطفى، ومحمد
الهصياوي، وعبد الله العنان، ومحمود تيمور بك، وزكي
مبارك، والأمير شكيب أرسلان، وعرد علي، وغيرهم
من المعاصرين .

(ب)

مطبوعات مصحة للجنة التاليف والترجمة، وكتب
أدبية لوزارة المعارف المصرية، ودار الكتب .

سنتان

ولتكميل الأدب القديم :

(الف) أجزاء الأغاني، والأمالي، وكامل للمبرد، ومصنفات
أبي العلاء المعري، وابن دريد، وابن قتيبة، وابن المقفع،
والجاحظ وغيرهم من الأدباء والكاتبين واللغويين .

(ب) دواوين المتنبي، وأبي نواس، وأبي تمام، وابن الرومي، بشار
وفرزدق، وحسان بن ثابت، وجرير، والبحتري، وأبي العتاهية،
وابن هاني، وغيرهم من فحول الشعراء المتقدمين ؛

سنة

محمد حسن الأعظمي

تنقید بر آبحیات مولانا محمد حسین آزاد

اُردو نثر میں دو کتابیں ایسی ہیں۔ کہ جب تک اُردو زبان قایم ہے انکو حیاتِ جاوید حاصل رہے گی۔ ان میں سے پہلی گذشتہ صدی کی ابتدا میں اور دوسری اس کے خاتمہ میں تالیف ہوتی ہے۔ پہلی کا نام "باغ و بہار" ہے جو میر امن کی تصنیف ہے۔ دوسری کا نام "آبحیات" ہے۔ جو شمس العلماء مولنا محمد حسین آزاد کی یادگار ہے۔ باغ و بہار میں زبان اور محاورہ کا لطف ہے۔ آبحیات ان خوبیوں کے علاوہ طرز ادا میں بانکپن۔ سلاست کے ساتھ رنگینی۔ بیان کی شیرینی۔ ترکیب و بندش کی خوشنمائی۔ زبان کے لطف اور نزاکتِ مضمون کی خصوصیات سے ممتاز ہے۔ مولنا آزاد صاحبِ طرز ہیں۔ ان کی طرز نہ ان سے پہلے وجود میں آئی۔ اور نہ ان کے بعد کوئی اس کی تقلید کر سکا۔ فارسی میں ابوالفضل اور ظہوری کے مقلد پیدا ہو گئے۔ مگر آزاد کا ابھی تک کوئی مقلد پیدا نہیں ہوا۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ مولانا آزاد اپنے انداز کے آپ ہی موجد تھے۔ اور آپ ہی خاتم تھے۔ ان کی سادہ زبان ہلکی رنگینی کے ساتھ ترکیب پا کر اس بلا کی دلکش اور دلربا بن گئی ہے۔ کہ اس کے فقرہ فقرہ پر سحر و طلسم کا دھوکا ہوتا ہے توصیفی اور تشبیہی ترکیبوں سے جو حشو کے طور پر جملوں میں اضافہ کر دی جاتی ہیں۔ ادنیٰ سا فقرہ حسن و لطافت کی تصویر بن جاتا ہے۔ اس کتاب کے دیباچہ کا ابتدائی فقرہ ہے :-

"آزاد ہندی نہاد کے بزرگ فارسی کو اپنی تیغ زبان کا جوہر جانتے تھے۔"

اس فقرہ کے تجزیہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہندی نہاد ترکیب صفتی ہے۔ زبان کو تیغ کے ساتھ تشبیہ دے کر تیغ کا لازمہ جوہر لایا گیا۔ ان زوائد کو نکال دینے سے اصل جملہ یہ رہ جاتا ہے۔" آزاد کے بزرگ فارسی کو اپنی زبان جلتے تھے" اس حالت میں یہ جملہ بالکل روکھا پھیکا معلوم ہوتا ہے۔ مگر صرف چند زوائد کے لانے سے جنہیں نفس مضمون سے کوئی تعلق نہیں سارا جملہ چمک اٹھا ہے اسی جملہ سے ایک سطر بعد یہ فقرہ آتا ہے۔" اس ملک کی زبان ترقی کے قدم آگے بڑھا رہی ہے۔" جس میں اصل جملہ یوں ہوگا۔" اس ملک کی زبان ترقی کر رہی ہے۔" مگر" ترقی کے قدم آگے بڑھا رہی ہے" کے اضافہ کرنے سے جو حشو تقریباً ملک میں زبان زد عام بن گیا ہے۔ اصل جملہ بے حد دلکش بن گیا ہے۔ اسی قسم کی ایک عبارت یہاں نقل کی جاتی ہے۔ جس کی لطافت ادا اور حسن بیان تماماً اسی قسم کے حشویہ الفاظ اور فقرات کی مرہون منت ہے:۔

" کچھ ٹوٹا پھوٹا پتہ ملتا ہے تو زرتشت کے وقت سے ملتا ہے۔ جسے آج تخمیناً ۲۴ سو برس ہوئے۔ اس نورانی موحد نے شعلۂ آتش کے پردہ میں توحید کے مسئلہ کو رواج دیا۔ مذہب مذکور نے سلطنت کے بازوؤں سے زور پکڑا اور ایران سے نکل کر دو سو برس کے قریب اطراف و جوانب کو دباتا رہا یہاں تک کہ یونان سے سکندر طوفان کی طرح اٹھا اور ایشیا کے امن و امان کو تہ و بالا کر دیا۔ جو مصیبت بدھ کے ہاتھ سے بید شاستر پر پڑی تھی وہاں وہی مصیبت زند استا پر آئی۔ چنانچہ جس آگ نے زرتشت اور جاماسپ کے متبرک ہاتھوں سے آتشخانوں کو روشن کیا تھا۔ جس کے آگے گشتاسپ نے تاج اتار کر رکھا۔ جس کی درگاہ میں اسفندیار نے گرز اور تلوار چڑھائی۔ وہ یونان کے آب شمشیر سے بجھائی گئی اور آتش خانے راکھ ہو کر اڑ گئے۔ افسوس یہ ہے کہ

ژند و پاژند کے ورق ورق برباد کئے گئے . . . . . وہ ایران جسے ہزاروں برس سے ملک گیری کے نشان سلامی آتارتے تھے اور تہذیب و شائستگی اس کے دربار میں سر جھکاتے تھے ۵۰۰ برس تک ظفریابوں کے قبضہ میں رہا اور ژند کی کتب مقدسہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر فنا کی گئیں ۔ سنہ ۲۰ء میں پھر تن بے جان میں سانس آیا۔ اور ساسانیوں کی تلواروں میں قدیمی اقبال نے چمک دکھائی۔ ان بادشاہوں نے ملک و ملت کی قدامت کے ساتھ بجھے ہوئے مذہب کو بھی روشن کیا۔ گرے ہوئے آتشخانوں کو پھر اُٹھایا اور جہاں جہاں سے پھٹے پرانے اوراقِ پریشان ہاتھ آئے بہم پہنچائے۔ انہی کی کوششوں کی کمائی تھی ۔ جو پھر ساڑھے چار سو برس بعد علم اسلام کے آگے قربانی ہوئی" ص ۱۱-۱۲

آبحیات کے واسطے ذخیرہ فراہم کرنے کے لئے بڑی تلاش وکاوش اور تحقیق و تفحص کرنی پڑی ہے ۔ کتب تاریخ و تذکرۂ شعرا اور دیگر تالیفات سے قطع نظر اطرافِ ہند میں انہیں فضلائے وقت و اصحابِ فن اور باکمال ذوقِ سخن رکھنے والوں کی خدمت میں التجانامے لکھنے پڑے۔ شعراء کے حالات کی بابت سوالات کئے ۔ خوشامدیں کیں ۔ یاددہانیاں کرائیں۔ برسوں خونِ جگر کھایا ہے اور محنت کا پسینہ بہایا۔ تب کہیں آبحیات کی ہفتخوان طے ہوئی ہے یہ تالیف کم از کم سات سال کی کمائی ہے ۔ جن لوگوں نے امداد کا ہاتھ دراز کیا ہے ان میں سے یہ لوگ قابل ذکر ہیں ۔ میر مہدی حسن فراغ ۔ جناب رغمی ۔ سید احمد ۔ میر علی حسن رشک ۔ مولوی شریف حسین خان ۔ آغا کلب عابد خاں ۔ نواب مصطفیٰ خان شیفتہ ۔ نواب ضیاء الدین خان اور نواب علاء الدین خان والی لوہارو ۔ ان میں سے اکثر کا ذکر خود مولٰنا نے آبحیات میں کر دیا ہے ۔

یہاں میں دو خطوں کا ذکر مناسب سمجھتا ہوں ۔ جو مولٰنا کو ان کے

استفسارات کے جواب میں وصول ہوئے ہیں۔ ان میں پہلا خط تو نواب علاءُ الدین خان مذکور الصدر کا ہے۔ جو مولانا کے سوالات کا جواب دے کر ان کو دو چار روز کے لئے لوہارو آنے کی دعوت دیتے ہیں۔ یہ خط ۲۸ جون ۱۸۷۶ء کا لکھا ہوا ہے۔ فرماتے ہیں :۔

" محبا ! میں احباب کی خدمتگذاری کو عموماً حاضر ہوں۔ اور آپ کی اس مجور پرسی کا شاکر۔ جب کسی وقت کوئی کام ہو تو آپ ارقام فرمائیں۔ اس کا سر انجام میرے لئے سرمایۂ مسرت ہے۔ مگر اس معاملۂ خاص میں باہمہ بے بضاعتی میں بہت کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ اور یہ امر بے تلاقی ممکن نہیں۔ اگر آپ تصنیف کی تکمیل چاہتے ہیں۔ تو دو چار روز کے لئے مع اس تالیف شریف کے یہاں تک رنجہ فرمائیں۔ یہ امر نہ دشوار اور نہ آپ کو اس میں شاید جائے انکار ہو۔ ریواڑی سے لوہارو تک میرے ملک کی سواریاں حاضر ہو سکتی ہیں اور لاہور سے ریواڑی تک ریل کی سبیل ہے"۔

نواب ممدوح اسی خط کی ابتدائی سطور میں منکسرانہ انداز میں لکھتے ہیں :۔

" اگرچہ میں سرمایۂ علمی بہت کم رکھتا ہوں۔ الا ایسے امور کا نہایت شایق ہوں اور افسوس ہے۔ کہ وقت لکھنے اس تذکرہ کے میں آپ سے دور تھا۔ ورنہ آپ کو تاریخی حالات شعرا کی نسبت سوائے حالات مرزا اسد اللہ خاں غالب کے زیادہ تر امداد دی جاتی۔ کیونکہ میں نے اپنے والد سے بہت کچھ سنا ہے۔ میں ایک خاکستر ہوں اس خرمن سوختہ کا کہ جس کو آتشِ غدر ۱۸۵۷ء نے جلا دیا۔"

دوسرا غازی پور زمینہ (زمانیہ) کے رئیس مولوی محمد عظیم اللہ المتخلص بہ غمی کا ایک خط ہے۔ جو شیخ عبد اللہ امام بخش ناسخ کے حالات کا حامل ہے اور غالباً جون ۱۸۸۲ء کی آخری تاریخوں میں مرقوم ہوا ہوگا۔ غمی فرماتے ہیں :۔

" عنایت نامۂ والا رقم زدۂ ۲۰ رجون سنہ ۱۸۹۲ء ورود یافتہ ممتاز م ساخت ہر چند مکتوب سویم سلسلہ وار ارسال خدمت ساختم۔ غالباً رسیدہ بملاحظۂ عالی گذشتہ باشد۔ وقعاً موقعاً آنچہ حالات استادی شیخ عبداللہ امام بخش ناسخ صاحب معلوم فقیر است و یادمی آید ہمہ رطب و یابس نگاشتہ بخدمت فیضدرجت ابلاغ می نمایم پس خذ ما صفاء دع ما کدر۔ ہر چہ در مزاج مقدس آید درج تذکرہ خواہند فرمود، و آنچہ مناسب اندراج نیست آنرا ترک خواہند فرمود۔ ضرور نیست کہ جملہ داخل تذکرہ شود "۔

آبحیات سنہ ۱۸۸۰ء میں پہلی مرتبہ شایع ہو کر ملک سے خراج تحسین وصول کرتی ہے۔ اس کی آمد سے ایک دھوم مچ گئی ہوگی۔ قدر دانوں نے اشتیاق کے ہاتھوں سے لیا ہوگا اور شوق کی آنکھوں سے پڑھا ہوگا۔ اردو کیا فارسی میں بھی اس انداز اور پایہ کی کوئی کتاب موجود نہیں تھی۔ جس میں اردو اور فارسی دونوں کا مزا موجود ہو۔ اس کی سادہ نثر۔ چھوٹے چھوٹے فقرے۔ ہلکی رنگ آمیزی۔ عبارت کا بانکپن۔ بیان کی شوخی۔ لطیفوں اور چٹکلوں کی بہتات۔ تاریخ میں افسانہ کا ڈھنگ اور نثر میں نظم کا لطف۔ ایسی خصوصیات تھیں جن سے دنیا اس کی گرویدہ ہو گئی۔ افسوس ہے کہ اس جوشیلی پذیرائی کا جو ملک نے اس تالیف کو دی ہوگی ہمارے پاس کوئی تفصیلی بیان موجود نہیں۔ سرکاری رپورٹ کا خشک اعلان ان الفاظ میں ہے :-

" ۹۲۲۔ وقایع عمری۔ اس صیغہ کی ۷ کتابوں میں سے ۵ کتابیں تو تصنیف ابتدائی تھیں اور ۲ کتابیں دوبارہ چھپیں۔ تصنیف ابتدائی میں سب سے مقدم کتاب موسوم بہ آبحیات جو مولوی محمد حسین پروفیسر عربی کالج (کذا) لاہور کی تصنیف ہے۔ جس میں تمام مشہور اردو شاعروں کی وقایع عمری درج ہے "۔

(صد ۳۹۹ رپورٹ مجموعی انتظام ممالک پنجاب وغیرہ بابت ۸۱-۱۸۸۰ء - مطبع آفتاب پنجاب لاہور)

شکر ہے کہ سرکاری رپورٹ نے آبحیات کو مقدم کتاب تو مان لیا۔

میرا خیال ہے کہ یہ جلیل القدر تصنیف ۱۸۸۰ء کے آخری مہینوں میں اشاعت پاتی ہے۔ ۱۲ر فروری ۱۸۸۱ء کو اندور سے ایک صاحب دھرم نارائن نامی جو مولانا کے بے تکلف دوست معلوم ہوتے ہیں۔ آبحیات نہ بھیجنے کی شکایت اس رقعہ میں لکھتے ہیں :-

"مولوی صاحب مکرم سلامت - نیاز - آپ اپنے تئیں بھلے ہی آزاد کہیں - مگر ہم آپ کا پیچھا کہاں چھوڑتے ہیں - منشی دین دیال صاحب آبحیات سے زندگی جاوید حاصل کریں اور راقم اس نعمت سے محروم رہے یہ کہاں کا انصاف ہے؟ اگر شوق بڑھانے کے لئے یہ تغافل ہے تو اس ستم شعاری سے باز آیئے اور دل مشتاق کو زیادہ درد انتظار میں مبتلا نہ کیجئے - بندہ ہردم آپ کی عرائس فکر کا جلوہ انتظار رہتا ہے اور گو کہ صورت میں دور ہے مگر باطن میں دعائے خیر کے ساتھ ہردم قریب - زیادہ اور کیا تکلیف دے -

دھرم نارائن از اندور
مورخہ ۱۲ ماہ فروری ۱۸۸۱ء"

خط کی طرز تحریر کے بے تکلفانہ انداز سے مفہوم ہوتا ہے کہ دھرم نارائن مولانا کے ہم جماعت ہونگے - جب وہ دہلی میں تعلیم پا رہے تھے - یہ دھرم نارائن غالباً پنڈت دھرم نارائن ہیں جو مولانا امام بخش صہبائی شہید کے شاگرد رشید ہیں - اور میر منشی ایجنٹی مالوا ہیں - ۱۸۶۳ء میں وہ اپنے استاد صہبائی کی ایک تالیف

قول فیصل' جو سراج الدین علی خان آرزو کے رسالۂ تنبیہ الغافلین کا جواب ہے - مطبع نظامی میں چھپواتے ہیں - پنڈت جی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ صہبائی مع اپنے دونوں فرزندوں کے ۱۸۵۷ء میں فوت ہوئے ہیں - آفرین ہے پنڈت جی کی استاد پرستی پر کہ سرکاری پولٹیکل خدمت پر سرفراز ہونے کے باوجود غدر سے پانچ سال بعد مرحوم کے فرزندان معنوی کو زندۂ جاوید بنانے کی کوشش میں مصروف ہیں +

خط میں منشی دین دیال کی طرف اشارہ ہے - قیاس ہوتا ہے کہ منشی جی بھی مولانا کے ہم جماعت ہیں - اس وقت اجنٹی بھوپال کے میر منشی ہیں اور دھرم نارائن کی طرح صہبائی کے شاگرد - موصوف نے ۱۲۹۶ھ (۱۸۷۹) میں مولانا صہبائی کا کلیات تین ضخیم جلدوں میں مطبع نظامی سے چھپوایا ہے +

آبحیات کی طبع دوم میں حضرت مصنّف کے بعض اشاروں سے واضح ہوتا ہے کہ اس پر تنقید بھی ہوئی ہے - میر ضاحک کے متعلق جن کا تذکرہ طبع اول میں درج نہیں ہوا تھا - بر سبیل معذرت فرماتے ہیں :-

"بیدرد بے انصاف کہ اصول فن سے بے خبر ہیں کیا جانیں - انہیں اپنے مضامین اخباروں میں چمکانے کے لئے روشنائی ہاتھ آئی" صـ ۱۵۸

مومن خاں کے حالات کی ابتدا میں تحریر ہوا ہے :-

"دنیا کے لوگوں نے اپنے اپنے حوصلہ کے بموجب جو چاہا سو کہا - آزاد نے سب کی عنایتوں کو شکریہ کا دامن پھیلا کرلے لیا" صـ ۴۳۴

ان تنقیدوں میں سے باوجود تلاش مجھے کسی کا سراغ نہیں ملا - البتہ ایک ورق قابل ذکر ہے - جو نواب ضیاء الدین خان بہادر کی تفصیلی تصحیح کا ایک حصہ معلوم ہوتا ہے - جس میں آبحیات کی بعض غلطیاں بقید صفحہ و سطر

وغلط و صحیح درج نہیں۔ جو نسخہ نواب صاحب کے پیش نظر ہے۔ طبع اول ہے۔ وہو ہٰذا

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴۲ب	۱۰	سعادت یار خاں رنگین	رنگین سے دوستی تھی شاگرد نہ تھے بلکہ اکثر اپنی خوشی مرزا غالب کو اپنی غزلیں دکھالیا کرتے تھے ؛
ایضاً	برحاشیہ	اور عالم جان سمرقند کے	قاسم جان اور عالم جان اور عارف جان کے والد خواجہ عبدالرحمٰن" اس سطر کو کسی خیال کی بنا پر قلمزد کر دیا ہے ؛
ایضاً	ایضاً	بدلہ سلاطین چغتائی	بدلہ شاہ عالم بادشاہ
ایضاً	ایضاً	انہیں کے خاندان میں	عارف جان کے چار بیٹے تھے
ایضاً	ایضاً	بدلہ تین بھائی تھے	بدلہ چوتھے محمد علیخاں جو کہ جوانی میں لاولد فوت ہوتے ہیں ؛

"حاشیہ سارا اس طرح لکھنا چاہیئے"

" نواب قاسم جان اور عالم جان اور عارف جان بخارا کے معزز اور نامی خاندان سے تھے۔ اور اولاد خواجہ احمد لیسوی سے۔ شاہ عالم بادشاہ کے آخر عہد میں تینوں بھائی دہلی میں امرائے نامی میں داخل ہوئے۔ اول بخطاب خانی اور پھر قاسم جان کو خطاب شرف الدولہ سہراب جنگ و منصب ہفت ہزاری اور پرگنات ہوسہ و نوح وغیرہ جاگیر میں عطا ہوئے۔ اور عارف جان کے چار بیٹے تھے۔ نواب الٰہی بخش خان - نواب احمد بخش خاں مرحوم۔ محمد علیخان

جوان لاولد فوت ہوئے۔ نواب الٰہی بخش خاں معروف۔ اور نواب احمد بخش خاں کے پوتے نواب علاء الدین خاں خلف اکبر نواب امین الدین خاں رئیس لوہارو"۔

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴۷۶	۸	ان کی بی بی کے بھتیجے	بھانجے یعنی الٰہی بخش مرحوم کے نواسہ پوتے
۴۷۶	۱۰		عارف جوان مرگئے ۱۲۶۸ھ میں جس سال مومن و تسکین بھی فوت ہوئے مرزا سالک نے ان کی تاریخ کہی ہے ع ارم میں مومن و تسکین و عارف اور عارف نے دو ننھے ننھے بچے چھوڑے ۱۲
۴۷۶	۱۴		باقر علی خاں اور حسین علی خاں ان کا نام تھا۔ دونوں شعر لکھتے تھے۔ کامل اور شاداں تخلص تھے۔ ان کے تھوڑے دن بعد دونوں جوان مرگئے ۔
۴۶۷	۹	۱۰ ہزار	۵ ہزار جس میں ۳ ہزار مرزا نوشہ کے معہ برادر و عمہ وغیرہ ۲ خواجہ حاجی کے تھے"۔

اس موقعہ پر پہلا صفحہ ختم ہو جاتا ہے۔ اب ہم ان تبدیلیوں اور تصریحوں کی تلاش میں آبحیات کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ نسخۂ طبع اوّل جس پر نواب ضیاء الدین خاں بہادر کی حاشیہ آرائی بنیاد پاتی ہے باوجود کمال تلاش و تجسس مجھے دستیاب نہ ہو سکا۔ میرے زیر نظر طبع دوم ۱۸۸۳ء کا نسخہ ہے جو وکٹوریہ پریس سے باہتمام

سید رجب علیشاہ شایع ہوا [طبع اول ۔ ۱۰۵۰ ۔ طبع ثانی ۔ ۲۱۰۰ قیمت فی جلد ۱/۲ محصول ۳ ر] طبع اول میں میر ضاحک اور مومن خاں کے حالات شامل نہ تھے ۔ اس لئے اس کے صفحات کی تعداد کم تھی ۔ اور طبع دوم میں بڑھ گئی ؛
ص ۴۳ سطر ۱۰ ہمارے اڈیشن کے ص ۴۵۶ کے برابر ہے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا نے سعادت یار خاں رنگین کے متعلق تصحیح قبول نہ کی مگر رنگین کا نام اصل عبارت سے خارج کر دیا ؛

ص ۴۷۶ س ۵ ہمارے نسخے میں ص ۵۲۳ سطر آخر کے مطابق ہے ۔ مولانا نے بھتیجے کی جگہ بھانجے والے فقرے کی تصحیح قبول کر کے سارا فقرہ یوں بنا دیا ۔
" ان کی بی بی کے بھانجے الٰہی بخش خاں مرحوم کے نواسے زین العابدین تھے ۔ وہ بھی شعر کہا کرتے تھے اور عارف تخلص کرتے تھے ۔ عارف جوان مر گئے ۔"
لیکن س ۱ کا اضافہ جو عارف کے سال وفات ۱۲۶۸ھ اور مصرع تاریخ وفات سے متعلق ہے نہیں مانا ۔ کیونکہ ع ارم میں مومن و تسکین و عارف ــ سے ۱۳۰۰ اعداد بر آمد ہوتے ہیں نہ سال مطلوبہ ۱۲۶۸ھ ـ فہرست ہندوستانی مخطوطات انڈیا آفس میں دیوان مومن نوشتہ ۱۲۵۴ھ ع ۲۱۳ موجود ہے ۔ اس کے خاتمہ میں کسی نے بھی مصرع برائے وفات مومن خاں بدیں اختلاف درج کیا ہے " ع ارم میں مومن و تسکین و عازم " ۔ جس کے عدد ۱۱۷۴ بنتے ہیں اور یقیناً غلط ہے ؛

میرے خیال میں عارف کے سال وفات ۱۲۶۸ھ کے واسطے ہمیں اس مصرع کو یوں پڑھنا چاہیئے ع ارم میں مومن و توحید و عارف ــ جس سے سال مطلوبہ درست بر آمد ہوتا ہے ۔ قصہ مختصر مولانا نے نواب صاحب کے

مصرع کو قبول نہ کرنے میں کافی احتیاط کا ثبوت دیا ہے۔ مگر سطر ۱۴ کے اضافہ کو جو عارف کے دونوں فرزند باقر علیخاں۔ حسین علیخاں اور ان کے تخلص 'کامل' اور 'شاداں' سے متعلق ہے۔ تسلیم نہ کرنا بظاہر غیر موجہ معلوم ہوتا ہے۔

ص۴۶۷ سطر ۹-۱۰ اس موقع پر مرزا غالب کے خط سے جو اردوے معلّے میں آتا ہے ایک اقتباس دیا گیا ہے۔ جس میں یہ فقرہ آتا ہے :- نو برس کا تھا کہ چچا مرا۔ اس کی جاگیر کے عوض میں میرے اور میرے شرکاے حقیقی کے واسطے شامل جاگیر نواب احمد بخش خاں ۱۰ ہزار سال مقرر ہوے۔ انھوں نے نہ دیے مگر تین ہزار روپیے سال۔ ان میں سے خاص میری ذات کا حصّہ ساڑھے سات سو روپیہ سال فقط۔"

ہمارے نسخہ میں یہ عبارت ص۵۱۶ سطر آخر سے شروع ہوتی ہے جس پر مولٰنا نے یہ حاشیہ دیا ہے :-

" اصل حال یہ ہے کہ جب مرزا نے اپنا دعوی کلکتہ میں پیش کیا تو سرکار نے اس کا فیصلہ سر جان مالکم صاحب گورنر بمبئی کو سپرد کیا۔ کیونکہ جب جاگیروں کی سندیں لکھی گئی تھیں تو وہ لارڈ لیک صاحب کمنڈر انچیف ہندوستان کے سکرٹری تھے اور انہیں کے دستخط سے اسناد جاری ہوے تھے۔ جب ان کے پاس یہ مقدمہ اور اس کے کاغذات پہنچے۔ تو انہوں نے کہا کہ مدعی غلط کہتا ہے۔ نواب احمد بخش خاں ہمارا قدیمی دوست تھا اور بڑا راست باز امیر تھا۔ اس پر یہ اتہام ضد سے کیا گیا ہے۔ ہم نے پانچ ہزار روپے سالانہ لکھا تھا۔ جس میں سے تین ہزار مدعی اور اس کے متوسّلین کے لئے تھے اور دو ہزار خواجہ حاجی اور اس کے وارثوں کے نام تھے۔ پھر مرزا صاحب نے ولایت میں مرافعہ کیا۔ وہاں بھی کچھ نہ ہوا"۔

اس حاشیے کے خاتمہ میں مولنا تحریر فرماتے ہیں "بموجب تحقیق نواب ضیاء الدین خاں بہادر دام ظلہم العالی کے تحریر ہوا" اس بیان سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ورق زیر مطالعہ نواب ضیاء الدین خاں کی طرف سے ہے۔

معلوم ہوتا ہے۔ کہ نواب ضیاء الدین خان بہادر اپنے بزرگوں کے متعلق ص۳۰۴ کے گذشتہ حاشیہ سے مطمئن نہیں ہیں۔ اس لئے اسی کاغذ کی پشت پر ایک اور لمبا نوٹ دیتے ہیں جو حسب ذیل ہے:۔

"نواب قاسم جان و عالم بیگ خاں و عارف جان کے والد کا نام خواجہ عبدالرحمٰن تھا۔ جو کہ متوطن شہر بخارا اور اولاد خواجہ احمد لیسوی سے تھے۔ وہاں سے بلخ میں آکر ساکن اور متاہل ہوئے۔ تینوں بیٹے ان کے وہیں پیدا ہوئے اور جب جوان ہوئے تو مع ایک جمعیت سوار و پیادہ قوم اوزبک وغیرہ سے جانب ہندوستان روانہ ہوئے۔ اول پنجاب میں پہنچے۔ جب کہ وہاں کا صوبہ معین الملک عرف میر منو ولد قمر الدین خاں وزیر تھا۔ میر منو کے ہاں عمدہ عہدہا پر مع جمعیت نوکر ہو گئے اور معرکہائے سکھاں میں کامیابی و ترقی حاصل کی۔ بعد مرنے صوبہ دار کے اور اختلال ملک پنجاب وہاں سے روانہ ہو کر بنابر وصول لشکر سلطانی جانب بلاد شرقیہ گئے۔ اس وقت شاہ عالم بادشاہ بمقابلہ میرن صوبہ دار بنگالہ مصروف تھے۔ بعد ملازمت شاہی وہاں بھی کارہائے نمایاں کئے۔ جس کے جلدو میں اول خطاب ہائے خانی پائے اور پھر قاسم جان بخطاب شرف الدولہ وسہراب جنگ و منصب ہفت ہزاری مشرف ہوئے۔ اور بعد ہلاک میرن ہمراہ بادشاہ بلاد شرقیہ سے پایہ تخت دہلی میں آکر بعہد نواب نجف خاں تینوں بھائی سکونت پذیر شہر دہلی ہوئے۔

نواب احمد بخش خان مرحوم نے بخدمت معتمدی و وکالت راؤ راجہ بختاور سنگھ والی الور بہنگام فوجکشی لارڈ لیک بہادر لشکر سپہ سالار میں شامل ہو کر اکثر کارہای نمایاں اور خدمتگذاری گورنمنٹ انگریزی کی۔ لہذا ایک جاگیر سیر حاصل فیروز پور جھرکہ بجلدوی حسن خدمات ہاے اور پیشگاہ بادشاہ دہلی سے خطاب فخر الدولہ دلاور الملک رستم جنگ بوساطت ریسیڈنٹ دہلی حاصل کیا۔ اور ان کے چار بیٹے تھے۔ سب سے بڑے نواب شمس الدین خاں اور ان کا بھائی ابراہیم علی خاں جو بطن منکوحۂ غیر کفو سے تھے اور آخر الامر بحسب تقدیر جان و مال برباد کر چکے۔ اور دو چھوٹے بیٹے نواب امین الدین احمد خاں اور نواب ضیاء الدین احمد خاں جن کو نواب مرحوم علیحدہ ایک جاگیر عنایت کر گئے تھے۔ جو ریاست لوہارو کہلاتی ہے۔ اس پر قابض رہے بعد فوت نواب امین الدین خاں ان کے بڑے بیٹے نواب علاء الدین خاں ان کے قایم مقام ہوے۔ نواب ضیاء الدین خان بعد تحصیل علوم ضروری جب شعر و سخن کا شوق ہوا تو نظم و نثر میں مرزا غالب کے شاگرد ہوے۔ نیر تخلص کرتے ہیں اور احیاناً بتکلیف احباب کبھی اردو میں کوئی غزل لکھی تو رخشاں تخلص اس میں کیا ؛

مرزا زین العابدین خاں عارف پسر کلان نواب غلام حسین خاں مسرور کہ اول شاہ نصیر کے شاگرد تھے اور بعد ازاں دونوں باپ بیٹے اپنی غزلیں مرزا غالب کو دکھا لیا کرتے اور آخر الذکر تو صاحب دیوان ضخیم اور بہت خوش فکر گذرا ہے" ؛

اس نوٹ کو مولنا آزاد نے اپنے الفاظ میں طبع دوم کے صفحات ۴۵۶ - ۴۵۷ و ۴۵۸ پر مرقوم کیا ہے اور کہیں کہیں کمی بیشی بھی کی ہے ؛

آبحیات شعر و شعرا پر ایک نہایت قیمتی خزانۂ معلومات ہے۔ بعد کے مصنفین پر اس کا بے حد اثر ہے۔ صفیر بلگرامی کا جلوۂ خضر اور منشی چرنجی لال کی تاریخ زبان اردو تو اس تالیف کے ابتدائی خوشہ چینوں میں شمار ہو سکتے ہیں۔ ان کے بعد درجنوں اور ہیں۔ مغربی مستشرقین جنہیں اردو زبان سے واسطہ رہتا ہے۔ اس کتاب کی خوبیوں کے معترف ہیں۔ اس سے بغاوت ایک تازہ واقعہ ہے۔ آبحیات میں حوالے دینے کا دستور التزام کے ساتھ عمل میں نہیں آیا۔ کہیں سند اتفاقیہ دے دی اور اکثر جگہ نہیں دی۔ اگرچہ اس کے اکثر بیانات کی سراغرسانی کی جا سکتی ہے۔ ایک حصہ پھر بھی ایسا ہے۔ جس کے لئے مولٰنا کے پاس تحریری دستاویز موجود نہیں۔ اسی کی بنا پر مولٰنا زمانۂ مابعد میں بدنام بھی ہوے۔ یہ غالباً وہ روایات ہیں جو قیامِ لکھنؤ کے زمانہ میں انہیں حاصل ہوئیں جدید کتابوں کی اشاعت اور جدید معلومات نے ان اطلاعات کو غلط ثابت کر دیا یا ان کی صحت میں شبہ پیدا کر دیا۔ ہمارے عہد کے متشککین نے نہایت سختی سے حضرت مولٰنا پر نکتہ چینی کی ہے۔ کسی نے کہا کہ صرف قصے کہانیوں پر بنیاد ہے۔ اس سے بھی تیز نشتر یہ کہ "قیاس کی بلند پروازی نے طوطے مینا بنا کر اڑائے ہیں"۔ مگر یہ بزرگ بھول گئے کہ آج سے ساٹھ سال قبل جب آبحیات تالیف ہوئی ہے۔ ذرائع معلومات نہایت محدود تھے۔ اس عرصے میں بیسیوں کتابیں روشنی میں آئیں اور انجمن ترقی اردو نے چھاپ دیں جو آزاد کے زمانہ میں عنقا کا حکم رکھتی تھیں اور ان تک حضرت مولٰنا کی رسائی نہیں ہوئی۔ باوجود اس کے جو تنوع اور یکجائی اطلاع آبحیات سے حاصل ہو سکتی ہے۔ دیگر تصانیف میں اس کا عشر عشیر بھی نظر نہیں آتا۔ اور آج بھی اس کے بغیر چارہ نہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ حکیم عبدالحیؒ مصنف گل رعنا اور شیخ چاند مؤلف سودا جو مولٰنا کے

قابل نقاد ہیں۔ اگر ایک صفحہ پر آبحیات کی تنقید کر رہے ہیں تو دوسرے صفحہ پر اس سے حوالہ بھی دے رہے ہیں۔ آبحیات کے دوسرے نقاد ڈاکٹر مولانا عبدالحق اور مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی ہیں جو نکات الشعرا اور ذکر میر کے سلسلہ میں اس کے بیانات کی تغلیط کر رہے ہیں۔ ۱۸۲۸ء کے رسالہ نگار میں آبحیات کی تنقید میں دو مضمون نکلے۔ مگر یہ مضامین زیادہ تر گل رعنا اور شعرالہند کا پرتو ہیں۔ فوق صاحب راقم سے فرماتے تھے کہ لکھنؤ سے آبحیات پر ایک تنقید گذشتہ صدی میں ایک رسالہ کی صورت میں شائع ہوئی تھی۔ نکات الشعرا اور ذکر میر کے چھپنے پر میر صاحب کے سلسلے میں مولانا بہت بدنام ہوے۔ مگر جب مجموعۂ نغز شایع ہوا تو دنیا کو صاف معلوم ہوگیا۔ کہ مولانا کے بیانات بے بنیاد نہ تھے۔

راقم آبحیات کے تنقید نگاروں میں بادل ناخواستہ شامل ہوا ہے۔ یہ محض اتفاق ہے کہ میں غلط صف میں اپنے آپ کو کھڑا دیکھتا ہوں۔ اصل یہ ہے کہ جب سے میں نے ہوش سنبھالا۔ حضرت مولانا کی تصنیفات سے مجھ کو بیحد دل بستگی رہی ہے۔ بلکہ مولانا کے ساتھ میری عقیدت اس سے بھی قدیم ہے۔ اور وہ اسی وقت سے شروع ہوتی ہے۔ جب بچپنے میں مجھے ان کی پیاری تالیفات اردو کی پہلی۔ دوسری۔ تیسری اور چوتھی کے سامنے زانوے ادب تہ کرنا پڑا۔ آجکل کے بچے کس قدر بدنصیب ہیں جو ان غیر فانی کتابوں سے محروم کر دیئے گئے ہیں۔ بہرحال مولانا کے ساتھ میری عقیدت دائمی ہے اور مجھے بیحد افسوس ہے۔ کہ میں آج ان کے نکتہ چین کی حیثیت سے آپ لوگوں کے سامنے کھڑا ہوں میں اپنی اس گستاخ روی اور گستاخ تنقید کی ان کی روح سے معافی مانگتا ہوں۔

اگرچہ ندامت گویا ہے ع عذر تقصیر ہے تقصیر سے بدتر تقصیر

آبحیات پر سرسری نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شعرا کے تذکرہ میں حضرت مولٰنا نے رقابت اور مقابلے کے پہلو کو زیادہ نمایاں کیا ہے۔ سودا کو میر کا۔ مصحفی کو انشا کا۔ ناسخ کو آتش کا۔ ذوق کو غالب کا۔ دبیر کو انیس کا مدمقابل ٹھہرایا ہے۔ اس نقطۂ نظر سے داغ اور امیر مینائی کی شمولیت بہت مناسب ہوتی ‍؛

دور اول و دویم و سویم کے شعرا میں تقدیم و تاخیر واقع ہوئی ہے۔ آبرو۔ مضمون۔ ناجی۔ احسن۔ یکرنگ کو دور اوّل میں۔ شاہ حاتم۔ خان آرزو۔ اور فغان کو دور دویم میں۔ مظہر۔ سودا۔ ضاحک۔ میر درد۔ میر سوز اور میر تقی میر کو دور سویم میں جگہ دی ہے۔ یہ ترتیب اعتراض سے خالی نہیں۔ خان آرزو کہ بقول مولٰنا 'اہل اردو ان کے عیال ہیں' دور دویم میں رکھے جاتے ہیں۔ اور ان کے شاگرد آبرو اور فغان دورۂ اول میں۔ حالانکہ خواہ بلحاظ عمر خواہ بلحاظ درجۂ استادی خان آرزو دونوں سے بڑے ہیں۔ اسی طرح مرزا مظہر جانجاں جو یکرنگ کے استاد ہیں۔ اور خود مولٰنا کو یہ استادی تسلیم ہے۔ اس کے باوجود شاگرد کو دور اول میں شامل کیا ہے اور استاد کو دور سوم میں رکھا ہے۔ اس سے احتمال ہوتا ہے کہ یہ دونوں نام ابتدائے آبحیات کی فہرست مشاہیر میں داخل نہیں تھے اور ان کا ادخال بعد از وقت ہوا ہے ؛

سطور آیندہ میں یہ تجویز مناسب ہو گی کہ سب سے پہلے آبحیات کی اصل عبارت بذیل 'قولہ' درج کر دوں اور اس کے بعد جو کچھ مجھے اس کے متعلق اعتراض یا حاشیہ آرائی کرنی ہے علحدہ پیرے میں حوالۂ قلم کر دوں۔ یہاں سے تنقید شروع ہوتی ہے ؛

صٓ "مدت دراز تک ایرین بھائیوں کے کاروبار ہندوستانی بھائیوں

کے ساتھ ساتھ چلے رہے ہوں گے۔ یہی سبب ہے کہ ایران کی تاریخ قدیم میں مہ آباد اور اس کے زمانہ کی تقسیم برہما کے زمانہ سے اور اس کے رسوم و قواعد سے مطابقت دکھاتی ہے اور چاروں برنوں کا برابر پتہ لگتا ہے"۔

ایران قدیم کی تاریخ میں مہ آباد اور اس کے سلسلہ کا کہیں ذکر نہیں آتا عربی اور فارسی مآخذ میں تاریخ ایران کا پہلا ورق پیشدادیوں کے تذکرہ سے کھلتا ہے۔ لیکن سترھویں صدی عیسوی میں صاحب دبستان المذاہب اور اس کے متبعین کا دعوے ہے کہ پیشدادیوں سے قبل چار سلسلے اور گذرے ہیں۔ جن میں سب سے مقدم مہ آبادی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ مہ آباد ایران کا سب سے پہلا پیغمبر اور بادشاہ ہے۔ جس پر کتاب مقدس دساتیر نازل ہوئی۔ یہ کتاب پندرہ صحیفوں کا مجموعہ ہے اور ہر صحیفہ ایک مخصوص پیغمبر کی طرف منسوب ہے۔ مہ آباد کے بعد تیرہ پیغمبر اور آئے اور سب کے سب آباد کہلائے اور مذہب مہ آباد کے مویدا ور حامی رہے۔ ان کے بعد ان کی اولاد میں سے چودہ پیغمبر پشت بہ پشت اور پیدا ہوے۔ آخری پیغمبر کا نام آباد آزاد تھا۔ مہ آبادیوں کے بعد 'جیان' ہوے [ان میں سر سلسلہ جی افرام آباد آزاد تھا۔ جو پہاڑوں میں یزداں پرستی میں مشغول تھا۔ خلق اللہ کی درخواست پر آبادی میں آکر ان کا بادشاہ اور پیغمبر بنا] اس طبقہ کا خاتم 'جیان جی آلاد' تھا [ان کا زمانہ ایک 'اسپار' سال کیوانی تھا] اب شائیوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ [جن میں پہلا شخص 'شای کلیوبن جی آباد' تھا۔ شائیوں کا زمانہ ایک 'شمار' سال بیان کیا گیا ہے] اس طبقے کے آخری پیغمبر بادشاہ کا نام 'شای مہبول' تھا۔ ان سے پیچھے یاسانیوں کی باری آتی ہے۔ جو یاسان کی طرف منسوب ہیں۔ یاسانی بھی مہ آباد کے پیرو تھے۔ اور دساتیر پر ایمان رکھتے تھے [ان کی مدت تو 'سلام'

سال اور 'پاسان آجام' ان کا آخری بادشاہ ہے ؛ سلسلۂ پنجم گل شائی ہیں - یہ وہی ہیں جنہیں عام تاریخوں میں پیشدادی کہا جاتا ہے ؛

(اجمل التواریخ صـ۲ـ۶ از رضا قلی خاں ہدایت - تبریز ۱۲۸۳ھ)

لیکن دساتیر نہ صرف ایک مجہول تالیف ہے بلکہ اس کی زبان بھی مجہول ہے اور بیانات خیالی ہیں - یہ کتاب یورپ میں تو انیسویں صدی عیسوی کی ابتدا ہی میں بے اصل تسلیم کر لی گئی تھی جب فرانس اور انگلستان میں اوستا کی اصلیت اور دساتیر کی مجہولیت کے متعلق زبردست بحث چھڑ گئی تھی - انگلستان میں سر ولیم جونز بانی ایشیاٹک سوسائٹی بنگال عرصہ تک دساتیر کی صداقت پر ایمان رکھتے رہے - آخر ان کو شکست ہوئی - ہندوستان اور ایران میں دساتیر کا جادو دیر تک چلتا رہا - بلکہ اب بھی اس کے معتقدین شاید موجود ہوں - خان آرزو سے لے کر گذشتہ صدی کے اکثر فضلا جن میں صہبائی - مرزا غالب اور ان کے تلامذہ شامل ہیں - دساتیر کے ماننے والے ہیں - مولٰنا نجف علی خاں نے اس کی شرح بنام 'سفرنگ دساتیر' شائع کی ہے - 'دری کشا' بھی اسی سلسلہ کی کڑی ہے رضا قلی خاں ہدایت صاحب انجمن آرای ناصری بھی اس کے حلقہ بگوشوں میں شامل ہیں - مولٰنا محمد عمر سابق پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور اپنے ایک رسالے اختر تاباں میں اس جعلی تالیف اور اس کے مبتدعہ آبادی عہد کا تذکرہ پورے یقین کے ساتھ کر رہے ہیں - الغرض دساتیر ایک سراب تھا - جس کے پیچھے ہم دیر تک دوڑتے رہے ؛

صـ۱۴۱ قولہ :- " جب ۱۱۹۳ئہ میں شہاب الدین غوری نے رائے پتھورا پر فتح پائی تو چند کوی (ایک نامی شاعر) نے پرتھی راج راسا لکھا "؛

اس رائے کے اظہار میں مولٰنا بابو شیو پرشاد کے ایک لیکچر کے زیر اثر

معلوم ہوتے ہیں جو ۱۸۶۸ء میں زیر عنوان 'کچھ بیان اپنی زبان کا' بنارس انسٹیٹیوٹ میں پڑھا جا کر ۱۸۶۹ء میں چھپا تھا۔ کبیر۔ جایسی۔ تلسی داس سور داس وغیرہم کے سلسلہ میں بھی اس لیکچر کا اثر آبحیات پر معلوم ہوتا ہے لیکن مولنا کے بیانات بابو کے بیانات کے مقابلہ میں بڑی حد تک ترقی یافتہ مدلل اور مفصل ہیں۔ مثلاً بابو شیو پرشاد نے کبیر کا نمونۂ کلام حسب ذیل دیا ہے :۔

چھوڑ بدبخت تو فہر کی نظر کوں — کھوج دل بیچ جہاں بست حقا
عجب دیدار ہے عجب محبوب ہے — کرن کارن جہاں سبد سچا
کھڑے دروند دوس دگاہیں — خبر اور مہر موجود مکا
ذکر کر کر فکر دور دفعے کر — کہے کبیر ایہہ سخن پکا

مولنا نے اس میں عربی فارسی الفاظ کی کثیر تعداد کے علاوہ جو کبیر کے عہد میں بعید معلوم ہوتی ہے۔ اس نمونہ کو جدید رنگ کا پا کر رد کر دیا اور ذیل کا دوہرہ درج کیا جو ہر قسم کے شبہ سے بری مانا جا سکتا ہے :۔ ؎

کبیر سر پر سرا ہے کیوں سوئے سکھ چین
کوچ نگارا سانس کا باجت ہے دن رین

لیکن راسا کے متعلق مولنا کی رائے وہی ہے جو گذشتہ صدی میں اکثر علماء کی تھی۔ مغربی مصنفین نے اس کتاب کو غیر مستحقانہ عزت دی۔ ٹاڈ نے اس کے مواد پر اپنی تاریخ راجستان کی بنیاد ڈالی۔ گروز۔ بیمز اور ہرنلے لسانی نقطۂ نظر سے اس کو نہایت اہم ماخذ سمجھتے رہے۔ گریرسن اس کی شاعرانہ محاسن کا افسانہ خواں ہے۔ اس کی گوناگوں اہمیت کا اندازہ کر کے ایشیاٹک سوسائٹی بنگال نے اس کی طباعت شروع کر دی اور ایک تہائی حصہ شایع

بھی کر دیا۔ ۱۸۸۶ء میں کوِیراج شیامل داس جی نے راسا کی مجعولیت کے حق میں آواز بلند کی۔ اس کا جواب بحمایت راسا موہن لال وشنولال پنڈیا نے دیا۔ ۱۸۹۳ء میں ڈاکٹر بیولر نے کشمیر سے ایک نئی دریافت شدہ تالیف پرتھی راج وجے نامی کی بنا پر راسا کی اصلیت سے صریح انکار کر دیا۔ چنانچہ موصوف کے مشورہ پر سوسائٹی نے اس کی طباعت بند کر دی۔ ادھر مسٹر شیام سندر داس سکریٹری ناگری پرچارنی سبھا نے راسا کی حمایت میں ۱۹۰۰ء میں بظاہر ایک مدلل تبصرہ لکھا جس سے اس کے مغربی معتقدین میں حوصلہ کے آثار پیدا ہونے لگے۔ جس کی صدائے بازگشت رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے رسالہ میں (بابت ۱۹۰۶ء) اور ونسنٹ اسمتھ کی تاریخ ہندوستان میں نظر آتی ہے۔ ۱۹۲۸ء میں ر۔ ر۔ا۔س، شاخ بمبئی میں (جلد سوم) ر۔ ر بلدر نائب کیوریٹر راجپوتانہ میوزیم اجمیر نے راسا کی تاریخوں کی عالمانہ انداز میں تغلیط ثابت کی۔ اسی سال ناگری پرچارنی پتر کا جلد نہم میں پنڈت رامچندر نے ایک اور مضمون راسا کی مخالفت میں سپرد قلم کیا۔ ۱۸۲۹ء میں اسی رسالہ میں ایک اور سیر حاصل مضمون رائے بہادر پنڈت گوری شنکر اوجھا کے قلم سے نکلا۔ جس میں ہر پہلو سے راسا کی تغلیط و تردید کی گئی ہے۔ راقم نے مسلمانی نقطۂ نظر سے اس کی تنقید میں ایک سلسلۂ مضامین لکھا ہے۔ جو اورینٹل کالج میگزین کے مختلف نمبروں میں (یعنے مئی ۳۴ء۔ اگست و نومبر ۳۵ء۔ اگست و نومبر ۳۶ء۔ فروری۔ مئی۔ اگست و نومبر ۳۷ء فروری و اگست ۳۸ء) شایع ہوا ہے۔

یہ داستانی تالیف جو مغلوں کے عہد میں کسی بے اصول بھاٹ نے ذاتی جلب منفعت کے خیال سے راجپوتانہ کے کسی راجہ کو اپنے دامِ تزویر میں

لانے کی امید میں لکھی تھی۔ مغرب کے بڑے بڑے علماء کو جن کے نام تاریخ ولسانیات میں ادب سے لئے جاتے ہیں کامل طور پر گمراہ کرنے میں کامیاب ہوئی۔ آج بھی اس کا طلسم ٹوٹا نہیں ہے اور مدرسوں کے تاریخی کورسوں میں ہندو قومی رزمیہ کی حیثیت سے اس کو نمایاں جگہ دی جاتی ہے۔ ونسنٹ اسمتھ کی تاریخ قدیم ہندوستان میں جو ہندوستان کی یونیورسٹیوں میں ایک مقبول نصاب ہے۔ اس کی اصلیت کو تسلیم کیا گیا ہے ؎

قولہ :۔ رفتہ رفتہ شاہجہان کے زمانہ میں کہ اقبال تیموری کا آفتاب عین اوج پر تھا۔ شہر اور شہر پناہ تعمیر ہو کر نئی دلی دارالخلافہ ہوئی۔ بادشاہ اور ارکان دولت زیادہ تر وہاں رہنے لگے۔ اہل سیف۔ اہل قلم۔ اہل حرفہ اور تجّار وغیرہ ملک ملک اور شہر شہر کے آدمی ایک جگہ جمع ہوئے۔ ترکی میں اردو بازار لشکر کو کہتے ہیں اردوے شاہی اور دربار میں ملے جلے الفاظ زیادہ بولتے تھے۔ وہاں کی بولی کا نام اردو ہو گیا۔ اسے فقط شاہجہان کا اقبال کہنا چاہیئے کہ یہ زبان خاص وعام میں اس کے اردو کی طرف منسوب مشہور ہو گئی"۔

(ص ۲۰ آبحیات)

یہاں مولنا آزاد اس کوشش میں ہیں کہ شاہجہان آباد کی تعمیر کے ساتھ ساتھ جو ۱۰۵۸ھ میں وقوع میں آتی ہے اردو کا سنگ بنیاد رکھیں مگر یہ زبان اس تاریخ سے بہت قدیم ہے۔ اس کا تلفظ۔ لہجہ اور محاورہ آٹھویں صدی ہجری کے اختتام سے پہلے ایک معیاری پایہ کو پہنچ چکا ہے۔ جس سے دہلوی اور غیر دہلوی کی شناخت ممکن ہو جاتی ہے۔ ناصر الدین محمد شاہ ۷۹۲ھ و ۷۹۵ھ اپنے باپ فیروز شاہ کے غلاموں سے جو زیادہ تر پورب اور بنگالہ کے رہنے والے تھے اور امور سلطنت میں دخیل ہو کر بادشاہ گر بن چکے تھے

تنگ آکر دہلی سے ان کے اخراج کا حکم نافذ کرتا ہے۔ اور شہر سے نکل جانے کے لئے تین دن کی مہلت دیتا ہے۔ یہ غلام شہر نہیں چھوڑتے اور اپنے آپ کو اصیل ظاہر کر کے شہر ہی میں رہ جاتے ہیں۔ آخر محمد شاہ اصلی اور نقلی دہلوی کی شناخت کے لئے ان سے ایک لفظ "کھرا کھری" کہلواتا ہے۔ اس امتحان سے یہ غلام دہلویوں سے بآسانی شناخت کر لئے گئے اور اپنی سزا کو پہنچے۔ مورخ فرشتہ کے الفاظ ہیں :۔

بیشترے از ایشان درین سہ روز از شہر بدر رفتند و آنہا کہ نرفتند بدست افتادہ بقتل رسیدند و بعضے از ترس جان میگفتند کہ ما اصیلیم۔ ناصر الدین محمد شاہ فرمود کہ ہر کہ از شما کھرا کھری گوید اصیل است و چون بطوریکہ بادشاہ میخواست تلفظ نمی توانستند نمود و بزبان پورب و بنگالہ ادا میکردند کشتہ می شدند۔ چنانکہ بسیاری از مردم پورب کہ اصیل بودند و زبان ایشان خوب نمی گشت نیز بقتل رسیدہ" (صفحہ ۲۷۶ جلد اول تاریخ فرشتہ طبع پونہ)

یہی روایت تاریخ مبارک شاہی میں یوں مرقوم ہے :۔

"بیشتر بندگان مخذول بعد سیوم روز در دست شاہزادہ آمدہ اند۔ ہر یکی میگفتند کہ ما اصیلیم۔ شاہزادہ فرمود۔ ہر کہ از شما "کھرا کھری" کر جنا گوید او اصیل است سبب آن بیشتری ہندوستانیان ناچیز شدند و بندگان فیروز شاہی علف تیغ گشتند۔" (صفحہ ۱۵۰ تاریخ مبارکشاہی طبع ایشیاٹک سوسائٹی سنہ ۱۹۳۱ء)

[یہاں ہم دیکھتے ہیں۔ کہ زبان کا معیار قایم ہو چکا ہے۔ جس سے دہلوی اور پوربی یا بنگالی بآسانی پہچانے جا سکتے ہیں۔ شیخ باجن متوفی سنہ ۹۱۲ھ باوجودیکہ گجراتی ہیں دہلی کی زبان سے واقف ہیں اور اسے اسی نام سے یاد کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک مختصر نظم کا عنوان ان کی تصنیف میں یوں آتا ہے :۔

"صفت دنیا بزبان دہلوی گفتہ"۔ جس کی ابتدا ہے:۔

یہ فتنی کیا کسے یہ ملتی ہے جب ملتی ہے تب چھلتی ہے

ایک اور موقعہ پر اصحاب صفہ کے ذکر میں شیخ باجن فرماتے ہیں:۔ "مناقب حضرت الیشان بزبان دہلوی نبشتہ شدہ است"۔ یہی نہیں بلکہ حضرت امیر خسرو متوفی ۷۲۵ھ اور ابوالفضل ہندوستان کی زبانوں کے ذکر میں اسکو زبان دہلی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ بہرحال شاہجہان کی نئی دہلی کی تعمیر کے ساتھ مولنا کا اس زبان کو وابستہ کرنا بے بنیاد معلوم ہوتا ہے۔

مولنا کا یہ بیان کہ اردو زبان شاہجہان کے اردو کی طرف منسوب ہے ثبوت کا محتاج ہے۔ کیونکہ شاہجہانی عہد میں اردو پر زبان کے معنے کا اطلاق نہیں ہو رہا۔ ہمارے بزرگوں کے اذہان میں یہ تخیل نہایت خوش آیند معلوم ہوتا ہے۔ کہ نئے شہر کی تعمیر کے ساتھ ساتھ نئی زبان کی ترویج بھی عمل میں آئی ہو حالانکہ زبان کی نسبت شہر کے ساتھ ہے نہ شاہجہان کے ساتھ۔ جب تک شہر کا نام دہلی تھا وہاں کی زبان زبان دہلی کہلائی۔ جب اس کا نام شاہجہان آباد رکھا گیا۔ زبان کا نام بھی شہر کی نسبت سے قدرتاً زبان شاہجہان آباد ہو گیا۔ اسی طرح اردو کو بازار لشکر کہنا محل تامل ہے۔ اگرچہ مولنا سر سید اور میر امن کی تقلید میں ایسا فرما رہے ہیں۔ لیکن زبان کے تعلق میں اردو بمعنی لشکر زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ زبان کے معنوں میں اردو کا سب سے قدیم استعمال سراج الدین علی خان آرزو متوفی ۱۱۶۹ھ کے ہاں ملتا ہے۔ نوادر الالفاظ میں جو ان کی قدیم تالیفات سے ہے اس لفظ کی کئی مثالیں ملتی ہیں۔ مثلاً ایک موقعہ پر لکھتے ہیں:۔

"رجواڑہ بدین معنی اصطلاح شاہجہان آباد است بلکہ اہل اردو است کہ

این قسم اماکن اکثر در لشکر را جہا می باشند۔"

دوسرے موقعہ پر گزک کے سلسلے میں کہتے ہیں :۔

"لیکن گزک باصطلاح اہل اردو نوعی است از شیرینی کہ از کنجد و شکر سازند۔"

ایک اور جگہ فرماتے ہیں :۔

"نکتورہ در عرف اردو وغیرہ معنی حرف ناز و غرور است۔"

ایک مثال یہ ہے :۔

"لیکن ہڑپھنا بزبان اردو اہل شہر ہا نیست۔ شاید زبان قریات و مواضع باشد و بدین معنی نگلنا شہرت دارد۔"

ان چاروں فقروں میں اصطلاح شاہجہان آباد، اصطلاح اہل اردو، عرف اردو، زبان اردو اہل شہر ہا سے مراد یہی زبان ہے۔ میر تقی میر زبان اردوی معلیٰ، شاہجہان آباد دہلی، کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں :۔

" پوشیدہ نماند کہ در فن ریختہ کہ شعریست بزبان اردوی معلیٰ شاہجہان آباد دہلی، کتابی تا حال تصنیف نشدہ کہ احوال شاعران این فن بصفحۂ روزگار بماند۔"

نظم کی مثالیں مصحفی کے کلام سے :۔

البتہ مصحفی کو ہے ریختہ میں دعویٰ ‏ ‏ یعنی کہ ہے زباندان اردو کی وہ زباں کا

(دیگر)

خدا رکھے زباں ہم نے سنی ہے میر و مرزا کی ‏ ‏ کہیں کس منہ سے ہم اے مصحفی اردو ہماری ہے

اور محشر شاگرد میر درد ؎

گفتگو اردو زباں ہیں کوئی ہم سے سیکھ جائے
کیا ہوا دہلی میں محشر اپنی پیدائش نہیں

ص۱۸ قولہ :- سولھویں صدی عیسوی شیر شاہی عہد میں ملک محمد جالیسی ایک شاعر ہوا۔ اس نے پدماوت کی داستان نظم کی۔"

پدماوت جس کا اصل نسخہ بخط مصنف بہاولپور کے سرکاری کتب خانہ میں محفوظ ہے۔ ۹۴۷ھ/۱۵۴۰ء و ۹۵۲ھ/۱۵۴۵ء کے مابین کسی وقت تصنیف ہوتی ہے۔ اور شیر شاہ کے نام پر منسوب ہے۔ چنانچہ

سیر ساہ دہلی سلطانوں چارہوں کھنڈ تپی جس بھانوں

محمد جالیسی کی یہ ادبی یادگار پوربی زبان میں کوئی تنہا مثال نہیں ہے بلکہ اس سے قبل بھی مسلمان مصنفین اس تحریک میں حصہ لیتے رہے ہیں جالیسی سے بیس پچیس سال پہلے قطبن ایک عشقیہ افسانہ مرگاوتی تالیف کرتا ہے۔ جس میں چندرگیری کے راج کنوار اور کنچن نگر کی شہزادی کی داستانِ عشق نظم ہوئی ہے۔ مرگاوتی علاء الدین حسین شاہ والی بنگالہ ۸۹۹ھ/۱۴۹۳ء و ۹۲۵ھ/۱۵۱۸ء کے عہد میں لکھی جاتی ہے۔ شاعر اسکے واسطے لکھتا ہے :-

ساہ حسین آہے بڑ راجا چھتر سنگاسن ان کو ساجا
پنڈت اوبدھ ونت سیانا پڑھے پوران ارتھ سب جانا

قطبن کے مرشد شیخ بڈھن ہیں جن کے حق میں وہ لکھتا ہے :-

شیخ بڈھن ساچا پیرو نام لیت سدھ ہووے سریرو

ان دونوں تالیفوں سے زیادہ قدیم اور نادر ایک اور عشقیہ نظم ہے جو اسی علاقہ اور اسی زبان میں پندرھویں صدی عیسوی میں لکھی جاتی ہے۔ اس کے متعلق میری معلومات نہایت ناقص ہے۔ حتےٰ کہ مصنف کا نام تک معلوم

نہیں۔ میں نے اس کتاب کے پچاسی ورق دیکھے جن میں ایک طرف پورے صفحہ پر دکنی طرز کی تصویر اور دوسری طرف بے مثل خط نسخ میں کھلے کھلے اشعار لکھے ہوئے۔ اور خط ثلث میں بزبان فارسی سرخیاں۔ سب سے زیادہ قابل افسوس یہ امر تھا کہ تصاویر کی خاطر سے تصویر دار اوراق نکال کر کتاب کو ہمیشہ کے لئے تلف کر دیا گیا۔ مختلف سرخیوں سے اس قدر اندازہ ہوتا ہے کہ پوری کتاب کافی ضخیم ہوگی اور اس میں چار سو پانسو کے قریب اوراق ہوں گے۔ کتاب اگرچہ اودھ کے علاقہ میں تالیف ہوتی ہے مگر ایسا مکلف نسخہ دکن کے سوائے اور کہیں طیار نہیں ہوسکتا۔

اس نامعلوم کتاب کا دیباچہ ملک الامراملک مبارک ابن ملک بیان مقطع شق دلمئو کی مدح سے مزین ہے۔ ایک سرخی میں کسی امیر مسعود کا نام نظر آتا ہے یعنے "آمدن امیر مسعود نزدیک بتخانہ و استقبال آمدن خلق کیفیت باز نمودن۔" یہ امیر مسعود کون ہیں۔ میں نہیں جانتا۔ اکثر سرخیاں غلط فارسی میں لکھی ہیں جیسا کہ دکنی کا دستور ہے۔

اس نظم میں لورک اور چاندا کی عشقبازی کا افسانہ مرقوم ہے۔ مگر قصہ کے پلاٹ کا اندازہ ان منتشر اوراق سے نہیں لگایا جاسکتا۔ بعض سرخیاں یہ ہیں:۔

" ایضاً فی التوحید آفریدگار و صنعتہای عالم دنیاوی" ۔ " باز آمدن راو جھیتم از شکار و پرسیدن حجام را"۔ " آمدند گردون کشان رو کرنکا و پرسیدند برائے چاندا"۔ " عاشق شدن چاندا بمجرد دیدن لورکہ"۔ "گفتن لورک از پیش رائے کرنکاء احوال خود را"۔ " نام ونیشانی خیلخانۂ لورک گفتن سرجن پیش لورک را" " شیرین زبانی نمودن راو روپ چند رسولان را

وسلسلہ جنبانیدن زوجاندا طلبیدن "۔" دست بریدن بارکواتیان وشور کردن زکواتیان پیش کرنکا "۔" درروز رفتن مینان فروختن شیر وشناختن لورک طلب کردن وپرسیدن "۔" دشمن نمودن لورک درخت باکر را بریدن خواست براے سوختن جاندارا "۔" خبر کرد حجاب مرلورک ..... کسی زبان دادہ آمدہ است بازبیرون آمد "۔" دادن راوسواران وپیادگان اولورک تاکو ور رسانیدہ آیند "۔

ان سرخیوں میں کئی اور نام ملتے ہیں مثلاً سرجن۔ برسبت کھیلن۔ باون۔ برمادر۔ دیوہان وغیرہ۔ کتاب میں ایک بارہ ماسہ بھی شامل ہے۔ ماہ ساون واساڑھ اور بیساکھ کی سرخیاں علیحدہ علیحدہ آتی ہیں۔ ماہ بیساکھ کابیان اس شعر سے شروع ہوتا ہے :۔

ماںجھ اب آیو بیساکھو　　مدن بھونک نمانیں ساکھو

ص ۱۶ قولہ :۔ امیر خسرو جو کہ ۷۲۵ھ / ۱۳۲۵ء میں فوت ہوئے۔ ان کی ایک غزل نظم اردو کی تاریخ میں دیکھو جس کا پہلا مصرع ہے

ع زحال مسکین مکن تغافل وراے نیناں بناے بتیاں

اس سے تمہیں کچھ کچھ حال اس وقت کی زبان کا بھی معلوم ہوگا "۔

مجھے بسبب کثرت شہرت اس غزل کے نقل کرنے کی یہاں ضرورت نہیں۔ بارھویں صدی ہجری میں یہ ریختہ بالعموم حضرت امیر خسرو کی طرف منسوب ہے۔ سب سے قدیم سند پرتاب سنگھ ابن حکومت راے کی ہے۔ جو اپنی بیاض منقولہ سنہ ۹ جلوس محمد شاہی = ۱۱۳۹ھ / ۱۷۲۶ء میں یہ غزل امیر کی طرف منسوب کر رہا ہے۔ مگر شاہجہان کے عہد کی ایک اور بیاض کی رو سے۔ جس کو ۱۰۶۲ھ / ۱۶۵۱ء و ۱۰۶۷ھ / ۱۶۵۶ء میں جیل نغار لمیا کرتا ہے اور جس میں بعض نامعلوم

ریختے بھی درج ہیں۔ یہ ریختہ کسی شخص جعفر کی ملک بتایا گیا ہے۔ ریختۂ ہذا کا وزن جدید ہے نہ قدیم۔ اہل عروض کا بیان ہے کہ رودکی نے اس کے مربع وزن میں دو بیت لکھے ہیں ؎

گل بہاری بت تتاری   نبیذ داری چرا نیاری

لیکن اس وزن کے مثمن میں جس شخص نے پہلی مرتبہ قصیدہ لکھا۔ وہ خواجہ عصمت اللہ بخاری متوفی ۸۲۹ھ ہیں۔ اس قصیدہ کا مطلع ہے :-

زہی دو چشمت بخون مردم کشادہ تیر و کشیدہ خنجر
رخ چو ماہت صباح دولت خط سیاہت شب معنبر

اس سے ظاہر ہے کہ مفاعلاتن مثمن ایک مستحدث وزن ہے جو امیر خسرو اور ان کے عہد سے قبل رائج نہیں۔ جب فارسی میں یہ وزن رائج نہیں تو ہندی میں اس کا موجود ہونا اور بھی ناقابل قبول ہو جاتا ہے۔ جو لوگ اس ریختہ کو امیر کی طرف منسوب کرتے ہیں ان کی توجہ اس کے وزن کے مستحدث ہونے کی طرف منعطف نہیں ہوئی۔ میں تفصیلاً اس کے متعلق رسالہ اورینٹل کالج میگزین (بابت ماہ مئی ۱۹۳۹ء) میں بحث کر چکا ہوں ؎

ص۸۴ قولہ :- "عروض فارسی نے پہلا قدم ہندوستان میں رکھا۔"

گویا مولانا کی راے میں مذکورۂ بالا غزل کی بنا پر ہندی زبان میں فارسی عروضی اوزان کا استعمال امیر خسرو کے عہد سے شروع ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ امر واقعہ نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس عہد سے دو ڈھائی صدی بعد تک فارسی اوزان ہندی میں رائج نہیں ہوئے تھے۔ البتہ جمالی کے بعض ریختے ان اوزان میں ہیں مگر یہ شاہ علیجیو گام دھنی متوفی ۹۷۳ھ کا دیوان ہے۔ جس میں شاید پہلی مرتبہ بحر ہزج و بحر رجز مربع لائی گئی ہیں۔

مثال ہزج :-

نبولو بول کچہ کاچو جو لاگے پیار تم ساچو تمنہ بھی اینو ہی ناچو

مثال رجز مربع :-

یہ جیو تو رہتا نہیں ہور من دوکھ سہتا نہیں
کو جاے پیو کہتا نہیں رسے بھائیو ہوں سوں کس ول

ایک فارسی وزن جو قدیم زمانہ سے ہندی میں مقبول ہے مضارع اخرب مثمن مفعولُ فاعلاتن مفعولُ فاعلاتن ہے۔ ہندی والے اس وزن کو ریختہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ بعض ریختہ کبیر کی طرف بھی منسوب ہیں۔ ہندی اوزان کی کوتاہ دامنی کی بناپر مسلمان ہندی کے میدان میں فارسی عروضی اوزان کے اختیار کرنے پر مجبور ہوئے۔ چنانچہ محمد قلی قطب شاہ ۹۸۹ھ و ۱۰۲۰ھ نے سب سے اوّل اپنا کلیات فارسی اوزان کے مطابق مرتب کیا ۔

(باقی دارد) محمود شیرانی

ابن الفوطی مؤرخ العراق

عنوان بالا کے ساتھ ایک مختصر مضمون عربی کے پندرہ روزہ سالہ[1] المستمع العربی میں جو برٹش براڈکاسٹنگ کورپوریشن کی طرف سے لنڈن سے شایع ہوتا ہے چھاپا گیا ہے۔ مضمون مذکور میں استاد محمد رضا الشبیبی (وزیر معارف عراق) کے ایک لیکچر پر تبصرہ ہے۔ جو انہوں نے گذشتہ سال بغداد میں اہل علم کے ایک جلسے میں ابن الفوطی پر دیا اور بعد میں اسے ایک رسالے کی شکل میں شایع کیا۔ لیکچر میں انہوں نے ابن الفوطی کے حالات زندگی اور تصانیف کو بیان کیا ہے اور تبصرہ کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس میں سب وہی باتیں بیان ہوئی ہیں۔ جن کو میں اپنے مضمون بعنوان "علامہ ابن الفوطی" میں جو مئی ۱۹۳۵ء کے اورینٹل کالج میگزین میں شایع ہوا تھا لکھ چکا ہوں ؛

لیکچر مذکور میں ابن الفوطی کی سینکڑوں کتابوں کے تلف ہو جانے پر اظہار افسوس کیا گیا ہے اور پھر کہا ہے کہ ان میں سے اس وقت صرف "الحوادث الجامعہ" باقی ہے۔ جو حال ہی میں بغداد میں چھاپی گئی ہے یا ایک اور کتاب "تلخیص مجمع الآداب" کی ایک جلد ہے جو مصنّف کی خود نوشتہ ہے۔ اور دار الکتب الظاہریہ (دمشق) میں محفوظ ہے ؛

---

[1] مورخہ ۲۱ر فروری ۱۹۴۱ء ؛

افسوس ہے۔ کہ اردو کی مطبوعات اور رسالے نہ ہندوستان سے
باہر پڑھے اور سمجھے جاتے ہیں اور نہ انہیں کوئی اہمیت دی جاتی ہے۔
میں نے اپنے مضمون میں نہ صرف ابن الفوطی کے حالاتِ زندگی اور تصانیف
کے متعلق پوری تفصیلات دے دی تھیں۔ بلکہ بعض ایسی باتیں بھی لکھی تھیں
ولیکچرر مذکور کے علم میں نہیں ہیں۔ مثلاً ایک اطلاع میں نے یہ دی تھی۔ کہ
تلخیص مجمع الآداب کی ایک اور جلد بھی موجود ہے۔ جو مصنف کی
دنوشتہ ہے۔ اور جو اس وقت محترمی پرنسپل محمد شفیع صاحب کے کتابخانے
ں ہے[1]۔ الحوادث الجامعہ پر میں نے ایک مضمون فروری ۱۹۳۲ء
کے اورینٹل کالج میگزین میں لکھا تھا۔ جس میں میں نے ثابت کیا تھا۔ کہ یہ
اب نہ ابن الفوطی کی تصنیف ہے اور نہ وہ الحوادث الجامعہ ہے
ن بظاہر ان میں سے کوئی بات فاضل لیکچرر کے نوٹس میں نہیں آئی ؛
ابن الفوطی تو خیر اتنی بڑی شہرت کے مالک نہیں ہیں۔ کہ ان پر لکھے
ئے مضامین کو لوگ خاطر میں لائیں۔ افسوس یہ ہے۔ کہ اردو کے و
ضامین بھی جو ادبی نظریوں میں انقلاب پیدا کرنے والے تھے۔ اہلِ علم کی
ے اعتنائی اور تغافل کی بدولت سپردِ نسیان ہو چکے ہیں۔ اب سے بیس برس
لے زبان اردو کے نامور محقق پروفیسر شیرانی نے رسالہ اردو میں اس قسم کے
ضامین لکھ کر زالے اور نئے نظریے پیش کئے اور ان کو پایۂ ثبوت تک
ہنچایا۔ مثلاً ایک مضمون میں انہوں نے حتمی طور پر یہ ثابت کیا تھا کہ مثنوی
ف وزلیخا فردوسی کی تصنیف نہیں ہے اور نہ سلطان محمود کی ہجو اس کی
یف ہے۔ مضامین مذکور کو پڑھ کر ان کے نظریے کی صداقت میں کوئی شک

---

[1] اس وقت وہ بالتساط اورینٹل کالج میگزین میں چھپ رہی ہے۔

باقی نہیں رہ جاتا۔ لیکن ابھی تک یورپ اور ایران میں فردوسی کے سوانح نگار ان مضامین کی کامل لاعلمی میں وہی پرانا عقیدہ دہرائے چلے جا رہے ہیں۔ کہ شاہنامہ ختم کرنے کے بعد اس نے یوسف و زلیخا لکھی اور غزنی سے چلتے وقت سلطان کی ہجو کہی۔ اس قسم کی پچاسوں مثالیں اور ہیں۔ اگر یہی مضامین انگریزی میں لکھے جاتے تو دُنیا بھر میں ان کی اشاعت ہو جاتی ۰

محمدؐ اقبال

شرفاً ومجداً یا بنی العباس ... بالطاهر بن الطاهر الفراس

.... قطب الدین مولنا الذی ... ملک الوری باللطف والایناس

مولی اذا لاذ الفقیر ببابه ... امنت یداه سطوة الافلاس

منها :-

جبلت قلوب العالمین محبة ... فکانما ارتضعوا هواه بکاس

(۵۱۶) **مجد الدین** ابو الفضل **محمد** بن تاج الدین ابی الغنائم محمد بن فخر الدین ابی علی یحیی بن هبة الله العلوی الحسینی الفقیه

(۵۱۷) **مجد الدین** ابو علی **محمد** بن ابی الفرج محمد بن یعقوب الجلاجلی[1] التبریزی الفقیه

قرأت بخطه :-

هو الحر اخلاقاً وبراً وشیمة ... وعقلاً وخیر القوم من اوتی العقلا

تراه طلیقاً وجهه متهللاً ... کأن صقیلاً فی عوارضه یجلی

(۵۱۸) **مجد الدین محمد** بن شرف الدولة - اسمه سالم ابن علی بن حسان بن علم بن مسافر المنصوری البغدادی المتأدب

لما رجع الحجاج صحبة والدة الامام المستعصم بالله سنة اثنتین واربعین وستمائة ،

نظم مجد الدین بن مسافر :-

لقد عم آفاق البلاد سرور ... وصحت امانی للوری ونذور

[1] قال یاقوت : جلاجل جبل من جبال الدهناء ، واما توضیح النسبة المذکورة ههنا فلا نستطیعه ۔

فی ابیاتٍ ؛

(۵۱۹) مجد الدین ابو المحامد **محمّد بن مسعود** بن الحسن الخوارزمی الجعفریُّ الادیب

کان من الائمّة المعدودین والافراد المشهورین روی عنه شهاب الدین محمّد بن ابی بکر بن ابی اللیث الدّاوریّ[1] ، روی لنا عنه شیخنا العلّامة الکامل برهان الدین محمّد[2] بن محمّد النسفیّ ؛

(۵۲۰) مجد الدین ابو عبد الله **محمّد بن مسعود** ابن عبد الله الزِیادیُّ القاضی

کان من القضاة العلماء ، وکان حافظاً لنکت الاخبار ونُتَف الآثار ، من ذلک : قال عمر بن عبد العزیز لرجلٍ اغضبهُ : واللهِ لولا انّک اغضبتنی لعاقبتُک ؛ وقال : سبّ رجلٌ رجلاً بحضرة الحسن فلمّا فرغ قام المسبوب و هو یمسح العَرَقَ عن وجهه ، ویقرأ " وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِکَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ[3] " فقال الحسن : عقلها واللهِ وفهمها اذ ضیّعها الجاهلون ؛

(۵۲۱) مجد الدین ابو سعد **محمّد** بن ابی المفاخر یُعرفُ بغُزّ الخالدیُّ التبریزیُّ الامیر الرئیس

---

[1] داور ولایة واسعة مجاورة لولایت لبست والغور ؛ [2] المتوفی سنة ۷۸۶ھ ! راجع لترجمته تاریخ العراق (۱ : ۳۲۳) ، [3] سورة الشوری (۴۲) الآیة (۴۳) ؛

كان اميراً زاهداً كريم النفس شريف الهمّة محبّاً للعلم والعلماء، انشأ مدرسةً جميلةً مجاورةً جامع تبريز، ولها الى الجامع ابواب مفتّحةٌ وقفها على اصحاب الامام الشافعيّ وسكنها جماعة من الفقهاء المحصّلين وكنت قد رأيتها وسكنتها ايّامًا، وانفذ لى كسوةً و دراهم على يد مدرّسها اصيل الدين النخجوانيّ، ومجد الدين هو جدّ نصير الدين بن سعد الدين بن مجد الدين وسيأتى ذكره ان شاء الله العزيز؛

(۵۲۲) **مجد الدين** ابو عبد الله محمّد بن ابى العزّ منصور بن جَمِيل الجُبّيّ صاحب المخزن

ذكره محبّ الدين محمّد بن النجّار فى تاريخه، و قال: ولد بالجُبّة من اعمال هِيت، وقدِم بغداد وقرأ بها الادب حتّى برع فى النحو واللغة والحساب وكان مقبول الشكل، مدح الامام الناصر، ورتّب كاتبًا فى ديوان الزكاة ثمّ ولِىَ صَدرِيّة المخزن سنة خمس وستّمائة، و كان كاتبًا بليغًا مليح الخطّ غزير الفضل، كتبت شعره فى كتاب نظم الدرر الناصعة وتوفّى فى منتصف شعبان سنة ستّ عشرة وستّمائة؛

(۵۲۳) **مجد الدين** ابو مَهدِىّ محمّد بن مَهدِىّ بن عُمَير الباذِبينيّ[1] المحدّث

---

[1] باذبين بلدة كبيرة تحت واسط؛

كان شيخاً متواضعاً كثير العبادة والمعروف، واسند عن عائشة رضى الله عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اطلبوا الخير - او قال: العرف - عند حسان الوجوه؛ قال الزهري: ان النبي صلى الله عليه وسلم ما غنى الصباحة وركن عنى التهلل عند قضاء الحاجة، وانشد:—

وجهك الوجه لو يسال به المـزن من الحسن والجمال استهلا

وانشد:—

دل على معروفه وجهه | بورك هذا هاديا من دليل

(٣٢٥٢) مجد الدين ابو عبدالله محمد بن ميكائيل ابن احمد بن راشد بن الحسن الموصلي الفقيه الفرضي كان من ادباء الزمان وعلمائه وفقهاء العصر و فضلائه، تأدب على الشيخ شمس الدين ابن الخباز[1] النحوي وقرأ الاصول على كمال الدين موسى بن يونس، واجاز لنا من الموصل على يد رفيقنا شمس الدين ابي العلاء الفرضي البخاري، وانشد له تقي الدين علي بن ابي العلاء بن ابي غالب البلدي في كتاب اخبار الادباء[2]

وبلدة سوء بها حاكم | يطول العناء لتقصيره
اذا اخطأ الشرع في حكمه | تداركه بمعاذيره

---

[1] هو احمد بن الحسين المتوفى سنة ٦٣٠م؛ وترجمته في بغية الوعاة ص ١٣١؛

[2] في كشف الظنون (١: ٢٠) ذكر اخبار الادباء لابن الساعي فحسب؛

يزيد ثراءً على نقصه كما زيد الاسم بتصغيره

وتوفي[1] في شوّال سنة ثمانين وستّمائة، ودُفن في قبر ابن الخبّاز ظاهر باب العمادي، ومولده في المحرّم سنة الاثنتين وستّمائة،

(۵۲۵) **مجد الدين** ابو عبد الله محمّد بن ناصر بن محمّد العثماني الكاشاني[2] السيّد بلاني[3] الفقيه [٩٨/٩٥a]

ذكره صاحبنا شمس الدين ابو العلاء الفرضي[4] البخاري[5] وقال، كان رجلاً فاضلاً عالماً، سمعت بقراءته على الشيخ العلّامة فخر الدين ابي عبد الله محمّد[6] ابن محمّد بن الياس المايمرغي في شهر ربيع الآخر سنة سبعين وستّمائة بالمدرسة المقنداتيّة بمحلّة كلاباذ من مدينة بخارا؛

(۵۲۶) **مجد الدين** ابو عبد الله محمّد بن هبة الله بن عبد الله بن ترجم الحسيني النقيب

من بيت السيادة والنقابة والفضل والعبادة، قرأت بخطّه،

---

[1] كذا ذكره السيوطي ايضاً في ترجمة مختصرة له في البغية (ص ۱۰۹)

[2] يريد مدفنه؛ [3] كاسان مدينة كبيرة في اوّل بلاد تركستان؛ معجم البلدان (۴: ۲۲۷) [4] لم نقف على ما يوضح النسبة بعد. [5] محمد بن محمد بن الياس المايمرغي منسوب الى مايمرغ قرية كبيرة على طريق بخارا، وهو تلميذ الكردري، ذكره عبد القادر القرشي في الجواهر المضيئة (۲: ۱۱۵) ومولانا عبد الحي في الفوائد البهية (ص ۱۸۶)؛

قال : دخل السّرِیّ[۱] الموصلی مجلس رجلٍ جلیل من بنی العبّاس ، وقد امر بضرب خادمٍ له فانشده :-

اذا عُصِیتَ فلا تعجل بسیّئةٍ   فالعفو شأنکم یا آل عبّاس
وکُن صفوحًا فانّ الصفح منقبةٌ   اذکی من الورد غبّ القطر والآس
فانّما الحمد منّا والثواب غدًا   لکاظم الغیظ والعافی عن الناس

فعفا عنه ؛

۵۲۷) مجد الدین ابو الفضائل محمّد بن هبة الله ابن محمّد بن طلحة الواسطیّ المعدّل

کان من العدول الثقات العارفین بمقادیر الناس ، وکان یحفظ الکتاب الذی کتبه المنصور الی عمّه عبد الله بن علیّ ، ومنه : امّا بعد فانّی نظرت فی امرک وما رکبتَ من نفسک ورحمک وخاصّتک وعامّتک رکذا، فلم اجد لذلک مثل مدافعة قطیعتک بالصلة ومباعدتک بالمقاربة وکثرة ذنوبک بقلّة التثریب ووجدت ذلک ادب الله وامره فانّه قال : اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ کَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ[۲] ؛

۵۲۸) مجد الدین ابو الحسن محمّد بن یحیی بن الحسین بن عبد الکریم العجلی الکرجیّ ـ نزیل قزوین ـ الفقیه الادیب

---

[۱] هو سریّ بن احمد الرّفاء الموصلیّ المتوفّی سنة نیف وستّین وثلثمائة ، انظر ترجمته فی الوفیات (۱ : ۲۰۱ ـ ۲۰۲) وذیل بروکلمن (۱ : ۱۴۴) والمصادر التی ذکرها ؛ [۲] سورة حٰمٓ السجدة (۴۱) الآیة ۳۴ ؛

شيخ فاضل عالم كامل، قدم بغداد ايام الصاحب صدر الدين احمد[1] بن عبدالرزاق الخالدي سنة ثمان وتسعين و ستمائة، ودخل الى خزانة كتب المدرسة المستنصرية[2] وكتب لي الاجازة بجميع مسموعاته ومروياته، ورأيت له في مدائح الصاحب السعيد سعدالدين محمد[3] ابن علي الساوي هذه القصيدة :—

ياسعد انك اهل الفضل والكرم	افضت نعماك في الدنيا على الامم
العدل نور ونور الخلق ظلمتهم	قبيل نورك كان الناس في الظلم
لاتحرمن امرءاً حاجاته عرضت	عليك، قم بامور الناس واغتنم
ان ابتليت بشيء انت تكرهه	فثق برب قدير بارئ النسم

توفي في شعبان سنة اربع وسبعمائة، ومولده في شعبان سنة ثلاث عشرة وستمائة،

(٥٢٩) مجدالدين ابوالفضل محمد بن يحيى بن صدقة البغدادي الكاتب.

كان من اكابر الكتاب وافاضلهم، اشتغل في صباه بالعلوم الادبية على شيخنا رضي الدين محمد بن الحسن الصغاني، وله رسائل واشعار، وهو من بيت الوزارة والتقدم والرياسة، روى لنا عنه شيخنا مجدالدين الفضل بن يحيى الطيبي الكاتب، وانشد في له :—

---

[1] المتوفى سنة ٦٩٩ م؛ وترجمته في دستور الوزراء لخواندامير ص ٣٠٥-٣١٢، [2] المقتول سنة ٧١١ م؛ انظر تاريخ العراق (٤٢٣:١)، [3] تقدم ذكره في الترجمة ٢٨١ ايضاً؛

[انّی لأقنع بالیسیر تعفّفا   منّی وازهد فی الکثیر ترفّعا]

وکانت وفاته سنة احدی وسبعین وستّمائة

ومولده سنة تسع وستّمائة ؛

(٥٣٠) مجد الشرف ابو عبد الله محمّد بن یحیی ابن عبد الله العلوی الکوفی النقیب

من السادات النقباء ، قرأت بخطّه :-

وربّ اشارة عادت کلامًا   وصوت لا یُعدّ من الکلام

(٥٣١) مجد الدین ابو الفتح محمّد بن تاج الدین ابی منصور یحیی بن المظفّر بن مجد الدین عمر[1] النقیب العلوی الاشتری الکاتب

ذکره شیخنا جمال الدین ابن المهنّا فی المشجّر ، و قال : حفظ القرآن الکریم فی صباه وتأدّب وتمیّز وتصرّف فی الاعمال الدیوانیّة ، ثمّ تاب عن اعمال الدیوان وعکف علی الزهادة والصلاح وقراءة القرآن ، وکان یلوح علیه سیماء الشرف وقاعدة السلف ، وهو عذب المفاکهة حلو المذاکرة ، وعنده کرم وفضل ومروّة ؛

(٥٣٢) مجد الدین ابو العزّ محمّد بن زین الدین یوسف بن محمّد بن عبد الحمید المالکی القزوینی القاضی

من البیت المعروف بالقضاء والحکم والمعرفة والعلم ، قرأت بخطّه : قال النبیّ صلّی الله علیه وسلّم : اِتّقوا

---

[1] بیاض بالاصل ونقلناه ممّا تقدّم ثمّ تقدّم ذکره مجد الدین عمر فی الترجمة ١١٣ ؛

فراسة المؤمن فانّه ينظر بنور الله، ثمّ قرأ :
إنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيَاتٍ لِلْمُتَوَسِّمِينَ[1]؛ وفی روایة: احذروا
دعوة المؤمن وفراسته فانّه ينظر بنور الله وبتوفيق
الله ؛

(۵۳۳) مجد الدین ابوطاهر محمود بن احمد بن عبد المحسن الطبرستانیّ الفقیه

كان من الفقهاء العلماء، والادباء الفضلاء المعروفين
بالمعارف الدينيّة والتفسير، وحفظ الاخبار والآثار
والتذكير؛ انشد فی مجلس له :-

اذا كان دونی من بُليتُ بجهله
اَبَيْتُ لنفسی ان اُقابل بالجهل
وان كان مثلی فی محلّی من النهیٰ
اخذتُ بحلمی كَیْ اُجَلّ عن المثل
وان كنت ادنیٰ منه فی الفضل والحجیٰ
عرفت له حقّ التقدّم والفضل

(۵۳۴) مجد الدین ابوبكر محمود بن اسماعيل بن حامد بن كاكله الكاكلیّ الاردبيلیّ القاضی

(۵۳۵) مجد الدین ابوالثناء محمود بن اسماعيل بن محمود البيضاویّ الفقيه

كان فقيهاً عابداً عارفاً بعلم التفسير، قال فی قوله تعالیٰ

---

[1] سورة الحجر (۱۵) الآية (۷۵) ؛

"وَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِيْنَ"، اِنّ المخلوق يرزق واذا سخط قطع
رزقہ، والخالق تعالیٰ يرزق ويسخط فلا يقطع الرزق،
ويقول عزّ من قائل: وَمَا اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْئٍ فَهُوَ
يُخْلِفُهٗ وَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِيْنَ[1]

(۵۳۶) مجدالدين ابومنصور محمود بن ابی بکر
ابن ابی القاسم التُّسْتَرِیُّ الخطيب

[95 b / 96 a]

من خطبۃٍ لہٗ: والحمد للہ الذی بوّأ اميرالمؤمنين
مَبَوّأ انبيائہ الطاهرين من الخلافۃ التی قادت الیٰ
طاعتہ قيادَ كُلِّ مُضمِرٍ عِنادہ ومُسِرٍّ خلافہ واَحلّہ
من شرف الامامۃ المكرّمۃ محلًّا تخرّ العزّتہ الجبال
سجّدًا، وتدين لہ الانام طاعۃً وتعبّدًا، وحازلہٗ من
ميراث النبوّۃ فخرًا جذبتہ اليہ جواذب شرفہ و
نزاعہ وازمّۃ ارتياحہ والطلاعہ، حتّی ادرك من ذلك
مناہ والقی للاستقرار الّذی لا يريم عصاہ؛

(۵۳۷) مجدالدين ابوسعد محمود بن ابی الفتوح
ابن زرقان التبريزیُّ

(۵۳۸) مجدالدين ابوالفضل محمود بن محمّد بن
احمد - يُعرف بكلاغ - النخجوانیُّ المحتسب

كان عالمًا بالفقہ شديدالوطاۃ علی المُطَفِّفِيْنَ الَّذِيْنَ
اِذَا اكْتَالُوْا عَلَی النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ

---

[1] سورۃ السبا (۳۴) الآيۃ ۳۹؛

يُخسِرُونَ ، ويستعمل فيهم القيام التام ولا تأخذه فيهم لومة اللوّام ؛

(٥٣٩) مجدُ الدِّين محمود بن محمّد بن ابی بکر السمرقندیُّ الفقیه

سمع کتاب فضائل القرآن لابی عبید القاسم بن سلّام البغدادیّ علی شیخنا العدل رشید الدین محمّد ابن ابی القاسم المقری فی ذی القعدة سنة تسع وتسعین وستّمائة ؛

(٥٤٠) مجد الدین ابو الفضل محمود بن المؤیّد بن الموفّق البُلاتیّ الخوارزمیّ الفقیه

سمع الاحادیث الثمانیات من مسموعات الشیخ الحافظ رضیّ الدین ابی المعالی عبد المنعم بن عبد الله بن محمّد ابن الفضل الفراویّ الصاعدیّ علی الشیخ الحافظ رشید الدّین ابی الفضائل محمّد بن ابی بکر احمد بن ابراهیم الخالدیّ الشَبَکَنی سنة اربعین وستّمائة علی روایته عن نجم [الدین] الکبراء الخیوقی عن رضی الدین الفراوی ؛

(٥٤١) مجدُ الدولة ابو سَلامة[١] مُرشِد بن سدید الملك علیّ بن مُنقِذ الکنانیّ الشیزریّ الامیر الشاعر

ذکره الرشید بن الزبیر الاسوانیّ فی کتاب جنان الجنان

---

[١] کذا فی الاصل والمشهور فی کنیته هو ابو اسامة وقد تقدّم ذکر ولده مجد الدین اسامة ، توفی مجد الدولة مرشد سنة ٥٣١ھ ، انظر الوفیات ترجمة ولده اسامة ؛

ورياض الاذهان بعد والده، وقال: مجد الدولة سيفها هو فرع ذلك الغصن الناضر وجدول ذلك البحر الزاخر، و ممّن قال فى مثله الشاعر:-

جمعوا الرئاسة والحظوظ فاصبحوا
جمعوا جدودًا فى العلى وجدودا

وانشد له من شعره:-

حكم الزمان فجار فى احكامه	ورمى فاصمى مهجتى بسهامه
وغدا يهدّد بالحمام اما درى	انّ الفراق امرّ من اقسامه
يلقى المفارق كلّ يوم ميتةً	والميت لا يدرى بطعم حمامه

(٥٤٢) مجد الدين ابو الخير مسعود بن الحسين بن علىّ بن بندار اليزدىّ الفقيه القاضى

ذكره القاضى تاج الدين يحيى بن القاسم التكريتىّ فى تاريخه، وقال: كان شيخًا لطيفًا فيه دعابة، وكان يدرّس بالمدرسة الغياثيّة، وبعث رسولًا من الديوان فى ايّام المستنجد فتوفّى المستنجد فلزم مكانه بالموصل وتوفّى بها سنة احدى وسبعين وخمسمائة.

(٥٤٣) مجد الدين ابو العلاء مسعود بن سعيد بن عبد الواحد الاصفهانىّ المحدّث

روى عن عمر رضى الله عنه انّه قال: لم يعط عبد بعد كفر بالله شيئًا شرًّا من امرءة حديدة اللسان سيّئة الخلق، ولم يعط عبد بعد الايمان بالله شيئًا خيرًا من امرءة ودودة

وَلودٍ؛ قال رسول الله صلی الله علیہ وسلّم: إنَّ مُنهن غُنماً لا یُجذٰی مِنهُ ومِنهن غِلاً لا یغدٰی منه؛

(۵۴۴) **مجدالدین** ابوالفتح مسعود بن محمّد بن عبدالسلام الاهنکرانیّ الامام الفاضل

کان من اکابر الائمّة ببخارا، وحجّ سنة ثلاثین و ستّمائةٍ، وتوفی بطریق الحجّ ودُفِن بنجد، ورثاه الامام ناصر الدین احمد بن رکن الدین مسعود المعروف بامام زاده البخاریّ

[بقوله :-]

افنیٰ جلدیي من الزرای الوجد مدفونُ ضریحٍ بنواحی نجد
یبکی لذهاب مائه الشرع دمًا والدین ینوح من فراق المجد

(۵۴۵) **مجدالدین** ابوالمجد معالی بن عبدالله بن احمد الحربیُّ الفقیه

کان فقیهًا فاضلاً، انشد :-

إنْ یکن عاقك عن ا نجاز ما أسلفت خَطْبُ
فتأوّل فی کتاب اللّٰهِ مِمّا تستحِبُّ
لن ینال البرّ الّا منفق ممّا یحبُّ

(۵۴۶) **مجدالدین** ابوالطلیق معتوق بن ابی بکر بن عدلان المظفّری الصوفیّ

قدِم بغداد وسمع تاریخ محمّد بن سعید الدُبَیثیّ علیٰ مصنّفه العدل جمال الدین ابی عبدالله بقراءة الامام

محی الدین ابی القاسم محمد[1] بن محمد بن ابراهیم بن
سراقة الشاطبی سنة خمس وعشرین وستمائة؛

(٥٤٧) **مجد الدین** ابو الغنائم المُعَمَّر بن جلال الدین
محمد بن المعمر بن حیدرة - یعرف بابن الطاهر -
الحسینی العُبَیدلی الکاتب

کتب الی بعض اصحابه :-

تذکرت من ایامه الغرّ ما حبا ... دموعی سطر الخط من صوب قطرها
وقد کان وجدی کامنًا فی حشاشتی ... فاظهره ما عن من طیب ذکرها

(٥٤٨) **مجد[2] الوزراء** الامین ابو الفتح منصور بن الامین احمد
ابن الامین احمد بن دارست بن ابی الفتح الشیرازی الوزیر
ذکره ابو الحسن بن الهمذانی فی تاریخه، وقال: وزر
للامام القائم بامر الله فی النصف من شهر ربیع الآخر سنة
ثلاث وخمسین واربعمائة، وخلع علیه، ورکب بغلة
بمرکب مغموس، ووضع بین یدیه دواة محلاة بالفضة
محسنة بالذهب، قال: ولما جلس فی منصب الوزارة
دخل الیه ابو الحسن الخباز فاستنشده، فانشده ابیاتًا
اولها :-

امن الملک بالامین ابی الفتح وصدت عن صفوة الاقذاء
وذکره نظام الدین محمد بن الحسین، فقال: لم یکن

---

[1] المتوفی ٦٦٢ھ بالقاهرة انظر ترجمته فی الوافی بالوفیات ر (٢٠٨:١) [2] انظر ترجمته فی تاریخ الکامل (٩: ٥٩٩) حوادث سنة ٤٥٣ھ - ٤٥٥ھ ودستور الوزراء (ص ٢٠٣ وما بعدها) وذکر اسمه منصور بن دارست

اهلاً للوزارة ، وكرِهه السلطان طغرلبك ووزيره عميد الملك مكان استنجد امه فصرف فى ذى الحجّة سنة اربع وخمسين واربعمائة ، وتوفى بالاهواز فى شعبان سنة سبع وستّين واربعمائة ؛

(٥٤٩) **مجد الدين** ابو عبد الله منصور بن يوسف بن عبد الله الاردبيليّ الفقيه

كان فقيهًا حافظًا ، حدّث ، قال : قال عبد الملك بن مروان لعمر بن عبد العزيز بن مروان : كيف نفقتك يا ابا حفص ؟ فقال : يا امير المؤمنين ! الحسنة بين السيّئتين ؛ قال : وكيف ؟ قال : لقول الله تعالى : وَالَّذِينَ إِذَا أَنفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَٰلِكَ قَوَامًا ؛[1]

(٥٥٠) **مجد الدين** ابو محمّد موسى بن قاضى خفتيان عبد العزيز بن محمّد العُمَرىّ الخفتيانىّ الكاتب [٩١٤ / ٩٦٨]

كان كاتبًا سديدًا عارفًا بالحساب وضبط الممالك ، وله معرفة تامّة بتدبير الاعمال ومعرفة العمّال ، قدم علينا مراغة سنة خمس وستّين وستمائة ، وقد تقدّم ذكر ابيه بهاء الدين ، وكان مجد الدين قد اشتغل وتأدّب ؛

(٥٥١) **مجد الدين** ابو سعد ناجية بن سعد بن ناجية العُرضىّ الصوفى

---

[1] سورة الفرقان (٢٥) الآية (٦٧) ؛

ذکرہ الحافظ ابوطاہر السِلَفیؒ، وقال فی کتاب معجم السفر[1] رأیتہ بالسخنۃ وھی مدینۃ صغیرۃ من المناظر فی طریق دِمَشق، سَمِعَ ابا القاسم الدِمشقیؒ[2] انشد:-

یا آل الکرام نداءً من اخی ثقۃٍ　　تطویہ نحوک اشواق وتنشرہُ

ما اختار بعدک لکن للزمان یدٌ　　علی خلاف الذی تھواہ تجبرہُ

۵۵۲) مجدالدین ابوالمعالی نصر بن عبداللہ بن احمد الحربیؒ الادیب

سمع معنا الاحادیث الثلاثیات علی شیخنا الصاحب محی الدین یوسف بن الجوزی بالمدرسۃ البشیریۃ فی رجب سنۃ ثلاث وخمسین وستمائۃ بقراءۃ الصاحب محی الدین علی الامام المستعصم باللہ امیر المؤمنین؛

۵۵۳) مجدالشرف ابوالفتح نصراللہ بن ھبۃ اللہ بن عبداللہ بن صالح الھاشمیؒ

سمع صحیح البخاری من ابی الوقت عبدالاول بن عیسیٰ بقراءۃ العدل ابی الفضل احمد[3] بن صالح بن شافع الجیلی سنۃ اثنتین وخمسین وخمسمائۃ؛

۵۵۴) مجدالدین ابوعبداللہ نوفل بن محمد بن دھجان البصریؒ الطبیب الادیب

---

[1] یرید الحافظ ابا القاسم علیؒ بن الحسن بن ھبۃ اللہ ابن عساکر المتوفی سنۃ ۵۷۱ھ؛
[2] م ۵۵۳ھ؛　　[3] المتوفی سنۃ ۵۶۵ھ، الشذرات (۴: ۲۱۵)؛

له شعر فی الملك عبد العزیز بن جعفر النیسابوری[1]، و
کان طبیباً حاذقاً له معرفة بالمزاج والعلاج، قراءت
بخطه فی رسالة کتبها لبعض تلامیذه: قال جالینوس:
ما دخل الرمان جوفاً قط فاسداً الّا اصلحه، وما دخل
التمر جوفاً قط صالحاً الّا افسده، وقال بقراط: الجسد کله
یعالج جملة علی خمسة اضرب، ما فی الرأس بالغرغرة،
وما فی المعدة بالقئ، وما فی اسفل المعدة باسهال البطن
وما بین الجلدین بالعرق، وما فی داخل العروق باخراج
الدم ؛

(٥٥٥) مجد الدین ابو الولید هاشم بن شعبان بن محمود الحصینی[2] الفقیه الصوفی

ذکره الحافظ ابو طاهر السلفی فی کتابه، وقال:
اجتمعت به بالحصین علی نهر خابور، روی لنا عن
ابی السهل خلف بن ناشب[3] الحصینی عن ابی بکر بن
القعقاع، وکان من اهل الولایة والکرامة، وقبره
یزار بالحُصَین ؛

---

[1] کان قد تولی شحمنکیة واسط والبصرة وتوفی سنة ٦٧٢هـ ببغداد؛
انظر ترجمته فی تاریخ العراق (١: ٢٧٨) والحوادث الجامعة ،
[2] ذکره صاحب المعجم فی الکلام علی الحُصَین نقلاً من الحافظ ابی طاهر؛ وقال انه ذوبر
وهو خطیب بلدته؛ [3] فی معجم البلدان: ثابت ؛

(۵۵۶) **مجد الدین** ابو المظفر هبة الله بن کمال الدین
ابی طالب احمد بن ابی القاسم جعفر بن ابی الحسین
ابن مدرک الازدی الحلی الکاتب

قد تقدم ذکر والده وهو من البیت الجلیل والاصل الطاهر الاصیل ؛

(۵۵۷) **مجد الدین** ابو القاسم هبة الله بن ابی علی
الحسن بن ابی سعد[1] المظفر بن الحسن بن احمد بن
یزید الهمذانی الفقیه

ذکره الحافظ محمد بن سعید بن الدبیثی فی تاریخه وقال : یعرف بالسبط ، والسبط هو جده المظفر کان سبطاً لابی بکر احمد[2] بن علی بن لؤلؤ الفقیه الشافعی ، سمع ببغداد من ابی القاسم بن الحصین وطبقته ، وتوفی فی المحرم[3] سنة ثمان وتسعین وخمسمائة ، ومولده سنة عشر وخمسمائة ؛

(۵۵۸) **مجد الدین** ابو الغنائم هبة الله بن خمیس
ابن علی بن النفیس العلوی الواسطی النقیب بواسط

ذکره شیخنا تاج الدین فی تاریخه ، وقال : رتبه النقیب الطاهر علم الدین اسماعیل بن المختار ، وکتب له عهده من انشاء عز الدین ابی الفضل بن الوزیر مؤید الدین

---

[1] فی الشذرات : ابی سعید ، [2] المعروف بابن لؤلؤ توفی سنة ۵۳۹ ؛ انظر ترجمته فی دائرة المعارف للبستانی مادة ابن لؤلؤ ؛ [3] ذکره ابن العماد ایضاً فی الشذرات ؛

ابن العلقمی فی ذی القعدۃ سنۃ اثنتین وخمسین و
ستمائۃ ؛

(۵۵۹) **مجد الدین** ابو القاسم هبۃ اللّٰه بن ابی محمد
عبد اللّٰه بن ابی العبّاس احمد بن المنصور العبّاسی
البغدادیّ نقیب النقباء وخطیب الخطباء

[هو] هبۃ اللّٰه بن عبد اللّٰه بن احمد بن هبۃ اللّٰه بن
عبد القادر بن الحسین بن عبید اللّٰه بن عبد اللّٰه بن
عمر بن عبد العزیز بن محمد بن ابراهیم بن المنصور ابی جعفر
عبد اللّٰه بن محمد بن علیّ بن عبد اللّٰه بن العبّاس ، کان
وافر العلم والادب حسن الایراد للخطب ، فصیح
اللهجۃ قائم الحجّۃ ، وکان اوحد زمانه علماً ونسکاً
وقراءۃً ، ویسلک طریق الفقراء ، وله صوت حسن فی ایراد
الخطب والبکاء فی اثناء ما یوردہ ، وقلّدہ المستنصر باللّٰه
النقابۃ علی الهاشمیّین ، ولبس الحریر بالطرز المذهّبۃ
وقلّد سیفاً محلّیً بالذهب ، واُعطی فرساً بآلۃٍ ذهبیّۃٍ ،
وانعم علیه بالف دینار ، و [اعطی] من الممالیک
الترک ثلثۃ اعداد للخدمۃ ، وذلک فی العشر من المحرّم
سنۃ ثلثین وستّمائۃٍ ، شافهه بذلک نصیر الدین
ابن الناقد ، وکانت [وفاته] لیلۃ الاثنین ثالث عشر
جمادی الآخرۃ سنۃ خمس وثلاثین وستّمائۃٍ ، ودفن الی جانب
دکّۃ الامام احمد بن حنبل ؛

(٥٦٠) **مجد الدين** ابو الفضل هبة الله بن علی بن محمد یعرف بابن الصاحب۔ البغدادیّ حاجب الحجّاب استاذ الدار

ذکره ابن النجّار فی تاریخه، وقال: تولّی بعد والده[1] حاجبًا بباب النوبی فی جمادی الآخرة سنة اربع و ستّین وخمسمائة فی الایّام المستنجدیّة، ثمّ ولّاه المستضیئ بامر الله استاذیّة الدار سنة احدی وسبعین و خمسمائة، ولمّا قدم بالامر الناصر لدین الله صار یولّی ویعزل، ولم یزل فی علوّ شانه الی ان قُتِل فی التاسع من شهر ربیع الآخر سنة ثلاث وثمانین وخمسمائة والقی فی دجلة؛

(٥٦١) **مجد الدین** ابو المعالی هبة الله[2] بن محمّد بن علیّ بن المطّلب البغدادیّ کرمانیّ الاصل الوزیر

ذکره محبّ الدین محمّد بن النجّار، وقال: وَلِیَ دیوان الزمام فی ایّام الامام المقتدی بامر الله، ثمّ فی ایّام ولده الامام المستظهر بالله، ثمّ قلّده المستظهر الوزارة فی سنة خمسمائة فاقام وزیرًا سنتین واربعة عشر ایّامًا ثم عزل وسمع الحدیث من القاضی ابی الحسین محمّد بن علیّ ابن المهتدی وطبقته، وکان یحفظ السیر والتواریخ و

---

[1] انظر وذکر قتله فی تاریخ الکامل (١١: ٢٥٥)؛ [2] انظر ترجمته فی الفخری (٣٠٤ - ٣٠٦) وتاریخ الکامل (١٠: ١٨٤، ١٩٨، ٢٠٢)؛

يعرف احوال البلاد ، وكان كثير الصدقة دائم المعروف

قال ابوغالب شجاع بن فارس الذهلي : مات الوزير ابو المعالي يوم الاحد ثاني شوال سنة ثلاث وخمسمائة ، ومولده سنة اربعين واربعمائة ؛

(٥٦٢) **مجد الدين** ابو القاسم هبة الله بن محمد ابن محمد الحسيني العبيدلي نائب النقابة

قال : كان يحب التفسير بالمعاني ومنه قولهم : إن الشجرة الطيبة هي النخلة وإن الخبيثة هي الكشوث ، ورأس العقل بعد الايمان بالله تعالى مداراة الناس ، قال ابوبكر الهذلي : كتبت الى ابي ليلى بهذا البيت : —

ولكنني خير من تدارى على الاذى   للصوم خير من ثياب لعاتب

فكتب الي : ﴿ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾ الآية : فحجني والله ؛

(٥٦٣) **مجد الدين** ابو سعد هبة الله بن محمد يعرف بابن همكر الشيرازي الوزير بشيراز

رأيته في حضرة مولانا نصير الدين ابي جعفر محمد بن محمد بن الحسن الطوسي ، وهو شيخ مليح الشيبة طويلها حسن الشكل لطيف الاخلاق خدم في ديوان اتابك سعد صاحب شيراز ، وله ديوان حسن في جميع الفنون كتبت عنه بالرصد سنة سبعين وستمائة ، وسألته هل نظم شعراً بالتركية فقال : لا ؛ وانشدني في المفاكهة : —

---

[١] كان حافظاً للاخبار توفي سنة ٥٠٣هـ ، انظر ترجمته في تاريخ الكامل (١٠ : ٣١٠) والشذرات (٤ : ١٦) ؛

من بعد ردّ رمتم ان تهجروا — ما بعد صفقة بيعتين تخيّر

وزعمتم ان الليالي غيّرت — عهد الهوى لا كان من يتغيّر

ان شئتم ان تنصفوني في الهوى — او تعطوا احبل الوصال تغدروا

ردّوا الهجر وكما عهدت الى الحشا — والمقلتين الى الكرى ثم اهجروا

(٥٦٤) مجد الملك ابو المكارم هبة الله بن صفي الملك محمد بن هبة الله اليزدي مشرف الممالك

كان قد قدم بغداد في ايام صدر الدين القصوي القزويني، فلمّا قُتِل صدر الدين اقام ببلاد العجم، وفي سنة ثمانين وستمائة تكلّم في الصاحب علاء الدين، ورفع عليه اموالاً كثيرة قد احتجبها من العراق، وساعده على ذلك جماعة، وفوّض اليه السلطان اباقا بن هولاكو اشراف الممالك بأسرها، وناقش الصاحب في الحساب واستولى على خزائنه وجرت له اقاصيص ذكرتها في التاريخ وخرج اباقا من بغداد الى همذان وتوجّه في خدمته فمات السلطان بهمذان في العشرين من ذي الحجّة سنة ثمانين وستمائة، وولي الامر السلطان تكوتار المعروف بالسلطان احمد سنة احدى وثمانين وانعكس حال مجد الدين وظفر به الصاحب علاء الدين واخوه الصاحب شمس الدين وحوسب وقتله شرف الدين هارون يوم الاحد سابع عشر جمادى الاولى سنة احدى وثمانين

---

[1] انظر ترجمته في تاريخ العراق (١: ٣٠٥)؛

ببوشهر، وانفذ رأسه الى بغداد، فعُلِّق على باب النوبي بعد أن طافوا به، واخذوا بسببه الدراهم والثياب من العُمّال والنوّاب؛

(۵۶۵) مجد الدين ابو جعفر هبة الله بن يحيى بن الحسن بن عبد الباقي المعروف بابن البوقي الواسطي الفقيه المحدّث [97b / 98a]

ذكره الحافظ زين الدين ابو الحسن بن القطيعي في تاريخه وقال: كان فقيهًا صحيح السماع، روى ببغداد عن ابي نُعَيم محمّد بن ابراهيم بن محمّد بن خالد الجمّاري سنة سبع وخمسين وخمسمائة، سمع منه القاضي معين الدين ابو المحاسن بن ابي الحسن القرشي الدمشقي وكانت وفاته في ثالث عشر ذي الحجّة سنة احدى وسبعين وخمسمائة؛

(۵۶۶) مجد الدين ابو علي **يحيى** بن الربيع بن سليمان بن حرّاز العَدَوِيّ الواسطي المدرّس بالنظاميّة

ذكره الحافظ محبّ الدين محمّد بن النجّار [وقال]: قرأ القران المجيد، واقام بالنظاميّة والمدرّس بها يومئذٍ ضياء الدين ابو النجيب السُهرَوَرْدِيّ، وسافر الى خراسان في صحبة يحيى بن فضلان، وقرأ على محمّد بن يحيى طريقته في الخلاف ولمّا عاد الى بغداد شهد [عند] قاضي القضاة محمّد بن جعفر العبّاسي، وولّى تدريس النظاميّة

فی المحرّم سنة ثلاث وتسعین وخمسمائة، وتوفی فی ذی القعدة سنة ستّ وستّمائة، ودفن بالوردیة.

(۵۶۷) **مجد الدین** ابو زکریّا **یحیی** بن زکریّا ابن یحیی الحربویّ الکاتب

کان من الکتّاب المجیدین، وله تذکرة جامعة لمحاسن الاخبار ونتف الآثار ورقائق الاشعار سمّاها بالمونسة. قرأت منها: قیل لابن سیرین: انّا نال منك فاجعلنا فی حلّ؛ فقال: ما کنت لاحلّ لکم ما حرّم الله علیکم؛ قال: وکان اذا اراد ان یمدح احداً قال: هو کما شاء الله، واذا اراد ان یذمّه قال: هو کما علم الله؛

(۵۶۸) **مجد الدین** ابو المجد **یحیی** بن ابی الوفا سعید ابن القاضی ابی نصر محمّد بن ابی غالب سعید التکریتیّ القاضی

ذکره القاضی تاج الدین ابو زکریّا یحیی بن القاسم بن المفرّج التکریتیّ فی کتاب الاختصاص فی التاریخ الخاصّ فی باب من قرأ علیه او روی عنه من الائمّة، وانشد عنه: قال: کتب بعض الفضلاء بیتین علی تکّة اهداها الی معشوقة له:—

هی والله باین حلّ وعقد ۔۔۔ فالیك الخیار امّا وامّا
ثمّ لا بدّ ان یمسّ غزالٌ ۔۔۔ وبنفسی ذاك الغزال المدمّی

(۵۶۹) **مجد الدین** ابو علی **یحیی** بن عبد الوهّاب بن

صالح بن المعزّم الهمذانيّ الفقيه العالم

كان من اعيان الفقهاء و اماثلهم وحفّاظ العلماء و افاضلهم، سمع الحديث من جماعة من الاعيان وحدّث باسناده عن انس رضى الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلّم: رأس العقل بعد الايمان بالله التودّد الى الناس، واهل التودّد لهم درجة فى الجنّة ونصف العلم حسن المسألة، والاقتصاد فى المعيشة نصف العيش، وركعتان من رجل ورع افضل من الف ركعة من مخلّط؛

(٥٧٠) **مجد الدين** ابو الفضل يحيى بن عسكر الانباريّ ثمّ البغداديّ ناظر الحلّة

ذكره شيخنا تاج الدين علىّ بن انجب فى تاريخه، و قال: كان شيخًا مُترِفًا يُحِبّ الرياسة وهو من بيت ذى ولاية وثروة واسعة تخدم اوّلًا خواجه للملك (؟ للملك الخواجه) جمال الدين قشتمر ثمّ تولّى مدينة الانبار ضمانًا ثمّ رتّب عارض الجيش باربل، ثمّ استعفى من ذلك ولمّا تولّى المستعصم بالله رتّب ناظرًا فى الحلّة السيفيّة، و كان معتقدًا فى علم النجوم و يقول بالاحكام والاختيار، وتوفّى فى ذى الحجّة سنة واربعين وستّمائة ومولده سنة سبعين وخمسمائة؛

(٥٧١) **مجد الدين يحيى** بن شمس الدين محمّد

ابن شرف الدین مهدی بن ناصر الحسینی الزیدی
الجیلی

قدم والده شمس الدین بغداد حاجاً سنة سبع وثمانین
وستمائة، واملی علیّ نسبه؛

٥٧) مجد الدین ابوالفرج یحیی بن محمود بن سعد
الثقفی الاصفهانی الفقیه

کان شیخاً فاضلاً، سمع جمیع صحیح الامام ابی
عبدالله محمد بن اسماعیل البخاری من ... ، سمعه
علیه جماعة من الافاضل الاماثل: بهاء الدین العز یوسف
بن رافع بن تمیم یعرف بابن شداد، والسدید ابو عبدالله
محمد بن الحصری الصابونی النصیبی، وجمال الدین
محمود بن بختیار بن عزیز الاربلی فی جماعة کثیرة؛ و
ذلك فی جمادی الآخرة سنة اثنتین وثمانین وخمسمائة؛

٥٧١) مجد الدین ابو یزید بن محمد بن مسعود بن
ابی یزید بن عیسی بن محمد بن عیسی بن محمد بن
ابی موسی بن آدم بن عیسی بن سروشان البسطامی
روی کتاب الاربعین للشیخ کهف الدین اسمعیل
بن الحسن القصری الواعظ؛

توفی سنة ٥٨٤ م؛ انظر ترجمته فی الشذرات (٤ : ٢٨٢) ؛ بیاض بالاصل؛

المتوفی سنة ٦٣٢ م؛ انظر ترجمته فی الوفیات و طبقات الشافعیة (٥ : ٥١)

انظر تتمة الکلام فی ترجمة کهف الدین اسماعیل فی کتاب الکاف؛

(۵۷۴) **مجد الدین** ابو یعقوب **یوسف** بن رزق اللہ ابن عبد اللہ الواسطیؒ النحویؒ

ذکرہ شیخنا تاج الدین فی تاریخہ و فی کتاب المدائح المستعصمیۃ، وقال: ہو شاب فیہ فضل وعندہ ادب وہو احد الفقہاء بالمستنصریۃ، ومن شعرہ:-

اما وقواف فی مدیحک تسطر
لانت من الشمس المنیرۃ ابہر
وانک اعلی الناس قدراً وہمۃ
وحلمک اوفی الخلق حلماً واکثر

ولہ من قصیدۃ اولہا:-

سل الدیار عن الفوز ... ... وخلفوا القلب مصفوداً بہ الوجل
یا لیتنی حین ساروا کنت رائدہم احمی زمام المطایا اینما نزلوا

(۵۷۵) **مجد الدین** ابو الفضائل **یوسف** بن محمد بن عبد اللہ الشافعیؒ الدمشقیؒ شیخ دار السنۃ بدمشق

[ہو] شیخ دار السنۃ النوریۃ بدمشق، سمع صحیح البخاری علی ابن الزبیدی عن ابی الوقت بسندہ، وسمع علی ابن اللتی مسند عبد بن حمید و الدارمی وسمع علی ابن الخشوعی وغیرہم من شیوخ دمشق، وکتب لنا الاجازۃ عنہ من دمشق احمد بن محمد بن النجیب الشافعیؒ فی منتصف صفر سنۃ ثلاث وثمانین وستمائۃ؛

(۵۷۶) **مجد الدین** ابو الفضل **یوسف** بن عماد الدین عبد اللہ

ابن مجد الدين صدقة - يعرف بابن الناقد - البغداديّ

الصّدر العالم

من بيت الوزارة والرياسة والفطنة والكياسة ، وله الاخلاق الحسنة والآداب المستحسنة سمع على شيخنا العدل الثقة رشيد الدين محمّد بن ابى القاسم وغيره و اشتغل وكتب وحصّل . وله همّة جليلة وقريحة مطاوعة ، وقد حاز شرف الجدّين وصار من الممجّدين المجيدين تشرّفت بخدمته واقتبست من فوائده ؛

(٥٧٧) مجد الدين ابو الفرج يوسف بن محمّد بن عثمان الحافظيّ المباركيّ الكاتب

انشد فى وصف رام بالنبل : -

تعلّم رمى النبل من سحر طرفه	فصاحب يوم الحرب قوسًا واسهما
وصيّر قلبى فى الهوى غرضًا له	واجرى على سهميه من كبدى دما
اصاب بسهم اللحظ والكفّ مقتلى	وجرّحنى هجرانه بعد ما رمى
اذا الشفة الحمراء عضّ لرميه	ترصّع فى الياقوت درًّا منظّما

(٥٧٨) مجد الدين ابو المظفّر يوسف بن ابى العلاء محمّد ابن هبة الله يعرف بابن البوقيّ الواسطيّ الوزير بخوزستان

من بيت الرياسة والعلم والادب ، قال فى كتاب ولاة خوزستان : لمّا عزل ظهير الدين ابو علىّ الحسن بن عبد الله عن بلاد خوزستان عيّن على الصاحب مجد الدين يوسف للاستقبال جمادى الآخرة سنة احدى وعشرين وستّمائة اقام ناظرًا

فی مصالحها وعمارتها وتدبیر الجند بها، وحسنت سیرتهٗ
فی ولایته وشکرت وزارتهٗ مدۃ اقامته، وکانت مدۃ
نظرہٖ فی الامر عشر سنین وشهر واحد وعشرون یومًا،
منها فی ایام الملک مظفر الدین وجه السبع[1] اربع سنین و
خمسۃ اشهر، وفی ایام مظفر الدین بهنام مدۃ خمس
سنین وثمانیۃ اشهر واعید بعدہٗ ظهیر الدین الحسن
ابن عبداللّٰه، وحدّث عن والدہٖ ابی العلاء محمد عن
مهذب الدولۃ مجد الکفاۃ ابی الحسن علی بن هبۃ اللّٰه
ابن عبدالسلام عن ابی منصور محمد بن احمد بن
الحسن بن عبدالعزیز بن مهران العکبری عن الشریف
المرتضی علم الهدیٰ ابی القاسم علی بن احمد بن الحسین
الموسوی جمیع تصانیفه وتوالیفه؛

(۵۷۹) مجد الدین ابو المظفر یوسف بن ناصر الکرجی الناسخ

کتب الکثیر توریقًا للناس من الکتب المطولۃ من
التفاسیر والحدیث والفقه والادب وغیر ذلک، وروٰی
عن عمر وبن عثمان بن سعید بن عمر بن جندب بن عمیر
الاشبیلی الذی ناقض عبداللّٰه بن المقفع فی رسالته المعروفۃ
بالیتیمۃ[2]، وانشد لهٗ:—

---

[1] کان منتوحًا للناصر ذکرہٗ ابن الاثیر فی الکامل (۱۲: ۱۵) حوادث سنۃ ۶۲۲ھ
[2] تعرف عند العامۃ بالادب الکبیر؛

اذا هجع النوّام بتّ مسرهداً
وكفّى على خدّى ودمعى على نحرى
يو هّمنيك الشوق فى ساحة المنى
فانت تجاهى فى المناجاة والذكر

(٥٨٠) **مجد الدين** ابو الفضل يوسف بن نصر الجيلىّ الحكيم

كان من العلماء الحكماء الخاملين الذكر، سكن مراغة، وهو الذى اشتغل عليه مولٰنا فخر الدين الرازى بمراغة سنة سبعين وخمسمائة؛

(٥٨١) **مجد الدين** ابو محمّد يوسف بن يحيى بن ابى البركات الجيلىّ الفقيه

[نقلت من كلامه :-] قال صالح المرّى : دخلت دار الوزير ابى ايّوب[1] المورياني بعد زوال امره، فاستفتحت ابيات [وبايات] استخرجتها من كتاب الله عزّوجلّ فى الاعتبار بخراب المساكن، منها قوله تعالى: "فَتِلْكَ مَسَاكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَن مِنْ بَعْدِهِمْ إِلَّا قَلِيلًا ط وَكُنَّا نَحْنُ الْوَارِثِينَ"[2] وقوله تعالى "فَتِلْكَ بُيُوتُهُمْ خَاوِيَةً م بِمَا ظَلَمُوا"[3] قال: فخرج الىّ عبد اسود، فقال لى : يا بابشر! هذه سخطة المخلوق فكيف بسخطة الخالق؛

---

[1] هو سليمان، بن ايّوب الخوزى وزير المنصور، انظر اخباره فى تاريخ الطبرى بحسب الفهرس؛ [2] سورة القصص (٢٨) الآية (٥٨) [3] سورة النمل (٢٧) الآية (٥٢)؛

(۵۸۲) مجد الدین ابو طالب یونس بن احمد بن عبد اللہ الھروی الشاعر

انشد لہ صاحب تاریخ ہراۃ :-

اَحْسِنْ قِرٰی شہر الصیام مؤمِّلاً
مرضاتہ واسعد بہ فکأن قد
قَبِل الاِلٰہُ الصومَ عنک بفضلہٖ
فعلی السعادۃ بعد صومک عید
وتلقَّ الفنا مثلہ متقلِّبًا
فی سوددٍ غضّ النبات مجدّدٍ

(۵۸۳) مجد الدین ابو عیسی یونس بن محمّد بن عبد المؤمن الفارقیّ الادیب

قرأت بخطّہٖ لابن مُنیر[1] الطرابلسی :-

مصلٍّ دینہ فخٌّ علی تحصیل دینار
وسجّادتہ اخبث من مصیدۃ الفار

(۵۸۴) مجد الدین ابو عبد اللہ یونس بن نصر بن محمّد الساغرجیّ[2] المدرّس الصوفی

ذکرہ شیخنا منہاج الدین ابو محمّد النسفی فی کتابہ الّذی الّفہ فی سیرۃ الشیخ سیف الدین الباخرزی ، و قال: کان مجد الدین الساغرجی شیخًا مسلّطًا یتردّد

---

[1] ھو احمد بن منیر المتوفّی سنۃ ۵۴۸ ھ؛ [2] نسبۃ الی ساغرج قریۃ من قری السغد علی خمسۃ فراسخ من سمرقند؛ الجواھر المضیئۃ (۲: ۲۱۴)؛

الى خدمة الشيخ وزيارته، فقال له الشيخ ذات يوم : اذا انعمت لِمَ لا تركب دابّةً ؟ فقال : ليس لى عادة بركوب الدّوابّ، ولكنّ والّتى فى وسطى، واخرج هميانًا فيه جملة من الذهب الاحمر، فقال له الشيخ : لعلّك لا تأمن اهل البيت عليه ؟ فقال : بلى والله ! لكنّه اذا كان معى اشتدّ به ازرى وقوى بشدّه ظهرى و قدرت على المشى، فتعجّب الشيخ من كلامه، وعلم صحّته مع علوّ سنّه، وتوفّى مجد الدين الساغرجى — وساغرج قصبة سمرقند — فى شهر ربيع الاوّل سنة خمس وخمسين وستّمائة ؛

(٥٨٥) المجلّى ابو الفتوح نختكين بن عبد الله المعروف خفاجة التركى المنججى الامير [M.96b] [M.99a]

ابو الفتوح نختكين بن عبد الله المنججى يعرف خفاجة التُركى ذكره ابو الحسين بن الصابى فى تاريخه كان شجاعًا مذكورًا وكان على حماية براز الروز وطريق خراسان وقُتل فى رابع صفر سنة اربع واربعين واربعمائة ؛

(٥٨٦) المُجلّى ابو شجاع صغر تكين بن عبد الله التُركى الاوحدى الاصفهسالار ذكره ابن الكلاعى فى تاريخه وقال كان من اصحاب الشجاعة وله الهمّة العالية توفّى فى ذى الحجّة اربع وعشرين واربع مائة ؛

صدر البیت	قافیتہ	بحر	جلد	صفحہ
(او وتمیمتی)				۲: ۲۳۰،
				۸: ۱۶۲،
				۱۰: ۱۵۰)،
وکأنہ	اُخضعُ	کامل	۱	۴۳
فصرعنہ	مضجعُ	″	۱	۲۲۱
فشربن	یُقرعُ	″	۱	۲۹۰ (ر=
نعرمن	الاکرعُ	″	۱	۳۰۹ (۱۶: ۴۲، ۴۷،)
ھاعٍ	یتشبعُ	″	۱	۳۶۴ (ر=
				۱۰: ۳۳۴)،
وکأنھن	یصدعُ	″	۱	۳۹۱ (ر=
				۷: ۱۶۲،
				۹: ۷۸،
				۱۰: ۶۲،
				۱۹: ۳۲۳)،
فوردن	یتتلعُ	″	۱	۴۱۰ (ر=
				۲: ۳۶،
				۹: ۳۸۵،
				۱۲: ۱۵۳،
				۱۶: ۴۷، ۵۷)،
فدنا	مُقزعُ	″	۱	۴۲۲

صدر البیت	قافیتہ	بحر	جلد	صفحہ
صَخِبٌ	مُسبعُ	کامل	۱	۴۷۳ (ر=
				۲: ۱۰،
				۹: ۴۶۹،
				۱۰: ۱۲)،
أودی	تُقلعُ	″	۲	۱۰۴
فبدا	یُرجعُ	″	۲	۱۶۲ (ر=
(او وبدا)				۴۷۶،
				۹: ۴۷۷)،
فلہ	یُخلعُ	″	۲	۲۳۱
واذا	تنفعُ	″	۲	۲۵۳ (ر=
				۱۴: ۳۳۷)،
وغبرت	مستتبعُ	″	۲	۲۵۵
یعثرن	الاذرعُ	″	۲	۴۰۱ (ر=
				۴: ۱۸۴،
				۲۰: ۲۷)،
سما	الخُشّعُ	″	۲	۴۴۲ (ر=
				۶: ۵۲،
				۱۱: ۲۸۵)،
الغایبون	الاشجعُ		۲	۴۴۳ (ر=
				۸: ۲۲۴)،

الی خدمة الشيخ وزيارته، فقال له الشيخ ذات يوم : اذا أُنعمت لِمَ لاتركب دابّةً ؟ فقال : ليس لی عادة بركوب الدوّاب، ولكنّ والتی فی وسطی، واخرج هميانًا فيه جملة من الذهب الاحمر، فقال له الشيخ : لعلّك لاتأمن اهل البيت عليه ؟ فقال : بلی والله ! لكنّه اذا كان معی اشتدّ به ازری وقوی بشرّه ظهری و قدرت علی المشی، فتعجّب الشيخ من كلامه، وعلم صحّته مع علوة سنّه، وتوفّی مجدالدين الساغرجی — وساغرج قصبة سمرقند — فی شهر ربيع الاوّل سنة خمس وخمسين وستّمائة ؛

(٥٨٥) المجلّیٰ ابوالفتوح نحتكين بن عبدالله المعروف خفاجة الترکی المنجحی الامير [M. 96 b] [M. 99 a]

ابوالفتوح نحتكين بن عبدالله المنجحی يعرف خفاجة الترکی ذكره ابوالحسين بن الصابی فی تاريخه كان شجاعًا مذكورًا وكان علی حماية براز الروز وطريق خراسان وقُتل فی رابع صفر سنة اربع واربعين واربعمائة ؛

(٥٨٦) المجلّیٰ ابوشجاع صغرتكين بن عبدالله التركی الاوحدی الاصفهسالار ذكره ابن الكلابی فی تاريخه وقال كان من اصحاب الشجاعة وله الهمّة العالية توفّی فی ذی الحجّة اربع وعشرين واربع مائة ؛

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة	صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
فَرَى	المِنْزَعُ	كامل	٦	١٧١ (=				٩:	٢٢٢)،
				٣٥٧،	وكأنّما	أَضْلَعُ	كامل	٧	٢٩٣
			١٠:	٢٢٩)	نتكرنه	جُرَشَعُ	"	٨	١٠٠ (=
يَنْهَشْنَهُ	مُوَلَّعُ	"	٦	١٧١ (=				٩:	٣٩٧)
(أو يَنْهَسْنَهُ)			١٠:	٢٩٣)	أوقدت	الأَجْرَعُ	"	٨	١٨٧
وضِبَرّة	تَشْبَعُ	"	٦	٢٦٣	يعد	يَضْلَعُ		٨	٢٤٠ (=
فالعين	تَدْمَعُ	"	٦	٢٩١ (=					٢٥٤،
			١١:	٣٢٢،				٩:	٤٧٥،
			١٣:	٣٦٩)،				١٠:	١١٤)،
بقرار	يُقْلِعُ	"	٦	٣٩٥	ولقد	تُدْفَعُ	"	٨	٢٦٦
وكلاهما	أَصْلَعُ	"	٧	٩٩	بغريض	المُسْتَنْقَعُ	"	٩	٥٩
يسعى	يَجْمَعُ	"	٧	١٦٧	وتعاور	تُبَّعُ	"	٩	٨٧
فعباكما	أَنْزَعُ	"	٧	١٢٨[ل]	أم	المَضْجَعُ	"	٩	٨٧
حتى	يَتَقَطَّعُ	"	٧	٢٠١ (=	قد كنت	الأَقْرَعُ	"	٩	٢٧٩
			١٧:	٣٩،	ولكل	تُبْدِعُ	"	٩	٣٥٤
				٣٨ ص)	هزئت	بُوزَعُ	"	٩	٣٥٧
والدهر	مُرَوَّعُ	"	٧	٢٥٨	تأبى	يَتَبَصَّعُ	"	٩	٣٥٨ (=
ولقد	وأَمْنَعُ	"	٧	٢٨٩	(أو تأتي)	(أو يَتَبَضَّعُ)			٣٦٢،
فتخالسا	تُرْفَعُ	"	٧	٣٦٦ (=				١٥:	٣٥،

[ل] انظر ايضاً (٢٠ = ٧٦) ؟

صدر البيت	قافیہ	بحر	جلد	صفحہ
حَبُّوا	البَلْقَعُ	کامل	٩	٣٦٨
وكأنّما	جُرَعُ	"	٩	٣٧٤ (=
				۳۰۹، ۶۳۱۱،
				١٠: ٢٢٣،)
وعَلَيْهِمَا	تُبَّعُ	"	٩	٣٧٩ (=
				١٠: ٧٧،
				٢٠: ٤٧،)
عِنْدِيّه	فَجَلَنْفَعُ	"	٩	٤٠٣
فَتَنَازَلَا	مُخَدَّعُ	"	٩	٤١٦ (=
				١٣: ٢٤٥،)
لا	الخَوْلَعُ	"	٩	٤٣١
كَانَتْ	الرَّوبَعُ	"	٩	٤٦٨
نَعَمَ	مِرْبَعُ	"	٩	٤٦٩
هل	الأَسْلَعُ	"	١٠	٢٣
سَبَّاقُ	مِسْلَعُ	"	١٠	٢٤
ولَقَدْ	تُرْجَعُ	"	١٠	٤٥
مُتَحَامِيَيْنِ	أَشْنَعُ	"	١٠	٥٣
ولقد	أَشْنَعُ	"	١٠	٥٣
يَكْفِي	تَشَنَّعُوا	"	١٠	٥٣
وعُطَارِدُ	المِصْقَعُ	"	١٠	٧١

صدر البيت	قافیہ	بحر	جلد	صفحہ
فَتَرَى	مُتَصَيَّعُ	کامل	١٠	٧٥
وإذا	مُضْرَعُ	"	١٠	٩٠
وتَجَلَّدِي	أَتَضَعْضَعُ	"	١٠	٩٣
رُبُسَ	ضَفْدَعُوا	"	١٠	٩٤
وإذا	يَتَقَصَّعُ	"	١٠	١٤٨
صَنَعَ	يَتَلَقَّعُ	"	١٠	١٩٦
أَكَلَ	الأَمْرَعُ	"	١٠	٢١١ (=
				١٣: ٣٢٣،
				٣٥٧،)
حُرَّتْ	المِيكَعُ	"	١٠	٢٩١
ذَكَرَ	يَتَتَبَّعُ	"	١٠	٢٢٣
قَالَتْ	يَنْفَعُ	"	١٠	٢٣٦ (=
				١٤: ٣٠٠،)
جاوَزْتُ	هَمَلَّعُ	"	١٠	٢٥٦
إِنَّ	مَصْيَعُ	"	١٠	٢٥٨
فَاضَتْ	تُودَعُ	"	١٠	٢٦٥ (=
(او قَاظَتْ)				١٣: ١٠،)
كَانُوا	وَاسْتَوْضَعُوا	"	١٠	٢٧٧ (=
				١١: ٨٣،)
نَخَدَوتُ	أَتْلَعُ	"	١٠	٤٥١

صدر البيت	قافيه	بحر	مجلد	صفحه
شعف	يفزعُ	كامل	١١	٨٠
واسْأَل	يُمنعُ	"	١١	١٢١
وعلمتُ	الأسرعُ	"	١١	١٢٣
حَرِقَ	مُولَعُ	"	١١	٣٢٨
أمدحتَ	تَطْلُعُ	"	١١	٣١٩
عَجِبَتْ	يَرُوعُ	"	١١	٣٧٦
مثل	يُمْنَعُ	"	١١	٤٢٤
فغدا	تُوزَعُ	"	١٢	٤٢
حتى	تُقْرَعُ	"	١٢	٤٦
إنّي	فيفزعُ	"	١٢	١٨٠
العاركين	أوسعُ	"	١٢	٣٥٢
فارحم (او ارحَمْ)	وُقَّعُ	"	١٣	١٥١ (= ١٩: ١٨٢")
تعدو	تمزعُ	"	١٣	٢٩٣ (= ١٩: ٢٨")
والدهرُ	أربعُ	"	١٤	٧٧
ومذانبٌ	تُرْفَعُ	"	١٤	٣٧٨
أنتَ؟	الأجدعُ	"	١٥	١١٥
وتظلُّ	يمنعُ	"	١٦	٨
ظعن	أتوقّعُ	"	١٦	٢١٠

صدر البيت	قافيه	بحر	مجلد	صفحه
بينا	سَلْفَعُ	كامل	١٦	٢١٢
وضفنةٌ	تشبعُ	"	١٧	١٢٦
أمِنَ	تتوجّعُ	"	١٧	١٣٣ (= ٣٤ ص ٤")
وهُنَّ	أربعُ	"	١٧	٣٤٥
وكلاهما	ينفعُ	"	١٨	١٦٨
أفبعدَ	أتوجّعُ	"	١٩	٨٤
كمدلةِ	الأرفعُ	"	١٩	١٦٣
متفلّقٍ	يُرْضَعُ	"	١٩	٢٠٧ (= ٢٠: ١٩٣")
هلّا	تُشْنَعُ	"	١٩	٢٧٠
فكبا	أبرعُ	"	٢٠	٧٦
سبقوا	مَصْرَعُ	"	٢٠	٢٤٩
وترمّلت	مصرعُهُ	"	١٥	٣٧١
صافي	جائعُهُ	"	٧	٣٩٤
صكّاء	هِلْوَاعُ	"	١٠	٢٥٤
وكأنّما	سماعُها	"	٤	٣١٤
سائلُ	سماعُهُ	"	١٠	٥٣
ودعا	زميعُ	"	١٠	٦
أذعرت	مضوعُ	"	١٠	٩٨

صدر البیت	قافیته	بحره	مجلد	صفحه
أرسلتُ	مُترعا	رجز	١٦	١١٩
والفیلُ	کعکعا	"	١٧	١٥٥
رن	معا	"	٢٠	١٥٧
ان	فدعا	"	٢٠	١٥٧
تطعّک	قطعا	"	٢٠	١٥٧
دعا	فأسمعا	"	٢٠	٣١٣
أینَ	الجلنفعه	"	٩	٣٢٤ (= ٣٠٣، ٣٥٧)
لقیتُ	أربعه	"	٩	٣٤٩
أربعةٌ	بالبلقعه	"	٩	٤٢٧
نحنُ	صعصعه	"	٩	٤٢٧
ورُقع	لعربعه	"	٩	٤٣٨
کأنه	مرتعه	"	١٠	٥٣
أینَ	لمطّعه	"	١٠	١٠٣
تترقَ	الضّعه	"	١٠	١٦٨
رنی	مقنّعه	"	١٠	١٧٥
مهلاً	ملتّعه	"	١٠	٢٠١
لسما	المزارعا	"	٧	٣٩
خلّوا	والمزارعا	"	٧	٤٣٣

صدر البیت	قافیته	بحره	مجلد	صفحه
حتی	قابعا	رجز	٩	١٩٦
دائعة	الوقائعا	"	٩	٤٩٦
کأنما	الصّواقعا	"	١٠	٦٩
وقمتُ	تعاقعا	"	١٠	١٦٠
فأقبلتُ	الاداکعا	"	١٠	١٩٨ (= ٢٢٥)
یدعنَ	رافعا	"	١٠	٢٠٢
والقیظُ	المعامعا	"	١٠	٢٢٢
کأنما	واقعا	"	١٠	٢٨٥
حتی	رائعا	"	١٣	٣٢٣
یا من	تصماعا	"	٩	٤٤٧
لا مالَ	نعاعه	"	١	٢٢٥ (= ١٠: ٣٣٥)
لا	نقاعه	"	٩	٣٠٥
حتی	سُراعه	"	١٠	١٣
أبکی	مضاعه	"	١٣	١٥٨
کلّ	والنّقیعه	"	٦	٢١٦ (= ١٠: ٢٢٣)
کلّ	ربیعه	"	٧	٣٦٤
لو کان	نفع	"	١	٦٢

ل انظر ايضاً، (١٥: ٢٢٣)

[1] انظر ایضاً: (۲۰: ۱۳۹،)۔

غ

صدر البیت	قافیه	بحر	مجلد	صفحه
				٢٠:١٢٤)
مَامِنْكَ	المُمَغْيِغِ	رجز	١٠	٣٣٥
قَوْلاً	الصِّيْنَغِ	"	١٠	٣٣٧
عَرَفْتُ	النُّشَّغِ	"	١٠	٣٣٩
لَيْسَ	المُوشَّغِ	"	١٠	٣٤٣
والبِلْغُ	يَبْطَغِ	"	١١	٣٨٣
تَزَجَّ	بِالبَلاغِ	"	١٠	٣٠١ (= ٣١٩،)
دَلُوكَ	سَابِغَهْ	رجز	١٠	٣١٥ (= ٣٤٤،)
اذا	انْشَلَغْ	"	٩	١٤٥
قُبِّحْتِ	صُدُغْ	"	١٠	٣١٧ (= ٣٢٢، ٣٢٣،)
اِنِّی	مَرَغْ	"	١٠	٣٢٣

ف

صدر البیت	قافیه	بحر	مجلد	صفحه
وَضَارِبَةٌ	مِرْخَشَفُ	طویل	١	١١٠
تَرَی	وَقَفُوا	"	١	١٨٥
واِنِّی	المُتَخَوَّفُ	"	١	٣٨٣
وبَيْتٍ	بِرُعُفُ	"	٢	٣١٩
وعَضُّ	مُجَلَّفُ	"	٢	٣٤٦ (= ١٠: ٣٦١، ٣٧٥)
وكُنْتُ	مَصْرِفُ	"	٣	٨٤
عَسَجْنَ	الزَّوَادِفُ	"	٣	١٤٨
مَنْ	أَخْوَفُ	طویل	٣	١٧٨
لَدُنْ	المُطَلَّفُ	"	٣	٣٢٧ (= ١٧: ٢٦٩،)
اذا	مُشْرِفُ	"	٣	٥٠٣
فَهُنَّ	المُخَوَّفُ	"	٤	٣٠٨ (= ١٧: ٢٣١،)
كَأَنَّ	مُصْحَفُ	"	٥	١١٠ (= ١٤: ٢١٨)
اذا	تُقْطَفُ	"	٥	١٤٥ (=

صدر البیت	قافیہ	بحر	مجلد	صفحہ
فذاك	مُرْدِفُ	طويل	۱۱	۱۷
اذا	مُزْجِفُ	"	۱۱	۳۰
ويُضرب	مُزاقِفُ	"	۱۱	۳۸
فلمّا	يُزْهِفُ	"	۱۱	۴۱
ترى	زُيَّفُ	"	۱۱	۴۲
وكلّ	المُسَدَّفُ	"	۱۱	۴۸
موانع	المُشَغْشَفُ	"	۱۱	۸۱
رآها	المُصَنَّفُ	"	۱۱	۱۰۱ (= ۱۹: ۱۰۲،)
بها	تَتَصَنَّفُ	"	۱۱	۱۰۱
وجدت	المُتَضَيِّفُ	"	۱۱	۱۱۲
ومنا	المُتَضَيِّفُ	"	۱۱	۱۱۲
على	طَرَّفُوا	"	۱۱	۱۳۲
ونِعم	يَعْسِفُ	"	۱۱	۱۵۱
ومن	مُنْعَصِّفُ	"	۱۱	۱۵۴
ترفّقت	أعنفُ	"	۱۱	۱۶۳
دواء	غَرِيفُ	"	۱۱	۱۷۳
فظلّ	يَتَغَيَّفُ	"	۱۱	۱۷۹
ولا	فَرْقَفُ	"	۱۱	۱۹۰

۱؎ انظر ایضاً (۱۲: ۲۵۷،)۔

صدر البیت	قافیہ	بحر	مجلد	صفحہ
سلاحك	تَقَطَّفُ	طويل	۱۱	۱۹۴
وقلنا	تَقَطَّفُ	"	۱۱	۱۹۴
تكلّفت	نَتَغَضَّفُوا	"	۱۱	۱۹۹
وينكر	المُكَنَّفُ	"	۱۱	۲۰۵
اذا ما	يُعَوَّفُ	"	۱۱	۲۲۲
وان	يَنْصُفُ	"	۱۱	۲۴۴
فبينا	نَتَنَصَّفُ	"	۱۱	۲۴۶ع (= ۱۲: ۲۳۶، ۱۶: ۲۱۳، ۲۰: ۳۱۴،) (او بَيْنا)
ولا	تُصَنَّفُ	"	۱۱	۲۵۹
طباقاء	تَكَكَّفُ	"	۱۲	۸۳
من الرّبيط	تَخَطَّفُ	"	۱۲	۱۰۳
سلافة	المُشَوَّفُ	"	۱۲	۲۸۷
فما	يُعَنَّفُ	"	۱۳	۱۸۴ (= ۱۸: ۱۷۴،)
اليك	المُتَعَسِّفُ	"	۱۴	۲۱۴
كأنّ	مُنَزَّفُ	"	۱۴	۲۱۵
أتتنا	تَقَصَّفُ	"	۱۵	۲۰۸
ومن	فالمُعَرَّفُ	"	۱۵	۳۲۴

صدر البیت	قافیتہ	بحر	جلد	صفحہ
فما	تُخْشَعُ	طویل	۱۷	۱۶۸
قربناهم	المُتَقَّفُ	״	۱۷	۳۴۸ (= ۱۹: ۱۸۶،)
ویهماء	مُجَلِّفُ	״	۱۷	۳۵۷
ألا	تَعَرَّفُ	״	۱۸	۱۴۶
فما	يَتَحَنَّفُ	״	۱۸	۲۷۳
وَقَاتَلَ	مُتَكَنَّفُ	״	۱۹	۲۰۲
وعاشية	يَتَنَسَّفُ	״	۱۹	۲۸۸
خَفِيٌّ	سُدَّفُ	״	۱۹	۲۹۳
فَإِنَّكَ	المُكَلَّفُ	״	۱۹	۳۴۲
فَاتَّقُوا	تَقْذِفُ	״	۲۰	۱۶۱
صَدًى	شَاسِفُ	״	۱	۳۳۲
كَذَبْتُ	قَائِفُ	״	۲	۲۰۵ (= ۱۲: ۲۵۹،)
فَمَا	نَاطِفُ	״	۳	۴۴۲
تَضَحَّنَ	رَوَاعِفُ	״	۴	۵
فَلَاقَى	سَقَائِفُ	״	۵	۲۷۷ (= ۸: ۱۳۰، ۱۱: ۵۶،)
وأرضَ	النَّوَاصِفُ	״	۵	۳۸۱ (=

صدر البیت	قافیتہ	بحر	جلد	صفحہ
				۱۴: ۲۱۹،)
فَمَا	المَصَاحِفُ	طویل	۶	۶۹
طِيرِي	الزَّعَانِفُ	״	۶	۱۸۶ (= ۱۱: ۳۵، ۳۶۱، ۱۵: ۱۸۴،)
(او وطِيرِي)				
نبطن	فَوَاحِفُ	״	۶	۲۲۷
مُعَاوِدُ	طفاطِفُ	״	۶	۴۱۵
أَرَى	ضائِفُ	״	۷	۱۲۱
فَإِلَّا	خَائِفُ	״	۷	۱۳۳
أخوك	الكَتَائِفُ	״	۷	۳۵۴ (= ۹: ۱۶، ۳۲۱، ۱۱: ۲۰۵،)
(او الكنائفُ)				
هو	خائِفُ	״	۸	۱۷۳
أَلَسْمُ	مزاحِفُ	״	۹	۴۷
رَأَيْتُ	طوائِفُ	״	۹	۱۳۱
مُفَرَّكَةً	مُخَالِفُ	״	۹	۲۷۱ (= ۱۲: ۳۶۲،)
فَإِنَّ	المَجَارِفُ	״	۱۰	۳۹۰ (=

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
١٩ : ٣٣٦)				
فإن	نحاذرُ	طويل	١٠	٣٩٠
رأت	والخرائقُ	"	١٠	٣٩١
ألا	المخاسفُ	"	١٠	٤١٥
أخو	خاسفُ	"	١٠	٤١٦
اذا	خاشفُ	"	١٠	٤١٧ص
وأذنيتني	راجفُ	"	١١	١٢ (=
١٤ : ٨٤)				
كلا	راعفُ	"	١١	٢٣
وراف	صادفُ	"	١١	٢٨
يقلّب	الزحالفُ	"	١١	١٣١ (=
١٧ : ١٨٠)				
تذكّر	الزّخارفُ	"	١١	٣٣
فما	الزّعانفُ	"	١١	٣٥
كصعدة	الزّغارفُ	"	١١	٣٦
كساها	زفازفُ	"	١١	٣٧
وما	زائفُ	"	١١	١٤٢ (=
١٢ : ١٨)				
٢٠ : ٤٢)				

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
١٣٧)				
اذا	مُساعِفُ	طويل	١١	٥٣
ولاقت	الخوالفُ	"	١١	٥٩
ونحن	مسالفُ	"	١١	٦٤
نجاة	شارفُ	"	١١	٧٥
يقلّب	شارفُ	"	١١	٧٥
لها	الصّلائفُ	"	١١	٩٨ (=
١٢ : ٣٦٢)				
وخبّ	الأصالفُ	"	١١	١٤١
وقالوا	عارفُ	"	١١	١٤٢ (=
(او فقالت)				١٦ : ٢٨٥)
وقفت	العوارفُ	"	١١	١٤٣
وجدي	العواطفُ	"	١١	١٥٥
كحر اليوم	غاضفُ	"	١١	١٧٥
واني	الغطارفُ	"	١١	١٧٦
بحيي	المتقاذفُ	"	١١	١٨٥
كذبت	قائفُ	"	١١	٢٠١
فصالوا	كانفُ	"	١١	٢٢١ح
تمتّع	آلفُ	"	١١	٢٩٣

له انظر ايضًا (١٨ : ٢٢٣)

البيت	قافیته	بحر	مجلد	صفحة
ا	واكِفُ	طويل	١١	٣١٠
ـلاة	الجوارِفُ	〃	١٢	٤
اهِقٌ	رادِفُ	〃	١٢	٢٦٦
ـرت	شائِفُ	〃	١٣	٤٢٢
ـث (كذا)	شائِفُ	〃	١٤	٢١٩
ا	حالِفُ	〃	١٤	٢٣٨
ـى	صارِفُ	〃	١٥	٤١
بيتَ	المَخاوِفُ	〃	١٥	١٩٣
ـبالَ	مؤالِفُ	〃	١٥	٣١٠
ـلُّ	واقِفُ	〃	١٥	٣٩٩
ـروفُ	العواصِفُ	〃	١٥	٣٩٩
ـلَّ	الطّرائِفُ	〃	١٥	٤٢٨
ـلِبُّ	شاسِفُ	〃	١٦	٣
تولُ	واقِفُ	〃	١٦	١٣١
ـانّ	جوائِفُ	〃	١٧	١٣٥
ـمدكَ	دالِفُ	〃	١٧	٤٥٦
ـأنّ	حالِفُ	〃	١٨	٩٣
ـمرُكَ	آلِفُ	〃	١٦	٢٠٩
فيكصرا	المُتقاذِفُ	〃	١٨	٢٤٢

صدر البيت	قافیته	بحر	مجلد	صفحة
كأنّ	واكِفُ	طويل	١٩	٣٣٧
أكلّ	طائِفُ	〃	٢٠	١٤٦
فإن	خائِفُ	〃	٢٠	١٦٦
يُقلّبُ	المَناشِفُ	〃	٢٠	٢٠٥
وحطّتْ	الطّوائِفُ	〃	٢٠	٢٥٥ (ر= ٢٠: ٢٩٩، ٣٠٠)
فلمّا	مُتشارِفُهُ	〃	٦	٨٩
أتانا	ثِقافُ	〃	٨	٥٩
فأطعمته	كِتافُ	〃	٨	٥٩
انّ	لَضعيفُ	〃	١	٢٥٧ (ر= ١١: ٢٤٥)
ليصنع	خفيفُ	〃	٢	٤٦٢ (ر= ٤: ٤٦١، ٦: ١٤٠، ١٣: ٢٤٣)
بقولٍ	كُفوفُ	〃	١١	٢١٢
لعمرى	مَشوفُ	〃	١٢	٢٦٧
وأعطاك	عَيوفُ	〃	١٣	٧٦

انظر ایضًا (ر١٣: ٤٢٢)

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
أمن	وكيفُ	طويل	١٥	١٣٢
فمن	صَرِيفُ	″	١٥	٤٢٤
هنيئًا	رَفِيفُ	″	١٩	٢١٨
ولا	الشَّعَفِ	″	٦	١٢٨
كأنَّ	الغُلُفِ	″	٧	١٦٣ (= ٢٠: ١٩٩)
جَوَابِ	الصِّرَفِ	″	٩	٢٦٦ (= ١٠: ٤٠٦)
فأبنا	جَرَفِ	″	١٠	٣٧٠
فلا	الشَّعَفِ	″	١١	٨٠
مصادُ	بالأَلَفِ	″	١٤	١٤٢
وكنتُ	تُوَسَّعُ	″	١٤	١٠٠ (= ١١: ٢٧٢)
فكلتاهما	تَحِيفُ	″	٧	٦٨
فتدخلُ	المُعَرَّفِ	″	١٠	١٧٣ (= ١١: ١٤٥)
اذا	المُخَضَّلَفِ	″	١١	٤٢٢
بلامسة	لِمُرْدِفِ	″	١١	١٤
إذا	نُصَدَّفُ	″	١١	٩٠

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
غدت	مُصَلِّفِ	طويل	١١	٩٩
عليكم	المُتَضَعِّفِ	″	١١	١٠٦
كأنَّ	مُطْنِفُ	″	١١	١٢٨
علالتنا	يُتَقَرَّفِ	″	١١	١٨٦
وهنَّ	تُقَطَّفِ	″	١١	١٩٤
اذا	بالتَّحَائِفِ	″	١١	٢٦٥ (= ١٩: ٥٧ع)
تعكفُ	بالتَّصَنُّفِ	″	١١	٢٦٦
عظام	التَّوَازُفِ	″	١١	٢٧٢
طليلُ	المُتَقَقَّفِ	″	١٧	١١٣
اذا	المُتَقَقَّفِ	″	١٩	٥٥
فإنَّ	الخلائفِ	″	١	٣٩٠
من الزُّغب	الكَرَائِفِ	″	١	٤٣٣
اذا	العَوَارِفِ	″	٢	٢٤٤
كأنَّ	واقِفِ	″	٤	٢١٧
لها	القَلائِفِ	″	٦	٢٠٦
اذا	السَّوَالِفِ	″	٨	٥
يَزِينُ	الزَّخَارِفِ	″	٩	١٣٣
ووادٍ	كالكَرَاسِفِ	″	٩	١٨٩

له انظر ايضًا (١١: ٤٠٨) –

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
والفارِسيّةُ	سُلعتُ	بسيط	١٧	١٢٢
يامنْ	الصّدَفُ	»	١٩	١٦٣
أنّى	يُقترَفُ	»	٢٠	١٨٢
طُلسٌ	دُلُفُ	»	٢٠	١٩١
وكانَ	والأَلِفُ	»	١٠	٣٥١ (= ٢٠: ١٣٨،
(او' ماكان)				)
فأضحتِ	والحذفِ	»	١٠	٣٨٤
أمسى	بالغُرفِ	»	١١	١٧١ (= ١٥: ١٨٠)
كأبي	اللّقفِ	»	١١	٢٣٣ (= ١٦: ٢٩٠)
تنفي	الصّياريفِ	»	٤	٤٣٦ (= ١١: ٩٢، ١٥: ٨٩، ٢٠: ٢١٢)
فَحَلَّ	الغطاريفِ	»	٢	٣١٢
يالهفَ	تلهيفي	»	٥	١٩٢ (= ١١: ٢٣٦، ١٥: ١٥٧)
قد	ملهوفِ	»	٦	٨٨

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
حتى	مَزاحيفِ	بسيط	١١	٣٠
كأنّ	مَزاحيفِ	»	١١	١٦٧ (= ١٩: ٩٤)
نصا	الصّياريفِ	»	١٣	٤١١ (= ٢٠: ٤٢)
مأوى	عُلفوفِ	»	١٤	٢٠٦
الآكلين	أثافيها	»	٢٠	١٣٣
كأنّ	خوافيها	»	١	٤١٨ (= ٥: ١٦١، ٥: ٢٤٠)
أوأعوجيّ	فيها	»	١٠	١٨٩
كأنّه	فيها	»	١٤	٢٤٧
الحزن	أضيافي	»	١٣	٤٩٧
وعازبِ	الحافي	»	١٤	٢٣٨
باكرته	الحافي	»	٢٠	١١٧
وقرّبوا	شَنُفا	»	١	١٧١ (= ١١: ٨٥ع، ١٢: ٣٠١، ١٥: ٢٤٢)
(او' شُنفا)				
عَشّيتُ	اطّافا	»	١	٢٧٩ (=

له انظر ایضا (٢ : ٢٠٥)-

صدر البیت	قافیتہ	بحرہ	مجلد	صفحۃ
نَسوفَ	العَلِيفُ	وافر	۱۰	۴۰۱
تَعَلَّمْ	حَنِيفُ	″	۱۰	۴۰۳
أُتِيحَ	خَشُوفُ	″	۱۰	۴۱۶
تُؤَمِّلُ	تَقِيفُ	″	۱۰	۴۴۴
فَبَيْنَا	دَفُوفُ	″	۱۱	۳
ونَفْرِي	الشَّفِيفُ	″	۱۱	۸۳
بَدَا	الكُفُوفُ	″	۱۱	۲۱۲
حَرِيمًا	الكَنِيفُ	″	۱۱	۲۲۰
فلم	اللَّقِيفُ	″	۱۱	۲۳۳ع،
فألفى	نَسِيفُ	″	۱۱	۲۴۱(= ۱۵: ۲۵۱)
مِن	وَرِيفُ	″	۱۱	۲۷۱
أُحْدِثُ	وُقُوفُ	″	۱۱	۲۷۵ص،
أُتِيحَ	خَشُوفُ	″	۱۱	۳۶۱
فَأَخْلَفْنَا	نَطُوفُ	″	۱۳	۱۵۸
اذا	الوَجِيفُ	″	۱۳	۲۰۲
فَلَمْ	اللَّقِيفُ	″	۱۶	۱۵
أَيَسْخَطُ	والكَنِيفُ	″	۱۷	۲۴۱
صَرِيفُ	الشُّفُوفُ	″	۱۹	۱۰۱
فقال	تَعِيفُ	″	۲۰	۲۵۸

صدر البیت	قافیتہ	بحرہ	مجلد	صفحۃ
يَدُ	الكُفُوفُ	وافر	۲۰	۳۰۳
صَبَحْنَاهُمْ	وافي	″	۳	۳۳۳
تَرَكْنَا	مَنَافِي		۳	۴۲۹
أو الأُدْمِ	النِّعَافِ	″	۳	۲۷۳(= ۱۹: ۲۹۹)
فَلَمَّا	صافي	″	۴	۱۸۹(= ۵: ۲۴۰)
تَجَنَّبُهَا	الحَوَافِي	″	۱۰	۴۰۷
لقد	الضِّعَافِ	″	۱۱	۱۰۲(= ۲۰: ۸۸)
فِدًا	الطِّرَافِ	″	۱۱	۱۱۷
وَإِنْ	عِجَافِ	″	۱۱	۱۳۸
لَقَدْ	الضِّعَافِ	″	۱۵	۴۱۴
تَقُولُ	العِطَافِ	″	۱۷	۳۴۹
وإنّ	الأثافي	″	۱۸	۱۴۳
فَقَصْمٌ	حَافِ	″	۱۹	۱۷۹
كأنّ	مُوافي	″	۲۰	۲۸۱
فجاءُوا	الأُنُوفِ	″	۱۰	۲۴۸
وماذا	حَنِيفُ	″	۱۰	۴۰۴
وحَيْفُ	العَدُوفِ	″	۱۱	۱۳۹

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
لـمّا	والكفّا	رجز	٩	١٥٣ (= ١١: ٧٦)
لـمّا	مُشرِجفاً	″	٩	٦٢
سألتُ	تَخِفّاً	″	١٠	٣١
سألتُ	خُفّا	″	١٠	٣٢٩
بـه	النُّفّه	″	٧	٣٦ (= ١٤: ٢٢)
تشأنَ	الأرفه	″	١٧	٣٢٨
فاندفعت	واستقفاها	″	١٧	٩٣
رُبّ	كالقُفّه	″	١٠	٣٧٢
طُربى	كفّه	″	١١	٢٤٣ (= ١١: ٢٦٢)
كُلّ	هرشفّه	″	١١	٢٦٢
قُبّحتُ	قفا	″	١	٣٠٢
وشجر	فجفا	″	٢	٢٧٩
كلا	أجوفا	″	٩	٢٨٤
أعددتُ	مِجرفا	″	١٠	٣٦٨
وإن	اخرورفا	″	١٠	٣٨٨ (= ١٩: ٢٦٤)
تخالُ	تحرّفا	″	١٠	٣٨٨

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
ذاب	أحصفا	رجز	١٠	٣٩٤
هديّة	حففا	″	١٠	٣٩٥
ناج	وجفا (او "جفا")	″	١٠	٣٩٨ (= ١٩: ١٢٤)
وأقطع	أسدفا	″	١٠	٤١٦
جون	الخُتّفا	″	١٠	٤١٨
حتى	تكشّفا	″	١٠	٤٢٠
يرفعن	أسدفا	″	١٠	٤٢٤ (= ١٦: ٢٥٠)
فانقضّ	الطّرّفا	″	١٠	٤٢٦
والشمس	تزحلفا	″	١١	٦
فشنّ	نزفا	″	١١	١٩
وانشمن	أزحفا	″	١١	٢٩
والشمس	تزحلفا	″	١١	٣١
ناج	اخقوقفا	″	١١	٣٨ (= ١١: ٢٦٨)
أدفعها	أسدفا	″	١١	٣٦ ع،
يرفعن	زجّفا	″	١١	٤٦
بجيد	نسرعفا	″	١١	٥١
ومربأ	تشرّفا	″	١١	٧٤

له انظر أيضاً (١٩: ١٢٦).

صدر البيت	قافية	بحر	مجلد	صفحة
باتت	عكوفا	رجز	١٨	١٠٩
أقبلت	كالخرف	"	٢	١٩٢ (ر= ١٠: ٢٠٩)
قام	الكتف	"	٥	٢٠
أقبلت	الف	"	٩	١٥٨
واستمعوا	النطف	"	١٠	٣٦٣ (ر= ١٨: ١١٢)
إن	الخلف	"	١٠	١٣١ (ر= ٢٢٤ص، ٤٣٧)
إن	الأنف	"	١١	٢٣ (ر= ١٤: ١٨٥)
حوراء	رهف	"	١١	٢٧ (ر= ١١: ٥٧)
حتى	كالزلف	"	١١	٣٩
يا أيها	الشنف	"	١١	٦٩
يوم	تعترف	"	١١	٩٠ص،
أوردها	العدف	"	١١	١٤٠
حتى	انخسف	"	١١	١٧٣

صدر البيت	قافية	بحر	مجلد	صفحة
لما	منغضف	رجز	١١	١٧٤
شد	النطف	"	١١	١٩٥ (ر[1]= ١١: ٢٢٨)
الدأو	اللفف	"	١١	٢٣٢
واستمعوا	بجتاف	"	١١	٢٢٨
فطرحت	تقذف	"	١١	٢٥٦
لما	تحف	"	١١	٢٦٩
لم يبق	إسكاف	"	١١	٥٨
لو	الضاف	"	١١	٢٢٤
أنت	جافي	رمل	٧	٢٦٧
وبنوا	الصحافا	"	٦	٣٠٨
ولقد	المستضافا	"	١١	١١٤
رب	الزغف	"	١١	٣٥
وهم	مناف	"	١٩	١٣٧
إذا	مغضف	سريع	٤	١٠٣ (ر= ١١: ١٧٥)
إذا	معصف	"	١١	١٥٣ (ر= ١١: ١٧٣)

---

[1] انظر ايضًا ر ١١: ١٥٣)

صدر البيت	قافيه	بحر	مجلد	صفحة
وحَتّشْنَ	القَطِيفِ	خفيف	١٢	٣٣٠
وَمَا	مَصْرِفُ	متقارب	١	٢٠٤
فلما	أسْدَفُ	″	٦	١٢٧ (ر= ١١:٤٧،)
مُجَلِّحَة	تَلْصِفُ	″	١١	٢٢٧
ولدت	نُتَّفُ	″	١١	٢٥٧
عَلَيْه	لمُسْتَعْطِفِ	″	١٣	٢٥٥
لَهَا	أوغفا	″	١١	٢٢٩
عَوَانِذ	إكتنافا	″	٥	٣٣
وما	اتّصافا	″	٨	١١٠ (ر= ١١:٢٧٢،)
كأنّ	دِيافا	″	١١	٧ (ر= ١٣:٤٧٥،)
أفاخ	كِتافا	″	١١	٢٠٤ (ر= ١٨:١٧٥،)
أحار	كِفافا	″	١١	٢١٧
مُرِنَّة	انتجافا	″	١١	٢٣٧
قيامًا	انتسافا	″	١١	٢٤١
تَعَدَّمْتُهُنَّ	استهافا	″	١١	٢٦٧
وأجُبْنَ	أضافا	″	١٦	٢٣٥

صدر البيت	قافيه	بحر	مجلد	صفحة
ومَاءٍ	الشَّرِيفَا	متقارب	٣	٢٨٢ (ر= ٥:٤٢٣،)
كَأَنَّ	رِيفا	″	٣	٤٤٨
فلا	خَيْفا	″	٣	٤٩٨ (ر= ١٠:٤٤٨،)
نَخَضْخَضْتُ	عَطُوفا	″	٥	٢٥٥ (ر= ٩:٣، ٧، ١١:١٥٨، ١٤:٣٧٢، ١٧:١١٤،)
أجَشَّ	كَثِيفا	″	٨	١٦١ (ر= ١١:٢٠٩،)
أرِقْتُ	خَفِيفا	″	٩	٧١
فأقبَلَ	جَزِيفا	″	٩	٣٧٣ (ر= ١٠:٣٧١،)
فَذَاك	نَتِيفا	″	١٠	١٩
وَتَبْسِمُ	الجُفُوفا	″	١٠	٢٩٣ (ر= ١٠:٣٧٢،)
أسال	جُوفا	″	١٠	٣٧٩

ق

[1] انظر ایضاً (۴: ۱۲۰) [2] انظر ایضاً (۱۱: ۳۴۹)

صدر البيت	قافية	بحره	مجلد	صفحة
يداك	تُنْفِقُ	طويل	١١	٢١١
أباهل	أُولَقُ	″	١١	٢٨٨
ولو	يَبْرُقُ	″	١١	٢٩٢
ونازلةٍ	تحرّقُ	″	١١	٣١٩
يُحابِي	يَتَفَرَّقُ	″	١١	٣٢١
فما	مُحْزَقُ	″	١١	٣٣١
فذاك	مُحُزرَقُ	″	١١	٣٣٢
وإنَّ	سَمْلَقُ	″	١١	٣٣٥
وردتُ	مُحلّقُ	″	١١	٣٤٩
تُشَبُّ	والمُحلّقُ	″	١١	٣٥٠
تَروحُ	تَفْصَقُ	″	١١	٣٥٠ (= ١٢: ١٨٩، ١٨: ١٤٠)
لَهُ	دَيْسَقُ	″	١١	٣٨٥ (= ١٢: ٣٠٦
فما	يَتَدَفَّقُ	″	١١	٣٨٨
وقد	مُرَوَّقُ	″	١١	٤٢٥ (= ع٤٢٥، ٤٢٦ع، ٤٢٥)
لقد	أُزرَقُ	″	١٢	٤
أحارِ	تَسْرِقُ	″	١٢	٢٣

صدر البيت	قافية	بحره	مجلد	صفحة
وهل	مُطْرِقُ	طويل	١٢	٨٦
وتَبسِمُ	تُطْلَقُ	″	١٢	٩٧
نصارُ	أَعْلَقُ	″	١٢	١٤٢
وقد	فتَغلَقُ	″	١٢	١٦٦ (= ١٢: ٣١٧،
ولابُدَّ	فَيَتَّقُ	″	١٢	١٧٣ (= ٣٢٥،
رأيتُ	فَيَتَّقُ	″	١٢	١٧٣
فإن	أُمزَّقِ	″	١٢	٢١٩
فمَن	يُمزِّقِ	″	١٢	٢١٩
دِيانيّه	يتمطّقُ	″	١٢	٢٢٢
أبيتُ	يُنفِقُ	″	١٢	٢٣٦
اذا	هَبَنَّقُ	″	١٢	٢٤٤
فأصبحتُ	يترقرقُ	″	١٢	٢٤٥
وتُصبحُ	أولَقُ	″	١٢	٢٦٤
يُخيّلُ	نِقْنِقُ	″	١٢	٣٤٢
سقى	يلبقُ	″	١٢	٣٤٥
لعمرُك	تخنُقُ	″	١٢	٣٨٧
غللتُ	تمزّقُ	″	١٤	١٤
فإن	أَعرِقُ	″	١٤	٣٣٩

[١] انظر ایضًا (١٩: ٦٢) [٢] انظر ایضًا (١١: ٣٠٩) [٣] انظر ایضًا (١٣: ٤٢٨)

[١] انظر أيضاً (١٢: ٣٣٢،)

صدر البیت	قافیته	بحره	مجلد	صفحة
أَلا	نِیفُهَا	طویل	۱۰	۳۶۱
وما	صَفُوفُهَا	"	۱۲	۷۰
وَبُدِّلَت	عَلُوقُهَا	"	۱۲	۱۴۰
مُسَلسَلَة	رِبقُهَا	"	۱۳	۱۸۹
بِضَرب	بِالنَّهقِ	"	۱۲	۵۹ (= ۱۶: ۷۰، ۱۹: ۳۱۱)
کَأَنِّی	نِقنِقُ	"	۱	۸۱
وَقَد	المُطَرِّقِ	"	۱	۲۹۳ (= ۸: ۳۳۰، ۱۱: ۲۴۲، ۱۲: ۹۳)
وَفِی	فَاَصدُقِ	"	۱	۳۶۱ (= ۷: ۳۸۲، ۱۲: ۶۴، ۱۶: ۹۹)
وَادرَکهُنَّ	المُتَوَرِّقِ	"	۲	۱۸۵
جَزَی	المُمَزَّقِ	"	۲	۳۴۴
تَضَیَّتُ	تُفَتَّقِ	"	۳	۳۰ (= ۱۵: ۴۳۱)

صدر البیت	قافیته	بحره	مجلد	صفحة
یَطفُنَ	المُشَقَّقِ	طویل	۳	۹۰
فَامَّا	مُفَرَّقِ	"	۳	۴۲۲
وَنَحنُ	مُنتَنِقِ	"	۴	۱۲ (= ۴: ۱۸۵)
رَفَعنَ	المُنَبَّقُ	"	۴	۳۶۴
فَاعشَیتُهُ	لَصُوقُ	"	۵	۱۶۸ (= ۱۲: ۲۰۹، ۱۹: ۲۹۲)
بِرَجمٍ	رَونَقِ	"	۵	۲۷۱
أُمِرَّتُ	مُوثَقِ	"	۷	۲۴۶ (= ۱۵: ۴۱۹)
اذا ما	مُصَدَّقِ	"	۸	۳۸۰ (= ۱۰: ۲۶۱، ۱۲: ۶۳)
قَطَعتَ	تَلتَقِی	"	۸	۳۸۴
وَنَحنُ	تُرهَقِ	"	۹	۱۲۲
بِکُلِّ	مُقلَقِ	"	۹	۱۴۳
تَعَادُ	تَلتَقِی	"	۹	۲۲۹
أَتَیتُ	مُفرِقِ	"	۹	۳۰۳
وَنَصبِ	خَیفَقِ	"	۹	۴۰۷ (=

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
	(او حَيْفَق)			۱۸ : ۱۷۷ م)
سأمنعها	تشفّق	طويل	۱۱	۱۳۴ع
ودحنا	ترتقى	"	۱۱	۲۲۳
وبيت	مؤوّق	"	۱۱	۲۹۲
لوكان	مؤوّق	"	۱۱	۲۹۳
رأيت	الجلوبق	"	۱۱	۳۱۹
أبى	محدّق	"	۱۱	۳۲۲
وخيس	مخنق	"	۱۱	۳۵۷
وأبيض	مخرق	"	۱۱	۳۶۲
من	مسبّق	"	۱۳	۱۶
هو	مسورق	"	۱۲	۲۳
وسيرى	سبلق	"	۱۲	۲۹
كأن	أسوق	"	۱۲	۳۵
أبعد	بأسوق	"	۱۲	۳۵
فأتبعتهم	بشبرق	"	۱۲	۳۸
وما	مطرق	"	۱۲	۸۸
قرانا	مطلق	"	۱۲	۹۷
تبيت	المطلق	"	۱۲	۱۰۱
أكفّ	معرق	"	۱۲	۱۱۵
فان	أعرق		۱۲	۱۱۹ م=
				(۱۷ : ۱۶۲ م)
احارتنا	تعرق	طويل	۱۲	۱۱۶
فدى	عوق	"	۱۲	۱۵۳
وداوية	المغفق	"	۱۲	۱۶۴
وحدّث	منبّق	"	۱۲	۲۲۷ م=
				(۱۳ : ۱۹۰ م)
وحاد	بموبق	"	۱۲	۲۴۹
دخلت	مودق	"	۱۲	۲۵۱
تراقب	أولق	"	۱۲	۲۶۵
فان	أمزق	"	۱۲	۲۱
كأن	محلق	"	۱۳	۲۰۴
شنئت	المخرق	"	۱۳	۲۶۷
علا	موهق	"	۱۴	۲۷۰
عينك	الممزق	"	۱۵	۱۸۲
وخيل	مخنق	"	۱۵	۳۰۸
كأن	الممزق	"	۱۸	۳۵
منير	المفلق	"	۱۶	۲۰۱ م=
				(۲۰ : ۲۲۴ م)
ولولا	تمزق	"	۱۶	۲۴۵
فجاء	ملصق	"	۱۷	۷۱

[1] انظر أيضاً (١١: ٣٧٠) –

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
وثديان	النَّيَازِقِ	طويل	١٢	٢٢٠
جـمّ	المَيَاثِقِ	″	١٢	٢٥٠
وفَرْدِ	السُّرادِقِ	″	١٣	٢٢٠
نَطَقْ	بالحمالِقِ	″	١٤	٩
يَهتِكُ	صادِقِ	″	١٧	٢٧٨
خذاوِيَّةٌ	للعلائِقِ	″	١٨	٢٦٦
وإنْ	ناعِقِ	″	١٩	٣٤٦
حمتها	النمارِقِ	″	٢٠	٢٧١
بمنزلةٍ	رَفِيقِ	″	٦	٥ ر = ١٣: ٣٦٣)
بأطلام	خُرُوقِ	″	٧	١١٥
مضوا	لخُلُوقِ	″	١١	٣٧٦
لـه	مَضِيقِ	″	١٢	٢٢٧
حمتهُ	رَمُوقِ	″	١٥	٢٧٣
ولا	رَفِيقِي	″	١٦	١٨١
اذا	فَلْقَا	″	٤	٣٢٠ ر = ٩: ٣٠، ١٢: ١٨٦)
خليليّ	بَرْقَا	″	١٣	٣٨٢
تَتَبَّعْ	تُرْزَقَا	″	١	٥٦

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
يشربه	أورقا	طويل	٣	١١٩ ر = ١٢: ٢١٦، ٢٥٧)
فكن	أحمقا	″	٨	٨٥
أنته	تفلقا	″	٩	٣٠٥ ر = ١٤: ٣٦٩،)
اذا	الفرزدقا	″	١١	١٦٣
أريني	المحرقا	″	١١	٣٣٢
ويصبح	مزرنقا	″	١٢	٧
سقى	سرقا	″	١٢	١٢٣ ر = ١٦: ٩٣،)
أبوك	أمحقا	″	١٢	١٤٨ ر = ٢١٦،)
كما	صفقا	″	١٢	٣١٦
فإن	متنطقا	″	١٨	٢٦٥
ألا	عرقا	″	١٩	٣٤٢
شفاها	سقاها	″	١٥	٣٠٧
وقد	السوابقا	″	١١	١٢٠
لصوت	شبارقا	″	١٢	٣٨
وعون	النقانقا	″	١٤	٣١٧

[1] انظر ايضاً (۱۲: ۲۶۳)

اگست ۱۹۴۱ء

ضمیمہ

اورینٹل کالج میگزین

منجانب

عربک اینڈ پرشین سوسائٹی

پنجاب یونیورسٹی

لاہور

نوٹ۔ یہ ضمیمہ صرف عربک اینڈ پرشین سوسائٹی کے ممبروں اور خریداران ضمیمہ میں تقسیم ہوتا ہے

فہرستِ مضامین

ضمیمہ بابت ماہِ اگست ۱۹۴۱ء

گیلانی الیکٹرک پریس ہسپتال روڈ لاہور میں باہتمام مہتہ الیشر داس پرنٹر چھپا
اور بابو صدیق احمد خان نے یونیورسٹی اورنٹل کالج لاہور سے شائع کیا

همای و همایون

خواجوی کرمانی

شاعر شہیر ایران

مصنفہ سنہ ۷۳۲ ہجری

بہ تصحیح

تاج محمد خان ایم اے
پروفیسر گورنمنٹ کالج رہتک

مئی سنہ ۱۹۴۱ء

دیباچہ

ہمای و ہمایون خمسۂ خواجو کی پہلی مثنوی ہے۔ اسی نام کی ایک مثنوی ترکی زبان میں فضلی شاعر المتوفی ۹۰۷ھ نے بھی لکھی ہے۔ یہ مثنوی شہزادہ ہمای شہنشاہِ شام کے اکلوتے فرزند اور چین کے حکمران کی چشم و چراغ شہزادی ہمایون کے معاشقہ کی داستان ہے۔ ہمای و ہمایون کے مطالعہ سے ظاہر ہے کہ خواجو نے نہایت احتیاط سے نظامی کے طرزِ سخن اور مضمون مثنوی میں جملہ جزئیات تک مکمل پیروی کی ہے۔ شاید انہیں اس بات کا احساس بھی تھا۔ چنانچہ اپنی دوسری مثنوی گل و نوروز میں فرماتے ہیں ؎

نگوید نظم در شیرین کلامی چو خواجو ہیچ شاگرد نظامی

اس مثنوی کا وزن سکندر نامہ کا ہے لیکن موضوع عاشقانہ ہے۔ خواجوی کرمانی کے ہاں مثنویوں کا وزن خمسہ نظامی کی طرح ہے۔ لیکن ہر مثنوی کا موضوع نظامی کی مثنویوں کا پابند نہیں۔ صرف روضۃ الانوار اور گل و نوروز کا وزن و مضمون مخزن الاسرار اور خسرو شیرین کا سا ہے۔ گوہر نامہ کا وزن خسرو شیرین کا ہے۔ لیکن موضوع وہی نہیں۔ ایسے ہی کمال نامہ کا وزن ہفت پیکر کا ہے۔ لیکن موضوع عارفانہ صوفیانہ ہے۔

ہمای و ہمایون کا سنہ تصنیف ۷۳۲ھ ہے۔ وہ خود فرماتے ہیں۔

من این نامور نامہ از بہر نام چو کردم بفالِ ہمایون تمام
کنم بذل بہ ہر کہ دارد ہوس کہ تاریخ این نامہ بذل است و بس

آغاز مثنوی میں حمد و نعت کے بعد سلطان ابو سعید بہادر خان چنگیزی اور اس کے

وزیر خواجہ غیاث الدین محمد کی مدحیں ہیں۔ ابو سعید چنگیزیوں کا آخری مقتدر فرمانروا ہے۔ اس کی وفات نے تخت کے کئی دعویدار پیدا کر دئیے۔ ملک میں بدامنی کا دور دورہ رہا۔ جس نے امیر تیمور کے لئے موافق صورت حالات پیدا کر کے چنگیزی امراء کی رہی سہی قوت کو ہمیشہ کے لئے تباہ کر دیا۔ امیر تیمور کا سال پیدائش ۷۳۶ ہجری ہے اور اسی سال سلطان ابو سعید فوت ہوتا ہے۔ خواجہ غیاث الدین محمد اپنے والد خواجہ رشید الدین فضل اللہ کی طرح علما پروری کے لئے مشہور ہیں۔ ابو سعید کے زمانے میں علم و فضل کا جو چرچا تھا انہی کی بدولت تھا۔ وہ خود ایک اعلیٰ درجہ کا صحیح مذاق سخن رکھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ صدہا شاعر اور ادیب کھچے چلے آتے تھے۔ اور اپنے ادبی شاہکار پیش کرتے تھے۔ حمد اللہ مستوفی نے اپنی تاریخ گزیدہ انہی کے نام پر لکھی ہے۔ سلمان ساوجی ان کے مداح رہے۔ ان کا ایک قصیدہ جس میں تکلف سے صنائع بدائع کا التزام کیا گیا تھا۔ خاص طور پر ان کے لئے لکھا گیا تھا۔ قوامی گنجوی کے مشہور قصیدہ کی طرح یہ بھی اپنی طرز کا نرالا قصیدہ ہے۔ ایسا ہی ایک قصیدہ مخزن البحور و مجمع الصنائع شمس فخری نے بھی لکھا۔ یہ بھی اسی وزیر کے مداح تھے۔ قاضی عضد الدین ایجی نے جو متکلمین بزرگ سے ہیں متن مواقف، فوائد غیاثیہ، شرح مختصر ابن حاجب ان کے نام معنون کیں۔ اوحدی مراغی نے جام جم پیش کیا۔ محمد بن علی شبانکارہ ای مصنف مجمع الانساب بھی ان کے مداحوں میں سے تھے۔ عماد فقیہ نے مثنوی صحبت نامہ کو ان کے نام نامی سے منسوب کیا۔

ہمای و ہمایون بھی غالباً اسی علم دوست اور فاضل وزیر کے لئے لکھی گئی تھی گو آغاز داستان سے پہلے بتایا گیا ہے کہ ایک امیر ابو الفتح مجد الدین محمود نے شاعر کو اس کام پر آمادہ کیا ہے۔ تاریخ میں فی الحال ان کا ذکر نہیں ملا۔ محمد بن علی شبانکارہ ای

ی کتاب مجمع الانساب اسی زمانہ کی نادر تاریخ ہے۔ شاید اس کتاب میں کچھ حالات
ں جاتے لیکن یونیورسٹی لائبریری میں نہ اُس کا کوئی قلمی نسخہ ہے اور نہ ہی کوئی عکس ہے
ان مدائح کے بعد ایک ساقی نامہ ہے اور جس طرح می خانہ کے فاضل ایڈیٹر
نے دیباچہ میں تصریح کی ہے۔ بظاہر خواجوی کرمانی ہی نے پہلا باقاعدہ ساقی نامہ
لکھا جو اس کتاب میں ہے۔ اس ساقی نامہ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے۔ کہ
شاعر نے اس کو نو نو شعر کے دس بندوں میں لکھا ہے۔ بعد میں داستان کا آغاز ہے
س کا مضمون محض افسانوی حیثیت رکھتا ہے۔ خود فرماتے ہیں :۔

مرا زین چہ کین قصہ بود از نبود — بشعر روان سحر باید نمود

ندا شعار سے پتہ چلتا ہے کہ اس منظومہ کا ماخذ کوئی پرانا ایرانی فسانہ ہوگا۔ جو خواجو کو
یا گیا کہ " نسونِ مُغان بر سلمان بخوان "۔

اس میں کلام نہیں کہ اس مثنوی میں وہ لطافت اور شیرینی جو خواجو سے
قع کی جاسکتی ہے۔ اور جو اُن کی بعد کی مثنویاں میں نمایاں ہے۔ نسبتاً کم ہے۔
شاید تصوف کا رنگ ابھی ان پر نہیں چڑھا تھا۔ تبھی وہ گھلاوٹ جو اس کا خاصہ ہے
مفقود ہے۔ جہاں شہزادہ ہمای کے ملک خاور کے تخت و تاج کو چھوڑ کر چین چلے
جانے کی داستان ختم کی ہے۔ وہ "نتوان مُرد بسختی کہ من اینجا زادم" کے مصداق کرمان
کی شکایت کرتے اور بغداد جانے کے شائق نظر آتے ہیں :۔

برو ترکِ این محنت آباد گیر — لبِ دجلہ و راہِ بغداد گیر
چو ایوب در بندِ کرمان مباش — چو یعقوب در بیت احزان مباش
ز ہر گوشہ درمانِ دردی طلب — ز ہر چشمہ آبخوردی طلب
ولی صبر کن تا خلاصت دہند — جفا کش کہ تشریف خاصت دہند
بکرمان ز غم گر دلت جان دھد — صبوری خلاصت ز کرمان دہد

اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ مثنوی کا یہ حصہ کم از کم کرمان میں لکھا گیا ہوگا۔ آخر میں شاعر نے اپنی خستہ حالی کا باب کھولا ہے۔ اس کے ممدوح فوت ہو چکے ہیں۔ بغداد میں اس کا کوئی قدرشناس نہیں رہا۔ یہ مثنوی جو بڑی محنت اور آرزوؤں سے لکھی گئی تھی ویسے ہی گھر رکھی ہے۔ کسی کے پیشکش نہیں کی۔ ان حالات میں وہ کرمان واپس آتا ہے۔ اور خواجہ تاج الدین عراقی کی بدولت جو کرمان کے امیر ہیں۔ قاضی شمس الدین صائن حاکم سیرجان سے شناسائی حاصل کرتا ہے۔ ہمای و ہمایون اُن کے پیش کش کی جاتی ہے۔ قاضی مذکور اور اُن کے فرزند رکن الدین عمید الملک انعام و اکرام سے ہمت افزائی کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں :-

چو آن گوہر افشان معجز نواز — سر حقۂ تربیت کرد باز
یکایک تعجب نما آمدند — بہ تحسین زنم سرا آمدند

چنانچہ ؎

زچا ہم رساندند زان پس بجاہ — کشیدندم از گاہ ماہی بماہ
سرم بگذراندند از برِ بلند — کشودند پای امیدم زبند
فزون زانکہ بود التماسم زدہر — بدین خستۂ بستہ دادند بہر

تاج الدین عراقی امیر مبارز الدین محمد مظفر کے وزیر بھی رہے ہیں۔ امیر نے جب سنہ ۷۴۱ھ میں کرمان کا محاصرہ کیا ہے۔ تو خواجہ تاج الدین عراقی ہی نے سب سے پہلے شہر سے باہر نکل کر اظہار اطاعت و وفاداری کیا۔ عماد فقیہ نے محبت نامۂ صاحبدلان مصنفہ ۷۲۲ ہجری (نام خود مادۂ تاریخ ہے) انہی کے نام معنون کیا۔ اور خواجو نے اپنی مثنوی گل و نوروز بھی ان کے لیے لکھی ۔

قاضی شمس الدین صائن چوپانیوں کی طرف سے سیرجان کے حاکم تھے۔ پہلے امیر پیر حسین چوپانی اور پھر ملک اشرف کے ہوا خواہوں میں رہے۔ سنہ ۷۴۴ھ کے بعد

جب ملک اشرف نے شیراز کو فتح کرنا چاہا۔ تو امیر مبارز الدین سے مدد مانگی۔ امیر نے
جواب میں لکھا کہ اگر ارادہ دوستانہ تعلقات رکھنے کا ہے۔ تو قاضی شمس الدین صائن
کو میرے ہاں بھیجئے۔ امیر پیر حسین چوپانی اور امیر مبارز الدین کی باہمی شکر رنجی کا باعث
یہی قاضی صاحب تھے۔ چنانچہ ان کو بھیجا گیا۔ امیر مبارز الدین مہربانی سے پیش آئے
لیکن قلعہ سیرجان چند ہزار دینار رسالانہ کے عوض ان سے لے لیا۔ کچھ عرصہ بعد قاضی
شمس الدین صائن نے ارادہ ظاہر کیا کہ اُسے شیراز جانے کی اجازت دی جائے تاکہ
بادشاہِ شیراز شیخ ابو اسحٰق اور امیر مبارز الدین میں جو دیرینہ رنجش چلی آتی ہے دُور کی
جائے۔ اور ابرقوہ اور شبانکارہ کو قلمروِ مبارزی کے ساتھ ملحق کیا جائے۔ چنانچہ وہ
شیراز بھیجے گئے۔ وہاں جا کر قاضی صاحب سب کچھ بھول بیٹھے۔ شیخ ابو اسحٰق نے ان کو
سید غیاث الدین علی یزدی کے ساتھ اپنا وزیر بنا لیا۔ اور امیر مبارز الدین کی مخالفت
علانیہ ہونے لگی۔ خواجہ تاج الدین عراقی نے قاضی صاحب کو شیراز بھجوانے کی کوشش
کی تھی۔ امیر مبارز الدین نے غضبناک ہو کر تاج الدین عراقی کے قتل کرنے کا حکم دے دیا
س نے یہ شعر پڑھا ؎

برتاج عراقی ز سرِ لطف بہ بخش   تا خسرو و تاج بخش خوانند ترا

س دفعہ تو جان بچ گئی۔ لیکن پھر کسی جرم میں متہم ہو کر شہید ہوئے۔ قاضی شمس الدین
لمدان وزارت سنبھالتے ہی کرمان کی فتح کے خواب دیکھنے لگے۔ لشکر فراہم کیا اور
قابلہ کے لئے آئے۔ فوج نے شکست کھائی اور خود بھاگ نکلے۔ امیر مبارز الدین کے
دمیوں نے تعاقب کیا۔ گرفتار ہوئے اور قتل کئے گئے۔ یہ واقعہ ۷۴۲ھ کا ہے خواجہ
ایک شعر جو اس واقعہ کی تاریخ سے متعلق ہے اور بقول ریو حافظ ابرو کی زبدۃ التواریخ
بں ہے۔ مجھے باوجود تلاش کے نہیں ملا۔

مثنوی ہمای و ہمایون سلطان ابو سعید کی وفات سے چار برس پہلے یعنی

سنہ ۷۳۲ھ میں مکمل ہوتی ہے۔ سلطان کی وفات کے پانچ ماہ بعد فاضل وزیر کو قتل کر دیا جاتا ہے۔ معلوم نہیں کہ وہ کیا موانع تھے۔ جن کے ہوتے ہوئے شاعر اتنا عرصہ انعام سے محروم رہا اور آخر اُسے مایوس ہو کر کرمان واپس آنا پڑا۔ افسوس ہے کہ متن کتاب نے ہماری رہنمائی نہیں کی۔ اسکے علاوہ وہ "سبب قصہ بہ نظم آوردن" میں لکھتے ہیں:۔

برفت از دلم ہوش واز دیدہ خواب ز چشمم ببارید چون ژالہ آب

کہ اکنون کہ دور سپہری کہ گشت سہ و سی سال از عمر من درگذشت

گویا مثنوی لکھتے وقت وہ تیس برس کے تھے۔ جب ان کی پیدائش سنہ ۶۸۹ھ میں ہوئی۔ تو لامحالہ آغاز مثنوی سنہ ۷۱۹ھ میں ہؤا۔ لیکن انجام مثنوی کی تاریخ خود انہوں نے سنہ ۷۳۲ ہجری ضبط کی ہے۔ اب یہ ماننا کہ ۱۳ سال صرف یہی مثنوی لکھا کئے خلافِ عقل ہے۔ البتہ ہو سکتا ہے۔ کہ لکھتے لکھتے اسے ترک کر دیا ہو۔ اور پھر مدت گزرنے پر اسے مکمل کیا ہو۔ یہ پہلو بھی فی الحال تشنہ تحقیق ہے۔

ہمای و ہمایون کا جو متن اس ایڈیشن میں پیش کیا جاتا ہے۔ چار نسخوں پر مبنی ہے اور جنہیں ل۔ ب۔ ج اور ل سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ل سے مراد ہمای و ہمایون کا روٹوگراف ہے جو برٹش میوزیم کے ایک پرانے قلمی نسخہ کا عکس ہے۔ اس کا نمبر ۱۸۱۱۳ .Add ہے۔ اور خواجو کی تین مثنویوں یعنی ہمای و ہمایون، روضۃ الانوار اور کمالنامہ کا مجموعہ ہے۔ اس نسخہ کا سنہ تحریر سنہ ۷۹۸ ہجری ہے۔ اس لحاظ سے کہ یہ نسخہ ہمای و ہمایون کا دنیا میں شاید قدیم ترین ہے۔ اور شاعر کی وفات کے قریب کے زمانہ کا لکھا ہؤا ہے۔ اسے خاص اہمیت حاصل ہے۔ چنانچہ میں نے اختلاف کی صورت میں عموماً اسی نسخہ پر اعتماد کیا ہے۔ اس کے کاتب میر علی بن الیاس التبریزی الباورچی ہیں۔ جنہیں عام طور پر موجدِ نستعلیق مانا جاتا ہے۔ یہ نسخہ بغداد میں ایک رئیس ابوالفتح بہرام کی لائبریری کے لئے تیار کیا گیا تھا۔ تحریر صاف

نستعلیق میں ہے۔ لیکن باریک سب ہے۔ اس روٹوگراف کے اوراق پر متن کے صفحات آگے پیچھے بے ترتیبی سے ہیں۔ اس سے بڑی دِقت رہی۔ ایک ماہ کے مکمل مطالعہ اور ورق گردانی کے بعد کہیں جا کے یہ عقدہ حل ہُوا۔ اب اس پر نمبر صفحات صحیح کر دیئے گئے ہیں۔ متن میں صفحات کی ترتیب یوں ہونی چاہیئے

۲ل ؛ ۲۴۴ب —— ۳۲ل ؛ ۲ب —— ۲۴ل ؛ ۱۴۱ب ——

۴۳ل ؛ ۳۲ب —— ۱۴۱ل ؛ ۳۴۳ب —— ۴۹ب ؛ ، ہر صفحے پر تقریباً پچاس شعر درج ہیں۔ عنوان عام طور پر مِٹ چکے ہیں۔ اس نسخہ میں وہ ہمہ شامل نہیں۔ جو باقی نسخوں میں ہے۔ اور جس میں شاعر نے اپنی پریشان حالی اور تاج الدین عراقی کی بدولت قاضی شمس الدین صاعؔ کے ہاں رسائی کا ذکر کیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اوّل بار مثنوی کو یہاں ہی ختم کیا گیا تھا اور تتمہ حسب ضرورت بعد میں اضافہ کیا گیا۔ اس نسخہ میں مختلف تصاویر بھی ہیں۔ جو متن کو اور زیادہ دیدہ زیب بنا رہی ہیں۔ یہ نسخہ ساڑھے چھ سو سال سے زائد معمر ہونے کے علاوہ ایک بڑے ماہر فن کی یادگار ہے۔ مَیں نے متن کے ساتھ اس روٹوگراف کا نمبر صفحہ بھی درج کر دیا ہے ؛

بؔ ۔ یہ نسخہ ہمای وہمایون کا بمبئی ایڈیشن ہے۔ جو ۱۳۲۰ھ میں طبع ہُوا۔ تقطیع چھوٹی درسی کتابوں کی ہے۔ صفحات کی تعداد ۲۹۵ ہے۔ عناوین بے احتیاطی سے لکھے گئے ہیں۔ اکثر جگہ محض 'داستان' و 'حکایت' پر اکتفا کیا ہے۔ بہتیرے اشعار اصلاح طلب ہیں۔ متن نسخہ آؔ کے مقابلہ میں عموماً بودا اور کمزور ہے جہاں فغفور چین کی طرف سے شہزادہ ہمای کو خط کا جواب لکھا ہے۔ معتدبہ حصہ متن میں نہیں ہے۔ جس سے کلام کے سیاق وسباق میں زبردست بے ربطی پیدا ہوگئی ہے لفظوں کو اکثر جگہ اِدھر اُدھر کر کے تحریف کر دی ہے۔ کاتب کی لغزشیں اس پر مستزاد ہیں۔ مَیں نے

اس بات کی کوشش کی ہے کہ قارئین کو اس نسخہ کی اغلاط اور کمزوریوں سے روشناس کیا جائے
یہ نسخہ تقریباً کمیاب ہے۔ یونیورسٹی لائبریری میں نہیں ہے۔ ج سے مراد قلمی نسخہ ہمای و ہمایون ہے جو
زیر نمرہ ۱۲۳۴ انڈیا آفس کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔ سنہ تحریر درج نہیں۔ تقریباً سو سال کا پرانا
نسخہ معلوم ہوتا ہے۔ تحریر شکستہ اور نستعلیق کا مرکب ہے۔ اکثر جگہ بڑی مشکل سے پڑھا ہے۔ ۱۲۹ ورق
ہیں۔ اس میں وزیر غیاث الدین محمد کی مدح مفقود ہے۔ پھر بھی خاصہ مفید نسخہ ہے ؛

ل سے مراد ہمای و ہمایون کا لوہارو ایڈیشن ہے جو جناب فخر الدولہ مرزا علاء الدین
خان بہادر رئیس لوہارو کی تصحیح سے ۱۲۸۹ھ میں طبع ہوا۔ صفحات کی تعداد ۲۹۲ ہے۔ یہ نسخہ
ب سے زیادہ کارآمد ہے کہ اس میں کاتب کی طرف سے اغلاط کم ہیں لیکن اس وقت ہاتھ آیا
جب تمام کتاب کی تصحیح ہو چکی تھی حقیقت میں نسخہ ب اسی کے متن پر مبنی ہے۔ چنانچہ متعدد
مقامات پر متن کا مقابلہ کیا۔ بالکل تفاوت نہ تھا۔ جو حصہ متن نسخہ ب سے ساقط ہے یہاں بھی مفقود
ہے۔ یہ نسخہ تقریباً نایاب ہے۔ اورینٹل کالج کے فاضل پرنسپل مولوی محمد شفیع صاحب ایم۔ اے کی لائبریری کی ملکیت ہے
الحمد للہ کہ خواجو علیہ الرحمۃ کی دو مثنویاں کمالنامہ اور گوہرنامہ قبل ازیں بالاقساط طبع ہو چکی
ہیں۔ اب ہمای و ہمایوں ہدیۂ قارئین ہے۔ اس سلسلہ میں جناب پرنسپل صاحب یونیورسٹی اورینٹل
کالج لاہور مستحق صد تحسین ہیں۔ کہ ان کی ذات گرامی سے ہمیشہ میری ہمت افزائی ہوتی رہی ہے
اور اگر وہ توجہ نہ کرتے تو شاید مدت دراز تک خواجوی کرمانی کی تصنیفات گوشۂ گمنامی میں پڑی
رہتیں۔ انتہائی احسان فراموشی ہوگی۔ اگر استاذی ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب ایم۔ اے
پی۔ ایچ۔ ڈی (صدر شعبۂ فارسی پنجاب یونیورسٹی) کی عنایات کا اعتراف نہ کروں۔ صاحب
موصوف نے ہر الجھن میں میری امداد فرمائی ہے اور ہمیشہ اپنی فاضلانہ ہدایات سے ممنون
کئے رکھا ہے ؛

تاج محمد خان ایم اے
پروفیسر گورنمنٹ کالج رہتک

مئی سنہ ۱۹۴۱ء

بسم الله الرحمن الرحیم

۱۶و
بنام خداوند بالا و پست | که از هستیش هست شد هر چه هست
فروزندهٔ شمسهٔ خاوری | فرازندهٔ طاقِ نیلوفری
معنبرکنِ بادِ عنبر نسیم | نظام آورِ کارِ دُرّ یتیم
نه پیکر نگارندهٔ پیکران | نه اختر برآرندهٔ اختران
جهاندار بخشندهٔ کامگار | خداوندِ بیچونِ پروردگار
نگارندهٔ نقشِ هر نقش‌بند | برآرندهٔ کارِ هر مستمند
خط آورده لولو به لالایش | خرد معترف بر توانائیش
خبر[1] داده از وحدتش کاینات | روان از دم لطفش آبِ حیات
برآرندهٔ تیغ صبح از نیام | کشایندهٔ چین زابروی شام
مشاعل فروزندهٔ اختران | گزارندهٔ نقشِ مه پیکران
مبرّا وجودِ وی از هر چه هست | منزه صفاتش ز بالا و پست
نه او را عدیل و نه او را علل[2] | مغیث الوری خالق لم یزل
زهی هفت[3] بختیِ سر در هوا | عماری کشِ قدرتِ کبریا
از و قالبِ مُرده جان یافته | تنِ خاکی آبِ روان یافته
زباران فرستاده آبِ نبات | گلِ تیره را داده آبِ حیات
ز شوقش عنادل ترنّم سرای[4] | ز لطفش ریاحین تبسّم‌نمای

---

[1] ب، ج، ل : برآرنده ، [2] آ : معطر ، [3] ب، ل : خرد داده بر وحدتش کائنات !

[4] ب، ل : خلل ، [5] آ : مست بختی ، ج : هفت بختی شده ، هفت بختی مراد از هفت سیاره یا هفت آسمان است ، [6] ج : نغمه برای ،

برآرندهٔ حاجت مور و مار — فروزندهٔ شعلهٔ نور و نار

معرّج[1] قصب بند بر بند نی — منقش بتحریر تقدیر وی

گدای درش بر شهان پادشا — بدرگاه او پادشاهان گدا

ازو غرّهٔ روز غرّا شده — وزو طرّهٔ شب مطرّا شده

فلک حلقهٔ بر در کبریاش — جهان قطرهٔ از محیط عطاش

خرد را ریاست دهد در دماغ — نهد در گل تیره از دل چراغ[3]

ز آبی بهی[2] آتشین رو کند — ز خاری گلی یاسمین بو کند

یکی را دهد بر جهانی سری — یکی را کند از جهانی بری

بجز ساغر لعل کانی دهد — بهر قطرهٔ[4] آسمانی دهد

کند شقهٔ سبز والای راغ — بصنعت نهالی[6] گلریز باغ

تن خاک را آب ازو شد روان — وزو گشت گردنده چرخ آسمان

جهان غرق دریای احسان اوست — نه بر دکسی[7] کو بفرمان اوست

بهستی او هست شد هرچه هست — فلک سرکش آمد زمین زیردست

نه هستیش قائم بهستی ماست — که بر هستیش هستی ما گواست

در مناجات باری تعالی عزّ اسمه

خدایا توئی خالق جزو و کل — که از گل دهی خار و ز خار گل

---

[1] ج: قصب معرّج، معرّج جامهٔ نفیس و منقش، معرّج گر بمعنی بافنده آمده، قصب بمعنی نی دو نوعی از کتان و بالفظ بستن مستعمل است، حافظ — هزار سرو چمن را بخاک راه نشاند ؛ زمانه تا قصب نرگسین قبلی تو بست

[2] یعنی آبدار، [3] ج: از گل تیره مه دل، [4] ب، ل: رستی، [5] معرب کرته، [6] ب، ل: نهالی زگلبرگ باغ،

[7] ب، ج، ل: نمیرد که مردن بفرمان اوست، [8] ی: نه. [9] ی: دخار از گل ؛

توئی در جهان و جهان بی تو نیست | نداری مکان و مکان بی تو نیست
توئی دور از ادراک و نزدیک دل | نه زآب و گل صانع آب و گل
ز مهر تو رخشنده مه را شرف | ز شور تو دریا برآورده کف
صف آرای میدان هستی توئی | نگهدار بالا و پستی توئی
نه از کس و نه مانی بکس | نماند کسی و تو مانی و بس ۲۴ب
دُر از قطره و از خاره نار آوری | گل از خار و از خار بار آوری
یکی را دهی حال و خوانی بخویش | یکی را دهی مال و رانی ز پیش
زهی مقبل آن کز تو بنود ملول | زهی نیک بخت آنکه آید قبول
ترا بر شهان پادشاهی سزاست | که بر آستان تو سلطان گداست
اگر زانکه از بنده آمد خطا | ز سلطان نه بیند برون از عطا
عطای تو بیش از خطای منست | ولی گر نه بخشی سزای منست
گدایان گهی پادشاهی کنند | که از پادشاهان گدائی کنند
من آن می کنم کز گدایان سزد | تو آن کن که از پادشاهان سزد
ازین پس چو آیم ز پیشم مران | چو بیگانه از پیش خویشم مران
گر از ره برون رفتم ای رهنما | درین راه تیره مرا ره نما
گر دستگیری که رفتم ز دست | که گر طاعتم نیست لطف تو هست
چو بیچاره گشتم مرا چاره ساز | که بیچارگان را توئی چاره ساز
دلم را ز شمع خرد بر فروز | شب محنتم را پدید آر روز
چو نامم تو دادی بکین نامیم | مرا خاص خود کن اگر عامیم

ول: نه، لہ ج: برآنند، ته ب: نه کس، که ج: خار، شه ج، آ: خارا بار آوری، شه ب: مال
: بال، شه ب: انکه آید، ج: آنکت آمد، شه ب: بغیر، شه ب: بگر، له ب، ج: تو کن:

روان من از مهر پرورد دار — دلم راز دوران دل دور دار
چو آورده ام رو بخاک اندرت — چرا آبروئی[1] ندارم برت
من باد پیمای خاکی نهاد — کفی خاکم افتاده بر راه باد
چه درویش مسکین چه صدر اجل — نهد[2] چار بالش بصدر اجل
نماند جهان جاودانی بکس — تو ئی آنکه جاوید مانی و بس
ندانم چه نامم درین بارگاه — که دارم تمنای انعام شاه
کدامین[3] غبارم برین رهگذر — که بر من کند باد لطفت گذر
چه نامم که نام و نشانت برم — چه مرغم که در بوستانت پرم
بسوی تو ره جویم از نور و نار — بکوئی[4] تو ره پرسم از مور و مار
ترا بینم از هر چه بینم نخست — که چشم خرد خیره در صنع تست
گر از خاک ره برنگیری سرم — روم مصطفیٰ را شفیع آورم

نعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم

سلام من العالم الحاکمی — علی روضة المصطفیٰ الہاشمی
هزاران درود از جهان آفرین — سوی روضهٔ سید المرسلین
شفیع امم خاتم انبیا — سپهر رسالت شه اصفیا[5]
کلید در گنج رب جلیل — امام هدی دُر درج خلیل
حبیبی که مقصود کونین اوست — کمان ابروی قاب قوسین اوست
شه آسمان قدر سیاره جیش — مه هاشمی آفتاب قریش

---

[1] حب: آبروی، [2] ق ج: زند، [3] ب: کدآمین، [4] ب، ل: بهر کو ترا پرسم، [5] ج: اصطفا؛

گهش شرزه ماری بدی یار غار — گهش عنکبوتی شدی[1] پرده دار

پدید آمده دُرّی از چار درج — زده چار بالش برین هفت برج

تبیره زنِ کاروانِ قدم — ترنّم سرایِ جهانِ قدم

بمعنی سپه دارِ درگاه شاه — بصورت شگافندهٔ قرصِ مه

رسولی که سرخیلِ درگاه بود — دلش محرمِ لی معَ[2] الله بود

زده پنج نوبت درین شش رواق — گذشته ز نه منظر[3] (و) چار طاق

چو از برجِ یثرب علم بر کشید — باقصای اقصا نشیمن گزید

چو دامن برین دیر خاکی فشاند — جنیبت برین هفت میدان دواند[4]

کله گوشه بر اوجِ افلاک زد — فلک پیشِ او بوسه بر خاک زد

ز سلطانِ سیّاره بربود تاج — وزین هفت فغفور بستد خراج

ز شمشیرش[5] فلک دست عقرب شکست — ز قهرش[6] اسد دست[7] بر جبهه بست

دف از چنگ ناهید بربط نواز — بقانونِ شرعش گرفتند باز

قمر گشته قندیلِ خلوت گهش — عطارد شده خوشه چینِ رهش

بسرهنگیش بسته جوزا کمر — بچاؤشیش[8] مه بر آورده سر

علم بر نهم طارم افراخته — ز نه غرفه (نه) حجره برساخته

بطلعت شرف داده برجیس را — ز رفعت سبق گفته ادریس را — ۱۲۵ر

شده سبز پوشانِ نه خانقاه — بر سالکانِ درش طفلِ راه

---

۱ ب: شده، ۲ اشاره بحدیث شریف لِی مَعَ اللّٰهِ وَقتٌ لَا یَصْحَبنِی مَلَکٌ مقرب ولا بشر، ۳ آ: زنه منظرش چار طاق، ۴ ب ل: براند، ۵ ...مشش کذا فی ب، ۶ ل: مهرش، ۷ ج: دست بر جبین بست، ۸ ب ل: بچاروشیش؛ چاؤش بر وزن طاؤس بمعنی نقیب لشکر؛

دو پیکر شده فتنه[1] بر پیکرش | زحل هندوی پاسبانِ درش
وشاقانِ مه طلعتِ نه حرم | جنیبت کشِ آن شهِ محترم
شده گاوِ گردونش قربانِ راه | نکرده سوی گاوِ گردون نگاه
برین چرخِ[2] نقره کوبِ سپهر | حمل گشته بریانش[3] و گرده مهر
برون رفته از شهر بندِ حواس | شهِ[4] انجم از سایه‌اش روشناس
براقش بمه[5] سر برافراخته | بلاج[6] آخر از کهکشان ساخته
کله گوشه بر گوشه[7] مه زده | برش[8] سقفِ نه پایه خرگه زده
چو عیسی فلک را پر آوازه کرد | بسر چشمهٔ خور وضو تازه کرد
بخلوتگه قطب شد در نماز | ملائک بد[9] و برده دست نیاز
فلک تا زمینش[10] شود با نصیب | بجبهه[11] در آورده کف الخضیب
بدو بیتِ[12] معمور معمور گشت | وزو سقفِ مرفوع پرنور گشت
در اوصاف او خیره ادراک عقل | میسر نگردد ثنا[13]یش بنقل

ز جان[14] آفرین صد هزار آفرین
بر اولاد و اصحابِ او اجمعین

---

[1] ج: قبه، ب: رقبه، [2] ق، ج: چرخه، [3] ب: بریانش از روی مهر، گرده - قرص نان
[4] ب ل: شده، [5] ب: همه، [6] ق ج: پلاس، بلاج - گیاهی است که از او بوریا بافند، [7] ج: خوشه، [8] ق: بدین، [9] ب: برد،
[10] ب: تدمینش، [11] ق: بجبهه اش در آورده، ج: ز چرخش برآورده، کف الخضیب، ستارهٔ سرخ رنگ که بجانب شمال باشد چون بطلعت النهار بود هر دعای که خواهند مستجاب گردد، [12] ج: هشت، [13] ج: بیانش، [14] ب: به

در صفت مقربان الوهیّت

خوشا سرفرازان کوتاه دست | بزرگان خرد و بلندان پست
مقیمان سیّار[1] و مردان راه | گدایان عامی و خاصان شاه
سلاطین نشانان خلوت نشین | اقالیم گیران عزلت گزین[2]
کواکب شناسان برج امل | جواهر فروشان درج[3] عمل
صبوحی کشان شراب الست | امیران ماموروهشیار مست
همه نامداران گم کرده نام | همه کامگاران نا دیده کام
همه بختیاران بی بخت[4] و رخت | همه تاجداران بی تاج و تخت
نخورده می و سرگران از شراب | درون کرده معمور و بیرون خراب
همه[5] غایب و چون جهان در نظر | همه ساکن و چون زمان در گزر
نهاده قدم بر سر جان و جسم | کشیده خط[6] نفی بر حرف اسم
نه ایوان بیک دم برانداخته[7] | دو عالم بیک[8] داو در باخته
جگر تشنه و غرق آب آمده | زبان بسته و در خطاب آمده
نوائی نه و گنج در آستین | سرائی نه و ملک زیر نگین
چو سوسن زبان آور اما[9] خموش | چو برخوش نفس لیک پشمینه پوش
منزه ز حشمت ولی محتشم | مبرا ز حرمت ولی محترم
فرو خوانده حرف ازل تا ابد | قلم رانده بر حرف جان و خرد

---

[1] آ. ج: سیاح، [2] ب: خلوت گزین، [3] آ: درج ازل، ج: امل، [4] ج: بی سلزا، [5] ج: این شعر محذوف است، [6] ج: خطی نفی، [7] ج: برافراخته، [8] ب: بیکدلز [9] ج: والا،

چو قطب فلک شسته دست از ثبات[1] — علم برده بر منظر ثابتات
همه دور نزدیک و نزدیک دور — همه[2] این از نار و فارغ ز نور
همه شاه خود را گدا ساخته — ز خود رفته و با خدا ساخته
خراب از شراب الست آمده — برون رفته هشیار و مست آمده
فلک شان شراع[3] سر بارگاه — ملک شان گدای در بارگاه
خرد مست از جرعهٔ جام شان — ولیکن ندانسته کس نام شان
بهم طارم از شاخ شان خوشهٔ — ششم منظر از کاخ شان گوشهٔ
جهان در[4] بر قصر شان غرفهٔ — فلک بر سر بام شان شرفهٔ
گدایان فارغ ز سلطان و شاه — امیران[5] این نه ز خیل و سپاه
منازل شناسان راه عدم — ترنم سرایان[6] بزم قدم
چو یوسف بزندان ولیکن عزیز — نه در دست چیزی نه محتاج چیز
نهان کرده در پرده رخسار خویش — فرو خوانده در پرده اسرار خویش
حجاب خودی برگرفته ز راه — ز خود رفته و کرده بیخود نگاه
نظر بسته و یار[7] شان در نظر — شده ساکن و دائما در سفر
سرافگنده چون شمع در زندگی — سرافراخته در سرافگندگی
مقامی نه لیکن بصورت مقیم — کلامی نه لیکن بمعنی کلیم
زده ناوک و در میان شست نی — فگنده سر و تیغ در دست نی
بشام آمده چاشت از[8] نیمروز — بچین رفته از شام در نیم روز

۲۲۵ ب

---

[1] ب: ثبات، [2] ب: شده، [3] ج: سراغ، شراع بمعنی بادبان و خیمه، موجب نسخهٔ ل بمعنی راه، [4] آو: بردر، [5] ب: اسیران، [6] ج آو: ترنم نوازان م، [7] ب: کار، ج: بار، [8] ب ل: تا،

خدایا چو هستم برین در غلام　　درودم بایشان رسان والسلام

درخواست از حضرت باری تعالی

الهی چو امید وارم بتو　　برآور امیدیکه دارم بتو

رهی پیشم آور[1] که در هر قدم　　زنم[2] دم بدم در رضای تو دم

در آموز[3] شکرم چو بخشیم گنج　　صبوریم ده چون فرستیم رنج

زشرمِ گنه آبرویم مبر　　چو خاکم ز تقصیرِ من درگذر

تو آن ده که باشد رضایت در آن　　که فعلِ بدِ ما ندارد کران

بلندم کن ار زانکه کردیم پست　　ز پایم میفگن چو بُردی ز دست

فراغت ده از ملکتِ عالم　　بغم شاگردان دل پرغمم

چو از صحبت جان بگیرد دلم　　بشوید روان دست از آب و گِلم[4]

تنم[5] سرد گردد ز بادِ حیات　　شود زهر در کامم آب نبات

بچیزیکه باشد دلم را نیاز　　کنم دست از آن کوته و پا دراز

بود ابر در چشم و در سینه رعد　　روان مهر ببریده از نحس و سعد

در آندم[6] که افتد نفس با یکی　　مران بر زبان من الّا یکی

چو فراش این دیر تاری[7] مغاک　　بروبد غبارِ من از فرشِ خاک

---

[1] ج: آمد ، [2] ج: زند ، [3] نظامی فرماید — بشکرم رسان اوّل آنگه بگنج　نخستم صبوری ده آنگاه رنج (مکندر)

[4] ج ، آب آبم ، [5] ج ، تنم سبز گردان ز آب حیات　مکن زهر در کامم آب حیات ،

[6] سعدی فرماید — که مارا دران ورطهٔ یک نفس　ز ننگ دو گفتن بفریاد رس　(بوستان)

[7] تاری مخفف تاریک ، ب ، دیر خاکی ،

برآید یکی صرصر از کوی مرگ | دراندازدم همچو از شاخ برگ
ز کوه فنا حمله آرد پلنگ | بدرّاندم همچو آهو بچنگ
سوار اجل برگشاید کمین | بیک حمله ام در رباید ز زین
رسانند همدم بایوان خاک | تنم خالی افتاده از جان پاک
بود جامهٔ خوابگاهم کفن | ز آب روان دست شسته بدن
فرو بندد از پیکرم دیده دل | شود بسترم نطع کیمخت گل
دمد لاله از شورهٔ[1] خاک من | گیا روید از گوشهٔ خاک من
کند[2] مور در چشم من آشیان | شود مار بر قصر تن[3] پاسبان
لگدکوب گوران شود گور من | کنند[4] آهوان بر سرم تاختن
بود خشت از[5] قالبم ساخته | گلم بر سر قالب انداخته
بماند گل قالبم زیر خشت | کند باغبان بر سرم باغ و کشت
دران هول منکر توام دستگیر | که نبود برون از توام دستگیر
بفریاد من رس که فریادرس | ترا دارم اندر دو گیتی و بس
ز رحمت مرا بر کنارم مدار | که دریای فضلت ندارد کنار
اگر حق[6] پرستم وگر می پرست | ز من عفو کن هر خطائی[7] که هست
چو لطف و کرم چشم دارم ز تو[8] | کرم کن که بس شرمسارم ز تو
اگر آبرویم بریزی چه باک | چو خاکم چه آید ز یکمشت خاک
توقع همین دارم ای کردگار | که در رستخیزم کنی رستگار

---

۱ ب: شوشهٔ تاک ، شورهٔ خاک ؟ ۲ ب: نهد ، ۳ ب: من ، ۴ ج: اکند ،
۵ ب: برقالبم ، ۶ می پرست یعنی زن پرست (حاشیهٔ ل) ، ۷ آ: گناهی ،
۸ آ: بتو .

مدح سلطان ابوسعید بهادرخان چنگیزی

مرا با مدیح کسان کار نیست | که هر کس مرآن را سزاوار نیست
مگر[۱] پادشاهِ زمین و زمان | سکندر جناب سلیمان مکان
علاءِ دُوَل[۲] خسروِ دین پناه | شه آسمان تختِ انجم سپاه
مه[۳] مطلعِ ایلخان بوسعید | حسامش رسن باز حبل الورید
فروزنده رایش خبردار غیب | گرانمایه ذاتش مبرا ز عیب
جهانگیر چون خور بزرین حسام[۴] | جهانجوی چون جم درخشنده جام
عطارد ز ادراکِ او خوشه‌چین | فتاده خور از سهم او بر زمین
جهان گشته مامورِ فرمانِ او | فلک گاو را کرده قربانِ او
میان[۵] از پی خدمتش بسته تنگ | چه جیپال هند و چه مهراجِ زنگ
ز خورشید در قبضه‌اش خنجر است | ز سیمرغ بر تغلقش[۶] شهپر است
زمین و زمان داعی بخت اوست | سپهر روان پایهٔ تخت اوست ۲۶ ل
جهانِ شهی را چو او شاه نیست | سپهرِ بهی را چو او ماه نیست
کفش بر سر آرد ز دریا[۷] چو میغ | که برهانِ قاطع نماید[۸] به تیغ
بشیرِ علم صیدِ شیران کند | بخنجر[۹] شکارِ دلیران کند
سمندش که از هفت میدان جهد | فلک را فرِ[۱۰] هفت میدان دهد
بکعت رخنه در قصرِ قیصر زند | بدل طعنه بر چرخ اخضر زند

---

۱ ج : گمر مدح آن خسرو دین پناه   شه آسمان قدر انجم سپاه ،   ۲ از نسخه ج ساقط شده
۳ ج : خیام ،   ۴ نسخه ج ندارد ،   ۵ تغلق یعنی تیر (حاشیهٔ ل)
۶ ب : کفش بر سر آرد چو یا جوج میغ ، ۷ ج : بر سر آمد ،   ۸ ج : نیابد ، ۹ ق ، فره ، ج : قد ،

بهامون چو دریا[1] درآید بجوش — ز تنها به تنها برآرد خروش

بشوکت رباید ز فغفور تاج — بحشمت ستاند ز جیپور[2] باج

زند نیم شب خیمه در نیمروز — حبش را کشد داغ بر نیمرور

به پیکان اگر بر گشاید کمین — برد چین ز ابروی خاقان چین

بکش[3] در کشد ماه نخشب ببام — به یغما برد شاه چین را بشام

بمغرب سپاهش چو سازد نبرد — کند خشک دریای چین را ز گرد

خدنگش[4] برآید چو عنقا باوج — سپاهش[5] درآید چو دریا بموج

بباز علم خون عنقا خورد — بابر سخا آب دریا برد

اگر عزم رزمش کند شاه شام — به قبچاق در بند ماند مدام

هر آن کو ز فرمان او سر کشد — زمانه سرش را ز تن بر کشد

چو شبرنگ را برکشد تنگ تنگ — فرو ریزد از چنگ[6] خرچنگ چنگ

جلالش علم بر ثریا زند — نوالش دم از هفت دریا زند

خدنگش عقابیست روز نبرد — که همواره توشش[7] بود خون مرد

هر آنگه که آهنگ دشمن کند — دل پر دلان را نشیمن کند

چو باشد کمندش بکف روز جنگ — تو گوئی کلیم ست ثعبان بچنگ

وگر زانکه گردد سراسر زره — شود بر تن زنده پیلان گره

الا تا بایوان گردان سپهر — فروزان بود[8] ماه و ناهید و مهر

همیشه جهان را جهاندار باد — سپهر بر بینش پرستار باد

---

۱ ج: بدریا، ۲ ب: قیصور، و این نام شهری بوده که کافور عمده موجب شهرت اوست، جیپور یعنی جیپال رای هند، ۳ آ: بکمین درکشد، ۴ در ب و ل این شعر با شعر لاحقه نیست، ۵ ج: بسمند غز، ۶ ج: چرخ، ۷ ج: شود، ۸ ج: نگهدار،

فلک چاکر و دولت و بخت یار[1] | بهر اختری سال عمرش[2] هزار

در مدح وزیر غیاث الدین محمد

بهشت[3] است یا روضهٔ بادشاه | سپهر است یا قبهٔ بارگاه[5]

خلیل است یا خضر خلعت شعار | مسیح است یا مهدی روزگار

سری السرایا مغیث الملل | ظهیر البرایا غیاث الدول

وزیر[6] ملک ذات ملکت پناه | امیر فلک قدر کوکب سپاه

محمد بفعل و بحرف و باسم | مطهر بذات و بجان و بجسم

گل از روضهٔ خلق[7] او یک نسیم | مه از مجلس انس او یک ندیم

جنابش محط رحال رجال؛ | ضمیرش مهب ریاح کمال

زحل پاسبانی بر ایوان او | قمر مشعلی در شبستان او

بود بهمنش[8] بندهٔ در پناه | بود قارنش مفردی از سپاه

نجمش کمترین چاکری در نظر | مهش کمترین گوهری در کمر

سقر ز آتش انتقامش تفی | بر دشت[9] او بحر عمان کفی

مه قبه بر قبهٔ مه زده | سراپرده بر هفت خرگه زده

بدرگاه ملکت پناه وزیر | غلامی بود بدر نامش منیر

---

[1] ب ل ت: فلک چاکر دولتش بخت یار، [2] آ: عمرت، [3] ب ل: بهشتی؛ این شعر در ب محذوف است، [5] ب ل: خلد، [6] ب ل آ: خیالش محیط رجال الرجال، محیط رجال جلال، مهب- محل وزیدن باد، ب: مهت، [8] ب ل: اتهمنش، نسخهٔ ج این مدح ندارد، [9] ب ل: بردست او؛

فلک[1] تا بجودش تو لا نکرد — نداد ندش این اطلس لاجورد
فلک پیش حلمش نباشد گزاف — اگر خط کشد بر سر حرف قاف
چو ماهی کلکش زند دم زیم — دهد عقل کل شرح نون و[2] القلم
چو دریای طبعش برآرد خروش — دل بحر در بر در آید بجوش
بدیوانش بین صد قلم زن چو تیر — چو بهرام بین بر درش صد امیر
چو دز[3] دست او دید ابر از هوا — دلش سست گشت آب شد از حیا
جهان تا ز کتم عدم شد پدید — بدینسان جهان داوری کس ندید
ایا باد جان پرور مشکبو — بران حضرت ار راه یابی بگو
که ای شاه گردون فیروزه فام — ترا کمترین بندهٔ شمس نام

۲۶ب

دلت همدم صبح صادق شده — قلم در کفت حق ناطق شده
فلک فلکه[4] خیمهٔ جاه تو — قمر عکسی از ماه[5] خرگاه تو
زتیر فلک برده کلکت سبق — محیط از هوای کفت در عرق
رخ فرخت قبلهٔ مقبلان — غبار دلت کحل روشندلان
ز دریای جود تو جیحون نمی — در انگشت حکمت فلک خاتمی
زجم دست برده بانگشتری — چو آصف مطیع تو دیو و پری
تو ئی مهدی و کن فکان مهد تو — نمانده است دجال در عهد تو
بمدح تو گاه سخن گستری — بود شه سنائی و مهر انوری
تو خورشیدی و چرخ در سایه‌ات — بود عقل کل قاصر از پایه‌ات

---

[1] در نسخهٔ آ این شعر بعد از «بدیوانش بین صد قلمزن ..... الخ» نوشته اند، [2] سورة القلم ۶۸ ع ۱ «نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ»، [3] ب: دل ودست، [4] بهر خدر پسان که بر ستون خیمه باشد، [5] ب: ماه،

بصورت تو گنجی و عالم[1] طلسم — بمعنی توئی جان و کونین جسم
توئی آصف و ملک جم زان تو — سیاوش فرود[2] غلامان تو
محمد تو و معدلت شرع تست — به شرع محمد بود دین درست
چو در گردش آورد معدلت شراب — بجز چشم خوبان[3] ندیدم خراب[4]
دل و دست رادِ تو بحرست[5] و کان — جهان را وجود تو جسم است[6] و جان
تضرع کنندت ذکور و اناث — که ما را بفریاد رس یا غیاث
کسی کو بود دشمنت کافر است — که بغض تو چون بغض پیغمبر است
هر آنکو بتابد ز اسلام سر — بکین محمد به بندد کمر
دلی همچو بحر است در بر ترا — که عار است از دُرّ و گوهر ترا
چو در کان ز جود تو یابد کمر — کند خاک بر سر ز دست تو زر
بعهدت شه روم و فغفور چین — نهادند داغ حبش بر جبین
چو در معدلت سر برافراختی — جهان را چو خلد برین ساختی
شود بره این لحظه بر گرگ چیر — کند خواب خوش مور در چشم شیر
بدور تو امروز بر هر طرف — نماندست رهزن بجز چنگ و دف
قضا ملک هستی بآل تو داد — ممالک ز آل تو خالی مباد
بآلا و نعمای یزدان پاک — بخاکی نهاد آن میدان خاک
بآب رخ خنجر غازیان — بخاک رهِ سرور تازیان
که بی تو زمانه زمانی مباد — ز دور زمانت زیانی مباد

---

[1] تو: بمعنی، [2] فرود هم نام پسر سیاوش از دختر پیران ویسه، [3] تو: بستان،
[4] ق ب ل: شراب، [5] ق ب ل: داد، فوری گوید که دل و دست بحر و کان باشد دل و دست خدایگان باشد
[6] ق ب: نها آن،

مبنیاد روز تو روی[1] زوال — مبادا اختر دولتت را وبال
جهان غرق بحر نوال تو باد — سر گردنان پایمال تو باد
امیران[2] همه گشته مامور تو — ملک عابد[3] بیت معمور تو
زمین تا بهفتم فلک چاکرت — زمان تا به نُه[4] پشت خاک[5] درت

ساقی نامه

بده ساقی آن عین آب حیات — که دوران گیتی ندارد ثبات
بیا تا خرد را قلم در کشیم — ز مستی[6] بعالم علم بر کشیم
ز جام، ما دم دمی در[7]م زنیم — بمی آب بر آتش غم زنیم
دمی خوش بر آریم با همدمی — غمی باز گوئیم با محرمی
یک امروز با یک[8] دگر می خوریم — چو فرصت نباشد دگر کی خوریم
ازین وا مگر دیر تا ر[9]ی مغاک — بر فتند و بردند حسرت بخاک
که آنها که بزم طرب ساختند — ببزم طرب هم نپرداختند
برین تخت پیروزه پیروز کیست — درین طاق شش روزه بهروز کیست
دریغا جوانی که برباد شد[10] — خنک آن که از عالم آزاد شد
بده ساقی آن جام جمشید را — شب تیره رخشنده خورشید را

---

[1] ب ل : روز ، [2] ب : اسیران ، [3] ب ل : قاید ، [4] ج : هستی ،
[5] ب : برزنیم — این شعر از نسخهٔ ج افتاده است ، [6] م — باهمدی ، مراد از م میخانه باشد که عبد النبی دران ساقی نامها فراهم کرده ، [7] ب : خاکی ، [8] ب : ازین ،
[9] و : بجای شد رفت دارد ،

سبک باش و رطل گرانم بده[1] | اگر فاش نتوان نهانم بده
که این چرخ زن چرخهٔ آبنوس | بسی یاد دارد چو بهرام[2] و طوس
کسی کو زدی[3] کوس بر پشت پیل | زدندش بناگاه[4] کوس رحیل
تباشیر صبح از تتقهای[5] نور | بگوش آیدم هردم[6] از لفظ حور
که ای خوش نوا مرغ شیرین نفس | بجنبان پر و بال و بشکن قفس
بر ایوان این سبز منظر نشین | بنزلگه جان نشیمن گزین
تو در ششدر درین خانه ششدری[7] | ازو[8] نگذری تا ازو نگذری ۲۷ ل
برو طی کن این هفت طومار را | قلم درکش این هفت پرکار[9] را
بده ساقی آن آب آتش فشان | ازان پیش کز ما نیابی نشان
که در آتش است این دل روشنم | همانا که آبی بر آتش زنم
شنیدم که در عهد بوزرجمهر | ز فیروز روزی منوچهر دادمهر[10]
نوشتند بر جام نوشیروان | که بفزاید از جام نوشین روان
ز من بشنو این پند آموزگار | مکن تکیه بر گردش روزگار
اگر پور زالی ازین[11] پیر زال | بدستان بمانی[12] شوی پایمال
چو این منزل درد و جای غم است | درین دامگه شادکامی[13] کم است
بدین شادمانیم کز درد و غم | نداریم غم گر بداریم[14] کم
جز او مرکز هفت پرکار نیست | کزین هفت پرکار پرکار نیست
بده ساقی آن لعل یاقوت رنگ | که برد از رخ لعل و یاقوت رنگ

---

۱ م: شب تیره رخشنده جانم بده. ۲ م: رهام، ب: زگودرز و طوس ۳ ب: زر،
۴ ب: بناگاه (آ-ج)، ۵ ب: طبقهای نور، ۶ ب: هردوم، ۷ م: تو در ششدر خانهٔ شش دری، ب:
تو در ششدر خانهٔ شش دری، در آ و ج هم غلط نوشته اند، ۸ ب: گزو، ۹ پرکار یعنی دائره، ۱۰ م: منوچهر چهر، ۱۱ ب: دگر
۱۲ ب: نمانی، ۱۳ م: شادمانی. ۱۴ آ، ب، ج، م: نداریم،

مبنیاد روز تو روی[1] زوال | مبادا اختر دولتت را وبال
جهان غرق بحر نوال تو باد | سر گردنان پایمال تو باد
امیران[2] همه گشته مامور تو | ملک عابد[3] بیت معمور تو
زمین تا بهفتم فلک چاکرت | زمان تا به نُه پشت خاک[4] درت

ساقی نامه

بده ساقی آن عین آب حیات | که دوران گیتی ندارد ثبات
بیا تا خرد را قلم در کشیم | ز مستی[6] بعالم علم بر کشیم
ز جام و ما دم دمی د[5]م زنیم | بمی آب بر آتش غم زنیم
دمی خوش بر آریم با همدمی | غمی باز گوئیم با محرمی
یک امروز با یک[6] دگر می خوریم | چو فرصت نباشد دگر کی خوریم
ازین دامگه دیر تا[7] مغاک | برفتند و بردند حسرت بخاک
که آنها که بزم طرب ساختند | ببزم طرب هم نپرداختند
برین تخت پیروزه پیروز کیست | ز[8]ین طاق شش روزه بهروز کیست
دریغا جوانی که بر باد شد[9] | خنک آن که از عالم آزاد شد
بده ساقی آن جام جمشید را | شب تیره رخشنده خورشید را

---

[1] ب ل : روز ، [2] ب : اسیران ، [3] ب ل : قاید ، [4] ج : هستی ،

[5] ب : برزنیم - این شعر از نسخهٔ ج افتاده است ، [6] م - باهمدی + مرادازم میخانه باشد که عبدالنبی دران ساقی نامها فراهم کرده ، . ب ، خاکی ، [8] ب : ازین ،

[9] و : بجای شد رفت دارد ،

سبک باش و رطل گرانم بده | اگر فاش نتوان نهانم بده
که این چرخ زن چرخهٔ آبنوس | بسی یاد دارد چو بهرام و طوس
کسی کو زدی کوس بر پشت پیل | زدندش بناگاه کوس رحیل
تباشیر صبح از ستغهای نور | بگوش آیدم هر دم از لفظ حور
که ای خوش نوا مرغ شیرین نفس | بجنبان پر و بال و بشکن قفس
بر ایوان این سبز منظر نشین | بنزهتگه جان نشیمن گزین
تو ششدر در این خانهٔ ششدری | از او بگذری تا از او بگذری
برو طی کن این هفت طومار را | قلم درکش این هفت پرگار را
بده ساقی آن آب آتش فشان | از آن پیش کز ما نیابی نشان
که در آتش است این دل روشنم | همانا که آبی بر آتش زنم
شنیدم که در عهد بوزرجمهر | ز فیروزه روزی منوچهر مهر
نوشتند بر جام نوشیروان | که بفزاید از جام نوشین روان
ز من بشنو این پند آموزگار | مکن تکیه بر گردش روزگار
اگر پور زالی از این پیر زال | بدستان بآخر شوی پایمال
چو این منزل درد و جای غم است | در این دامگه شادکامی کم است
بدین شادمانیم کز درد و غم | نداریم غم گر بداریم کم
جز او مرکز هفت پرگار نیست | کز این هفت پرگار پرکار نیست
بده ساقی آن لعل یاقوت رنگ | که بردارد از رخ لعل و یاقوت رنگ

۲۷ ل

---

۱ م: شب تیره رخشنده جامم بده. ۲ م: رهام، ب: نگودرز و طوس ۳ ب: زد،

۴ ب: بناگاه (آ-ج) ۵ ب: طبقهای نور، ۶ ب: هر دم، ۷ م ج: تو در ششدر خانهٔ ششدری؛ ب:

تو در شش در این خانهٔ ششدری، در آ و ج هم غلط نوشته‌اند، ۸ ب: کزو، ۹ پرگار یعنی دائره، ۱۰ م ج: منوچهر چهر ۱۱ ب: دگر
۱۲ ب: نمانی، ۱۳ م: شادمانی. ۱۴ آ ب ج م: نداریم،

روان درده آن عین آب روان — نه آب روان کافتاب روان

که آنها که با ما[1] نشستند شاد — برفتند وازما نکردند یاد

کدام است جام جم وجم کجاست — سلیمان کجا رفت وخاتم کجاست

که می داند از فیلسوفان حی — که جمشید کی بود وکاوش[2] کی

چو سوی عدم گام برداشتند — درین بقعه جز نام نگذاشتند

منه دل برین گلشن دلکشا تنی[3] — که چون بگذری بازمانی بجای

در وبستن دل ز دیوانگی[4] ست — بدو آشنائی ز بیگانگی ست

درین وار[5] ششدر نیابی بکام — مجال مجال ومقام مقام

بده ساقی آن آب[6] آتش خواص — کزان آب یابم ز آتش خلاص

برین سقف نه پایهٔ شش رواق — توان زد بیک جام می چارطاق

بده پیر[7] ده می به پیران ده — بمیر از جهان همچو میران ده

قدح درده اکنون که دُرد[8] دهیم — سرت کی دهیم ارچه[9] پا سر دهیم

درین ده گروهی سیاوش وشند — که پیران ده را در آتش کشند

تو گر عاقلی خیز و دیوانه شو — مریز آب خود خاک میخانه شو

دم از دل زنی دُردی درد کش[10] — دل گرم داری دم سرد کش

پی کارداران بیکار زن[11] — در دُرد نوشان خمار زن

مشو خاک این دیر خاکی نهاد — که ناگه دهد همچو خاکت بباد

بده ساقی آن خسروانی قدح — که دل را بفیض آید از وی فرح

---

[1] ب: باهم، [2] م: کاوس وکی، [3] ب ج: چه بندی دل اندر سپنجی سرا، [4] ب: ز
[5] ج: دیر، [6] ب لفظ آب ندارد، [7] ب: پر، [8] ج: ما دهیم، ب: تا ددهیم،
[9] ج: ازچه، [10] ب: دم از دل زبیدردی درد کش، [11] ب: پی کارداران پیکار زن،

مراد از قدح بادهٔ سرمدی ست — وزان باده مقصود ما بیخودی ست

که بر بام نُه قبهٔ بی ستون — توان شد گر از خود توان شد برون

ز[1] خود در گذر تا رسی در خدا — که گر در فنائی رسی در بقا

چو[2] بردی ازین تنگ پیغوله رخت — چه بر[3] روی خاک و چه بر روی تخت

جوانی چو برق یمانی گذشت — چو باد صبا زندگانی گذشت

برو ترک این دار[4] ششدر بگو — بیا دست ازین مار[5] نُه سر بشوی

سر و زر در[6] این ره روان بر فشان — ور از (رهروانی) روان بر فشان

چو عیسی درین کهنه دیر جهان[7] — برآ از روان تا برآئی[8] روان

بده ساقی آن جوهر روح را — دوای دل ریش و مجروح را

که دوران چو جام از کف جم ربود — که داند که جمشید بُد[9] یا نبود

چو بنیاد عمر است نا استوار — بنقد این نفس را غنیمت شمار

چه[10] بیژن این است و بیژن کجاست — همه بهمن این ست و بهمن کجاست

که فیروز بر تخت فیروز شد — و یا خرم از بخت فیروز شد

که مانند فیروز فیروز بخت — نیفگند[11] چترش ز فیروزه تخت

کسی را که دست دهد دستگیر — که فردا همان باشدت دستگیر

شه دادگستر فریدون[12] بمرد — ببین ای برادر که با خود چه برد

تو نیز آنچه کاری همان بدروی — چنان کامدی باز بیرون شوی[13]

---

۱ تم: تو، ۲ آ: چو بردند، ۳ ب: پشت، ۴ بج: کار، ۵ ب: یار، ۶ بج: ازین، ۷ ب: چو عیسی درین آسمان آشیان، ۸ تم: بیابی روان، ۹ ب: بود از نبود، ۱۰ تم: چه بر بیژن، چه بر بهمن، تج: چه بیژن نه این است ... چو بهمن نه این است....، ۱۱ ب: بیفگند، ۱۲ بج: سیامک، ۱۳ تو: روی،

بده ساقی آن آب افسرده را ‌‌ ‌ بمی زنده گردان دل مرده را

که دارا که دارای آفاق بود ‌ ‌ بدارندگی در جهان طاق بود

چو زین دار[1] شد در برون برد رخت ‌ ‌ بنوش[1] بجز دار تابوت تخت

بدین حقهٔ سبز چندین مناز ‌ ‌ که هم مهره زر دست و هم مهره باز

رهائی بیابد کس از شست[2] خاک ‌ ‌ که بر خاک ننشیند[3] از دست خاک

هر آن[4] پاره خشتی که بر منظریست ‌ ‌ سر کیقبادی و اسکندریست

هر آن شاخ عرعر که در گلشنی ست ‌ ‌ نموداری از قد سیمین تنی[5] ست

هر آن گل که در گلستانی بود ‌ ‌ سمن عارضی دلستانی بود

بجز خون شاهان درین طشت نیست ‌ ‌ بجز خاک خوبان درین دشت نیست

بده ساقی آن تلخ شیرین گوار ‌ ‌ که شیرین بود باده[6] از دست یار

بیا تا نشینیم و ساغر کشیم ‌ ‌ دم از دل بر آریم و دم در کشیم

بده باده تا خون دل کم خوریم ‌ ‌ که خاکیم و از خاک ره کمتریم

شنیدم ز[7] شوریدهٔ می پرست ‌ ‌ بخمخانهٔ[8] کوزهٔ می بدست

که هر کس که در دور گردون بود ‌ ‌ زند بر فلک خیمه گردون بود

که دون است گردون و دون پرور است ‌ ‌ از و شاد تر هر که نادان تر است

که یابد ازین قرص زرین سه نان ‌ ‌ برین سفره بیرون ز دو نان دو نان

بشو چون خضر دست از آب حیات ‌ ‌ چو عیسیٰ بتر اکن از کائنات

کسی در خور تخت فیروز گشت ‌ ‌ که مستغنی از تخت فیروز گشت

---

[1] تم تج : ندارد ، [2] تب : دست ، تو : مشت خاک ، [3] تج : بر نشیند ، [4] عمر خیام گوید

خاکی که بزیر پای هر حیوانیست ‌ زلف صنمی و عارض جانانیست ‌ هر خشت که بر کنگرهٔ ایوانیست ‌ انگشت وزیرے و سر سلطانیست

[5] تج : سیمین بری ، [6] تم : خاصه ، [7] تب : که ،

بده ساقی آن گوهر کان جان　　می آتشین آب حیوان جان
که چون بگذرد عمر و چون بگذری　　ازین بازمانی و حسرت خوری
اگر هوشمندی برو مست شو　　قدح گیر و در نیستی هست شو
که هر دم که مطرب برآرد خروش　　ندارد رهِ سوی جانم سروش
که این طغرل آبنوسی قفس　　نیفتد بدین دانه در دام کس
رهِ خاک رو بانِ میخانه روب　　در دُردنوشانِ فرزانه کوب
مگر آبِ آتش خواصت دهند　　بمستی ز هستی خلاصت دهند
بجامی برون آورندت زخویش　　بنوشی رهائی دهندت زنیش
که خواجو که در عالم جان رسید　　چو از خود برون شد بجانان رسید

رفتن خواجو ببزم دوستان و غزل سرائیدن

شبی بسته بودم ز اغیار در　　بجیب تفکر فرو برده سر
زده بر سهم چرخ کحلی علم　　عطارد ز بیمم شکسته قلم
درآورده دریای معنی بجوش　　برآورده از اهل معنی خروش
به تیر نظر چرخ را موشگاف　　به تیغ زبان بر دریده مصاف
خرامنده در گلشن شوق مست　　ز باغ امل شاخ ریحان بدست
بدانش فلک را ربوده کلاه　　بمعنی ملک را شکسته سپاه

---

۱ ب : که چون بگذرد عمر خود بگذری ،　　۲ ج : بری ،　　۳ ج : می فروشان مستاد
م : می فروشان فرزانه ،　　۴ ب : قصر ،　　۵ ج : سهم ،
۰ ج : درآورده سر ،

چو طبعم بساز اندر آورد ساز	خمش گشت ناهید بربط نواز
گهم مشتری طیلسان می فگند	گهم تیر کلک از بنان می فگند
ز مجلس فروزان روشن گهر	درآمد یکی همچو شمعم ز در[1]
که ای بلبل بوستان سخن	فروزان ز لفظ تو جان سخن[2]
چه در کنج کاشانه بنشستهٔ	در خانه بر دوستان بستهٔ
ز هر نیک و بد چند رانی سخن	ز راه تلطف قدم رنجه کن[2]
زمانی سر از رای یاران متاب	بخلوتگه میگساران شتاب
که ساز طرب بی تو بر ساز نیست	نوا ساز مجلس خوش آواز نیست
نوید وصالم چو آمد بگوش	برآوردم از کنج خلوت خروش
چو مه بر فلک سر برافراختم	چو عنقا بقاف آشیان ساختم
سوی مجلس میگساران شدم	بنزلگه شادخواران شدم
چه[3] دیدم بهشتی پر از حور عین	شبستان مستان[4] چو خلد برین
حریفان قدح بر کف و نیم مست	بزلف عروسان در[5]آورده دست
شراب عقیقین ز جام بلور	فروزان چو از چرخ گردنده هور[6]
مغنی چو مرغان دستان سرای	نوا ساز مستان بر بستان سرای
ندیمان بزرگان اصلی گهر	فروزنده طبعان صاحب نظر
پری چهره ساقی بت باده نوش	بر[8]خ دل فروز و لب می فروش

---

[1] ج : درآمد ز در همچو شمعی بزر، [2] در نسخهٔ ج این دو مصراع جای یک دیگر گرفته، [3] ب ل: چو دیدم،
[4] ب ل: شبستان مردان، [5] ب : برآورده، [6] هور نام آفتاب باشد، فردوسی گفته-

[7] ز عکس می زرد و جام بلور — سپهری شد ایوان پر از ماه و هور

[8] رخ دل فروز و لب می فروش،

بساغر درافگنده لعل مذاب — بگردش درآورده جام شراب — ۱۲۸
بمن داد یک جرعهٔ می که نوشش — ببرد از دلم صبر و آرام و هوش
بمن گفت مطرب که ای می پرست — برون رفت کارت بجائی ز دست
بباغ سخن مرغ دستان نواز — برآواز چنگم نوائی بساز
همه قول داری ولی کو عمل — ترانه میاور فرو خوان غزل
کنون قول عشاق را گوش کن — پس آنگه می لاله گون نوش کن
چو در پردهٔ چنگ زد چنگ را — ز عشاق بگرفت آهنگ را
خوش الحان طبع نوا ساز من — بدستان در آمد بآواز من
مه مطرب آن پرده آغاز کرد — برآهنگ او این غزل ساز کرد

غزل

بسی در ترا اگر سر بندگیست — برو بندگی کن که فرخندگیست
چو شمع ار بسوزی شو در شنت — که روشندلی هم ز سوزندگیست
بیابد مراد آنکه جوینده ایست — که جویندگی عین یابندگیست
سر افگندگی کن که زلف نگار — سرافرازیش در سر افگندگیست
هم او خط آزادی آرد بدست — کسی را که سر بر خط بندگیست
فرو بستن دیده از غیر دوست — بر اهل دل عین بینندگیست
خروس سحر در خروش است لیک — خموشی ورای خروشندگیست

---

۱ ب : بجائی ، ۲ ب : چو الحان ، ۳ ب : داژه ،
۴ آ ج : که هم خط آزادی آید بدست ، ۵ ج : ز ،

می روشن اندر شب تیره گون — چو در تیرگی چشمهٔ زندگیست
ز عشق ار نسوزم بسازم چو شمع — که سوزنده را چاره سازندگیست
ز بس خون که می باردار چشم من — دلم را خرابی ز بارندگیست
چو خواجو گر اهل دلی جان بباز — که مردن بر دوستان زندگیست

درآمدن امیر ابوالفتح مجدالدین محمود و اشاره کردن بنظم کتاب

چو زلف شب تیره شد مشک بیز — درآمد ز در پیک دولت که خیز
که صاحب قران عجم بر دراست — گرانمایه صدری که دین پروراست
ابوالفتح کهف بشر مجد دین — سر سر فرازان روی زمین
عطابخش دریادل کان نوال — جهانجوی محمود مسعود فال
ملاذ امم صدر گیتی پناه — جهان کرم شمع ایوان شاه
سپهر هنر مهر برج جلال — مهش زیر دست و فلک پایمال
قضا قدرت و آفتاب احتشام — عطارد ضمیر و سپهر انتقام
ملک بر نهم چرخ جایش دهد — فلک بوسه بر خاکپایش دهد
جهان روشن از ماه خرگاه اوست — فلک گردی از خاک درگاه اوست
محیط از دلش تکمهٔ برده پی — زخجلت چو ابر از کفش کرده خوی

---

۱ ب: بسوزم، ۲ ب: چشم ما، ۳ ب: نیاز، ۴ ج: مسعود محمود فال،
۵ ب: ایوان ماه، ۶ ب: تکیه پرده، ۷ ب: جو بی،

اگر زانکه دریا گهر پرور است | مرا او را چو دریا دلی در بر است
کنون چون درآید همی از گرد راه | گرت حاجتی باشد از وی بخواه
همای سپهری چو بگشاد بال | برآمد مه آسمان جلال
جهانجوی با طلعت دلگشای | درآمد چو شمعم بخلوت سرای
ثنا گفتم او را و پوزش نمود | بجا کرد نوازی زبان بر کشود
که ای مهر برج سخن پروری | حدیث ترا مشتری مشتری
جهانی پر از صیت گفتار تست | خرد واله لفظ در بار تست
بگویم حدیثی چو رای تو راست | کلید در گنج معنی تراست
شکر گرچه از مصر می آورند | بمصر از حدیثت شکر می برند
بشیرینی آب از شکر برده | که شیرینی از حد بدر برده
چرا ساز طبع تو بر ساز نیست | گر از بی نوائی نوا ساز نیست
در گنج معنی کنون باز کن | بنام یکی نامه آغاز کن
علم بر نهم بام افلاک زن | گریبان پیر فلک چاک زن
برافروز قندیل دیر کهن | درآموز رهبان جان را سخن
چو موسی خرد را فروزنده دار | چو عیسی روان را بدم زنده دار
بلفظ خوش از دلبران دل ببر | بسحر سخن آب بابل ببر
فسون مغان بر مسلمان بخوان | چو زردشتیان زند رهبان بخوان
مکن بیش ازین یاد فردوس و حور | ز داؤد تحقیق بشنو زبور

۲۸ ب

---

۱ ج: ثنا گفت، ۲ ب: ماه، ۳ ج: شکر،
۴ ج: تراساز، ۵ ج: قصه، ۶ ب: گریبان خود کو فلک چاک زن!
۷ ج: مخوان،

ز شمع خرد بزم جان بر فروز | بتاب روان شمع گردون[1] بسوز
نوای دل از چنگ ناهید خواه | می روشن از جام جمشید[2] خواه
بسحر سخن دست موسیٰ برآر | ز بحر امل دُر معنی برآر
چو عیسیٰ بدین دیر علوی شتاب | شرابی خور از چشمهٔ آفتاب[3]
بتیغ زبان قلب گردون بدر | بشعر روان آب جیحون ببر
درین دور گر قدر اشعار نیست | گر تا نگوئی[4] خریدار نیست
ز تو حلقهٔ شوق بر در[5] زدن | ز مار خنه در قصر قیصر زدن
ز تو مدحت عنصری ساختن | ز ما گنج محمود پرداختن
بگفت این و دست کرم بر کشود | به تشریف خاصم نوازش نمود
مرا بر سماک از سمک بر کشید | ز پستی باوج فلک در کشید
کنون گر نگیرد اجل دامنم | نمیرد چراغ دل روشنم
برانم که خدمت بجان آورم | سر چرخ را زیر پای آورم

سبب قصه بنظم آوردن

چو جمشید شرقی بفگند جام | شه زنگ سر بر زد از راه شام
درنگ بزنگ دار خورشید[6] شتاب | رخ روز را زلف شب شد نقاب
شه چین بشام آمد از نیمروز | بمغرب فرو رفت گیتی فروز
بیفگند خورشید زرین کلاه | بپوشید گیتی قبای سیاه

---

[1] ب: شمع گیتی ، [2] ب: خورشید ، [3] این شعر تنها در نسخهٔ ج دیده شد ، [4] ج: شعری ۰
[5] ب: سر در زدن ، [6] ج: خورشید تاب ، [7] ج: جمشید عالم ،

شده تیره عالم چو دریای قار — دو چشم[1] من گشته اختر شمار

بزندان مغرب اسیر آفتاب — چو بیژن بزندان افراسیاب

شنیدم که می گفت ناگه کسی — نکن تکیه بر دور گیتی بسی

که بی ما بسی بر فرازد کلاه — فروزنده خورشید و تابنده ماه

نماند کسی زیر چرخ کهن — ز ارباب دانش بماند سخن

برفت از دلم هوش و از دیده تاب — ز چشمم ببارید چون ژاله آب

که اکنون که دور سپهری گذشت — سه[2] ده سال از عمر من درگذشت

نکردم پسندیده کاری که آن — ز من یادگاری بود در جهان

اگر با تمیزم و ر اهل خرد — چو عمرم نماند که نامم برد

در اندیشه بودم که خوابم ببرد — چراغ دل از آه سردم بمرد

یکی باغ دیدم چو خرم بهشت — ز طیبت[3] هوایش چو اردی بهشت

چمان در چمن لعبتی سبزپوش — تو گفتی بمینو خرامد سروش

بدستش یکی صفحه از سیم ناب — نوشته سخنها بمشک[4] و گلاب

همه دانش و پند و تدبیر و رای — ز کردار فرخ همایون همای

مرا گفت کین لحظه کاری بکن — برو در جهان یادگاری بکن

بسا پادشاهان که هر جای گنج — نهادند و رفتند با درد و رنج

نه ایشان از آن گنج بردند بهر — نه بی[5] رنج بردند ابنای دهر

---

[1] ف ب: دو چشم، [2] هفت اشعار ما بعد در نسخه ف ب بطوری پس و پیش نوشته شده، که مطلب بکلی از بین می رود، [3] ف ب: نه طیب هوایش که اردی بهشت، [4] ف ب: چه مشک و گلاب، [5] ف ب: اگر بی رنج یابند ابنای دهر،

ب ج: بی رنج مانند از جای دهر،

تو این داستان را یکی گنج ساز ... پُر از گوهر[1] پند و لولوی راز

دیار سخن جمله تاراج کن ... سر نامه را نام شه تاج کن

که دانم کزین نامه نامی شوی ... بنزدیک شاهان گرامی شوی

هم اندر زمان رخت بربست خواب ... سفیده بر افگنده از رخ نقاب

چو از خواب دوشینه باز آمدم ... بجان[2] غرق دریای راز آمدم

اگر دست مرگم نگیرد عنان ... بعمرم دهد دور گردون امان

به پیوندم این قصهٔ دلکشای ... بفال همایون ز حال همای

چو کاخی که بینندهٔ ماند عجب ... شب و روز یا روز پیوسته شب

یکی باغ پر میوه اندر بهشت ... زمینش ز کافور و از مشک خشت

گلش دانش و میوه تدبیر و رای ... چو بلبل همه باغ[3] دستان سرای

چو[4] بحری پُر از گوهر گونه گون ... که غواص اندیشه[5] آرد برون

گل از بوستان ارمغانی برند ... وزین بحر دُر معانی برند ۲۹ ر

هر آنکس که این گفته تلقین کند ... دماغ خرد عنبر آگین کند

که گر من نمانم بدین روزگار ... بماند ز من در جهان یادگار

آغاز داستان

برآرندهٔ دُر دریای راز ... سر درج گوهر چنین کرد باز

که شاهنشهی بود در ملک شام ... منوشنگ[6] قرطاس بودیش نام

---

[1] جہ: گوهر گنج، [2] تب: کنون، [3] تب: همه باز، [4] تب: چه، [5] جہ: از بیشه،

[6] تو: منوشنگ قرطاس پرویش نام ... و در نسخهٔ تب بجای منوشنگ همه جا منوشک دیده می شود،
جہ: منوشنگ قرطاس رویش نام

نژادی وی از نسل شاهان کی | مر او را مسخر همه روم و ری
بفرزند بودیش دایم هوس | ز یزدان همین حاجتش بود و بس
کزو در جهان یادگاری بود | پسر نامور شهریاری بود
ازین چار مادر وزان نه پدر | یکی طفلش آمد قضا را پسر
بآئین کیخسرو و کیقباد | بچهر منوچهر و فر قباد
بطالع مه برج نیک اختری | بطلعت ور درج نه منظری
ز دریای شاهنشهی گوهری | زگردون فرماندهی اختری
ز خور در شرف عالم آرای تر | زگل در چمن شادی افزای تر
تو گفتی پری در جهان آمدست | ویا مشتری ز آسمان آمدست
ملک نام کردش همایون همای | بر لعبت دیده اش کرده جای
همه بر زد از خورمی تاج را | بسی سیم و زر داد محتاج را
در آورد دایه بمهد زرش | ز شیر و شکر ساختش پرورش
چو از شیر پرداخته شد مهد او | بر آمد مه از مطلع مهد او
چنان دلستان شد بمه پیکری | که آمد ز مهرش قمر مشتری
چو سالش بچار او فتاد اتفاق | بخوبی بزد بر فلک چار طاق
گره کرد بر لاله مشک سیاه | ز شب چنبر افگند بر قرص ماه
ببرد آب سر چشمهٔ آفتاب | شد آب حیات از لب لعلش آب
فلک پنج نوبت بزد بر درش | برافراخت از هفت کشور سرش
ملک چون بآموزگارش سپرد | ز دانشوران گوی دانش ببرد

۱؎ ب: بگر، ۲؎ ب: بسر، ۳؎ ب: چرخ، ۴؎ ب: مر منظری، ۵؎ ج: اندش، ۶؎ ج: که می شد ز مهرش قمر مشتری، ۷؎ ج: چتر، ۸؎ ج: دولت،

چنان گشت در اندکی روزگار | که حاجت نبودش با موزگار
ز اقلیدس و نحو و طب و نجوم | چنان شد که شد داستان در علوم
ز قسمی که کردی معانی بیان | بر منطقش آب گشتی روان
چو کردی فروزان بشطرنج رخ | شه چرخ را مات کردی برخ
چو بگذشت بر سال عمرش دو چار | نیارست زد چرخ با او دو چار
بسر پنجه دست از زریان ببرد | بزر بخشی آب کریمان ببرد
درین ششش رواقی سرای سپنج | چو بگذشتش از زندگانی سه پنج
چنان شد که گر بر کشودی کمین | شه چرخ را در ربودی ز زین
بمیدان چو در تاختی زنده پیل | فلک باز ماندی از و هفت میل
بدان گرز و بالا و نیرو و بال | ز همشیرگانش کس نبودش همال
قضارا شبی بارخ همچو ماه | درآمد بقصر منوشنگ شاه
بلب خاک را رنگ عناب داد | زمین را بآب حیات آب داد
ثنا گفت و آنگه زبان بر کشود | سر درج گوهر فشان بر کشود
که گیتی بکام شهنشاه باد | سپهرش ثناگوی درگاه باد
مرا بیش پروای بستان نماند | دل باغ و میل گلستان نماند
ز ایوان دلم تنگ شد زین سپس | توقع ز خدمت همین است و بس
که فرمان دهد نامور شهریار | که بیرون خرامم بعزم شکار
جهاندار گفت ای دل افروز من | بروی تو روشن بود روز من

له قب : بر ،   له قب : نیاراست زد ،   له قب : رواق ، له له قب
چو بگذشت از زندگی سه پنج ،   له جح : ز همشیرگانش نبودی همال ، له جح ، در ،
له قب : شب و روز من ،

ص ١٥١ س ١٣ - مجد الدين محمد بن الشيخ ظهير الدين الخ

انشد له النويري في بحث الاطراد شعرين كتبهما في الاجازة لبعض تلاميذه وهما :-

اجازهما قد سألوا　　بشرط اهل السند

محمد بن احمد　　بن عمر بن احمد

٧ : نهاية الادب ج ٧ ص ١٣٨ ؛

ص ١٥٥ - س ١ - محلقة دون السماء الخ للابيات الثلثة من قطعة ذكرها الصبري في تاريخه (ج ٢ ص ١١٣٠) بتمامها فراجعه ؛

ص ١٥٥ س ٥ - الشروط انظر تفصيل كتابة الشروط وما يجب فيها في نهاية الادب (ج ٩ ص ١ بما بعدها)

ص ١٥٥ - س ٦ - محمد بن العميد ترجمته مبسوطة في النجوم الزاهرة ج ٢ ص ٣٣٢ و الوفيات ج ٢ ص ٨٧ بما بعدها و يتيمة الدهر ج ٣ ص ١٣٧ - ١٢٢ ودائرة المعارف الاسلامية ج ٢ ص ٣٦٠ وانظر ايضاً مقالة المستشرق امدروز (A. H. Amedroz) في مجلة دير اسلام ج ٣ - ص ٣٢٣ - ٣٥١ (Der Islam, V. 3, P.P. 323-351) وفي هذه المصادر ذكر لابيه ابي عبد الله الحسين بن محمد وصفوة القول فيه انه كان كاتباً شهيراً حتى ان بعضهم ليسوون بينه و بين ابنه ابي الفضل ، اما ابو الفتح ابن العميد فقد ولد سنة ٣٣٧ھ ونبغ حتى وزر لمؤيد الدولة بويه ، وجرت له امور افضت الى نكبته به ، و كانت وفاته سنة ٣٦٦ھ ، انظر ترجمته في الوفيات و ودائرة المعارف الاسلامية في المواضع التي شرحناها وايضاً يتيمة الدهر ج ٣ ص ١٦٢ - ١٦٩ ودائرة المعارف

للبستاني ج ١ ص ٦١ ومعجم الادباء ج ١٢ - ص ١٩١ - ٢٣٠؛

ص ١٥٧ - س ٦ - الرشيد بن بدر النابلسي - هو الرشيد ابو محمد عبد الرحمان بن بدر بن الحسن بن مفرج النابلسي الشاعر، له قصائد في السلطان صلاح الدين، وكانت وفاته سنة ٦١٩ھ، وانظر ترجمته في فوات الوفيات لابن شاكر ج ١ ص ٢٥٥؛

ص ١٥٧ - س ١١ - كمال الدين جبيش - لم يصل الينا من اخباره شيئ الا ما ذكره بروكلمن في ذيل تاريخ الآداب العربية (ج ١ ص ٨٩٣) انه كان من علماء القرن السابع للهجرة وذكر عددا من تصانيفه التي توجد الآن وهي (١) نظم السلوك قاموس للادوية المفردة، وتوجد نسخة منه في المتحف البريطاني (٢) تقويم الادوية توجد نسخة في مكاتب عديدة، واحدة منها في مكتبة رامفور (انظر فهرست هذه المكتبة ص ٦٩٣)، (٣) تقديم العلاج وبدرقة المنهاج (٤) رموز المنهاج وكنوز العلاج (٥) لباب الاسباب (٦) رسالة في شرح بعض المسائل للاسباب والعلامات المنتجة (من القانون) (٧) تحصيل الصحة بالاسباب الستة (٨) اختصار فصول بقراط (٩) كامل التدبير (١٠) قانون الادب؛

ص ١٦٥ س ٨ - وظهر منه اشياء من هذا الفن - قال صاحب الحوادث الجامعة في حوادث سنة ٦٨٨ھ: وفيها قتل الكمال حسن بن يحيى الفراش البغدادي بدمشق قتله رجل من اهلها ثم قعد عنده فلما عرف الوالي بذلك احضره فاعترف بانه قتله وقال: عرفت انهم تسأل عنه واني قتلته غيرة على النبي صلى الله عليه وسلم - لانه

اساءَ ذكره وتعرّض بالصحابة وقال اشياء يستحق عليها القتل، و
قد بذلت نفسى لله تعالى فطلبوا منه من يشهد انه سمع عنه ذلك
فاحضر جماعةً من اهل دمشق شهد وا بصحّة ما قاله فخلّى سبيله، و
هذا الصبى كان يعتقد مذهب الفلاسفة ويتظاهر به، وكان ابوه
يدّعى انه اخو علاء الدين عطا ملك صاحب الديوان ....؛

ص ١٦٩ - س ١٢ - ابى محمّد سبط ابى منصور هو ابو محمّد
(وابو علی) عبدالله بن علی بن احمد بن عبدالله البغدادی الحنبلی شيخ
الاقراء ببغداد فی عصره، ولد سنة ٤٦٤ﻫ وقرأ القراءات على جدّه وغيره
من افاضل العلماء، وصنّف كتبًا منها كتاب المبهج وكتاب
الروضة وكتاب الايجاز فی القراءات السبع وكتاب التبصرة
والمؤيّدة فی السبعة والموضحة فی العشرة والقصيدة
المنجدة فی القراءات العشر والكفاية فی القراءات الستّ؛
وله شعر، توفّی سنة ٥٤١ﻫ ببغداد وصلّى عليه الشيخ عبد القادر
الجيلی، ودفن عند جدّه ابی منصور على دكّة الامام احمد، قال ابن
الجوزی: ما رأيت جمعًا اكثر من جمع جنازته، ر، كشف الظنون
ج ١ ص ٧٦ و ١٧٣ و ٢٤٣ و ج ٢ ص ٢٣٣ و ٣٢٤ و ٣٧٣، وذيل تاريخ
الآداب العربية لبروكلمن ج ١ ص ٧٢٣، وكذا ابالعرور، اضف
اليهما غاية النهاية فی طبقات القرّاء التى ذكرناه فی ذيل المتن؛

ص ١٧٠ - س ٣ - برهان الدين مسعود بك، انظر احواله واحوال
ابيه محمود فی تاريخ العراق ج ١ وتاريخ جهانكشای بحسب
فهارسهما وص ١٤١ من تاريخ العراق فقد فات ناشره ان يذكرها؛

ص ۱۷۱ س ۱۳ - کمال الدین ابو الفتوح حمزة - انظر احوال کمال الدین حمزة فی تاریخ الکامل ج ۱۰ ص ۲۲۹ و ج ۱۱ ص ۱۱ و ۱۹ و ۲۰ و ۳۶ و ۳۱ و ۱۲۰ ومفاد ما ذکرہ انه تولی المخزن قبل ما ذکرہ بستة عشر سنة حیث ذکر فی حوادث سنة ۵۱۲ھ انه تولی المخزن بعد وفاة خالصة الدولة ابی البرکات احمد بن عبد الوهاب السیبی صاحب المخزن ببغداد و اخذ اسیراً مع الخلیفة فی حروب السلطان مسعود سنة ۵۲۹ھ وبنی مدرسة الکمالیة سنة ۵۳۲ھ وحج سنة ۵۳۶ھ و لما عاد استعفی من الخدمة و توفی سنة ۵۵۱ھ ؛

ص ۱۷۲ س ۱۳ - اخطأ صاحب الحوادث الجامعة فی نسبة قصة الغرق الی ابیه رکن الدین وتبعه فی ذلک مصنف تاریخ العراق والدلیل علی الخطأ قول شمس الدین الکوفی فی المرثیة التی رثی بها الغریق - وقد نقل صاحب الحوادث الجامعة بعضها ؛

یا ماء ما انصفت آل محمد ... وعلی کمال الدین کنت المجتری

فی الطعن لم تسعد اباه بفطرة ... والیوم تد اغرقته فی ابحر

قاموا علیه واخرجوه معظما ... ومکرما و کذا النفیس الجوهر

ص ۱۷۳ س ۱ - شمس الدین ابو المناقب اسمه محمد کما نقلناه او محمود کما ذکرہ الکتبی فی الفوات (ج ۲ ص ۲۹۴) ویقول صاحب الحوادث الجامعة تارة ان اسم ابیه عبد الله و تارة انه عبید الله و هذا الشبه بالصحة قد نقلنا عن تاریخ العراق انه محمد بن احمد بن عبد الله ولم نجد من یوافقه ؛

له انظر الصفحات ۳۳۴ ، ۲۸۱ ، ۲۸۶ ، ر - ۲۹ منه ؛

١٧٣ س ٩ - ابن شهراشوب وهو رشيد الدين ابوجعفر محمد بن علي بن شهراشوب المازندراني المتوفى سنة ٥٨٨ ھ ، انظر ترجمته في بغية الوعاة ص ٧٧ و ذيل بروكلمن ج ١ ص ٧١٠ ؛

١٧٤ س ١٩ - كمال الدين ابو محمد داود بن عبيدالله لعل الاشارة بقوله : من اولاد المحدثين ؛ الى انه من اولاد الحافظ معمر بن عبدالواحد الاصفهاني الذي ذكره صاحب تاريخ الكامل في حوادث سنة ٥٦٤ ھ (ج ١١ ص ١٥٧) وقال انه توفي بالبادية ذاهبا الى الحج ؛

١٧٨ س ١٧ - محمد بن هبة الله هو ابوجعفر محمد بن هبة الله بن المكرم بن عبدالله الصوفي ولد في ليلة السابع والعشرين من رمضان سنة ٥٣٨ وسمع من ابي الوقت وتوفي في المحرم سنة ٦٢٢ ھ وسمع منه القاضي شمس الدين ابن خلكان في سنة وفاته ، انظر الشذرات ج ٥ ص ٩٦ والوفيات ج ١ ص ٢٨٥ (ترجمة عبدالاول السجزي) ؛

١٨٠ س ٧ - كمال الدين سليمان هو جد كمال الدين داوود ابن عبيدالله المقدم وذكر المصنف في ترجمة والده موفق الدين نسبه والحقه بعبد الرحمن بن سمرة بن حبيب القرشي ؛

١٨٠ س ١٠ - محمد بن سعد كذا ذكره المصنف وقال في ترجمة موفق الدين داوود انه محمد بن ابي سعيد ، وفي موضع آخر من الكتاب انه محمد بن ابي سعد ، والله اعلم اي ذلك اصح ؛

١٨١ س ٥ - مجد الدين ابوطاهر ابراهيم ذكره المصنف في كتاب الميم وقال انه ابراهيم بن محمد بن عبدالله ، وفي هذا بعض اختلاف لما ذكره ههنا ، والله اعلم ، وكانت وفاته سنة ٦٢١ ھ ؛

انظر مجمع الآداب (ورق ٩٧ ب ٩٨ الف) ؛

ص١٨٤ س١٣ - لمّا تكلّم الناس لهذه الوقعة ذكر في الحوادث الجامعة (ص ٢٥٠ بما بعدها) وملخصها انّ الامير سيف الدين علي بن قيران ادّعى عند الوزير انه رأى الخطيب شمس الدين المذكور على حالة منكر مع رجال ونساء، فاعتذر، فقبل الديوان عذره ولم يقبله الناس، فتقحصوا عن رجل من الخطباء مرجّح على الخطيب المذكور، واستقام الامر على عبدالله بن العباس هذا ؛

ص١٨٥ س١ - صدر الدين بن النيار هو شيخ الشيوخ علي بن محمد النيار كان يلقب اوّلاً شمس الدين وكان مؤدّب اولاد الخليفة المستنصر بالله وخلع عليه مرتين فلمّا تولّى الخلافة المستعصم ولّاه مشيخة الشيوخ وعند ذلك صار لقبه صدر الدين، وتوفي مقتولاً مذبوحاً كما تذبح الشاة في وقعة التتار سنة ٦٥٦ھ، انظر الحوادث الجامعة صفحات ٣٢ و ٧١ و ٨٤ و ١٢٣ و ١٧٠ و ٢١٠ و ٢٨٣ و ٢٨٦ و ٣٢٨ ؛

ص١٨٥ س٧ - رشيد الدين محمد بن ابي القاسم هو ابو عبدالله محمد بن عبدالله بن عمر بن ابي القاسم البغدادي الحنبلي المقرئي المحدّث الصوفي الكاتب، ولد في ذي القعدة سنة ٦٢٣ھ وتوفي ببغداد سنة ٧٠٧ھ، انظر ترجمته في الدرر الكامنة ج٤ ص ١٥٠ وتاريخ العراق ج١ ص ٤١٠ والشذرات ج ٦ ص ١٥ ؛

ص١٨٥ س٨ - ابوبكر محمد بن مسعود بن بهروز توفي في رمضان سنة ٦٣٥ھ انظر ترجمته في الشذرات ج٥ ص ١٧٤ ؛

ص١٨٦ س٩ - السغناقي لم نجد باسم السغناق موضعاً ولعلّه من اعلام

الرجال كما في تاريخ العراق ج۱ ص ۱۱۱ ، فيشتبه ان ارادته بالنسبة الى السغناقي النسبة الى واحد من الاجداد ؛

ص ۱۸۹ س ا - **عبد الله بن محمد بن نصر** هو ابن قوام عبد الله بن محمد بن نصر بن قوام بن وهب الرصافي ثم الدمشقي ، مات فجأة في ذي القعدة سنة ۶۹۵ ، انظر ترجمته في الشذرات ج ۵ ص ۴۳۰ بما بعدها و ذيل تذكرة الحفاظ لابي المحاسن الدمشقي ص ۹۲ ؛

ص ۱۸۹ س ۱۳ - **جمال الدين ياقوت المستعصمي** كان كاتباً شهيراً و اديباً عالماً و كان قد اشتراه الخليفة المستعصم صغيراً و ربي بدار الخلافة و اعتنى بتعليمه الخط صفي الدين عبد المؤمن و خطي عند علاء الدين عطا ملك صاحب الديوان - توفي سنة ۶۹۸ و ترجمته مبسوطة في تاريخ العراق ج۱ ص ۳۸۳ و الشذرات ج۵ ص ۴۴۳ والحوادث الجامعة ص ۵۰۰ ؛

ص ۱۹۲ س ا - **ابراهيم بن محمد بن نبهان** كان شهيراً لرواية الجمع بين الصحيحين للحميدي توفي سنة ۵۴۳ عن اربع و ثمانين سنة ، ر : الكامل ج ۱۱ ص ۶۲ ؛

ص ۱۹۳ س ۱۲ - **المبارك بن المبارك** المعروف بالوجيه الدهان ، كان اديباً نحوياً توفي سنة ۶۱۲ ، ر : لترجمته تاريخ الكامل ج ۱۲ ص ۱۲۳ و بغية الوعاة ص ۳۸۵ والشذرات ج۵ ص ۵۳ و دائرة المعارف للبستاني ج۱ ص ۴۸۱ بما بعدها و الوفيات ج ۱ ص ۵۲۲ ؛

ص ۱۹۴ س ۱۰ - **عبد الرحمن بن صالح** هو ابو محمد و ابو الفنوم الزعفري

الثعلبي النحوي، توفي في حبس صاحب ماردين كما ذكره المصنف
وترجمته في بغية الوعاة ص ٢٩٨ والشذرات ج٥ ص ٢٥ وفيه
شعر له غير ما ذكره المصنف ؛

ص ١٩٤ س ١٢ - عمر بن الخضر بن اللمش بن الدزمش . انظر
تاريخ الآداب العربية لبروكلمن ج ١ ص ٣٣٣ وذيله ج ١ ص ٥٦٩
وفهرست مكتبة برلين ج ٩ ص ٣٣٤ ؛

ص ١٩٥ س ٣ - عبد الرحمن بن عبد السلام كان اقضى القضاة
ثم رتب قاضي القضاة سنة ٦٣٣ هـ وولي تدريس الطائفة الحنفية
بالمدرسة المستنصرية سنة ٦٣٥ هـ ، له ذكر في الحوادث الجامعة
في مواضع متفرقة (انظر الصفحات ٨٤ و ٩٢ و ١٠٠ و ١٠٢ و ١٥٧ و ١٦١ و ١٦٧ و
٢١٧ و ٢١٨ و ٢٨٢ و ٢٨٤) وفي السلوك (ص ٢٨٢) تصديق لما ذكره
المصنف انه توفي سنة ٦٤٩ هـ ؛

ص ١٩٧ س ١١ - كمال الدين ابو البركات عبد الرحمن
يعرف بابن الانباري وترجمته مبسوطة في الوفيات ج ١ ص ٣٥٠ و
الشذرات ج ٤ ص ٢٥٨ وطبقات الشافعية ج ٤ ص ٢٤٨ وتاريخ الكامل
ج ١١ ص ٢١٥ ودائرة المعارف الاسلامية ج ١ ص ٣٤٩ والمصادر التي ذكرها
في تاريخ الآداب العربية لبروكلمن ج ١ ص ١١٩ وذيله (ج ١ ص ٤٩٤
وما بعدها) ذكر عدد من تصانيفه ؛

ص ١٩٨ س ١٠ - ابن ابي الدنيا ولد سنة ٢٠٨ هـ وتوفي في ١٤ جمادى الثانية
سنة ٢٨١ هـ ، انظر فوات الوفيات ج ١ ص ٢٣١ ودائرة المعارف
الاسلامية ج ٢ ص ٣٥٥ ؛

ص ١٩٩ س ٤ ـ نجم الدين البادرائي ، انظر ترجمته في الحوادث الجامعة ص ٣٢٢ ايضاً ؛

ص ٢٠١ س ـ عبد الرحمن بن يحيى له ترجمة مبسوطة في الحوادث الجامعة ص ٣٢١ بما بعدها (حوادث سنة ٦٨٢ھ) و ذكر انفاذه في الرسالة الى دمشق وحبسه من غير ذكر وفاته و مفاد ما ذكره أن اباه كان مملوكاً رومياً للمستعصم، وجعل هو من فراشي السدة . ثم اسر في الواقعة وتزهد بعدها فعرف بالشيخ وتعلم الكيمياء من عز الدين ايبك ذزدار العمادية بالموصل وسار معه الى السلطان اباقا واظهر له عجائب ظنها كرامات فزاد اعتقاده فيها ، ثم اتصل بالسلطان احمد و حسن له الاسلام فاسلم السلطان ووعده بانتقال الملك اليه ، ولما ارسله الى سلطان الشام عرف حاله واطلع على باطنه فامر بحبسه من غير ان يجتمع به ، وذكر ايضاً ابن العماد في الشذرات حوادث سنة ٦٨٣ھ وذكر وفاته ؛

ص ٢٠٣ س ١ ـ كمال الدين عبد الرحيم بن محمد يعرف بعبد الرحيم بن ياسين ، له ترجمة مختصرة في طبقات الشافعية للسبكي ج ٥ ص ٢٠ ، ووقع ذكره استطراداً في الحوادث الجامعة ص ٨٥ بما بعدها ؛

ص ٢٠٣ س ١٣ ـ كمال الدين عبد الرزاق له ذكر في هفت اقليم ص ٢٥٦ بما بعدها ، ومعجم المطبوعات العربية عمود ١٥٤١ ـ ١٥٤٢ وذكر كتابيه المطبوعين اصطلاحات الصوفية ورسالة في القضاء والقدر ؛

ص ٢٠٤ س ١١ - عبد السيد بن المحسن بن محاسن الصرصري

(نسبة الى صرصر قرية على فرسخين من بغداد) لم اجد احداً ذكره

وقد ذكر صاحب تاريخ العراق رجلين ينسبان الى صرصر احدهما

بهاء الدين حسن بن محاسن المتوفى سنة ٦٧٧ھ والثانى ظهير الدين

محمد بن الحسن بن عبد الرحمن بن عبد السيد بن محاسن المتوفى

سنة ٧٠٦ھ (انظر ج ١ ص ٢٩٧ و ٥٠٢ من تاريخ العراق) ولا يبعد

ان يكون صاحبنا نسيباً لهما ؛

ص ٢٠٦ س ٩ - ابو بكر محمد بن عبد الله الخ توفى سنة

٥٣٠ھ ذكره ابن الاثير فى الكامل ج ١١ ص ٢١ وذكر انه انشد عند

موته

ها قد مددت يدى اليك فردها   بالعفو لا بشماتة الاعداء

ص ٢٠٦ س ١٣ - عبد الغفور بن عبد الغفار جرياً على قول المصنف:

ذكره الشيخ ابو احمد العسكرى فى كتاب الحكم والامثال

يكون زمان حياته قبل وفاة العسكرى ولم نجد احداً بهذا الاسم

يكون قبل المائة الخامسة الا ما ذكره الخطيب فى تاريخ بغداد

(ج ١١ ص ١٣٠) ولكنه - كما قال الخطيب - عبد الغفور بن سعيد

او عبد الغفور بن عبد العزيز ابو الصباح الواسطى ، والله اعلم ؛

ص ٢٠٦ س ١٨ ابو احمد العسكرى انظر ايضاً ترجمته فى

الشذرات ج ٣ ص ١٠٢ و دائرة المعارف للبستانى ج ١ ص ٧١

و كشف الظنون ذكر كتبه وهى كتاب فى البديع و كتاب

التصحيف وكتاب الحكم والامثال و راحة الارواح و

الزواجر وكتاب المنطق والمؤتلف والمختلف ؛

ص ٢٠٨ س ٢ - محمّد بن علي بن ياسر هو محمّد بن علي بن عبدالله بن ياسر الانصاري الاندلسي سكن في الأخير بحلب وتوفي سنة ٥٦٢هـ انظر الشذرات ج ٤ ص ٢١٠ وله ذكر في معجم البلدان ج ٤ ص ١٠١٣ ۔

ص ٢٠٩ س ٢ - ابن العاقولي هو الشيخ جمال الدين عبدالله بن محمّد ابن علي ابن العاقولي الواسطي الشافعي درس بالمدرسة المستنصرية مدة طويلة نحو اربعين سنة وباشر نظر الاوقاف وافتى من سنة ٦٩٥ الى سنة وفاته وهي سنة ٧٢٨هـ وداره الآن جامع يعرف بجامع العاقولية انظر تاريخ العراق ج ١ ص ٥٠٥ والمصادر التي ذكرها والحوادث الجامعة ص ٣٨٥ و ٤٢٣ و ٤٢٨ ؛

ص ٢٠٩ س ٧ - شمس الدين عبدالكافي عدّه صاحب هفت اقليم من اعيان تبريز المتصفين بالفضائل العلمية والعملية (انظر ص ٣٥٢ من كتابه) ؛

ص ٢١١ س ١٢ - شيخ الاسلام نظام الدين اسمه محمود وتولى قضاء الجانب الغربي سنة ٦٧٣هـ وخطيبًا بجامع السلطان سنة ٦٧٤ ، ولم نجد من ذكر وفاته اما ولده صدر الدين محمّد فقد تناقض فيه اقوال صاحب الحوادث الجامعة حيث ذكر في حوادث سنة ٦٧٧هـ انه تولى قضاء الجانب الغربي فتوفي بعد شهرين وذكر فيه شعرًا ثم قال في حوادث سنة ٦٨٤هـ انه عزل عن تدريس البشيرية ورتب مدرسًا بمدرسة الاصحاب وهذا التناقض يوجد في تاريخ العراق حيث مؤلفه

على الحوادث الجامعة انظر تاريخ العراق ج ١ ص ٢٨١ و ٢٩٢ و ٣٣٥ والحوادث الجامعة ص ٣٨٢ و ٤٠٦ و ٤٢٨ ؛

ص ٢١٣ س ٧ - كمال الدين ابو الفضل عبيد الله بن عضد الدين لم نقف على ترجمته الا ما نقلناه في التعليقات من ابن الاثير، وبيت رئيس الرؤساء بيت معروف بالوزارة منهم علي بن الحسن بن مسلمة رئيس الرؤساء قتله البساسيري سنة ٤٤٩ هـ وابو الفتح المظفر بن رئيس الرؤساء وزر سنة ٤٧٦ هـ و عضد الدين ابو الفرج ابن رئيس الرؤساء وزير المستضيئ (٥٦٦-٥٧٣ هـ) وله ترجمة في قاموس الاعلام للزركلي ج ٣ ص ٩٣٠ ؛

ص ٢١٤ س ١ - كمال الاسلام ابو الرضا عبيد الله لم اجد له ترجمة والاشبه انه من اولاد صدر الدين عبد اللطيف الخجندي الذي ذكر في تعليق هذه الصفحة (٢١٤) من الكتاب ؛

ص ٢١٨ س ٥ - كمال الدين السميرمي، انظر ترجمته في تاريخ الكامل حوادث سنة ٥١٦ هـ والوفيات ج ١ ص ٢٠٢ (ترجمة الحسين بن علي الطغرائي) وتاريخ دولة آل سلجوق (زبدة النصرة) لقوام الدين البنداري ص ١٠١ بما بعدها والانساب للسمعاني ص ٣١١ الف ؛

ص ٢٢٠ س ٢ - كمال الدين علي بن احمد ذكره صاحب الحوادث الجامعة في حوادث سنة ٦٢٨ هـ (ص ٣١١) واختصر مقال المصنف وزاد عليه انه كان قد ولي نظر الملك ؛

ص ٢٢٢ س ٤ - رتن الهندي - انظر ترجمته في الإصابة لابن حجر العسقلاني ج ١ ص ١٠٨٧ بما بعدها وذيل تاريخ الآداب العربية لبروكلمن ج ١ ص و مجلة المجمع التاريخي بفنجاب (Journal of the Panjab Historicals) العدد الثاني من المجلد الثاني والمصادر التي ذكرها . وبناءً على ما ذكره لا يزال قبره قرب بتندا يزوره المسلمون والهنادكة ؛

ص ٢٢٣ س ١١ - كمال الدين علي بن شجاع - يعرف بالكمال الضرير ، وترجمته مبسوطة في الشذرات ج ٥ ص ٣٠٦ بما بعدها ، وطبقات القراء ج ١ ص ٥٤٤ بما بعدها ونكت الهميان للصلاح الصفدي ص ٢١٢ بما بعدها ؛

ص ٢٢٥ س - عيسى بن محمد لعل المراد به عيسى ابن محمد بن عيسى اللغوي المتوفى سنة ٢٩٢ هـ وترجمته في التهذيب لابن حجر ؛

ص ٢٢٥ س - ابراهيم الحربي - كان زاهداً حافظاً راجع لترجمته الى الفوات للكتبي ج ١ ص ٣ بما بعدها وتذكرة الحفاظ ج ٢ ص ١٤٧ بما بعدها وتاريخ الكامل حوادث سنة ٢٨٥ هـ ؛

ص ٢٢٧ س - جلال الدين بن عكبر هو الشيخ عبد الجبار بن عكبر الواعظ مدرس الحنابلة بالمستنصرية ، توفي سنة ٦٨١ هـ ، انظر ترجمته في تاريخ العراق ج ١ ص ٣١٤

والحوادث الجامعة ص ٢٢٦ ؛

ص ٢٢٩ س - كمال الدين علیّ بن محمّد المعروف بابن الاعمى (والاعمى لقب لوالده الشيخ ظهير الدين محمّد بن المبارك) انظر ترجمته فی فوات الوفيات ج ٢ ص ٨١ بما بعدها والشذرات ج ٥ ص ٣٢١ وقاموس الاعلام ص ٢٩٤ بما بعدها ؛

ص ٢٢٩ س - ابن اللتّی انظر ترجمته فی الشذرات ج ٥ ص ١٧١ ودائرة المعارف للبستانی ج ١ ص ٣٨٥ ؛

ص ٢٢٩ س - كمال الدين علیّ بن محمّد يعرف بالكمال ابن وضّاح وترجم له ابن العماد فی الشذرات ج ٥ ص ٣٣٦ ومابعدها والسيوطی فی بغية الوعاة ص ٣٥٣ ؛

ص ٢٣٠ س - كمال الدّين علیّ بن محمّد المعروف بابن النبيه راجع لترجمته الی الفوات للكتبی ج ٢ ص ٨١ بما بعدها وحسن المحاضرة ج ١ ص ٢٧١ وروضات الجنات ص ٤٨٨ والشذرات ج ٥ ص ٨٥ وذيل تاريخ الاداب العربية لبروكلمن ج ١ ص ٤٦٢ ؛

ص ٢٣٤ س - كمال الدين عمر بن احمد المعروف بابن العديم انظر ترجمته ايضًا فی فوات الوفيات ج ٢ ص ١٠١ بما بعدها والفوائد البهية ص ١٢٧ بما بعدها والشذرات ج ٥ ص ٣٠٣ ومراٰة الجنان ج ٤ ص ١٥٨ بما بعدها وتاريخ ابی الفداء حوادث سنة ٦٦٠ه ومقالة بروكلمن فی دائرة المعارف الاسلامية

ج ۲ ص ۳۰۷ بما بعدها وحسن المحاضرة ج ۱ ص ۱۹۸ بما بعدها و
راجع لفهرست مصنفاته الى كشف الظنون ج ۱ ص ۱٦۲، ۲۰۰،
۲۲۳، ۲٤٤، ٤٧٨، ٤٩٣ و ج ۲ ص ٦، ۸٥، ۲٧٥، ومعجم المطبوعات
العربية العمود ٤٧١ وتاريخ اداب اللغة العربية لبروكلمن
ج ۱ ص ۳۳۲ وذيله ج ۱ ص ٥٦٨ ؛

ص ۲۳۸ س ۱۲ - كمال الدولة غريب بن محمد بن معن
لم اظفر لسنة وفاته، وله اخبار ذكرها ابن الاثير فى
مواضع من الكامل (ج ۹ ص ۲۱، ۱۱۸) ؛

ص ۲۳۸ س ۱٧ - كمال الدين ابو الفضائل - قال ابن
خلكان: (هو) ابو الفضائل على بن ابى المظفر يوسف بن
احمد بن محمد بن عبيد الله بن محمد بن عبيد الله بن
الحسين بن احمد بن جعفر الأمدى الاصل الواسطى المولد
والدار ؛ ثم ذكر احواله ومن جملتها انه كان شافعيًا
قرأ على ابى طالب المبارك بن المبارك ويعيش بن صدقة الفراتى
واعاد له درسه بالمدرسة الثقتية بباب الازج من بغداد
وتولى قضاء واسط فى سنة ٦۰٤ م وذكر الاشعار التى انشدها
المصنف فى قطعة طويلة وقال: انها سائرة ؛

ص ۲۳۹ س ۲ - كمال الملك ابو الفتح فضل الله
الدهستانى لم اقف له على ترجمة وظنى انه كمال الملك
الدهستانى الذى ذكره ابن الاثير فى ج ۹ ص ٦٤، ٦٥، ٧٤،
٩٤ من تاريخه وكانت وفاته سنة ٤٨٦ م ؛

ص ۲۳۹ س ۹ - كمال الملك ابو الرضا فضل الله

انظر ترجمته فی تاریخ دولة آل سلجوق (ص ٥٦ بما بعدها) وراحة الصدور ص ١٣٦ و تاریخ الکامل ج ۹ ص ٥٣؛

ص ۲٤۱ س - كمال الدين المبارك بن ابی بكر

المعروف بابن الشعار ترجمته مبسوطة فی الشذرات حوادث سنة ٦٥٥ م وانظر فهرست مصنفاته فی کشف الظنون ؛

ص ٢٤٥ س ١ - رضیّ الدین الصغانی هو حسن بن محمّد

ابن الحسن بن حیدر الحنفیّ الصاغانی او الصغانی نسبة الی صاغان (تعریب چاغان) قریة بمرو و توفیّ سنة ٦٥٠ م، وصنّف کتبًا اشهرها العباب فی اللغة، وکان شیخ وقته ومقدّم اهل زمانه فی علم اللغة وفنّ الادب و له معرفة بعلم الحدیث والتفسیر والفقه علی مذهب الامام ابی حنیفة، انظر ترجمته فی بغیة الوعاة والفوائد البهیّة ص ٦٣ بما بعدها والحوادث الجامعة ص ٢٦٢ بما بعدها فی ترجمة عزّ الدین بن العلقمیّ ؛

ص ٢٥٤ س ١ - علیّ بن ابی علیّ بن ابی جعفر الزوزنیّ

هو ابو الحسن علیّ بن ابی علیّ بن جعفر (؟ کذا فی تتمة الیتیمة) ذکر الثعالبیّ شعره الذی انشده المصنّف ، ر ، تتمة الیتیمة ج ١ ص ٣٤ ؛

ص ٢٥٥ س - كمال الدين محمّد بن طلحة

انظر ترجمته فی السلوك لمعرفة دول الملوك ج ١ ص ١٢ ٣ ،

والشذرات ج ۵ ص ۲۵۹ وطبقات الشافعیۃ ج ۵ ص ۲۶ و
مرآۃ الجنان ج ۴ ص ۱۲۸ و قاموس الاعلام ج ۳ ص ۹۰۸،
وفی ماذکرہ المصنف من وزارتہ وغیرھا بعض خفاء
یعرف من مراجعۃ الشذرات و مرآۃ الجنان و
تصانیفہ کثیرۃ والمطبوع منھا العقد الفرید للملک السعید
ومطالب السول فی مناقب آل الرسول ، ر : معجم المطبوعات
العمود ۱۲۷ وتاریخ آداب اللغۃ العربیۃ لبروکلمن ج ۱ ص ۴۶۳
وذیلہ ج ۱ ص ۸۳۸ ، وماذکر المصنف بقولہ : قیل انہ
محمد بن محمد بن طلحۃ ؛ لم نجدہ عند غیرہ الا ان
المقریزی ذکرہ فی السلوک باسم محمد بن احمد بن
ھبۃ اللہ بن طلحۃ ؛

ص ۲۵۷ س - جمال الدین بن یحیی الصرصری

کذا فی الاصل والصحیح انہ جمال الدین یحیی الصرصری
باسقاط لفظۃ بن وھو ابو زکریا یحیی بن یوسف بن یحیی
الصرصری الشاعر المادح الحنبلی الضریر البغدادی ، کان
شعرہ فی مدیح الرسول مشھوراً ودیوانہ معروفاً ولہ
نظم الکافی للشیخ موفق الدین بن قدامۃ ونظم مختصر
الخرقی وتوفی ۶۵۶ھ ، ر : تاریخ العراق ج ۱ ص ۲۳۲ ؛

ص ۲۵۸ س - کمال الدین ابو الفضل محمد بن

عبد اللہ - المعروف بالکمال الشھرزوری لہ ترجمۃ فی
الوفیات ج ۱ ص ۵۹۷ بما بعدھا والاعلام ج ۳ ص ۹۳۰ والشذرات

ج۲ص۲۲۳، وطبقات الشافعية ج۴ص۲، بما بعدها وکتاب الروضتین ج۱ص ۱۷۵ و دائرة المعارف للبستانی ج۱۰، (مادة شیص ذوس) و خریدة القصر (ر: فهرست دوزی ص۲۵۴) و تاریخ الکامل ج۱۱ص ۲۰ و ۲۰۰؛

ص س - محمد بن علی الخازن راجع لتحقیق ما قاله المصنف وتفصیله الی تاریخ ابن خلدون ج ۵ ص ۶۲، ۶۳ و تاریخ الکامل ج ۱۱ص ۲۹ و تاریخ دولة آل سلجوق (زبدة النصرة) ص ۱۶۹ بما بعدها و اخبار الدولة السلجوقیة ص ۱۲۲ و راحة الصدور ص ۲۲۵ بما بعدها وکان عزل عماد الدین الدرکزینی لعدم معرفته بامور المملکة قال البنداری: ولم یکن عنده تدبیر یقتضی الوزارة فعزله.... وصرف ابا البرکات بجمیل، وعماد الدین هذا نسیب لقوام الدین الدرکزینی وزیر سنجر، ویعرف بأبی البرکات بن سلمة ایضاً- امّا ابن الاثیر فقد کناه کمال الدین (ر. ج ۱۱ص ۲۱ من تاریخه) و هکذا کنّاه ابن خلدون ایضاً؛

ص س - قراسنقر هو صاحب اذربیجان من امراء السلطان مسعود هلك بمدینة اردبیل سنة ۵۳۴ ه، کما ذکره ابن خلدون فی تاریخه (ج ۵ ص ۶۴)؛

ص س - بوزابه - هو صاحب فارس کانت له وقعات مع السلطان مسعود وقتله السلطان بمرج   سنة ۵۴۲ ه کما ذکره المصنف، انظر تاریخ ابن خلدون (ج ۵ ص ۶۸)؛

ص س - سنة اربع وثلثين - كذا ذكره المصنف ولم يوافقه على ذلك غيره واتفقت كلمتهم على ان قتله كان سنة ٥٣٣ على عهده من السلطان مسعود، وذكر ابن الاثير فى الكامل (ج ١١ ص ٢٩ بما بعدها) ان ابتداء وزارته كان سنة ٥٣٢ بعد القبض على الوزير الدركزينى وهو يخالف ما ذكره المصنف انه كان سنة ٥٣٢ ه والحق مع المصنف فان ابن الاثير قد ذكر ان وزارته بقيت سبعة اشهر واذا كان قتله فى شوال كما ذكره المصنف والبندارى فلا يكون ابتداء وزارته الا فى احدى الربيعين من سنة قتله وهى سنة ٥٣٣ ه.

ص س - كمال الدين يعرف بالكمال الفراوى وترجمته مذكورة فى الشذرات ج ٣ ص ٩٦ والوفيات ج ١ ص ٦١٠ وطبقات الشافعية ج ٣ ص ٩٢ بما بعدها ومعجم البلدان ج ٣ ص ٨٦١ ولد سنة ٤٤١ ه وتوفى سنة ٥٣٠ ه.

ص س - كمال الدين محمد بن المبارك ذكره صاحب تاريخ العراق (ج ١ ص ٢٦٠) ناقلاً عن الحوادث الجامعة (ص ١٩٧) واخطأ فى تكنية ابيه اباسعيد والصحيح هو ابو سعد كما ذكره صاحب الحوادث الجامعة (ص ٣٥٦) وترجم هناك لابيه المتوفى بسنة ٦٦٣ ه.

ص س - غیاث الدین ابو المظفر هو عبد الکریم بن طاووس المتوفی سنة ۶۹۳ له ترجمة فی تاریخ العراق ج ۱ ص ۳۶۱ و الحوادث الجامعة ص ۴۸۰ ؛

ص س - کمال الدین ابو عبد الله انظر ترجمته ایضًا فی الجواهر المضیئة ج ۲ ص ۱۱۹ ؛

ص س - کمال الدین محمّد بن محمّد بن علیّ الزینبیّ - قال ابن ماکولا فی (نسخة المکتبة ص ۱۴۴ ا ب) : [امّا الزینبیّ منسوب الی زینب فهو علیّ بن هارون و) ابو منصور محمّد بن محمّد بن علیّ بن ابی تمّام الحسن بن محمّد بن عبد الوهّاب بن سلیمان بن محمّد بن سلیمان ابن عبد الله بن محمّد بن ابراهیم بن محمّد بن علیّ بن عبد الله ابن العبّاس بن عبد المطّلب الزینبیّ کان یلقّب کمال الدین روی عن عیسی بن علیّ الوزیر و اخوه ابو نصر محمّد بن محمّد ابن علیّ روی عن المخلص و اخوهما ابو الفوارس طراد بن محمّد ابن علیّ الزینبیّ نقیب النقباء بالحضرة روی عن هلال الحفّار وغیره لقبه العامل (وقد تقدّم ذکره) ؛ و فی الوافی بالوفیات للصلاح الصفدیّ ترجمة لا فیهم الرابع ابی تمام محمّد بن محمّد و الخامس ابی طالب الحسین بن محمد (انظر ج ۱ ص ۱۲۹ من الوافی بالوفیات)

ص س - کمال الدین ابو الوفاء قد تقدّم ذکر رجالٍ من بیت ابن مندة ولابی الوفاء ابن مندة هذا ترجمة فی

فی دائرۃ المعارف للبستانی۔ انظر مادۃ ابن مندۃ (سادساً)
فی المجلد الاول منہا ؛

ص س۔ عماد الدین زکریا القزوینی ہو اشہر
من یذکر فی ترجمتہ شیئ و کانت وفاتہ سنۃ
۶۸۲ھ۔ انظر لترجمتہ بتاریخ العراق ج ۱ ص ۳۱۹ و تاریخ
الآداب العربیۃ لبروکلمن ج ۱ ص ۴۸۰ و ذیلہ ج ۱ ص ۸۸۲
المصادر التی ذکرہ ؛

ص س کمال الدین ابو المعالی موسی بن یونس
ابن منعۃ۔ ذکرہ بکنیتہ ابی المعالی اہوارت فی فہرست
مکتبۃ برلین و ترجمتہ مبسوطۃ فی الوفیات ج ۲ ص ۱۷۳ بما
بعدہا و طبقات الشافعیۃ ج ۵ ص ۱۵۸ بما بعدہا و ذیل تاریخ
الآداب العربیۃ لبروکلمن ج ۱ ص ۸۵۹ والمصادر التی ذکرہا
و ایضاً الحوادث الجامعۃ ص ۱۴۹ و الشذرات ج ۵ ص ۲۰۶ و ذکر
بروکلمن من کتبہ (۱) رسالۃ فی البرہان علی المقدمۃ
التی اہملہا ارشمیدس فی کتابہ فی تسبیع الدائرۃ و
کیفیتہ اتخاذ ذلک، و (۲) شرح الاعمال الہندسیۃ

ص س۔ عمر بن عبد النور بن ماخوخ اللذنی المنہاجی
انظر ترجمتہ فی الوفیات ج ۲ ص ۱۷۵ و بغیۃ الوعاۃ ص ۳۶۲
و ماجوج (کما فی النسخ المصریۃ من الوفیات) تصحیف ماخوخ،
قال دیسلان (*De slane*) فی ترجمۃ الوفیات نقلاً عن ابن
خلدون ان ماخوخ اسم قبیلۃ شہیرۃ بالمغرب، و امّا

الصنهاجيّ فهو اسم قبيلة من ولد صنهاجة الحميري،
م: الوفيات ج ١ ص ١٠٨ (ترجمة باديس بن المنصور)

ص س - كمال الدين ميثم، توفي سنة ٦٧٩ هـ،
انظر ترجمته في روضات الجنّات ج ٣ ص ٤٢، بما بعدها
وتاريخ آداب العربيّة لبروكلمن ج ١ ص ٤٠٦ وذيله
ج ١ ص ٧١٣، وتصانيفه كثيرة عدّها الخوانساري في روضات
الجنّات وتوجد منها رسالة القواعد في علم الكلام
بالمتحف البريطاني كما ذكره بروكلمن؛

ص س - كمال الملك هبة الله ذكره ابن الاثير
في الكامل (ج ٩ ص ٢١٥، ٢١٨، ٢٢٦، ٢٣٩). ومفاد ما ذكره
انّه كان وزيراً مع اخيه ابي سعد لجلال الدولة بن
بهاء الدّولة ايّام وفاته (سنة ٤٣٥ هـ) واخرجهما ابو كاليجار
ابن سلطان الدولة بن بهاء الدولة من بغداد سنة ٤٣٦ هـ
وكان ابو كاليجار قد تولّى المملكة بعد وفاته عمّه
جلال الدولة، ثمّ انّ اباكاليجار استوزر كمال الملك
سنة ٤٣٩ هـ بعد القبض على وزيره ذي السعادات محمد بن
جعفر بن ابي الفرج، وفقد كمال الملك في الوقعة التي
كانت بين الملك الرحيم بن ابي كاليجار واخويه ابي
منصور وهزار سب بالاهواز سنة ٤٤٣ هـ فلم يعرف له خبر؛

ص س - القاضي ابن شبرمة هو عبد الله بن
شبرمة بن الطفيل قاضي الكوفة (سنة ٩٢ - ١٤٤ هـ) انظر

دائرة المعارف للبستانی ج ۱۱ مادة عبداللہ بن شبرمة ؛

س س - کهف الامة رستم - تولی مجدالدولة رستم الملک بعد وفاته سنة ۳۸۷ھ وکان عمره اذ ذاک اقل من عمره عشرة سنة على اختلاف فی تعیینه ، و مازالت تدور به الاحوال حتی اخذه یمین الدولة محمود بن سبکتکین اسیراً مع ولده الی دلهی سنة ۴۲۰ھ ۔ اما ما ذکره المصنف من اخباره فلم نقف بعد علی اثره ، وقد ذکروا فی وقائع هذه السنة (سنة ۳۸۸ھ) استیلاء قابوس بن وشمکیر علی جرجان وطبرستان من ممالکه ، وکان تدبیر المملکة فی هذه السنة بید امه نظراً الی صغر سنه ، انظر احوال رستم فی دائرة المعارف الاسلامیة ج ۳ ص ۹۵ و تاریخ الکامل ج ۹ ص ۵۲ و ۱۵۴ ومواضع بینهما وتاریخ ابن خلدون ج ۴ ص ۲۶۶ ، ۲۶۹ ، ۲۷۷ وتاریخ دول الاسلام ج ۱ ص ۲۹۲ بما بعدها وتاریخ ابی الفداء ج ۲ ص ۱۳۳ ، ۱۵۷ ومواضع بینهما وایضاً راجع المصادر التی ذکرها صاحب دائرة المعارف الاسلامیه ؛

س س - کهف الاسلام محمود - اشتهرت اخبار محمود ونکفینا الاشارة الیها ، ومع ذلک فانا لم نجد فی اخباره الاشارة الی ما ذکره المصنف وسنة ۴۱۷ھ هی السنة التی عاد فیها محمود من غزو الهند بعد نهب معبد الهنادکة (سومنات) انظر اخبار محمود فی دائرة المعارف الاسلامیة

ج ۳ ص ۱۳۳ - ۱۳۵ و تاریخ الیمینی للعتبی و تاریخ الکامل و
(ابی الفداء فی مواضع من حوادث سنی ملکه (۳۸۷ - ۴۲۱ ھ)
و تاریخ دول الاسلام ج ۱ ص ۲ - ۱۰ و تاریخ ابن خلدون ج ۴ ص ۳۶۳ -
۳۷۸ و ھنا مصادر اخری کثیرۃ ذکر بعضاً منہا صاحب مقالۃ دائرۃ
المعارف الاسلامیۃ ؛

ص س ۔ الکیّس ابو حرب زید بن عوف لعلہ زید
ابن الحارث بن حارثۃ بن ربیعۃ بن زید مناۃ بن عوف بن سعد العزی
الذی ذکرہ یاقوت فی معجم الادباء (ج ۱۷ ص ۳۵ بما بعدھا) و ذکر فی اسمہ اختلاف ؛

ص س ۔ الکیّس محمّد بن جعفر المتوکّل لم نجد فی اخبار
المتوکّل ذکراً للکیّس محمّد، و ھناک ابنان آخران للمتوکّل کلٌّ منہما قد سُمّی
بمحمّد و ھما المنتصر و المعتزّ و لا نشکّ فی انّ الذی یذکرہ المصنّف غیرھما، ھذا
و کانت سفرۃ المتوکّل الی دمشق سنۃ ۲۴۴ ھ علی ان یتّخذھا دار مملکتہ فلم توافقہ
و رجع منہا بعد مقام سبعۃ و سبعین یوماً، ر: تاریخ الطبری ج ۳ ص ۱۴۳۵
و تاریخ دول الاسلام ج ۱ ص ۱۱۷ ؛

ص س ۔ الکیّس محمد بن عبد الرحمٰن بن یزید النخعیّ
انظر احوالہ تھذیب التھذیب لابن حجر ایضاً (ج ۹ ص ۳۰۸ بما بعدھا)
و النخعیّ نسبۃ الی نَخَع و ھی قبیلۃ من العرب سکنت الکوفۃ کما فی
الانساب ص ۵۹۷ بما بعدھا ؛

ص س ۔ الکیّس النمر بن تولب انظر احوال النمر بن تولب فی الاغانی ج ۱۹
ص ۱۵۷ - ۱۶۲، کتاب الشعر لابن قتیبۃ ص ۱۶۳ - ۱۶۴، اسد الغابۃ ج ۵ ص ۳۹
بما بعدھا، الاصابۃ ج ۳ ص ۱۱۸۰ - ۱۱۸۲، تاریخ الآداب العربیۃ لجرجی زیدان ج ۱ ص ۱۶۴ ؛

اورینٹل کالج میگزین (حصۂ اردو)

Urdu
Oriental College Magazine

اس علمی ادبی اور تاریخی سہ ماہی رسالہ کا سالانہ چندہ ۴ روپے ہے۔ اس رسالہ کا ضمیمہ
پنجاب یونیورسٹی عربک اینڈ پرشین سوسائٹی کی طرف سے شایع ہوتا ہے اس کا سالانہ چندہ عہ ہے
یہ رسالہ ۱۹۲۵ء سے شایع ہو رہا ہے سابقہ نمبر تھوڑی سی تعداد میں باقی ہیں (بجز
اگست ۲۶ و ۳۱ء کے دو رسالوں کے کہ وہ ختم ہو چکے ہیں) قیمت فی نمبر عہ
ذیل کے مقالات اور کتابیں جو اس رسالہ میں شایع ہوئیں الگ بھی مل سکتی ہیں:۔

(۱) ضمیمہ اورینٹل کالج میگزین جلد اول نمبر ۱ سلسلہ نمبر ۱
غزلیات حضرت امام العالم و غوث الاعظم امیر سید محمد الملقب بہ نور بخش قیمت ۴ر

(۲) سفرنامہ چین ۱۴۱۹ء تا ۱۴۲۲ء یعنی مضمون و محصل روزنامچہ خواجہ غیاث الدین
(نقاش) ایلچی بایسنغر میرزا بن شاہرخ میرزا بن امیر تیمور گورگان کہ حافظ
ابرو در زبدۃ التواریخ درج نمودہ ۔ قیمت ۸ر

(۳) فہارس لسان العرب حصہ دوم (فہرست قوافی) از مولوی عبدالقیوم
ایم۔ اے۔ (زیر طبع)

(۴) مطلع سعدین از کمال الدین سمرقندی۔ مرتبہ پروفیسر محمد شفیع ایم اے پرنسپل اورینٹل
کالج لاہور۔ ۲۴۰ صفحے چھپ چکے ہیں۔ باقی کتاب زیر طبع ہے۔

(۵) تلخیص مجمع الآداب فی معجم الالقاب۔ لابن الفوطی۔ جلد ۵۔ کتاب الکاف۔ قیمت عہ

درخواستیں پرنسپل اورینٹل کالج لاہور کے نام آنی چاہئیں

اورینٹل کالج میگزین

حصہ اول

ایڈیٹر

محمد شفیع
(پروفیسر پنجاب یونیورسٹی)

اورینٹل کالج میگزین

عرض واجب

اغراض ومقاصد اس رسالے کے اجراسے غرض یہ ہے کہ احیاء و ترویج علوم شرقیہ کی تحریک کو تا حدِ امکان تقویت دی جائے اور خصوصیت کے ساتھ ان طلبہ میں شوقِ تحقیق پیدا کیا جائے۔ جو سنسکرت، عربی، فارسی اور دیسی زبانوں کے مطالعہ میں مصروف ہیں۔

کس قسم کے مضامین کا شائع کرنا مقصود ہے کوشش کی جائے گی کہ اس سلسلہ میں ایسے مضامین شائع ہوں جو مضمون نگاروں کی ذاتی تلاش اور تحقیق کا نتیجہ ہوں غیر زبانوں سے مفید مضامین کا ترجمہ بھی قابل قبول ہوگا اور کم ضخامت کے بعض مفید رسالے بھی باقساط شائع کئے جائیں گے۔

رسالے کے دو حصے یہ رسالہ دو حصوں میں شائع ہوتا ہے حصہ اول عربی، فارسی، پنجابی (بحروف فارسی)۔ حصہ دوم سنسکرت، ہندی، پنجابی (بحروف گورمکھی) ہر ایک حصہ الگ الگ بھی مل سکتا ہے۔

وقت اشاعت و قیمت اشتراک یہ رسالہ بالفعل سال میں چار بار یعنی نومبر، فروری، مئی، اگست[1] میں شائع ہوگا۔ سالانہ چندہ حصہ اردو کے لئے ۲؎ اورینٹل کالج کے طلبہ سے چندہ داخلہ کے وقت وصول ہوگا۔ کسی سہ ماہی کے رسالے کے نہ پہنچنے کی شکایت رسالہ شائع ہونے کی تاریخ سے ایک ماہ کے اندر دفتر میں پہنچ جانی چاہیئے ورنہ ایسی شکایت پر غور نہ ہو سکے گا۔ یہ ایک ماہ کی مدت فروری، مئی و ستمبر اور نومبر کے آخر سے شمار کرنی چاہیئے۔

خط و کتابت و ترسیل زر خرید رسالہ کے متعلق خط و کتابت اور ترسیل زر صاحب پرنسپل اورینٹل کالج کے نام ہونی چاہیئے۔ مضامین کے متعلق جملہ مراسلات ایڈیٹر کے نام بھیجنے چاہئیں۔

محل فروخت یہ رسالہ اورینٹل کالج کے دفتر سے خریدا جا سکتا ہے۔

مجلس تحریر حصہ اردو کی ادارت کے فرائض پرنسپل محمد شفیع ایم۔اے اورینٹل کالج سے متعلق ہیں اور یہ حصہ ڈاکٹر محمد اقبال ایم۔اے پی ایچ ڈی کی اعانت سے مرتب ہوتا ہے۔

---

[1] چونکہ اگست میں کالج بند ہوتا ہے اس لئے یہ نمبر بجائے جون یا ستمبر میں شائع ہوتا ہے۔

فہرست مضامین

جلد ۱۸۔ عدد ۱ | بابت ماہ نومبر ۱۹۴۱ء | عدد مسلسل ۶۷

نوٹ۔ ضمیمہ صرف عربک اینڈ پرشین سوسائٹی کے ممبروں اور خریداران ضمیمہ میں تقسیم ہونا ہے

گیلانی الیکٹرک پریس ہسپتال روڈ لاہور میں باہتمام مہتہ ایشر داس پرنٹر طبع ہوا اور
بابو صدیق احمد خان نے اورینٹل کالج لاہور سے شائع کیا

تنقید بر آبحیات مولانا محمد حسین آزاد

(سلسلہ کے لئے دیکھو یہی رسالہ بابت ماہ اگست ۱۹۴۱ء)

ص۲۱۔ قول : "اسی زبان کو ریختہ بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ مختلف زبانوں نے اسے ریختہ کیا ہے۔ جیسے دیوار کو اینٹ مٹی چونا سفیدی وغیرہ پختہ کرتے ہیں یا یہ کہ ریختہ کے معنے ہیں گری پڑی۔ پریشان چیز۔ چونکہ اس میں الفاظ پریشان جمع ہیں۔ اسلئے اسے ریختہ کہتے تھے"۔

میں ریختہ کے سلسلہ میں پنجاب میں اُردو میں کافی بحث کر چکا ہوں یہاں اسی قدر کہنا چاہتا ہوں کہ ریختہ کی وجہ تسمیہ جو مولانا نے دی ہے ہمارے دل کو نہیں لگتی۔ اس کی ایک تشریح یہ بھی تو ہو سکتی ہے کہ ریختن اور معنوں سے قطع نظر موزوں کرنے اور ڈھالنے کے معنی بھی دیتا ہے۔ اسی بنا پر ریختہ امیر خسرو کی اصطلاح میں ایسا سرود ہے۔ جس میں ہندی اور فارسی اشعار یا مصرعے یا فقرے جو مضمون۔ تال اور راگ کے اعتبار سے متحد ہوں پائے جائیں۔ جیسے قول اور ملمع ہوتے ہیں۔ رفتہ رفتہ یہ اصطلاح ایسے کلام موزوں کے لئے خاص ہو گئی۔ جس میں فارسی اور ہندی الفاظ یا فقروں کو ترکیب دیا گیا ہو۔ جیسے تغلق نامہ کا یہ شعر

چو بکشادند تیر بیخطا را ۔ بزاری گفت "ہے ہے تیر مارا"

(ص۱۲۸ تغلق نامہ خسرو)

اور مولنا جمالی کا یہ شعر ؎

بحدیث آیم رقیبت گو یدم در خانہ نیست ۔ این چنین کم بخت با ما بات کھوٹی میکند

سفا کے یہ دو شعر بھی ریختہ ہیں :-

باز ہندو بچۂ قصد دلم دھرتی ہے — کوچہ تہیں جانو ازیں خستہ کہ کی کرتی ہے

چین برابرو زدہ بربستہ کنارہ بیاں — چل چل ابدل منگر تو چکنی او لرتی ہے

ولی۔ سراج اور میر وسودا بمعنی شعر و غزل ہندی استعمال کرتے ہیں متأخرین زبان اردو پر اس کا اطلاق کرنے لگے۔ کیونکہ ان ایام میں اُردو زبان کا سرمایہ تمام تر نظم تھا۔ جب نثر وجود میں آئی وہ بھی اسی کے ذیل میں شامل کر لی گئی۔ اسی طرح ریختہ قدرتاً اردو زبان کا نام ہو گیا ؛

صـ۲۲ قولہ :- "میز نامعلوم"۔ اور حاشیہ میں اضافہ کیا ہے :- میز دری زبان میں ترجمہ ٹیبل کا ہے۔ مگر اردو کو یہ لفظ فارسی مروجہ سے نہیں ملا۔ صاحب لوگوں سے پہنچا ہے "؛

میں اس قدر اضافہ کرنا چاہتا ہوں۔ کہ فارسی میں ایک لفظ میزبان ہے۔ جس میں 'بان' لاحقہ ہے اور میز وہی چیز ہے۔ جسے انگریزی میں ٹیبل کہتے ہیں۔ پہلوی میں میچ اور ژندی میں میز ٹیبل کے لئے آتا ہے قیاس چاہتا ہے کہ جب فرنگی آئے اور 'چیئر' اور 'ٹیبل' اپنے ساتھ لائے تو ان کے لئے لفظوں کی تلاش ہوئی۔ 'چیئر' کے واسطے لفظ کرسی پہلے ہی موجود تھا۔ ٹیبل کے لئے میز مقرر ہوا۔ ورنہ ہندوستان میں نہ میز کا رواج تھا نہ کرسی کا۔ بہر حال ان ناموں کے لئے ہم فرنگیوں کے ممنون نہیں ہیں ؛

مرزا محمد حسن قتیل ایک عرضداشت میں جو مرزا سکندر شکوہ کی طرف سے اکبر شاہ ثانی کی خدمت میں سنہ جلوس مطابق ۱۲۲۷ھ میں بھیجی گئی ہے لکھتے ہیں :-

"بالجملہ بعد اختلاط اسباب حاضری برمیز چیدہ شدہ۔ ہمین کہ از چای وغیرہ فارغ شدند درمکان دیگر رفتہ رسم خلعت بعمل آمد"
(ص ۳۷ ثمرات البدائع ۱۲۶۲ھ)

ص ۲۲۔ قولہ :- "نیلام پرتگالی ہے"۔

نیلام جسے لیلام بھی بول دیا جاتا ہے۔ پرتگالی کے ذریعہ عربی زبان سے آرہا ہے۔ پرتگالی میں 'لیلاو' Leilão جس کی اور شکلیں Lailan , Laylon, Ley lon, ہیں۔ جو اپنی عربی اصل 'املان' اور 'الاعلان' سے جا ملتی ہیں۔ انگریزی کی ایک تصنیف یوکرونولوجیکو نوشتہ ۱۵۲۷ء میں اسے Ley lam کی شکل میں لکھا ہے۔ ہندوستان میں پرتگالی اور دیگر یورپین اقوام کا شروع ہی سے دستور رہا ہے کہ متوفی کا مال واسباب بذریعۂ نیلام فروخت کر دیا جاتا تھا۔ ۱۵۱۶ء کی ایسی ایک یادداشت محفوظ ہے۔ (ہوبسن جوبسن ص ۶۲۱) 'پلیٹ' نے Leilam کو پرتگالی بتایا ہے۔

ص ۲۲۔ قولہ :- "کمرا اطالی ہے"۔

پلیٹ نے Camara پرتگالی بتایا ہے۔ مگر فارسی میں ایک لفظ 'کمرا' بمعنی طاق و ایوان ملتا ہے جو محراب دار اور خمیدہ ہو۔ زردشت کی کتاب 'زدررۂ خودر ؟) درباب افلاک' میں ایک فقرہ آتا ہے :- "چرخ ہفتہ یعنی ہفت است و بالائے آن کمرائے است کہ ستارۂ استادہ درو ست یعنی ایوانی است کہ جای قرار ستارگان بے روش است یعنی ثوابت۔"

ازرقی کا شعر ذیل ملاحظہ ہو :-

گہی از گردش کیوان بدریا برزند کلہ گہی از گوشۂ گردون بکیوان بربد کمرا

صنعہ ۲۳ - قولہ :- " محمد شاہ کے عہد میں ۱۱۴۵ھ میں فضلی تخلص ایک بزرگ نے دہ مجلس لکھی " اور ص۲۴ پر فرمایا ہے :- " نثر اردو کی تصنیف ۱۱۴۵ھ سے پہلے نظر نہیں آتی "۔

مولانا کے اس بیان کا مأخذ غالباً تذکرۂ کریم الدین ہے۔ جس میں فضلی کی کربل کتھا کی تاریخ تصنیف غالباً کسی غلط فہمی کی بنا پر ایک قطعۂ تاریخ کی رو سے ۱۱۴۵ھ درج ہوئی ہے۔ وہ قطعہ یہ ہے :-

یہ جو نسخہ ہوا ہے اب تصنیف　　بہر کسب ثواب و فیض و بشر
چاہا تاریخ اسکی بولے سروش　　"شیعیوں کی نجات کا منظر"

مصرع آخر مادۂ تاریخ معلوم ہوتا ہے جس سے ۲۰۹۶ اعداد بر آمد ہوتے ہیں ۱۱۴۵ لفظ منظر کے اعداد ہیں۔ بظاہر حال پورا مصرع مادۂ تاریخ ہے نہ صرف 'منظر'۔ 'منظر' کو لے لینا اور مصرع کے باقی الفاظ کو ترک کر دینا بالکل بے قاعدہ اور مستبدانہ فعل ہے۔ فضلی نے نظر ثانی کی تاریخ ذیل کے فارسی شعر میں دی ہے :-

ہر کس از من کند بہ نیکی یاد　　بجہان نامش ہم بہ نیکی باد

کریم الدین نے مصرع ثانی کے نیچے ۱۱۶۱ھ تحریر کئے ہیں۔ حالانکہ تمام شعر مادۂ تاریخ ہے۔ جس سے ۱۱۷۱ھ بر آمد ہوتے ہیں۔ ہمیں بجائے ۱۱۴۵ھ کے نظر ثانی کی تاریخ ۱۱۷۱ھ پر زیادہ اعتبار کرنا چاہیئے۔

دکنی میں نثر کی متعدد تصنیفات ہیں۔ جو دسویں۔ گیارھویں اور بارھویں صدیوں میں مرقوم ہوئیں۔ مگر شمالی ہند میں فضلی کی تالیف سے قبل کی کوئی چیز معلوم نہیں۔ البتہ اس کے بعد تفسیر مرادی کا نمبر آتا ہے۔ جس کے مصنف مولانا مراد اللہ مراد آبادی ہیں۔ یہ تفسیر ۱۱۸۴ھ کے آخر اور ۱۱۸۵ھ کے آغاز میں

ختم ہوتی ہے۔ اور کئی مرتبہ چھپ چکی ہے۔ نوطرز مرصع کا نمبر تیسرا ہے۔ جس کے لیے حضرت مولنا کا ارشاد ہے :۔

ص۲۶۔ قولہ :۔ میر محمد عطا حسین خاں تحسین نے چار درویش کا قصہ اردو زبان میں لکھ کر نوطرز مرصع نام رکھا۔ شجاع الدولہ کے عہد میں تصنیف شروع ہوئی۔ ۱۲۱۳ھ/۱۷۹۸ء نواب آصف الدولہ کے عہد میں ختم ہوئی۔"

حضرت مولنا نے جو تاریخ اختتام کتاب دی ہے غلط معلوم ہوتی ہے اس کا قصہ یوں ہے۔ کہ جب تحسین فیض آباد آکر نواب شجاع الدولہ کی سرکار میں ملازم ہو گئے۔ انہوں نے اپنے مجوزہ ترجمہ چہار درویش کا کچھ حصہ تیار کر کے نواب کو سنایا۔ شجاع الدولہ کو پسند آیا اور اس کے ختم کرنے کی فرمائش کی۔ تحسین اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔ جب ترجمہ مکمل ہو کر نواب کی خدمت میں پیش کئے جانے کے واسطے تیار ہوا۔ اتفاقاً شجاع الدولہ اسی سال یعنی ۱۱۸۸ھ میں رہگرائے عالم جاودانی ہو گئے۔ اس سانحہ کی وجہ سے مصنف کو کچھ عرصہ خاموش رہنا پڑا۔ پھر دیباچہ کتاب میں ایک قصیدہ نواب آصف الدولہ کی تعریف میں اضافہ کر کے کتاب ہذا ان کی خدمت میں گزرانی۔ ظاہر ہے کہ یہ امر نواب آصف الدولہ کی نوابی کے ابتدائی سالوں میں قیاساً ۱۱۸۸ھ و ۱۱۹۲ھ کے مابین وقوع پذیر ہو سکتا ہے۔ نہ ۱۲۱۳ھ میں جو آصف الدولہ کی وفات سے بھی بعد کا سال ہے۔ نواب آصف الدولہ ۱۲۱۲ھ میں وفات پاتے ہیں :

نوطرز مرصع کا ایک مخطوطہ جو میرے مجموعۂ کتب میں شامل ہے۔ اس پر دو خاتمے ہیں۔ خاتمۂ الف میں تاریخ کتابت "یازدہم شہر شعبان المعظم روز چہارشنبہ اور سال ہجری ۱۱۲۹ھ فصلی" درج ہے۔ خاتمۂ ب میں "روز یکشنبہ

غرہ ماہ رجب المرجب ۱۲۱۳؁ھ ہجری مرقوم ہے۔ اور کسی انگریز جیمز مارٹن کے واسطے نقل ہوا ہے۔ اور مصنف کا نام حسین عطاخان مذکور ہے۔ اور اس نام کی یہی قدیم شکل ہے۔ میرا مطلب ہے کہ حسین عطا پر مقدم ہے ٭

ص ۲۵۔ قولہ :۔ "زبان اردو کی عام فہمی دیکھ کر مذہب نے بھی اپنی برکت کا ہاتھ اس کے سر پر رکھا یعنے ۱۸۰۷؁ء ۱۲۲۲؁ھ میں مولوی شاہ عبدالقادر نے قرآن شریف کا ترجمہ اردو میں کیا۔ بعد اس کے مولوی اسمٰعیل صاحب نے بعض رسالے اہل اسلام کی فہمائش کے لئے اردو میں لکھے"٭

شاہ عبدالقادر صاحب نے اپنے ترجمہ کی تاریخ اس کے دیباچہ میں ۱۲۰۵؁ھ دی ہے۔ جو ۱۷۹۰؁ء کے مطابق ہے۔ اس ترجمہ کا نام 'موضح القرآن' ہے۔ جو تاریخی مادہ معلوم ہوتا ہے۔ اس سے ۱۲۳۶ برآمد ہوتے ہیں۔ لیکن یہ عدد نہ شاہ صاحب کی بیان کردہ تاریخ کے مطابق ہیں نہ مولانا کے ذکر کردہ سال سے ملتے ہیں۔ کافی غور کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ حضرت مترجم نے یہ نام 'موضح قرآن' رکھا ہوگا جس سے ۱۲۰۵؁ھ نکلتے ہیں نہ موضح القرآن جس میں الف لام اضافہ کرنے سے ہم ایک عالمگیر غلطی میں مبتلا ہو گئے ہیں قلمی اور مطبوعہ نسخوں میں دیکھا جاتا ہے کہ عام طور پر موضح القرآن لکھا گیا ہے حتیٰ کہ دہلی کے شاہی کتب خانہ سے شاہ صاحب کا جو ترجمہ انڈیا آفس کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ اس پر بھی صاف 'موضح القرآن' درج ہے (ملاحظہ ہو فہرست ہندوستانی مخطوطات از بلوم ہارٹ ص ۳ و ص ۵) ٭

ص ۲۷۔ قولہ :۔ امیر خسرو نے کہ جن کی طبیعت اختراع میں اعلےٰ درجہ

لہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں 'موضح قرآن' ہی دیا ہے (ایڈیٹر)، لہ شاہان مغلیہ کے کتبخانہ کا بڑا حصہ لارڈ کیننگ نے ۱۸۵۸؁ء میں لندن منتقل کر دیا تھا۔ جواب انڈیا آفس میں موجود ہے ٭

صنعت و ایجاد کا رکھتی تھی۔ ملک سخن میں برج بھاشا کی ترکیب سے ایک طلسم خانہ انشا پردازی کا کھولا۔ خالق باری جس کا اختصار آج تک بچوں کا وظیفہ ہے۔ کئی بڑی بڑی جلدوں میں تھی۔ اس میں فارسی بحروں نے اول اول اثر کیا۔"

اور صفحہ ۷۷ پر چھجو کے قصہ میں لکھا ہے :۔ "بھٹیاری کے لڑکے کے لئے خالق باری لکھ دی"۔

مولانا کا یہ ارشاد کہ خالق باری کئی بڑی بڑی جلدوں میں تھی۔ اور ایک بھٹیاری کے لونڈے کے لئے لکھی گئی تھی۔ محض تخیل کی پرواز ہے اس بیان کے لئے کوئی تاریخی یا روایتی سند ہمارے پاس موجود نہیں علاوہ بریں فارسی اوزان میں اس کے اشعار کا پایا جانا اس کے جدید التالیف ہونے کی طرف دلالت کرتا ہے ؛

خالق باری کے متعلق میں اور موقعوں پر کافی بحث کر چکا ہوں۔ یہاں صرف اسی قدر کہنا چاہتا ہوں۔ کہ خالق باری کتب نصاب اطفال سے تعلق رکھتی ہے۔ شرع کی رو سے دوسو سوا دوسو درہم کا مالک صاحب نصاب کہلاتا ہے۔ چونکہ یہ کتابیں بالعموم دوسو سوا دوسو اشعار پر شامل ہوتی ہیں۔ اس لئے کتب نصاب کے نام سے یاد کی جاتی ہیں۔ ابو نصر فراہی نے ۶۱۷ھ ہجری میں نصاب الصبیان تالیف کی تھی۔ اسکی مقبولیت دیکھ کر بیسیوں کتابیں اس کی تقلید میں لکھی گئیں۔ اور ممالک سے قطع نظر ہندوستان میں جو نصاب طیار ہوئے۔ ان میں سب سے قدیم خود حضرت امیر خسرو کا بدیع النصاب ہے۔ جس کی ابتدا ہے :۔

مصر شہر و شہر ماہ و ماء آب و خوف سہم   سہم تیر و اجنحہ چہ بال باشد بال جان

یہ نصاب برابر درس میں شامل رہا ہے۔ نصیب اخوان ایک اور نصاب ہے جو مطہر کڑہ شاعر مشہور مداح فیروز شاہ تغلق ۷۵۲ھ و ۷۹۰ھ کی تصنیف ہے قنیۃ الفتیان از شیخ صدر الدین بن بدر الدین بھی ایک قدیم نصاب ہے۔ نصاب مثلث یا نصاب الاخوان مولنا بدیعی کی ملک ہے۔ اسی لئے اسے نصاب بدیعی بھی کہتے ہیں۔ چنانچہ شعر ذیل ؎

این چنین شعری بدیعی را بدیعی نظم کرد   تا بود در روزگار از وی ہمی نام و نشان

چونکہ یہ نصاب امیر خسرو کے نصاب مذکورہ بالا کے ساتھ برابر درس میں داخل رہا ہے اور پڑھا گیا ہے۔ اس لئے متاخرین میں یہ عقیدہ راسخ ہو گیا کہ نصاب بدیعی بھی حضرت امیر خسرو کی تالیف ہے۔ مگر صحیح یہی ہے کہ مولنا بدیعی کی ملک ہے۔ ان نصابوں کی تعلیمی زبان فارسی ہے اور مقصد عربی الفاظ کا سکھانا ہے +

خالق باری کو حضرت امیر کی طرف منسوب کرنے میں ہمیں کئی امور مانع آتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس کی تعلیمی زبان یا زبان تشریحی اس عہد کے دستور کے مطابق فارسی نہیں جیسا کہ دیگر نصابوں میں دیکھی جاتی ہے۔ اب امیر خسرو کو کیا ضرورت پیش آئی تھی۔ کہ خلاف روش زمانہ ایک نصاب ہندی زبان میں طیار کرتے اور اگر طیار کرتے تو اس زمانہ کے اساتذہ اور پبلک کیوں تسلیم کرتی۔ اگر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ ہندی نصابوں کا بھی رواج تھا یا شروع ہو گیا تھا تو ہمیں ایسے ہندی نصاب اور بھی ملتے۔ لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ خالق باری کے بعد سب سے قدیم نصاب جو ہمیں ملتا ہے۔ وہ اللہ خدائی ہے۔ جو شاہجہان کے زمانہ میں ۱۰۶۰ھ یا ۱۰۶۶ھ میں تالیف ہوتا ہے اور آٹھویں۔ نویں اور دسویں صدی کا کوئی ایسا نصاب نظر

نہیں آتا۔ اسلئے قرین قیاس یہی ہے۔ کہ خالق باری گیارھویں صدی کی ابتدا یا دسویں صدی کے آخر میں کسی وقت لکھی گئی ہو۔ اس کی تقلید میں اُردو کے دو اور اگر پنجابی نصابوں کو بھی شامل کر لیا جائے تین چار اور نصاب ہمیں گیارھویں صدی میں ملتے ہیں۔ بارھویں صدی میں متعدد اور تیرھویں صدی میں تو بے شمار نظر آتے ہیں ۔

خالق باری کا نصاب بغیر کسی فرہنگ کی امداد کے طیار نہیں ہو سکتا سرسری مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اس کی تالیف میں کسی ایسی فرہنگ سے امداد لی گئی ہے۔ جو اکبر کے عہد سے قبل ہندوستان میں طیار ہوئی ہے یوں تو ایک درجن سے زیادہ کتب لغات ہیں جو مغلوں کی آمد سے پہلے آٹھویں اور نویں صدیوں میں مرقوم ہوئی ہیں۔ مگر ان سب میں خالق باری کا قریبی تعلق موید الفضلا سے معلوم ہوتا ہے جو ۹۲۵ھ کی تصنیف ہے مؤید کا پرتو خالق باری میں کئی موقعوں پر دیکھا جاتا ہے۔ مثلاً موید کی پیشرو فرہنگوں میں فلفل کا لفظ موجود ہے۔ لیکن ان فرہنگوں میں اسکی تقسیم باعتبار شکل یعنی گولائی و لمبائی نہیں کی گئی۔ مؤید میں اس لفظ کی تشریح یوں دی ہے :-

"یکے پلپل گرد کہ آنرا بہندی مرچ گویند۔ دوم پلپل دراز و آنرا بہندی پلپل گویند۔"

خالق باری میں تقریباً یہی الفاظ دوہرا دیے گئے ہیں۔ چنانچہ

ہندوی پیپل بود فلفل دراز　　مرچ فلفل گرد را گویند باز

اسی طرح موید الفضلا میں فارسی لفظ 'نیا' کے معنی 'ماموں' بھی دیے ہیں۔ جو عہد مغلیہ کی لغات میں نظر نہیں آتے۔ خالق باری میں

بھی یہی معنی دیے ہیں۔ چنانچہ ع نیا خال ہندوی ماموں جان،
خالق باری کے مصرع ذیل میں تدرو کو کبک کا مرادف بتایا گیا ہے:۔

ع فارسی سیمرغ عنقا ہے تدرو و کبک ہنس

حالانکہ دونوں پرندے مختلف ہیں۔ مگر مؤید الفضلا میں دونوں کو ایک مانا گیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے:۔

"تدرو بفتحتین کبک و آن پرندہ ایست آتش خوار و خوش رفتار کہ بکو بہا بود"

اب ظاہر ہے کہ خالق باری دونوں پرندوں کو ایک ماننے میں مؤید الفضلا کی تقلید کر رہی ہے۔ ادھر امیر خسرو کے نزدیک تدرو اور ہے اور کبک اور ہے۔ جیسا کہ ان کی تصنیف قران السعدین سے ظاہر ہوتا ہے۔ وہو ہذا:۔

آنکہ پریدی زپر خود تدرو ماند چو پر گم شدگان زیر سرو
لالہ چو از کوہ برفت از شکوہ کبک ببرید دل از بیخ کوہ

(ص ۴۲ طبع میر حسن رضوی)

قران السعدین میں دونوں شعر اسی ترتیب سے بلا فصل آرہے ہیں جس سے اس قیاس میں کوئی شبہ نہیں رہتا کہ حضرت امیر کے نزدیک کبک اور تدرو دو مختلف پرندے ہیں۔

ان مثالوں سے جہاں ایک طرف یہ واضح ہوتا ہے۔ کہ خالق باری کا مأخذ مؤید الفضلا ہے۔ وہاں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ امیر خسرو سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

اس بیان کے لئے کہ خالق باری کئی بڑی بڑی جلدوں میں تھی ہمیں کوئی تائیدی ماخذ معلوم نہیں۔ مروجہ خالق باریوں میں ایک سو اکانوے اشعار

ملتے ہیں۔ اس کی زبان میں بہت کچھ ترمیم کر دی گئی ہے۔ اور قدیم الفاظ اور تراکیب کو بڑی حد تک صاف کر دیا گیا ہے۔ قلمی نسخوں میں سب سے اہم نسخہ ۱۰۸۳ کتبخانہ انڈیا آفس ہے۔ جس کا نام مطبوع الصبیان اور اٹھاون فصلوں میں منقسم ہے۔ فی فصل چار شعر جس سے کل اشعار کی تعداد دو سو بتیس بنتی ہے۔ خالق باری کے قلمی نسخوں میں اشعار کی یہ تعداد مختلف ہے۔ ۱۱۲۵ھ کے نوشتہ ایک نسخہ میں ایک سو ستر شعر ہیں۔ ایک اور قدیم نسخہ میں ایک سو اکانوے ہیں۔ خالق باری کا سب سے پہلا حوالہ سراج الدین علیخاں آرزو متوفی ۱۱۶۹ھ کی تالیف نوادر الالفاظ یا غرایب اللغات میں آتا ہے۔ یہ صرف بارھویں صدی ہجری کی روایت ہے۔ جو خالق باری کو حضرت امیر خسرو کی طرف منسوب کرتی ہے۔ ورنہ اس سے پیشتر کی صدیوں میں کوئی اس کا ذکر تک نہیں کرتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہم اس معاملہ میں غلط فہمی سے کام لے رہے ہیں۔ ہمیں ایک خسرو کے بجائے دو خسروؤں کے نظریہ کو ماننا چاہیئے اور کہنا چاہیئے کہ جدید مگر گمنام خسرو کے اس کارنامہ کو لے کر پبلک نے نہایت مشہور امیر خسرو متوفی ۷۲۵ھ کی طرف منتقل کر دیا ہے۔

ص ۲۷۔ قولہ : ۔ محلہ کے سرے پر ایک بڑھیا سا فن کی دکان تھی۔ چھتّو اس کا نام تھا۔ شہر کے بیہودہ لوگ وہاں بھنگ چرس پیا کرتے تھے۔ جب یہ (امیر خسرو) دربار سے پھر کر آتے یا تفریحاً گھر سے نکلتے تو وہ بھی سلام کرتی۔ کبھی کبھی حقہ بھر کر سامنے لے کھڑی ہوتی۔ یہ بھی اس کی دل شکنی کا خیال کر کے دو گھونٹ لے لیا کرتے "

بعض لوگ امیر خسرو کو بھنگڑوں اور چرسیوں کی صف میں کھڑا دیکھ کر معترض ہوں گے۔ مگر قصہ کا ناقابل قبول وہ حصہ ہے جس میں چھتّو سا فن

حقہ بھر کر امیر کی خدمت میں لاتی ہے۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ کیا ایسے قدیم زمانہ میں جیسا کہ امیر خسرو کا ہے حقہ موجود تھا۔ بلکہ حقہ کا وجود تنباکو کا تابع ہے۔ حضرت مولانا ص ۲۲۳ پر معترف ہیں۔ کہ "تماکو امریکہ کا لفظ ہے۔ یورپ کے راستے ہو کر اکبر کے عہد میں یہاں پہنچا۔"

تنباکو پرتگالیوں کی وساطت سے ہندوستان میں آتی ہے۔ جزائر ہند اور دکن میں پہلے پہنچتی ہے۔ لیکن شمالی ہندوستان میں اواخر عہد اکبری تک نہیں پہنچتی۔ ابوالفضل کا ملازم اسد بیگ جو سترہ سال تک اسکی خدمت میں رہا اپنی وقایع میں لکھتا ہے کہ ۱۰۱۳ھ کے قریب اکبر پادشاہ اس کو دکن بھیجتا ہے۔ قیام بیجاپور کے زمانہ میں اس نے تنباکو دیکھی جو ہندوستان میں بالکل نامعلوم تھی۔ اسد بیگ کا بیان ہے کہ میں نے تنباکو کی ایک مقدار خریدی۔ ایک جڑاؤ حقہ تیار کروایا۔ آچین کی ساخت کا نہایت اعلے نیچہ حاصل کیا۔ جو تین ہاتھ لمبا تھا۔ اس پر میناکاری ہو رہی تھی اور جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ عقیق یمنی کی ایک خوبصورت دہنال خریدی۔ سونے کی چلم طیار کرائی۔ چاندی کی نے لی۔ جس پر مخمل چڑھی تھی۔ میں ان چیزوں کو سلیقہ سے لگا کر اکبر پادشاہ کی خدمت میں مع دیگر تحائف کے لے گیا۔ جب بادشاہ کی نگاہ حقہ پر پڑی۔ حیران ہوا۔ غور سے تماکو دیکھنے لگا۔ جو ایک ایک چلم کی مقدار میں علیحدہ جمائی رکھی تھی۔ اس نے دریافت کیا۔ خان اعظم نے عرض کی۔ اس کا نام تماکو ہے۔ جو مکے اور مدینے میں رائج ہے اور اعلیحضرت کے واسطے بطور دوا لائی گئی ہے۔ اس پر پادشاہ نے مجھے حقہ بھرنے کا حکم دیا۔ جب حقہ میں نے تیار کر لیا۔ لاکر سامنے رکھا۔ اعلیٰ حضرت نے پینا شروع کیا۔ ادھر شاہی حکیم نے آکر منع کرنا شروع کیا۔ مگر اعلیٰ حضرت نے نہ مانا اور فرمایا مجھے

اسد بیگ کی خاطر سے پینا چاہیئے۔ یہ کہہ کر نہال منہ میں لی اور دو تین کش نکالے۔ اس کے بعد خان اعظم کی طرف حقہ کر دیا۔ اس نے بھی دو تین گھونٹ لیے ؛

اسد بیگ کا بیان ہے کہ میں تمباکو اور حقے کافی مقدار میں لایا تھا میں نے تھوڑی تمباکو اور ایک ایک حقہ مختلف امرا کی خدمت میں بھیج دیا۔ انہیں ایسا شوق لگا کہ ہر امیر نے تمباکو پینی شروع کر دی۔ رفتہ رفتہ اس کی تجارت ہونے لگی۔ اور تمباکو کا عام رواج ہو گیا۔ مگر اعلیٰحضرت نے اس کی کبھی عادت نہیں ڈالی ؛

اسی زمانہ کے قریب نظیری نیشاپوری جو احمد آباد گجرات میں مقیم ہے۔ اور تمباکو کا شیدائی معلوم ہوتا ہے۔ اس کی تعریف میں ایک غزل لکھتا ہے جس کے چند شعر یہاں درج ہوتے ہیں :-

نے سنبل تنباکوی نہ آتش رخسارۂ	دل بوی خامی میدہد بیداغ آتش پارۂ
مردم گیا از چین مخر تنباکو آچین بخر	ہم مایۂ بیمایۂ ہم چارۂ بیچارۂ
خواہم دہد وجدآنقدر جام و نے تنباکیم	کافتم بطاق ابروئے چون نرگس خمارۂ
اندر کمند دود او کز سنبل و محبوبہ است	ہمچون کلیم افتادہ ام اندر دم سمارۂ

ص۷۹۔ قولہ ،۔ "دکن میں ایک سعدی گزرے ہیں۔ ان کا فقط اتنا حال معلوم ہے۔ کہ اپنے تئیں ہندوستان کا سعدی شیرازی سمجھتے تھے۔ اور تعجب ہے کہ مرزا رفیع سودا نے اپنے تذکرہ میں ان کے اشعار مندرجۂ ذیل کو شیخ سعدی شیرازی ہی کے نام پر لکھا ہے۔"

اس عبارت سے بظاہر یہی مفہوم ہو گا کہ سودا کا تذکرہ مولانا کی نظر سے گذرا ہے۔ مگر حقیقت نفس الامر یہ ہے کہ نہیں گزرا۔ اور نہیں تو شک ہے۔

کہ اس کا وجود بھی ہے یا نہیں۔ خود مولٰنا اس کو "نایاب" کہہ رہے ہیں۔
(ص ۱۵۵ آبحیات)۔ لیکن مولٰنا کا بیان قاسم کے اس بیان کے اعتبار پر
مبنی ہے:

"منظنۂ بیشتری از سخن پیرا خصوص سر آمد شعرای فصاحت آما مرزا محمد رفیع
سودا النظر بر اتحاد تخلص آنکہ این سعدی ہمون سعدی شیرازی قدس سرہ کہ وارد
دیار دکن شدہ و شعر ریختہ از طبع وقاد آن قدوۂ متغزلان ریختہ۔ چنانچہ در
تذکرہ خود اشعار این سعدی دکنی را عفی اللہ عنہ بہ شیخ شیراز علیہ الرحمۃ والغفران
نسبت نمودہ" (مجموعۂ نغز ص ۲۹۸)،

ولی

مولٰنا آزاد ان کا نام "شمس ولی اللہ" لکھتے ہیں (ص ۹۵ آبحیات)۔ ان کے
مقلد حکیم عبد الحی صاحب نے شمس الدین لقب اور ولی اللہ نام دیا ہے معلوم
نہیں ان بزرگوں نے شمس اور شمس الدین کس بنا پر لکھا ہے۔ مخزن نکات
تذکرۂ گلزار ابراہیم و تذکرۂ گلشن ہند و تذکرہ شعراے اردو میں شاہ ولی اللہ
درج ہے۔ مگر گردیزی۔ شفیق۔ مصحفی اور قدرت اللہ قاسم نے محمد ولی لکھا
ہے۔ ان سب سے قدیم سند ہمارے پاس ثناء اللہ فانی کی ہے۔ جو سنہ
جلوس محمد شاہ میں ولی کے دیوان کی ایک نقل طیار کرتا ہے اور شاعر کا نام سید
ولی محمد تحریر کرتا ہے۔ ثناء اللہ فانی اپنا خاتمہ بدین الفاظ لکھتا ہے:۔

"دیوان اشعار ولی مسمی سید ولی محمد مرحوم بتاریخ چہاردہم شہر محرم الحرام
سنہ از جلوس میمنت مانوس محمد شاہ بادشاہ غازی خلد اللہ تعالیٰ ملکہ وسلطانہ
روز چہار شنبہ وقت چاشت در بلدۂ خیر البلاد احمد آباد حمیت عن الفساد۔

بخط فقیر حقیر اضعف العباد کلب محبوب سبحانی موسوم بہ شاہ ولی اللہ فانی سمت انجام وصورت اتمام پذیرفت "

فانی کے بیان پر اشتباہ کرنے کی ہمیں کوئی وجہ معلوم نہیں ۔ وہ ولی سے یقیناً واقف معلوم ہوتا ہے ۔ اسے سید بھی لکھ رہا ہے اور مرحوم بھی ۔ جو لوگ ہمارے شاعر کو شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں وہ شاید ایک اور شاعر شاہ ولی اللہ اشتیاق کے ساتھ التباس کر رہے ہیں ؛

ص۹۰ ۔ قولہ :۔ ولی احمد آباد گجرات کے رہنے والے تھے " اور حاشیے میں اضافہ کیا ہے ۔ " دیکھو تذکرہ حکیم قدرۃ اللہ خان قاسم ۔ مگر تعجب ہے کہ میر تقی نے اپنے تذکرہ میں اورنگ آبادی لکھا ہے " ؛

سند میں تذکرہ حکیم قدرۃ اللہ خاں قاسم یعنی مجموعۂ نغز کا حوالہ دیا ہے لیکن اس موقعہ پر مولانا کو سہو ہوا ہے ۔ کیونکہ مجموعۂ نغز میں ولی کو دکنی لکھا گیا ہے ۔ چنانچہ :۔

" ولی عزیزی بود از سکنۂ دیار دکن و مریدان شاہ سعد اللہ گلشن "

(ص ۲۹۶ ج ۲ مجموعۂ نغز)

ص۹۳ ۔ قولہ :۔ " ان کا ابتدائے عہد شاید عالمگیر کا آخر زمانہ ہوگا اور وہ مع اپنے دیوان کے ۳ سنہ محمد شاہی میں دلی میں پہنچے ۔"

۳ سنہ جلوس محمد شاہی ۱۱۳۳ سنہ ہجری کے مطابق ہے ۔ ولی کا اس سال دہلی آنا کجا وہ تو اس سے پندرہ سال قبل یعنے ۱۱۱۹ھ میں انتقال کر چکے ہیں ولی کا قطعۂ وفات از مولوی حسن مفتی بقول مولانا عبد الحق ایک قلمی نسخۂ دیوان ولی نشان ۲۷۹ کتب خانۂ جامع مسجد بمبئی نوشتہ ۱۱۵۲ھ میں جو راقم کی نظر سے بھی گذر چکا ہے ۔ حسب ذیل مرقوم ہے :۔

مطلع دیوان عشق سید ارباب دل　　والی ملک سخن صاحب عرفان ولی
سال وفاتش خرد از سر الہام گفت　　بادشاہ ولی ساقی کوثر علی

مصرع آخر سے ۱۱۱۹ھ برآمد ہوتے ہیں ؂

۱۱۳۳ھ بلکہ سنہ ۲ جلوس محمد شاہی شاہ حاتم کی سند پر مصحفی نے دہلی میں ولی کے دیوان کی آمد کی تاریخ دی ہے۔ چنانچہ تذکرۂ ہندی :۔

" روزی پیش فقیر نقل میکرد کہ ورسن دوم فردوس آرامگاہ دیوان ولی در شاہجہان آباد آمدہ واشعارش برزبان خورد و بزرگ جاری گشتہ "　　(ص۸۰ تذکرۂ ہندی از مصحفی)

مجھے ایسا گمان ہوتا ہے کہ مصحفی کا جو نسخہ حضرت مولنا کے پاس تھا۔ اس میں کاتب سے 'دیوان' کا لفظ کتابت میں رہ گیا۔ جس سے جملہ کا مطلب یہ ہو گیا۔ کہ خود ولی دِلی آئے تھے ؂

ص۹۲۔ قولہ :۔ کبھی کبھی خواجہ حافظ کی طرح بادشاہ وقت کے نام سے اپنے شعر کو شان و شکوہ دیتے تھے۔ چنانچہ ولی کی تصنیفات میں سے ایک غزل میں کہتے ہیں :۔

دل ولی کا لے لیا دلی نے چھین　　جا کہو کوئی محمد شاہ سوں

گل رعنا میں حکیم عبدالحی بھی مولانا کے ہم آواز ہیں۔ لیکن شعر ہذا نہ ولی کی ملک ہے اور نہ دیوان ولی میں موجود ہے۔ یہی شعر کسی قدر اختلاف کے ساتھ شفیق اورنگ آبادی نے چمنستان شعرا میں شرف الدین کے نمونۂ کلام میں درج کیا ہے۔ چنانچہ :۔

اس گدا کا دل لیا دلی نے چھین　　کوئی کہیے جا کر محمد شاہ سوں

(ص۲۵۷ چمنستان شعرا)

ولی کے متعلق مولانا آزاد کا بیان ذیل جو میر تقی میر کے نکات الشعرا پر مبنی کہا جاتا ہے۔ جناب مرتب نکات الشعراء نے بے اصل مانا ہے :۔

" ولی کہ بنی نوع شعرا کا آدم ہے اس کے حق میں (میر صاحب) فرماتے ہیں " ولی شاعری است از شیطان مشہور تر " میر خان کمترین اسی زمانہ میں ایک قدیمی شاعر دلی کے تھے۔ انہیں اس فقرہ پر بڑا غصہ آیا۔ ایک نظم میں اول بہت کچھ کہا۔ آخر میں آکر کہتے ہیں ع

ولی پر جو سخن لائے اسے شیطان کہتے ہیں

نکات الشعراء چھپ گیا ہے۔ شیطان والا فقرہ بے شک اس میں موجود نہیں۔ لیکن مولانا آزاد کا بیان حکیم قدرت اللہ خاں قاسم کے بیانات ذیل سے ماخوذ ہے :۔

" در تذکرۂ خود ہمہ کس را بہ بدی یاد کردہ۔ در حق شاعر شان جلی المتخلص بہ ولی نوشتہ کہ وی شاعریست از شیطان مشہور تر وسزای این کردار ناہنجار از کمترین شاعر بواجبی یافتہ کہ وے ہجو ہاے متعددہ او کردہ " (صفحہ ۲۳/۲ مجموعۂ نغز)

" حقش بر جملہ سخن پردازان ہندی زبان ثابت است وسخن بر سخنش ابلیس منشی وشیطنت۔ پیر خان کمترین کہ خداش بیامرزد بسیار بموقع وبجا گفتہ کہ ع ولی پر جو سخن لاوے اسے شیطان کہتے ہیں (صفحہ ۲۹۷/۲)

نکات الشعراء مولانا کی نظر سے نہیں گذرا۔ لیکن یہاں انہوں نے جو کچھ لکھا ہے۔ قاسم کی سند پر لکھا ہے +

ایک امر قابل گذارش یہ ہے۔ کہ کمترین کا نام مولانا نے میر خاں تحریر کیا ہے مگر مولانا کے اصل ماخذ مجموعۂ نغز میں پیر خاں مسطور ہے +

ص۱۰۲۔ قولہ:۔ "خدمتگار خان بادشاہی خواجہ سرا تھا اور سرکار شاہی میں بڑا صاحب اختیار تھا۔ اکثر بادشاہی نوکر اس کی سخت گیری اور بدمزاجی سے دق رہتے تھے۔ انہیں بھی [شاہ آبرو کو] اس سے کام پڑتا تھا۔ کبھی آسانی سے مطلب نکل آتا تھا۔ کبھی دشواری سے۔ چنانچہ ایک موقعہ پر یہ شعر کہا:۔

یارو خدمتگار خاں خوجوں کے بیچ ہے تو مستثنیٰ و لیکن منقطع"

شعر بظاہر غالب ہے۔ مجموعۂ نغز سے لیا گیا ہے۔ جہاں بغیر کسی رائے زنی کے درج ہوا ہے۔ مولانا نے اس کی جو شان نزول دی ہے۔ وہ کسی تاریخی اطلاع پر مبنی نہیں ہے بلکہ قیاسی ہے۔ خدمتگار خاں تاریخ میں حافظ خدمتگار خاں مشہور ہے۔ وہ حضرت اورنگ زیب عالمگیر کے عہد کا خواجہ سرا ہے۔ محمد شاہی دور میں بھی متعدد خدمات مثلاً صرف خاص و داروغگی رسالۂ عنبری پر سرفراز تھا اور ۱۴ء جلوس محمد شاہی میں وفات پاتا ہے۔ (تاریخ مظفری)

ص۱۰۷۔ بذیل محمد شاکر ناجی۔ قولہ:۔ "نادری چڑھائی اور محمد شاہی لشکر کی تباہی میں خود شامل تھے۔ اس وقت دربار دہلی کا رنگ۔ شرفا کی خواری پاجیوں کی گرم بازاری اور اس پر ہندوستانیوں کی آرام طلبی اور نازپروری کو ایک طولانی مخمس میں دکھایا ہے۔ افسوس۔ کہ اس وقت دو بند اس کے ہاتھ آئے۔"

یہاں مولانا کا ماخذ یقیناً مجموعۂ نغز ہے۔ جس کی عبارت اور مطلب کسی قدر مختلف ہے۔ وہو ہذا:۔

"و دو بند مخمس کہ در احوال یورش طہماسپ قلی نادر بر ہندوستان

جنت نشان و پاشان شدن لشکر پادشاہی بنا بر کینہ توزی سران نفاق پیشہ و سپاہ آرام طلب تزئین اندیشہ گفتہ و این احقر بر آن دست یافتہ رقم زدۂ کلک وقائع سلک می شود۔"
(مجموعۂ نغز جلد دوم ص۲۵۷)

مولٰنا اس کو ایک طولانی مخمس بیان کرتے ہیں۔ جس سے گمان ہوتا ہے۔ کہ یہ مخمس ان کی نظر سے گذرا ہے۔ اور اس طولانی مخمس کا مضمون دربار دہلی کا رنگ۔ شرفا کی خواری۔ باجیوں کی گرم بازاری اور رہندیوں کی آرام طلبی اور ناز پروردگی وغیرہ ہے۔ لیکن مجموعۂ نغز سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس مخمس میں نادر کے حملے اور شاہی امرا کی باہمی عداوت اور سپاہیوں کی آرام طلبی کا مذکور آتا ہے ؛

ص۱۰۷۔ بذیل محمد احسن احسن۔ قولہ :۔" احسن تخلص محمد احسن نام"۔ لیکن مجموعۂ نغز میں (ص۵۲ جلد اول) محمد احسن اللہ۔ گردیزی ص۱۸، مخزن نکات ص۲۲، چمنستان شعراء ص۳۳ اور تذکرۂ گلزار ابراہیم ص۳۳ میں احسن اللہ۔ نکات الشعراء ص۲۸ اور تذکرۂ شعرائے اردو ص۴۵ میں میاں احسن اللہ ہے۔ جس سے ظاہر ہے۔ کہ شاعر کا نام احسن اللہ ہے۔ ان کے ایک شعر سے بھی جو مولٰنا نے ص۱۰۸ پر نقل کیا ہے۔ یہی ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ :۔

یہی مضمون خط ہے احسن اللہ کہ حسن خوبرویاں عارضی ہے

اشرف علی خان فغاں

ص۱۲۶۔ قولہ :۔ مصحفی نے اپنے تذکرہ میں قزلباش خان امید کا شاگرد

لکھا ہے۔ مگر ان کی اردو ابھی سن چکے ہو۔ شاید فارسی میں اصلاح لی ہو ۔
گلزار ابراہیمی میں لکھا ہے۔ کہ ندیم کے شاگرد تھے اور خود بھی جابجا کہتے ہیں :۔

ہر چند اب ندیم کا شاگرد ہے فغاں   دو دن کے بعد دیکھیو استاد ہوگیا
دشت جنوں میں کیوں نہ پھروں میں برہنہ پا   اب تو فغاں ندیم مرا رہنما ہوا

صاحب گل رعنا کہتے ہیں :۔ "آبحیات میں تذکرۂ مصحفی کے حوالہ سے لکھا ہے۔ کہ قزلباش خان امید کے شاگرد تھے۔ میں سمجھتا ہوں۔ کہ آزاد نے مصحفی کا تذکرہ نہیں دیکھا . . . میر تقی میر نے بھی ان کو قزلباش خان امید کا شاگرد لکھا ہے۔ ممکن ہے کہ پہلے ان سے اصلاح لیتے ہوں۔ پھر ندیم کے شاگرد ہوے ہوں۔ یا فارسی میں ان کے شاگرد ہوں اور اردو میں ندیم کے۔ جو کچھ بھی ہو۔ مصحفی نے ان کو ندیم ہی کا شاگرد بتایا ہے اسلئے آزاد کا حوالہ غلط ہے۔" (ص ۱۱۷-۱۱۸ گل رعنا)،

مصحفی نے اردو میں بے شک ندیم کا شاگرد لکھا ہے۔ "نسبت شاگردی بہ ندیم میرساند" تذکرۂ ہندی کے الفاظ ہیں (ص ۱۶۰)۔ اور میر صاحب فارسی میں قزلباش خاں کا شاگرد مانتے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں :۔

"فکر غزل فارسی ہم میکند۔ شاگرد قزلباش خان مرحوم است"

(ص ۸۲ نکات الشعراء)

آزاد کا حوالہ اگرچہ غلط ہے۔ لیکن صاحب گل رعنا کا یہ کہنا کہ آزاد نے مصحفی کا تذکرہ نہیں دیکھا۔ درست نہیں معلوم ہوتا۔ تذکرہ مولانا نے ضرور دیکھا ہے۔ لیکن فغاں کے حالات لکھتے وقت ان کے پیش نظر نہیں تھا۔ اسلئے جو کچھ لکھا ہے۔ حافظہ کے اعتبار پر لکھا ہے۔ اسی وجہ سے ندیم کی جگہ قزلباش خاں کا نام لکھ گئے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ گلزار ابراہیم کا حوالہ بابت شاگردیِ ندیم

درست ہے۔ اسی طرح فغان کا اپنے چچا ابرج کے پاس مرشد آباد جانے کا قصہ بھی اسی تذکرہ سے ماخوذ ہے۔ علی ہذا ان کا سال وفات بھی۔

فغاں کے لکھنؤ جانے کے متعلق آزاد لکھتے ہیں :-

صـ ۱۲۶ :- نواب شجاع الدولہ مرحوم حاکم اودھ ان کے ساتھ بہت تعظیم سے پیش آئے اور اعزاز و اکرام کے ساتھ رکھا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ نازک مزاج بہت تھے۔ اور زمانہ بھی ایسا تھا کہ ایسے مزاجوں کی نزاکتیں پیش جاتی تھیں۔ چنانچہ ایک دن اختلاط میں ان کا کپڑا نواب کے ہاتھ سے جل گیا یہ رنجیدہ ہو کر عظیم آباد چلے گئے۔"

اس عبارت کا خلاصہ میرے خیال میں مصحفی کی عبارت ذیل سے ماخوذ ہے

"وبمعرفت میر محمد نعیم خان کہ ہم مکتب الیشان بود بہ ملازمت نواب شجاع الدولہ بہادر رسیدہ یکے از مقربان گردید۔ درہمان نزد [یکی] روزی نواب وزیر دستش را در عالم اختلاط بہ فلس سوختند آب در دیدہ گردانید و ہیچ نگفت و آخر بر ہمیں حرکت آزردہ شدہ بہ طرف عظیم آباد رفت۔" (صـ ۱۶۱ تذکرہ ہندی از مصحفی)

ان بیانوں میں جو فرق ہے ظاہر ہے۔ مثلاً میر محمد نعیم خاں کا نام آزاد بھول سکتے ہیں۔ لیکن شجاع الدولہ کا پیسے کے ساتھ فغان کے ہاتھ داغ دینے کے واقعہ کو بھول کر نواب کے ہاتھ سے کپڑا جلنے کے ساتھ تاویل کرنا ناقابل قبول ٹھہرتا ہے۔ بہرحال مصحفی کے سوا فغان کے لکھنؤ جانے کا قصہ کوئی اردو تذکرہ نگار نقل بھی نہیں کرتا۔ اسلئے ہمیں ماننا پڑے گا کہ بالواسطہ یا بلاواسطہ تذکرہ مصحفی تک مولانا کی رسائی تھی۔ بلکہ بیان ذیل بھی اسی تذکرہ پر مبنی ہے :-

صـ ۱۲۶ - "وہاں جا کر اس سے زیادہ عزت پائی اور راجہ شتاب رائے کی

ار میں اختیار و اقتدار حاصل کیا۔ راجہ صاحب بھی علاوہ خاندانی بزرگی کے
کے کمال ذاتی اور شیریں کلامی اور علم مجلسی کے سبب سے نہایت عزیز رکھتے
ے۔ چنانچہ وہیں رہے اور باقی عمر خوشحالی میں بسر کر کے دنیا سے انتقال کیا۔
مصحفی کی روایت ہے :۔

"و در سرکار راجہ شتاب رائے بہ ندامت پیشگی پیش آمدہ اقتدار کلی
بہم رسانیدہ بود۔ چند سال است کہ ہمان جا زندگانی را جواب داده"
[ص۱۶۰ تذکرۂ ہندی]

اس بیان سے تو واضح ہوتا ہے کہ فغاں باقی عمر راجہ شتاب رائے کے
ں رہے اور چند سال بعد وہیں عظیم آباد میں وفات پائی۔ مگر مولنا کا بیان
ں جو قاسم سے ماخوذ ہے اس بیان کا نقیض مانا جاسکتا ہے :

ص۱۲۸ "ان کی لیاقت اور حسن تدبیر کو اس بات سے قیاس کر سکتے ہیں
حکام فرنگ سے اس عالم میں اس طرح رسائی پیدا کی کہ باقی عمر فارغ البالی اور
حالی میں گذاری"

قاسم کی روایت ہے :۔

"بنا بر افراط و تفریطے کہ در ہنگامۂ افاغنہ ابدالی بحضرت دہلی رو داد
بدیار شرقیہ شتافتہ رحل اقامت انداخت و بحسن سلیقہ کہ داشت
بسران فرنگ در ساخت و در ہمان نواح رشتۂ زندگانی وے
در گسست و بجوار رحمت حق در پیوست۔" (ص۲ ج دوم مجموعۂ نغز)

شفیق کا بیان ذیل بھی نظر میں رہے :۔

"در زمان احمد شاہ از شاہجہان آباد بر آمدہ بصوبۂ اودھ آمد و با نواب
شجاع الدولہ نیشاپوری ناظم صوبۂ اودھ صحبت کوک گرد بد پس

از چندی درا وائل عشرۂ سابعہ بعد مأتہ والف رخت جانب عظیم آباد کشید۔ اعیان وارکان آن مقام مقدم او را گرامی داشتند و بافعل در مزاج شتاب رائے ناظم صوبۂ عظیم آباد دخل تمام دارد و در سنہ احدی و ثمانین و مأتیہ والف بوساطت راجہ مذکور خطاب ظریف الملک از پیشگاہ شاہ عالم عالی گوہر کہ دریں ایام در بلدۂ الہ آباد نزول اجلال دارد بنام خود گرفت و جاگیر آں طمغا حاصل نمودہ روزگار بفراغ بال میگذراند۔" (گل رعنا)

گویا ممالک شرقیہ پہنچ کر انگریزوں سے رسائی پیدا کرلی۔

فغاں اپنے زمانہ کے بڑے ظریف اور خوش طبع مانے گئے ہیں۔ وہ ہر محفل کے زیور اور ہر مجلس کے سنگار رہتے۔ اپنے فقروں اور چٹکلوں سے جلسوں کی رونق دوبالا کر دیتے۔ ان کے بعض لطیفے مولانا نے نقل کئے ہیں۔ جن کا ماخذ مجھے معلوم نہیں۔ ان میں ایک دل آزار لطیفہ بھی ہے۔ فرماتے ہیں:-

" افسوس یہ ہے کہ اس قسم کے لطائف بڑھتے بڑھتے ان سے اور راجہ سے بھی شکر رنجی ہوگئی۔ اس کی بنیاد یہ ہوئی کہ احمد شاہ درانی نے جو سلطنت پر حملے کئے۔ ایک دن اس کی دست درازی اور بے اعتدالیوں کا ذکر ہو رہا تھا۔ خدا جانے طنز سے یا سادہ مزاجی سے راجہ صاحب نے کہا۔ کہ نواب صاحب! ملکہ زمانی کو احمد شاہ کیونکر لے گیا۔ انہیں یہ بات ناگوار ہوئی۔ افسردہ ہوکر بولے۔ کہ مہاراج! جس طرح سیتا جی کو راون لے گیا تھا اسی طرح وہ لے گیا۔" صفحہ ۱۲۷

منجملہ ان افسانوں کے جو مغلیہ سلاطین کی ذلت و رسوائی اور کمینی بہادر کے

ساختہ بادشاہان اودھ کی خوشنودی حاصل کرنے کے واسطے لکھنؤ والوں نے تراشے ہیں۔ ملکۂ زمانی کا یہ قصہ بھی ہے۔ مجھے معلوم نہیں۔ مولنٰنا نے اس قصہ میں کونسا لطیفہ دیکھا جو یہاں درج کیا۔ ملکہ زمانی فرخ سیر شہید کی دختر تھیں۔ اور ۱۱۳۲ھ میں محمد شاہ بادشاہ سے بیاہی گئیں۔ عالمگیر ثانی ۱۱۶۷ھ و ۱۱۷۳ھ کے دَور میں جب احمد شاہ ابدالی ۱۱۷۰ھ میں ہندوستان آکر ۱۱۷۱ھ میں واپس افغانستان جاتا ہے۔ جانے سے پہلے وہ اپنی اور اپنے فرزند تیمور کی شادیاں خاندان تیموریہ میں کرتا ہے۔ چنانچہ صاحب زمانی دختر محمد شاہ سے جو صاحب محل کے بطن سے تھیں خود عقد کرتا ہے اور عزیز الدین عالمگیر کی دختر سے تیمور کا۔ ملکہ زمانی اور صاحب محل جو آپس میں خالہ زاد بہنیں تھیں عالمگیر بالخصوص اسکے وزیر عماد الملک فیروز جنگ سے سخت ناخوش تھیں۔ اس لئے انھوں نے احمد شاہ سے رشتہ کرکے دہلی کے قیام پر قندھار کو ترجیح دی اور دونوں شہزادیاں بیٹی اور داماد کے ساتھ افغانستان چلی گئیں۔

صاحب سیر المتأخرین لکھتے ہیں:۔

"مخفی نماند کہ بعد حبس احمد شاہ خلف محمد شاہ و جلوس عالمگیر ثانی برسریر سلطنت و اقتدار یافتن عماد الملک خبیث طینت روزگار غدار با ملکۂ زمانی دختر فرخ سیر زوجۂ محمد شاہ و صاحبہ محل زوجۂ ثانیۂ او کہ خالہ زاد ملکۂ زمانی و محمد شاہ را از بطن ہمین صاحبہ محل دختری بہم رسیدہ محبوب ترین خلق پیش او بود نہایت ناساز گار افتادہ اوقات بکدورت می گذرانیدند و صدمۂ غارت مرہٹہ و نمک بحرامی عماد الملک دیدہ بودند خود در ہندوستان و تحت فرمان عماد الملک و عالمگیر نمی خواستند۔ چون معاودت شاہ ابدالی بو تنہا متحقق

گردید پیغام رفاقت خود و داعیۂ ازدواج دختر محمد شاہ بابدالی
فرستادند۔ احمد شاہ درانی این کار را سرمایۂ افتخار و بقای بلندنامی
خود در روزگار دانستہ قبول نمود و ہمانجا اقامت بنمودہ
دختر مذکور را بعقد ازدواج خود کشید و کارسازی سفر ملکۂ زمانی
وصاحبہ محل مع احمال واثقال آنہا نمودہ ہمراہ خود گرفت
وعازم لاہور گشت۔" (ص۵۵ سیر المتاخرین جلد دوم طبع ۱۲۴۸ھ)

مرزا مظہر جان جاں

ان کے ذکر میں مولٰنا فرماتے ہیں کہ حالات اور سال تاریخ وغیرہ معمولات مظہری سے لئے گئے ہیں۔ مگر راست یہ ہے کہ جس قدر توجہ مولٰنا کو ان پر مبذول کرنی چاہیئے تھی نہیں کی۔ مرزا مظہر کے متعلق یہ عذر نہیں کیا جاسکتا۔ کہ 'پھول ہاتھ نہ آئے جو لڑی پروتا'۔ بلکہ برعکس کثرت مواد کی شکایت ہو سکتی ہے نہ قلت مواد کی۔ مگر حضرت مولٰنا نے تمام تذکروں اور تاریخوں کو پس پشت ڈال کر چند بے سروپا اور بے سند باتوں کو لے کر اور نمک مرچ لگا کر آبحیات کی نقل محفل بنا دیا ہے۔

مولٰنا اپنے افتتاحی فقرے میں لکھتے ہیں :۔"اگرچہ نظم کے جوش وخروش اور کثرت کلام کے لحاظ سے میر و سودا کے ساتھ ان کا نام لیتے ہوئے تامل ہوتا ہے۔" (ص ۱۳۹)

گویا مولٰنا آبحیات کے دربارنشینوں میں ان کو روشناس کرتے ہوئے معذرت خواہ ہیں۔ حالانکہ میرزا مظہر اردو شاعری کے ابتدائی معماروں میں سے ہیں۔ ابھی میر و مرزا کا اردو کے میدان میں پتہ بھی نہیں تھا کہ مرزا صاحب نے

ریختہ کو ایہام گوئی کی لغویت سے پاک کر کے فارسی کی عام شاہراہ پر ڈال دیا تھا مگر ہم دیکھتے ہیں۔ کہ حضرت مولٰنا اس موقع پر جادۂ مستقیم سے ہٹ کر ایسے میدانوں میں نکل گئے ہیں۔ جن کا ادب سے کوئی تعلق نہیں۔ اول سے آخر تک ان کا قلم بیچارے مرزا کی ہجو ملیح میں مصروف ہے۔ ان کی حسن پسندی اور میرزا منشی پر چھینٹے اڑائے ہیں۔ لطیفوں کی آڑ میں ان کو تند خو اور بد مزاج ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ میں یہاں حکیم عبدالحی صاحب مرحوم کی قابل قدر تالیف گل رعنا سے ایک اقتباس نقل کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ وہو ہذا :-

" افسوس ہے۔ کہ شمس العلما مولوی محمد حسین آزاد نے حسب معمول ان کے حالات بیان کرنے میں چٹکیاں لیں۔ کہیں واقعہ کی صورت ایسی بنائی ہے۔ جس میں بجائے مدح کے ذم کا پہلو نکلتا ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں کہ "ان کے باب میں بہت سے لطائف ایسے مشہور ہیں کہ اگر آج کسی میں پائے جائیں تو زمانہ کے لوگ اچھا نہ سمجھیں .... کچھ تو اس اعتقاد سے ع خطاے بزرگاں گرفتن خطاست اور کچھ میں روسیاہ بزرگوں کی ہر بات کو چشم عقیدت کا سرمہ سمجھتا ہوں الخ ص ۱۳۸ ،

تاباں کا حال جیسا چٹکا کر لکھا ہے اور سرگوشیوں کا فسانہ جس طرح بیان کیا ہے۔ وہ بھی ملاحظہ طلب ہے۔ ص ۱۳۹۔ شعر مندرجہ ص ۱۰۴ کو پڑھیئے۔ پھر مرزا صاحب جیسے مہذب کو اور آزاد کی معذرت کو دیکھئے کہ تہذیب آنکھ دکھاتی ہے مگر کیا کیجیے۔ ایشیا کی شاعری کہتی ہے کہ یہ میری صفائی زبان اور طراری کا نمک ہے۔ (ص ۱۴۰) مرزا رفیع سودا کی ہجو پر حاشیہ چڑھاتے ہیں کہ ایک دھوبن گھر میں ڈالی تھی (ص ۱۴۳)"۔ گل رعنا ص ۲۴-۱۲۵ ؛

میرزا مظہر بارھویں صدی ہجری کے ان مشاہیر میں سے ہیں۔ جو آفتاب سے زیادہ مشہور و معروف ہیں۔ ان کی شہرت ان کی زندگی ہی میں ہندوستان کی اطراف میں دور و نزدیک پہنچ چکی تھی۔ ان کا پایہ میر و مرزا سے جن کے ساتھ مولنا آزاد ان کا نام لینا پسند نہیں کرتے بہت بلند ہے۔ شاعری ان کے کمالات کا ایک ادنےٰ جوہر ہے۔ تمام تذکرے ان کے حالات اور اوصاف سے پُر ہیں۔ ہر مصنف احترام کے ساتھ ان کا نام لیتا ہے۔ خود سراج الدین علی خان آرزو کہ بقول آزاد اہل اردو ان کے عیال کہلاتے رہیں گے۔ اپنے تذکرہ منتخب النفائس میں مرزا کے متعلق لکھتے ہیں :-

"در دقت فہم و ذکائے طبع یکتائے لیل و نہار بلکہ تمثیل روزگار است۔ جدت طبیعت و جودت قریحت بمرتبۂ دارد کہ مصداق این مصرع است۔ ع کہ سخن نگفتہ باشی بسخن رسیدہ باشد . . . . . ریختہ کہ شعر آمیختۂ ہندوی و فارسی است بطریقۂ خاصہ میگفت حالا خلاف زی خود دانستہ ترک مطلق گفتہ۔ بعضی از تلامیذ خود را تربیت بسیار کردہ حتیٰ کہ بعضی میگویند خود گفتہ دادہ واللہ اعلم۔ ہر چند شعر دون مرتبۂ اوست۔"

سروآزاد میں مولنا غلام علی آزاد بلگرامی کی رائے بھی سننے کے قابل ہے۔ وہ انھیں بادشاہ مسند فقر و فنا اور مقیم آستان توکل و استغنا کہتے ہیں اور مثنوی معنوی کا ایک شعر نقل کر کے جس سے مرزا کا نام و تخلص اور ان کے والد کا نام برآمد ہوتا ہے۔ مولنا روم کی کرامت کا استدلال کرتے ہیں۔ وہ شعر یہ ہے ؎

جان اول مظہر درگاہ شد　　جانجان خود مظہر اللہ شد

میرزا مظہر کے والد کا نام مرزا جان تھا جو دربار شاہی میں امیر تھے اور آخر عمر میں ترک منصب کر کے گروہ صوفیہ میں شامل ہو گئے۔ جانجاں خود مرزا کا نام ہے اور مظہر تخلص ہے اور باعتبار ترک دنیا و طلب الٰہی مظہر اللہ ہیں۔ کیا مولانا غلام علی آزاد اپنے ہم تخلص مولانا محمد حسین آزاد کو یہاں اشتباہ نہیں کر رہے ؟

اس کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ مرزا فقر و فضیلت اور شعر کے جامع ہیں۔ اور اپنے نام کے اقتضا کے بموجب روح الروح معنی پروری۔ عروس سخن کو ان کے ذہن کی مشاطگی نے طرز جدید بخشی اور پیکر خیال کو ان کی فکر کی چابکدستی سے حسن بے اندازہ حاصل ہوا ۔

ادھر میر تقی میر نکات الشعراء میں ان کی تعریف میں رطب اللسان ہیں اور ان کی خدمت میں پہنچ کر اپنی سعادت اندوزی کا ذکر کرتے ہیں۔ ان کی خوش تقریری کے بے انتہا مداح ہیں اور فارسی میں انہیں سلیم و کلیم کا ہم پلہ مانتے ہیں۔ فرماتے ہیں :-

"مظہر تخلص مردیست مقدس مطہر درویش عالم صاحب کمال شہرۂ عالم بے نظیر معزز مکرم . . . بندہ بخدمت او رفتہ سعادت اندوز گشتہ است۔ اکثر اوقات در یاد الٰہی صرف میکند۔ خوش تقریر بمرتبہ ایست کہ در تحریر نمی گنجد۔ دیوان مختصر شعر فارسی او بنظر فقیر مولف آمدہ است از سلیم و کلیم پایۂ کمی ندارد۔ اگرچہ شعر ریختہ گفتن دون مرتبۂ او است لیکن گاہی متوجہ این فن ہیجا صل می شود۔" (نکات الشعراء ص۵)

مصحفی کا بیان ہے :-

"ہنوز از میر و مرزا وغیرہ کسی در عرصہ نیامدہ بود در دور ایہام گویان

اول کسی کہ شعر ریختہ بہ تتبع فارسی گفتہ اوست"۔ (ص۲۰۳ تذکرہ ہندی)

اس حساب سے مرزا مظہر جانجاں اردو کے ابتدائی محسنوں اور سرپرستوں سے ہیں۔ اور اردو شاعری کے مورخ کے لئے ان کے حالات میں ادبی نقطۂ نظر سے دلچسپی لینا فرض اولین۔ مصحفی اپنے بیان کے آخر میں لکھتے ہیں

"فی الحقیقت نقاش اول زبان ریختہ باین وتیرہ باعتقاد فقیر مرزاست۔ بعدہ تتبعش بہ دیگران رسیدہ"

ہمیں کہنا پڑتا ہے کہ جو شخص زبان ریختہ کا نقاش اول مانا جائے اور میر و مرزا جیسے بزرگوار جس کے مقلد کہلائیں۔ مولانا آزاد کے ہاتھ سے بہتر سلوک کا مستحق تھا۔

شفیق اورنگ آبادی مرزا کا معاصر اصغر ہے۔ اگرچہ دکن سے تعلق رکھتا ہے۔ مگر دوران بابصر سے ہے وہ رقمطراز ہے:۔

"مرزا جانجان مظہر سلمہ اللہ تعالی۔ بادہ نوش خمخانۂ معانی وجرعہ چش ساغر سخندانی است . . . . حق جل جلالہ دیرگاہ سلامت دارد ہمائے توصیفش نہ مرغی است کہ بچنگ شاہین تقریر آید وصحرای تعریفش نہ خطہ ایست کہ خنگ تیزگام تحریر بپیماید۔ کمال فضل از کلام یقین کہ یکی از تلامذۂ چون شہنشاہ جہان معانی است پیدا می شود والا رتبۂ اقتدارش از حدیث درد مندکہ جاگی خوار مائدۂ آن ماہ آسمان سخندانی است ہویدا می گردد"۔

احمد علی سندیلوی اپنے مشہور تذکرہ مخزن الغرائب میں تفصیلی حالات دیتے ہیں۔ ان کا ذیل کا بیان قابل غور ہے:۔

"ازبسکہ کانون سینۂ بے کینہ اش پر از آتش عشق بود۔ بیشتر

اشعار عاشقانہ پر وردا زقلمش می ریخت - چون غرضش اظہار
درد دل بود خواہش نام برآوردگی درین فن نداشت [بیشتر
سرمایۂ سخنش بر باد رفت] ..... و در زبان ہندی کہ مراد
از اردو ست خیلی فصیح و بلیغ بود بانی زبان اردو در ریختہ او
بودہ است والابیشتر شعر گفتن یاران بتقلید ولی دکنی بود۔"
گویا مرزا کا بڑا احسان یہ ہے ۔ کہ دکنی زبان و محاورات سے ہٹا کر دہلی کے
محاورہ میں شعر گوئی کی بنیاد ڈالی ۔ احمد علی کا قول ہے ۔ کہ مرزا فصاحت
وبلاغت ۔ نشست و برخاست کے طور وطریق ۔ غیر تمندی کے وصف
اور ہندوستان زائی پر فخر وافتخار کے واسطے اعلےٰ سوسائٹی میں نمونہ بنے
ہوئے تھے اور ہیں ۔

" چہ در فصاحت و بلاغت و چہ در سلیقہ نشست و برخاست
و چہ در غیرت و ہندوستان زائی ضرب المثل عالی قدران بودہ
و ہست ۔"

ان مختلف بیانات سے صاف واضح ہوتا ہے ۔ کہ میرزا مظہر اپنے معاصرین
میں نہایت معزز و محترم تھے ۔ میر صاحب با این ہمہ بد دماغی ان کی خدمت
میں حاضر ہوتے ہیں ۔ انشاء اللہ خاں انشا جو ہمارے مولانا کے اس قدر
مقبول و محبوب کردار ہیں بڑے اشتیاق کے ساتھ تیاری کر کے ان کی خدمت
میں حاضر ہوتے ہیں ۔ اس ملاقات کو انہوں نے ڈرامائی احساسات کے ساتھ
جزئیات کی تفصیل کی حد تک دریائے لطافت میں بیان کیا ہے ۔ جس سے
معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب سے شرف ملاقات انشا کی زندگی کا ایک نہایت
مسرت بخش واقعہ ہے ۔ مصحفی ان کی مقبولیت اور ہر دلعزیزی کے متعلق

عقد ثریا میں لکھتے ہیں۔ کہ پادشاہ سے لے کر ادنےٰ غریب تک کوئی ایسا نہیں تھا جو ان کی آستانہ بوسی کو اپنا فخر نہ سمجھتا ہو۔ امرا اور خواتین انکی قدمبوسی کے آرزومند رہتے مگر یہ ملاقات سے انکار کر دیتے۔ غریبوں کے ساتھ بڑی شفقت سے پیش آتے۔ ان کا فیض عام تھا۔ مسلمان اور ہندو دونوں معتقد تھے۔ اپنے کسی مرید کو کلمات طیبات میں (۵۴واں خط) لکھتے ہیں۔ کہ دوندیخاں مجھ سے ملاقات کا خواستگار ہوا۔ میں نے انکار کر دیا۔ حافظ رحمت خاں میرے پاس آئے مگر صحبت سازگار نہیں ہوئی :- "دوندیخان کہ ارادہٗ ملاقات فقیر داشت۔ منع کردم کہ نیاید۔ و حافظ رحمت خاں کہ پیش فقیر حاضر شدہ بود۔ صحبت او با فقیر نادرست افتاد۔" ۶۱ویں خط میں جو خانخاناں خلعت نواب قمرالدین خاں وزیر کے نام ہے۔ خفگی کی حالت میں بگڑ کر لکھتے ہیں :-

"امرای اینجہان را باید کہ با سلاطین آنجہان یعنی فقرا با ادب باشند۔ خصوصاً در اوقات استمداد و استعانت کہ دل فقیر ان ملتفت گردد۔ در چنین اوقاتی بے پروائی کردن و تحریر مطالب بعہدۂ بی ادبان گذاشتن ضرر دارد۔ اگر حسن ظنے در میانست ادب واجبست و اگر نیست رجوع و انابت چہ ضرور است باندیشۂ ہمین امور اختلاط و رسم مراسلات ترک نمودہ ایم و دعا گفتہ ایم ، سہ

زخلق گندہ دماغی چگونہ بردارم بایں دماغ کہ از بوی گل زکام کند

ان کی نازک مزاجی اور زود حسی کا ایک قصہ مخزن الغرائب میں منقول ہے۔ کہ میرزا کے اشتیاق میں ایک روز دوپہر کے وقت عزیزالدین عالمگیر ثانی

بادشاہ دہلی تشریف لے آئے۔ میرزا قیلولہ میں تھے۔ انہیں اٹھایا گیا۔ بہت بد دماغ ہوئے۔ بادشاہ غصہ میں اٹھے اور یہ کہتے ہوئے چلے گئے۔ کہ اب میں آپ کا کبھی منہ نہیں دیکھوں گا۔

نواب عماد الملک مرزا صاحب کی ملاقات کے مشتاق ہیں مگر مرزا صاحب (جیسا کہ ۶۶ ویں مکتوب میں مذکور ہے) اپنی شرائط پر ملنا چاہتے ہیں۔ یعنی یہ کہ وطن کو لوٹتے وقت متھرا میں ٹھہریں گے۔ وہاں نواب آ کر ملیں۔ بشرطیکہ انہیں جاٹ کے قلعوں میں جانا نہ پڑے۔ نیز یہ کہ نواب صرف دریا تک استقبال کریں۔

اکثر روہیلے مرزا صاحب کے مرید تھے۔ اور مرزا صاحب اس علاقہ میں یعنی امروہہ سنبھل۔ مراد آباد۔ شاہجہان پور وغیرہ تشریف لے گئے ہیں۔ چوہترویں مکتوب میں فرماتے ہیں:۔

"ہجوم روہیلہا برای اخذ طریقہ بحدیست کہ تمام روز از توجہ فرصت نیست۔ طاقت طاق شدہ است۔ اما سعادت خود میداند و زیادہ ازین عبادتی نہ . . . . از دور و دراز این مردم باستماع خبر ورود فقیر احرام بستہ می آیند۔ از آدمیت عرفی کم آگاہند..... از سنبھل و امروہہ تا شاہجہانپور در جمیع منازل دستہ دستہ وجماعہ جماعہ مردم از قوم روہیلہ اکثر و از مردم ہندی کمتر اخذ طریقہ علیہ نمودند و منور و متاثر گردیدند و جماعۂ از انہا ہمراہ آمدہ اند بقصد رفاقت بدہلی برای کسب مقامات میروند۔"

ان کے مریدوں کی تعداد ہزاروں سے گذر چکی ہے اور بعض ان میں نہایت مشہور ہیں۔ مثلاً (۱) قاضی ثناء اللہ پانی پتی جنہوں نے مرزا صاحب کے

نام پر عربی میں ایک ضخیم تفسیر بنام تفسیر مظہری تالیف کی ہے۔ جو آجکل میرٹھ
میں چھپ رہی ہے۔ ساتھ ساتھ اس کا اردو ترجمہ بھی کیا جا رہا ہے۔ مرزا صاحب
قاضی صاحب کو 'علم الہدیٰ' اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی 'بیہقی ثانی' کے
خطاب سے یاد کرتے تھے۔ (۲) مولوی غلام یحییٰ جنہوں نے معقول کی بعض
کتابوں پر مفید حواشی لکھے ہیں۔ ان کا ایک رسالہ وحدت وجود و وحدت شہود
پر ہے۔ جس پر مرزا صاحب نے بھی چند سطریں بطور پیش کلام تحریر کی ہیں۔
(۳) مولوی نعیم اللہ بہڑایچی۔ جنہوں نے مرزا صاحب کے حالات و معمولات
میں ایک تالیف بنام معمولات مظہری اپنی یادگار چھوڑی ہے (۴) شاہ غلام علی
الملقب بہ شاہ عبداللہ جنہوں نے معمولات مظہری کا ایک اختصار مع دیگر رسائل
کے جن میں مرزا صاحب کے مکتوبات بھی شامل ہیں طیار کیا ہے +

مرزا صاحب کے مریدوں کی فہرست بہت لمبی ہے۔ اسلئے اس کو
حذف کیا جاتا ہے۔ اس عہد کے مشاہیر علما و فضلا کے ساتھ مراسلات و مکتوبات
کا سلسلہ جاری تھا۔ حضرت شاہ ولی اللہ مرزا صاحب کو مکتوبوں میں " قیم
طریقۂ احمدیہ و داعی سنت نبویہ " لکھتے تھے۔ غلام علی آزاد سرو آزاد میں قمطراز ہیں:-

" فقیر را با میرزا ملاقات صوری صورت نہ بستہ۔ اما غائبانہ اخلاص
کامل است و ہمیشہ بہ آمد و رفت مراسلات حظ ہم کلامی حاصل "

(ص ۲۳۱ سرو آزاد)

جس شخص کے مشہور لوگ مرید ہوں۔ بڑے بڑے مصنف اس کے
اوصاف و کمال کے معترف ہوں اور شاہ ولی اللہ اور غلام علی آزاد جیسے فاضل
اس کے احترام میں کوشاں ہوں یقین ہے کہ وہ شخص ہر لحاظ سے منتخب روزگار
ہوگا۔ خود مرزا کا ایک شعر اس موقعہ پر درج ہونے کے قابل ہے :-

بتان اگرچہ ندانند قدر مظہر ما　　　خدا گواہ کہ دیوانہ سخت مغتنم است

مرزا کی تمام دلچسپیاں جیسا کہ قدرتاً ہونا چاہیئے اپنے مریدوں اور ان کے سود و بہبود کے واسطے وقف ہیں۔ اگرچہ امرا اور ارباب حکومت سے تعلق رکھنا ناپسند کرتے ہیں۔ پھر بھی اس عالم بے تعلقی میں جس قدر ممکن ہوتا ہے۔ مریدوں اور دیگر متوسلین کی کاربرآری میں مصروف رہتے ہیں۔ نجیب الدولہ اور اس کے فرزند ضابطہ خاں کے متعلق ان کو کافی دلچسپی معلوم ہوتی ہے۔ ان کے بعد عماد الملک سے ہے۔ وہ اس کی حرکات سے ناخوش ہیں اور توبہ و انابت کا مشورہ دیتے ہیں۔

تینتیسویں خط میں لالہ برج لال کی ملازمت کے واسطے بسلسلہ متصدی گری کسی امیر کے ہاں اس کے رفیق یا ملازم سے جو مرزا کا مرید بھی ہے سفارش کرتے ہیں۔ چوالیسواں مکتوب ظفر علیخاں خلف نواب اعتضاد الدولہ ارشاد خاں بہادر کی سفارش میں ہے۔ کہتے ہیں کہ حافظ رحمت خاں نے ملازمت دینے کا اس سے وعدہ کر رکھا ہے۔ ۵۳ ویں خط میں کسی مرید کو نواب قاسم علی خاں سے میر سلمان کی سفارش کے واسطے جو حج کا ارادہ کر رہے ہیں لکھ رہے ہیں۔

اس عہد کے سیاسی اور دیگر گذرنے والے واقعات کے متعلق بھی اشارے مرزا صاحب کے خطوں میں موجود ہیں۔ اکتیسویں خط میں سکھوں کی لوٹ مار کا جو تھانیسر میں انہوں نے کی ہے ذکر کرتے ہیں اور افسوس کرتے ہیں۔ کہ مولوی قلندر بخش مع زن و فرزند لٹ لٹا کر آئے ہوئے ہیں۔ اور میں بوجہ بے استطاعتی ان کی قرار واقعی امداد نہیں کر سکا۔ سترویں خط میں مرقوم ہے: "اینجا از آوازۂ صلح نواب و جاٹ با نجیب خان گوشہا پر ست وآنچہ از رازدان معتبر طرفین معلوم شد جاٹ با روہیلہ بنا بر مصلحت خود بتوسط راجہ

بہادر سنگھ و دلیر سنگھ آشتی میکند (ص ۶۲ کلمات طیبات ۱۸۹۴ء) یہ خط غالباً ۱۱۷۵ھ کا نوشتہ ہے۔ جب نجیب الدولہ اور جاٹ میں صلح ہوئی۔ اکتروین خط میں شاہ ابدالی کے پشاور پہنچنے کی خبر دی گئی ہے۔ کہ اس نے اپنے بیٹے تیمور کو ایک بڑی فوج کے ساتھ ملک خراسان کے انتظام کے واسطے روانہ کیا ہے اور خود پنجاب اور ملتان کے انتظام کے لئے آتا ہے۔ بچاسویں خط میں سہرند پر سکھوں کے مظالم اور اس کی تباہی و ویرانی کا ذکر حضرت میر اسداللہ کے واسطے امداد کی درخواست کے سلسلہ میں آتا ہے۔ چھیالیسویں مکتوب میں افواج جنوبی یعنے مرہٹوں کے غلبہ اور روہیلوں کے فرار اور قصبات و دیہات کی عام تباہی کی طرف تلمیح کرتا ہے جو واقعہ غالباً ۱۱۷۳ھ میں پیش آیا۔ اٹھائیسویں خط میں جو مولوی ثناء اللہ سنبھلی کے نام ہے۔ پھر مرہٹوں کی طرف اشارہ ہوا ہے ؀

میرزا صاحب کے سال ولادت کے متعلق اختلاف آرا ہے جو خود مرزا صاحب کے اپنے بیانات کی وجہ سے جو مختلف اوقات میں آپ نے دیے ہیں پیدا ہو گیا ہے۔ مقامات مظہری میں آپ کی ولادت کا سال ۱۱۱۱ھ یا ۱۱۱۳ھ مذکور ہے اور "تولد صاحب شرع" اور "طلوع شمس الملۃ والدین" سے یہ سال برآمد ہوتا ہے۔ ہمارے خیال میں 'طلوع' کی جگہ 'طلع' ہوگا۔ دونوں مادوں سے ۱۱۱۱ھ نکلتا ہے ؀

مولانا غلام علی آزاد کو جو خط لکھا ہے۔ اس میں مذکور ہے :۔ "در عشرۂ اولیٰ مائۃ ثانیہ بعد الف ولادتش اتفاق افتاد" (ص ۲۳۲ سرو آزاد)۔ اس بیان کی رو سے ۱۱۱۰ھ سے قبل ولادت ہونا چاہیئے۔ لیکن ان کے خطوط میں جو کلمات طیبات میں چھپے ہیں۔ خط نمبر اول میں یہ عبارت ملتی ہے :۔ "در ہزار و صد و سیزدہ

ولادت فقیر و در عمر شانزدہ سالگی گرد یتیمی بر رو نشست"۔ اور والد کے انتقال کے متعلق فرماتے ہیں :" درسال ہزار وصد وسی ہجری انتقال ازین عالم فرمود"۔ اس سے ظاہر ہے کہ خود ۱۱۱۳ھ میں پیدا ہوئے اور والد نے ۱۱۳۰ھ میں انتقال کیا۔ جب آپ کی عمر سولہ سال تھی۔ دیوان کے دیباچہ میں حوالہ قلم کرتے ہیں :"۔ امروز کہ ہزار وصد و ہفتاد ہجری است و عمر بشصت رسیدہ از بیست سال بکنج عزلت آرمیدہ است"۔ اس کی رو سے انہیں ۱۱۱۰ھ میں پیدا ہونا چاہیئے۔ الغرض آپ کی ولادت کا سال ۱۱۰۹ھ و ۱۱۱۳ھ کے درمیان ہے ۔

فارسی کی تکمیل آپ نے اپنے والد مرزا جان سے کی۔ کلام اللہ۔ تجوید اور قرأت قاری عبدالرسول سے۔ معقول و منقول دیگر علماء سے۔ علم حدیث و علوم متعلقہ حاجی محمد افضل سے تحصیل کئے۔ اٹھارہویں سال میں حضرت نور محمد بداؤنی کے مرید ہوئے اور چار سال متواتر حاضر باش رہے۔ ان کی وفات سے چھ سال بعد حاجی محمد افضل صاحب سے رجوع کی۔ پھر حافظ سعد اسد صاحب سے بارہ سال تک استفادہ کرتے رہے۔ پھر سات سال تک شیخ محمد عابد سے سلسلہ ارادت قائم رکھا۔ یہ تقریباً انتیس تیس سال ہوتے ہیں جن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دیباچہ دیوان میں فرمایا ہے :"۔ مدت سی سال بر در مدرسہ و خانقاہ جاروب کشید"۔

آپ کے کلام کا اکثر حصہ ضائع ہو گیا۔ کیونکہ آپ نے مسودات کے جمع کرنے کی کبھی پروا نہیں کی۔ دیباچہ دیوان میں لکھتے ہیں :۔ درہنگام جوانی بتحریک شور عشقے کہ نمک خمیرش بود نالہاے موزوں میکرد۔ باین تقریب نام خود را بشاعری برآورد و از والا ہمتی سر جمع اجزاے مسودات و مواد کلیات نداشت۔

بیشتر سرمایہ سخنش برباد رفت ۔"

میں اب مرزا صاحب کے قصۂ شہادت کو لیتا ہوں۔ جس کے متعلق مولٰنا آزاد فرماتے ہیں :-

" اس قتل کا سبب دلی کے خاص و عام میں مشہور تھا۔ کہ بموجب رسم کے ساتویں کو علم اٹھے تھے۔ یہ سرراہ اپنے بالاخانہ پر خاص خاص مریدوں کو لئے بیٹھے تھے۔ جیسا کہ عام جہلا کی عادت ہے شاید طرفین سے کچھ کچھ طعن و تعریض ہوئے ہوں۔ وہ کسی جاہل کو ناگوار ہوئے۔ ان میں کوئی سنگدل فولاد خاں نام سخت جاہل تھا۔ اس نے یہ حرکت کی۔ لیکن حکیم قدرت اللہ خان قاسم اپنے تذکرہ میں فرماتے ہیں۔ کہ مرزا صاحب اپنے کلام میں اکثر اشعار حضرت علی کی مدح میں کہا کرتے تھے۔ اس پر بگڑ کر کسی سُنّی نے یہ حرکت کی ۔

نکرد مظہر ما طاعتی و رفت بخاک نجات خود بتولائے بوتراب گذاشت

جد مرحوم ایک اردو کا شعر ان کے نام سے پڑھا کرتے تھے ۔

ہوں تو سُنّی پر علی کا صدق دل سے ہوں غلام خواہ ایرانی کہو تم خواہ تورانی مجھے

(ص۱۴۷ آبحیات)

اور حاشیہ میں اضافہ ہوا ہے :- "عجب مشکل ہے حکیم صاحب بھی ایک خوش اعتقاد سنت جماعت تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ سنی نے مارا۔ لوگ کہتے ہیں شیعہ نے مارا۔ (ص۱۴۸ آبحیات)

لیکن حکیم صاحب کا مطلب جو مولٰنا سمجھے ہیں۔ اس کے بالکل برعکس ہے حکیم صاحب کی اصل عبارت یہ ہے :-

" از انجا کہ مشرب صافی و مذہب اہل حق حق بوی ارزانی داشتہ بود۔ ظالمی ناحق شناس در ایام متبرکۂ عاشورہ بہ تعصب مذہب بی حقیقت کار نابردہ کہ وی

غرق حب جناب ولایت مآب و حریق عشق حضرت امامت انتساب مرتضوی بود سلام اللہ علیہ وکرم اللہ وجہہ۔ چنانچہ بعضے اشعار آبدارش شاہد این بیت

نکرد منظر ما طاعتی و رفت بخاک   نجات خود بتولای بوتراب گذشت

بر بی گناہیش گواہی دہد۔ بے گناہ شہید ساختہ بحضور سراپا سرور شہدای کربلای معلی علیہم السلام والرضوان رسانید"۔ (ص ۱۹۹ ج دوم مجموعہ نغز)

کہ کسی ظالم نے عشرہ محرم کے ایام میں بربنای تعصب مذہب اس حقیقت کے معلوم کئے بغیر کہ وہ حضرت امامت انتساب علی کرم اللہ وجہہ کی محبت میں غرق ہیں۔ جیساکہ ان کے بعض اشعار خصوصًا شعر بالا سے جو ان کی بے گناہی کی شہادت دیتا ہے بیگناہ قتل کر کے شہداے کربلای معلی کی خدمت میں پہنچا دیا۔ مولٰنا کا یہ عقیدہ کہ سنی نے مارا بالکل بے اصل ہے کیونکہ سُنی اور شیعہ مصنفین اس رائے میں بالکل متفق ہیں۔ کہ قاتل کوئی شیعہ تھا۔ علی ابراہیم جو شیعہ مصنف ہیں۔ لکھتے ہیں :-

"گویند بہ سبب تعصب مذہب منع تعزیہ سید الشہداء علیہ السلام می نمود بدین جہت از دست یکی از ساکنان دہلی در سنہ یک ہزار و یک صد و نود و چہار ہجری کہ عمرش قریب صد سال بود مقتول شد"۔

(ص ۲۱۶ تذکرہ گلزار ابراہیم)

علی لطف ایک اور شیعہ مصنف گلشن ہند میں بدین تفصیل رقمطراز ہیں :-

" کہتے ہیں کہ ہفتم روز عاشور کو لب بام پہ اپنے گھر میں سر راہ بیٹھے تھے اور کوئی سردار روہیلوں کا بھی آیا تھا واسطے ان کی ملاقات کے، کہ ناگاہ گذر شدوں کا ان کے زیر بام سے ہوا۔ اس روہیلے نے کھڑے ہو کر سینہ زنی بھی کی اور موافقت سلام سے ہوا۔ اور میرزا سے مذکور جس طرح بیٹھے تھے اسی طرح بیٹھے رہے بلکہ

متبسم ہوکر فرمانے لگے کہ" بارہ سو برس جس مقدمہ کو ہو چکے ہوں ہر سال اسے زیادہ (تازہ ؟) کرنا کیا بدعت ہے۔ اور لکڑیوں کو سلام و تسلیم کرنا نہایت عقل کی خفت ہے"۔ یہ گفتگو بجنسہٖ وہ لوگ جو کہ ملم اور شدتوں کے ساتھ تھے۔ انہوں نے سنی اور تعصب کی۔ مرزائی مذکور کے امام باڑوں میں اور محفلوں میں دو تین شب گفتگو رہی۔ آخر شب شہادت کو کہ عبارت شب چہار دہم (کذا) عاشورہ سے ہے کوئی شخص ان کے دروازہ پر آیا اور ان کو باہر بلوایا۔ جب باہر آئے تو بے گفتگو ایک چوٹ طپنچے کی نذر کی اور کام ان کا پورا کرکے نلوہ راہ اپنے گھر کی لی سن بھی ان کا قریب سو برس کے تھا۔ ایسا زخم کاری کھایا۔ لیکن استقلال طبیعت سے پھر اپنے تیئں کو تھے کے اوپر پہنچایا۔ ۱۱۹۴ھ گیارہ سو چورانوے ہجری تھے۔ کہ اس روشن ساز مسائل صدیقی نے اور اس مصقلہ پرداز احکام فاروقی نے اس آئینہ زنگار آلود دنیا سے منہ پھیر لیا اور سفر خلفائے راشدین کی طریقت پر کیا"۔ (ص ۲۱ تذکرۂ گلزار ابراہیم مع تذکرۂ گلشن ہند مرتبہ ڈاکٹر زور۔ انجمن ترقی اردو ۱۳۵۲ھ)

شیخ غلام ہمدانی مصحفی کی روایت ہے :۔

" در عہد شاہ عالم بادشاہ کہ بسبب بودن امیر الامرا ذوالفقار الدولہ بہادر در دہلی غلوی اہل تشیع بیشتر بود۔ این بزرگ مقتدای متعصبان اہل سنت و جماعت گفتہ می شد۔ شخصے از متعصبان اہل تشیع شب ہفتم محرم الحرام یک ہزار و یکصد و نود و پنج او را بگولۂ طپانچہ مجروح ساخت و صبح عجب ہنگامہ ازین ماجرای حیرت افزا در تمام شہر برپا شد۔ ہیچ کس نبود کہ دندان تاسف بلب نرسانید"۔

(ص ۵۵-۵۶ عقد ثریا از مصحفی)

معمولات مظہری میں مولانا نعیم اللہ کا بیان ہے :۔

" تفصیلش آنکہ ہفتم محرم الحرام سنہ یکہزار و یکصد و نود و پنج ہجری از دست

... شیعی زخم گولی طپنچہ بر سینہ مبارک رسیدہ واز درد آن ضرب شدید بیتاب شدہ غشی کردہ بخاک وخون غلطید [ند] وبزبان حال اشعار دیوان خودرا ترنم نمودند ؎

بناکردند خوش رسمی بخاک وخون غلطیدن خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را

مقامات مظہری میں مسطور ہے :۔

کہ بدھ کی رات ساتویں محرم ۱۱۹۵ھ کو ایک پہر رات گئے کئی آدمی آپ کے گھر کے دروازہ پر آئے اور دستک دی۔ خادم نے اطلاع دی کہ بعض لوگ زیارت کے لیئے حاضر ہوئے ہیں۔ آپ نے فرمایا آنیدو اسپر تین شخص اندر داخل ہوئے ایک ان میں ولایت زا مغل تھا۔ حضرت خوابگاہ سے نکل کر سامنے تشریف لائے۔ مغل نے پوچھا مرزا جانجاناں آپ ہیں؟ آپ نے اثبات میں جواب دیا۔ اس پر اس بدبخت نے طپنچہ کا فیر کیا۔ گولی بائیں طرف دل کے قریب لگی۔ آپ صدمہ سے گر گئے۔ لوگوں کو اطلاع ہوئی۔ جراح حاضر ہوا۔ صبح نجف خاں نے فرنگی ڈاکٹر اس پیغام کے ساتھ بھیجا کہ جن شقیوں نے اس جرم کا ارتکاب کیا ان کا پتہ نہیں چلتا۔ جب پتہ لگے گا۔ ان کو سزا دی جائیگی آپ نے کہلا بھیجا کہ اگر ارادۂ الٰہی شفا سے تعلق رکھتا ہے میرا زخم اچھا ہو جائے گا۔ جراح کی حاجت نہیں۔ قاتل کا پتہ مل جائے تو سن رکھئے میں نے اسکو معاف کر دیا۔ آپ بھی معاف کر دینا۔ آپ تین روز زندہ رہے۔ ضعف ہر روز بڑھتا گیا سینیچر کی شام کو وقت نماز مغرب جس کی صبح کو دس محرم تھی دو تین مرتبہ زور زور سے سانس لیا اور اس دار فانی سے عالم جاودانی کو تشریف لے گئے۔ آپ کی تاریخ وفات اس حدیث سے نکلتی ہے۔ " عاش حمیداً مات شہیداً "

حضرت میرزا کا واقعۂ شہادت ایک سیاسی معاملہ معلوم ہوتا ہے۔ نجف خاں کو

شاہ عالم بادشاہ الہ آباد سے اپنے ساتھ لے کر ۱۱۸۵ھ میں دہلی آتے ہیں۔ نجف خاں کی آمد سے شیعیت کو فروغ ہو گیا۔ ادھر رعیت بھی ان سے خوش نہیں تھی۔ میرزا صاحب اپنے ۲۴ ویں خط میں لکھتے ہیں :" حال مردم این شہر از روزیکہ نجف خان آمدہ است از شاہ تا گدا تباہ است و ذکر غلاص مجدالدولہ بر زبان خاص و عام است۔ خدای تعالیٰ زود بظہور آرد۔" (ص ۴۶ کلمات طیبات) نجف خاں نے روہیلوں کی طاقت کو پامال کیا اور ضابطہ خاں کو مرہٹوں کی مدد سے شکست دی۔ روہیلے بے شمار تعداد میں مرزا صاحب کے مرید تھے۔ نجف خاں شیعہ تھے اور میرزا صاحب جیسا کہ مصحفی نے مرقوم کیا ہے اہل سنت کے پیشوا مانے جاتے تھے۔ میرزا کے مریدوں کا بیان ہے۔ کہ نجف خاں کے استظہار پر یہ جرم عمل میں آیا۔ مقامات مظہری کی عبارت ہے :۔

"نجف خان کہ بر قفای او مرتکب این امر شدہ بودند و دی در اجرای حد تغافل کرد عنقریب مُرد و اتباع او باہم مجادلات نمودہ رخت حیات بربستند۔ نشانی ازان ظالمان نیست" (مقامات مظہری ص ۶۲)

معمولات مظہری میں یہ شعر ملتے ہیں :۔

نجف خان نماند و نجف خانیش ۔۔۔ نہ افراسیاب و نہ ہمدانیش
نہ لشکر بماند نہ مرزا شفیع ۔۔۔ شود حاکم نو بفضل ربیع

یہ بیانات مرزا صاحب کے مریدوں کے جذبات کے آئینہ دار ہیں ۔

مرزا رفیع سودا

سال پیدائش حضرت مولانا نے ۱۱۲۸ھ لکھا ہے۔ لیکن شیخ چاند قائم کی

سند پر یہ استدلال لاتے ہیں کہ "مرزا رفیع شاہ عالم بہادر شاہ ۱۱۱۹ھ و ۱۱۲۴ھ کے دور میں شاہی فوج کے ساتھ دکن گئے ہیں۔ اس بیان کی رو سے اس زمانہ میں ان کی عمر فوجی خدمت کے لئے کم از کم اٹھارہ سال ہوگی۔ اس لحاظ سے ان کی ولادت ۱۱۰۶ھ سے قبل ہونی چاہیئے" (ص ۳۵ سودا)

مگر میں مولنا کے بیان کو ترجیح دوں گا۔ کیونکہ میرے خیال میں سودا کی شاعری ۱۱۵۰ھ کے قریب شروع ہوتی ہے۔ اگر ان کا سال ولادت ۱۱۰۶ھ مانا جائے تو ہمیں ماننا پڑے گا کہ مرزا نے تقریباً پینتالیس چوالیس سال کی عمر میں شاعری شروع کی اور یہ امر سودا جیسے شاعر طبیعت انسان سے نہایت بعید ہے۔ کہ شباب گذار کر عالم کہولت میں قدم رکھنے کے بعد شعر کو پیشہ کی حیثیت سے اختیار کیا۔

قائم کے جس بیان پر شیخ چاند نے اعتماد کیا ہے۔ حسب ذیل ہے :-

" میرزا ابو طالب المتخلص بہ طالب مردی بود ہفتاد سالہ از متوطنان قصبۂ بلنڈہ کہ در نواح اورنگ آباد است در لشکر بہادر شاہ سابقہ آشنائی با عموی بزرگوار حضرتم مرزا رفیع سودا بہم رساند، ہمراہ لشکر ظفر اثر برفاقت ایشان برای کار جاگیر خود بدار الخلافہ شاہجہان آباد رسیدہ تا مدتی کہ اقامت نمود ہم خانۂ ایشان بود۔ بعضی ازین احوال و اشعار کہ سابق مرقوم شدہ زبانی مرزا ابو طالب مسطور بمرزا صاحب رسیدہ بود و از ایشان علی السبیل ذکر وند کور بفقیر معلوم گردیدہ"

(ص ۹ مخزن نکات)

اس عبارت سے تو وہ مطلب اخذ نہیں ہوتا۔ جو شیخ چاند سمجھے ہیں۔ بلکہ قائم کا مطلب تو یہ ہے کہ مرزا ابو طالب طالب تخلص نے جو ستر سال کے بوڑھے

اور قصبہ بلنڈہ واقع نواح اورنگ آباد کے رہنے والے تھے حضرت مرزا رفیع سودا کے عم بزرگوار کے ساتھ دوستی کا تعلق پیدا کر لیا اور انہی کی رفاقت میں لشکر ظفر پیکر کے ہمراہ اپنی جاگیر کے معاملات کے سلسلہ میں دار الخلافہ شاہجہان آباد آئے وغیرہ وغیرہ، ہاں۔ تو یہ مرزا رفیع نہیں ہیں جو بہادر شاہ کے لشکر کے ساتھ دکن سے دلی آئے۔ بلکہ ان کے چچا۔ لہٰذا اس شہادت کی بنا پر مرزا رفیع کی ولادت ۱۱۰۶ھ یا اس کے قریب نہیں مانی جا سکتی۔ اِدھر میر حسن اپنے تذکرہ میں جو ۱۱۸۸ھ کے قریب لکھا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ "سن شریفش بہ ہفتاد رسیدہ باشد"۔ اس قیاس سے انہیں ۱۱۱۸ھ یا ۱۱۲۰ھ میں پیدا ہونا چاہیئے ۔

ص ۱۷۸ - قولہ :۔"جب مرزا رفیع لڑکے تھے اس وقت میر جعفر زٹلی کا بڑھاپا تھا۔ اگلے وقتوں کے لوگ رنگین[۱] جریبیں جن پر نقاشی کا کام ہوتا تھا۔ اکثر ہاتھ میں رکھا کرتے تھے۔ ایک دن شام کے قریب میر موصوف ایک سبز رنگ جریب ٹیکتے ٹہلنے کو باہر نکلے۔ مرزا بغل میں کتابوں کا جزدان لیئے سامنے سے آتے تھے۔ اس زمانہ میں ادب کی بڑی پابندی تھی۔ بزرگوں کو سلام کرنا اور ان کی زبان سے دعا لینے کو بڑی نعمت سمجھتے تھے۔ مرزا نے جھک کر سلام کیا۔ انہوں نے خوش ہو کر دعا دی۔ چونکہ بچپن میں ہی مرزا کی موزونیٔ طبع کا چرچا تھا۔ میر صاحب کچھ باتیں کرنے لگے۔ مرزا ساتھ ہو لئے۔ انہوں نے نوخیز طبیعت کے بڑھانے کے لئے کہا کہ مرزا بھلا ایک مصرع پر مصرع تو لگاؤ ع لالہ در باغ داغ چون دارد، مرزا نے سوچ کر کہا ع عمر کوتاست غم فزون دارد، میر صاحب نے فرمایا واہ مرزا دن بھر کے بھوکے تھے۔ واہ کھا گئے۔ مرزا نے پھر کہا ع از غم عشق سینہ خون دارد،

۱؎ رنگین اور منقش جریبوں کا رواج میں نے کسی کتاب میں پڑھا ہے۔ دہلی میں نادر شاہ کی آمد کے بعد ہوا ہے ۔

میر صاحب نے فرمایا۔ واہ بھئی۔ دل خون ہوتا ہے۔ جگر خون ہوتا ہے۔ بھلا سینہ کیا خون ہوگا؟ سینہ پر زخون ہوتا ہے۔ مرزا نے پھر ذرا فکر کیا اور کہا۔ ع
چہ کند سوزش درون دارد، میر صاحب نے کہا ہاں مصرع تو ٹھیک ہے لیکن ذرا طبیعت پر زور دے کر کہو۔ مرزا دق ہو گئے تھے۔ جھٹ کہدیا ع
یک عصا سبز زیر . . . دارد، میر جعفر مرحوم ہنس پڑے۔ اور جریب اٹھا کر کہا۔ کیوں یہ ہم سے بھی؟ دیکھ کہوں گا تیرے باپ سے۔ بازی بریش بابا ہم بازی؟ مرزا لڑکے تو تھے ہی بھاگ گئے۔"

حضرت مولانا کی سحر بیانی نے اس قصہ کو بالکل حقیقت کا رنگ دے دیا ہم اس کی دلآویزی اور دلکشی پر لوٹ ہو جاتے ہیں۔ مگر یہ قصہ اپنی قدیم شکل میں بالکل مختلف تھا۔ میر حسن دہلوی جو مولانا سے ایک صدی پیشتر گذرے ہیں اسی قصہ کو خود جعفر زٹلی کی طرف منسوب کر رہے ہیں۔ چنانچہ :۔

"نقل است کہ روزی پیش مرزا بیدل رفت۔ مرزا در فکر مصرعی مصروف بودند ملتفت نشدند، پرسید کہ صاحب و قبلہ کدام مصرعے فرمودہ اند۔ گفت بلی و آن این مصرع بود ع

لالہ بر سینہ داغ چون دارد

میر مسطور گفت درین تأمل چیست۔ ع

چو بکی سبز زیر . . . دارد

میرزا ازین معنی بہم برآمد زود چیزی دادہ رخصت نمود۔"

اس قدیم شہادت کے موجود ہوتے ہوئے سودا کے ساتھ اس قصہ کا انتساب بے اصل ٹھہرتا ہے۔

ص ۱۵۲، قولہ:۔ جب کلام کا شہرہ عالمگیر ہوا تو شاہ عالم بادشاہ اپنا کلام

اصلاح کے لئے دینے لگے اور فرمائشیں کرنے لگے۔ایک دن کسی غزل کے لئے تقاضا کیا۔ انہوں نے عذر بیان کیا۔حضور نے فرمایا۔ بھئی مرزا کے غزلیں روز کہہ لیتے ہو ؟ مرزا نے کہا۔ پیرومرشد! جب طبیعت لگ جاتی ہے دو چار شعر کہہ لیتا ہوں۔حضور نے فرمایا۔بھئی ہم تو پاپخانہ میں بیٹھے بیٹھے چار غزلیں کہہ لیتے ہیں۔ ہاتھ باندھ کر عرض کی۔حضور ویسی بو بھی آتی ہے۔ یہ کہہ کر چلے آئے۔بادشاہ نے پھر کئی دفعہ بلا بھیجا اور کہا۔ کہ ہماری غزلیں بناؤ ہم تمہیں ملک الشعرا کر دیں گے۔یہ نہ گئے اور کہا کہ حضور کی ملک الشعرائی سے کیا ہوتا ہے۔کرے گا تو میرا کلام ملک الشعرا کرے گا ؛

شاہ عالم جن کا شاہزادگی کا نام علی گوہر ہے۔ سنہ ۱۱۴۰ھ میں پیدا ہوئے۔ سنہ ۱۱۷۲ھ میں عماد الملک غازی الدین کے خوف سے جو ان کے باپ عالمگیر ثانی کا وزیر تھا اور ان کی گرفتاری کے درپے تھا۔دہلی سے نکل کر بنگالہ کی طرف چل دیئے۔ سنہ ۱۱۷۳ھ میں جب بہار میں مقیم تھے۔عالمگیر ثانی کے قتل کی اطلاع ان کو پہنچی اور ۴ جمادی الثانی سنہ مذکور کو بہار ہی میں تخت نشین ہو گئے۔بکسر کی جنگ کے بعد سنہ ۱۱۷۸ھ میں بادشاہ انگریزوں کی معیت میں الہ آباد روانہ ہوئے۔ جہاں پہنچ کر کمپنی کو سند دیوانی بنگالہ عطا کرتے ہیں اور ان کے زیر اقتدار سنہ ۱۱۸۵ھ تک رہتے ہیں۔ بادشاہ شہر میں رہتے تھے اور ان کا انگریز محافظ جنرل اسمتھ جو نہایت بدمزاج معلوم ہوتا ہے قلعہ میں رہتا تھا۔ بذات کو بادشاہی نوبت کی آواز کی برداشت نہیں تھی۔ لہذا حکماً اس نے نوبت بند کروا دی۔ بدنصیب شاہ عالم کو کیسی نرالی اور رنگا رنگی رعیت ملتی ہے۔ایک اس کی غزلوں میں پاخانہ کی بو سونگھتا ہے۔ دوسرا اس کی نوبت کو بند کروا دیتا ہے قصہ مختصر بادشاہ اسی سال یعنی سنہ ۱۱۸۵ھ میں دہلی پہنچ جاتے ہیں اور پورے تیرہ چودہ سال

باہر رہتے ہیں۔ ادہر مرزا سودا ۱۱۷۱ھ میں نواب عماد الملک غازی الدین خان کے ساتھ فرخ آباد پہنچتے ہیں۔ دیوان فرخ آباد مہربان خاں رند جس کو شعر و شاعری کا بڑا ذوق تھا۔ اور متعدد شعراء اس کی سرکار میں ملازم تھے۔ سودا کو نواب سے مانگ لیتا ہے۔ اس وقت سے تقریباً ۱۱۸۳ھ تک مرزا فرخ آباد میں رہتے ہیں اس کے بعد فیض آباد پہنچ کر شجاع الدولہ کی سرکار سے تعلق پیدا کر لیتے ہیں۔ اور ۱۱۸۸ھ میں جب آصف الدولہ لکھنؤ آ جاتے ہیں یہ بھی لکھنؤ میں قیام پذیر ہو کر ۱۱۹۵ھ میں اسی شہر میں انتقال کرتے ہیں۔ اسلئے اگر ہم یہ کہیں کہ ۱۱۷۱ھ سے تادم وفات سودا کی شاہ عالم سے ملاقات ہی نہیں ہوئی۔ یہ تمام گفتگو جو شاہ عالم بادشاہ اور سودا کے مابین غزل نگاری کے متعلق کرائی گئی ہے بالکل بے اصل اور بے معنی ٹھہرتی ہے۔ جس میں ذرہ بھر صداقت نہیں۔ میں سمجھتا ہوں۔ کہ اس موقع پر مولنا لکھنؤ کی روایت کے تابع بن گئے ہیں۔ جس کا مقصد مغلوں کو بدنام کرنا ہے۔

رہی ملک الشعرائی۔ مغلوں میں اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ کے عہد سے یہ عہدہ متروک ہو چکا تھا۔ لیکن میر تقی میر نے ملک الشعرائی کا تاج سودا ہی کے سر پر رکھا ہے۔ کہتے ہیں:۔

"پیش فکر عالیش طبع عالی شرمندہ۔ شاعر ریختہ۔ چنانچہ ملک الشعرائی اورا شاید"

فی الحقیقت اس منصب کے سودا اور صرف سودا ہی مستحق تھے۔

(باقی دارد) حافظ محمود شیرانی

ذخیرۂ سکندر ذوالقرنین

ذخیرۂ سکندر زبان عربی میں فلسفۂ طبعی کے صنف خاص علم الکیمیا کی عزیز الوجود اور نادر کتاب ہے۔ جو عظیم آباد کے ایک ذی علم اور قدیم خاندان[1] کے خانگی کتب خانہ میں چند صدیوں سے وراثتہً آرہی ہے۔ غیر مطبوعہ اور نایاب ہے۔ مختصر احوال عنوانات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔ امید ہے کہ صاحب علم وفن کے لئے دلچسپی کا باعث ہوں گے ؛

کتاب کی صورت حال

کتاب کا نصف اول بیشتر کرم خوردہ ہے۔ بنابریں مقدمۃ الکتاب اور مابعد مقدمہ کے ابواب و فصول کا مطالعہ وقت طلب ہے۔ سباق وسیاق کلام سے مضامین پر اطلاع بہم پہنچائی جاسکتی ہے۔ صفحۂ اول پر جا بجا تین مختصر تحریرات اور خورد و کلاں چھ مُہریں ثبت ہیں۔ تحریرات مندرجہ تو مندرس ہونے کے سبب عموماً پڑھی نہیں جاتی ہیں۔ مگر مہر کلاں جس کا محیط دائرہ اشرفی کے برابر ہوگا۔ اس کی تحریر یہ ہے :-

"وقت ہادیٔ شرع خواجہ نصر اللہ" علاوہ ازیں کچھ اور لفظ و سنہ بھی ہیں۔ مگر کچھ اس طرح مٹے مٹے ہوئے ہیں کہ پڑھنا مشکل ہے۔ مہرہائے خورد جو انگشتری کی مہر سے کسی طرح بڑی نہیں ہیں۔ ان چند میں سے صرف ایک

---

[1] مولوی سید نور الحسن مرحوم ایم۔اے۔ ایل ایل بی۔ ایڈووکیٹ پٹنہ کے کتاب خانہ میں یہ اور اس جیسے بیسیوں مخطوطات قدیمہ جیسے صحاح جوہری، تفسیر کشاف، رسالہ غلام یحییٰ بہاری، جام جہان نما وغیرہ وغیرہ موجود ہیں۔ کتب خانہ مذکور بوقت تحریر ہذا دوست مولوی سید شاہ عبد الحمید قادری رئیس کاکا ستوطن پٹنہ کے قبضہ میں ہے ؛

مہر کا سنہ صاف پڑھا جاتا ہے۔ سنہ ۱۰۸۱ھ منقوش ہے۔ اور اس مہر کلاں کے مقابل بخط شفیعا یہ تحریر ثبت ہے۔ "این کتاب را جناب غفران مآب عارف باللہ حضرت مولٰنا خواجہ نصر اللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ خالصاً لوجہ اللہ تعالٰی وقف نمودہ ہر کہ بخرد یا فروشد . . . . افتادہ شود"۔ اختتام کتاب پر حسب ذیل عبارت بخط نسخ مکتوب ہے :۔

"تم الکتاب بعون الملك الوهاب وقد نُقل هذا الکتاب من کتاب ینقل من خط الحکیم رحمه الله مبادراً فان لم یکن بعض الفاظه محومن النساخ ان ینسخ کماهو بعینه والله اعلم وربما یقع فی اثنائه تکرار اللفظ لا طائل تحته فلا باس به لانه حاوٍ علی ترجمان کلام الیونانی وبعد فانه علیمٌ بذات الصدور . . . ²من شهر لاهور والله اعلم بالصواب"۔

ختم عبارت مندرجہ بالا پر چھوٹی بڑی دو مہریں اور ہیں۔ چھوٹی پڑھی نہیں جاتی۔ مگر بڑی مہر میں "وقف ہادئ شرع خواجہ نصر اللہ سنہ یکہزار . . . ." ثبت ہے۔ ابتداءِ کتاب سرورق گوشہ میں تحریر ہے کہ "در اکبر آباد اشتراء نمودہ شد سنہ ۱۲۵۰ھ قدسی۔ مشتری و بائع کا نام و نشان نہیں ہے۔

---

¹ منقولہ جملہ کتاب مذکور کے استناد و اعتبار کو اس صورت سے ظاہر کر رہا ہے کہ کتاب مذکور اس کتاب سے نقل کی گئی ہے جو الحکیم رحمہ اللہ کے مخطوطہ سے منقول و مکتوب تھی۔ ساتھ ہی مظہر ہے کہ اصل کتاب میں بعض الفاظ محو اور مکرر تھے۔ مگر افسوس کہ راقم الحکیم کی شخصیت و حیثیت سے بے خبر ہے ورنہ الحکیم کو روشناس ناظرین کرتا۔ امید ہے کہ باخبر اصحاب اس پر تحریر فرما کر شکریہ کا موقع دیں گے۔

² منقوط سطر سے منشا یہ ہے۔ کہ اس جگہ عبارت کتاب کرم خوردہ تھی۔

کتاب سے چند فاضل اوراق متعلق ہیں۔ جن پر مختلف النوع یونانی نسخے بخط شکستہ لکھے ہیں۔ صفحات کتاب ۱۹۸ اور ہر صفحہ پر ۱۷ سطریں بغیر جدول کے ثبت ہیں۔ عبارت کتاب بخط نسخ عمدہ زبان عربی میں ہے۔ کاغذ زنگاری عمدہ چکنا ہے۔ فنون وفصول اور انواع کے عنوانات شنجرفی۔ تقطیع کتاب خورد +

مباحث کتاب کل کتاب ایک مقدمہ اور دس فنون پر مشتمل ہے۔ اور نیز ہر فن میں مختلف عنوانات کے ماتحت مختلف بحثیں ہیں۔ دس فن سے چار میں تو علم الکیمیاء سے اور باقی چھ میں ذخیرہ کے مناسب غیر متعلق بحثیں آگئی ہیں۔ جو شاید شعبدہ بازی سے تعبیر کی جاسکتی ہیں +

الفن الاوّل فی ذکر اصول ومقدمات مایحتاج الی عالمہا۔

فن اول میں چند نادر مباحث کے ساتھ پانچ فصلیں اور ہر فصل میں فلکی علوم۔ منازل قمر۔ تقسیم برج اور نیز گردش نجوم اور ان کے اثرات سے بسیط بحثیں ہیں +

الفن الثانی۔ فی ذکر التریاق وتدبیر الاکسیرات"۔ تریاق اور تدبیر اکسیرات کے مباحث کے ساتھ چند فصل میں بشرح ذیل کیمیا سازی کے مفید مباحث ہیں۔ جس میں معدنی فلزی اشیاء کے عرق کشید کرنے کی معقول تدبیریں بیان کی گئی ہیں +

الفصل الاوّل۔ فی استخراج الماء الحالیۃ المسمیٰ صابیوس یوخذ صدق الضفادع البریّہ واستخراج الماء الثانی المسمیٰ قوریال یوخذ من الصدف المحرّف واستخراج الماء الثالث المسمیٰ عراسیوس یوخذ من الملح واستخراج الماء الرابع المسمیٰ الحدیرا س

وهو الغایۃ القصوٰی یوخذ من برادۃ النّحاس وبرادۃ الحدید وبرادۃ الرصاص الاسود۔

زاں بعد ان مختلف عرقوں کے خواص ان لفظوں میں " وذکر خواص ہذا الماء" بیان کئے ہیں۔ جن کا ذکر اوپر مذکور ہے۔

الفصل الثانی فی استخراج الجوہر المستودع قوۃ المریخ شوم منافعہ۔ کیمیا سازی کے مباحث دراصل اسی فصل ثانی میں بسط و شرح سے بیان کئے گئے ہیں۔ کہ کس تدبیر و عمل سے مس و فضّہ کو طلاء کی صورت میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ باب تطھیر النحاس، باب تبییض النحاس باب تلیین النحاس المطھّر باب نقل النحاس من ہیأتہ الی ھیئۃ الذھب وشکلہ، باب تطھیر الزرنیخ صفت تطھیر التوتیا میں سیر حاصل بحثیں ہیں ؛

فصل اعلم ان التوتیا المطھّر ھو اکسیر الاعظم القلب ھیئۃ النحاس الی الذھب۔ اس فصل میں ہڑتال اور توتیا صاف کرنے کی تدبیر و عمل بیان کر کے بتلایا گیا ہے۔ کہ عمل کیمیا میں سب سے بڑی ضرورت توتیا مطہّر و مدبّر کی ہے۔ اور یہی چیز کیمیا سازی میں سب سے بڑی معین ہے ؛

باب تطھیر الفضّۃ باب اکسیر الفضّۃ اللتی ینقلہ الی لون الذھب و یحتاج ھذا الاکسیر الی اربعۃ قواعد، القاعدۃ الاولی و ھی الاس یوخذ من برادۃ الذھب القاعدۃ الثانیۃ یوخذ من برادۃ النّحاس الاحمر الجیّد القاعدۃ الثالثۃ یوخذ من الکبریت الاصفر القاعدۃ الرابعۃ یوخذ من برادۃ الفضّہ ؛

الفن الثالث المذکور من ذخیرۃ ملک ذوالقرنین فی النباتات السمیہ

اس فن میں نباتات سمیہ سے بحث ہے۔ جن کو لغت یونانی میں مختلف ناموں سے
ان کے مختلف صفات کے سبب موسوم کیا گیا ہے۔ چنانچہ تحریر ہے۔

صفة السم المدعو بالطالیوس صفة السم المدعو بیش بزبیش
صفة السم الذی یدعی لیمیوس صفت السم المدعو حتو الفاس
صفة السم الذی .... صفة الترکیب ..... صفة السم
المعروف بالقیاتار صفة السم المعروف بالارابیس صفة السم
المعروف . . . . . صفة السم الذی یدعی سیث الاناس
صفة السم الذی یدعی سیاطوس صفة السم القاتل صفة
السم المسمی انادوس۔

زاں بعد ایک وصیت الوصیّة کے عنوان سے ہے۔ جس میں خواص
وصفات مذکورہ سے مزید بحثیں اور تدبیریں ہیں +

الفن الرابع - اس فن میں ان مذکورہ سمیات کے تریاقات سے پوری
بحثیں ہیں۔ چنانچہ مذکورہ ہے۔

صفت التریاق المعروف بالیانوس۔ صفت التریاق هرمس کبیر
صفت التریاق هرمس الذی سماہٗ . . . . . صفت التریاق
الذی . . . . . ،

الفن الخامس۔ اس فن میں طلسمات عجیبہ اور حرزیات نافعہ اور نقوش نادرہ
سے بحثیں ہیں۔ جو اکثر لاعلاج امراض میں مفید بتائے جاتے ہیں۔ اور نیز ہر
مرض کے لئے طلسم و حرز اور نقش علیحدہ علیحدہ بیان کئے گئے ہیں۔ چنانچہ ان
لفظوں میں مذکور ہے۔

طلسمٌ یشفی من جمیع امراض الحلق، طلسم عرق النسا

والنقش على الصحيفة بهذه الصورة، طلسم لعسر البول والنقش عليها هذا المثال صفت الحرز المسكنة للغضب والنقش هذا المثال طلسم لوجع الكلبى والنقش هذا المثال الحرز السماة سلاريوس وتاويل الحرزة المباركة۔ والنقش هذا صفت الحرز الطلسميه المسكنة هربان؟ العين صفت الحرزة النافعة من وجع الضوس والنقش هذين ۔

الفن السادس ۔ اس فن میں ان انگشتریوں اور نقش انگشتری کے فوائد نادرہ سے بحث ہے ۔ جو سبعہ سیّارہ کے خاص خاص دور عمل میں تیار کی گئی ہوں اور ہر انگشتری کو خاص تارہ سے منسوب کر کے اس کے خواص بیان کئے ہیں چنانچہ مرقوم ہے ۔

صفة المذكور فی ذکر الخواتیم الکواکب السبعه، خاتم الزهرا منافعه یعظم عند ملوك زمانه والنقش هذا ۔ صفة خاتم عطارد وان علق على المصروع زال عنه الصرع وان علق على الصبيان الذى يعرض لهم الفزع فى النوم والبكاء زال عنهم جميع ذالك ويبرئ ايضًا من المالخوليا من لبسه والنقش هذا ۔

خاتم الزہرا شاہان زمانہ کی نظروں میں عظمت و مرتبت کے لئے اور خاتم عطارد مرض مرگی اور بچوں کے رونے چلّانے اور زہر مالیخولیا کے لئے مفید بیان کیا ہے ؛

الفن السابع ۔ فن ہذا بھی مختلف طلسمات اور نقوش سے بحث ہیں جو امراض مختلفہ اور موذی جانوروں کے ایذا میں مفید بتائے جاتے ہیں ۔ اور نیز مردوں اور عورتوں کے تالیف قلوب اور جذب دل کے طلسم و تعویذات

دکھلائے گئے ہیں۔ چنانچہ اس طرح پر لکھا جاتا ہے :-

الطلسم یقطع الدم والنزف والرعاف والدم المنبعث من الجراحات والنقش ھذا صفت خاتم یشفی لدغة العقرب ونقش ھذا وطلسم الحیات ونقش ھذا صفة الطلسم الذی ید فع الجراد عن الاقلیم ونقش ھذا صفة الطلسم الذی عمله ھرمس للریاح الشدیدة وتسکینھا نقش ھذا واعداد ھذا الخاتم الذی یطرد عن لابسه الحمیٰ المثلثة والربع ونقش ھذا صفة الرابع یشفی ذالك صاحب الحمیٰ ابرأۃ باذن اللہ تعالیٰ الخاتم الذی یطرد عن لابسه حمیٰ البلغمیّة التی تنوب کل یوم ونقش ھذا صفة الخاتم الذی یطرد عن لابسه الحمیٰ الصفراویة الغب ونقش ھذا واعداد، طلسم لعطف قلوب النساء والمرد وغیرھم۔ ونقش ھذا :

الفن الثامن۔ اس فن میں تسخیر مردمان اور تالیف قلوب اور نیز بادشاہوں کے تسکین غضب اور تابع کرنے کی تدبیر سے بحث ہے ۔

المذکور فی علم اتحاد القلوب وتالیف الانفاس ونقش ھذا باب تسکین غضب الملوك وتسخیرھم لقضاء الحوائج منھم ونقش ھذا باب قبض النفوس النافرة بینھما ۔

الفن التاسع ۔ شدت بخار کی تدبیر سے بحث کی گئی ہے۔

صفت البطم بکلیانوس ولغیرہ صفت البطم الذی یدعی کیطیطیاثا ولغیرہ۔

الفن العاشر۔ لوگوں کے درمیان دشمنی والفت ڈالنے کی تدبیر سے

بحث ہے۔ مزید براں کالے کتے اور کالی بلیوں کے خواص سے کچھ بحثیں ہیں۔
باب التباغض والتجانب من دماغ الانسان باب لھیبة
یوخذ من دماغ الانسان باب المحبة والمروة یوخذ من
الکبریت الاصفر صفت تریاق ھذا السم باب العداوة
دم الخنزیر یوخذ منه باب العداوة الکلب الاسود یوخذ
من دماغه، خواص السنور الاسود؛
خامس وسادس وسابع وثامن ابواب وفن میں ہر طلسم وخاتم کے لئے
اعداد یونانی اور نیز انسانی وحیوانی درند وپرند، چرند اور حشرات الارض کے
اشکال ونقوش رنگین ہیں جو تقریباً ہر طلسم کے مقابل ثبت ومنقوش ہیں۔

کتاب کی تاریخی حیثیت

فتح عموریہ کے بعد خلیفہ معتصم باللہ ابواسحاق محمد
بن ہارون الرشید (المتوفی ۲۲۷ھ) کے حضور
میں خبر پہنچائی گئی۔ کہ مقام مذکور میں ایک دَیر ہے جس کی نسبت کہا جاتا ہے
کہ سکندر الیونانی کے شاگرد رشید طیوخوس شاہ یونان نے تاسیس وتحصین کی تھی۔
اور نیز بصورت فرمان دَیر مذکور کی خدمت وحفاظت کے لئے ایک جماعت
قائم کر کے رومۃ الکبریٰ میں کچھ جائدادیں وقف کردی تھیں۔ اور اس امر کا
پورا بندوبست کر دیا تھا کہ بیت الآثار (دَیر مذکور) کی طرف کوئی دستِ تصرف
نہ بڑھا سکے اور نہ فتح باب کر سکے۔ بدیں خیال کہ بیت الآثار میں انبیاء علیہم السلام
کے آیات نادرہ اور آثار ربانیہ محفوظ ہیں۔ مقررہ جماعت کمال حزم واحتیاط
سے کام لیتی رہی۔ واقعات سن کر خلیفہ ممدوح نے خدام دَیر سے فتح باب
اور قفل کشائی کی اجازت طلب کی۔ خدام نے صورتِ حال سے شاہ روم کو خبر
کی اور تا آنے فرمان والاشان سکوت اختیار کیا۔ تھوڑی مدت کے بعد

خلیفہ سے کرر یاد دہانی کی۔ اس بار مجاورین بیت نے جو عساکر سلطانی کی
تسلیط اور قیام سے تنگ آچکے تھے۔ خلیفہ سے درخواست کی کہ دین و مذہب
اور آیات و آثار کی حفاظت و احترام کا عہد واثق ہو تو بیت مطلوب حوالہ کر دیا جائے
عہد و میثاق کے بعد خلیفہ نے تحقیق و تفتیش کے لئے عبدالملک بن یحییٰ صاحب البرید
علی ابن احمد المنجم اور محمد بن خالد المہندس کو روانہ عموریہ کیا اور بیت کے
کنز مخفی کے تجسس اور اشیاء برآمدہ کی حفاظت و صیانت کی تاکید مزید کر دی تھی،
حسب ہدایت قفل کشائی کی گئی اور بیت الآثار میں داخلہ ہوا۔ مگر
کوئی ایسی چیز اس میں نہیں پائی گئی۔ شاہان روم و یونان کے قفلہائے
گراں اس پر آویزاں نہ ہوتے تو خیال کیا جا سکتا تھا کہ محافظ دستہ نے
مخزونۂ دیر کسی اور جگہ منتقل کر دیا ہوگا۔ بہرحال محمد بن خالد المہندس اس امر
پر غور کرتا ہوا کہ انطیوخوس دانشمند حکیم نے اس مقدس دیر کو لاحاصل اور
بے فائدہ قایم نہ کیا ہوگا۔ علم مساحت کے اصول و قواعد کے مطابق جانچ
پڑتال شروع کر دی۔ چنانچہ اس کو بہت جلد یہ پتہ چل گیا کہ عمارت کا
اسفل اعلیٰ حصہ سے زیادہ عریض ہے۔ بنیاد میں جو اہتمام خاص ملحوظ ہے
وہ اور حصوں میں نہیں پایا جاتا ہے۔ عرض دیوار ۱۲۰ ہاتھ ہے۔ نظر بران
مہندس موصوف نے قیاس کیا کہ اگر کنز مخفی کہیں ہو سکتا ہے۔ تو اسی عریض
حصہ میں ہو سکتا ہے۔ مہندس مذکور رفقائے کار کے ہمراہ اسی خیال کو لئے
ہوئے بارگاہ خلافت میں حاضر ہوتا ہے اور امر واقعہ سے اطلاع دے کر
انہدام دیوار کا مشورہ دیتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اگر انہدام دیوار کے بعد
بھی کچھ دستیاب نہ ہو سکا۔ تو انہدام لاحاصل اور بدنامی مزید براں اور نیز
شاہان اسلام کا یہ داب اور طور رہا ہے کہ کسی قوم کے مقدس آثار کو باہمی

کشاکش کے بغیر ہاتھ نہیں لگایا ہے۔ خصوصاً ایسا مقدس بیت جو آثار الانبیاء سے مشہور ہوچکا ہے۔ بدین خیال خلیفہ انہدام دیوار کا حکم نہیں دے سکا اور لوگوں کو اقدام سے باز رکھا۔

اس واقعہ کے چند ہی روز بعد خلیفہ برادر مرحوم مامون الرشید رحمۃ اللہ کو خواب میں دیکھتا ہے۔ کہ گویا کہہ رہا ہے معتصم! بیت الآثار کے انہدام دیوار اور بنیاد کنی میں مصلحت ہے۔ سکندر ذوالقرنین کا ذخیرہ اور ارسطو طلیس اور ہرمس الاکبر کا گرانمایہ علم اسی میں مدفون ہے۔ اور نیز میں تجھے خدائے کریم کے فضل و کرم اور اس فتح و غنیمت پر صد مبارکباد دیتا ہوں۔

معتصم باللہ رح خواب سے بیدار ہوتا ہے۔ معاً محمد بن خالد المہندس کو طلب کرتا ہے اور پُر زور حکم دیتا ہے کہ بیت الآثار کی دیوار اکھیڑ دی جائے چنانچہ مہندس مذکور چار سو کارکنوں کے ہمراہ بروقت عموریہ روانہ ہوجاتا ہے اور اسی روز عصر تک دیوار اکھیڑ دی جاتی ہے۔ اندرون دیوار کچھ نہ پاکر کارکن ہمت ہار بیٹھتے ہیں۔ اور مراجعت کا قصد کرتے ہیں۔ کہ خلیفہ کا فرمان پہنچتا ہے کہ دیوار کی بنیاد کھود دی جائے۔ چنانچہ بنیاد کنی کا کام پوری مستعدی سے شروع ہوتا ہے۔ صد شکر کہ خواب کی تعبیر اس صورت میں نمایاں ہوتی ہے۔ کہ بنیاد کی تہ سے ایک آہن پوش مسی صندوق برآمد ہوتا ہے۔ جس پر آہنی قفل لگا ہوتا ہے۔ صندوق برآمدہ پیشگاہ خلافت میں پہنچایا جاتا ہے۔ قفل توڑا اور صندوق کھولا جاتا ہے۔ جس سے طلائے احمر کا ایک مقفل صندوق برآمد ہوتا ہے اور کلید طلائی زنجیر طلائی کے واسطہ سے اس پر آویزاں ہوتی ہے اور نیز صندوق طلائی پر لغت یونانی میں ایک کتبہ کندہ پایا جاتا ہے۔ صندوق کھولا جاتا ہے جس سے اوراق طلائی بصورت کتاب برآمد ہوتے ہیں۔ پشت کتاب پر

ھذہٖ ذخیرۃ الاسکندر ذی القرنین مکتوب ہوتا ہے۔ اس کتاب طلائی کے اوراق صفحات سب طلاءِ احمر کے ہوتے ہیں۔ ورق کتاب کی ضخامت و دبازت نصف انگشت بتائی جاتی ہے۔ طول کتاب ایک گز اور عرض تین گز تک کہا جاتا ہے۔ اوراق کے ایک صفحہ بسیط پر نصف ضخامت میں عبارت کندہ ہوئی ہے اور دوسرا صفحہ سادہ۔ کتابت کی گہرائی ایک جَو تک بتائی جاتی ہے۔ یہ ۳۶۰ اوراق کا مجموعہ تھا اور ہر ورق پر بارہ سطریں مسطور تھیں۔ اور نیز کہا جاتا ہے کہ مضمون کتاب کے دو حصے تھے۔ ایک یونانی دوسرا رومی زبان میں۔ خلیفہ نے ناقلین اور مترجمین زمانہ کو طلب کرنے کا حکم دیا ؛

پشت کتاب پر کچھ اور عبارتیں بھی کندہ تھیں جن کا خلاصہ یہ تھا۔

یہ وہ ملکیت عزیز ہے۔ جس کے قابض و ضامن مالکان ارض اور شاہان ملک رہے ہیں۔ اب وہ وقت سعید آپہنچا ہے کہ پردۂ خفاء سے نکل کر منصۂ ظہور پر آجائے اور یہ ذخیرہ برگزیدہ نوع انسان حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے تعلیمات کا مجموعہ ہے۔ اسلئے ہرگز یہ مناسب نہیں سمجھا گیا کہ اس کی عظمت و شرافت کو اس طرح ضایع کیا جائے۔ کہ عوام جہلاء کے ہاتھوں کا کھلونا بنے۔ بدیں خیال اس کو محفوظ و مستحکم خزانہ میں امانۃً رکھ دیا جاتا ہے۔ کہ ضایع ہونے سے محفوظ رہے اور اس کتاب عزیز کی تدفین کے وقت افلاک کی وہ شکل مسعود ہے کہ کتاب عزیز کا حصول اور استخراج بسہولت ناممکن ہوگا۔ کتاب ہذا کنز مخفی سے نکل کر اس قدر شناس بادشاہ کے ہاتھوں میں پہنچے گی۔ جو حکمت دوست ہوگا اور سرّ الٰہ سمجھ کر دست اغیار سے محفوظ رکھنے میں کمال احتیاط ملحوظ رکھے گا۔ آخر الکلام میری جانب سے اس خوش نصیب بادشاہ کو صد واد اور مبارکباد ؛

اندرون کتاب لوح پر جو یونانی عبارت کندہ تھی مترجم یونانی نے اس کا ترجمہ
یوں کیا ہے کہ۔ انطیوخوس شاہ یونان تلمیذ رشید ملک الملوک اسکندر ذوالقرنین
الیونانی عرض رساں ہے۔ کہ ملک الملوک نے بندہ کو ہدایت اور تاکید فرمادی تھی
کہ ذخیرہ ہذا کو اس صورت سے محفوظ رکھا جائے کہ اغیار کے دسترس سے بالاتر ہو۔ بے شبہ
اس میں وہ ابواب حکمت ہیں کہ ملک الملوک نے ناپسند فرمایا تھا کہ اہل زمانہ اس پر اطلاع
پاسکیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ دنیا میں حکمت سے بڑھ کر کوئی جوہر قیمتی اور شئے نفیس نہیں ہے
اسلئے حسب ہدایت والا بجنسہٖ اس کو صندوق ہذا میں ودیعت رکھتا ہے ؛

جس باہمت شخص کو یہ شئے عزیز ہاتھ لگے۔ ان ہدایتوں سے باخبر رہے۔
اس کتاب پر حکمت کے مضامین دو حصوں میں منقسم تھے۔ حصۂ اول یونانی اور
حصہ ثانی رومی زبان میں تھا۔ مترجم یونانی کو یونانی۔ مترجم رومی کو رومی زبان کا
حصہ سپرد کیا گیا۔ ہر دو نے سلیس عربی زبان میں ترجمہ کئے۔ زاں بعد
حزم و احتیاط کے ساتھ دونوں کا مقابلہ کیا گیا۔ جب ہر دو مترجمین نے معانی
و مطالب پر متفقہ طور پر اظہار اطمینان کیا تو ناقلین و مترجمین کو شاہانہ انعام
واکرام سے سرفراز کیا گیا۔ اور اسی سلسلہ میں محمد ابن خالد المہندس کے اعزاز
میں اضافہ ہوا اور مواہب سلطانی سے خاص طور پر سرفراز کیا گیا۔ اور نیز خلیفہ
نے مہندس مذکور ہی کو مقدمۃ الکتاب کے تحریر کرنے پر مامور فرما کر مزید
سرفرازی بخشی ؛

حافظ سید عبدالرؤف ندوی

تبصرہ و تنقید

سلسلہ مطبوعات ادارۂ ادبیات اُردو حیدر آباد

(۱) **خطابیات** :- یہ ادارۂ ادبیات اُردو حیدر آباد کا شمارہ (۱۷) ہے سلسلہ خطابیات کی ایک کتاب پہلے شایع ہو چکی ہے۔ یہ پیش نظر رسالہ رحیم الدین صاحب کمال ظہیر آبادی کا لکھا ہوا ہے۔ اس میں نواب بہادر یار جنگ کا دیباچہ ہے۔ اس کے بعد تقریر کا ارتقا، اثر پذیری، مقرر کی قائدانہ خصوصیات مباحثہ، مختلف تقریروں کے نمونے دیئے گئے ہیں۔ اس کے بعد اُردو کے بہترین مقررین مثلاً سر سید نواب محسن الملک، ڈاکٹر نذیر احمد، مولوی عزیز مرزا۔ مولانا محمد علی۔ مولانا ابو الکلام، سید عطاء اللہ شاہ بخاری وغیرہ کی مقررانہ خوبیوں پر اظہار رائے کیا ہے۔ یہ مختصر رسالہ ابتدائی معلومات کے لحاظ سے اچھا ہے لیکن اس بارے میں مفصل اور ضخیم کتاب کی ضرورت ہے۔ قیمت ۸ر

(۲) **بلقان** :- یہ بھی ادارہ ادبیات کا شمارہ (۱۷) ہے۔ اس میں جناب حفیظ صدیقی صاحب نے بلقان کی سیاسی اہمیت اور اس کے دوسرے پہلوؤں پر نہایت مختصر انداز میں بحث کی ہے۔ یہ رسالہ بھی بے حد مختصر اور تشنہ ہے۔ بیشک یہ عام معلومات کی کتابوں کا سلسلہ ہے لیکن اس نوعیت کی کتابیں مفصل بھی ہو سکتی ہیں باایں ہمہ ابتدائی واقفیت کے لئے خوب ہے۔ قیمت ۳ر

(۳) **ادبی تأثرات** :- مرتبہ مرزا قدرت اللہ بیگ ایم۔ اے۔ اس کتابچہ میں ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور کے چند مختصر مقدمے اور تبصرے ہیں۔ جو انہوں نے مختلف موقعوں پر سپرد قلم کئے۔ اس مجموعہ کو دیکھ کر پھر یہ خیال پیدا ہوا۔ کہ حیدر آباد میں

بہت سے کام ایسے ہو رہے ہیں۔ جن کی اشاعت کی آسانیاں ہی ان کی اشاعت کے لئے وجہ جواز پیدا کرتی ہیں۔ ورنہ اس سے بہتر طریق پر ادب کی خدمت کی جا سکتی ہے۔ یہ مقدمے اور تبصرے اپنی جگہ بیحد اہم سہی لیکن یہ ہیں اتنے مختصر کہ ان سے زیر بحث کتابوں پر کوئی خاص روشنی نہیں پڑتی۔ یا پھر ایسی کتابوں کے تبصرے ہیں جو غیر اہم ہیں۔ باوجود اسکے یہ بات مغتنم ہے کہ حیدرآباد میں کچھ کام تو ہو رہا ہے اور اردو کتابوں کی فہرست میں کچھ اضافے تو ہو رہے ہیں۔ جن لوگوں کو یہ جاننے کا شوق ہے کہ گذشتہ چند برسوں میں کون کون سی کتابیں شایع ہوئی ہیں اور اُن پر ڈاکٹر زور صاحب نے کیا تبصرے لکھے ہیں۔ ان کے لئے اس کا مطالعہ مفید ہے۔ قیمت ۱۲؍

ہندستانی ادب - یہ رسالہ حیدرآباد سے شایع ہوتا ہے۔ ایڈیٹر غلام محمد خاں ایم اے (عثمانیہ) ہیں۔ ہمارے سامنے جولائی ۱۹۴۱ء (شہریور ۱۳۵۰ف) کا پرچہ ہے اس میں بعض لائق ذکر مضمون یہ ہیں۔ فارسی زبان کا اثر دکن میں، اُردو کے ظریف شاعر، رہبر قوم کا حال، ابو الحسن تاناشاہ کی تخت نشینی وغیرہ، مضامین کا معیار اچھا خاصا ہے اُمید ہے کہ اردو ادب کا خدمتگذار ثابت ہوگا چندہ سالانہ ۴ روپے،

انوار - علی اختر صاحب حیدرآبادی کی غزلیات اور رباعیات کا مجموعہ۔ حجم ۱۶۸ صفحات۔ کتابت، طباعت عمدہ قیمت ۱۲؍۔ ملنے کا پتہ۔ سب رس کتاب گھر۔ رفعت منزل۔ خیریت آباد۔ حیدرآباد (دکن)،

علی اختر صاحب اُردو کی دنیا سے ادب میں ایک اچھے ناظم کی حیثیت سے مشہور ہیں اور ان کا کلام ہمایوں (لاہور)، نگار (لکھنؤ) اور اردو کے کئی دیگر مؤقر جرائد میں شائع ہو کر ملک کے اہل ذوق لوگوں سے خراج تحسین وصول کر چکا ہے لیکن بہت کم آدمیوں کو معلوم ہے کہ علی اختر غزلیں بھی کہتے رہے ہیں ارکان ادبیات اُردو (دکن) قابل مبارکباد ہیں کہ ان کی کوشش سے حضرت اختر کی ۱۹۱۴ء سے لیکر ۱۹۲۰ء تک کی کہی ہوئی غزلیں "انوار" کی صورت میں دنیا کے سامنے پیش ہوئیں۔ یہ غزلیں اختر صاحب نے بقول اپنے "کبھی کبھی زندگی کی سنجیدگی سے اکتا کر یا پھر مشاعروں میں تفریح کیلئے کہی تھیں اور یہ غزلیں یادگار ہیں اس زمانے کی جبکہ وہ زندگی کی تلخیوں سے نا آشنا تھے۔ لہٰذا اختر صاحب کے خاص انداز بیان کی دلکشی کے باوجود ان میں پُرسوز تغزل کی کچھ کمی ہے۔ تاہم ان شگفتہ اور دلکش غزلوں کا ادبی رتبہ بہت بلند ہے۔ کیونکہ

سلاست زبان، اسلوب بیان کی سادگی اور غزلوں میں خیالات کا تسلسل اُن اشعار کا خاصہ ہے جو اس مجموعے میں شامل کئے گئے ہیں۔

(ڈاکٹر محمد باقر)

میر محمد مومن۔ یہ کتاب سلسلۂ مطبوعات ادارۂ ادبیات کا شمارہ ۳۲ ہے۔ جیسا کہ اسکے نام سے ظاہر ہے سلطنت قطب شاہیہ کے پیشوا اور سلطان محمد قلی قطب شاہ کے وزیر اعظم میر محمد مومن استرآبادی کی زندگی کے حالات ہیں جنکو ڈاکٹر محی الدین صاحب قادری زور نے ترتیب دیا ہے۔ اور اس لحاظ سے ڈاکٹر صاحب مستحق شکریہ ہیں کہ انہوں نے قطب شاہی عہد کے ایک باکمال وزیر اور عالم کو اردو دانوں سے روشناس کیا۔ دنیائے اسلام کی سیرتیں اس لائق ہیں کہ یکجا مرتب کرکے ایک سلسلے میں شایع ہوں تاکہ مسلمانوں کی شاندار تاریخ کا یہ باب بھی مفصل و مشرح طور پر دنیا کے سامنے آجائے۔ شیخ ابوالفضل علامی، خواجہ محمود گاوان، نظام الملک طوسی، صاحب اسمٰعیل بن عباد، خواجہ احمد بن حسن میمندی اور اس طرح کے بیسیوں اکابر وزرا کی سیرتیں عربی فارسی کتابوں کے اوراق میں مدفون ہیں اور فارسیت اور عربیت کے ذوق کے عام انحطاط کی وجہ سے اُردو دان دنیا کی نظروں سے اوجھل ہیں۔ موجودہ کتاب اس ضرورت کو پورا کرنے کی طرف قدم اول کا درجہ رکھتی ہے ؛

کتاب میں ۹ حصے، ایک دیباچہ اور چند ضمیمے ہیں۔ حصہ اول میں ابتدائی حالات، حصہ دوم میں "پیشوائی محمد قلی قطب شاہ"، حصہ سوم میں "دیہات اور جاگیرات"، حصہ چہارم میں "پیشوائی محمد قطب شاہ"، حصہ پنجم میں خانگی زندگی، حصہ ششم میں تصنیف و تالیف، حصہ ہفتم میں تصرفات، حصہ ہشتم میں "پس ماندگان"، حصہ نہم میں "دائرہ میر مومن"۔ حصہ دہم میں ضمیمے ہیں۔ شروع میں "مندرجات" اور نقشوں کی فہرست ہے۔ اور آخر میں اشارات (یا انڈکس) ہے۔ کتاب میں عمارتوں کے نقشے اور بعض فرامین و تحریرات کے عکس بھی ہیں ؛

ڈاکٹر صاحب نے اس کتاب میں میر صاحب کی زندگی کی تمام جزئیات کو یکجا جمع کر دیا ہے۔ یوں تو ساری کتاب پُر از معلومات ہے۔ لیکن "پیشوائی" کے عہدے کی تفاصیل (ص۳۳ وبعد)، شہر حیدرآباد کی تعمیر (ص۴۶)، سلطان محمد قطب شاہ اور صفویوں کے تعلقات (ص۱۰۱ وبعد)، ایرانیت کی تبلیغ ص۱۱۳ میر صاحب کے رسالہ مقداریہ کی تفصیل (ص۱۹۸)، میر صاحب کے شاگردوں کے حالات۔ مثلاً علامہ ابن خاتون کی فضیلت وغیرہ (ص۱۲۸) بہت دلچسپ اور مفید حصے ہیں ؛

راقم کو بہرحال ڈاکٹر صاحب کی تفصیل پسندی سے ایک شکایت بھی ہے اور وہ یہ کہ انہوں نے

میر صاحب کے تصرفات اور تسخیر اجنہ کے واقعات (ص۲۲۷ تا ص۲۴۶) کو بے ضرورت تفصیل دی ہے۔ اور مصیبت یہ ہے کہ گلزار آصفی کے شک و تردد کے باوجود ڈاکٹر صاحب ان قصوں کو بیان کرتے جارہے ہیں سوانح نگاری میں "انتخاب مواد" کا اصول نہایت ضروری اور بنیادی ہے اس میں بے ضرورت اطناب اور توسیع مضمون کتاب کی اہمیت کو کم کر دیتا ہے ؛

ڈاکٹر صاحب کی اس کتاب میں اُردو کے بعض الفاظ نظر سے گذرے ہیں جو ہمارے لئے نئے ہیں۔ مثلاً ص۱۲ س ۲ "ہر ممکنہ ذریعے سے حاصل کر کے ....." صرف "ممکن ذریعے" کافی تھا۔ اسی صفحہ پر س۱۳ میں ایک لفظ "بین قومی اتحاد" آتا ہے، غالباً اس سے مراد "بین الاقوامی" ہے۔ ص۲۴ س ۵ "آخر کار میر صاحب خود ان مخالفتوں کے باعث ایران سے دل برخواستہ ہو گئے"، اعتراض 'دل برخواستہ' پر ہے۔ شاید اس سے مطلب 'دل برداشتہ' ہے۔ یہی لفظ ص۱۱۱ س۸ پر یوں دہرایا گیا ہے۔" ان کو بالکل برخواستہ خاطر کر دیا" یہاں بھی مراد 'دل برداشتہ' ہے۔ ص۳۵ (س۳) پر 'دعوہ دار' لکھا ہے۔ شاید کاتب کی غلطی ہے 'دعوے دار' ہونا چاہیئے ص۶۱ (س۴) پر ایک عبارت آتی ہے کہ ..... پہلا علم ..... بنایا۔ اور گولکنڈہ کے شاہی عاشور خانہ میں استاد کیا۔ 'ایستادہ کیا' شاید بہتر ہوتا۔ اسی صفحے پر ایک آیت ہے" و بشروالمومنین نصر من اللہ و فتح قریب ....." صحیح آیت 'بشرالمومنین' ہے۔ ص۱۲۰ پر سمت کی جمع 'اسمات' دی ہے۔ ص۱۶۰ پر 'مشائخین' اور ص۱۸۱ پر ماخذ کی جمع 'ماخذات' دی ہے یہ نئے الفاظ دیکھ کر تعجب اور افسوس ہوتا ہے۔ کیونکہ اس سے صحیح فارسیت اور عربیت کے انحطاط کا پتہ چلتا ہے۔ ہمیں اُمید ہے کہ آئندہ ایڈیشن میں اس قسم کے الفاظ کی تصحیح ضرور کر لی جائیگی ؛

جیسا کہ شروع میں بیان کیا جاچکا ہے اس کتاب نے وزرائے دکن کی زندگیوں کے سلسلے میں ایک گمشدہ ورق کی کمی پوری کی ہے۔ اس کتاب میں بہت سی تفاصیل ایسی ہیں جو بہت دلچسپ اور مفید ہیں۔ اُردو میں اس قسم کی کتابوں کی ضرورت ہے۔ ڈاکٹر صاحب ہمیشہ ذخیرۂ اُردو کو اپنی کوششوں سے مالا مال کرنے میں مصروف رہتے ہیں ۔ طباعت نہایت عمدہ ہے اور کاغذ نفیس استعمال ہوا ہے۔ پوری پوری توقع ہے کہ ملک اس سلسلے کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے اس کا ثبوت موجودہ کتاب کی قدردانی سے دیگا (صفحے ۲۱۶۔ سلسلہ مطبوعات ادبیات اُردو شمارہ ۲۲ مقام اشاعت حیدرآباد۔ ملنے کا پتہ سب رس کتاب گھر خیرت آباد حیدرآباد دکن قیمت ۲ روپے ۸ آنے)

(ع)

فارسی شاعری میں گُل وگلزار کی حقیقت

یک ذرّۂ زمیں نہیں بیکار باغ کا
یاں جادہ بھی فتیلہ ہے لالے کے داغ کا (غالب)

(۱)

فارسی شاعری میں (اور اس کے تتبع میں اُردو شاعری میں بھی) گل وبلبل[1] کو جو اہمیت حاصل ہے۔ اس کی تعبیر و توجیہ میں مختلف قسم کے خیالات کا اظہار کیا جاتا ہے۔ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے۔ کہ فارسی شاعری محض شمع و پروانہ، گل وبلبل اور سرو و قمری کی داستان معاشقہ تک منحصر ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ابتدا سے لے کر اس وقت تک گل و گلزار کے مضامین اس کثرت کے ساتھ ہماری شاعری پر چھائے ہوئے ہیں کہ بادی النظر میں مندرجہ بالا اعتراض کچھ غلط بھی معلوم نہیں ہوتا۔ غزل سے لے کر قصیدہ اور مثنوی بلکہ ٹھوس علمی مضامین تک "سلطانِ گل" کی فرمانروائی نظر آتی ہے۔ اور قلمرو باغ کی وسعتیں کچھ اس طرح پھیلی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ کہ مذہب، تصوّف، سیاست، ریاضی اور ہندسہ تک اس کا اثر محسوس ہوتا ہے ؎

زلفِ بتِ من ہزار و سی صد شکن است در ہر شکنے ہزار و سی صد وطن است
در ہر وطنے ہزار و سی صد چمن است در ہر چمنے ہزار و سی صد چو من است

اس چوبیتی میں حساب کا ایک سوال ہے اور مقصود حاصل ضرب دریافت کرانا ہے

[1] اس مضمون میں گل و گلزار کی بحث ہے۔ آئندہ فرصت میں 'بلبل' کا تذکرہ کیا جائے گا۔ انشاء اللہ،

لیکن اس دماغ سوزی کے عالم میں بھی شاعر نے اپنے وطن یعنی ۔ چمن کو فراموش نہیں کیا ۔

ایرانی ادب کا اہم سوال

زندگی کے واقعات اور مظاہر ماحول سے وابستہ ہوتے ہیں۔ خواہ ان کا طریقۂ اظہار تصریحی اور توضیحی ہو یا ایمائی واجمالی، ماحول کی ترجمانی ہر صورت میں ضروری ہے۔ اس نظریہ کی روشنی میں قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایرانی فطرت نے اپنے اظہار اور مافی الضمیر کی ترجمانی کے لئے آخر گل و بلبل کو کیوں ذریعہ بنایا؟ وہ کون سے اسباب تھے۔ کہ اسلامی سوسائٹی نے یک قلم عرب کے نخلستانوں کی گھنی چھاؤں، ببولوں کے کانٹوں، "عرار نجد" کی خوشبوؤں اور ناقہ ہای صبا رفتار کی تعریفوں کو چھوڑ کر بوستان وچمن، لالہ وگل اور نرگس وسوسن کی وصف نگاری شروع کر دی، دنیا میں واقعات اسباب کے تابع ہوتے ہیں اور ظاہر ہے کہ اس عظیم الشان واقعہ کے بھی کچھ مادی اسباب ہوں گے۔ جن کی جستجو ذہنِ انسانی کی رنگا رنگیوں سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے ازبس ضروری ہے ۔

مضامین گل کی کثرت

آج کے مقالہ میں، عاجزانہ طور پر، یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ کہ گل وبلبل کا تذکرہ باوجود ملال انگیز کثرت وتکرار کے محض بے کار چیز نہیں۔ بلکہ ایرانی زندگی کے بعض اہم پہلوؤں کی ترجمانی کرتا ہے۔ شاعری میرے نزدیک، زندگی سے منقطع نہیں ہو سکتی۔ ایرانی شاعری بھی حد درجہ ایمائی ہونے کے باوجود زندگی سے وابستہ ہے۔ اس کے سمجھنے کے لئے ہمیں مجموعی ایرانی سپرٹ اور تصور کا تجزیہ کرنا چاہیئے اور یہ سمجھنا چاہیئے کہ ایرانی ذوق جمال اور احساس حسن نے اپنے اظہار وتعبیر کے لئے "گل" کو کیوں مخصوص کر لیا۔ اس کا اندازہ لگانے کیلئے

ہمیں ادب سے نکل کر سارے ایرانی فنون لطیفہ (مصوری، تعمیر وغیرہ) پر بھی ناقدانہ نظر ڈالنی ہوگی ؛

بہاریہ مضامین کے متعلق اہم مسائل

ایک بہت بڑا سوال جس کا جواب دینا ضروری ہے یہ ہے۔ کہ ایرانی شاعری میں سبزہ وگل کی تعریف و توصیف واقعی ملک کی طبعی حالت اور آب وہوا سے مطابقت رکھتی ہے جیسا کہ مولانا شبلی نے خیال ظاہر کیا ہے یا شاعروں نے بہت حد تک اپنی تخیل سے اپنے چمن کلام کے پھولوں کو آب و رنگ بخشا ہے ؟ اسی طرح یہ بھی دیکھنا ہوگا۔ کہ ہماری بہاریہ یا منظریہ شاعری کا کتنا حصہ قدرتی حسن کہسار اور مناظر سے تعلق رکھتا ہے اور کتنا ان باغات اور چمنستانوں سے جو شہروں اور قصبوں میں انسانی ہاتھوں سے بنائے اور سجائے گئے ؛

انگریزی شاعری میں پھول

انگریزی زبان میں[1] مختلف شعراء کے گل اشجار کے متعلق کتابیں ملتی ہیں۔ لیکن افسوس کہ فارسی شعراء کے ضمن میں یہ مطالعہ شاید ابھی تک نہیں ہوا۔ شکسپیئر کے پھول " ورڈزورتھ کے پھول " " ادب میں جنگلی پھول " کی طرح کے موضوعوں پر عمدہ مقالے اور کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ فارسی شاعری میں جن پھولوں کا ذکر آتا ہے ان کا حیاتیاتی اور نباتاتی مطالعہ ایران کے قدیم علم نباتات میں بہت سے اضافہ کا باعث ہوگا۔ مولانا آزاد[2] نے (سخندان پارس میں) ادب سے تمدن اور معاشرت کی تاریخ مرتب کرنے کے لئے جو اصول وضع کئے ہیں۔ وہ بذات خود بہت مفید اور دلچسپ ہیں

---

[1] V. Rendell کی کتاب Wild flowers in literature اور Walter de la mare کا مضمون Flowers in Poetry ؛

[2] سخندان پارس۔ چھٹا اور ساتواں لیکچر ؛

لیکن موضوع کی وسعت کے اعتبار سے ناکافی ہیں۔ پھول کا نباتاتی مطالعہ اس سے بہتر طریق پر ہونا چاہیئے۔ انگریزی شاعری میں پھول کی لطافت اور دلکشی کا بہت سے دلاویز پیرایوں میں ذکر آیا ہے۔ مشہور شاعر Keats چمنستان کا ذکر کرتے ہوئے انکے مناظر کو قدرتی درس حیات قرار دیتا ہے۔

— An eternal book

Whence I may copy many a lovely saying

About the leaves and flowers—.

جارج ہربرٹ گلاب کے متعلق یوں فرماتے ہیں[۱]:۔

A rose, besides his beauty, is a cure.

کالرج عروس گل کی یوں مدح سرائی کرتے ہیں:۔

Flowers are lovely and love is flower-like.

ایرانی مثالیت (Symbolism)

انگریزی شاعروں نے جس جس رنگ میں حسن گل کا نقشہ کھینچا ہے۔ اس کے لئے ناظرین کرام ان شعراء کے دواوین کا مطالعہ فرمائیں۔ یہاں ہم اس سے قطع نظر کرتے ہوئے صرف ایرانیوں کا ذکر کریں گے۔ جن کے ہاں پھول تمام تخیل کا مواد فراہم کرتا ہے۔ دنیا میں ہر قوم حسن و جمال کے احساس کے مجموعی اظہار کے لئے ایک Symbol (مثال) مقرر کر لیتی ہے۔ ایرانیوں کے ہاں یہ مظہر "گل"[۲] ہے مثالیت (Symbolism[۳]) کا منشا یہ ہے۔ کہ "کسی شئے خاص کو ذہن میں

---

۱. Stuart: Gardens & Rendell – Wild flowers in Literature. p 5

۲. Whitehead. Symbolism. Its meaning and Effect, p. 94

۳. Symbolism کا ترجمہ مثالیت کیا ہے لیکن اگر کوئی صاحب مجھے بہتر اصطلاح بتائینگے تو ممنون ہونگا۔ of the Mughals, p. 2.

اس صورت سے منتقش کیا جائے۔ کہ وہ خود آنکھوں کے سامنے نہ ہو لیکن کسی اور چیز کے ساتھ اس کے تشابہ و تجانس کے ذریعے وہ نقش مطلوب ذہن میں پیدا ہو جائے"۔ اس غرض کے لئے مختلف اقوام نے مختلف اشیا سے کام لیا ہے۔ مثلاً مور ابدیت کا مظہر ہے۔ عنقا حشر و نشر کی نمایندگی کرتا ہے۔ اور افعی ابلیس کا قائم مقام ہے۔ ہندوستانیوں کے ہاں کنول، پپیہا۔ مور۔ چکور اور انگریزوں کے ہاں راج ہنس (Swan) چنڈول (Lark) اور کنول (Lotus) وغیرہ کو وہی اہمیت حاصل ہے۔ جو ایرانی شاعری میں گل و بلبل، شمع و پروانہ، سرو اور قمری کو حاصل ہے۔

غرض ایرانی ذہن اور احساسِ جمال نے گل کو حسن کا مظہر اتم قرار دیا ہے اور اسی مناسبت سے باغ اور گلزار کو جو گلہائے رنگا رنگ کا منبت اور گھر ہے ایرانی تصور میں حسن کا "مظہر اتم" خیال کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایرانی شاعر "باغ" کو ساری زندگی کا ایک مصغر (Miniature) قرار دیتا ہے۔ جو بقعۂ حسن ہونے کی وجہ سے عشق کے تمام سوز و گداز اور شوق کی تمام ہنگامہ آفرینیوں کا مرکز ہے۔ جہاں خوبانِ گل پر سینہ چاک بلبل جان نثار کرتے ہیں۔ جہاں آفرینش کا سارا رازِ زبانِ خاموشی سے حل ہوتا ہے۔ جہاں حیاتِ انسانی کی چیستان سرو و فاختہ کی کہانی سے بیان ہوتی ہے۔

باغ یا نمونۂ کائنات

اسی سبب سے ایرانی شاعر باغ کی تعریف میں اپنی پوری قوتِ بیان صرف کرتا ہے۔ کبھی اس کو عروس قرار دیتا ہے۔ مثلاً ظہیر فاریابی ؎

عروسِ باغ گر جلوه می کند امروز　　که باد غالیه ساے است و ابر لؤلؤ بار

منوچہری جب باغ میں جاتا ہے تو اس کے رنگا رنگ پھولوں کو دیکھ کر اس درجہ

متاثر ہوتا ہے۔ کہ باغ کو کسی بزّاز کی دکان سے تشبیہ دیتا ہے۔ جہاں مختلف الالوان کپڑے اپنی رنگینی سے آنکھوں کو خیرہ کر دیتے ہیں ع

بوستان آراستہ چون کلبۂ تاجر شود

شاعر جب درختوں کی ٹہنیوں کو جھکا ہوا دیکھتا ہے۔ تو اُس کو صحن مسجد یاد آ جاتا ہے جہاں نمازی صف بستہ رکوع کی حالت اختیار کئے ہوئے ہیں۔ پس بوستان کو مسجد سے تشبیہ دیتا ہے۔ جس میں فاختہ مؤذن کے فرائض انجام دیتی ہے۔ منوچہری ؎

بوستان چون مسجد و شاخِ درختان در رکوع　　فاختہ چون موذن و آوازِ او بانگِ نماز

ایرانی شاعری میں باغ کو بہشت سے اس کثرت کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ کہ یہ قیاس کرنا شاید کچھ غلط نہ ہوگا۔ کہ ایرانی باغ کا تصوّر بہت حد تک قرآن مجید کے تصوّرِ بہشت کے مطابق ہے۔ جس سے باغ کی تعمیر اور اس کی ہیئت کے متعلق بہت کچھ کسبِ فیض کیا گیا ہے[1]۔ کبھی کبھی ہمارے شاعر باغ کو آسمان سے اور آسمان کو باغ[2] سے تشبیہ دیتے ہیں۔ جس میں پھولوں کو ستاروں اور ستاروں کو پھولوں سے تشبیہ دی جاتی ہے[3]۔ اگر ان تشبیہات و کنایات کا اندازہ لگانا ہو۔ جو باغ وغیرہ کے سلسلے میں پیدا ہوئی ہیں۔ تو اس کے لیئے بوستان، چمن، گلستان، گلزار وغیرہ کے الفاظ کا ادب میں مطالعہ کرنا چاہیئے۔

یہ بات ظاہر ہے۔ کہ باغ شاہد گل کا مقام و مسکن ہے۔ وہ جس تعریف کا مستحق ہے۔ اس سے کہیں زیادہ خود شاہدِ گل تعریف و توصیف کی حقدار ہے

---

[1] Stuart, Gardens of the Mughals P. 5 and 6 : p. 86 ۔ لیکن یہ تصوّر دیگر آسمانی کتابوں میں بھی ہے۔ مثلاً انجیل میں۔　[2] بوستان گل نما کنایہ ہے آسمان سے۔

پھُول کی اس سے زیادہ کیا خوش قسمتی ہوگی۔ کہ خود معشوق کو اس سے تشبیہ دی گئی ہے۔ علم بیان میں مشبہ بہ وجہ شبہ میں مشبہ سے زیادہ قوی ہوتا ہے اس لحاظ سے معشوق میں جو حُسن و لطافت ہے۔ اس سے کہیں زیادہ پھُول میں مانی گئی ہے۔ تاہم ایرانی شاعر گُل اور محبوب کے توازن اور تقابل میں کبھی اِدھر اور کبھی اُدھر جُھکتا ہے اور دونوں میں کوئی تفاوت نہیں سمجھتا۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ گل کو دیکھتا ہے اور اس سے خوش ہوتا ہے۔ کہ وہ محبوب کی کسی ایک صفت کا حامل ہے۔ ع

اے گل بتو خورسندم تو بوئے کسے داری

یا بقول نظیری:۔ بوسے یارِ من ازیں سست وفامی آید
گلم از دست بگیرید کہ از کار شدم

یا بقول غالب ؎ عارضِ گل دیکھ روئے یار یاد آیا اسدؔ
جوششِ فصلِ بہاری اشتیاق انگیز ہے

لیکن بیشتر ایسا ہوتا ہے۔ کہ شاعر خود گُل ہی کو محبُوب سمجھتا ہے اور اس کی فراوانیِ حُسن سے اس درجہ سرشار ہو جاتا ہے۔ کہ تشبیہ کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ مثلاً غالب ؎

وُہ گُل جس گلستاں میں جلوہ فرمائی کرے غالبؔ
چٹکنا غنچۂ دِل کا صدائے خندۂ دِل ہے

یا بقول حافظ:۔

غرورِ حسن اجازت مگر نداد اے گُل کہ پرسشے نکنی عندلیبِ شیدارا

یارب آں نوگل خنداں کہ سپردی بمنش درامان وار غدا یا ز حسود چمنش

گُل کی تشبیہات و صفات

گُل کی اہمیت کا اندازہ ان ہزاروں تشبیہوں سے ہو سکتا ہے یا استعارات و کنایات سے جو گُل سے متعلق فارسی ادب اور شاعری میں ملتی ہیں - ان میں سے بعض لطیف تشبیہات یہاں درج کی جاتی ہیں - مثلاً ساغرِ گل - سبوئے گل - پیمانہ گل - گوشِ گل - جامِ گل - قدحِ گل - پیکانِ گل، خنجرِ گل - صفحۂ گل، مصحفِ گل، سبدِ گل

گُل کی تشبیہات ہر قسم کی ہیں - مثلاً باعتبارِ رنگ، باعتبارِ شکل، باعتبار خوشبو، باعتبار لطافت و نزاکت یا باعتبار خواص وغیرہ - ان میں ایرانی شاعر نے جو خوشنما رنگ بھرے ہیں - اُن سے اُن کے ذوقِ جمال کی تحسین کے بغیر چارہ نہیں۔

گُل کے دُوسرے معانی

گُل کے تصوّر کا ایرانی دماغ پر اس درجہ تسلّط ہے - کہ اس سے بے شمار محاورات اور معانی ظہور میں آئے ہیں - مثلاً گُل بمعنی فائدہ و نتیجہ - عرفی ؎

گلۂ نیامد ہا گلِ وعدہ است ورنہ　　　ہمین خوش است عرفی کہ تو نامہ میفرستی

نیز گُل بمعنی داغ - وحشی ؏

صد گل تازہ شگفت است ز گلزار رخش

نیز گُل مجازاً بمعنی تمنّا - عرفی ؎

ز ہر گلے کہ ہوائے دلم نقاب کشاد　　　فلک بگلشن حسرت نوشت و رفت بباد

نیز گُل بمعنی خیال مجازاً - عرفی ؎

ہر گلے کز باغ طبعم بشگفد　　　بر سر غلمان و رضوان می زنم

اسی طرح گُل بمعنی بدولت و بہتر و خوب بھی آتا ہے - گُل در آغوش ریختن - گل در جیب ریختن - گل در کنار کردن - گل راست کردن، گل زدن، گل شگفتن، گل فرستادن بکسے، گل افشان کردن وغیرہ وغیرہ محاورات بھی استیلائے گل کا پتہ

دیتے ہیں۔ فیضی نے نل دمن میں نل کے عشق کی جو روداد بیان کی ہے۔ اس میں سراسر تشبیہات گل سے کام لیا ہے (ص ۶۹) اس کا آغاز یوں ہوتا ہے ؎

بادِ سحری بشاخ سنبل — زین گونہ بنفشہ ریخت بر گل

ایران کے بہت سے تیوہاروں کا پھولوں سے تعلق ہے۔ مثلاً گل کوبی کی رسم، گل افشاں اور عیدِ نوروز جو آمد بہار کا اعلان کرتی ہے۔

فنونِ لطیفہ میں پھول بوٹے

شاعری کے علاوہ ایرانی فنون لطیفہ بھی اس اثر سے خالی نہیں نظر آتے۔ چونکہ اسلام میں تصویر کشی کی حوصلہ افزائی نہیں کی گئی۔ اس لئے ایرانی ذوق جمال نے اپنے اظہار کے لئے نباتات اور گل و سبزہ سے مواد حاصل کیا ہے[1]۔ جب مسلمانوں میں کتاب کی آرائش کا ذوق ترقی پذیر ہوا۔ تو شروع شروع میں اقلیدسی اشکال کی ڈرائنگ سے نقش و نگار کا رواج ہوا۔ لیکن رفتہ رفتہ ایران اور ترکستان میں آرائش کتاب ایک معین صنعت بن گئی۔ جس میں پھول اور بوٹوں کے ذریعے نقش و نگار کے فن کو انتہائی فروغ حاصل ہوا[2]۔ اسی طرح جلد سازی، قالین بافی اور تعمیرات میں نقاشوں نے گل و سبزہ اور نباتات کی تصویر کشی سے ذوقِ مصوری کو تسکین دی۔

ایرانیوں کا یہ شغف پھول کے متعلق اُس وقت ہی نہ تھا۔ جب کہ شیخ سعدی نے اپنی زندہ جاوید گلستان اور بوستان کو گل و گلزار سے منسوب کیا تھا۔ بلکہ سائیکس[3] کے بقول آج بھی ہر ایرانی پھول کا ویسا ہی دلدادہ ہے

---

[1] Stuart: Gardens. p. 9 — [2] Sarre —

[3] Sykes — Islamic Book-binding. p.p. 12, 20

Persia and its people. p.p. 222, 223.

اور صحن باغ اور طرفِ چمن کا اسی طرح شیفتہ و شیدا ہے۔ جس طرح زندگی کے لئے صاف ہوا، خوشگوار پانی اور لطیف طعام کی ضرورت لابدی ہے۔ اسی طرح ہر ایرانی کے نزدیک گلزار اور باغ بھی لوازمِ حیات میں سے ہیں[1]

فارسی شاعری کے پھول

گل و گلزار کی اہمیت کے اسباب بیان کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہم سرسری طور پر ان پھولوں کا ذکر کریں[2]۔ جن کا ذکر فارسی شاعری میں بکثرت آتا ہے۔ ان پھولوں کی نباتاتی بحث کے متعلق راقم الحروف کو اعتراف ہے۔ کہ کافی تحقیق نہیں ہو سکی۔ اسی وجہ سے یہ حصہ بہت حد تک تشنہ سا معلوم ہوگا۔ لیکن علم نباتات کی مشکلات اور فن باغبانی کی علمی (سائنٹیفک) حیثیت بذات خود میرے لئے کافی عذر خواہ ہیں۔ اس حد تک مجھے تسلی ہے۔ کہ فارسی ادب اور شاعری ایران کے مختلف پھولوں اور پودوں، ان کے خواص و کیفیات، ان کی انواع و اقسام، ان کے رنگ اور شکلوں، غرض ان کے جملہ حالات و کوائف کو سمجھنے میں بے حد ممد و معاون ہو سکتی ہے۔ اکابر شعرا کے ہاں ان پھولوں کو حقیقی اور واقعی اہمیت حاصل تھی۔ متأخرین اور مقلدین نے محض رسماً اور تقلیداً لالہ و گل، خیری و سوری سے اپنے چمنِ کلام کو زیبائش دی۔ یہی وجہ ہے۔ کہ بعض اوقات ان شاعروں کے کلام میں بہار کے پھولوں کا ذکر خزاں میں اور باغ کے پھولوں کو کہسار اور صحرا میں بیان کیا گیا ہے۔ شاعری میں تقلید — اور ایسی اندھی تقلید فارسی شاعری کے لئے باعثِ رسوائی ثابت ہو رہی ہے۔

---

[1] Browne — A year amongst the Persians — P. 87 and Sykes — Persia & People P. 219.

[2] آئین اکبری اور چمنستان مخلص میں پھولوں کی بحث دیکھو

اب میں بعض ایسے پھولوں کا ذکر کرتا ہوں۔ جن کے ذکر سے ہمارے کسی شاعر کا دیوان بھی خالی نہ ہوگا۔ ان کے نباتاتی پہلو سے بحث کرنے کا یارا مجھ میں نہیں۔ اس لئے اس فرض کو کسی ایسے بزرگ کے سپرد کرتا ہوں[1]۔ جن کو اس موضوع خاص میں کافی دسترس حاصل ہو۔

سب سے پہلے گُل کو[2] لیجئے۔ یہ فارسی میں اس پھُول کا نام ہے۔ جسے ہندوستان میں گلاب کہا جاتا ہے اور عربی میں وَرْد بولتے ہیں۔ گل سُرخ بھی اسی پھُول کا نام ہے۔ اسی کی تعریف میں سلمان ساوجی کہتے ہیں

نہاد گنبد گل بین کہ از زمرّد و لعل نہادہ اند و در و می کنند زرکاری

صبا شراب صفا ریخت در پیالۂ گل بیک پیالۂ گل گشت روے گلناری

لغات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس کو گل صد برگ بھی کہتے ہیں۔ لیکن یہ بات تشنۂ تحقیق ہے۔ فرہنگ آنندراج میں اس موقعہ پر ایک شعر لکھا ہے ؎

چون گل صد برگ صائب درمیان خارزار زیر شمشیر حوادث بالب پر خندہ ایم

لیکن اس سے مطلب صاف نہیں ہوتا۔ لالہ صد برگ کو بھی اس کے مرادف قرار دیا گیا ہے۔ جس کے متعلق لکھا ہے "کہ در ہندوستان گلے باشد زرد و بعضے زعفرانی، و برگہائے بسیار دارد"۔ بہرحال یہ واضح ہے۔ کہ گُل، فارسی میں گلاب کو کہتے ہیں۔ جس پر بلبل عاشق ہوتی ہے اور جب بہار میں گلاب باغوں کو اور چمنوں کو زینت بخشتا ہے تو بلبل مدہوش ہو جاتی ہے۔ اسی

---

[1] پرنسپل محمد شفیع صاحب ایم اے (کینٹب) سے معلوم ہوا۔ کہ ایک جرمن مصنف شلمر (Schlimmer) نے ایران کے پھولوں پر ایک کتاب لکھی ہے جس میں ایرانی ناموں کے مرادف لیٹن نام دیئے ہیں۔

[2] نیز گل خندان۔ محبوب کو گل خندان سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ حافظ ؎

یارب آن نوگل خندان کہ سپردی بمنش در امان وار خدایا ز حسود چمنش

موقعہ کے لئے مولانا آزاد نے لکھا تھا۔ کہ "گلاب کی ٹہنی پر تو یہ عالم ہوتا ہے کہ بلبل بولتی ہے، بولتی ہے۔ بولتی ہے! حد سے زیادہ مست ہوتی ہے۔ تو پھول پر منہ رکھ دیتی ہے اور آنکھیں بند کر کے زمزمہ کر کے رہ جاتی ہے" (سخندان پارس صفحہ ۱۸۱)۔ نزہتہ القلوب میں گلاب کے اس عاشق صادق پرند کے متعلق لکھا ہے:

"بلبل۔ ہزار داستاں را عرب عندلیب و ہزار و مغولاں سندوراج خوانند۔ مرغ کوچک است چند گنجشکے و آوازش در غایت خوشی و آنرا بانواع نواہا است بدین سبب اورا 'ہزار' گویند، عاشق گل بود و دران موسم نواہا بیش می کند و از فرطِ حرارت وجود و غلبۂ عشق لحظہ بلحظہ در آب رود۔" (نزہتہ القلوب صفحہ ۹۲ سٹیفن سن ایڈیشن ۱۹۲۸ء)

سائیکس کا بیان[1] ہے۔ کہ بلبل کو جب قفس میں اسیر کر لیا جاتا ہے۔ تو اس کے نغمے بہت پر کیف ہوتے ہیں . . . . اور گرمیوں میں اس پنجرے میں گلاب کا تازہ پھول عموماً لٹکا دیتے ہیں۔ تاکہ بلبل اپنے محبوب بوستانی کو دیکھ کر سودا زدہ ہو جائے اور مست ہو ہو کر نظیری کے یہ شعر زبانِ حال سے گائے ؎

گر زیرِ گلبنے قفسم را نمی نہی | جائے بنہ کہ نالہ بگوشِ چمن رسد

ہر جا گلے است بہر نظیری طرب کے است | کے بلبلان مست غم آشیان خورند

اسی طرح گل سرخ کا معنی بھی "زرد" لکھا ہے۔ گلِ آتشی کے معنی میں لکھا ہے۔ "ہماں گل سرخ و آن را گل سوری گویند" وحلت قمی کا ایک شعر ہے ؎

درین بہار چو پروانہ و چو بلبل سوخت | گل چراغ و گل آتشی ہزاران را

شاید گلِ آتشی گلاب سے الگ کوئی اور پھول ہو۔ جو صورت میں

---

[1] Persia and Its People, p. 252

گلاب کی مانند ہوتا ہو۔ لیکن ویسا شوخ نہیں۔ یہ سدا گلاب کی طرح نیم رنگ اور ہمیشہ بہار ہوتا ہے ؎

وفا و شرم مجو از بتے کہ رخ افروخت کہ لالہ عطر و گل آتشی گلاب ندارد

گل سفید۔ گل سرخ یا گلاب کی ایک قسم جس کا رنگ سفید ہوتا ہے۔ اور خوشبودار۔ ہندوستان میں اس کو سیوتی کہتے ہیں۔

گل دوروے ایک پھول ہوتا ہے۔ جس کا ایک رخ زرد اور ایک سرخ ہوتا ہے۔ اسی دورنگی کی وجہ سے اس کو گل قحبہ یا ورد الفجار بھی کہتے ہیں۔ فرخی وغیرہ میں دورویہ گل کے نام سے جس پھول کا ذکر آتا ہے۔ وہ بھی شاید یہی ہے۔ فرخی لکھتا ہے۔

ہنگامِ گل است اے بدو رخ چوں گل خود روے
ہمرنگِ رخ خویش بباغ اندر گل جوے

از مجلسِ ما مردم دورو سے بروں کن
پیش آر مئے سرخ فروکن گل دوروے

باغ است بدین زینت آراستہ از گل
یکسو گل دوروے دگر سو گل خود روے

اس پھول کا دوسرا نام 'لالہ دورو' بھی ہے۔ اگرچہ قیاس چاہتا ہے۔ کہ یہ گلاب سے مختلف اور لالہ کی جنس سے تعلق رکھتا ہوگا۔ لیکن لغت نگار یہی کہتے ہیں۔ کلیم

صبا مخالف و گل بیوفا، و لالہ دوروے
درین چمن بچہ امید آشیاں بندم

گلاب کے بعد سب سے زیادہ جس پھول کی مدح سرائی ہمارے شاعروں نے

کی ہے۔ وہ لالہ ہے۔ اس کی متعدد اقسام ہیں۔ لالہ لعل یا لالہ نعمان کی تہ سیاہ ہوتی ہے۔ باقی سرخ۔ لیکن سرخ کے علاوہ لالہ کبود اور لالہ سبز بھی ہوتے ہیں۔ بابر نے کم و بیش ۳۲ اقسام کا سراغ لگایا ہے۔ لیکن سات اقسام بہت مشہور ہیں۔ لالہ کوہی، لالہ صحرائی، لالہ شقایق، لالہ دوروی، لالہ دلسوز، اور لالہ دلسوختہ، لالہ نعمان (= لالہ خطائی) یہ وہ انواع ہیں جن کا فرہنگ انندراج میں ذکر ہے۔ شاید لالہ دلسوز اور لالہ دلسوختہ کا نام فارسی شعرا کے کسی شعر پر مبنی ہو۔ جس میں دلسوز اور دلسوختہ محض صفات کے لئے ہوں۔ اس کے برعکس بابر کی تحقیق کافی جستجو کا نتیجہ معلوم ہوتی ہے۔ ان میں سے لالہ گل بوی کا خاص ذکر کیا ہے۔ جو شاید بابر کا نامزد کردہ ہے۔ یہ درحقیقت "نوعے است از لالہ کہ ازاں بوے گل سرخ می آید، من آزا لالہ گلبوی خطاب دادیم و بہمین شہرت یافت۔" ہماری ادبیات میں ان پھولوں کا اکثر ذکر آتا ہے۔ مثلاً

لالہ بربر ؎ آن بت عیار فتنہ آں بت فرخار
آں بدو رخسار چوں دو لالہ بربر (رودکی)

لالہ صحرا ؎ ز گل بپرس کہ مرغ چمن چہ می گوید
کہ من بر آمدہ ام ہمچو لالہ در صحرا (سلیم)

لالہ نعمان ؎ یکے بغایت سرخی فروختہ ز قدح
چناں کجا ز سمن برگ لالہ نعماں (امیر معزی)

لالہ نعمان کے جنس لالہ سے ہونے کے متعلق اختلاف ہے۔ بہرحال لالہ نعمان کافی مشہور و معروف چیز ہے۔ اسی طرح لالہ چین اور لالہ خطائی کے بارے میں بھی شکوک ہیں۔ دیگر اقسام یہ ہیں۔ لالہ سرنگوں، لالہ صدبرگ، لالہ عباسی لالہ سرخ، لالہ زرد، لالہ سپید، لالہ رومی، لالہ صحرائی، لالہ متفاخم، لالہ قرمزی،

لالۂ آل، لالہ کوہی، لالہ الوند، لالۂ دختری وغیرہ، لیکن سچ یہ ہے کہ لفظ لالہ بمعنی گل ہر قسم کے پھول کے ساتھ بھی لگا دیا جاتا ہے اور اس بارے میں بھی مزید جستجو اور تحقیق اور نباتاتی مطالعہ بے حد ضروری ہے۔ اتنا واضح ہے کہ لالہ کا رنگ سرخ اور اس کی تہ سیاہ ہوتی ہے۔ جس کی طرف شاعر بار بار اشارہ کرتے ہیں۔ مثلاً محسن تاثیر ؎

گلشن کہ بے تو دیدۂ خونین ز لالہ داشت
از ہر گلے ز وصف تو چندین رسالہ داشت

محمد قلی سلیم ؎	کردم سلیم آخر قطع نظر ز خوبان
چوں لالہ داغ کردم ایں چشم خونفشاں را

ایضاً ؎	چو لالہ چشم سیاہ از خمار داری سرخ
پیالہ تا بسحر دوش در کجا زدہ

شعرا جام کو لالہ سے تشبیہ دیتے ہیں۔ آصفی ؎

چو بادہ نیست ز گلزار و لالہ زار چہ حظ
ز جام لالہ کہ خالی ست از خمار چہ حظ

لالۂ سیراب، لالۂ خونین پیالہ، لالۂ خونین کفن، لالۂ سیاہ رو، لالۂ صحرا نشین، لالۂ سیاہ چشم اس کی صفات ہیں اور چراغ لالہ، مشعل لالہ، تنور لالہ، جام لالہ، قدح لالہ، کلاہ لالہ، گوش لالہ، ہاون لالہ، سنان لالہ، شبستان لالہ، اس کی تشبیہات میں سے ہیں۔ اس سلسلے میں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ انہی صفات اور تشبیہات سے عموماً مختلف پھولوں کے رنگ، شکل، خوشبو اور دوسری باتوں کا پتہ چلتا ہے۔ مثلاً لالۂ عباسی کے متعلق محسن تاثیر لکھتا ہے :۔

بر د اندوہ ز دل تہمت زر داری ہم	داغ بر دل نبود لالۂ عباسی را

جس سے مستفاد ہوتا ہے۔ کہ لالۂ عباسی کی تہ دوسری انواع لالہ کی طرح سیاہ نہیں ہوتی۔

سوسن بہت مشہور پھول ہے۔ جس کی چار قسمیں ہیں۔ سفید جو سوسن آزاد کہلاتی ہے۔ کبود یا سوسن ازرق، زرد یا سوسن خطائی، آسمان گونی جس کا رنگ زرد اور کبود اور سفید ہوتا ہے۔ شاعری نے اس پھول کی منافقت اور دہ زبانی کا بھی بہت ڈھنڈورہ پیٹا ہے۔ اس لئے کہ اس کی دس پتیاں ہوتی ہیں۔ برگِ سوسن کو زبان سے تشبیہ دیتے ہیں۔ اور سوسن زبان بمعنی فصیح و شیوا بیان آتا ہے۔ شمشیر، خنجر، دشنہ اس کی تشبیہات سے ہے جس سے اس کی پتی کی شکل اور وضع کا بخوبی پتہ چلتا ہے ؛

اس کے علاوہ بعض وہ پھول جن کا بکثرت ذکر آتا ہے۔ یہ ہیں۔ گل شب افروز، گل شب بو، گل عباسی، نسرین، ارغوان، گل گیتی، گل پیادہ، گل مہتاب، گلنار، گل نافرمان، بنفشہ، گل ہاشم، گل بوستان افروز، نیلوفر، نرگس، سوری، خیری، اقحوان، سپرغم وغیرہ وغیرہ پھولوں کے علاوہ سرو، سبزہ، سبزہ بیگانہ، صنوبر، شمشاد، سنبل، شنبلید، متعلقات میں سے ہیں۔

یہی وہ ضروری پھول بوٹے ہیں۔ جن سے فارسی شاعروں کے باغوں کو زیب وزینت حاصل ہے۔ ان میں سے کون کون سے چمن سے متعلق ہیں اور کون کون سے کہسار سے۔ یہ مستقل کا موضوع ہے۔ جس کے لئے مجھ سے زیادہ سائنٹیفک معلومات رکھنے والا اور مجھ سے زیادہ فارسی ادب کا ماہر درکار ہے ادب کا مطالعہ کرتے وقت قدم قدم پر ان پھولوں کی صحیح نوعیت کے متعلق جو الجھنیں اور دشواریاں پیش آتی ہیں، ان کا تقاضا ہے کہ اس موضوع پر زیادہ امعان نظر سے غور کیا جائے۔

عمرم بصفیر قفس و دام گذشتہ است　　من زمزمۂ درخور گلزار ندانم

(۲)

پھول کی اہمیت کے اسباب کیا ہیں؟

سبزہ وگل کے متعلق ایرانی ذوق کی یہ کیفیت معلوم کرنے کے بعد قدرتی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ پھول کو اس درجہ اہمیت دینے کے لئے کیا ایرانیوں کے پاس کوئی وجہ جواز بھی ہے؟ کیا یہ واقعی ایران کی آب و ہوا اور طبعی حالات کا اثر ہے کہ ہم فارسی ادب میں رنگینی اور گلکاری کی یہ فراوانی پاتے ہیں؟ کیا فی الواقعہ ایران کے موسم، ایران کی بہاریں، ایران کا حسن کہسار، ایران کے چمنستان کے حُسن قدرتی کا یہ نتیجہ ہے۔ کہ اس ملک کے بچے بچے کے دل اور دماغ سے یہ بہار آفرین تخیلات سبزہ خود رَو کی طرح پیدا ہوتے رہتے ہیں۔

مولانا شبلی کی رائے: "ملکی آب وہوا اسکی ذمہ وار ہے"

مولانا شبلی نے شعر العجم میں یہ اصول قایم کیا ہے کہ "ملک کی آب وہوا، سرسبزی وشادابی کا اثر خیالات پر پڑتا ہے اور اس ذریعے سے انشا پردازی اور شاعری تک پہنچتا ہے۔ عرب جاہلیت کا کلام دیکھو تو پہاڑ، صحرا، جنگل، بیابان، دشوار گذار راستے، مٹے ہوئے کھنڈر، ببولوں کے جھنڈ، پہاڑی، جھاڑیاں یہ چیزیں ان کی شاعری کا سرمایہ ہیں۔ لیکن یہی عرب جب بغداد میں پہنچے۔ تو ان کا کلام چمنستان اور سنبلستان بن گیا۔ ایران ایک قدرتی چمن زار ہے۔ ملک پھولوں سے بھرا پڑا ہے۔ قدم قدم پر آب رواں، سبزہ زار اور آبشاریں ہیں۔ بہار آئی اور تمام سرزمین تختہ زمردین بن گئی۔ باد سحر کے جھونکے، خوشبوؤں کی لپٹ، سبزہ کی لہک، بلبلوں کی چہک، طاؤس کی جھنکار، آبشاروں کا شور وہ سماں ہے جو ایران کے سوا اور کہیں نظر نہیں آسکتا"[1]

[1] شعر العجم۔ حصہ چہارم۔ ص ۱۶۹،

اسی طرح مولانا آزاد نے سخندانِ پارس میں ادب اور شاعری کی مدد سے
قومی تمدن اور ملکی آب و ہوا اور طبعی حالات کا نقشہ کھینچ کر اس سے یہ
ثابت کیا ہے۔ کہ ایران ایک سرسبز و شاداب ملک ہے۔ جس میں قدرتی مناظر
کی بے حد فراوانی ہے۔ جس سے متاثر ہو کر شاعر اور ادیب لالہ و گل کی زبان
سے باتیں کرتے اور سرو و شمشاد کے استعاروں میں حالِ دل کھولتے ہیں۔

پرانے مصنفین کے بیانات

اس ضمن میں یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں۔ کہ فارسی کے
پرانے مصنفین اپنے ملک کی حالت کی جو تصویر کھینچتے ہیں
اس سے ایران کی سرسبزی اور دلکشی کا پتہ چلتا ہے لیکن
جدید مغربی سیاح ملک کو خشک اور غیر سرسبز ظاہر کرتے ہیں۔ پرانے مصنفین
میں حمد اللہ مستوفی نے نزہتہ القلوب میں جن جن شہروں کے حالات بیان
کئے ہیں۔ ہر ایک کے ضمن میں وہاں کی نہروں۔ جویباروں، باغوں اور مرغزاروں
کا ذکر بھی کیا ہے۔ جنوبی ایران کے علاوہ خراسان اور ترکستان کے باغات
اور نارنگستانوں کا حال دیکھ کر ذہن میں فارسی شاعری کے تصورات اور بھی گہرا
نقش چھوڑ جاتے ہیں۔ شیراز کے مناظر کی تعریف میں حافظ، سعدی، قاآنی
نے (جو اسی مرزبوم کی پیداوار ہیں) فصاحت کے دریا بہا دیئے ہیں۔ آب رکنا باد
کے متعلق حافظ فرماتے ہیں[۲]:-

زر رکناباد ما صد لوحش اللہ　　　که عمر خضر می بخشد زلالش

فرق است ز آب خضر که ظلمات جائے اوست　　　تا آب ما که منبعش اللہ اکبر است
گلگشت مصلیٰ کا ذکر یوں ہوتا ہے:-

---

[۱] ساتواں لیکچر ص ۱۴۰، [۲] یہ غزل شیراز کی تعریف میں ہے۔ خوشا شیراز و وضع بے مثالش الخ۔

بدہ ساقی مئی باقی کہ در جنت نخواہی یافت کنار آب رکناباد و گلگشت مصلیٰ را

قاآنی نے ایک شاندار قصیدہ وصف شیراز میں لکھا ہے۔ جس کا آغاز یوں ہے:۔

تبارک اللہ از فارس آں خجستہ دیار کہ می ببینند چوں آں دیار یک دیار

نسیم او ہمہ دلکش تر از نسیم بہشت ہوائے او ہمہ خرم تر از ہوائے بہار

زلالہ ہر دمن اوست کوہے از یاقوت ز سبزہ ہر چمن اوست کوہے از زنگار

پروفیسر براؤن نے *A year amongst the Persians*

میں اور فرصت شیرازی نے آثار عجم میں شیراز کے سبزہ زاروں، باغوں اور نہروں اور چشمہ ساروں کی دلچسپ تفصیل دی ہے۔ مافروخی نے محاسن اصفہان میں بہت سے اشعار اس شہر کی تعریف و توصیف میں اکابر شعرا کے لکھے ہوئے درج کئے ہیں۔ رستمی کے مندرجہ ذیل اشعار[1] بطور نمونہ پیش کئے جاتے ہیں:۔

لقد کانت لنا فی ساحتیہا قدیماً لا تعفت ساحتاہا

حدائق دونہا جنات عدن تری الرواد فیہا ما تراہا

یندّ الندّ منتثراً حصاہا ویخزی المسک منتشراً ثراہا

سقی ارض المدینۃ ماء ورد زکی العرف لا یسقی سواہا

اصفہان کی بہار، اس کی سیرگاہوں کے دلکش نظارے۔ جے کی شراب آلود فضائیں، زندہ رود کی مستانہ لہریں، وہاں کے خیابان و منزہات کی رنگینیاں ہر صاحب دل سے خراج تحسین حاصل کرتی رہی ہیں۔ حکیم خاقانی اصفہان کی مدح میں لکھتے ہیں:۔

نکہت حور است یا ہوائے صفاہان جبہت حور است یا لقائے صفاہان

حافظ زندہ رود کی یاد میں یوں موتی بکھیرتے ہیں:

[1] مافروخی۔ محاسن اصفہان ص ۹۵۔ خیابان اصفہان کے لئے دیکھو حسین نور صادقی کی کتاب اصفہان صفحہ ۱۲۳۔

گرچہ صد رود است از چشم روان زندہ رود و باغ کاران یاد باد

قُم ایران کا مشہور شہر ہے۔ جو نظامی گنجوی کا مولد و منشا ہے۔ اس کا دوسرا نام کبود دشت ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ حسن بن محمد بن حسن قمی نے تاریخ قم[1] میں بدین الفاظ بیان کی ہے:۔

"و بحوالی و جوانب آن انواع گیاہ رستہ و علف زار گشتہ چنانکہ
چراگاہ دواب بود و روزگار از کثرت نبات و گیاہ کہ بدین موضع بود
سبز شدہ تا غایت کہ این موضع را کبود دشت نام کردہ اند"

یزد بھی کسی زمانے میں بہت پُر آب و پُر درخت شہر تھا۔ اگرچہ اب کم آب اور خشک سال ہو گیا ہے[2]۔ تفت یزد سے ۵ میل کے فاصلہ پر ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ ہی اس کی دلکشی اور رنگینی کا ثبوت ہے۔ آیتی نے تاریخ یزد میں لکھا ہے:۔

"تفت بہ فارسی سبد یا طبق میوہ را گویند . . . . این قصبہ ہم مانند
طبقے است پُر از میوہ"[3]

تفت کے تین محلوں کے نام یہ ہیں۔ بابا خندان، راحت آباد، باغ خندان۔ یہاں باغات کی اتنی کثرت تھی۔ کہ ہر ہر گھر میں چمن زار نظر آتے تھے

"باغہا و خانہ ہا در خلال یکدگر واقع شدہ و چنانکہ اگر کسے بیکے
از کوہہا دو طرف تفت قرار شود خانہ ہا را در وسط باغہا مانند
خالہاے کوچک می بیند کہ بر روی قطعۂ زمرد بزرگے قرار گرفتہ باشد"[4]

تاریخ یزد میں قاین اور رابرقوہ کی کیفیت بھی اسی طرح بیان ہوئی ہے اور

---

[1] تاریخ قم (ترجمۂ فارسی) صـ۲۱۳ ، [2] آیتی۔ تاریخ یزد ص ۲۰، ۲۱ ، [3] ایضاً صـ۱۵ ،
[4] ایضاً صـ۵۱ ، صـ۵۲ ،

شعرائے یزد کے قصیدے توصیف یزد میں درج ہیں۔

خراسان اور ترکستان فارسی ادب اور سیاسی قوت کے بہت بڑے مرکز تھے۔ ان میں بخارا۔ ہرات۔ سمرقند۔ غزنی، کابل۔ قندہار سب کے سب سبزہ وگل کے لحاظ سے نمایاں حیثیت کے مالک ہیں۔ نرشخی نے بخارا کے متعلق لکھا ہے کہ "آب بسیاری آمد و گل می آورد . . . . وبدین ولایت آب و درختان بسیار بودے۔"[1] بخارا کے مضافات میں نور، طواویس (ج طاؤس) اور مولیان خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ رودکی نے مولیان کا نام اپنی شاعری سے ایسا چمکایا ہے۔ کہ فارسی شاعری کا کوئی دلدادہ اس کے اثر سے آزاد نہیں ہو سکتا۔[2]

اسی طرح ہرات[3] کے مناظر کی تعریف و توصیف ہروی کی روضات الجنات میں پڑھ کر اس شہر کی رونق اور سرسبزی کا کچھ خاکہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے لیکن طوالت کے خوف سے اس کی تفصیلات سے احتراز کیا جاتا ہے ؛

سمرقند کے متعلق بابر اپنی تزک میں لکھتا ہے :

"در ربع مسکون برابر سمرقند لطیف شہر کمتر است۔"[4]

تیموریوں کے زمانے میں یہاں باغات وغیرہ اس افراط سے بنائے گئے تھے۔ کہ آج بھی اُن کی یادگاریں باقی ہیں۔ "در زمان سلطان احمد میرزا ہم از خورد و بزرگ امرا باغ و باغیچہ بسیارے انداختند"۔ کش کی سرسبزی کا بہار کے موسم میں یہ عالم ہوتا ہے۔ کہ لوگوں نے اس کا دوسرا نام "شہر سبز" رکھا ہوا تھا۔

---

[1] نرشخی۔ تاریخ بخارا ص۵ ، [2] مولیاں کے ذکر کے لئے نرشخی۔ ص ۲۳، ۲۴، [3] پرنسپل محمد شفیع صاحب نے اس سلسلے میں میلیسن کی ایک کتاب کی طرف رہنمائی کی ہے ؛ Herat, the Granary and Garden of Central Asia, 1880

نسف کے متعلق بابر لکھتا ہے: "بہار او خوب می شود" کابل بابر کی سرگرمیوں کا مرکز رہا ہے۔ اس لئے بابر کے حسن ذوق کے اس شہر میں بہت سے نمونے ملتے ہیں۔ یہاں کے باغات (چار باغ) سٹوارٹ کے بقول مجموعۂ حسن و حدیقۂ جمال تھے۔ لیکن افغانستان کے کہسار کی دلآویزی بھی بابر کے لئے بہت کچھ کشش کا باعث رہی ہے۔ غوربند میں بابر کی نگاہوں نے "لالہ دورو" اور لالہ کی دوسری اقسام کو دیکھ کر صنعت ایزدی کی بہت تحسین کی ہے۔ اور پغمان کے باغات اور ارغوان زاروں کی خوبصورتی نے اسے بہت متاثر کیا ہے۔

غرض ایران کے اکثر شہر و دیار کی سرسبزی اور ان میں گل و گلزار اور آب رواں کی فراوانی کا ذکر قدیم فارسی کتابوں میں موجود ہے اور جدید ایرانی مصنفین نے یورپین شاعروں کے تتبع میں بعض پہاڑوں کو بھی موضوع سخن بنایا ہے۔ الوند، دماوند، اور البرز ایران کے بڑے پہاڑ ہیں۔ جن کی ہیبت اور دلکشی جدید شاعروں کا موضوع بنی رہی ہے۔

ایران کی آب وہوا اس کی مؤید نہیں

یہ عجیب بات ہے۔ کہ ایران کے جدید سیاح ملک کی قدرتی دلآویزیوں کے بارے میں اتنے رطب اللسان نہیں۔ یورپ اور امریکہ کے سیاحوں کے سفرنامے مولانا آزاد اور مولانا شبلی کے بیانات کی تصدیق نہیں کرتے۔ اُن کے نزدیک ایران کا بیشتر حصہ ریگ زار ہے۔ جو آب رواں سے خالی اور تختہ ہائے گل اور فرش سبزہ سے معرا ہے۔ جس میں نہ آبشاریں ہیں نہ جویبار، نہ سبزہ کی لہک ہے، نہ بلبلوں کی چہک۔ یہ ایک وسیع ریگستان ہے۔ جس میں معمولی سبزہ تک بھی نہیں ہوتا۔ تا بچمن زار چہ رسد۔

مثلاً سائیکس اپنی کتاب "Persia and Its People" میں لکھتا ہے:

"ایران کے پھول یقیناً ان لوگوں کے لئے سرمایۂ مایوسی نہیں گے جو موجودگی نظم لالہ رُخ سے متاثر ہو کر وہاں کے باغوں کے متعلق بہت بلند خیال قائم کئے ہوئے ہیں۔ جونہی کہ سیاح ایران کی سطح مرتفع اعظم پر قدم دھرتا ہے مسلسل کئی روز تک سفر کرنے کے باوجود شاذ و نادر ہی کسی پھول کا منہ دیکھتا ہوگا۔ اِلّا یہ کہ موسم بہار میں ایرانی پھولوں کے بُوٹے بے شک کہیں کہیں نظر آجاتے ہیں ...... بہار کے پھول مازندران اور کیسپین کے نواحی علاقے میں بکثرت ہوتے ہیں۔ لیکن یہ نظارہ بھی صرف گنتی کی جگہوں میں دیکھا جاسکتا ہے"[1]

یہ صحیح ہے کہ ایرانی دیہات کے مناظر شہروں کے مقابلے میں زیادہ دلکش ہیں۔ لیکن وہاں بھی گھاس وغیرہ کی کمی ہے[2]۔ بڑے دریا بالکل موجود نہیں اور آب و ہوا بلندی اور عرض البلد کے مطابق ہر جگہ مختلف ہے۔ گرمیاں نہایت گرم اور ناخوشگوار اور سردیاں سرد اور بے حد مرطوب ہوتی ہیں[3]۔

عموماً ۲۱ مارچ سے ۲۱ جون تک بہار کا موسم ہوتا ہے۔ جو بہت خوشگوار ہوتا ہے۔ اس میں سبزہ و گل کی فراوانی ہوتی ہے۔ لیکن سوائے چیدہ چیدہ جگہوں کے باقی ملک میں کوئی خاص دلکشی نہیں پیدا ہوتی۔ فلمر[4]، سید اقبال علی شاہ[5]، بلز پا (Millspaugh)۔ فان روزن (Von Rosen) و دیگر جدید مصنفین و سیاحین کے بیانات اس بارے میں متفق ہیں۔ کہ ایران کے قدرتی مناظر کا جو اندازہ فارسی لٹریچر سے ہوتا ہے۔ ملک کی طبعی حالت اس سے مطابقت نہیں رکھتی۔

---

1. Sykes _ Persia and Its People. P. 257, 258
2. ایضاً۔ ص ۲۱۵
3. Pageant of Persia.
4. Iqbal Ali Shah_ Eastward to Persia p. 46

تضاد کی وجہ ان حالات میں یہ بات قابلِ حل ہے۔ کہ ایرانی مصنفین اور مغربی سیاحوں کے بیان میں یہ تضاد کیوں ہے۔ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔ کہ ایک طرف مغربی مصنفین کو گل زمین ایران میں پژمردگی اور خشک سالی کے سوا کچھ نہ نظر آئے۔ اور دوسری طرف ایرانی مؤرخ اس کی سرسبزی و شادابی کے قصیدے گائیں ؛

درحقیقت اس تضاد اور اختلاف بیان کے چند در چند وجوہ ہیں : اول یہ کہ مغربی مصنفین کا نقطۂ نظر مناظر قدرت کے متعلق اہل مشرق سے بہت مختلف ہے دوم یہ کہ ایران کی دلاویزی اور حُسن، عام طور پر، بہار کے موسم تک محدود ہے۔ جیسا کہ ہندوستان میں موسم برشگال کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ مغربی سیّاح جب بہار کے علاوہ کسی اور موسم میں ایران میں داخل ہوتے ہیں۔ تو انہیں سوائے ریگزار اور معمولی ندیوں کے کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ جس سے وہ نقش اپنے دل میں لے کر جاتے ہیں۔ کہ ایران میں قدرتی حُسن کی کمی ہے۔ تیسری وجہ اور غالباً سب سے بڑی وجہ یہ ہے۔ کہ ایرانی ادب میں گل و گلزار کی رعنائیوں کی داستانیں پڑھنے کے بعد ملک کی طبعی حالت سے جب موازنہ و مقابلہ کیا جاتا ہے۔ تو یقیناً ادب کے پیدا کئے ہوئے ایرانؔ کے مقابلہ میں خود ملکِ ایران جیسا کہ وہ ہے۔ حقیر معلوم ہوتا ہے ؛

(باقی دارد) سید محمد عبداللہ

اقتباس از بدائع وقائع

مصنفۂ انندرام مخلص

لالہ انندرام مخلص کا حال اورینٹل کالج میگزین بابت فروری ۱۹۲۹ء ص ۴۶ پر سید محمد عبداللہ نے لکھا تھا۔ ۱۹۳۹ء میں پرشین لٹریچر حصہ دوم جزو ۳ ص ۶۱۲ پر پروفیسر سٹوری نے بھی اس کا حال دیا ہے، وہاں دیکھنا چاہیئے۔ اس وقت اس مصنف کی تصنیف بدائع وقائع سے ایک اقتباس درج کرنا مقصود ہے۔ جو تاریخ پنجاب سے تعلق رکھتا ہے ؛

بدائع وقائع کے بعض اجزا کا انگریزی ترجمہ شایع ہو چکا ہے (دیکھو حواشی صفحات آیندہ) مگر کامل کتاب کسی مصنف کے پیش نظر نہ تھی۔ اسلئے کتاب کا پورا حال اب تک سامنے نہیں آیا۔ چند سال ہوئے لاہور کے کشمیری پنڈتوں کے ایک علمی گھرانے سے اس کتاب کا کامل نسخہ میں نے پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے لئے خریدا اس نسخے سے کتاب کی مفصل کیفیت یہاں درج کی جاتی ہے۔

بدائع وقائع کے بعض اجزاء باڈلین، رامپور اور علیگڈھ میں ہیں۔ علیگڈھ والا نسخہ راقم سطور نے دیکھا ہے۔ اس کا نمبر ف۔ اغ ۱۱۲ ہے، ورق ۱۷، سطور ۱۵ (افسوس ہے کہ صفحات کی پیمائش میرے پاس محفوظ نہیں ہے)، اس نسخہ میں بدائع وقائع کی صرف تین فصلیں[۲] ہیں۔ یعنی

(۱) واقعہ ایست نادر الخ (پنجاب یونیورسٹی کے نسخے کے ص ۶۱ ب تا ۶۹ ب کا مواد)، سٹوری کے ہاں اسی فصل پر تذکرہ کو منحصر سمجھا گیا ہے[۱]

(۲) نسخہ سوانح احوال (= نسخۂ پنجاب یونیورسٹی ۲۲۹ ب تا ۲۴۳ ا)،

(۳) احوال سیزدہ روزہ سفر گڈھ مکتیسر (= نسخۂ پنجاب یونیورسٹی ۱۸۰ ا تا ۱۹۲ ب)،

---

[۱] ایلیٹ اور سٹوری نے کتاب کا نام "تذکرہ انندرام مخلص" لکھا ہے مگر خود مصنف نے کتاب کا نام بدائع وقائع دکھا تھا، ایلیٹ نے جو نسخہ استعمال کیا وہ نواب ضیاء الدین خان رئیس لوہارو کی ملکیت تھا، [۲] ان فصلوں کی ترتیب پنجاب یونیورسٹی کے نسخے کے مطابق نہیں ہے،

علیگڈھ کے نسخہ کے آخر میں لکھا ہے :

دبست (کذا) چہارم ذی قعدہ سنہ صدر سنہ ۱۱۶۰ھ و وگھڑی روز بلند شدہ بہ حویلی قدیم شاہجہان آباد بہ خط فقیر انند رام صورت تحریر پذیرفت ،

اس عبارت سے بعض لوگوں کو گمان ہوا ہے کہ یہ نسخہ بخط مصنف ہے لیکن اس نسخہ میں بعض فاحش غلطیاں موجود ہیں کہ انکے ہوتے ہوئے یہ باور نہیں آسکتا کہ مخلص جیسا ذی علم مصنف ان غلطیوں کا ارتکاب کرے۔ پروفیسر محمود خان شیرانی کے کتابخانے میں ایک نسخہ رباعیات مخلص کا ہے۔ جو بخط مصنف ہے۔ اس کا خط علیگڈھ کے نسخے سے مختلف ہے اور اتنا پختہ ہے کہ اس پر گمان خط مصنف ہونیکا بیشک ہو سکتا ہے۔ اس نسخہ کے آخری صفحہ کا عکس اس رسالہ میں حوالے کے لیے شائع کیا جا رہا ہے، پنجاب یونیورسٹی کے نسخہ میں (ورق ۱۹۲ ب پر) اوپر کی عبارت کی بجائے لکھا ہے "نقل از نسخۂ لالہ انند رام مخلص" مگر اسی نسخے کے ورق ۲۰۰ ب پر لکھا ہے "این اجزای چند ... در ایام آمد آمد زمستان بخط فقیر انند رام مخلص باتمام رسید"۔ پس ظاہر ہے کہ کاتب نے بعض عبارتیں اصل نسخہ سے بعینہا نقل کر دی ہیں اور بعض جگہ یہ لکھ دیا ہے کہ مصنف کے نسخہ سے نقل کیا ہے۔ اسی طرح علیگڈھ والے نسخہ میں "بہ خط فقیر انند رام" غالباً مصنف کی اپنی تحریر نہیں بلکہ کسی کاتب کی ہے ؛

پنجاب یونیورسٹی کے نسخے کا حال پنجاب یونیورسٹی کے نسخہ میں ۲۸۶ ورق ہیں۔ تقطیع ۱۱ انچ x ۷ انچ ہے، فی صفحہ ۱۵ سطر ہیں۔ کتاب کی پہلی فصل رجب ۱۱۴۵ھ کے واقعات سے شروع ہوتی ہے اور خاتمہ کی تاریخ ۱۱ جمادی الثانی ۱۱۶۱ھ ہے (مصنف ۱۱۶۴ھ میں فوت ہوا)، کتاب میں جابجا واقعات کی تاریخیں دی گئی ہیں۔ ایک جگہ (ص ۱۱۶ پ) ساعت تحریر ۱۴ ربیع الثانی ۱۱۵۲ھ اور دوسری جگہ (ص ۲۳۴ ا) پر سنہ ۲۹ جلوسی (۱۱۵۹ھ) دی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب کی مختلف فصلیں مختلف سنوں میں لکھی گئیں یعنی جب واقعات مندرجہ کتاب وقوع پذیر ہو رہے تھے یا عنقریب ہو چکے تھے،

فہرست محتویات بدائع وقائع

مصنف نے مختصر سے دیباچہ میں حمد کے بعد لکھا ہے کہ میں ایام بہار میں ایک دن گوشۂ تنہائی میں بیٹھا تھا کہ مجھ کو خیال آیا کہ اساتذۂ سلف

جنھوں نے علم تاریخ کی بنیاد رکھی - انھوں نے دوسرے لوگوں کے سوانح تو لکھے مگر اپنے احوال کو قلمبند نہ کیا ۔
"اگر فقیر بعض حالات خود را بقلم آرد خالی از لطفی نخواہد بود بلکہ تفریحِ خاطرِ عاطر ارباب وجد و حال کہ سر خوشان نشأ
کمال اند خواہد افزود" اسلئے   یہ چند اوراق لکھ کر ان کا نام بدائع وقائع رکھا ،
مضامین کی تفصیل حسب ذیل ہے :-

ورق ۲ الف ، خوشنوائی عندلیب قلم ، از رنگین بیانی بر گسل دو منقار ، در چمنستانِ نگارش بعضی سوانح بر سبیل
یادگار (محمد شاہ کے زمانے میں اللہ نواب اعتماد الدولہ چین بہادر نصرت جنگ کے ہمرکاب رجب ۱۱۴۵ھ
کے پہلے عشرے میں مصنف کا سیر و شکار کو جانا) اسی ذیل میں تعریف سرشف (ورق ۳ الف) اور تلاطم بحر معانی چون امواج
داد گستہ عنانی دادہ بتقریب تسوید کیفیتِ سیرِ عالم آبی کہ راقم حروف را اتفاق افتادہ (ورق ۹ الف)
کے عنوان بھی ہیں ،

ورق ۸ ب ، توجہ ہمایون رقم خامۂ مشکبار بتحریر شرح جشن طوی نور چشم کامگار (لالہ فتح سنگھ کی شادی کا حال
جو بہت دھوم دھام سے ۱۱۴۵ھ میں رچائی گئی ، اس تقریب کی کیفیت کے ضمن میں مصنف نے
'وقائع حضور معلی' اور 'سوانح دربار' بھی بیان کئے ہیں (۱۸ الف تا ۲۱ ب اور ۲۳ ب تا ۲۶ الف) ، پہلے
عنوان میں مرہٹوں کے خلاف مہم کا ذکر بھی ہے ،

ورق ۳۱ الف - سوانح فوج نصرت موج نواب صاحب وزیر الممالک مدار المہام سپہ سالار و حوال گوشمالی بواقعی بھگونت لعین مقہور
باوفی سعی بہادران لشکر ظفر اثر ، [اس کے متعلق دیکھو انشاء آنند رام طبع دہلی ۱۲۶۳ھ ص ۳۰]

ورق ۳۵ ب ، متوجہ گردیدن نواب صاحب وزیر الممالک بہادر مدار المہام براہ کمن پور بارادہ تحصیل سعادتِ
ملازمتِ حضرت خلیفۂ دین و دولت بحضور پُر نور ،

ورق ۳۹ ب ، ... حکایت شوریدہ حالی ... (۱۱۴۶ھ سنہ ۱۵ جلوس کا ایک سانحہ عشق و محبت جو شاہجہان آباد
میں واقع ہوا) ،

ورق ۴۳ ب ، ... بعض اخبار دربار دہلی ،
ورق ۴۴ الف - چند فقرہ متضمن فصد حضرت ظل الٰہی ،

ورق ۴۹ا۔ رخصت شدن نواب صاحب وزیر الممالک اعتماد الدولہ چین بہادر نصرت جنگ و نواب امیر الامراء بہادر منصور جنگ درسنہ ہفدہم از جلوس والا برای تنبیہ غنیم لئیم دکھنی کہ عبارتست از مرہٹہ ....

ورق ۵۱ب ... تحریر سوانح تشریف فرماگردیدن حضرت گیہان خدیو بدولت سرای نواب صاحب جمدۃ الملک بہادر وامیر الامرا بہادر منصور جنگ، (اس کی ضمنی سرخی ہے: تعریف خیمہ دیوان خاص کہ برای جلوس اقدس آمادگی پذیرفتہ (۵۴ا))،

ورق ۵۵ب... ترقیم احوال سیر دار العشق بندرابن،

ورق ۶۳ب،... احوال تولد جگر گوشہ ام مصاحب سنگھ (در ۱۱۴۹ھ سنہ ۱۹ جلوس) (یہ مصنف کا پوتا ہے)

ورق ۶۸ا۔ تعریف بزم ہولی ....،

" " ۷۴ب، تحریر ماجرای سیری کہ راقم حروف مخلص را اتفاق افتاد در ۱۱۵۱ھ سنہ ۲۱ جلوسی (مصنف سراج الدین علی خان آرزو، لالہ سیوک رام، میرزا محمد قلی، محمد جان دیوانہ اور اپنے لڑکوں کے ہمراہ درگاہ خواجہ قطب الحق والدین کی زیارت کو جاتا ہے، باغ مخلص کا ذکر بھی کرتا ہے)، اس عنوان کے ضمن میں (۷۶ب پر) ایک اور عنوان ہے یعنی: احوال بیماری کہ راقم حروف در ایام گذشتہ کشیدہ ودر ضمن این ماجرا بر سبیل نقل تحریر رسیدہ،

ورق ۸۰ا تا ۱۰۳ا از پیشگاہ خلافت دستوری یافتن نواب صاحب وزیر الممالک بہادر نصرت جنگ بنا بر تنبیہ سرخیل اشقیای دکھنی باجی راؤ در سنہ نوزدہم جلوس والا و بحسن تدبیر و جوہر شمشیر این برگزیدۂ دولت بسزا رسیدن آن فتنہ ... وچون درین یساق راقم سطور بر کاب عالی بود نگارش بعض احوال خود بدستیاری قلم بدائع رقم انشا نمود،

ضمنی سرخیاں: عطف عنان نواب صاحب وزیر الممالک بہادر سپہ سالار بارادۂ تنبیہ غنیم لئیم از کنار دریا بسمت ہوڈل بطریق ایلغار (۸۵ب)

انتشار اشقیای دکھنی در سواد دار الخلافت شاہجہان آباد... ویکپارہ گوشمالی یافتن بحسن سعی بندہای بادشاہی و دیگر حالات (۹۰ب)

آب ورنگ یافتن شمشیر بہادران فوج نواب صاحب نصرت جنگ بہادر سپہ سالار بجزن اعدای

دولت یعنی غنیم وخیم العاقبت و بحال تباہ۔ رخ بر تافتنش از عرصۂ کارزار و بآبیاری ابر شمشیر این برگزیدہ دولت گل فتح شگفتن در چمن کدۂ روزگار (۹۲ ب)،

تعریف نواب صاحب وزیر الممالک بہادر (۹۶ ل)،

... تحریر سوانح لشکر نواب صاحب بہادر ..... (۹۸ ل)،

تتمہ سوانح لشکر ظفر پیکر، (۱۰۲ ب)،

۱۰۲ ل - ضیافت کردن میرزا محمد قلی صاحب براقم السطور، (۱۱۵۱ھ)

۱۰۷ ب، تدبیر ترتیب انجمن رنگین تراز چمن (شرف الدین علی پیام، سراج الدین علی خان آرزو، محمد جان دیوانہ وغیرہ کے ساتھ ہم مجلسی)،

۱۱۰ ب، شوخیہای طبیعت بر سر ہنگامہ آرائی ... (ایک ناچ کی مجلس کا حال)،

۱۱۱ ب، واقعہ ایست نادر و سانحہ ایست غریب کہ در سال ۱۱۵۱ ہجری از بوقلمونیہای قضا در ہندوستان بوقوع رسیدہ و بر سبیل یادگار درین اوراق پریشان رقمزدۂ قلم بدائع نگار گردیدہ،

اس فصل کی ضمنی سرخیاں:

نزول صاحب دیہیم و افسر مملکت ایران بہندوستان .... (۱۱۷ ب)،

ورود موکب شاہی در نواح لاہور .... (۱۲۰ ب)

نقل نامۂ عبد الباقی خان وزیر والی ایران (۱۲۱ ل)، تتمہ احوال پنجاب (۱۲۲ ب)،

حسب التماس عمدہ ہای بادشاہی از مرکز خلافت بحرکت آمدن الویہ ظفر طراز محمد شاہی (۱۲۴ ل)

باہم گر زد و خورد افواج بادشاہی و قشون شاہی در قصبہ کرنال و برگردیدن ورق کار بگمان کم (۱۲۵ ل)

---

۱ اس عنوان کے نیچے ایک جگہ مصنف نے لکھا ہے "تا ساعت تحریر کہ چہاردہم ربیع الثانی یکہزار و یکصد پنجاہ و دو ہجری است (ورق ۱۱۶ ب)۔ ایلیٹ کی تاریخ ہند (History of India as told by its own historians) ج ۸ ص ۷۶ تا ۹۸ پر اس بیان کا ترجمہ دیا ہے۔ دیکھئے مقدمہ کتاب متعلقہ فصل) نیز دیکھو ص ۸۹، ص ۱۰۲۔ ۲ اصل: ما آمدن۔

دفعه دوم تشریف بردن محمد شاه بادشاه غازی باردوی شاه جم جاه و باتفاق داخل جهان آباد[۱]
گردیدن و اقسام امور غریبه بروی کار آمدن بارادات الله (۱۳۱ الف)

احوال میر شرف الدین علی پیام (۱۳۴ الف) رجوع قلم بدائع انشا باصل ماجرا (۱۳۴ ب)

سرگذشت راقم سطور (۱۳۷ الف)

دفعه سیوم تشریف بردن محمد شاه بادشاه غازی بتقریب ضیافت در [بمقام لودن؟]
شاه عالی جناب و شاد و خورم مراجعت فرمودن بدولت خانه و کوچ از شاهجهان آباد
سمت پنجاب (۱۴۰ الف) سعی کلک بدائع نگار بتحریر وقائع دربار (۱۴۶ ب)

نقل عهدنامه ایست که حسب الاستدعای امنای شاهی کارپردازان سلطنت
محمد شاهی بتحریرش پرداخته و چون آراستگی یافت حوالت کارگذاران صاحب مملکت
ایران ساختند (۱۴۶ ب) نقل رقم شاه جم جاه (۱۵۱ ب) نقل رقم شاه ذی جاه (۱۵۲ الف)
گذشتن الویه ظفر طراز شاهی از آب اتک بر سبیل استعجال و انتظام یافتن مهام قلمرو
سنده بحسن تدبیر شاه ذی اقبال (۱۵۲ ب)، نقل رقم اشرف شاهی (۱۵۳ ب)
نقل فرمان فلک شان محمد شاهی (ایضاً)،

نزول رایت ظفر آیت شاهی بالکهٔ زمینداری خدایار خان آن مصدر حرکات لغو و آخر
رسیدنش بملازمت همایون و شسته گردیدن نامهٔ جرمش بزلال عفو (۱۵۵ الف)

مرتبه ثانی رسیدن نواب اعز الدوله بهادر بهرزه جنگ باردوی ظفر قرین و بعد تحصیل سعادت
ملازمت مشمول مراحم گردیدن از جانب فرمانروای ایران زمین (۱۵۶ الف) تتمه احوال
خدایار خان عباسی (۱۵۷ الف)،

حرکت الویهٔ جهان پیمای شاهی از الکه زمینداری خدایار خان جانب قندهار بارادهٔ خراسان
و دستوری یافتن نواب اعز الدوله بهادر بجانب ملتان (۱۵۷ ب)،

مامور گردیدن محمد صالح بیگ بیات[۲] پانصد باشی و کریم بیگ افشار پانصد باشی از جانب

۱؎ [illegible] اس فصل کی چند سطور کے بعد ترجمہ ختم ہو جاتا ہے ۲؎ اصل: نبات ،

شاہی بتقریب پیدا کردن گم شدگان لشکر ظفر اثر و در ضمن این از تحویفضل رسیدن مقدمات دیگر (۱۶۰ الف)، نقل رقم ہمایون (۱۶۰ ب)،

از پیشگاہ فضل و کرم خلافت و جہانبانی مرحمت شدن اضافہ ہزاری ذات و خطاب سیف الدولہ بہادر دلیر جنگ بنواب اعز الدولہ بہادر از روی تفضل و مہربانی (۱۶۰ ب)

نقل فرمان مکرمت عنوان فلک شان محمد شاہی متضمن عطای اضافہ ہزاری ذات بنام اعز الدولہ بہادر آن منظور نظر خلیفہ الہی (۱۶۱ ب)

ارسال گردیدن زری بر سبیل نقد مصحوب پانصد باشیان بجناب شاہی (و) از حضور مامور گردیدن میر نجم الدین بہادر جہت رسانیدن خزانہ تا بلاہور (۱۶۲ ب)،

نقل یرلیغ قضا تبلیغ محمد شاہی کہ در مقدمہ پانصد باشیان بنام سیف الدولہ بہادر دلیر جنگ صدور یافتہ (۱۶۳ الف)،

نقل عرضداشت نواب سیف الدولہ بہادر دلیر جنگ آن منظور نظر خلیفہ الہی بجناب اقدس اعلی محمد شاہی (۱۶۳ ب)،

بتحریک یادآوریہای آن رونق افزای چمنستان شفقت پروازی فرستادن شاہ جم جاہ ڈالی میوہ برای محمد شاہ پادشاہ غازی (۱۶۴ ب)

نقل منشور کرامت گنجور محمد شاہی بنام سیف الدولہ بہادر دلیر جنگ متضمن عطای الوش (۱۶۵ ب)، تتمہ احوال پانصد باشیان (ایضاً)،

رسیدن میر نجم الدین خان بہادر بلاہور و بعد چندی بخدمت نوابصاحب سیف الدولہ بہادر معاودت کردن بحضور (۱۶۶ الف)،

بقدرت کاملہ آفرینندۂ راحت و رنج تسلط افواج شاہی بر بخارا و ارگنج (۱۶۷ ب)

(یہاں سے چند اوراق غائب ہیں۔ اس نسخہ کا آخری سطر علیگڈھ کے نسخہ میں ورق ۱۴۷ ب کی سطر آخر ہے۔ وہاں یہ بیان ورق ۱۴۹ الف پر ختم ہوتا ہے۔ اس نسخہ میں اس بیان کے بعد عنوان ذیل ہے:

"نسخۂ سوانح احوال" (ص ۹۴ب تا ۱۰۶ل) ، یہ بیان ہمارے نسخہ میں آگے آئے گا۔ دیکھو ۲۲۹ب تا ۲۴۳ل) ،

۱۸۰ل [سیر چھڑی] اس عنوان سے مصنف نے جو فصل لکھی ہے اسکے ابتدائی اوراق اس نسخہ میں موجود نہیں ،

۱۸۰ل۔ احوال[1] سیزدہ روز سفر مکتیسر (اس فصل کے آخر میں ہے : نقل از نسخۂ آنند رام مخلص)

۱۹۳ل۔ [احوال سفر بن[2] گڈھ] یہ عنوان اس فصل کے آخر میں مذکور ہے ، شروع میں نہیں ، وہاں مصنف نے لکھا ہے کہ آج ۱۲ رمضان المبارک ۱۱۵۸ھ کہ یہ چند اجزا متضمن احوال سفر بن گڈھ چار گھڑی رات گذرنے پر سرما کی آمد آمد کے دنوں میں "بخط فقیر انند رام مخلص" ختم ہوئے، ۹ رمضان المبارک کو دسہرے سے ایک دن بعد" نور چشم کامگار رای فتح سنگھ کے ہاں لڑکا ہوا وغیرہ وغیرہ ،

۲۲۹ب ، [نسخۂ[3] سوانح احوال] یعنی تاریخ پنجاب کے واقعات از جمادی الثانی ۱۱۵۸ھ تا جمادی الثانی ۱۱۶۱ھ ،

خاتمہ میں مصنف نے لکھا ہے کہ گرمیوں کی رات ایک پہر گذری تھی اور گرمی ہوا اور افراط باد سموم سے دم خفا ہوتا تھا کہ ابر آیا اور زور کی بارش ہوئی ، ٹھنڈی ہوا چلنے لگی — اس وقت یہ کتاب تمام ہوئی۔" مدتی است کہ دماغ تصنیف و تالیف ندارم لیکن از آنجا کہ ری چندماہ از بوقلمونیہای چرخ طرفہ انقلابہا بر روی کار رسیدہ برای عبرت و آگاہی بعض غافلان پست فطرت کہ در اندک تغیر احوال از جا میروند این ورقی چند کہ محتویست بشرح آن بقلم آوردم ۔"

---

[1] اس کا انگریزی ترجمہ ولیم اروِن نے The Indian Magazine and Review بابت ۱۹۰۳ء میں دیا ہے ۔ (دیکھو سٹوری ص ۶۱۳) ، [2] محاصرۂ بن گڈھ کا حال آروِن نے اپنی کتاب The Army of the Indian Moghuls میں ص ۲۹۱ بعد پر دیا ہے ۔ جو خوشحال چند کے بیانات پر مبنی ہے ،

ضبطیٔ اموال امراءِ متوفّی

ذیل کا اقتباس جو بدائع وقائع سے لیا گیا ہے۔ وہ موضوع بالا پر روشنی ڈالتا ہے۔
معلوم ہوتا ہے کہ عہد مغول میں امراء کی موت کے بعد ان کے اموال بحق بادشاہ ضبط ہوتے تھے۔ اس کا مجمل ذکر تاریخوں میں جا بجا ملتا ہے۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

عہد اکبری میں مخدوم الملک سنہ ۹۹۰ھ میں فوت ہوئے تو قاضی علی "بجہتِ تحقیقِ اموال" نامزد ہو کر فتح پور سے لاہور پہنچے۔ بہت سے خزائن و دفائن نکلے۔ ان میں "چند صندوق خشت طلا" بھی تھے۔ "جو گورخانہ مخدوم الملک" سے برآمد ہوئے۔ یہ سونے کی اینٹیں مع کتاب خانہ کے "داخل خزانۂ عامرہ" ہوئیں (منتخب التواریخ بداؤنی، طبع کلکتہ سنہ ۱۸۶۵ء ج ۲ : ۳۱۱، دربار اکبری طبع لاہور سنہ ۱۸۹۸ء ص ۳۱۸)۔ ان کتابوں میں سے شرح ھدایہ (دفتر ثانی) راقم سطور نے دیکھی ہے۔ اس کتاب کے آخر میں لکھا ہے :

بابت اموال مخدوم الملک بتاریخ ۱۷ جمادی الاولی سنہ ۹۹۰ھ واقع شد (کذا)، اسکے نیچے ایک دوسرا نوٹ ہے۔ جو بعد میں لکھا گیا۔ اس کی عبارت یہ ہے : بتاریخ ۲۴ ماہ شہریور الٰہی سنہ ۴۱ھ از وجوہ تحویل شیخ فیضی تحویل مقصود شد۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مخدوم الملک کی ضبط شدہ کتابیں (کل یا بعض) شیخ فیضی کی تحویل میں رہیں، اور شیخ کے فوت ہونے کے بعد کسی اور شاہی تحویلدار کے حوالے ہوئیں۔ شیخ فیضی ۱۰ صفر سنہ ۱۰۰۴ھ (سنہ ۴۰ جلوسی) میں فوت ہوا۔ خود شیخ فیضی کے اموال بھی ضبط ہوئے، مآثر الامراء ج ۲ ص ۵۸۹ پر ہے : گویند از متروکہ شیخ چہار ہزار و سہ صد کتاب صحیح نفیس بسرکار پادشاہی ضبط شد[1]

ملا بداؤنی (۲ : ۱۲۰) ہم نے سنہ ۱۰۰۴ھ کے واقعات میں لکھا ہے کہ حکیم ہمام اور کمال صدر علی الترتیب ۶ اور ۷ ربیع الاوّل کو فوت ہوئے۔ "و ما لہای این ہر دو در ساعت در حجرِ

[1] بلاخمن نے ترجمۂ آئین (۱ : ۴۹۱) میں اسی کو دہرایا ہے۔ دربار اکبری (ص ۳۶۸) کے بیان کا مأخذ بھی غالباً یہی ہے
ذکر ملا" و حدانقار بداؤنی) گر و بیاد میں منو کتب چار ہزار سو سدی ہے جو غلط معلوم ہوتی ہے

قفل گردید و بپارچۂ کفن محتاج بودند"........ یہ واقعات عہدِ اکبری کے تھے، عہدِ جہانگیری
کی اسی قسم کی ضبطیوں کا ذکر بہارستانِ غیبی (ترجمۂ انگریزی طبع ۱۹۳۶ء) میں بھی بعض بعض
جگہ ملتا ہے[۱]۔ عہدِ شاہجہانی میں ضبطیِ اموال آصف خان ابوالحسن اعتماد الدولہ برادرِ کلاں نورجہان بیگم کا واقعہ
پیش آیا۔ بادشاہنامہ ج ۲ حصہ دوم ص ۲۵۹ پر اسکی تفصیل یوں دی ہے کہ آصف خان کی علالت میں شاہجہان عیادت کیلئے گیا تو اس نے عرض کیا کہ
"سب نقود و اجناس جو اس درگاہ کی عبودیت سے حاصل ہوئے سرکارِ والا کا مال ہیں اسلئے کہ جمع اموال سے غرض صرف یہی تھی کہ اولاد اور
متعلقین کو رفاہیت و جمعیت حاصل رہے اور وہ صورت مرحمِ پادشاہی سے کماینبغی حاصل ہے۔" آصف خان کے مرنے کے بعد حویلی لاہور کے علاوہ
جو ۲۰ لاکھ کے خرچ سے تیار ہوئی تھی، اور اب دارالشکوہ کو عنایت ہوئی دو کروڑ ۵۰ لاکھ کی مالیت کا نقد و جنس باقی رہا (جواہر ۳۰ لاکھ روپیہ کے، اشرفیاں
۴۲ لاکھ کی، روپیہ ایک کروڑ ۲۵ لاکھ، طلا آلات و نقرہ آلات ۳۰ لاکھ روپیہ کے، دیگر اجناس ۲۳ لاکھ کے) گو اعتماد الدولہ کی وصیت یہ تھی کہ اسکا نقد و جنس
تمام داخلِ خزانۂ پادشاہی ہو، بادشاہ نے ۲۰ لاکھ روپیہ (نقد و جنس) متوفی کے ۳ بیٹوں اور پانچ بیٹیوں کو عنایت کیا اور متعلقین کو حسبِ لیاقت
منصب وظیفے اور مشاہرے مقرر کئے، باقی سب کچھ ضبط فرمایا، عہدِ محمد شاہی میں زکریا خان کے اموال ضبط ہوئے۔ اس واقعہ
سے متعلق جتنی تفصیل آنند رام مخلص نے بدائع وقائع میں دی ہے۔ راقم سطور نے اور کسی مصنف کے ہاں نہیں دیکھی، تفصیل اس واقعہ کی یہ ہے۔ کہ
زکریا خان صوبہدار لاہور ۱۱۵۸ھ میں فوت ہوا۔ تو شاہی کارندے دہلی سے ضبطیِ جائداد کیلئے لاہور بھیجے گئے، وہ تمام سامان نقد و جنس، فیل و اسپ و شتر
وغیرہ وغیرہ لیکر دہلی پہنچے، زرِ نقد، طلا آلات، نقرہ آلات، اور جواہرات داخلِ خزانۂ پادشاہی ہوئے[۲]۔ اسپ و شتر و استر کو نیلام کرکے تھوڑی سی قیمت
جو وصول ہوئی وہ بھی داخلِ خزانۂ سرکارِ بادشاہی ہوئی[۳]۔ بعض جواہرات کے متعلق مصنف نے لکھا ہے کہ انکی اصل قیمت ۳۱۲۵۰ روپیہ تھی تو مالکان کے سامنے انکی قیمت
۷۲۶۳ روپیہ لگائی اور یہ جواہرات بادشاہ نے رکھ لئے گویا ان کی قیمت واجب الادا تھی مگر باقی مال کا معاوضہ مالکوں کو بظاہر نہ
دیا گیا۔ جو مال ناقابلِ قبول قرار دیا گیا۔ وہ لاہور واپس بھیج دیا گیا۔

اب اصل اقتباس نسخۂ کلیۂ پنجاب سے درج کیا جاتا ہے، جس کا مقابلہ نسخۂ علیگڑھ سے کیا گیا، محمد شفیع

---

[۱] نیز دیکھو ہاکنس کا سفرنامہ (Hawkins ... Early Travels ...) مرتبہ فاسٹر (۱۹۲۱ء) ص ۱۰۱ اور اکبر مغلِ اعظم (از ونسنٹ سمتھ) ص ۳۶۴،

[۲] دیکھو صفحہ ۱۱۰ سطر ۳ و ۸ و ۱۲، [۳] ص ۱۱۶ سطر آخر، اس سے پہلی سطر میں مصنف کے الفاظ "در ضمن
اینگونہ قیمت کردن غرضی ہر آینہ منظور دارند" سے بھی یہ گمان گذرتا ہے کہ "غرض" شاید یہ تھی کہ قیمت وصول شدہ
گویا متوفی کے ورثا کو کسی صورت میں مجرا دیتا ہے،

۹۱

بسم الله الرحمن الرحیم

رب یسر و تمم بالخیر

چون آبادی و معموری الکهٔ پنجاب و آرام و آسودگی سکنهٔ آن گلزمین در ایام نظامت نواب سیف الدوله زکریا خان بهادر دلیر جنگ مغفور مرحوم بپایهٔ کمال[۱] سید، مستعد زوال بود از نیرنگ سازی قضا و قدر در[۲] سال یکهزار [و یکصد] و پنجاه و هشتم [و سنه بیست و هشتم] جلوس خلیفهٔ دین و دولت محمد شاه بادشاه غازی خلد الله ملکه و سلطانه [د]وازدهم جمادی الثانی سه شنبه یک پهر و سه گهری روز بلند شده آفتاب عمر سیف الدوله بهادر مبرور در مغرب فنا فرو رفت، یعنی بلبل روح پر فتوحش از قفس جسم عنصری به پرواز آمده بشاخ سدرة المنتهی[۴] آشیان بست، قیامتی سرتاسر پنجاب بتخصیص در شهر لاهور گذشت که تا سه شب در هیچ خانه چراغی روشن نگشت، هرگاه جنازهٔ[۳] آن مغفور از حویلی بر آمد سوای نوع مغل که همگی گریبانها تا دامان چاک زده

۹۰

---

۱ شجرہ نواب کے خاندان کا یوں ہے :-

x
خواجہ زکریا — x
بنت ... ز ... بنت ... ز ... عبدالصمد خان دلیر جنگ (م ۱۱۵۰)
عبداللہ — عضد الدولہ زکریا خان بہادر ... ز ... بنت
یحیی خان — حیات اللہ خان (شاہنواز خاں)

عالم شیخ
میر بہاء الدین
محمد امین خان اعتماد الدولہ چین بہادر
قمر الدین خان اعتماد الدولہ نصرت جنگ (میر محمد فاضل) م. ۱۱۶۱
میر معین الملک (میر منو) رستم ہند (م. ۱۱۶۷) — انتظام الدولہ خان خانان (م. ۱۱۷۴)
امین الدین خان — فخر الدولہ

(دیکھیں مآثر الامراء مواضع متفرقہ، و تاریخ پنجاب از سید محمد لطیف ص ۲۱۲)

۲ = ۱۲ جولائی ۱۷۴۵ء ،

۳ از روی نسخهٔ کلیهٔ علیگڈھ، که علامتش در حواشی "ع" است،

۴ اصل : المنتهای ،

(۲۲۳ ب) خاک بر فرق ریزان و بتابش[1] بودند هزاران هزار مردم (۲۳۰ الف) شهر لباس سیاه پوشیده در کمالِ شور و شغب نالهٔ وامصیبتاه و واحسرتاه [تازه؟] بر لب همراهِ جنازه راه می پیمودند، و از هر جانب بارشِ گل بر جنازه بآن افراط گردید که دست آخر[2] گلی بمشت زری بهم نرسید، اگرچه مانندِ گل شیرازهٔ اوراقِ عمرش زود از هم گسیخت لیکن تا در قیدِ حیات بود بنا بر جود و سخا و خلقِ خوشی که داشت رنگِ تسخیرِ دلِ جهانی ریخت، در واقع ؎

چون صبح زندگانیِ روشن دلان دمی است　　آمادمی که باعثِ احیای عالمی است

جنازه را بمکانِ حضرتِ ایشان که بنا گذاشتهٔ معمارِ همتِ آنمغفور است و در سوادِ شهر واقع برده پهلوی مزارِ فایز الانوارِ سیف الدوله عبدالصمد خان بهادر مرحوم والدِ بزرگوارش بسانِ گنج بخاک سپردند. جمعی کثیر جهتِ خدمتِ مرقدِ مطهر سوای آن مردمی که بمقتضای حقِ نمک و وفا رخت فقر و فنا پوشیده مجاور گردیده بودند مقرر نمودند،

راقمِ حروف دو تاریخ متضمن این سانحِ غم افزا که یکی موزون است و دوم[3] در نثر یافته چنانچه مرقوم میشود ؎

حضرتِ خان بهادر نواب　　آنکه او دادِ عدالت میداد
آنکه او ساخته از بس همت　　اکثر آئینِ سخاوت ایجاد
ناگهان کرد ز عالم رحلت　　بجهان شور و قیامت افتاد
شد بلند از دلِ خلقِ پنجاب　　ناله و شیون و داد و بیداد
رونق الکهٔ لاهور افسوس　　رفت چون بادِ خزان دیده باد
سالِ (۲۳۰ ب) این ماتمِ جانکاه قلم　　(۲۳۰ ب) زد رقم خانک[4] بهادر فریاد

---

۱ اصل: نمایش؛ ع: بتابش تصحیح قیاسی است، ۲ یعنی نوبت آخر، ۳ ع: دیگری، ۴ ع میں اسکے نیچے ... [illegible] الف ... [illegible]

اینچنین بود مقدر اکنون　　گلشن خلد مقام او باد

تاریخ دوم که در نثر یافته شده این است ، مادۀ تاریخ[1] ہای زکریا خان کوچ کرد '

عزیمت اعز الدولہ بہادر و حیات اللہ خان بہادر جانب پنجاب از حضور پُر نور و متوقف شدن حیات اللہ خان بہادر در دوآبہ و رسیدن اعز الدولہ بہادر بلاہور

از اتفاقات اعز الدولہ یحیی خان بہادر و حیات اللہ خان بہادر ہزبر جنگ که از دولت نادریه بخطاب شاہنواز خان مخاطب و اوّلین گل[2] اوّل حدیقۂ آرزو و دویمی غنچۂ دوم گلبن امید آن عالیجاہ مرحوم است در حضور پُرنور و میر مومن خان و میر منعم خان بہم کوہستان جون مامور بودند ، میر مومن خان روز سیوم از رحلت بشہر رسیده بمراسم تعزیت پرداخت و آن ہر دو گل گلشن اقبال که باطلاع مرض آن مغفور در عین موسم برشکال ہژدہم جمادی الثانی سنه صدر از حضور فیض گنجور دستوری حاصل کرده جریده و یلغار اعرام دریافت سعادت ملازمت پدر عالیقدر بسته بودند در اثنای راه خبر رحلت شنیده ہزبر جنگ بہادر در دوابۂ تعلقۂ فوجداری خود متوقف گردیدند و اعز الدولہ بہادر بعد کشیدن اقسام شداید سفر ببلدۂ لاہور رسیدند '

[1] در ن ع ندارد ،　[2] یعنی یحیی خان زکریا خان کا بڑا بیٹا اور حیات اللہ خان چھوٹا بیٹا تھا　[3] ز در ن ع ندارد ، ک ع نعمت '

احوالِ کشتی

هنگامِ عبور از آبِ بیاه بر کشتی که اعز الدوله بهادر سوار بودند طرفه حادثه گذشت؛ چه از آنجا که بنابر اضطرابِ خاطر [۱۲۲ب] سررشتۀ احتیاط بکلّی از دست رفته بود در کمالِ شتاب زدگی و سراسیمگی بی اسباب و لوازمِ امارت سپاهیانه و [ترکانه؟] قطعِ [راه] میشد، هرگاه پنجم رجب سنۀ مرقوم براه غیرمتعارف بر دریای بیاه که در نهایت طغیان بود در رسیدند کشتیِ ناکاره با یکدو ملّاح بیچاره بدست افتاد، با وجودِ ممانعتِ خیرخواهان با بعض مصاحب بر آن سوار شدند و بمقتضای آنکه [ع]

هرچه بادا باد ما کشتی در آب انداختیم

ارادۀ عبور از دریا نمودند، هرگاه کشتی در وسط دریا رسید از ناتجربه کاریِ ملّاحان و آشوبِ باد و باران که آب را بتلاطم داشت اجزایش متزلزل گردید، اعز الدوله بهادر که پیش ازین رخت از بدن برکنده و لنگی در کمر پیچیده نشسته حقّه میکشیدند احوال کشتی را دیگرگون یافته خود را بر آب زدند، و چون از طفلی مشقِ شنا رسانیده اند شروع بدست و پا زدن در آب کردند از آنجا که او تعالی شانه در همه حال مُعین و یاورِ اهلِ اقبال است در آنحالت پیری نورانی جهه دو کدو بایشان داده گفت که اینها را زیر سینه گذاشته شنا نمایند، حق تعالی بسلامت بساحل خواهد رسانید؛ ایشان هر دو کدو را از دستش گرفته موجبِ اشارت پُربشارتش بعمل آوردند و در اندک سعی بفضلِ بیکرانِ او تعالی شانه بخیریت بساحل رسیدند،

---

۱ اندری ع،

بیایم بر سر احوالِ [۲۳۱ب] کشتی، بمجرد آنکه ایشان خود را بر آب زدند کشتی در (۲۳۱ء)
آب فرو نشست و قریب چهل و پنجاه کس از مقربان و نزدیکان که
در آن جا گزین بودند غریقِ بحرِ فنا گشتند[1] آری ؎

درین ورطه کشتی فرو شد هزار — که پیدا نشد تخته بر کنار

سخن مختصر ایشان یکدو مقام در پرگنهٔ بٹالا نموده بعد از آن که فوج و کارخانجات
رسیدند از آنجا کوچیدند، و بعد رسیدن بنواحِ لاهور از گردِ راه بزیارتِ
مرقدِ منورِ مطهرِ پدرِ عالی قدر و جدِ بزرگوار پرداخته نهم رجب المرجب سنه
صدر داخل شهر گردیدند، لمصنفه ؎

میر سید فخرِ قوم مجنون را — وارثِ شهر سبز ها مونند[2]

بعد فراغ از رسمیاتِ تعزیت بانتظامِ مهامِ آن ضلع پرداختند و موجب[3] ۱۰
رسمِ دودمانِ خود دامِ جود و سخا گسترده طرحِ صیدِ دلها انداختند، حالا خامهٔ
بدایع نگار این ماجرا را همین جا میگذارد و احوالِ حضورِ پرنور می نگارد،

سعیِ خامهٔ بدایع نگار در تحریرِ ماجرای دربارِ جهاندار

چون از روی نوشتجاتِ اربابِ تحریرِ لاهور خبرِ رحلتِ سیف الدوله
بهادر مغفور بشاهجهان آباد رسید نواب صاحب وزیر الممالک
اعتماد الدوله بهادر دام اقباله در تعزیت نشستند و تا سه روز جمیع ارکانِ
سلطنت و برگزیدهای خلافت بتقریب فاتحه آمد شد میداشتند، من بعد
بموجب حکم والا عمدة الملک امیر خان بهادر[4] نواب صاحب را از ماتم برداشته
بحضور بردند، و از جناب اقدس [۲۳۲الف] بعد ارشادِ کلماتِ متضمن (۲۳۲الف)

---

[1] اصل: کشیدند، [2] اصل: ها موبند؛ تج: ها موند. شعر کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا، [3] اصل: موجم،
[4] دیکھیں: آثر الامراء ۲ : ۸۳۹ ؛ اوئیل: رفوج مغولان هند) ص ۲۹۱،

به تفضّل[1] دلجوئی چیرهٔ پیچیده بدست مبارک مرحمت شد و نیز دو دست خلعت
تعزیه با دو منشور لامع النور مشعر تفضلات بادشاهانه حواله گرز داران شد
که باعزّ الدوله بهادر و هزبر جنگ برسانند، بیست و ششم جمادی الثانی
سنه مذکور از پیشگاه خلافت و جهانبانی محی الدین علیخان بهادر دیوان بیوتات
برای ضبط اموال سیف الدوله بهادر مرحوم بلاهور دستوری یافت،

اگرچه فدویت و بندگی سیف الدوله مبرور مقتضی اینمعنی بود که لاهور
و ملتان از انتقال آن مغفور باعزّ الدوله بهادر و حیات الله خان بهادر مرحمت
می گردید لیکن از آنجا که ع

رموز مصلحت ملک خسروان دانند

بخاطر اقدس گذشت که صوبجات را به بندهای دگر مرحمت باید فرمود، نواب عماد
وزیر الممالک بهادر نظر باینمعنی که چون از مدّتی ممتد صوبهٔ لاهور بسیف الدوله
عبدالصمد خان بهادر مرحوم و سیف الدوله زکریا خان بهادر مغفور تعلق داشته
از بس ممرّ امنای بلخ و بخارا وطن مغلیه گردیده و اینها عمارات و باغات و مقابر
در آنجا دارند و در صورت مقرر شدن بدیگری ویرانی و خرابی آنها ست
لهذا درین باب استادگی تمام کرده جهت تقرر صوبجات بنام اعزّ الدوله
بهادر و هزبر جنگ بهادر بعرض اشرف رسانیدند، و اکتفا بر ینمعنی نکرده
مبالغه را که منافی عالم بندگیست از حد گذرانیدند لیکن (۲۳۲ب) بنا بر بعض
جهات که قابل تحریر نیست اصلا مزاج اشرف برین پله نیامد، از بوالعجبیهای
تقدیر است که راجه ایسر[2] سنگه پسر راجه دهراج بعد فوت پدر خود

[1] ع: تفضل،
[2] ع: ایسر سنگه، برای ایشور سنگه پسر و جیراج جیسنگه رک به مآثر الامراء ۲: ۸۳،

بعطای زمینداری آنبیر[1] و نظامت اکبرآباد و جاگیر[2] آتی که پدرش داشت سربلند شود و اعزّ الدوله بهادر و هزبرجنگ بهادر باوصف سررشتهٔ بندگی درگاهِ آسمان جاه و نسبت ہمشیره زادگیِ نواب صاحب عُمدة[3] الملک مدارالمهام یک قلم از ارث محروم باشد، باری جای دم زدن نیست رباعی

هرگز در مدح و ذم نمی باید زد　　از حد بیرون قدم نمی باید زد
دنیا همه مرآتِ جمال ازلیست　　می باید دید و دم نمی باید زد

بیایم برسر حرف مطلب، هرگه نوابصاحب وزیرالممالک بهادر درین امر مبالغه را بسر حد نهایت رسانیدند تجویز دیگران موقوف مانده مرضی اقدس بر یمعنی آمد که هر دو صوبهٔ مسطور به نوابصاحب وزیرالممالک بهادر مرحمت فرمایند، ناچار[4] نظر برانیکه تارگ و ریشهٔ تصرفِ مخلیه ازآن سرزمین پرکنده نشود[5] و بانیجانب[6] که مقرر شد حقیقتاً برای اعزّ الدوله بهادر و هزبرجنگ بهادر است قبول نمودند، و از پیشگاه خلافت نهم شعبان المعظم سنه مذکور روز سه شنبه خلعت خاصه و چیرهٔ پیچیده بدست خاص با طرّه و اسپ[7] و فیل با طلا[8] بابت تقررِ نظامت لاهور و ملتان بایشان مرحمت شد و بر رسالهٔ بخشی[9] سیوم عمدة الملک بهادر آداب بجا آوردند، و همان روز باوصف شدتِ بارش پیش خیمه [۲۳۳ا] را جانب لاهور برآورده مقرر کردند که عنقریب بآنسمت متوجه شوند تا یکچند درآن ضلع بوده و از نظم و نسقِ آنجا خاطر جمع نموده باز مراجعت بحضور نمایند، سه تاریخ متضمن این معنی

---

[1] اصل: انبیر، [2] اصل: که جاکاتی، تصحیح از روی ح، [3] عُمدَه بمعنی بزرگ و بلند،
[4] ح: نواب صاحب ناچار (بجای ناچار)، [5] اصل: تا پنجاب، تصحیح از روی ح، [6] ح: متعیش،
[7] ح: طلایه (طلای ؟)، [8] بخشی سوم کے فرائض کے متعلق دیکھو اَرْوِن کی کتاب دی آرمی آف دی انڈین مغلز ص ۳۹،

راقم حروف یافته مرقوم قلم بدایع رقم می شود لمصنفه

[(۱)] اعتماد الدوله[1] نواب وزیر — آن محیط فضل و دریای کرم
از جناب اقدس گیتی خدیو — سایهٔ حق مظهر فیض اتم
یافت از راه تفضل در تیول — صوبهٔ لاهور و ملتان نیز هم
زین جهت تشریف خاصی شد عطا — از پی آن صاحب سیف و قلم
خامه ام سال مبارک فال آن — خلعت پنجاب کرد امشب رقم

۱۱۵۶

[(۲)] وزیر الممالک مدار المهام — که اقبال او باد دایم فزون
بحکم شهنشاه گیتی خدیو — که یک بندهٔ اوست گردون دون[2]
که لاهور و ملتان بجاگیر یافت — بصد میمنت هم بچندین شگون
پی سال فرخنده فالش سحر — نمودم سوال از دل ذو فنون
بفرمود ناگاه هاتف بگو — که لاهور و ملتان مبارک کنون

۱۱۵۶

[(۳)] و در نثر چنین یافته شد :

بنده نوازا لاهور و ملتان مبارک !

ایجاز سخن، نیابت نظامت لاهور بمیر مومن خان[3] و دیوانی به لکپت رای مقرر شد و نیابت نظامت ملتان بخواجه اسحٰق خان بدستور سابق بحال ماند، باآنکه حرکت نواب صاحب سمت پنجاب مقرر و پیش خیمه هم برآمده بود لیکن تقدیر که بر تدبیر غالب است ورق اراده را برگرداند ؎

(۲۲۳ب) اگر محول حال جهانیان نه قضاست — چرا مجاری احوال برخلاف رضاست
بلی قضاست بهر نیک و بد عنان کش خلق — بدان دلیل که تدبیرهای جمله خطاست

---

[1] اصل میں : خان بهادر اعتماد الدوله (بجای اعتماد الدوله)، [2] اصل میں اس سے پہلے ایک مصرع دیا ہے : گذارد ز بیش بخود چرخ پیر، مگر دوسرا مصرع نہیں دیا۔ [3] خاطر افروز بے۔

از نیرنگیهای این قصر مینافام پای[1] لغزیدن * نواب صاحب وزیر الممالک بهادر از سر زینهٔ پشت بام

بیست و ششم[2] شعبان سنه مذکور نواب صاحب وزیر الممالک بهادر
بقاعدهٔ قدیم سر شام از حویلی اجمیری دروازه سوار شده در حویلی نو که آن نیز قریب
بدروازهٔ مذکور و محاذی حویلی مسطور است تشریف فرمودند و چون ذوق مفرطی
بتماشای تعمیر[3] تازه دارند بروشنی مشعل سیر عمارت می نمودند، از آنجا که
با سیر عمارت متوجه بحرف بودند پا از سر زینهٔ اول پشت بام لغزید و چون
هیچ جا نتوانست قایم شد آسیبی سخت و صدمهٔ قوی در سر بند سرین[4] چپ
رسید، در آنحالت غش اشاره بفصد کردند چنانچه همان وقت بعمل آمد، ۱۰
آخر شدت وجع و الم باعث حرارت شد، فرمایش معتبر الملوک[5] علویخان
و علی نقی خان و معالج[6] خان وغیره حکمای پادشاهی حسب الحکم والا حاضر شده
باقسام تدبیر و معالجه پرداختند تا بعد مدتی طاقت حرکت پیدا کردند لیکن
هنوز اثری از آن باقیست زیرا که هنگام راه رفتن محتاج بعصا اند، امید
که از فضل الهی آن نیز رفع شود و شفاء کلی حاصل گردد ؎

دلا معاش چنان کن که گر بلغزد پای فرشته[7]ات بدو دست دعا نگهدارد

---

[1] ح: لغزیدن پای، [2] ح: هفتم، [3] اصل: سیر، تصحیح از روی ح، [4] ح: ران،
[5] اصل: الملوک، [6] ح: معالجان، [7] اصل: فرشته، تصحیح از روی ح،

در واقع کہ اثر دعاہای سحری ونیم شبی خلق اللہ بود کہ حق تعالیٰ را انبا اینگونہ
(۱۲۳۴ھ) بلای ناگہانی حفظ [۱۲۳۴ھ] ذات حمیدہ صفاتش نمود، تاریخ کہ متضمن
این معنی یافتہ شد بہ قلم می آید لمصنفہ

جُمدۃ الملک وزیرِ اعظم — کہ خدایش بسلامت دارد!
شب کہ گلگشت عمارت میکرد — بادلِ خورم واز غم آزاد
گل بدانسان کہ فتد از گلبن — از سرِ بام بناگاہ افتاد
سال این سانحہ دل جست از من — گفتمش حق ہمہ جا حافظ باد!

باری بنا بر رحلتِ سیف الدولہ بہادر مغفور وعدم تقرر نیابتِ نظامت
بنام اعزّ الدّولہ بہادر وہم ناخوشی ہر دو والا گہر باہم دگر و تاخیر کوچ نواب صاحب
۱۰ وہمچنین بسبب بعض مہماتِ دیگر سرتاسر پنجاب دارِ آشوب وفساد شد
وہر طرف فتنہ پیرایانِ غارت پیشہ وہنگامہ آرایانِ کوتاہ اندیشہ کہ از
روزگارِ دراز در کنج خمول وگمنامی خزیدہ بودند سر از رخنۂ فساد برآوردہ
در خرابی وویرانی آن مملکت بمقدور قصور ننمودند، شہرہا بغارت رفت
وقصبہ ہا تاراج کردند تا خاندانہا پامالِ حوادث گشت وبدولتہا آفت
رسید، غرضکہ زمانہ از مردم آنجا کہ بنا بر عدالت وکرم نواب ناظم مرحوم
در کمال آرام وآسودگی زندگانی میکردند طرفہ انتقامی کشید، چنانچہ تا ساعتِ
تحریر کہ پنجم رجب وسنہ بیست ونہم جلوسی است ویکسال ویکماہ وبیست
وسہ روز از رحلتِ نواب ناظم مغفور گذشتہ ہنوز آن مملکت محلِّ فتنہ
وفساد است ؎

جہاندار دارد جہان را خراب — بہانہ است کاوس وافراسیاب

---

[۱] یعنی یحییٰ خان، [۲] ع: بتاراج، [۳] ع: غارت، [۴] یعنی رجب [illegible]

بعد یک چند از رسیدنِ اعز الدوله بهادر بلاهور هزبر جنگ [۲۴۴ب] بهادر از (۲۴۴ب)
دوآبه جانبِ لاهور بحرکت آمده در مکانِ حضرت ایشان اقامت گرفتند ،
و با عز الدوله بهادر در بابِ تقسیمِ ملک و مال پیغام کردند ، آخر کار حرف
بطول کشید و عاید بناخوشی ها شده ، در افواجِ طرفین گونه زد و خوردی
واقع گردید ، من بعد پای مصالحه درمیان آمد و باهمدگر بسواری کشتی درمیان
دریای راوی ملاقاتی نیز دست بهم داد ، و یکپاره نقد و جنس از جملهٔ ترکه
بطریق علی الحساب بشرطِ کوچیدن سمتِ دوآبه از پنجاب حوالهٔ متصدیان
سرکار هزبر جنگ بهادر شد و ایشان بدوآبه کوچیدند ،

رسیدن محی الدین علی خان بهادر با اموال از لاهور بحضور و حواله گردیدن اموال بمسودا و اوراق به علاقهٔ وکالتِ نواب سیف الدوله بهادر مغفور

۱۰

محی الدین علی خان بهادر دیوان بیوتات که برای ضبطِ اموال از حضور
مامور شده بود ، نه لک روپیه نقد و یک پاره جواهر و طلای آلات و نقره آلات
و پنج زنجیر فیل و یکصد و چهل و شش اسپ و دو صد و سی و یک شتر و بیست
استر و توشکخانه و فراشخانه وغیره کارخانجات که تفصیلِ آن طول میخواهد بضبط
درآورده هژدهم ربیع الاول سنه مذکور روانهٔ حضور شده ، و هفدهم ربیع الثانی
بشاهجهان آباد رسیده برسالت عمدة الملک بهادر شرف اندوزِ سعادتِ
ملازمتِ اقدس گشت ، و بعطای خلعتِ شش پارچه و علم و نقاره نوازش یافت

سه [illegible] حاشیه م ،

۲۳۱ الف) و درباب اموال بسعد الدین خان[1] بهادر[2] (۲۳۵ و) خانسامان حکم شد که تحویل تحویلداران کارخانجات سرکار روا نماید، چنانچه بر طبق حکم قضا شیم بظهور رسید، یعنی زر نقد داخل خزانۂ عامره و جنس سپرد کارخانه داران گردید، بعد سه روز از ین[3] بسعایت بعض[*] اعزه بیست و سیوم شهر و سنه مسطور اول روز که بندگان حضرت قدر قدرت در دیوان خاص تشریف آوردند بسعد الدین خان بهادر خانسامان ارشاد قدسی شد که چون اموالی که محی الدین علی خان بهادر آورده قابل سرکار روا نیست سوای زر نقد، طلا آلات، نقره آلات، و جواهری که پسند شده، دیگر هرچه هست حوالۂ وکیل نمایند، و همین امروز رسید [بمهر ش] گرفته از نظر انور

۱۰ بگذرانند، در واقع که چه لازم کرده که مشتی اسپ و فیل و شتر دانه خور زیادتی در سرکار روا باشد، آنچه حیثیت[4] پسند طبع اقدس اشرف داشت و آن عبارت است از زر نقد، و طلا آلات، و نقره آلات، و جواهر خود بمقتضای تفضلات پادشاهانه در وهلۂ اول داخل خزانه شد،

باری خانسامان در کچهری آمده نشست و بکارخانه داران تاکید بلیغ کرد که توشکخانه و فراشخانه و فیل خانه و اصطبل و آهو خانه و توشخانه وغیره کارخانجات اموال را از تحویل کارخانه داران بادشاهی طلبیده همین وقت بخانۂ وکیل که عبارتست از راقم سطور برسانند و رسید هر کارخانه بمهر ش بیارند

۲۳۲ ب) و خود تا دو پهر شب از کچهری برنخاست (۲۳۵ ب) تا آنکه کارخانجات مرقوم را بخانۂ فقیر فرستاد، از رنگ آمیزیهای نقشبندان قضا و قدر است که محی الدین علیخان

---

[1] در کل: بمهرش خان بهادرخان [2] اصل: ازین صحبت بسعانت بعرض مرع: از سعایت بعض، [3] از روی مع،

[4] اصل: حیثشت، مع: حیثت، تصحیح قیاسی ہے،

[دیوانِ] بیوتات [که] بنابر ضبط اموال از جناب خلافت مامور گردیده و اموال
بحضور آورده بود بعطای اضافه و نقاره سرافراز شود و در حق بیچاره وکیل
که بعد رحلت سیف الدوله بهادر مرحوم باحوالِ خود گرفتار و معطل و بیکار است
حکم شود که اموال را بخانه اش رسانند و دواب پانصد روپیه روزی[۱] خرج
را بگردنش بربندند، و دمِ نقد خود جا می باید که گنجایشِ این همه کارخانجات
داشته باشد، باری قریب بشام آمدنِ[۲] اموال محشر[۳] تمثال شد،
بسم الله اول فیلخانه که از آنجمله یک فیل سیه مست خونخواره و بر
پشتش فیلبان شور[۴] پشتی سواره بود و ده دوازده کس با چرخی و بهاله
همراه داشت بر دروازۀ حویلی رسید و راه آمد و شدِ مردم بکلی مسدود
گردید، سر حلقۀ فیلبانانِ بادشاهی که چیرۀ کهڑکی دار بر سر پیچیده خود را آدم ۱۰
تراشیده بود آمده[۵] نشست و ستدعی رسید گشت، گفتم که منشی را بطلبید
که رسید نوشته بدهد، منشی از خانۀ خود پیشِ فقیر می آمد[۶]، فیل مست
اندکی اشارتِ خرطوم طرفِ مخدوم کرد، آن بیچاره برهمنِ ناتوان که مشتِ
استخوانی بیش نیست: هائی پرمیسر کیسی [کی[۷]] گفت و بر زمین غلطید
و در آن مرتبه حس و حرکتش مفقود شد که گوئی بدیو کوک رسید باری [۲۳۶ا] (۲۳۶ل)
کسانِ فقیر بسرِ وقتش رسیده از آن مهلکه برآوردند، و لرزان و ترسانش
براهی دیگر پیش فقیر رسانیدند، برسیدِ افیال نوشته حوالۀ آن عزیزِ چیرۀ
کهڑکی بند کرده رخصت نموده شد، و بمحمد اعظم که اهتمام دواسپ خانۀ
فقیر بعهدۀ اوست گفتم ای یار عزیز! هرچند بلای نازل شده است

---

[۱] اصل: روزی خرج، تصحیح از روی ح، [۲] اصل: آمدنِ اموال محشر تمثال، ح: آمد فی اموال محشر تمثال،
[۴] شور پشت یعنی شوره پشت هی، [۵] اصل: و آمده، ح مثل متن، [۶] اصل: آید، [۷] از روی ح،

لیکن استقلال از دست نباید داد و کمر سعی بمیان همت بربند، بالفعل
احاطهٔ زمینی که بپشت اصطبل است فیل واسپ وشترها و دیگر هرچه
بباید در آن جاده، او تعالی شانه آسان خواهد کرد،

پهر شب گذشته اصطبل وشترخانه واسترخانه رسید واز شور وشتر[1] سلیمان
آب بی لجامی خورده واز شیههٔ اسپان از گرسنگی نیم مرده طرفه زلزله در محله
برپا کردند، مردم دروازه های حویلی واهل صرفه دکانهای راسته بازار بند
کرده دم درنمیکشیدند و کلمهٔ فسهّل یا الهی کلّ صعب برزبان مثل بید
برخود می لرزیدند، بلکه دوسه دکان شیرینی فروشان بسبب شیطنت ونلتاق[2]
مردم بادشاهی بتاراج هم رفت، شب تا روز آمد آمد کارخانجات محشر آثار
۱۰ واهجوم مردم سرکار والاو تنگی جا عجب صحبتی وطرفه حالتی بوده است، شب
همه شب وفردایش تا آنکه آفتاب غروب نمود این هنگامه بلند بود، طرفی
افیال واسپ وشتر استاده وسمتی یوز وشیربچه[3] ها وپاره[پاڑهه] وآهو داد
هنگامه آرائی داده، جائی قفس طوطی وبلبل وکوکلا ومرغ کوهی چیده، وبگوشهٔ
(۲۳۶ب) باز وجره وشاهین صید (۲۳۶ب) عقاب بی طعمگی گردیده، غرضکه خانه از
هجوم مردم وکثرت از هرنوع جانور حکم احاطهٔ شکار قمرغه پیدا کرده بود، وصحن
خانه بعینه صفحهٔ تصویر فیل جادو می نمود،

مردم خود را چون مضطرب وسراسیمه یافتم، گفتم چه واقع شده است
که حواس را برباد داده اید، جای شکایت نیست بلکه مقام شکر است
زیراکه حرف دیروز است که چون تقریب سیر چهڑی مدار درمیان بود مگر
کرایه[4] ده شتر داشتم امروز بفضل الهی دوصد وسی ویک شتر ملکی از دیگر

---

[1] اصل: احتیاط، تصحیح از روی ع، [2] دو تبرد ویلاد وریدلند (مرآة اصطلاح)، [3] اصل: شتربچه ها، ع: شتر بچه، [4] ندع،

بهتر دارم ، پری شب شخصی که با قفس بلبلی از سر کوچه می گذشت جهتِ
فروختنش بجدّ بودم امروز نامِ خدا صاحبِ هزاران بلبل و غیره مرغانِ رنگین
گفتارم ، با آنکه عاجزترم از مور ، مخاطب پادشاه سلیمان جاهِ هندوستانم ،
و با وصفی که گوشه گزین و خانه نشینم کلّه بکلّه بامرای عالیشانم ، از بوالعجبهای
تقدیر است که در حالتِ احتیاج مالک سر و سامانِ امیرانه ام و در صورتِ
قلندر پیشگی خداوندِ سی و شش کارخانه ، اگر خروج کنم بجاست که
سواری فیل واسپ و شتر وخیمه چندین چهکره زره[۱] و بکتر و نیزه و شمشیر
و سرب و باروت مهیّاست ، اگر بسیر و شکار پردازم رواست که همگی
لوازمِ آن آماده بر وفق تمناست ، آمدم بر فکرِ خوراکِ دوابّ ومحافظانش ،
ظاهر است که کفیل روزی هر ذی حیات رازقِ حقیقی است ، او تعالی شانه ۱۰
بهر وضع خواهد [۲۲۷ ا] رساند ، اگر این معنی زیاده بر مقدورم خواهد بود (۲۲۷ ل)
دیگر علمی را بر احوال این مشتی بی زبان [مهربان[۲]] خواهد گردانید بیت

رزق را روزی رسان مقدارِ هر پیمانه داد خوشه را چندین شکم داد و بهر یک دانه داد

باری چون دفعتاً بهم رسیدنِ قریب سیصد و چهار صد کس سائیس
و ساربان و بکسریه[۳] وغیره برای نوکری امر محال بود و عمله و فعله بیرحم پادشاهی
خود از سر و اکرده بدر زدند ، تو بتی همان فیلِ مست مسمّی بجهان شکوه از بی مهابتی
زنجیرها از هم گسلانده بمرتبه بر سر شورش آمد که در تمام محله قیامت برپا گشت ،
اسپ و شتر رم کرده هر یکی آوارۀ دشت بله گردی شدند ، بلکه بعضی اسپ
خود مانند اسپ اشمید[۴] جگِ راجه های هندوستان سر تا سر شهر گردیدند ،

---

[۱] دیکھا تعلیقات ولی آنگرہ والا نسخہ عذر رتی ، [۲] اصل : او ، [۳] نسبۃً آنکہ بکسر پرگنہ بھوجپور ، سرکار رہتاس ، صوبہ بہار کا ایک قصبہ — (جہانگیر کی) بکسر ... کے متعلق دیکھا تعلقات کتاب مذکورہ ص ۱۶۸ ، [۴] یعنی اشومیدھ یگ — جشن قربانی اسپ ، اسکے متعلق دیکھو ہیسٹنگز کا دائرۃ معارف مذہب و اخلاق ج ۲ ص ۱۶۰ ،

و بعد از سہ روز بحسن سعی مردم کوتوالی بہم رسید ند دیوان حافظ شیراز قدس اللہ سرہ العزیز، بہ نیت اینکہ مآلِ این مقدمہ چیست بفال کشادم، این غزل برآمد، غزل

ہاتفی از گوشۂ میخانہ دوش	گفت ببخشند گنہ، می بنوش
لطفِ الٰہی بکند کارِ خویش	مژدۂ رحمت برساند سروش
فضلِ خدا بیشتر از جرمِ ماست	نکتۂ سربستہ چہ دانی خموش
گوش من و حلقۂ گیسوی یار	روی من و خاکِ درِ میفروش
داورِ دین شاہ شجاع آنکہ کرد	روح قدس حلقۂ امرش بگوش
ای ملک العرش مرادش بدہ	وز خطرِ چشم بدش دار گوش
گرچہ وصالش نہ بکوشش دہند	آن قدر ای دل کہ توانی بکوش
رندی حافظ نہ گناہی ست صعب	باکرمِ بادشہی [۲۳۷ب] عیب پوش

۱۰

مذکور فیلِ مُردہ

بعد از یک ہفتہ ازین صحبت در حویلی قدیم در بنگلۂ انگوری[1] کہ بر پشتِ بام است فقیر و مرزا اصلاح بیگ متخلص بآگاہ[2] کہ مدارِ مہمات خانۂ محی الدین علیخان دیوان بیوتات براوست نشستہ بودیم، درین ضمن چوبدار سعد الدین خان بہادر خانساماں با چارپائی کہ بر سرِ مزدوران بود رسیدہ ادای پیغام کرد کہ دو فیل نر و سہ مادہ فیل بابت سرکارِ سیف الدولہ بہادر مرحوم بضبط آمدہ بود، ازآنجملہ چہار ماخوذ پیش ازین رسانیدہ و رسید حاصل کردہ شد، یک فیل کہ بسبب بیماری در شہر بند ماندہ بود سقط گردیدہ چنانچہ ہر دو دندان و رخوت[3] (؟) آن برین چارپائی است،

---

[1] ع ، بنگلہ ، کذا [illegible] ست و [illegible] ، [2] کمو ، آگاہ اصلاح بدل وارست ، [3] اصل ، ورزحت ، ع ، ورزخوت ،

ملاحظہ کردہ باید گرفت و رسید باید داد، گفتم ای خانہ خرابان! شاید از گرفتن رسید زندہا تسلی نشدہ آید کہ حالا رسید جناز ہا میخواہید بروید و ببرید، من چہ دانم کہ دندان ورخوت[1] کہ آوردہ اید از ہمان فیل است یا از فیل دیگر از آن قبیل،

کیفیت دیوان مرزا صایب علیہ الرحمۃ

شاید کہ یک ماہ پیش ازین ہنگامہ از شخصی خبر یافتم کہ رای نوندہ رای پیشکار خالصہ دیوان مرزا صایب علیہ الرحمۃ دارد کہ قریب یک لک بیت است، چون از مدتی تلاش این قسم دیوان داشتم از پیش رای مذکور طلبیدہ شیرازۂ اجزایش وا کردم و سطر چہار مصرعی موافق صفحۂ اصل ترتیب دادہ بنا بر برداشتن نقل بہ نہ کاتب حوالہ نمودم، در عرصہ سہ ماہ و پنجروز ہشتاد و دو جز کہ شصت و نہ ہزار یکصد و پنجاہ و ہشت [۶۹۱۵۸] بیت دارد باتمام رسید، و مبلغ یکصد و ہفدہ روپیہ و پنج آنہ صرف کاغذ و کتابت و جدول و جلدش کردند، حاصل این گفتگو روزی کہ ہنگامۂ اموال بمیان آمد فردایش کاتبی از جملۂ کاتبانش جزوی تمام کردہ پیش فقیر آورد، بر سر ورق جزو کہ نظر کردم این بیت مرقوم بود : بیت

در خطر گاہی کہ سر باید گرفتن با دو دست
میکنند این عاقلان اسباب را گرد آوری

غریب رقتی حاصل شد، در سال یکہزار و یکصد و پنجاہ و یک ہجری کہ شاہ آسمان جاہ نادر شاہ فرمانروای قلمرو ایران بہندوستان مسلط شد

[1] اصل : ورحوت، رک : ورخوت،

برای العین دیده شد که هر که مال و منال بیشتر[۱] داشت او را آفت بیشتر رسید[۲]

اسباب جهان که اکثرش ناچاریست | در صورت افراط سر[۳] بسر خواریست
بر قصر هوسهاست بنای آرام | تشویش دل بقدر دنیا داریست

بیایم بر مطلب

چهار هزار روپیه معرفت راجه قابل رام متصدی سرکار نواب صاحب وزیر الممالک بهادر از برکت[۴] جهان ساهو بحساب دو[۵] روپیه سود سر صد[۶] بموجب تمسک قرض گرفتم و مبلغ مرقوم را برای اخراجات کارخانجات تحویل سیام صراف[۶] نمودم، حالا منم که ملک التجار هندوستانم چنانچه[۷] آنچه[۸] در جهان خلق شده گو بالقوه نباشد بالفعل خود مالک آنم، روزها خانه ام را هر که میدید کاروان سرا می پنداشت و شبها هر که تماشا میکردش خیمهٔ شب بازی می انگاشت، چون مامور بودم بفروختن گله گله اسپان رفته از کار [۲۳۸ب] و قطار قطار شتران بی مهار، و رسانیدن وجه قیمتش بخزانهٔ سرکار دو سه تا خیمه لشکوهی در میدان چار باغ زدم و حسب الارشاد خداوندان دولت در باب فروخت اسپ و شتر و استر اجازت دادم، مقومان مقیم سر کوچه بغرض آمده نشستند و مال یک روپیه را بچهار آنه قیمت کردند کیست که متعرض احوال آنها شود زیرا که مقومان سرکار اند و در ضمن[۹] اینگونه قیمت کردن غرضی[۱۰] هر آینه مد نظر دارند، باری اسپ و شتر و استر وغیره بچهار ده هزار و یکصد و پنجاه و شش

---

۱ اصل: بسیار، ۲ اصل: دلیل، ۳ اصل: بر کیهان،
ع: بر کتبهان، ۴ ع: سود سر صد دو روپیه، ۵ اصل: طرف،
۶ کذا، ۸ اصل: در بیضمن، ۹ اصل: غرضی هر آینه، ع: غرضی هم،

روپیہ ۵ دوازده آنہ فروخت گردید[۱]، و آنچہ بعد اخراجات و ادای قرض ساہو باقیمانده جای کہ مامور شد رسانید، چنانچہ مفصل در جمع خرج مرقوم است،
قریب ہفتاد وہشتاد چکڑهٔ توشکخانہ و قورخانہ[۲] و فراشخانہ وغیره کارخانجات از عدم دادنِ رسید ہنوز باہتمامِ مردم بیوتاتی بود، چہ آنہا رسید بقید میخواستند و حال آنکہ بدون عرض گرفتنِ جنس ایمعنی نمیتوانست صورت بست، لہذا قرار یافت کہ نویسندہای راست قلم ہر دو طرف بنشینند و بار چکڑہا کشوده صندوقہای توشکخانہ کہ سرمہر است بر شمارِ عددی آن اکتفا نمایند و جنسی کہ زیرِ مہر نیست تفصیلش برنگارند، ششم جمادی الاول سنہ صدر مرزا اصلاح بیگ کہ در اوراقِ گذشتہ احوالش مرقوم است با نویسندۂ چند از جانب محی الدین علی خان دیوان بیوتات وگدھپت رای پیشکار مُشرفی ابتیا عخانہ[۳] [۲۳۹ ل] سرکار والا (با) بعض اربابِ تحریر از طرف فقیر در خیمہ ہای کہ بہ گلزمینِ نواح چہار باغ زده شده بود بعرض گرفتنِ جنس کارخانجات پرداختند، و چہاردہم شہر صدر فراغ حاصل ساختند، پانزدہم و شانزدہم و ہفدہم سہ روز دیگر در مقابلۂ کاغذ گذشت، بعد مردمِ دیوانِ بیوتات پادشاہی رسید بمہرِ فقیر گرفتہ چکڑہای اموال یعنی امانتی را کہ زمین و زمان و دشت و جبال نیارست[۴] متحمل آن شد بتحویلِ راقمِ سطور نمودند، شورِ ظلوماً و جہولاً از شش جہت بلند تا سما، فقیر تماشائی نقش پردازیہای قضا
شعر

آسمان بارِ امانت نتوانست کشید قرعۂ فال بنامِ منِ دیوانہ زدند

---

[۱] اصل: فروختہ کردند، ع مثل متن، [۲] اصل: تورخانہ، تصحیح از روی ع، [۳] در ع افزوده بود کہ
[۴] اصل: نداشت، تصحیح قیاسی است،

بہر تقدیر چون آمد آمدِ ایام برسات بود ارادہ مصمم شد کہ زود کارخانجات روانۂ لاہور گردد، تدبیر اینمعنی درمیان بود کہ درینضمن از ڈیوڑھی خدمۂ عالیہ بیگم صاحب محل نواب سیف الدولہ مغفور پیغام رسید کہ بعضی جنس از توشکخانہ و فراشخانہ در کار است، تعجیل در روانہ ساختن کارخانجات بوقوع نیاید، ہرچند نظر بعضی جہات مصلحت در روانہ شدنش[1] بود لیکن چون خداوندانِ دولت چنین فرمایند غیر از قبول [2 علاج] نداشت، صورت اینست: جواہری کہ از لاہور ارسالِ حضور شدہ بود بندگانِ حضرت خلیفۂ دین و دولت روبرو وا فرمودہ و ہمگی ملاحظہ نمودہ بعضی رقم کہ سی و یکہزار و سیصد و پنجاہ روپیہ اصل قیمتش بود پسند ساختہ بہ[۲۳۹ب] قیمت ہفت ہزار و دوصد و شصت و[3] روپیہ کہ مقومانِ حضور مقرر کردہ بودند نگہداشتند، و بقیہ[4] سربمہرِ سعد الدین خان بہادر خانسامان و جواہر خان داروغۂ جواہرخانہ حوالۂ راقم حروف شد، فقیر بجناب نواب صاحب وزیر الممالک بہادر (و) خدمۂ عالیہ التماس کردم: "کارخانجاتی کہ در محلہ گنجایش نداشت تحویلِ بندہ شدن مضایقہ ندارد لیکن متحمل بارِ سنگینِ جواہر ہرچند بیش از یک صندوق و یک صندوقچہ نیست عاجز نمیتواند شد، در سرکار نگاہ باید داشت" حق تعالی در عمر و دولت خدمۂ عالیہ بیفزاید کہ در سرکارِ خود نگاہداشتند و رسید بمہر و دستخط خود عنایت نمودند، و ہمچنین توشکخانہ و چینی خانہ و بھنڈہ خانہ و ظروف باورچیخانہ و آبدارخانہ وغیرہ کارخانجات را در سرکار خود نگہداشتہ رسید مکرمت ساختند، و از جنس فراشخانہ

---

[1] ع: ساختنش، [2] از روی ع، [3] اصل: نیمہ، تصحیح قیاسی است، [4] یعنی جنس جواہر و اشیای متعلقہ، [5] اصل: نرسید،

آنچه در کار بود بابا بختاور را که پرستارِ مزاجدان و جواب و سوال ڈیوڑھی باهتمام آنست در چارباغ فرستاده طلبیدند و رسید آن نیز لطف نموده در روانه ساختن کارخانجات مختار نمودند،

روانه شدنِ اموال از شاهجهان آباد بلاهور بموجب حکمِ والا باهتمام راقم سطور

چون از جناب خداوندان دولت ارشاد شده بود که چکڑهٔ اموال وانفیال را همراه بیگ نظرخان عرف حاجی نذیر و خواجه بدیع ملازمان اعزالدوله بهادر که یکچند پیش ازین بتقریب مهمانداری بیگ علی وغیره جلو دارِ سرکارِ عظمت مدار [۱۷۴۰] شاه فلک بارگاه نادرشاه فرمانروای ایران بشاهجهان آباد (۱۷۴۰) رسیده بودند روانه کرده شود، و از سرکارِ عالی تعین بسبب بعض جهات ۱۰ قرینِ مصلحتِ وقت نبود، لهذا یک صد و یک کس را نوکر کرده و لچھیرام خدمتگار قدیم الخدمت و حکومت رام محرر را نیز همراه داده بیست و دویم جمادی الاول سنه صدر روانه لاهور کرده شد، و روزِ اول متصل بکٹرهٔ محلدارخان منزل گردیده

وبعد دو روز بیگ نظرخان و خواجه بدیع نیز از ڈیوڑھی عالیه خلعت و دو صد روپیه یافته رخصت گردیدند، و از شهر کوچیده در کارخانه رسیدند، و حاجی که خالی از بلاهتی نیست یکی بنابر رتّ[۱] و بتافتن[۲] در حضور که این معنی سببی داشت و دوم جهت گریختن ایاز نام غلام محمود خود که ظاهراً مال

۱ـ [illegible] ... [illegible]

قریب به پنجهزار روپیه برده از فلک و ملک بی مزه و ناخوش بود شروع بفرمایشها نمود، گاهی پیغام میکند که این همان اموال است که (دیوان - ظا) بیوتات با پانصد سوار و پیاده آورده بود حالا نمیتوانم با اینمردم قلیل برد، لازم که فوجی از سرکار نواب صاحب مقرر شود، وگاه گفته میفرستد که اگر تعیین فوج از سرکار دشوار باشد خود دو صد سوار و پانصد پیاده نوکر کرده همراه باید داد و مبلغی برای خرچ من نیز باید فرستاد، هرچند گفته شد که حالا در اموال چه مانده است غیر از چند چھکڑهٔ فراشخانه نیست، و معهذا از تعیین مردم از سرکار عالی میتوانست صورت بست چرا اینهمه مردم نوکر [۲۴۰ب] (۲۴۰ب) گرفته میشد؟ و نیز غلام شما را من نگریزانده ام که از من بیدماغ باید بود، و باعث کم توجهی خداوندان دولت فقیر نشده ام که چشم از خدمت گذاریهای سابق پوشیده هزار تکلیف مالایطاق باید نمود، باآنکه[۱] میدانند که روزی دوصد روپیه کم و زیاده خرچ کارخانه است از آیین دولت خواهی خداوند بعید است که مقام باید کرد، روزی که جهت خرچ راه کارخانه بتکلیف سرانجام یافته در مقامات[۲] کڑه محلدار خان تمام باید کرد، قطع نظر ازینها همگی پانزده روز در شروع برسات که آن عبارت است از ماه ساون هندی باقیست، و در راه از دو دریا می باید گذشت، نظر باینمراتب بهتر اینست که دست ازین هرزه خیالها باید کشید، و بسرعت هرچه تمام تر باید کوچید، اصلا این حرفها بخاطر حاجی جا نکرده و بدار و مدار شبی بروز می آورد، و چون دریافته شد که تاکید و تهدیدش فایده نمیکند احوال بجناب عالیه

---

[۱] اصل، حالانکه، تصحیح شکل متن، [۲] اصل، مقدمات، تصحیح شکل متن،

گذارش کرده شد، و از جناب عالیه سزاولان مامور شدند که حاجی را بکوچانند، و بگویند که اگر زیاده برین توقف کردی بعزل جاگیر معاتب خواهی شد، چنانچه سلخ جمادی الاول سنه مذکور نور چشم کامگار رای کرپارام و فرزند ستوده اطوار رای فتح سنگه و برادر مهربان لاله لچهی رام[1] و عزیز القدر کشمیری مل وغیره یاران را فرستادم که شما نیز رفته بحاجی در باب کوچ تقید بلیغ نمایند، و اگر باوصف این در کوچ استادگی کند دیگر معترض احوالش [۱۴۱ر] نبوده کارخانه را (۱۴۱ر) روانه[2] کنند، یاران مذکور در کتره محلدار خان رسیده و بحاجی موکد گردیده سه پهر همان روز پیشتر کوچانیدند و خود در باغ مشفق مهربان رای مجلس رای پیشکار خالصه که متصل بکترهٔ محلدار خان و بنا بر آب نهر ۱۰ در کمال طراوت و لطافت است رسیده حاضری خوردند، میگفتند بادنجان باغ که دست پخته شده بود خیلی لذت داد، چون خبر روانه شدن کارخانجات یافتم، شکر بجناب اقدس الهی بجا آوردم، چه از روزی که اموال تحویل راقم سطور شده تا روانه شدنش تصدیعی کشیده شد که نصیب هیچ آفریده مباد! و این هرج و دردسر هر روزه منجر بضعف دماغی گردید و مدتی خون از دماغ می آمد، تدبیرها بکار رفت تا مزاج باصلاح آمد ع

دانهٔ اشکیم ما را گردش چشم آسیاست،

آنچه دریافته شد حاجی که از چاشنی خواران لذت تجارتست بعضی ر جنس سوداگری با خود داشت، چون تقریب کوچ جلودار باشیان

---

[1] اصل: بجه رام، ع: لچهی رام، [2] اصل: روا، تصحیح از روی ع،

درمیان فوج سنگینی همراه شان بود لهذا در کوچ توقف می نمود، چنانچه از دو سه منزلی دارالخلافه بیشتر نکوچید تا آنکه قافلهٔ جلودارباشیان رسیده، و کیفیت جلودارباشیان بدینموجب است،

احوالِ جلودارباشیانِ سرکارِ عظمت مدارِ شهنشاهِ فلک بارگاه

شاهِ جم جاه نادرشاه فرمانروای قلمرو ایران هشتاد و یک راس اسپ
(۱۴۲ب) با نامهٔ نامی برای بندگان حضرت قدر قدرت ظل الله [۱۴۲ب] محمد شاه بادشاه غازی و نه راس اسپ جهت نواب صاحب وزیرالممالک بهادر و همچنین حصه رسد برای بعضی امرای اعزالدوله بهادر و همینقدر هژبر جنگ
۱۰ بهادر و همچنین حصه رسد برای بعض امرای دیگر مصحوب بیگ علی بیگ و کتاب الله بیگ جلو[۱]دارباشیان بهندوستان فرستاده بودند، چون بلاهور رسیدند و اسپان حصه اعزالدوله بهادر و هژبر جنگ بهادر بایشان رسانیدند ایشان چند روز جلودارباشیان[۲] را در آنجا متوقف ساختند و بسلوک و مدارا پرداخته حاجی بیگ نظر[۳] خان و خواجه بدیع را بعلاقهٔ مهمانداری با سیصد سوار برفاقت آنها مقرر کرده روانهٔ حضور ساختند، و آنها بشاهجهان آباد رسیده بیست و یکم ربیع الثانی سنه [۲۹][۴] ملازمت اقدس حاصل نمودند، نامه و اسپان از نظر انور گذرانیدند، خلیفهٔ دین و دولت نامه را بدست خاص از آنها گرفته حوالهٔ یحیی خان میر منشی نمودند،

---

[۱] اصل: جلودار باشاه، ح شل متن، [۲] اصل: منکر خان، تصحیح از سدی مرآة اصطلاح، [۴] از روی ح ،

وبعد استفسارِ احوالِ شاہ جم جاہ خیلی تعریفِ اسپان فرمودند، بجلو دار باشیان خلعت مرحمت شد و باغ محلدار خان برای بودنِ شان معین گشته، اخراجات ہر روزہ از سرکارِ والا قرار یافت، بیست و دویم جمادی الاوّل سنہ مذکور آنہا از پیشگاہِ خلافت بعطای خلاع و بیست ہزار روپیہ نقد کامیاب گردیده دستوریِ انصراف یافتند و یکہزار و دو صد تولچہ عطریات از ہر قسم علیحدہ شدہ (۲۴۲ر) (۲۴۲ر) قرار یافت کہ پنجاہ و یک زنجیر فیلِ جوان کہ بہندی زبان پاٹھہ گویند نیز برسبیلِ ارمغان جہتِ شاہِ جم جاہ فلک بارگاہ مصحوب جلو دار باشیان مرسل شود،

کیفیتِ ارسالِ افیال جہتِ شہنشاہِ بلند اقبال

۱۰ چون افیالِ جوان در فیلخانۂ سرکارِ والا نبود بہ عمدہ ہای خلافت ارشاد قدسی شد کہ ہر قدر افیالِ جوان داشتہ باشند از نظرِ انور بگذرانند، وہم بہادی علیخان داروغہ فیلخانہ حکم شد کہ در شہر پیش ہر کس از نوعِ مذکور فیل باشد طلبیده از نظرِ جہان پرور بگذراند، ہر یکی از عمدہ ہای سلطنت سہ فیل پیشکش کرد، دیگر ہم میگذرانیدند و سعادت می پنداشتند لیکن چکنند کہ بد انستند...[1]... چون داروغہ مردم برای تفحصِ افیال تعیین نمود، ہر طرف در شہر فتنہ سر کشید، وکہن ہنگامۂ فیل و ابابیل کہ آیۂ بلند پایۂ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ دلیلِ آن است تازہ گردید، ہرچند از جنابِ عالمیان مآب در بابِ تلاشِ افیالِ جوان حکم بود این مشتی شرارت پیشہ در خانہ کہ سراغ

---

[1] کذا، جملہ میں انتشار ہے ناہا کچھ عبارت اسکے بعدکی نسخۂ اصل سے حذف ہوگئی ہے،

تصویرِ فیل هم یافتند بی تماشا سویش چون فیلِ مست بشور و شدتِ تمام شتافتند بعضی
زرکی داده خود را از دستِ شان رهائی دادند و بعضی افیال را در پردهٔ شب برونِ
شهر فرستادند، و از بعضی در سرکارِ والا ضبط شد غرضیکه یک چند در شهر دُور دُورِ فیلبانان
بود و هر فیلبان فیلهای زرهای خطیر از اهلِ افیال ربود، از اتفاقات راقمِ سطور نیز از
نوعِ مذکور فیلی داشتم لیکن در شهر نبود، در همان ایّامِ دار و گیر [۲۴۲ ب] روزی چوبدارِ (۲۴۲ ب
داروغه با چند فیلبانان بطلبِ آن آمده ابلاغِ حکمِ والا نمود، بخاطر گذشت که هر گاه
مرضیِ اشرفِ بادشاهِ هندوستان برین پلّه باشد چه به ازین است که پیشکش کرده شود
باز بخاطر رسید که خوب تدبیری خود باید کرد، چون با داروغه از قدیم ربطی داشتم پیغام کردم؛
فیلی که مردمِ سرکار بر آن چشم سیاه کرده اند اگر مروّت و فتوّت همین اقتضا مینماید حاضر
است لیکن چون زمانه همواره بیک و تیره نمی باشد آخر رنگی خواهد گرداند، و صورتِ ۱۰
این ماجرای غریب مانندِ تصویرِ فیل نقشِ صفحهٔ روزگار خواهد ماند، و از ڈیوڑھی خدمهٔ
عالیه نیز در بابِ عدمِ مزاحمت زبانیِ محمد سعید خدمتگار پیغام شد، حق تعالی آن مردِ
بزرگ را جزای خیر دهاد که بکلّی دست از مزاحمت برداشت و مِن بعد احدی را
بنا بر جواب و سوالِ اینمقدمه نگماشت، باری چون از سرکارِ بعض امرای عظام
و از پیشِ بعضی اهلِ شهر مثل راجه جگل کشور وکیل ناظمِ بنگاله و دینی دت پسرِ سیتارام
افیال در سرکارِ والا ضبط گردید و تعدادش به پنجاه و یک رسید برای آنها ساز
و یراقِ نقره و رختِ سقرلاطِ زر دوز ترتیب یافته مرسل گردید،

حاصلِ کلام چون جلودار باشیان که جمعیتِ سوار و پیاده سرکار نواب صاحب وزیر الممالک
بهادر و امارت مرتبت صفدر جنگ بهادر همراه آنها تعین بود با تحف و هدایای صدر روانه
گردیدند و جائی که حاجی بیگ نظر خان انتظار میکشید رسیدند حاجی برفاقتِ شان [۲۴۳ ا] (۲۴۳ ا
پیشتر روانه شد و بیست و دویم جمادی الثانی سنه مذکور حاجی با چکرهای مولوی افیال بخیریت بلاهور رسید

---

[۱] اصل: فیلبانی [illegible] فیلبان [illegible] [illegible]

(٥٨٧) المُجمِّعُ قُصَيّ بن كلاب بن مُرّة بن كعب بن لوي بن غالب القُرَشي المكّي شيخ الحرم

امه فاطمة بنت سعد بن سَيَل وهو خيّر[1] بن عوف ابن حماله بن غنم[2] بن عامر الجادر، وكان اوّل من جدر الكعبة بعد ابراهيم واسماعيل عليهما السلام، وهو اوّل من حلّيت له السيوف بالذهب والفضّة؛ وكان[3] اسمه زيدا و لمّا تزوّجت امّه ربيعة بن حزام وخرج بها الى دار قومه خرجت معها بابنها صغيرا فلما بعد من دار قومه سمّته قُصَيّاً وهو الذى جمع قريش (؟ قريشًا) وفيه يقول الشاعر :-

ابوكم قُصَيّ كان يُدعى مجمّعًا — به جمع الله القبائل من فهر

وانتم بنو زيد و زيدٌ ابوكم — به زيدت البطحاء فخرا على فخر

(٥٨٨) المُجِيد ابو علي الحسن بن محمّد بن عبد الصمد. يعرف بابى الشحناء[4] العسقلانيّ الكاتب الشاعر

ذكره الاديب ابو الحسن علي بن بسّام الاندلسيّ فى كتاب الذخيرة، وقال: احد الفضلاء الفصحاء، وهو صاحب الرسائل والخطب، وقيل: انّ القاضى

---

[1] فى كتاب الاشتقاق (ص ٢٥): خير بن حمالة بن عوف بن غنم؛ [2] وافقه ابن دريد فى كتاب الاشتقاق (ص ١٣)؛ [3] الشعر لحذافة بن غانم؛ تاج العروس (٥، ٢٦٩)؛ [4] فى فهرست روزن: الحسن بن عبد الصمد بن الشحناء؛ (ر: ص ٢٠٣ من الفهرست)؛

الفاضل من رسائله امتدّ وبها اعتدّ ؛ وقال عماد الدین الاصفهانی فی کتابه : المُجید مُجیدٌ کنعته قادر علی ابتداع الکلام ونحته ،

ومن شعره :-

یجود بالماء غیث السُحب منقطعا　　وغیث کفک بالاموال یتّصل

جاری نداک فلم یظفر ببغیته　　وحمرة البرق فی حافاته خَجَلُ

قال ابن بسّام فی الذخیرة : مات المُجیدُ فی سنة اثنتین وثمانین واربعمائة مقتولاً معتقلاً بمصر فی خزانة البنود ؛

(۵۸۹) المُجید ابو علی العبّاس بن علیّ بن محمّد ابن ابی عمرو الیمنی الادیب

ذکره کمال الدین ابن الشعّار فی کتاب تحفة الکبراء ، وقال : کان ادیباً وله رسالة سمّاه الرسالة العسجدیه فی المعالی المؤیدیه ، بخزانة کتب السّلطان المؤیّد علیّ بن حاتم ، ومن شعره فیها :-

اذا ما ندا الایوم یعطی اندی لنا

فما عارضٌ ینهلّ او دیمةٌ تَهمی

هو الملک امّا حاتم الجود عنده

فیلغی ویُنسیٰ عنده اَحنَفُ الحِلم

اذا نحن قلنا البدرُ والبحرُ والحیا

فقد ظُلمتْ اوصافهٗ غایة الظُلم

وتوفى بزبيد[1] سنة خمس وخمسين وخمسمائة؛

(٥٩٠) المجيد ابو الحسن علىّ بن عبد العزيز الانصارى البغدادىّ الشاعر

كان اديبًا عالمًا شاعرًا ناظمًا، تغرّب عن العراق وجال فى الآفاق، ومدح بشعره الاعيان والاكابر وبرز لنزول الحظّ فى زىّ شاعر، ومن شعره :-

طُلْتَ الانام ولم تزل متطوّلا
وغدت يمينك للبريّة منهلا
وسحبت ذيل العزّ من فوق السها
فى حيث لم ترض المجرّة منزلا
لمّا علوت على الكواكب واليًا
عزلت مناقبك السماك الاعزلا

منها :-

واذا الاكارم فى المكارم فضّلوا
كانوا اواخرها وكنت الاوّلا

(٥٩١) مجير الدين ابو سعيد ابق بن محمّد بن بورى بن طغتكين[2] الدمشقىّ ملك دمشق [٥٦٤/١١٦٩]

ذكره الحافظ ابو القاسم علىّ بن الحسين بن

---

[1] بفتح اوله وكسر ثانيه ثم ياء مثناة من تحت مدينة مشهورة باليمن أحدثت فى ايام المأمون؛ معجم البلدان ٣، ٤٠٦؛ [2] بضمّ الطاء المهملة وسكون الغين المعجمة وكسر التاء المثناة من فوقها والكاف وسكون الياء المثناة من تحتها وبعدها نون اسم تركىّ؛ وفيات ١: ٢٧٠؛

عساکر الدمشقی فی تاریخہٖ، وقال، ولد ببعلبك و
قدم دمشق مع ابیہ محمد، فلما مات ابوہ ولی امرۃ
دمشق یوم الجمعۃ الثامن من شعبان سنۃ اربع
وثلاثین وخمسمائۃ وکان اتابك عماد الدین زنکی
ابن آقسنقر صاحب حلب و لی بعض الشام و الموصل
والجزیرۃ وقدم دمشق محاصراً لہا فلم یصل منہا
الی مقصود فرحل عنہا، وکان مجیر الدین آبق صغیر
السن فاستولی علی امرہ معین الدین وھو مملوك
جد ابیہ طغتکین ومات ببغداد سنۃ خمس و
خمسین وخمسمائۃ؛ وفیہ یقول عرقلۃ الدمشقی
من ابیات:-

کانما البدر وقد لاح لنا متضحا   وجہ مجیر الدین مولانا اذا ما منحا

(۵۹۲) (ذوالسعادات) مجیر الدولہ ابو غانم احمد
ابن جعفر بن محمد بن فسانجس الفارسی الوزیر
ذکرہ الرئیس ابو الحسین بن الصابی فی تاریخہٖ، ورد
الکتاب من ملك الملوك ابی کالیجار المرزبان بن
سلطان الدولہ الی مجیر الدولہ ابی غانم بالاستدعاء
من البیضاء وقد خرج الیہا متوجھاً الی اصبہان لمعاونۃ

؎ج ۲ص ۳۱۷، وفی بیان المصنف نقص وزیادۃ؛ ؎ قتل سنۃ ۵۴۱ھ وفیات ۱: ۱۹۴؛
؎ قتل سنۃ ۴۸۷ھ وفیات ۱: ۹۷؛ ؎م ۵۵۷ھ، ؎ فیما لا یوجد منہ؛
؎م ۴۴۰ھ؛ ابن خلدون ۳: ۴۵۴؛

ابی منصور فرامرز بن کاکویہ صاحبہا علی رکن الدین
ابی طالب طغرلبك واقامتہ مقام مہذب الدولہ، وورد
الی الوزیر ذی السعادات یوم الاثنین لخمس بقین
من شہر ربیع الاول وکتّا کاتبنا (کذا) بما رأینا ہ من تغیّر
ابی منصور الفسوی وان اللہ نظرہ ویدہ وذکر
المنشور بطولہ؛

(۵۹۳) مجیر الدین ابو المعالی احمد بن محمد ابن محمد بن ابی القاسم المرتضی الحسینی العبیدلی الموصلی النقیب

من سلالۃ السادۃ النجباء وذوی الجلالۃ من النقباء،
کان مفوّھًا ادیبًا، کتب الی بعض الرؤساء من قصیدۃ:-

وایادٍ تخرس قسّ ایادٍ حین تبغی وصفًا لھا بکلام
وسدادٌ فی القول والفعل یعتد سوابًا فی النقض والابرام

(۵۹۴) مجیر الدین ابو الفضل احمد بن محمود ابن یحیی المنبجی

قرأت بخطہ من ابیاتٍ لعبد الصمد بن المعذّل[1]:-

اعاذلتی اقصری ابعْ جِدتی بالثمن
کان لم یزل ما اتی وما قد مضی لم یکن
اری الناس احدوثۃً فکونی حدیثًا حسن

---

[1] المتوفی سنۃ ۲۴۰ھ واخبارہ مبسوطۃ فی الاغانی (۱۲: ۵۷-۷۳)؛

(۵۹۵) مُجیر الدین ابو العبّاس احمد بن المفرّج بن درع بن الحسن التکریتی المقرئ

ذکرہٗ ابن اخیہ القاضی تاج الدین یحیی بن ابی القاسم ابن المفرّج فی تاریخہٖ؛ وقال: امّا عمّی احمد بن المفرّج فانہٗ ولد فی سنۃ ثمانٍ وثمانین واربعمائۃٍ کان رجلاً عالمًا عاملاً مجتھدًا فی انواع العبادات صبورًا علی الانقطاع وتلاوۃِ القرآن الکریم شدید المحبّۃ للعلم معظّمًا للعلماء موقّرًا للزّھّاد کثیر التضرّع الی اللّٰہ تعالیٰ والدُعاء فی خلواتہٖ وعقیب صلاتہٖ قویّ الیقین فی اجابتہا، وقد لقی جماعۃً من المشائخ بتکریت وبغداد منھم زین الدین محمّد ابن اسعد بن حلیم والحسین بن نصر بن خمیس الجُھنی وابو شاکر محمّد بن سعد بن خلف التکریتی؛ ولہٗ شعرٌ فی الزھدیّات وتوفی لیلۃ الجمعۃ لیلۃ عید الفطر من سنۃ ثلاثٍ وثمانین وخمسمائۃٍ؛

(۵۹۶) مجیر الدین ابو عبداللّٰہ اسحاق بن عیسیٰ ابن ابی الفرج البغدادی

قال بعض الاصحاب: کان مُجیر الدین اسحاق بن عیسیٰ رجلاً جلیل القدر حافظًا لکتاب اللّٰہ العزیز وسمع الحدیث النبویّ، وما اسندہٗ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم: لیس الغِنٰی عن کثرۃ العرض ولکنّ الغِنٰی غنی النفس؛

---

[1] نسبۃ الی تکریت وھی بلدۃ مشھورۃ بین بغداد والموصل، معجم البلدان: ۲: ۳۹۹؛

(۵۹۷) مجیر الدین ابو المحامد اسعد بن امیرا السمرقندی الامیر

کان امیراً مطاعاً و فارساً شجاعاً، ذکرہ لی صاحبنا شمس الدین ابو الفضل احمد بن محمد بن عمر الکرمینی[1] المعروف بالسمرقندی؛

(۵۹۸) مجیر الدین امیر شاہ بن تاج الدین معین ابن طاہر نائب السلطنۃ بالروم

کان من الحکام ببلاد الروم ولہ سیرۃ حسنۃ و قواعد مستحسنۃ و لاجلہ صنف مولانا قطب[2] الدین الشیرازی کتاب نہایۃ الادراک فی درایۃ الافلاک وقال فی مدحہ المولی المعظم صاحب العالم نائب السلطنۃ المعظمۃ مجیر الدنیا والدین تاج الاسلام والمسلمین لازالت ریاض الفضل بہ ناضرۃ وحدائقہ بمحاسنہ زاہرۃ؛

ولازالت الاقدار تجری بامرہ　　　وتدفع عن حوبائہ ما یحاذر

(۵۹۹) مجیر الدین ابو المظفر بشیر بن علی بن عبد العزیز البغدادی العراقی

---

[1] نسبۃ الی کرمینیہ وھی بلدۃ بین سمرقند و بخارا، والنسبۃ المشہورۃ عند اھل بخارا لمن کان من اھل ھذہ القریۃ کرمینی الآن ابا لقاسم بن الثلاج حدث عن حفص بن عمر بن ھبیرۃ ابی عمر البخاری فقال الکرمانی من اھل قریۃ یقال لہا کرمینیہ؛ معجم البلدان ۷ : ۲۲۵؛

[2] المتوفی سنۃ ۷۱۰ھ کشف الظنون ۲ : ۳۴۷؛

قرأت بخطه: قال بعض اصحاب الجيوش: التعزير مفتاح البؤس وقد نهى الله عن ذالك فقال: وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ[1] ومن وهن الامر اعلانه قبل احكامه وقد ذم الله تعالى على ذالك فقال: وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ[2]؛

(۶۰۰) مُجيرُ الطَّير ابو عمرو ثوب بن شحمة بن المنذر التميميّ الفارس الشاعر

ذكره ابو القاسم الحسن بن بشر بن يحيى الآمدي[3] فى كتاب المؤتلف والمختلف من اسماء الشعراء، وقال: كان يقال له: مُجيرُ الطير، وذالك انّه كان يضع سهمه فى الارض فلا يُصادُ من تلك الارض طيرٌ، وذكروا انّه اسر حاتم (كذا) الطائى، فقال حاتم:

كنّا بارضٍ ما يغبّ فداءها ... انّ الغداء بارض ثوبٍ عاتمُ

قال: وكان ثوبٌ مخفاقًا فاتّبعه رجلان من بنى القليب ابن عمرو معهما ابنة عمٍّ لهما ومعهُ اخوهُ علاجٌ فصعدُوا جبلًا وتركوا المرءة مع احد الرجلين فاشتدّ جهدُ القليبى فوثب على ابنة عمّه فذبحها ثمّ اورى نارًا وجعل ياكل لحمها فخطب [له][4] ثوبٌ بعد ذالك امرأةً من قومه فقالت لا اتزوّجهُ وقد اكل رفيقتهُ؛

---

[1] المصحف الشريف سورۃ بقرہ آیه ۱۹۵؛ [2] المصحف الشریف سورۃ نساء آیۃ ۸۳؛

[3] المتوفى سنة ۳۷۰ھ كشف الظنون ۱۲: ۳۹۰ معجم الادباء ۸: ۷۵؛

[4] من زیادۃ على الاصل تتميمًا للكلام ولم نقف على القصة فى المصادر بعد؛

(۶۰۱) **مُجِيرُ الدِّين** ابو الفضل جعفر بن ابی فراس الحارث بن ابی تغلب بن ابی فراس النخعیُّ - نزیل بغداد - الامیر بالبصرة وواسط

ذکره شیخنا تاج الدین فی تاریخه[1]، وقال: کان احد الاُمراء الناصریة، ورُتِّبَ شحنةً بواسط والبصرة وما یجری مع ذالك فسار فیها احسن سیرةٍ وحمی طُرقها وخافه الحرامیه والمفسدون، وکان شیخًا غالیًا فی التشیُّع ثُمَّ عُزل عن الامارة وعمّا کان یتولّاه وانقطع الی العبادة وحجّ فی ولایة ولده الامیر حسام الدین ولمّا فارق حسام الدین الحاجّ وتوجّه الی مصر مضی صحبته؛ قال: وورد مُجیر الدین بغداد فی رجب سنة سبع وعشرین وستمائة ووقع الرضا عنه واقام ببغداد الی ان توفی فی ذی الحجة سنة سبع وعشرین وستمائة وحُمل الی مشهد علیّ علیه السّلام؛

(۶۰۲) **مُجِيرُ الجراد** ابو حنبل حارثة بن حنبل - وقیل هو ابو حنبل حارثة بن مُرّ - الطائی الفارس [۱۰۰۶ / ۱۸۸ه]

وکان الجراد وقع فی ارضه فبدأ بالوقوع حول خبائه فخرج

---

[1] ای من المستنصر بالله اورد هذه الواقعة صاحب التاریخ المنسوب الی ابن الفوطیّ فی حوادث سنة ۶۲۷ ص ۱۸، [2] وفی الاغانی (۱۶: ۱۵۰) ذکر لمجیر الجراد عمٌّ اما ابو حنبل فذکره الاصبهانی فی الاغانی وذکر قصة له مع حاتم ولم یذکر بلقبه مجیر الجراد، [3] الاغانی (۱۶: ۱۰۹)؛

اهلُ الحيّ ليصيدُوهُ فركبَ فرسَهُ واشرعَ اليهم صدَقَناتِهِ،
وقال: ماكنت لأمكّنكُم من جاري وفخر بذالك قومه
وكانوا يلقّبونهُ مُجيرَ الجراد وفي ذالك يقولُ هلالُ
ابن معٰويةَ التغلبيّ :-

ومنّا الكريم ابوحنبلٍ اجارمن الناس رِجلَ الجرادِ
وزيدٌ لنا ولنا حاتمٌ غياثُ الورىٰ في السنين الشِدادِ

(۶۰۳) مُجيرُالدين ابوعبدِاللہِ الحُسين بن الحسن ابن عسكر الموصلي الفقيه

[قال] قال بعض الصالحين لابنهِ: يابُنيّ عليك بالقناعةِ
فانّ [؛ فمن] لم تُغنهِ قناعةٌ لم يُغنهِ مالٌ وقد
قيل في قولهِ تعالى: "فَلَنُحيِيَنَّهُ حياةً طيّبةً"[۱]، انّها
بالقناعةِ، وكانَ قتادةُ يقولُ: مااستقصىٰ كريمٌ قطّ،
اما سمِعتُم قولَ اللهِ تعالى، "عَرَّفَ بَعضَهُ وَاَعرَضَ
عَن بَعضٍ"[۲]؛

(۶۰۴) مُجيرُالدولة ابوالعلاءِ حمزة بن علي الحِيَري الفرِيومدي الحاجبُ

كان من الحُجّاب العارفين بمقاديرِالنّاس وتربيتهم
وكان يتأدّبُ وقرأت بخطّهِ :-

سُمتني ما محا الهوىٰ من ضميري فالهوىٰ اليوم حبلهُ فيك واهٍ
بعدما كان في هواك الٰهًا طالما قد عبدتُه كالالٰهِ

---
[۱] سورة النحل الآية (۹۷)؛ [۲] سورة التحريم الآية (۳)؛

(٦٠٥) مُجِيرُ الجراد وهُو ابو حنبل حنبل بن حارثه ابن مُرٍّ الطائيّ الشاعر

وقيل اسمُه مُدلج بن سُوَيد الطائي، ومن حديثه فيما ذكره ابن الاعرابي انّهُ خلا ذات يومٍ في خيمته فاذا هو بقومٍ من طيءٍ معهم اوعيتهم فقال لهم: ما خَطْبُكُم؟ قالوا: جرادٌ وقع بفنائك جئنا لناخذه؛ فَرَكِبَ فرسَهُ واخذ رمحَهُ وقال: وَاللهِ لا يعرضَنّ له احدٌ الّا قتلتُهُ تالله انكم رايتموه حين نزل في جواري ثمَّ تُريدُونَ اخذه، فلم يزل يحرسُهُ حتّى اصبح وحَمِيَتْ عليه الشمسُ فقال: الآن شانكم واياه حين تحوّل من جواري،

(٦٠٦) مُجِيرُ الدين ابو منصور خطلبه بن ساوتكين ابن عبدِ اللهِ التركيّ الامير بتكريت

ذكره القاضي تاجُ الدّين يحيى بن ابي القاسم بن المفرّج في تاريخه، وقال: تولّى امرَ تكريت في شوال سنةَ ثمانٍ وثمانين وخمسمائة، قال: وكانَ ولدي عبد السلام يذكر عند الامير بعد الفراغ من قراءة الختمة الشريفة في كلّ جُمُعةٍ فصلاً يدعُو فيه للخليفة وللامير مُجيرِ الدّين ومدحه

ل هو حارثة بن حنبل المتقدم ذكره: ل ٤٧٠ – ٥٤٧٥) اعلام ٢: ٥٢٢، والفوات ١: ٢٧٥؛

القاضی تاج الدین بأبیاتٍ منہا :-

قسماً مُجیرالدین حُزتَ من العُلیٰ
رُتَباً کبارٌ دونہا الکبراءُ
وتعطّرتْ بجمیلِ سیرتِکَ الّتی
بَرزَتْ فیہا الدولۃُ الغرّاءُ

(۶۰۷) مُجیرُالدین ابوالخیر خلیل بن یوسف بن ابی الحسن البغدادیّ الفقیہ الادیب

قال : بلَغَ سلیمانَ بن جعفر بن ابی جعفر قولُ ابراھیم[1] ابن المھدی : وَاللّٰہِ ماعفا المامونُ عنی صلۃً لرحمی ولا تقرّبًا الی اللّٰہِ بحقن دمی ولکنّہٗ قامت لہ سوقٌ فی العفوِ فکرہَ اَنْ یفرح فیھا بقتلی، فقال سُلیمانُ : قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَکْفَرَہٗ[2]، امّا المامون فقد فاز بذکرھا وفضلِھا وجمیل الاحدوثۃِ عنھا، فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْیَکْفُرْ[3]، وقال ابوتمام :-

اشکر نُعمی مِنکَ مکفورۃً   وکافرُ النعمۃِ کالکافرِ

(۶۰۸) مُجیرُالدین ابوسُلیمان داوود بن مظفرالدین الخضر بن غازی بن یوسف الحلبیّ صاحب حماۃ

کان امیرًا عادلًا عالمًا فاضلًا، انشد بعض اصحابِہٖ قال : انشدنا الامیر مُجیرُالدین داوود بن الخضر ابن غازی :-

---

[1] اخبارہٗ طویلۃٌ شھیرۃٌ (۱۶۲-۲۲۴م)، [2] سورۃ عبس آیۃ ۱۷، [3] سورۃ کھف آیۃ ۲۹؛

منّی و منك تذلّلٌ وتدلّلُ ۔۔۔ والصبر عنك تعلّلٌ وتجمّلُ

فالعین عینٌ ما یغیض معینها ۔۔۔ والقلبُ فیك علی العویل معوّلُ

فی کلّ جزءٍ من جفونك صارمٌ ۔۔۔ ولکلّ جزءٍ من فؤادی مقتلُ

(٦٠٩) مُجیرُ الدین ابو المظفر داوود بن علی بن الجُنید الرومیّ الصوفیّ

قرأت بخطّہ: قال بعض السلف: لو لم ینطق القرآن فی ذمّ البُخل الّا بقولہ تعالیٰ ولَا تحسبنّ الذین یبخلون بما آتاھم اللہ من فضلہ الآیہ[1] لکان فیہ ابلغ البلاغ فی تھجینہ، وقال عزّ من قائل: الّذین یبخلون ویأمرون النّاس بالبُخل ویکتمون ما آتاھم اللہ من فضلہ[2]، وقد ذمّ اللہ من یمنع خیرہٗ ویأمر بالبخل غیرہ فایّاك ان تکونہٗ،

(٦١٠) (الملك الزاھر) مُجیرُ الدّین ابو نصر داوود بن الناصر یوسف بن ایّوب الشامیّ صاحب البِیرہ[3]

قد تقدم ذکرہٗ فی کتاب الزای فی ترجمة الزاھر، و ھو صاحب قلعة البیرة القلعة الحصینة علی الفرات وکان سخیًا کریمًا محبًّا للعُلماء مُمدّحًا وکان حافظًا لمحاسن الاشعار، انشد لابی الحسن البصروی:-

ایادھرُ ویحك ماذا لجمیلٌ ۔۔۔ فؤادٌ علیلٌ والفٌ رحیلٌ

---

[1] ولا یحسبنّ سورہ آل عمران آیة ١٨٠، [2] سورة نساء آیة ٣٧؛

[3] (٥٧٣-٦٣٢ھ)؛ الاعلام (٢: ٣٠٦)، الشذرات (٥: ١٤٨)؛

اذا دمتُ منهُ بُلوغَ المُنى ... فمن دُون ذالك خطبٌ جليلٌ

كأني أرى شخصَهُ فى المِرآةِ ... يلوحُ ومالى إليهِ سبيلُ

(٦١١) مُجيرُ الظعن رَبيعَةُ بن مكدَّم بن عمرو بن عبيدالله الكنانىّ الفارس

ذكرهُ ابو عبيدة[2] فى كتاب مقاتل الفرسان، وقال: انّ نُبَيشَةَ بن حبيب السلمى خَرَجَ غازِيًا فلقِيَ ظُعنًا من كنانة بالكديد[3] فاراد ان يحتويها فمنعهُ ربيعة بن مكدَّم فى فوارِسَ وكان غُلامًا لهُ ذوابةٌ فشدَّ عليهِ نُبَيشَةُ فطعنهُ فى عضدِهِ فأتى ربيعةُ اُمّهُ وقال:

شُدّى عليكِ العصبَ امّ سيّارِ ... فقد رُزيتِ فارسًا كالدِّينارِ

فقالت اُمّهُ:-

إنّا بنى ثعلبةَ بن مالكِ ... مُرَزّءٌ أخيارُنا كذالكِ

من بين مقتولٍ وبين هالكِ

ثمّ عصبتهُ فاستسقاها ماءً، فقالت: إذهبْ فقاتلِ القومَ فإنّ الماءَ لا يفوتك فرجعَ وكرَّ على القومِ فكشفهم ورجع إلى الظُّعن وامرهنّ بالسيرِ

---

[1] فى نسبه اختلاف يعرف من فهرس وستنفيلت (١٨: ٧) والاغانى، قصة قتله مبسوطة فى الاغانى (١٦: ١٣) مع بعض اختلاف مع المصنّف، له تراجم ايضًا فى الاعلام (١: ٣١٩) وبلوغ الارب (١: ٢٤٠)،

[2] هو معمر بن المثنّى (١١٠-٢٠٩ھ) اعلام ٣: ١٠٥٨، وفى كشف الظنون مات سنة [٢١١] ٢: ٢٥ ۔

[3] قال ابو عبيدة الكديد من الارض خلق الاوديه او اوسع منها ويقال فيه الكديد تصغيره تصغير الترخيم وهو موضع بالحجاز ويوم الكديد يوم من ايام العرب، [4] فى الاصل، ربيعة، والتصحيح من الاغانى؛

فقطعن العقبة ووقعت على فرسه متّكئاً على رمحه
ونزفه الدم ففاظ فرواً فرسه فوقع ميتاً؛
وما نعلم قتيلاً حمى ظعنياً غير ربيعة بن مكدّم؛

(۶۱۲) مُجیرُ الدین ابوالفتح سعد بن عبدالملک الواسطی المحدّث

اَسْنَدَ عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت : قال
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم : انّ ھذہ الخلائق
منائح من اللہ فاذا احبّ عبداً منحه خلقاً حسناً و
اذا ابغض عبداً منحه خلقاً سیّئاً ؛

(۶۱۳) مُجیرُ الدین ابونصر سعید بن عبداللہ بن احمد البغدادیّ الصّوفیّ

سافر الی البصرۃ واستوطنها وتزوّج بها وکان یکتب
ببغداد فی بعض جهاتها ثمّ ترک ذالک وتصوّف و
خرج عن بغداد ولم یعُد الیها ومن شعرہ فی البصرۃ :-

لیس یغنیک فی الطّهارۃ بالبصرۃ ان حانت الصّلاۃ اجتهادُ
ان تطهّرت فالمیاہ سلاحٌ او تیمّمت فالصّعید سمادُ

(۶۱۴) مُجیرُ الدین ابوعلی سعید بن عبدالملک الموصلی المقری

کان عالماً بالقراءات سافر الی الدیار المصریّة واقام
بها ، روی عن نشوالدولة ابی الفضل احمد بن عبدالرحمن
ابن علیّ بن نفادۃ السلمیّ قوله :-

سل ظبیات الحلہ ۔ قبلی من اھلہ،

(۶۱۵) مُجیرُ الدین شمر بن مالک بن عبد اللہ الشیبانیؒ

انشد لجمیل :-

اَمُسَتْ بثینتہ قد شطّت بھا الدارُ
واستَبدَلتْ وکذاک النّاسُ اطوارُ
دارٌ ابداءٍ وجیرانًا بجیرتِھا
بجاثمٍ اذ لنا اھلٌ و زُوّارُ
فلا بدیعٌ ولا فیما اَتیٰ عجبٌ
لکلِّ اَمرٍ قضاہُ اللہ مقدارُ

قولہ : فلا بدیعٌ یقول : لیس ذالک باوّل الاشیاءِ کانَ ؛

(۶۱۶) مُجیرُ الدین ابو منصور طاشتکین[1] بن عبد اللہ المستنجدیؒ امیر الحاج ملک خوزستان

[۱۰۱۶ / ۱۰۲۹]

ذکرہ شیخنا تاج الدین فی ذکر ملوک خوزستان وقال : کانَ من الممالیکِ المستنجدیّۃِ ثم صار الی المستضئی[2] بامرِ اللہِ فولّاہ امارۃَ الحاجّ سنۃ تِسعٍ وستّینَ وخمس مائۃٍ فلما استخلفَ الناصر لدین اللہ اَقرّہ علیٰ امارۃ الحاج وَ اَقطعہ الحِلّۃَ السَّیفیّۃَ فکان علی ذالک الی ان عُزِلَ فی رجب سنۃ ثلٰث وثمانین وظھرَ علیہ اَنَّہٗ کتب بخطِّہ الی الملک الناصر صلاح الدین یوسف[3]

---

[1] انظر اخبار طاشتکین فی الشذرات (۵ : ۸۰) والکامل لابن الاثیر (۱۲ : ۵) ؛
[2] م ۵۷۵ھ ؛ [3] م : الکامل (۱۲ : ۴۴) ؛

صدر البیت	قافیہ	بحر	جلد	صفحہ
مُوَطَّأُ	وَعِقُ	بسیط	۱۲	۲۶۲
والْبَسُ	الْخَرِقُ	"	۱۳	۷۰
أُتْبِلْتُهَا	تَنْطَلِقُ	"	۱۳	۲۲۷
مَوَّارَةٌ	بَلَقُ	"	۱۳	۲۴۰
مِنْ	الْوَرَقُ	"	۱۵	۲۸
يَكَادُ	تُشْرِقُ	"	۱۵	۲۶۹
لا تَحْسَبَنَّ	بَلَقُ	"	۱۶	۲۹
واعْوَجَّ	الْوَرَقُ	"	۱۶	۶۰ (= ۲۰: ۱۰۷)
اِنَّ	مُرْتَفَقُ	"	۱۷	۱۲۴
فَما	تَئِقُ	"	۱۷	۳۹۳
ولا	يَنْتَطِقُ	"	۱۸	۳۲
فَظَلَّ	مُنْتَطِقُ	"	۱۷	۲۱
لَمْ يَبْقَ	الْخَلَقُ	"	۱۷	۵۲
بَانَ	يَرْتَزِقُهُ	"	۵	۲۳۲
بِيضٌ	تَطْبِيقُ	"	۱	۳۳۴
يَتِمُّهُ	مَشْنُوقُ	"	۱۲	۵۵
ولا	مَغْلُوقُ	"	۱۲	۱۶۵
والتَّغْلَبِيُّونَ	مِنْطِيقُ	"	۱۲	۲۳۳
ولا	مَغْلُوقُ	"	۱۹	۳۷۱

صدر البیت	قافیہ	بحر	جلد	صفحہ
وَقَدْ (او فَقَدْ)	الْعُنُقِ	بسیط	۱	۱۱۹ (= ۳۵۲:۶، ۱۲۸:۱۰)
لَهَا	والزَّهَقِ	"	۱	۳۲۰
تَحَطَّمَ	تَتَفَتَّقِ	"	۴	۲۶
كَأَنَّهُ	سَلَقِ	"	۷	۱۷۸
أَبْلِغْ	الْخَلَقِ	"	۱۱	۳۲۷ (= ۳۷۷)
وأَطْعَنُ	والفَهَقِ	"	۱۲	۱۹۰
ـــو	طَرَقِ	"	۱۳	۲۶۰
لا	الوَدِقِ	"	۱۴	۲۴۰
وَبِلْ أمِّ	والرَّهَقِ	"	۱۷	۱۳۶
ظَلَّتْ	مُخْتَرِقِ	"	۱۷	۳۸
وأَصْبَا	أَخْلاقِ	"	۱	۱۰۳*
كَأَنَّا	طِبَاقِ	"	۲	۴۳۴ (= ۴۶۴، ۲۷۸:۸، ۸۴:۱۲)
حَرْفٌ	إِطْرَاقِ	"	۴	۱۸۴
يَا عِيدُ	طَرَّاقِ	"	۴	۳۱۴

صدر البيت	قافيته	بحر	مجلد	صفحة
يا هند	طرّاقِ	بسيط	۴	۴۵۴
عيرانة	إخفاقِ	″	۱۱	۳۶۸
نعوت	أزواقِ	″	۱۱	۴۲۴
كادت	ساقِ	″	۱۲	۳۶
حتى	غيداقِ	″	۱۲	۱۵۴
قامت	بالفاقِ	″	۱۲	۱۹۷
حنّت	أطواقِ	″	۱۲	۳۲۶
لبدة	برّاقِ	″	۱۲	۳۶۰
ركنا	سبّاقِ	″	۱۳	۵۱۳
وقد	أطباقِ	″	۱۴	۳۵۱
لا شيءَ	باقي	″	۱۶	۶۲
وقلّةٍ	مخراقِ	″	۱۹	۲۱۴
وهم	الراقي	″	۱۹	۲۳۴
عمرو	مغناقِ	″	۱۹	۲۴۸
هلاّ	بالرّيقِ	″	۵	۱۱۳
أوجرته	الزحاليقِ	″	۷	۱۴۱
أفنى	الأباريقِ	″	۷	۲۶۳
هووا	السبوقِ	″	۱۱	۳۶۱
وقاسح	معروقِ	″	۱۱	۳۷۲
لا	سعفوقِ	″	۱۱	۱۸۳ ر=

صدر البيت	قافيته	بحر	مجلد	صفحة
(ع ۲۴۴:۱۲)				
لما	نبقِ	بسيط	۱۲	۳
معتز	بزرنيقِ	″	۱۲	۶
أو طعم	الغرانيقِ	″	۱۲	۱۶۱
كبسلة	اللخاقيقِ	″	۱۲	۲۰۵
كأنّما	السّوقِ	″	۱۲	۳۶۹
يممته	الزحاليقِ	″	۱۴	۲۸۸
توحي	مفنوقِ	″	۲۰	۲۶۰
لا	مراقيها	″	۱۳	۴۰۲
تمطو	قلقا	″	۱۸	۱۳۲
فضل	نزقا	″	۱	۲۶
يخرجن	والغرقا	″	۱	۴۷۲ ر=
(ع ۴۲۴:۱۳)				
ليث	صدقا	″	۲	۲۰۳ ر=
(ع ۲۱۶:۶)				
وفارس	صدقا	″	۶	۳۳۴ ر=
(ع ۳۳۳:۱۷)				
أشتم	الرّيقا	″	۸	۳۹۳ ر=
(ع ۴۰۳:۱۱)				
القائد	والأبقا	″	۱۱	۱۸۳ ر=

صدر البيت	قافيته	بحره	جلد	صفحة
١٥: ٣٣٣ح)				
يغتريس	دفقا	بسيط	١١	٣٨٨
حلت	العنقا	"	١١	٣١٣
شج	رنقا	"	١١	٣١٨
لا	رهقا	"	١١	٣٢١
كأن	سحقا	"	١٢	١٩ (ر=
١٣: ٦٩،				
١٦: ٢٥٣)				
يطلب	السوقا	"	١٢	٣٦
حتى	والصفقا	"	١٢	٧١
نطعنهم	اعتنقا	"	١٢	١٣٣ (ر=
(او يطعنهم) ١٣: ٢٥٣)				
وفارقتك	غلقا	"	١٢	١٦٦
يجيل	نطقا	"	١٢	٢٣٣ (ر=
١٣: ٨٣،)				
وقابل	دفقا	"	١٣	٥٩
وليس	ورقا	"	١٥	٢٨٦
غزت	عققا	"	١٦	١٩٢
كأن	عتقا	"	١٧	١٦٣
رفعن	فأتلقا	"	٢٠	٣٢٦

صدر البيت	قافيته	بحره	جلد	صفحة
اني	العوقة	بسيط	١٢	١٥٢
اني	ساقا	"	١	٢٩٧ (ر=
٢: ٢٦١،				
١٢: ٣٥،)				
تحتاده	أفواق	"	٨	٢٧٣ (ر=
١٢: ١٩٣،)				
فات	مطراقا	"	١٢	٩٢
مفرعم	تصطفق	"	١٥	٣٥٣
يستهفه	نعقوا	وافر	١١	٦٥
كساها	الورق	"	١٣	٣٢٢
درع القوم	المتفلق	"	٢٠	٣٣
يمج	يورقها	"	٩	١٩٦
وهاتقة	دقاق	"	٥	٨٣
تركنا	الصفاق	"	٨	١٦٣
فسال	أفاق	"	٩	٢٣٦
كأن	الوراق	"	١٠	١١١ (ر=
١٢: ٢٥٣،				
١٥: ١٦٧،)				
وعبد	فالوراق	"	١٢	٢٥٨
دعانا	والحقاق	"	١٣	٣٠٣

صدر البيت	قافيته	بحر	جلد	صفحة
تُلَقِّي	المُطِيقُ	وافر	۲	۴۳۸ (ر = ۳: ۵۵)
تَشُقُّ	سَحُوقُ	"	۳	۳۸۵
عَلَى	طَرِيقُ	"	۴	۹
وسائِلَةٍ	العَلُوقُ	"	۶	۵۸ (ر = ۱۲: ۱۳۸)
وذاتِ	مَشِيقُ	"	۶	۴۰۶
أنورًا	فُرُوقُ	"	۷	۱۰۴ آص
فَدَيْتُ	أُطِيقُ	"	۷	۱۸۰
أنوراً	حَذِيقُ	"	۱۰	۱۵ (ر = ۱۱: ۳۲۳)
تراها	بُرُوقُ	"	۱۱	۳۱۱
تَلاقَيْنا	حَنِيقُ	"	۱۱	۳۵۶ ع
تُكَلِّفُنِي	السَّوِيقُ	"	۱۲	۳۶
أحَقًّا	فَرِيقُ	"	۱۲	۱۷۵
يُقَلِّبُ	مَحِيقُ	"	۱۲	۲۱۵
تَرُدُّ	الوَشِيقُ	"	۱۲	۲۶۱
مغلغلة	عَمِيقُ	"	۱۴	۱۸
تلاقينا	حَفِيقُ	"	۱۷	۶۷
جُسُومُ	سَحُوقُ	"	۲۰	۲۳۲

صدر البيت	قافيته	بحر	جلد	صفحة
لَقِينا (او لَقِيتُم)	العَرَاقِي	وافر	۱	۱۶۷ (ر = ۱۲: ۱۲۰)
حَسِبْتُ	بالعَناقِ	"	۲	۳۵ (ر = ۱۲: ۱۴۷، ۱۴: ۳۱۷)
فَلَو	عَاقِ	"	۲	۳۰۵ (ر = ۱۲: ۱۵۳)
ومِلْنا	عِتاقِ	"	۳	۲۴۹
بِكُلِّ	نِزاقِ	"	۴	۲۷۰
كَأنَّ	بالخُناقِ	"	۵	۲۱۷ (ر = ۷: ۳۵۷)
بِزُرْقٍ أوَيْنِ	مَاقِ	"	۶	۸۸ (ر = ۱۰: ۳۸۹)
اذا ما	ساقِي	"	۷	۱۱۴
وكم	والبِراقِ	"	۷	۲۰۱
أنَكَ	الوِساقِ	"	۹	۳۴۰ (ر = ۱۲: ۲۵۹)
كَأنَّ	الزِّقاقِ	"	۱۱	۶۲
فأخْبِي	بِراقِ	"	۱۱	۳۰۰
قَضَيْتُ	بِساقِ	"	۱۱	۳۰۲

صدر البيت	قافيه	بحر	مجلد	صفحة
واذا	الأبلق	كامل	۱۲	۲۰۸ (ر= ۱۰۶:۱۷)
ذهبت	ممزّق	"	۱۲	۲۱۸
واذا	ومطرّق	"	۱۳	۲۷۸
رَبعاً	المنطق	"	۱۵	۱۲۶
حملت	بنضيق	"	۱۵	۱۷۰
حلّت	المغلق	"	۱۵	۳۹۷
نصل	تلحق	"	۱۷	۳۷۱
نعن	الجوسق	"	۱۹	۱۵۷
ونأت	تصدق	"	۱۹	۳۳۶
مفطوحة	سفاسق	"	۳	۳۷۹
فالى	سمالق	"	۶	۱۰ (ر= ۳۰:۱۲)
أبكى	غاسق	"	۱۲	۱۶۲
ان	الوامق	"	۱۲	۲۶۵
يمسن	الأشداق	"	۶	۴۵
فترى	الأسواق	"	۱۲	۲۲۷
نقد	وزقاق	"	۱۳	۸۴
يمشى	بطارق	"	۱۳	۳۰۳
من	اخناق	"	۱۸	۳۰۱

صدر البيت	قافيه	بحر	مجلد	صفحة
فارقت	فراقها	كامل	۱۲	۲۱۲
متشرّق	منوق	"	۳	۱۶۵
لمتقفن	التطليق	"	۹	۴۰
أجزيتهم	بتلهوق	"	۱۲	۲۰۹
والنوم	المنطيق	"	۱۲	۲۳۱
محض	التنهاقا	"	۸	۳۵۸
مابال	تشاقها	"	۱۱	۳۱۶
مازلت	الترنوقا	"	۹	۲۴۳
لم ييئس	المسلوقا	"	۱۰	۴۰۲
تسلى	ترميقا	"	۱۲	۹۷
علفته	غبوقه	"	۱۲	۲۳۵
وقوائم	معلق	"	۹	۳۷۷
كنت	المهزق	"	۱۲	۲۲۰
والبيت	المنبق	"	۱۲	۲۲۸
ألك	الخورنق	"	۱۵	۱۰۶
وصاحبي	عوهق	جز	۱	۳۵۰ (ر= ۱۵۲:۱۲)
ينير	يصفق	"	۱	۴۳۹
علق	أورق	"	۵	۳۴۷
سمهد	بخنق	"	۶	۴۷

صدر البیت	قافیته	بحر	جلد	صفحة
تَضْحَكُ	الأَشْدَاقُ	رجز	٦	٤٠٣
ومَنْهَلٍ	الغَلْفَقُ	"	٧	١٠٥
ودُونَ	مُحَلِّقُ	"	١١	٣٤٤
ومَنْهَلٍ	الخَدَرْنَقُ	"	١١	٣٥٩ (=
	(او الخَوَرْنَقُ)[1]			٣٩٣،
				١٢: ١٦٨،
				١٦٩)
أَنَّى	فَيْصَقُ	"	١١	٣٧١
وحافِرٌ	مُعَرَّقُ	"	١١	٣٩٤
والبِيضُ	مُذَلَّقُ	"	١١	٣٩٩
رَمَّدَتِ	رَبَّقُ	"	١١	٤١٩
كأَنَّ	غَيْهَقُ	"	١٢	١٥١
اذا	تَلَقْلَقُ	"	١٢	٢٠٧ (=
				٢٠٨م)
ناجٍ	نِقْنِقُ	"	١٢	٢٢٦
وحافِرٌ	مُدَمْلَقُ	"	١٩	٢٥٦
هِلَّوفَةٍ	بنائِقُ	"	١١	٢٦٥
دعفن	الدَّمَالِقُ	"	١١	٣٩٤
انّى	العَنَافِقُ	"	١٢	٨

صدر البیت	قافیته	بحر	جلد	صفحة
تُضِجُّ	الأيانِقُ	رجز	١٢	٢٣٩
نَحْنُ	النَّمارِقُ	"	١٢	٢٣٩
كأَنَّ	تُعانِقُ	"	١٧	١٠١
انّى	الأَشْدَاقُ	"	١	٤٢٩
يَكْفِيكَ	مِخْراقُ	"	٦	٤١
إنِّي	وَدَّاقُ	"	١٢	٢٠٧
ولا	عَلاقُ	"	١٩	١٨٠
سائِلَةٌ	ساقُها	"	١٢	١٠٣
يا رُبَّ	مَغْبُوقُ	"	١١	٣٩٩ (=
				١٢: ٤٢٧)
مازالَ	فُرُوقُهُ	"	١٢	١٧٩
تَنْفاءُ	مَفْلُوقُها	"	١١	٢٠٧
ناجِيَةٌ	نَقِيفُها	"	١٢	٧٦
إنِّي	لَبِيقَهْ	"	١٢	٣٣
فلم	بُلُقِ	"	٢	٣٨٧
قد	مُعِقِّ	"	١٢	١٧٩
نَسِّي	العِشْقِ	"	١٣	٣٣١
يا هِنْدُ	حَقِّ	"	١٥	٥٤
فلو	العِتْقِ	"	٢٠	٢١

[1] انظر ایضا (١٩ : ٢٥٦)۔

له انظر ایضاً ۱۱ ، ۳۸۶).

صدر البیت	قافیہ	بحر	مجلد	صفحہ
لَسْتُ	مُعَلَّقَہْ	رجز	۱۱	۳۵۴
اِنْ	مُطَلَّقَہْ	"	۱۲	۲۵۴
لَسْتُ	مُحْمِقَہْ	"	۱۸	۲۵۲
اُحِبُّ	الجُوالِقَا	"	۱۱	۳۱۸
تَعَلَّمِی	زَاعِقَا	"	۸	۳۷۷
کَاَنَّ	الخَرَانِقَا	"	۱۱	۳۶۵
اِنَّ	زَاعِقَا	"	۱۲	۸
اِنَّ	سائقا	"	۱۲	۲۶۰
دونکھا	زَعاقَا	"	۱۲	۷
الحمدُ	أطاقا	"	۱۸	۲۷۵
اِنَّ	والحماقَہْ	"	۱۲	۲۶۳
حَتّٰی	الفُرُوقَا	"	۱	۴۹
قالَتْ	سُوَیقَا	"	۷	۳۲۳ح (۲۸۳:۸)
وَاَصْبَغْ	تَحْقِیقَا	"	۱۰	۳۲۰
وطَفِقَتْ	تَطْلِیقَا	"	۱۰	۲۹۶
قالَتْ	خُرْدِیقَا	"	۱۱	۳۶۵
یا عَجَبًا	الرِّبْقَہْ	"	۲	۱۸۷
من	رُوقَہْ	"	۱۱	۴۱۲ح

صدر البیت	قافیہ	بحر	مجلد	صفحہ
				(۳۲۷ع)
یا اَیُّها	المَرْزُوقَہْ	رجز	۱۲	۱۵
کأنّها	الزَّوْقُ	"	۱۹	۱۹۶
اَبِی	العُنُقُ	"	۱	۳۵۴ح (۶۸:۱۲)
کأنّها	الحَنَقُ	"	۱	۳۱۵ح (۹:۱۲)
کأنّہٗ	الخِرَقُ	"	۱	۳۷۴
وحَوْقَلٍ	سَلَقُ	"	۲	۱۷۵ح (۲۸:۱۲) (۳۳۴ص)
ضَرْحًا	السُّوَلَقُ	"	۲	۲۸۱
تَنَشَّطَتْہُ	فَنَقُ	"	۲	۲۸۲
تَکَادُ	الحَرَقُ	"	۲	۳۸۳
تَمَطَّقَتْ	بالرَّقُ	"	۲	۴۱۷
یَدْعُو	الفَلَقُ	"	۳	۳۵۴ح (۷۷:۱۲)
اَیُّ	حِمَقُ	"	۴	۲۹۴
فَاکْتَلْ	مُحِقُ	"	۴	۲۹۹

لہ انظر ایضاً (۱۱ ، ۳۶۵)

صدر البیت	قافیہ	بحر	جلد	صفحہ	صدر البیت	قافیہ	بحر	جلد	صفحہ
حتّی	الدّالق	رجز	۵	۲۴۲ (=					۱۲: ۱۱،
	(او الدّالق)			۱۱: ۳۹۹،					۲۶۴)
				۱۲: ۴۰)	و	الغمس مختلق	رجز	۱۱	۲۹۳
فعت	عشق	"	۶	۲۲ (=	فیه	البهق	"	۱۱	۳۱۱،
				۱۲: ۲۲ ع،	کأنّما	المأق	"	۱۱	۳۱۴ (=
				۲۳ ع،					۱۲: ۲۱۱،
				۳۶۲)					۱۴: ۲۶۶)
یادار	البرق	"	۷	۱۷۸ (=	قد	الخرق	"	۱۱	۳۵۰
				۱۳: ۱۹۹)	وقاتم	الخفق	"	۱۱	۳۶۷ (=
ف	دعق	"	۷	۳۸۷					۱۲: ۱۴۳)
تری	العلق	"	۸	۴۰۹	زوراً	دعق	"	۱۱	۳۸۶
ألف	اللبق	"	۹	۸۱	تبدو	الدّقق	"	۱۱	۳۸۹
سوّی	الطّرق	"	۹	۲۵۶	حتّی	البرق	"	۱۱	۳۹۸
کان	الخلق	"	۹	۴۱۳	کأنّما	عمق	"	۱۱	۴۳۴ (=
أودی	وانطلق	"	۱۰	۸۳					۱۲: ۳۸ ع)
حزّا	الزّلق	"	۱۰	۱۳۷	یزعم	العنق	"	۱۲	۵
شاحی	العلق	"	۱۰	۱۶۰	أو مقرع	النّشق	"	۱۲	۱۱
اذا	الزّهق	"	۱۰	۲۱۴	کأنّ	الورق	"	۱۲	۱۳ (ص،
فیها	بلق	"	۱۰	۲۹۳ ع،					۱۹۷)
راث	تلق	"	۱۱	۲۹۰ (=	بحتکها	یتّفق	"	۱۲	۲۱

صدر البیت	قافیہ	بحر	جلد	صفحہ
یَنْفُضُ	الدِّرْیَاقُ	جز	۱۲	۱۷۶
اذا	الاَنْفَاقُ	"	۱۲	۲۳۸
یَارُبَّ	الرَّوقُ	"	۱۴	۹۸
هل	تَعْلِیقُ	"	۱۴	۲۳۴
هل	تَطْلِیقْ	"	۱۸	۲۰۱ (=
				۲۰:۳۷۰)
و اذا	بِالْمَنْجَنِیقِ	رمل	۱۶	۱۱۷
ان	والاَرْقَا	"	۱۲	۱۶۲
لَقِیتُ	طَبَقَهْ	"	۱۲	۸۳ (=
				۱۷:۱۰۹)
أیتها	حَلَقَهْ	"	۱۲	۲۰۰
جَعَلَ	بُرَقْ	"	۷	۱۰۸
أنْصَبَ	حَنِقْ	"	۸	۱۳۷
أصْمَعُ	تَسِقْ	"	۱۰	۷۵ (=
				۱۱:۳۱۴)
مَیْلَعُ	الاُفُقْ	"	۱۰	۲۲۰
جَرَتِ	حَبَطِقْطِقْ	"	۱۱	۳۲۱ (=
				۱۲:۹۵)
وتَرَکْتُ	عَقَقْ	"	۱۲	۱۳۰

صدر البیت	قافیہ	بحر	جلد	صفحہ
کَرباج	طَرَقْ	رمل	۱۵	۱۷۸
لا	البَلَعَقُ	سریع	۱۱	۳۰۸
لا	الزَّائِقِ	"	۶	۴۲۸ (=
				۱۲:۲۰۸؎)
یاقَوْمِ	الدَّائِقِ	"	۱۱	۳۹۴
لا	عَاتِقِی	"	۲۰	۲۶۳ (=
				۳۰۳)
مَنْ	بِالْمَضِیقِ	"	۱۲	۷۷
أزمانُ	عِرَاقُ	"	۱۲	۱۱۹ (=
				۱۵:۲۰۸)
مَنْ	بِالْمَضِیقْ	"	۱۸	۲۹۱
وأنْتَ	الاُفُقُ	منسرح	۱	۱۰۷ (=
				۱۱:۲۸۵)
تُنْقَلُ	طَبَقُ	"	۲	۱۵
حَتَّى	النُّطُقُ	"	۲	۳۱۹ (=
				۱۲:۲۳۳،
				۱۷:۳۲۷،
				۱۹:۳۲۳)
لَیُسُوا	النُّطُقُ	"	۴	۴۴۴ (=

؎ انظر ایضاً (۱۸: ۲۹۰)

صدر البيت	قافيته	بحر	مجلد	صفحة
عـلين	العلاقه	خفيف	۱۲	۱۳۸ (ر= ۱۹۵، ۱۴: ۲۸۳)
بلغا	مشتاقه	״	۱۲	۱۹۴
رب	مهراقه	״	۱۲	۲۴۴
يزول	البهلق	متقارب	۱۱	۳۱۲
مسبحتان	أنيق	״	۱۰	۲۹
وكل	ملق	״	۲	۴۵۷
حليفان	ضيق	״	۱	۳۱
فنفسك	تبرق	״	۱۱	۲۹۷
نعاني	العشرق	״	۱۳	۲۲۳ (ر= ۱۶: ۲۹۰)
شأتك	بالأبرق	״	۱۹	۱۴۵
اى	بالحقاق	״	۱۱	۳۴۰

صدر البيت	قافيته	بحر	مجلد	صفحة
أبت	أطرافها	متقارب	۱۲	۸۷
وسرت	نمارقا	״	۱۰	۲۶۵
وضحك	اللقا	״	۱۲	۳۴۷
أصاح	فواقا	״	۹	۶۳ (ر= ۱۹: ۱۵۷)
ومنسدل	أخلاقا	״	۱۱	۳۷۹
وأقبل	رفاقا	״	۱۱	۴۱۰
وما	اعتناقا	״	۱۲	۱۲۵
جوانح	عقاقا	״	۱۲	۱۳۰
مخضت	خنفقيقا	״	۹	۹۵
وقد	خنفقيقا	״	۱۷	۳۳۷
ولى	أمق	״	۵	۳۴۶ (ر= ۱۲: ۲۲۳)
قامت	تختنق	״	۱۰	۳۹۹

ك

صدر البيت	قافيته	بحر	مجلد	صفحة
ولا	متشرك	طويل	۱۲	۳۳۵
فلما	التلمك	״	۱۲	۳۷۳ (ر= ۱۵: ۴۱)
فأعددت	مسلك	طويل	۱۷	۳۳۷
رأيتك	الدمامك	״	۲	۱۵۲ (ر= ۲۶۱،

له انظر ايضا ر ٢٠: ٢٩٠)

[1] انظر ایضا (۱۰: ۳۷۷)

[1] انظر ايضا (٢: ٣٨٤)

نومبر ۱۹۴۱ء

ضمیمہ

اورینٹل کالج میگزین

منجانب

عربک اینڈ پرشین سوسائٹی

پنجاب یونیورسٹی

لاہور

نوٹ :- یہ ضمیمہ صرف عربک اینڈ پرشین سوسائٹی کے ممبروں اور خریداران ضمیمہ میں تقسیم ہو

فہرستِ مضامین

ضمیمہ بابت ماہ نومبر ۱۹۴۱ء

نوٹ:۔ ضمیمہ صرف عربک اینڈ پرشین سوسائٹی کے ممبروں اور خریدارانِ ضمیمہ میں تقسیم ہوتا ہے۔

گیلانی الیکٹرک پریس ہسپتال روڈ لاہور میں باہتمام مہتہ الیشر داس پرنٹر چھپا اور
بابو صدیق احمد خان نے اورینٹل کالج لاہور سے شایع کیا

مباد[1] آن زمان کز تو باشم جدا | چو مه در شبستان نه بینم ترا
ولیکن گرت صید[2] آهو هواست | بیک روز گر باز گردی رواست

چو بشنید گفتار خسرو همای
ثنا گفت و برگشت و شد باز جای

رفتن شهزاده همای برای صید و تفریح

چو بگرفت سلطان زرینه تاج | به تیغ زر از خسرو زنگ باج[3]
شه روم بر ابلق تیز پوی | بچوگان در آورد زرینه گوی
ملک را مگر شهریار عراق | فرستاده بداد همی چون براق
یکی بادپا برق هامون[4] نورد | زمین کوب و دریا بر و چرخ گرد[5]
بموی چو مرغ و بدریا چو ماغ | ببالا چو میغ و بدیدن چون زاغ[6]
فگنده بر و جل زدیبای لعل | رکابش ز یاقوت و زرینش نعل
بیاورد و شهزاده را بر نشاند | چو باران گهر بر سرش بر فشاند
جهانجو بر آمد بهامون نورد | ثنا گفت و رخ سوی نخچیر کرد

۲۹ب

هزار و صد از سروران سپاه | رخ آورده با شه به نخچیرگاه
بهاران بد و ماه اردی بهشت | ز سبزه لب کشت همچون بهشت
همه دامن کوه پر لاله بود | همه لاله پر قطرهٔ ژاله بود
ز صحرا نشینان نوخاسته | همه دشت چون جنت آراسته

---

۱ ب: مبادا زمان، ۲ ق: میل، ۳ ب: تاج، ۴ ج: همایون، ۵ ق: زمین کوب دریا بر چرخ گرد، ۶ نام اسپ هم غراب بود، این شعر در ب و ج غلط نوشته اند، و ماغ نوعی از مرغ آبی باشد سیه فام، اسدی گفته: چ شناور شده ماغ بر روی آب (فرهنگ آنندراج)، ۷ این شعر از ب افتاده است،

ز برگ گل و لاله و شنبلید | همه کوه و صحرا شده ناپدید
ز باد بهاری هوا مشک بیز | ز ریحان و سنبل زمین[1] مشک خیز
گل از جیب غنچه برآورده سر | بگفتار بلبل درآورده[2] سر
تذروان سراینده بر دشت و راغ | هزار[3] آفرین خوانده بر طرف باغ
زمین از شگوفه شده حله پوش | ز آواز مرغان جهان پر خروش[4]
سواران خروشنده چون پیل مست | بصید پلنگان برآورده دست[5]
هژبران ز دشت و گوزنان ز کوه | شده غرقهٔ خون گروها گروه
غو طبل طغرل درآمد بلند | سر گور آهو تنگ اندر کمند
پلنگ افگنان در کمین پلنگ | بچنگال شیران درافکنده چنگ
سیه گوش چشمش بر آهو بره | برآورده کبکان خروش از دره
دمان یوز تازان بر آهو و رنگ | عقابان عنقیین بخون کرده چنگ[6]
همای از فراز نوند سیاه | چو در تیره گون شب[7] فروزنده ماه
بیفگنده ختلی چو شیر ژیان | ده آهو و گرگی چو شیر دمان[8]
قضارا برآمد یکی تیز گرد | ملکزاده رخ سوی آن گرد کرد
یکی گور (دید) اندران پهن دشت | که بر طرف نخچیرگه برگذشت
لبانش ز یاقوت و مشکینش دم | سر[9] و سینه اش لعل و زرینش سم

---

۱ آ: شده، ۲ ب: برآورده پر، ۳ ج: چو مرغان خوش نغمه بر طرف باغ، ۴ این شعر از نسخهٔ آ ساقط شده، ۵ ج: هر دو جا دست دارد، ب: پیل نر - برآورده سر - دارد، ۶ در نسخهٔ ب موجود نیست، ۷ ب: لفظ شب ندارد، ۸ از نسخهٔ ب افتاده است آ و ج بر بیان دارد، ۹ ب: بر و سینه اش لعل و رونیش سم

بعد از این شعر در نسخه های آ و ج این شعر دیده می شود
آ: سر و دستش از لعل
سیه چشم و گیسوکش و مه جبین - پری رو و دریاچه و کُه شوین (کذا)

به پیش سواران بکردار باد | برون رفت و سر سوی صحرا نهاد
ملک را دو دیده بماند از پیش | غراب تگاور براند از پیش
ز فتراک بگشود پیچان کمند | گره کرد و بر گور وحشی فگند
برون رفت از چنبرش نره گور | برآورد[1] بر چرخ گردنده شور
همایون همای از فراز غراب | ز ترکش برآورده پران عقاب
بخود در کشید و نظر راست کرد | بران تا برآرد ز نخچیر گرد
خدنگش خطا گشت[2] و بگسست زه | قضا گفت رو ترک این کار ده
به پیچید بر خویش[3] و برزد عنان | بغرید مانند شیر ژیان[4]
برافراخت یال و بغل برگشاد | به پیوست تیری دگر زه[5] چو باد
شکسته شده چاچیانی کمان | ز تیر سپهری برآمد فغان
که ای غافل از گردش روزگار | نیاموخته پند آموزگار
مکن گورگیری چو بهرام گور | که ناگه شوی بستهٔ دام گور
گمان افتدت کافتدت در کمند | نگر تا نگردی تو خود پای بند
بسا صید کو صید صیاد کرد[6] | بسا بنده کو خواجه آزاد کرد

شه نامور خسرو پاک زاد
تگاور براند از پیش همچو باد

رسیدن شهزاده همای بباغی و عاشق شدن بر صورت همایون

چو جمشید گردون زرینه جام | زبون گشت بر دست سلطان شام

---

۱ ب: از، ۲ ب: کرد، ۳ بج: بر زین، ۴ بج: دگر ره زه آورد چاچی کمان، ۵ بج: همچو،
۶ ب: بجای "کرد" لفظ "شد" دارد،

نه نخچیر دید و نه نخچیرگاه — نه گور و نه شیر افگنان سپاه

بیابانِ خونخوار و ماوای دیو — ز هر سو برآورده غولان غریو

چنان تا بگاهِ سپیده براند — که مه در رکابش پیاده بماند

دمِ صبح بر جویباری رسید — بخورم لبی کشت زاری رسید

همه سبزه دید و گل و یاسمن — دریده صبا غنچه را پیرهن

نسیم بهار و لب[1] مرغزار — سرِ چشمه و نالهٔ مرغ زار

همه دشت بد[2] فرش زنگارگون — ز لاله جهان روی شسته بخون ۱۳۰

برآورده بلبل ز گلشن[3] صفیر — چو سرچشمهٔ زندگی آبگیر

سر اندر سر آورده آزاد سرو — نوا برکشیده خرامان تذرو

بران دشت خورم یکی بوستان — تو گفتی که بستانِ مینوست آن

پری رادران گلشن آرام جای[4] — به بستان سرای مرغِ دستان سرای

برآورده قصری سرش بر[5] سپهر — دُر افشان برو[6] مهر گردون ز مهر

همایون همای از فرازِ نوند — چو سلطانِ انجم ز چرخ بلند

فرود آمد و سوی بستان شتافت — چو بلبل بطرف[7] گلستان شتافت

یکی کاخ دید اندرو چون بهشت — عقیقینش دیوار و زرینش خشت

روان گشته در گوشهٔ بارگاه — خرامنده سروی چو تابنده ماه

چو خورشید رخ سوی خسرو نهاد — ثنا گفت و پیشش زمین بوسه داد

که شاها بدین جای چون آمدی — شب این جا بُدی یا کنون آمدی

---

[1] ب: گل و مرغزار. [2] ج: در، ب: پُر، [3] ب: گلشن،

[4] ب: پری را بران گلشن آرام جای، [5] ج: در بهشت، [6] ج: در و مهر گردون ز گ

[7] ب: بسوی؛

چو مهمان ما آمدی مرحبا	قدح گیر و بند قبا برگشا
زمانی بر[1] این قصر خرم خرام	چو خورشید بر بام[2] فیروزه فام
ندانسته شهزاده کان خود پریست	که از مهر دل شاه رامشتریست
بر و آفرین کرد و بنهاد پای	در آمد چو سروش[3] [4] به بستان سرای
روان گشت با آن پری چهره ماه	تفرج کنان اندران بارگاه
ز ناگه بکاخی رسید از قضا	چو بستان جنت خوش و دلکشا
فگنده در ایوانش تختی ز زر	بکیوان بر[5] آورده ایوانش سر
ز رفعت فلک مانده حیران او	فرو هشته از طاق ایوان او
یکی نیلگون دیبهٔ پر نگار	کشیده بر پیکر زرنگار
ببالائی[6] آن نیلگون پرنیان	نوشته که ای شاه روشن روان
درین کاخ فرخنده چون نغنوی[7]	نظر کن درین[8] پیکر مانوی
که نقشی بدینگونه از کفر و دین	نه بینی مگر دخت فغفور چین
همایون که چون مه بر آید[9] ز بام	رخش روز روشن نماید بشام
درین صورت از راه معنی به بین	فرو مانده صورت پرستان چین
نگر تا بچشم خرد بنگری	که در عقل و حکمت نگنجد پری[10]
نگویم[11] به نقش از خرد باز مان	ولی نقش را نقش نقاش دان[12]
نه هر صورتی را توان داشت دوست	درین نقش بین تا چه معنی در وست
بمعنی ده صورت دوست دست	نه چون خویش بینان صورت پرست

---

[1] ب : بر ، [2] ب : برج ، [3] ب : سروی ، [4] ب : در ، [5] ب : زبالای ، [6] از مصدر نغنویدن بروزن سر کشیدن و بمعنی غافل نشدن و نیارمیدن ، [7] ج : برین ، [8] ب : بر آید ، [9] ب : که از عقل و حکمت نگر دوری ، [10] ج : بگوید ، [11] ب و ج : عین ؛

زصورت ببر تا بمعنی رسی چو مجنون شوی خود[۱] به لیلی رسی
[۲]بلی نقش خود گر نه بینی نکوست چو از خود گذشتی رسیدی بدوست
به نیرنگ ازین نقش رنگی[۳] برآر که تا خود چه نقش آورد روزگار
درین نقش نقاش را نقش بند که با نقش لازم بود نقش بند
چو طفلان رخ از نقش مانی متاب[۴] چو رهبان سوی نقش مانی[۵] شتاب
همای اندران نقش حیران بماند بر آن صورت از دیده گوهر فشاند
چنان از می عشق سرمست شد که از پا در افتاد و از دست[۶] شد
سهی سروش از پا در آمد چو باد چو خورشید بر خاک ره رو نهاد
بگوشش فرو گفت فرخ سروش که از دست دادی دل و دین و هوش
که گفتت بهر صورتی سر[۷] درآر تصور کن از نقش صورت نگار
هر آن کو بدل صورت اندیش[۸] نیست یقینم و را جان معنیش نیست
گذر کن[۹] ز دل تا بدلبر رسی ز سر در گذر تا بسر در رسی
گر اهل دلی دل بدلبر سپار چو از دل برآئی دم از دل برآر[۱۰]
دل سر درا همدم خویش کن ز مژگان نمک بر دل ریش کن
می صافی از دُردی دیده ساز[۱۱] کباب از دل خون چکانیده[۱۲] ساز
دل خسته در پای دلبر فشان بسر و روانش روان برفشان
بساز از سر زلف او دام دل برآر از لب لعل او کام دل
درین ره قدم بر سر خویش نه وزین پس سر خویش را پیش نه

---

[۱] ج: هم، [۲] ب: ولی، ج: وگر، [۳] ب: نقشی هزار، [۴] ب: تا بی بتاب، [۵] ب: چو رهبان شوی نقش یا بی شتاب، ج: نفس عیسی، [۶] ب: سرمست شد، [۷] ب: سر برآر، [۸] صورتی پیش نیست، [۹] ج: زدل درگزر، [۱۰] ب: شمار، [۱۱] ب: باز، [۱۲] ب: چکانده،

۱۳۰ب

اگر مرد راهی ز خود درگذر — بمنزلگهِ بیخودی برگذر
بچین رو که فالت[1] همایون شود — ز ماهِ رخش مهرت افزون شود
بچین زلف دلبر توانی کشید — که از چین شود نافهٔ چین پدید
برو خون خورد سنبلش بر سر آر — که از خون بود[2] اصل مشک تتار
صوابست راهِ خطا رفتنت — ولی خون خود باد[3] در گردنت
نه چین سپهر[4] چون مغ بت پرست — که در چین دهد نقش فرخار دست
چو شهزاده از خاک[5] سر برگرفت — ز مهرِ رخش چهره در زر گرفت
نه گلزار دید و نه قصر بلند — بر بستان سرای (و) نه نخلی پرند
ستاده غراب سیاه بر سرش — فگنده ز خود سایه[6] بر پیکرش
بیاد آمدش صورت دلربای — گهر ریخت از جزع[7] بر کهربای
بناکام بر پشت مرکب نشست — بخون جگر شسته از خویش دست
بسرو خرامان در آورده خم — زده در فلک ز آتش دل علم
رخ آورد چون روز روشن بشام — فرس راند از شام تا گاهِ[8] بام
نه راهی پدید و نه رهبر بدست — نه دل برقرار و نه دلبر بدست
در اندیشه کایا[9] چه پیش آیدم — اگر جان بر آید کنون شایدم
شب فرقتش چون بپایان برم — ز دریای عشقش کجا جان برم
زمانه بهر صورتم خون خورد — ازین صورتم تا چه پیش[10] آورد
سر[11] از در نیارد دری پیکرم — ندانم چه آرد قضا بر سرم

---

[1] ب: تالب! [2] ج: شود، [3] ب: باد بر باد بر؟ [4] ب: سپروآن، [5] ب: خواب، [6] ب: سایهٔ بر سرش، [7] ج: چرخ و جزع مهرهٔ سلیمانی که سفید و سیاه باشد و چشم هم مراد باشد، [8] ب: وقت، [9] ب: که آیا، [10] ب: نقش، [11] ب: سر آرد نیارد، سرار در نیارد؟

من این نقش کی بستم از نقش یار — که هر دم چه نقش آورد[1] روزگار
ازین پس چه گویندم اهل شناخت — که نقش رخش دید[2] و جان در نباخت
چرا جان نکردم همانندم نثار — که بستم دل خسته در نقش[3] یار
کنم ترک سر تا[4] دبد دوست دست — نگویم که من هستم ار دوست هست
ز احوال خود چند گویم سخن — که عاشق نشاید که گوید[5] که من
ازینگونه می گفت و خون می گریست
چه گویم که آن[6] لحظه چون می گریست

وداع کردن شهزاده لشکر خویش را و پیغام بمادر و پدر فرستادن

چو خورشید بر زد سر از کوهسار — پدید آمد از دور جمعی سوار
ملکزاده را جمله در جستجو — ز هر سو[7] نهاده دران دشت رو
چو دیدند شهزاده را دردناک[8] — همه در فتادند بر روی خاک
که شاها کجائی و حال تو چیست — پریشان چرائی و درد دت ز کیست
ملک حال خود سر بسر باز گفت — که از دوستان راز نتوان نهفت
ز احوال گور و مقام پری — وزان ماه وش لعبت آزری[9]
ز کاخ وز بستان و قصر بلند[10] — ز نقش همایون و کحلی پرند

---

[1] تو: آردم، [2] ب: دید جان در نباخت، [3] در تو و ج قبل ازین شعر این بیت نوشته اند:
نگویم که نقشی بجز بی چو ادست ۔ که صورت نبندم بجز نقش دوست، [4] ب: گر، [5] ب: گویم، [6] تو ج: هر لحظه
[7] تو: خون، [8] ب: بهر سو، [9] ج: درمناک، [10] ج: لعبت مانوی، [11] ب: ز کاخ و شبستان قصر بلند

همه خیره گشتند در کار او | بماندند حیران ز گفتار او
که آیا چه باشد سر انجام کار | چه نقش آورد گردش روزگار
چرا روز روشن برین نوجوان | سیه گشت از آن نیلگون پرنیان
ز نقش همایون چه بینند همای | چه بازی کند چرخ بازی نمای[2]
میسر شود با ویش اتصال | بدست آردش[3] یا شود پایمال
سپهرش که در دام خون[4] آورد | چه از پرده زین پس برون آورد
زبان برکشیدند[5] کای شهریار | عنان[6] دل خویش را هوش دار
چرا خویش را در جنون افگنی | دل خسته در بحر خون افگنی
مده دل بنقشی که باشد خیال | که ممکن نباشد ز نقش اتصال
ترا جادو از ره برون می برد | بدین نقش در دام خون می برد
یقین است کان پیکر مانوی | خیال است و آن سر بسر جادوئی[7]
بران پیکر خوب و کحلی پرند | ز راهت برون برد دیو نژند
گرت راه زند دیو بسیاره باز | تو پیر خرد رهبر خویش ساز
مکن بیرهی سر در آور براه | ببخشای بر جان غمگین شاه
که چشمش براه است و دل بر امید | بچشمش سیاه است روز سفید
چه[8] باشد که اکنون بشام آوری | رخ نامور سوی شام آوری
اگر هست[9] رایت شه نیک پی | هم از نسل گردن فرازان کی
بخواهد پری پیکری چون نگار | که باشد درین[10] غم ترا غمگسار

۱۳۱ و

---

1 ب: زین، 2 ب: بازی همای! 3 ج: آورد، 4 ب: چون، 5 ب: برگشودند،
6 ب: نهان دل ریش، و: عنان دل ریش را گوش دار! 7 از نسخهٔ و ساقط شده،
8 ب: که باشد، ج: چنان شد کنون گر، 9 ب: اگر هست این رایت ای نیک پی، 10 ب: بهر غم،

همای این سخن چون بگوشش رسید | برآشفت و آه حزین برکشید
بپاسخ چنین گفت کای سروران | مگویید با من ز مه پیکران
چو آگه نه‌اید از دل ریش من | مرانید زینسان سخن پیش من
مرا نقش دیوار خوانید و بس | گر آید[1] بچشم کنون نقش کس
مه عالم آرا بطلعت نکوست[2] | ولی جان ندارد بر[3] نقش دوست
دلم را نباشد جز او دلپذیر | که از جان گزیرست و[4] او ناگزیر
مفرمای صبرم که باشد محال | ز نقشی که هرگز نرفت از خیال
دلم فتنهٔ[5] آن پری پیکر است | که در عین معنی بچشم در است
ولی در فراقش نمانم بسی | که جان است و جان را نه بیند کسی
کجا دل توان بست در پیکری | که با زیردستان ندارد سری
بوصلش کجا باشدم دسترس | که در چشم عنقا نیاید مگس
نه آنم که برگردم از مهر دوست | که من نقش دیوارم و جانم اوست
پیامم بدان پیر مادر برید | دل دردمندش بدست آورید
بگویید کان کت جگرگوشه[6] بود | مراورا ز خون جگر توشه بود
بخون جگر پروراندیش | نمی زیستی گر نمی دیدیش
کنون رفت و جان را بجانان سپرد | چو در باخت جان در غمش جان ببرد
ز شام[7] جدائی بروزی فتاد | که کس را چنان روز روزی مباد
به نخچیرگه ارچه[8] ره می سپرد | کزینگونه نخچیرش از ره ببرد

---

[1] ب: که ناید بچشم کنون، [2] ج: بت آزری گر بصورت - این شعر با هفت اشعار لاحقه در ب بکلی حذف شده
[3] ج: بجز، [4] آ: وزو، [5] ج: بشیشه، [6] آ: جگر توشه، [7] این شعر با شعر لاحقه هم در ب حذف شده، [8] اصل: ازچه، مولوی رومی می‌فرماید - بهر صیدی می‌شدی در کوه و دشت
ناگهان در دام عشق او صید گشت ،

روان گشت و راه خطا برگرفت — که باشد خطا راه دیگر گرفت
نه زادِ رهش در بیابانِ شام — مگر قرص خور باشدش نان شام
وگر پرسد از من منوشنگ شاه — بگویید کای شاه گیتی پناه
همای از نشیمن چو پر برگشاد — چو عنقا باقصای قاف اوفتاد
یکی گورش از راه بیرون فگند — بدو چشم[1] آهوش در خون فگند
چو باد بهار از قفایش ببرد — چو آهوی چین تا خطایش ببرد
یکی لعبت از پرده بنمود چهر — دل از پرده بیرون فتادش ز مهر
چو زلف کجش بر زمین اوفتاد — برآشفت و آنگه بچین اوفتاد
خطا کرد و راهِ ختن برگرفت — دل خسته از جان و تن برگرفت
بچین شد بهوی سر زلف یار — که در چین توان یافت مشک تتار
ازین ره کجا جان بمنزل برد — وزین ورطه کشتی بساحل برد
ولیکن اگر بخت یاری کند — غم دلبرش غمگساری کند
بچین حلقهٔ زلفِ چون چنبرش — بدست آورد یا رود[2] در سرش
وگر زانکه بر روی ستر[3] آید جهان — اگر او نماند نو جاوید مان
بگفت این و برکرد مرکب نجای — به پیش اندر آورد راهِ خطا

رفتن شهزاده همای و بهزاد بطلب همایون

ازان نامداران چو برگشت شاه — برآمد بگیر و خروش[4] از سپاه
یکی با ملک زاده همراز بود — که نامش گرانمایه بهزاد بود

---

۱ ب: بہ چشم چو آهوش، ج: ز چشم ... الخ، ۲ ب: ور، ۳ ج: سرآید،
۴ ب: فروش سپاه،

زیکدایه با یکدگر خورده شیر   بمیدان بهم کرده آهنگ تیر
سر اندر پی شاه فرخ نهاد   بسوی خطا با ملک رخ نهاد
کسی[1] شان بجز سایه همراه نی   کسی شان ز حال دل آگاه نی
شتابان نوند ره انجام شان   فتاده دل خسته در دام شان
همای همایون به[2] پشت غراب   ز چشمش روان گشته صد چشمه آب
فغان بر کشیده بچرخ[3] بلند   بدام همایون دلش پای بند
دم آتش افشان شده همدمش   خیال سر زلف او محرمش
خمیده سهی سروش از تاب دل   ز سر تا قدم غرق خوناب دل
بکیوان بر آورده از جان نفیر   جهان کرده از آب چشم آبگیر
گر از سینه دل بر کشیدی نفس   جوابش صدا باز دادی ز پس[4]
نه راهی که رهبر بدست آیدش   نه در دل که دلبر بدست آیدش
نه دلبر بدست و نه دل در برش   نه در دل امید رخ دلبرش

۳۱ ب

ز دود[5] دلش آسمان نیلگون   ز نعل سمندش هوا[6] قیرگون
گهی با بر آشفته بختش عتیب   گهی در برش دل طپان از نهیب
چو مرغ سحر در خروش آمدی   دلش[7] در بر از غم بجوش آمدی
فرو شستی از چهره هردم غبار   بخونابه[8] دیده سیل بار
رهش هر زمان رود باری شدی   کنارش چو دریا کناری شدی
بهر مرز پرسان ز توران زمین   بهر منزل از دخت فغفور چین
خور از جیب مشرق چو سر بر زدی   دم آتشین از جگر بر زدی

---

[1] ب: یکی، در آ این دو مصراع پس و پیش آمده، [2] ب: ز، [3] ج: ز چرخ، [4] ب: وبس،
[5] ج: دست، [6] ج: جهان نیلگون، آ: هوا نیلگون، [7] ب: دل دربر، [8] ج: بخونابه از،

که رخشنده مهرست یا ماهِ من | سپیده دم از[1] روی دلخواهِ من
وگر زهره طالع شدی از افق | برون آمدی مه ز نیلی تتق[2]
برآوازِ چنگش نوا ساختی | خروشی بعالم درانداختی
که این زهره یا روی مه پیکرست | فروغ مه از[3] طلعت دلبرست
گهِ شام چون خسروِ زنگبار | برآوردی از خیلِ خاور دمار
فغان درگرفتی و رفتی ز هوش | برآوردی از جانِ غمگین خروش
که شام است یا چینِ گیسویِ دوست | شبِ تیره یا زلف هندویِ دوست
گهی خون گرستی و بر سر زدی | گهی آه سوزان ز دل بر زدی
اگر با غمش ساختی سوختی | دلش آتش از جان برافروختی
خیالش قرین بود و همراز آه | غمش غمگسار و هم آواز آه
براهی که او برگذشتی دگر | بکشتی نیارست کردن گذر[4]
بهر منزلی کو فرود[5] آمدی | تو گوئی ز چشمش دو رود آمدی[6]
چو بهزاد دیدی بدانگونه حال | دلش بازدادی که چندین منال
به بخشای بر جانِ غمگینِ خویش | به تلخی مده جانِ شیرینِ خویش
که ره بس دراز است و رهزن بسی | نه کس رهبری و نه همره کسی
مبادا تنت باز ماند ز کار | غمِ عشقت از جان برآرد دمار
درین درد صبر است درمانِ تو | که برباد شد کفر و ایمانِ تو
چنین می[7] سپردند راهِ دراز | بدریا رسیدند ناگه فراز

---

۱ ج: از، ۲ ج: طبق، ۳ ب: از، ۴ این شعر از متن ب ساقط شده است، ۵ ب: برون آمدی، ۶ ب: زهر سنگ او جوی خون آمدی، ۷ ب: تا،

اسیر شدن بهزاد و همای بدست زنگیان و پس رهائی یافتن از یاری باری تعالیٰ

یکی زنگی آدمی خوار بود ‌ ‌ ‌ ‌ که در روز روشن شب تار بود[1]

مر او را سمندون[2] زنگی لقب ‌ ‌ ‌ ‌ کمین کرده بر کاروان روز و شب

بفرمان چهل زنگی دیگرش ‌ ‌ ‌ ‌ ز خون کسان یافته[3] پرورش

ز دریا برون آمده جنگجوی ‌ ‌ ‌ ‌ سوی آن دو شهزاده نهاده روی

گرفتند فرزانه بهزاد را ‌ ‌ ‌ ‌ دگر ره همای نکوزاد را

عمدها بدریا در انداختند ‌ ‌ ‌ ‌ همه بادبانها برافراختند

بدریا همه در نشستند شاد ‌ ‌ ‌ ‌ روان کرده بر آب زورق چو باد

شه خسته دل گشته از جان ملول ‌ ‌ ‌ ‌ چو مه کرده در برج آبی نزول

ازین گردش چرخ فیروزه رنگ ‌ ‌ ‌ ‌ گهی در شتاب و گهی در درنگ

قضارا برآمد یکی باد سخت ‌ ‌ ‌ ‌ که برکندی[4] از بن تناور درخت

زناگه درآورد دریا بجوش ‌ ‌ ‌ ‌ درافگند در قعر[5] دریا خروش

چو دریای جوشان درآمد بموج ‌ ‌ ‌ ‌ برآنسان که موجش برآمد باوج

بدریا درافگند بدخواه را ‌ ‌ ‌ ‌ چو باد وزان زورق شاه را

ز ماهی برآورد بر اوج ماه ‌ ‌ ‌ ‌ برون برد از انجا بیک ماهه[6] راه

بهامون درافگندشان[7] همچو باد ‌ ‌ ‌ ‌ وزان ورطه کشتی بساحل فتاد

---

[1] آ، که نزدیک او آدمی خوار بود، [2] ب، سمندوی، و سمندون و سمندر، سمندال، سمندل جانوری است که در آتش نسوزد، [3] ب، جملها، [4] ب، برکند، آ، برکندی از جا تناور درخت، [5] ج، مغز، [6] ب، بیک ماها، [7] ب، شاه،

چو[1] دیدند خورم یکی مرغزار ‌‌‌‌ بهر گوشهٔ نالهٔ مرغ زار
گل از مهد فیروزه برکرده سر ‌‌‌‌ بآواز بلبل درآورده سر
همه ساحل از سبزه فیروزه فام ‌‌‌‌ کشیده بروی سمن لاله جام
بنفشه سرافگنده در پای سرو ‌‌‌‌ زشاخ صنوبر خروشان تذرو
درختان همه در سر آورده هر ‌‌‌‌ زهر گونهٔ میوه آورده بر
زبان کرده بر سرو سوسن دراز ‌‌‌‌ شده بلبل از سرو دستان نواز ۲
چو موی سر زنگیان دم بدم ‌‌‌‌ شده آب بر سر چشمه از باد خم
همه چشمه چون چشم دلدار بود[2] ‌‌‌‌ هوا چون هوای رخ یار بود
برآورد نسرین کف موسوی ‌‌‌‌ نموده صبا معجز عیسوی
همه دشت پر سبزه و لاله زار ‌‌‌‌ شگفته سمن بر لب جویبار
شده جعد سنبل پر از تاب و چین ‌‌‌‌ شقایق چو رخسار خوبان چین
ببوسید شه درزمان خاک را ‌‌‌‌ ثنا گفت مر ایزد پاک را
کزان گونه شان هر دو[3] بیرون فگند ‌‌‌‌ چو گوهر ز دریا بهامون فگند
بگشتند پیرامن مرغزار ‌‌‌‌ برآسوده از گردش روزگار
خرامان شده هر دو همچون تذرو ‌‌‌‌ بجلوه درآورده آزاد سرو
ببودند یکشب دران جایگاه ‌‌‌‌ پس آنگه نهادند رخ سوی راه

وزآنجا[4] دو منزل برون آمدند
ز خوناب[5] دل غرق خون آمدند

---

۱ ب: چو، ۲ ب: بجای بود لفظ خویش دارد، تو: خوش، ۳ ب: بردو، ۴ ب: ازانجا،
۵ ب: چو خوناب دل غرق خون آمدند،

رسیدن شهزاده همای و بهزاد بملک خاور و برداشتن رؤسای مملکت همای را بپادشاهی برسم دیرینهٔ ملک خود

چو از بام گردنده چرخ بنفش — شه شرق برزد درخشان درفش
شتابنده از دامن کوهسار — پدید آمد از دور جمعی سوار
نهاده سوی آن دو شهزاده روی — چو غرنده شیران نخچیر جوی
ملک زاده رخ سوی بهزاد کرد — که آخر نظر کن درین تیره گرد
که چندین سوار از کجامی رسند — ز چین یا ز راه خطا می رسند
کمین کرده بر دامن کوهسار — که از ما برآرند یکسر دمار
چو دیدندشان نوحه برداشتند — ندانسته کایشان چه سر داشتند
گرستند بر زندگانی خویش — بریدند امید از جوانی خویش
که کس را مبادا بدینگونه بخت — جدا مانده از ملکت و تاج و تخت
قضا مان ز دریا چو بیرون فگند — درین ورطه آیا دگر چون فگند
سواران زره نعره برداشتند — برایشان همه دیده بگماشتند
چو دیدند مر شاه را پیش رو — بدل در غریو و بجان در گرو
رخ آورده با یکدگر سوی راه — یکی همچو خورشید و دیگر چو ماه
همه بوسه دادند روی زمین — نهادند بر خاک راهش جبین
زبان برکشودند کای ارجمند — بدامت سپهر برین پای بند

۱؎ ب: کردند، ۲؎ ب: تنی چند پیدا شدند از سوار، ۳؎ ج: دیده، ۴؎ ب: که،
۵؎ ب: عری، ۶؎ ب: رخ آورد،

جهانت بکام و فلک بنده باد[1] | قضا یاور و بخت فرخنده باد
سپهر برین تخت گاه تو باد | زمین و زمان در پناه تو باد
همه طاق فیروزه ایوان تو | ره کهکشان شطح میدان تو
فلک خاکروب در خرگهت[2] | فروزنده مه[3] شمع خلوت گهت
زمانه زمین بوس درگاه تو | خرد رهبر و بخت همراه تو
فلک بر سر و دیده جایت کناد | ستاره روش بر رضایت کناد[4]
سر سرکشان زیر پای تو باد | همه ورد[5] اختر ثنای تو باد
بدان ای شهنشاه گردون جناب | سه نامجو خسرو کامیاب
که ما بندگان شه خاوریم | بخاور زمین از همه برتریم
شه ما بدین دشت خاور زمین | بنخچیر گور اندر آمد ز زین
جدا شد ز پشت تکاور ستور | چو بهرام شد بسته[6] دام گور
ملک[7] شاوران شاه فیروز بخت | که خورشید بد زو تاج و گردونش تخت
بنخچیر[8] گه جان بجانان سپرد | ز چنگ حوادث ولی جان ببرد[9]
چنین است آئین گردان سپهر | که در مهر کین است و در کینه مهر
یکی را بدستان[10] برآرد ز سر | یکی را بسر بر نهد تاج زر
یکی را بخاک اندر آرد ز تخت | یکی را کند در جهان نیک بخت
یکی را ز ماهی برآرد بماه | یکی را ز جاه[11] اندر آرد بچاه
یکی را بکیوان برآرد بفور | یکی را ز ایوان[12] برآرد بگور

---

[1] آ: صحن، [2] ج: درگهت، [3] ب لفظ مه ندارد، [4] ب این شعر ندارد، [5] ب: درد، [6] ب: ملک شاوزان، [7] ب: نخچیرگاه، [8] ب: ز چنگ حوادث کسی جان نبرد، ج: ز چنگ حوادث دل و جان ببرد، [9] ب: بدنیا، [10] ب: اگاه، [11] ب: دیوان،

منه تا توانی دل اندر جهان — که ناپایدار است و نامهربان

بدانش کسانیکه در سفته اند — جهان را یکی پیرزن گفته اند

که خود را برآرد بهفتاد رنگ — گهی بهره شهدت دهد گه شرنگ

اب

خوشا آنکه دل در نوالیش[1] نبست — بهر حال ازو کرد کوتاه دست

بدان ای جهانجوی کشورکشا — که رسم قدیم است در شهر ما

که چون شاه ما را سر آید جهان — بصحرا رویم از کهان و مهان

هر آنکو زره پیشتر در رسد — بسلطانی ملک خاور رسد

کنون ما همه شاه را بنده ایم — گر او سر کشد ما سر افگنده ایم

برین ره چو ما را تو پیش آمدی — نه بیگانهٔ زانکه خویش آمدی

همه ملک خاور بفرمان تست — سر ما همه گوی میدان تست

همای جگر غرقهٔ خون شده — دل ریشش[2] از پرده بیرون شده

ببازار چین قلب او کم عیار — خریده بجان زلف پرچین یار

بخیل همایون بت خرگهی — گدائیش خوشتر ز شاهنشهی

نه[3] پروای شاهیش بی روی دوست — رخش سوی ایشان و دل سوی دوست

فتاده بچین راستی کار او — بخاورزمین[4] گرم بازار او

نیارست گفتن بکس[5] راز دل — که از دیده می رفت پالیش بگل

بناکام کام دل از سر نهاد — چو خورشید رخ سوی خاور نهاد

سران سپاهش پذیره شدند — در اوصاف او جمله خیره شدند

درفش کیانی برافراختند — بهر جا ز زر قبه ها ساختند

---

۱ ج : وفالیش ، ۲ ب : دل ریش ، ۳ ج : چه ، ۴ آ : بخاور شده ،

۵ ب ج : همه راز دل ،

بسر بر نهادند تاج زرش — فشاندند لعل و گهر بر سرش
همه رُخ نهادند بر خاک راه — پیاده شده بر سر اسب شاه
تبیره زنان طبل بنواختند — غو کوس در عالم انداختند
همه ملک خاور بدیبای چین — بیاراسته همچو خلد برین

بهر گوشهٔ لعبتی می پرست
بیاد ملک زاده ساغر بدست

بپادشاهی نشستن همای در زمین خاور

بفال همایون و فرّ همای — برافراخت چتر همایون همای
بفرّخ ترین روز فرخنده فال — درآمد بشهر آفتاب جلال
چو از برج ماهی برون رفت ماه — مه نخشب از چه بر آمد بگاه[1]
همای سپهری بچرخ برین[2] — همای آشیان کرده خاور زمین
زده چرخ در دامن شاه دست — ذنب کرده از کید[3] کوتاه دست
زحل با ذنب کرده راسا پراس — مه نو بگردش درآورده کاس
ز ایوان بهرام شاه سپهر — زجان بر شه خاور افگنده مهر
جهان داوران پیش تختش بپای — جهان[4] راشده درگهش بوسه جای
بمه برکشیده سر تاجور[5] — نهاده زمه تا بماهیش سر
شه انجمش[6] کمترین بندهٔ — سپهرش کینه سر افگندهٔ
در ایوانش کیوان غلامی و بس — بمیدانش مه تیز گامی و بس

---

[1] ب: پگاه، [2] آ: زچرخ برین، [3] ب: کینه،
[4] ب: شهان را، [5] آ-ب: سرتاج زر، [6] آ: انجمن،

برفعت زمه بگذرانیده تاج | بشوکت ز قیصر گرفته خراج
نموده جهانش بجان بندگی | همه خسروانش[١] سر افگندگی
نه خاقان که بودی بهنگام بار | بدرگاه او همچو خاقان هزار
چو بنشست بر تخت[٢] شاهنشهی | فرستاد سوی شهان آگهی
ز قصر زبرجد علم بر فراخت | بر آیین شاهان یکی جشن ساخت
چو دل بر نظام ممالک نهاد | وزارت به بهزاد فرخنده داد

جهان عدل کسری فراموش کرد
چو آوازهٔ عدل او گوش کرد

رفتن شهزاده همای هر روز بباغ و با همایون در خیال عشق باختن

سپیده دمان چون نسیم بهار | خبر دادی از کاروان تتار
خروس سحر در خروش آمدی | دم صبح عنبر فروش آمدی
جهان از شمامه معطر شدی | مشام زمانه معنبر شدی
روان پرور انفاس عنبر فشان | ز گلزار فردوس دادی نشان ٣١و
هر آن نفحه کز گلستان آمدی | ازو نکهت دلستان آمدی
صبا چون رسیدی ز راه[٣] تتار | نشان دادی از چین گیسوی یار
نسیم شمیم شمال آمدی | وزان نفحه بوی وصال آمدی

---

١ ج ب : همه خسروان در سر افگندگی ، ٢ ج : طاق ،
٣ ب : حد تتار ،

برون آمدی خسرو از بارگاه | چو از طاق پیروزه[1] رخشنده ماه
تفرج کنان با تنی[2] هفت هشت | زمانی بگشتی بصحرا و دشت
پس آنگه بطرف گلستان شدی | چو شاخ صنوبر خرامان شدی
ببوسیدی از مهر آن سیم تن | رخ لاله و پای سرو چمن[3]
بشمشاد گفتی دلم را هواست | که آن راست همچون قد یار ماست
ازان رو که چون روی آن مهوش است | مرا با گل و یاسمن سرخوش است
چو بلبل ازان برگ گل داشتی | که گل را رخ یار پنداشتی
نبودیش بی آن بت[4] خرگهی | دل لاله و میل سرو سهی
گهی طعنه بر جعد سنبل زدی | گهی خنده بر طلعت گل زدی
که هرگز نپندارم از رنگ و بوی | که این همچو زلفش بود و آن چو روی
ولیکن دلش مایل لاله بود | که[5] لاله دو چشمش پر از ژاله بود
که همچون من این نیز دل سوخته است | رخش ز آتش دل برافروخته است
دگر چون بطرف لب جویبار | صنوبر بدیدی چو بالای یار
چراغ گل از دل برافروختی | بمرغ سحر نوحه آموختی
چو از دل دم آتشین بر زدی | بحجلی رواق[6] آتش اندر زدی[7]
چو خالی نبودش از درد دل | بدین گونه مشغول می کرد دل
هم آوازش مرغ چمن بود و بس | دم صبح و آه سحر هم نفس
گهی نوحه می کرد و گه می گریست | ندانست هر کس که دردش ز چیست

---

۱ ب: طاق نه گانه، ج: چو از طاق رخشنده فیروزه ماه، ۲ ج: مه،
۳ ج: رخ لاله رویان سرو و چمن، ۴ ج: گل، ۵ ب: چو،
۶ ب: پرند، ۷ ج: آتشی در زدی،

چو خور بر زدی سر ز نیلی رواق | علم بر کشیدی به[1] پیروزه طاق
دگر باز[2] گشتی بایوان دژم | به تخت کئی بر نشستی چو جم
علم بر رواق زبرجد زدی | سر تاج بر فرق فرقد زدی
بگرد[3] درش صف زدندی گوان | سر افگنده در خدمتش سروران[4]
جهانجوی بهزاد فیروز بخت | بخدمت کمر بسته در پای[5] تخت
شه عالم افروز گیتی کشای | سر تاجداران همایون همای
نشسته بر اورنگ کیخسروی | نموده شه اخترش پیروی
بسر بر نهاده کیانی کلاه | بمه بر زده قبهٔ بارگاه
ولی بی همایون بت خرگهی | نبودیش پروای شاهنشهی
همی سوختی و همی ساختی | بکار ممالک نپرداختی
ز بس بار خاطر شه کامگار | نکردی نظر سوی کس روز بار
مگر آن که از سوی چین آمدی | ز توران بخاور زمین آمدی
ز شاهان نپرسیدی احوال کس | مگر حال فغفور و خاقان و بس
وگر چون ملالت گرفتی ز تخت | بخرگه شدی با فروزنده بخت
سبک بزم عشرت بیاراستی | ز ترکان چینی قدح خواستی
بیاد همایون سیمین بدن | شه خوبرویان چین و ختن

قدح نوش کردی و بگریستی
که گر می نخوردی کجا زیستی

---

١ ب: ز ، ٢ ب: بار ، ٣ ج: بایوان درش ،
٤ آ: خسروان ، ٥ ج: بالای تخت ،

بزم آراستن شهزاده همای و عشرت کردن در شب ماهتاب و گرفتار شدن بهزاد در دام عشق آذر افروز

زشبهای[۱] قمرا شبی همچو روز | نشسته بمی شاه مجلس فروز
جهان روشن از نور تابنده ماه | روان خرم از بخت فرخنده شاه
شبی برده دست از کفِ موسوی | روان بخش چون نکهت عیسوی
دل افروز چون دولتِ مقبلان | فروزنده چون رای روشن دلان
نه شب گوئی از روشنی روز بود | بسی خوشتر از روزِ نوروز بود
هوا مشکبوی و صبا مشک بیز[۲] | سر زلفِ مشکینِ شب مشک ریز[۳]
فلک را مشام از هوا عنبرین | شده نافِ شب نافهٔ مشکِ چین
درخشان[۴] شده مه برین سبز باغ | چو در دستِ زنگی فروزان چراغ
مغان را چو رهبانِ هندوستان[۵] | نوا سازِ شب زند[۶] زردشت خوان
برآوای مرغانِ[۷] شیرین سخن | کهن پیرِ چرخِ فلک چرخ زن
خوش الحان بزمِ چمن نغمه ساز | هم آوایش[۸] ناهیدِ بربط نواز
شده همدمِ صبح خیزان نسیم | صبوحی کنان را ثریا ندیم
حریفِ[۹] جوانان کهن پیرِ چرخ | برآورده افغان زه تیرِ چرخ[۱۰]
خوش آوایِ بزمِ فلک در سماع | جهان روز را کرده آن شب وداع

ب

---

۱ ب: زشبها قمرا، ۲ آ: مشک ریز، ۳ نسخهٔ ب این شعر ندارد، ۴ آ: درفشان، ۵ ج: دوستان، ۶ ج: زنده در دست خوان، ۷ ب: رهبان، ۸ ب: هم آواز، ۹ ج: حریفان، ۱۰ آ: افغان زده، ج: برآورد افغانِ تن تیر چرخ،

فروبسته صبح از تحیّت نفس — بجنبش درآورده مرغان جرس
دران شب که خلوتگهِ خاص بود — ببزم اُفق زُهره رقّاص بود
بزرّین قدح لعلِ بیجاده رنگ — روان برکفِ ساقیِ شوخ و شنگ
بساغر بلورین می لعل ناب — که جام آسمان بود و می آفتاب
تو گوئی قدح جامِ جمشید بود — و یا می فروزنده خورشید بود
طرب چنگ در نای مستان زده — مُغنّی بصد دست دستان زده
روان کرده نوشین لبان دمبدم — چو خونِ سیاوش می از جامِ جم
بگردش درآورده زرّینه جام — خرد را بمستی[1] برآورده نام
میِ چون عقیق اندران انجمن — درخشنده همچون سُهیل از یمن[2]
ترنم سرایانِ پرده سرای — بپرده سراگشته پرده سرای
فروزنده رخ شاهِ روشن ضمیر — چو خورشید بر لاجوردی سریر
چو بادامِ ترکانِ چین نیم مست — هوا در سر و جامِ نوشین[3] بدست
کماندار[4] چشمش به تیر افگنی — چو هندوش در عینِ قلب اشکنی
مه و مهر در سایهٔ کاکلش[5] — گل و لاله در حلقهٔ سنبلش[6]
هنوزش شب از روز ننموده چهر — شبِ تیره بر مه نه افگنده مهر[7]
هنوزش ازین گنبدِ لاجورد — بگردِ مه از مشک ننشسته گرد
مسلسل شبش را ز روشن عذار — محقق شده نسخِ خطِ غبار
ز مستی کله برده برطرفِ گوش — چو مستان برآورده از می خروش
گرانمایه بهزادِ فرخ نژاد[8] — گهی نوش می کرد و گه نوش باد

---

[1] ب: زمستی، این شعر از نسخهٔ ج افتاده است، [2] ب ج: سُهیلِ یمن، [3] ب: جام شیرین، [4] آ: کمانداد، [5] ج: گلشنش، [6] ج: سوسنش، [7] آ: بر ماهش افگنده مهر، [8] آ: فرخ نهاد،

ماوراء النہر کا فارسی لٹریچر

تقریباً دس سال ہوئے کہ تاشکند یونیورسٹی کے پروفیسر A.A. Semenov نے ماوراء النہر کے تاجیکی لٹریچر پر ایک مختصر تاریخی مقالہ جرمن زبان میں لکھا تھا اور لائپزش (جرمنی) کے ایک رسالہ میں شایع کرایا تھا۔ جیسا کہ فاضل روسی مستشرق نے اپنے مضمون کے آغاز میں خود ہی اشارہ کر دیا ہے اس موضوع پر علماء نے تاحال کماحقہٗ توجہ مبذول نہیں کی۔ چونکہ اس موضوع پر مشرقی اور مغربی زبانوں میں کوئی مواد نہیں ملتا۔ اسلئے امید ہے کہ اس مقالہ کا اُردو ترجمہ جو ذیل میں ہدیۂ ناظرین ہے۔ فارسی دان حلقوں میں دلچسپی سے پڑھا جائیگا۔ میری ناقص رائے میں اصل جرمن مضمون میں کچھ طباعت کی اور کچھ دیگر نوعیت کی غلطیاں رہ گئی ہیں۔ ان کو میں نے اپنی بساط کے مطابق مستند مصادر کی طرف رجوع کر کے درست کر دیا ہے اور بعض جگہ اس قسم کی تصحیح کی طرف حواشی میں اشارہ بھی کر دیا ہے۔ باوجود اس کاوش اور اہتمام کے اگر اسماء رجال یا اسماء کتب کے صحیح طور پر ضبط کرنے میں ناظرین کرام کو کہیں کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ خدمت علم اپنی قیمتی رائے سے اطلاع بخشیں تاکہ بعد تحقیق مزید رسالہ ہذا کے آئندہ شمارہ میں افادۂ عام کے خیال سے تصحیح کو شایع کر دیا جائے ؛

جو صاحب اصل مضمون کی طرف رجوع کرنا چاہیں۔ وہ لائپزش (Leipzig) کے مشہور تاجر کتب مشرقیہ یعنی Harrassowitz کی شائع کردہ فہرست کتب تجارتی موسومہ (Litterae Orientales

نمبر ۴۶ بابت اپریل ۱۹۳۱ء ملاحظہ فرمائیں[1] ۔ (عنایت اللہ)

ماوراء النہر میں عہد جدید میں یعنی ۱۵۰۰ء سے لے کر حال تک جو فارسی لٹریچر پیدا ہوا ہے۔ مغربی علماء نے اس سے کما حقہٗ اعتناء نہیں کیا۔ حتیٰ کہ پروفیسر براؤن نے بھی جنہوں نے ایران کے ادبیات کی ایک جامع تاریخ چار جلدوں میں لکھی ہے۔ اس لٹریچر کو نظر انداز کر دیا ہے۔ اگرچہ اس لٹریچر کی وسعت اور وسط ایشیا کی تاریخ اور تمدن کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے اس کی جو ضرورت اور اہمیت ہے۔ اس سے یہی امر قرین قیاس تھا۔ کہ علماء مستشرقین اس پر توجہ مبذول فرمائیں گے۔ مگر باوجود ان امور کے یہ لٹریچر آج تک جس کنج فراموشی میں مخفی و مستور رہا ہے۔ اس کی زیادہ تر یہ وجہ ہے کہ تاریخی حوادث نے ماوراء النہر کو ایران سے اس طور پر الگ تھلگ کر دیا کہ وہاں کے فارسی لٹریچر کا ارتقاء ایران کے ادبیات سے بالکل علیحدہ وقوع میں آیا ۔

سولھویں صدی عیسوی کے آغاز میں توران (ماوراء النہر) ایران سے کلّی طور پر جدا ہو گیا۔ بدیں وجہ کہ ماوراء النہر میں تیموریوں کے زوال نے اُوزبکوں کے لئے راستہ صاف کر دیا۔ اُدھر دوسری طرف ایران میں خاندان صفویہ کے ظہور نے مذہب شیعی کو برسر اقتدار کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس عہد سے آمو دریا شیعی ایران اور سنّی توران کے درمیان ایک قدرتی حدّ فاصل قرار پایا اور ان دو

---

[1] پروفیسر سٹوری نے اپنی قابل قدر کتاب پرشین لٹریچر ۲ حصہ ۲ میں اس ماخذ کو پیش نظر رکھا ہے اور بعض دیگر مآخذ سے مزید معلومات کا اضافہ بھی کیا ہے۔ میں نے حواشی میں اس کتاب کے ان مقامات کا حوالہ دے دیا ہے جہاں سے مزید اطلاعات بہم پہنچ سکتی ہیں۔ بعض مقامات پر کتاب مذکور کے علاوہ بھی اگر کوئی حوالہ مفید ملا ہے تو وہ بھی حواشی میں درج کر دیا گیا ہے۔ (اڈیٹر)

ملکوں کے درمیان جنگ وجدال کا سلسلہ از سر نو قایم ہو گیا۔ اگرچہ ماوراء النہر میں خاندان شیبانی کے زیر حکومت اور ایران میں صفویوں کے زیر سایہ فارسی بطور ادبی اور دفتری زبان کے استعمال ہوتی رہی اور دونو ملکوں میں اشتراک لسانی کا احساس باقی رہا۔ مگر ہر دو علاقوں میں ادبی ارتقاء الگ الگ نہج پر وقوع میں آیا۔ درانحالیکہ ایران اور ہندوستان کے روابط دیگر ممالک کے ساتھ قایم رہے۔ اور اُن کے درمیان خیالات اور اجزاء تمدن کا مبادلہ جاری رہا۔ مگر ماوراء النہر دنیا کے دیگر ملکوں سے آہستہ آہستہ علیحدہ ہو گیا اور وہاں کے لوگوں نے اپنی ایک الگ ہی جمود پسند دُنیا بنالی صرف ساٹھ ستر سال ہوئے کہ وہاں روسیوں کا سیاسی اقتدار قایم ہونے سے اہل مغرب کے لئے علمی تحقیقات کا امکان پیدا ہوا۔ ذیل کے مختصر خاکہ میں صرف اُن اہم فارسی مصنفات کا مذکور ہے جو گذشتہ چار سو سال میں ماوراء النہر (ترکستان) میں لکھی گئی ہیں ؛

شیبانی خان کا عہد حکومت
۱۵۰۰ء سے ۱۵۱۰ء

وحشی اور اکھڑ اوزبکوں کا سردار شیبانی خان جس نے اپنے ساتھیوں کی مدد سے تیموریوں کی وسیع سلطنت کو زیر وزبر کر دیا۔ ایرانی تمدن اور فارسی زبان سے ناآشنا نہ تھا۔ وہ فارسی اور ترکی دونوں زبانوں میں خوب شعر کہتا تھا اور علوم عقلیہ میں بھی دستگاہ رکھتا تھا۔ سلطان بابر نے اس کی شعر گوئی کے متعلق جو مخالفانہ رائے دی ہے وہ اس لحاظ سے قابل وقعت نہیں کہ

---

[1] دیکھو بابر نامہ (طبع وقف گیب) ص ۲۰۶ ب ۔

بہرحال وہ ایک دشمن کی رائے ہے۔ تیموریوں کے علاقے میں شیبانی خان
کی فتوحات نے شاعروں کی زبان سے اس کی شان میں بہت سے قصیدے
کہلوائے۔ اور مورخین سے ابوالفتح کا پُرشوکت لقب اس کو دلوایا۔ مگر اُس کی
ملکی فتوحات سے اس کی علمی پیاس نہ بُجھ سکی۔ کیونکہ تمام ذی استعداد مصنفین،
شعراء اور ہنرور ازبکوں کی سلطنت سے بھاگ گیا تو ایران میں صفویوں کے
ہاں چلے گئے یا بابر کے پاس افغانستان اور ہندوستان میں جا پہنچے۔ جو
لوگ ماوراء النہر میں مقیم رہے وہ یا تو دُوسرے درجے کے صاحب فن
تھے یا وہ لوگ تھے جنھوں نے دَورِ گذشتہ میں کچھ ایسے ناپسندیدہ طور پر
شہرت حاصل کی تھی۔ کہ اُن کے لئے اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ وہ نئے حکمرانوں
کا خوشی سے خیرمقدم کریں۔ اسی قسم کے لوگوں میں مُلّا بنائی[1] (یا مُلّا بنّائی) تھا
جو شیبانی خان کے حاشیہ نشینوں میں داخل ہوا۔ مُلّا بنائی ہرات کے ایک
معمار کا بیٹا تھا۔ اگرچہ وہ ایک قابل شخص تھا مگر اپنی بدزبانی اور سوءِ خلق کے
باعث میر علی شیر نوائی کے شعرائے دربار کے حلقہ سے نکال دیا گیا تھا۔ اور
آخر کار جب بابر کے ایرانی حلیفوں نے [2]۱۵۱۲ء میں شہر قرشی میں قتل عام برپا
کیا تو وہ بھی اس ہنگامہ میں مارا گیا۔ اس کے دیوان میں سے صرف چند غزلیات
قلمی مجموعوں اور مطبوعہ کتابوں میں محفوظ رہ گئی ہیں اور جہاں تک مجھے معلوم
ہے۔ اس کی نظم موسوم بہ "بہرام و بہروز" مفقود[3] ہے۔ اس کی تصنیف

---

[1] بابرنامہ (ترکی) ص ۲۰۶ پر ہے مہ بنائی زر طمع دارد ز شاعر، ملا بنائی کا حال سام مرزا نے مفصل دیا ہے دیکھو تحفہ شامی مرتبہ مولوی اقبال حسین ص ۳۶، اور تاریخ رشیدی نسخہ کیمبرج یونیورسٹی ج ۳ ص ۷۶، [2] سنہ ۹۱۸ ہجری۔ (تحفہ شامی ص ۲۹)، خزانہ عامرہ طبع کانپور ۱۸۷۱ء ص ۱۳۹ پر ۹۲۸ ہے جو درست نہیں ہے، [3] اس کا نسخہ میرے کتابخانہ میں ہے۔ یہ مثنوی سلطان یعقوب کے نام لکھی گئی۔ دیکھو تحفہ سامی محل مذکور، (اڈیٹر)

"شیبانی نامہ" کا ایک واحد نسخہ جس میں مصنف نے اپنے مربّی کی تاریخ لکھی ہے۔ ۱۹۰۸ء میں خان خیوہ کے کتب خانہ میں دریافت ہؤا تھا۔ اگرچہ یہ نسخہ مصنف کے عین حیات میں لکھا گیا تھا۔ مگر افسوس کہ ناقص الآخر ہے[1] شیبانی نامہ کے متعلق مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو Samojlowitsch کا مضمون جو Z.A.P کی انیسویں جلد میں شایع ہو چکا ہے ؎

ہرات کے تیموری خاندان کے ایک دیگر شاعر میر محمد صالح کو بھی حوادثِ زمانہ نے شیبانی خان کے دربار میں پہنچایا۔ وہ خوارزم کے ایک معزز خاندان سے تھا۔ مگر جیسا کہ میر علی شیر نے تصریح کی ہے قیام ہرات میں اُس سے ایک سنگین جُرم سرزد ہو گیا تھا۔ جس کی وجہ سے اُسے دربار چھوڑنا پڑا (مجالس النفائس مطبوعہ تاشکند ۱۳۲۶ء ص ۲۲۹) آخر کار وہ اوزبکوں کے ہاں چلا گیا اور شیبانی خان کا مدّاح اور معتمد علیہ بن گیا اور اس کی مہموں او رمعرکوں میں اس کے ہم رکاب رہنے لگا۔ اُس نے بھی ایک "شیبانی نامہ" چغتائی ترکی میں لکھا۔ یہ منظوم تصنیف وانبری[3] اور سینٹ پیٹرزبرگ[4] سے دو مرتبہ شایع ہو چکی ہے۔ اور اس سے محمد صالح کی ترکی شاعری کا اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے۔ اس کی فارسی نظمیں قلیل تعداد میں محفوظ ہیں اور مختلف مجموعوں میں ملتی ہیں۔ محمد صالح نے ۹۴۱ھ میں بخارا میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہؤا ؎

شیبانی خان کی فتوحات کو ایک دوسرے شاعر نے بھی منظوم کیا ہے مگر اس منظوم[5] تاریخ کے مصنف کا نام معلوم نہیں۔ اس میں سمرقند کی فتح ثانی (۹۰۶ھ[illegible])

---

[1] پرشین لٹریچر از سٹوری ۲: ۲، ۳۷۲، [2] طبع لاہور (اورینٹل کالج میگزین فروری ۱۹۳۶ء ص ۱۰۱)

[3] مرتبہ وامبیری ۱۸۸۵ء، [4] مرتبہ Melioranskiy ۱۹۰۸ء،

[5] سٹوری کے ہاں اس کا نام فتح نامہ ہے۔ دیکھو پرشین لٹریچر ۲: ۲، ۳۷۲،

تک کے حالات مرقوم ہیں۔ جبکہ بابر نے بھاگ کر پہاڑوں میں پناہ لی تھی۔
اس تاریخ کا ایک واحد نسخہ ہمارے علم میں ہے۔ جو سمرقند کے ایک نجی کتبخانہ
میں موجود ہے اور تصاویر سے مزیّن ہے۔ اس نظم کی بحر وہی ہے۔ جو
فردوسی کے شاہ نامہ کی ہے۔ مگر بارتولڈ کی رائے میں محاسن شعری سے
عاری ہے اور صرف تاریخی لحاظ سے درخور اعتنائے ہے۔

شیبانی خان کے دربار کے دیگر فضلاء میں سے حسب ذیل لوگ
قابل ذکر ہیں۔

حُسامی قراقلی، متصوّف شاعر جو ۱۵۰۵ء میں یا بروایت دیگر ۱۵۱۶ء
میں فوت ہوا۔ اور مولانا ابوالخیر جو فلسفی اور شاعر ہونے کے علاوہ ایک
حاذق طبیب بھی تھا اور جس کا سن وفات ۱۵۵۰ء ہے۔

شیبانی خان کے جانشین

شیبانی خان کے جانشینوں کے عہد حکومت کی یہ خصوصیت رہی ہے
کہ اُن کے زمانہ میں درویشوں کے دو طاقتور فرقوں یعنی کُبرویہ[1] اور نقشبندیہ
کے درمیان منافقت اور رقابت جاری رہی۔ کُبرویّہ کا دوسرا نام خوارزمی
ہے۔ جن کا میلان زیادہ تر شیعی عقاید کی طرف تھا۔ درحالیکہ نقشبندیہ یا
خواجگان سنّی المذہب تھے[2]۔ ان کی باہمی کشمکش میں حکمران بھی شریک رہتے
کیونکہ ان میں سے بعض کبرویہ اور بعض نقشبندیہ شیوخ کے مُرید تھے۔

---

[1] طریقہ جنیدیہ کی ایک شاخ ہے جو سب سے پہلے خراسان میں نمودار ہوئی اور اپنے بانی شیخ نجم الدین کبریٰ احمد بن عمر الخیوقی (متوفی ۱۲۲۱ء) کے نام پر کبرویہ کہلائی۔ ترکستان میں یہ طریقہ آہستہ آہستہ معدوم ہوگیا۔ ہندوستان میں اسے فردوسیہ کہتے ہیں (عنایت اللہ)۔ [2] مناقب لطف اللہ چشتی (سولھویں صدی) نسخہ خطی، مجالس المومنین طہران ۱۲۹۹ھ ص ۳۲۱ تا ۳۲۹،

شیبانی خان کے جانشینوں میں سے عبید اللہ خان (عہد حکومت ۱۵۳۳ء۔ ۱۵۳۹ء) فارسی ادب اور شعر و سخن کا بڑا شوق رکھتا تھا۔ وہ خود بھی فارسی اور ترکی دونوں زبانوں میں شعر کہتا تھا۔ اس کا کلام تمام تر تصوّف میں ڈوبا ہوا تھا۔ اسے عربی ادبیات کا بھی ذوق تھا۔ اس کے مرشد خواجگی قازانی (م۔ ۱۵۱۲ء غالباً) نے بھی جو تمام ترکستان میں مخدوم اعظم کے نام سے مشہور تھا۔ فارسی زبان میں علم تصوّف پر ۲۹ دلچسپ رسالے لکھے تھے۔ جن میں طریقۂ نقشبندیہ کے عقاید کی توضیح کی گئی ہے ؛

اس عہد میں علم کلام کا سب سے بڑا نمائندہ مولانا عصام الدین ابراہیم ابن مولانا عرب شاہ اسفرائنی (متوفی ۱۵۳۶ء) تھا۔ جس نے علم کلام پر بہت سے رسالے اور شرحیں لکھیں۔[1] ۹۴۴ھ میں عبید اللہ خان نے شمس الدین کوہستانی کو کوہستان (ایران) سے بخارا آنے کی دعوت دی۔ شمس الدین بعد میں مفتی کے عہدہ پر مقرر ہوا اور ۹۶۵ھ میں فوت ہو گیا۔ جامع الرموز اُسی کی تصنیف ہے۔ جو وسط ایشیا میں اور دریائے والگا کے علاقہ میں علم فقہ پر سب سے مستند کتاب سمجھی جاتی ہے ؛

تاریخ رشیدی بھی اسی زمانہ میں لکھی گئی۔ یہ کتاب سلطان بابر کے عم زادہ محمد حیدر دوغلات (۱۵۰۰ء۔ ۱۵۵۱ء) کی تصنیف ہے اور وسط ایشیا کی تاریخ کے متعلق نہایت اہمیت رکھتی ہے۔ یہ امر قابل افسوس ہے۔ کہ

---

[1] بروکلمن (۲: ۴۱۰) نے ان کی مصنفات میں سے کتب ذیل کا شمار کیا ہے :۔ (۱) میزان الادب فی العلوم الثلاثۃ الصرف والنحو واللغۃ (۲) رسالہ فی علم المجاز (۳) رسالۃ الجبر والقدر (۴) حاشیہ علی تفسیر البیضاوی، (۵) شرح رسالہ السمرقندیہ، ان میں صرف ایک رسالہ کلام پر ہے ، [2] شرح وقایہ ، دیکھو بروکلمن (۱: ۳۷۷) جہاں مصنف کا سن وفات ۹۵۰ھ = ۱۵۴۳ء دیا ہے ؛

اس کتاب کا نہ تو فارسی اصل اور نہ ہی (چغتائی) ترکی ترجمہ تا حال معرضِ طبع میں آیا ہے۔ اس تاریخ سے استفادہ کرنے کی صرف ایک صورت یہ ہے کہ ڈینی سن روس کے انگریزی ترجمہ کی طرف رجوع کیا جائے جو ۱۸۹۵ء میں لنڈن سے شایع ہوا تھا[1]۔

ابوالحق[2] (عبدالحق؟) کی "تاریخ ابوالخیر خانی" بھی جو شیبانی خاندان کے فرمانروا عبداللطیف خان کے نام سے معنون ہے۔ اسی عہد سے تعلق رکھتی ہے۔ اس تاریخ کے صرف دو نامکمل نسخے میرے علم میں ہیں۔ ایک تو لندن میں ہے اور دوسرا تاشکند میں۔ یہ تالیف وسط ایشیا میں اوزبکوں کے عروج و ترقی اور سمرقند میں اُن کے عہدِ حکومت کے حالات پر مشتمل ہے۔

اسی عہد میں سلطان محمد بن درویش محمد البلخی نے مجمع الغرائب لکھی جس میں کائنات کا بیان (Cosmography) ایک عام فہم پیرایہ میں کیا گیا ہے۔ اس ہر دلعزیز تالیف کا آج بھی ماوراء النہر میں بڑے شوق سے مطالعہ کیا جاتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ اس کتاب کے بہت سے قلمی نسخے پائے جاتے ہیں[3]۔

۹۵۰ھ میں جانی محمود بن شیخ علی بن عماد الدین غجدوانی نے مفتاح الطالبین لکھی جس میں شیخ کمال الدین خوارزمی کی مفصل سوانح عمری مذکور ہے۔ شیخ موصوف اپنے وقت میں کبرویہ طریقہ کے شیخ تھے۔ اس کے تیس سال بعد حسین بن میر حسین الحسینی السرخسی نے "سعدیہ" نام کتاب تالیف کی جس میں

---

[1] ترجمہ مذکور کا عنوان یہ ہے:- A History of the Moghuls of Central Asia, being the Tarikh-i-Rashidi of Mirza Muhammad Haydar Dughlat. London, 1895.

[2] کذا فی الاصل، صحیح نام غالباً عبدالحق ہوگا (عنایت اللہ) سٹوری نے مصنف کا نام مسعودی بن عثمان کوہستانی دیا ہے۔ دیکھو پرشین لٹریچر ج ۲: ۱، ۱۱۰ و ۲۱۲: ۳۷۳ (اڈیٹر)۔ [3] دیکھو ریو ص ۴۱۶ (اڈیٹر)۔

اس عہد کے مشاہیر مثل جویباری خواجگان محمد اسلام اور خواجہ سعد کے حالات مندرج ہیں۔ یہ دونو کتابیں اس عہد کی تاریخی اور تمدنی تحریکوں کے سمجھنے کے لئے نہایت مفید ہیں ؛

خاندان شیبانی کا عہدِ زوال

عبداللہ خاں جس نے ۱۵۸۳ء سے ۱۵۹۸ء تک حکومت کی۔ اپنے خاندان کا ایک نہایت ممتاز فرمانروا گذرا ہے۔ اُس کے مؤرخ اور مدّاح حافظ تانیش بخاری نے اس کے عہد حکومت کی نہایت ایمانداری اور غیر جانبداری کے ساتھ تاریخ لکھی ہے۔ اس تاریخ کو عوام عبداللہ نامہ کہتے ہیں۔ مگر ادبی کتابوں میں اس کا نام "شرف نامہ شاہی" یا "تاریخ عبداللہ خان" لکھا ہے۔ کئی اشخاص نے اُس کو شایع کرنے کا ارادہ کیا ہے مگر نامساعد حالات کی وجہ سے اس کی اشاعت کی ہنوز نوبت نہیں آئی ؛

اس عہد کا سب سے مشہور شاعر مشفقی بخاری ہو گزرا ہے۔ جس نے ۱۵۸۸ء میں وفات پائی۔ وہ اکبر اعظم کے دربار میں دو دفعہ آیا اور اس کی مدح میں بہت سے قصیدے کہے۔ وہ اپنے ہمعصروں کے درمیان ہر دلعزیز تھا۔ اور اس کے معاصرین اس کی بے مثال ظرافت اور بذلہ سنجی اور عبداللہ خان اور اس کے درباریوں کی مدح سرائی کے سبب سے اس کی بہت قدر کرتے تھے۔ اس کے دیوان اور کلیات میں (جن کے

---

[1] دیکھو سٹوری ۲ : ۲ ، ۳۷۴ ، اس کا نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں ہے۔

[2] دیکھو سٹوری ۲ : ۲ ، ۳۷۳ ، بظاہر مشفقی جہان نامہ یا تاریخ عبداللہ خاں کا مصنف ہے ؛

قلمی نسخے میرے کتب خانہ میں موجود ہیں) اس کے معاصرین کے متعلق بہت سے چٹکلے اور لطیفے اور اُس عہد کے واقعات کے متعلق تاریخی مصرعے پائے جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ ان میں دیگر پُراز معلومات مواد بھی موجود ہے جس سے اس عہد پر بہت قابل قدر روشنی پڑتی ہے ۔

شیبانی عہد حکومت کے اختتام اور استراخانی عہد کے آغاز کے قریب ماوراء النہر میں یوسف بن محمد جان قراباغی فلسفی ہو گذرا ہے۔ جس کا اصل وطن ایران تھا۔ وہ طریقہ کبرویہ کا پیرو تھا اور اپنے علم و فضل اور خصوصاً علم کلام اور فلسفہ میں باکمال ہونے کے سبب سے اعجوبۂ روزگار تھا۔ اس کی اکثر تصانیف عربی زبان میں ہیں۔ اور ابھی کل کی بات ہے کہ وہ بخارا، سمرقند اور ترکستان کے دیگر شہروں میں زیر درس تھیں۔ سترھویں صدی کے اس فراموش شدہ فلسفی کے مزید حالات کے لئے ملاحظہ ہو وہ مضمون جو مَیں نے اس موضوع پر انجمن تحقیقات تاجیکستان کے مجلّہ کی پہلی جلد میں ۱۹۲۶ء میں تحریر کیا تھا ۔

قراباغی کے معاصرین میں سے عبید اللہ نقشبند سمرقندی اور شیخ عالم عزیزان (۹۷۲ھ - ۱۰۴۱ھ) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ عبید اللہ نقشبند نے اپنے مرشد شیخ لطف اللہ کے سوانح عمری مناقب مولانا لطف اللہ کے عنوان سے لکھے تھے اور شیخ عالم عزیزان نے بھی نقشبندی مشایخ کا تذکرہ لمحات من نفحات القدس کے نام سے لکھا تھا جو ۱۳۱۷ھ میں تاشکند میں چھپ چکا ہے۔ ان دونوں کتابوں میں شیبانی عہدِ حکومت اور اس زمانہ کی معاشرت کے متعلق بہت سی قیمتی معلومات ملتی ہیں۔ ۱۹۲۶ء میں ابوالعباس

۱؎ دیکھو بروکلمن ۱: ۴۲۹ و ۴۶۵ ،

محمد طالب نے جویباری مشائخ کے حالات قلمبند کئے۔ اس تالیف کا نام مطلب الطالبین ہے۔ یہ کتاب ابھی تک طبع نہیں ہوئی۔ مگر اس کا ایک قلمی نسخہ جس کا سن کتابت ۱۰۷۵ھ ہے۔ میرے پاس موجود ہے ؎

استراخانیوں کا عہد حکومت

استراخانیوں[1] کے عہد میں تاریخ نویسی کا از سر نو دور دورہ ہوا اور ماوراء النہر اور اس کے متصلہ ممالک کی تاریخ پر بہت سی قابل قدر کتابیں لکھی گئیں۔ نذر محمد[2] خان (عہد حکومت ۱۰۵۲ھ۔۱۶۴۲ء سے ۱۰۵۵ھ۔۱۶۴۵ء) کی فرمایش پر بخارا کے ایک خازن[3] کتب نے بحر الاسرار فی مناقب الاخیار کے نام سے دنیا کی ایک تاریخ عمومی لکھی۔ یہ تاریخ سات جلدوں پر مشتمل تھی[4]۔ مگر افسوس کہ ان سات جلدوں میں سے صرف دیباچہ اور آخری جلد کی پہلی اور چھٹی فصلیں[5] دست برد زمانہ سے بچ سکی ہیں۔ جن میں منگول حکمرانوں کے حالات مندرج ہیں۔ اسی فرمانروا یعنی نذر محمد خان کے نام پر محمد ظہیر بن ابی القاسم نے اپنی کتاب عجائب الطبقات لکھی جس میں اس نے کائنات کا حال اور دنیا کا

---

[1] استراخانیوں کو بعض مغربی مصنفوں نے (غالباً غلط العام تلفظ کے تتبع میں) استرخانی لکھا ہے۔ مگر صحیح صورت استراخانی ہے۔ کیونکہ یہ لوگ شہر استراخان سے آئے تھے۔ بخارا کے یہ استراخانی خوانین اپنے ایک مورث اعلیٰ جان کے نام پر جانیہ بھی کہلاتے ہیں۔ [2] اس نام کی صحیح صورت نذر محمد خان ہے جسے اصل جرمن مضمون میں اور دیگر کتابوں میں نادر محمد (Nadir Muhammad) یا ناظر محمد (Nazir Muhammad) لکھا گیا ہے مگر یہ دونوں صورتیں غلط ہیں (عنایت اللہ)۔ [3] یعنی محمود بن امیر ولی۔ بحر الاسرار کیلئے دیکھو سٹوری ۲:۲:۳۷۵، [4] دیباچہ اور خاتمہ ان کے علاوہ تھا (سٹوری)، [5] سٹوری کے ہاں ۔ ۱۵ و ۶ کا ذکر ہے۔ (ایڈیٹر)

جغرافیہ بیان کیا ہے۔ شہر بلخ کا جو بیان اس میں درج ہے۔ وہ خاص طور پر قابل قدر ہے۔ کیونکہ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نذر محمد خان کے عہد میں بلخ کی کیا کیفیت تھی ؛

نذر محمد خان کے بیٹے سبحان قلی خان کے عہدِ حکومت کے تاریخی واقعات کو محمد صالح بلخی نے تقریباً پانچ ہزار ابیات میں قلمبند کیا۔ یہ ابیات بحر متقارب میں لکھے گئے ہیں۔ جو رزمیہ مضامین کے ادا کرنے کے لئے خاص طور پر مناسب ہے۔ خود مصنف نے اس منظوم تاریخ کا نام سبحان قلی نامہ رکھا تھا۔ اور پروفیسر بارتولڈ کی رائے ہے کہ مؤرخین کو اس پر خاص توجہ مبذول کرنی چاہیئے۔ کیونکہ وسطی ایشیا کے عہد قریب کی تاریخ کے لئے یہ تصنیف ایک قیمتی ماخذ ہے۔ اسی عہد میں قاضی محمد بدیع بن محمد شرف سمرقندی نے "تذکرۂ شعراء سبحان قلی خان" مرتب کیا۔ جس میں اپنے معاصر شعراء اور فضلاء کے حالات قلمبند کئے اور ان کے کلام کے نمونے درج کئے۔ اسی زمانہ میں میر محمد امین بخاری نے "تاریخ سبحان قلی خان" لکھی۔ ان دونوں کتابوں کے قلمی نسخے بخارا کے مرکزی کتب خانہ میں محفوظ ہیں ؛

ایک دیگر کتاب جو اسی عہد میں لکھی گئی تاریخ سید راقم ہے جو مصرعہ ہائے تاریخی کا مجموعہ ہے۔ ان کا تعلق حضرت ابو حنیفہؒ کے زمانہ سے لے کر ۱۰۹۴ھ تک کے تاریخی واقعات سے ہے۔ یہ امر اب ثابت ہو چکا ہے۔ کہ اس مجموعہ کو ملا شرف الدین اعلم سمرقندی نے ۱۰۹۴ھ میں مرتب کیا تھا۔ بعد میں اس کی تلخیص

---

[۱] دیکھو سٹوری ۲ : ۲ : ۳۷۸ ، [۲] سٹوری ۲ : ۲ : ۳۷۶ ، [۳] سٹوری ۲ : ۲ : ۳۷۹ ،

[۴] دیکھو سٹوری ۲ : ۲ : ۳۷۷ ، [۵] ان کے علاوہ کتاب میں تاریخی اطلاعات اور شخصی حالات بھی شامل ہیں۔ (سٹوری)

کر دی گئی۔ اور یہی تلخیص ہے۔ جس کے قلمی نسخے عام طور پر متداول ہیں۔ اس کا ایک مطبوعہ ایڈیشن بھی ہے۔ جو ۱۹۱۳ء میں تاشکند میں لیتھو میں چھپا تھا ؎

اسی زمانہ میں اسمٰعیل خان چغتائی (۱۶۷۰ء۔ ۱۶۸۲ء) کی فرمائش پر شاہ محمود چراس نے کاشغر اور مشرقی ترکستان کے فرمانرواؤں کی تاریخ لکھی جس کے کم از کم دو قلمی نسخے موجود ہیں۔ اسی عہد کے قریب سید زندہ علی معنی نے ثمرات المشائخ تالیف کی جس میں وسطی ایشیا کے مختلف مذاہب اور طریقوں کے مشائخ کے حالات قلمبند کئے۔ اس کتاب کے صرف ایک نسخہ کا مجھے علم ہے۔ جس کا سنہ کتابت ۱۲۷۰ھ ہے اور بخارا کے مرکزی کتب خانہ میں محفوظ ہے ؎

اٹھارویں صدی عیسوی

اٹھارویں صدی عیسوی کے آغاز میں وسطی ایشیا کی تاریخ پر دو اہم کتابیں لکھی گئیں۔ مگر افسوس کہ مذکورہ بالا کتابوں کی طرح وہ بھی ہنوز منتظر طباعت و اشاعت ہیں۔ ان میں سے پہلی کتاب میر محمد امین بخاری[1] کی تالیف عبید اللہ نامہ[2] ہے۔ جس میں بخارا اور ماوراء النہر کی تاریخ ۱۷۰۱ء سے لے کر ۱۷۱۱ء تک

---

[1] دیکھو سٹوری ۲: ۲: ۳۹۲؛ [2] میر محمد امین کی تاریخ کے متعلق مزید تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو جرمن فاضل Teufel کا بسیط مضمون جو جرمن اورینٹل سوسائٹی کے مجلہ (Z. D. M. G. vol 38 (1884 میں Quellenstudien zur neueren Geschichte der Chanate کے عنوان سے شایع ہوا تھا۔ تعجب کا مقام ہے کہ روسی مستشرق نے اس قابل قدر اور مفید مقالہ کی طرف مطلق اشارہ نہیں کیا۔ جو نہایت محنت سے لکھا گیا ہے اور جس میں فاضل مقالہ نگار نے کتاب مذکور سے تفصیلی بحث کرنے کے علاوہ اسکے تاریخی مضامین کی تلخیص کر دی ہے اور فارسی اصل سے متعدد اقتباسات بھی اضافہ کر دیئے ہیں (عنایت اللہ) میر محمد امین اور یوسف منشی اور دونوں تاریخوں کا حال جو متن میں مذکور ہیں۔ سٹوری نے تفصیل سے دیا ہے۔ دیکھو پرشین لٹریچر ۲: ۲ ص ۳۷۸ بعد، (ایڈیٹر)

لکھی گئی ہے۔ دوسری کتاب "تاریخ مقیم خانی" ہے۔ جسے اس کے مصنف یوسف منشی بن خواجہ بقاء نے مقیم خان حاکم بلخ کے نام سے معنون کیا تھا۔ اس میں مصنف نے شیبانی اور استراخانی عہد حکومت کے تاریخی واقعات کو سنہ ۱۷۰۴ء تک بیان کیا ہے۔ اس کا ایک نسخہ پچھلی صدی میں روسی سفیر سنہ ۱۸۲۰ء بخارا سے لایا تھا اور مدت تک یہی نسخہ مغرب میں بخارا کی تاریخ کے لئے واحد سرچشمہ کا کام دیتا رہا ؛

صوفی اللہ یار کے مصنفات جو سترھویں صدی عیسوی کے آخر اور اٹھارویں کے آغاز میں لکھے گئے۔ آج تک وسط ایشیا میں پسند خاص وعام ہیں۔ صوفی اللہ یار سمرقند کے مضافات شہر کتہ قرغان میں پیدا ہوا تھا۔ مگر اس نے اپنی زندگی ترکستان کے مختلف مقامات میں بسر کی۔ اس نے فارسی اور ترکی نظم ونثر میں بہت سی کتابیں لکھیں۔ جن کا مقصد یہ تھا کہ عقاید اسلام کو تصوف کے قالب میں ڈھال دیا جائے۔ اس کے مصنفات میں سے مسلک المتقین جو منظوم ہے اور مراد العارفین جو نثر میں ہے خاص طور پر مشہور ہیں۔ صوفی مذکور نے سنہ ۱۱۳۶ھ میں وفات پائی اور ضلع دِہ نو میں کوہ رخشوار پر مدفون ہوا ؛

بخارا کے متصوف شاعر آخوند ملا محمد ی سے نے جو عام طور پر "ایشان اِملاؔ" کے فرضی نام سے شعر لکھتا تھا، دو دیوان اپنی یادگار چھوڑے ہیں۔ اس کا کلام بلند اور نازک فلسفیانہ خیالات سے متصف ہے جس میں تصوف کی چاشنی بھی شامل ہے۔ وہ درویشوں کے چار مختلف طریقوں کے مشایخ کا مرید تھا۔ سنہ ۱۶۹۷ء میں فوت ہوا اور بخارا میں مدفون ہوا۔ منگیت خاندان کے تقریباً تمام خوانین اُسی کے مقبرہ کے احاطہ میں مدفون ہیں ؛

اسی زمانہ میں قاضی وفاء بن ظہیر کرمینگی نے تحفۃ الخانی یا تاریخ رحیم خانی تالیف کی جس کے ابتدائی حصہ میں اس نے ان تاریخی واقعات کو قلمبند کیا ہے جو ماوراء النہر اور اس کے متصلہ ممالک میں سنہ ۱۱۳۲ھ سے لے کر سنہ ۱۱۸۲ھ تک رونما ہوئے۔ یہ وہ زمانہ ہے جس میں زیادہ تر محمد رحیم خان منگیت بحیثیت وزیر یا خودمختار حکمران کے ماوراء النہر میں برسر اقتدار رہا۔ مصنف نے اپنی تاریخ کو محمد رحیم کے جانشین دانیال بی کے عہد کے واقعات پر ختم کر دیا ہے ؛

دانیال بی کا بیٹا امیر شاہ مراد معصوم جس نے مملکتِ بخارا پر درویشی کے لباس میں حکومت کی (۱۷۸۵ء ۔ ۱۸۰۰ء) "الیشان املاءؔ" کا بڑا مداح تھا۔ اس نے علم تصوّف پر ایک رسالہ "حکمت العین" کے نام سے لکھا تھا۔ اُس کے جانشین امیر حیدر تورہ کے میر منشی میرزا صادق[۲] نے شاہ مراد معصوم کے عہد کی منظوم تاریخ لکھی جس سے دلچسپ تاریخی معلومات حاصل ہو سکتی ہیں۔ اس کے علاوہ مرزا صادق نے "دخمۂ شاہان[۳]" کے نام سے مصرعہائے تاریخی کا ایک مجموعہ بھی تیار کیا تھا۔ جن کا تعلق امیر حیدر اور دیگر حکمرانوں کے عہد کے اہم تاریخی واقعات سے ہے۔ مرزا صادق کے مصنفات کے خودنوشتہ (autographs) نسخے میرے کتب خانہ میں موجود ہیں ؛

انیسویں صدی عیسوی

انیسویں صدی جس میں ترکستان کے خوانین کا بیرونی حکومتوں کے ساتھ تصادم ہوا اور وہاں کے اقتصادی اور تجارتی حالات میں بڑے بڑے تغیرات رونما ہوئے۔ اس لحاظ سے بھی لائق اعتنا ہے کہ ان سیاسی حوادث کے ساتھ

۱ے [illegible] ۲۱۲، ۲۸۱ ۔ ۲ے سٹوری ۲۰۲، ۳۸۳، ۳ے سٹوری ۲۰۲، ۳۸۳،

وہاں علمی جد و جہد بھی از سرِ نو حرکت میں آئی ۔

میر عبدالکریم نے جو امیر حیدر خان بخارا (۱۸۰۰ء - ۱۸۲۶ء) کی طرف سے قسطنطنیہ میں سفیر مقرر تھا۔ ترکستان کی ایک تاریخ لکھی جس میں اس نے اٹھارویں صدی کے وسط سے لے کر ۱۸۱۸ء تک کے واقعات قلمبند کیے۔ شیفر نے اس کے فارسی اصل کو مع فرانسیسی ترجمہ کے ۱۸۷۶ء میں پیرس سے شایع کیا[1]۔ امیر حیدر کے بھائی نے بھی ایک تاریخ گلشن ملوک کے نام سے لکھی۔ اس تاریخ کے جو ابواب شیبانی۔ استراخانی اور منگیت خاندانوں کے متعلق ہیں وہ خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ اسی عہد کے قریب امیر شاہ مراد کے بیٹے شاہزادہ حسین نے منگیت خاندان کی تاریخ مکمل کی۔ جس کا عنوان "مخازن التقویٰ فی تاریخ بخارا" ہے۔ اس کا ایک نسخہ بخارا کے سرکاری کتب خانہ میں محفوظ ہے۔ اس سے پیشتر ۱۸۰۱ء میں محمد شریف بن محمد نقی نے امیر حیدر کی فرمایش پر "تاج التواریخ" تالیف کی تھی جس میں استراخانیوں اور منگیت حکمرانوں کی تاریخ امیر حیدر کے زمانہ تک مندرج ہے۔ اس کا ایک نسخہ بخارا کے مرکزی کتب خانہ میں موجود ہے[2]۔

امیر حیدر کا معاصر خان محمد عمر والیٔ فرغانہ (۱۸۰۹ء - ۱۸۲۲ء) بھی علم و فن کا بڑا قدردان تھا۔ وہ خود بھی شعر کہتا تھا اور امیر تخلص کرتا تھا۔ اس کا دیوان ۱۳۲۹ھ میں بخارا میں چھپ گیا ہے۔ اس کی قدردانی سے اس کے دربار میں بہت سے شاعر جمع ہو گئے تھے اور اس زمرۂ شعرا میں اس کی بیوی نادرہ بھی

---

[1] میر عبدالکریم کی شایع شدہ تاریخ کا عنوان یہ ہے:- *Histoire de l'Asie Centrale (Afghanistan, Boukhara, Khiva, Khoqand) de 1153 a 1233 de l'hegire, par Mir Abdul Kerim Boukhari.*

[2] مذکورہ بالا تینوں کتابوں اور ان کے مصنفوں کے حالات سٹوری نے تفصیل سے دیئے ہیں۔ دیکھو شنشو ۲، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵

شامل تھی۔ خوقند کے ان شعراء کے کلام کا ایک دلچسپ مجموعہ سنہ ۱۹۰۰ء میں تاشکند میں چھپ چکا ہے ؛

عمر خان کے ایک رشتہ دار اور معاصر نے جس کا نام حکیم خان تورہ تھا۔ اپنے سوانح عمری منتخب التواریخ کے نام سے لکھے ہیں۔ یہ سرگذشت خاصی ضخیم ہے اور فارسی لٹریچر میں اپنی نوعیت کی شاید سب سے زیادہ دلچسپ کتاب ہے۔ جو اس لحاظ سے خاص طور پر قابل قدر ہے۔ کہ وہ اپنے زمانہ کی تاریخ اور معاشرت کے متعلق عینی شہادت کی حیثیت رکھتی ہے اور اس میں مصنف نے اپنے اُن تاثرات کو بیان کیا ہے۔ جن سے وہ خوقند، روس، فارس، بخارا اور دیگر ممالک کی سیاحت کے دوران میں متأثر ہوا تھا ؛

خوانین خوقند کی تاریخ کے لئے حسب ذیل کتابیں خاص اہمیت رکھتی ہیں :- (۱) ملا مرزا علیم کی کتاب "انساب السلاطین" جو تاحال طبع نہیں ہوئی (۲) مرآۃ الفتوح جو ہنوز غیر مطبوعہ ہے (۳) تاریخ شاہرخی از ملا نیاز محمد جسے Pantusow نے ۱۸۸۵ء میں قازان سے شائع کیا تھا۔ (۴) تحفۃ التواریخ خانی (کذا) از ملا عوض محمد، مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ لینن گراڈ کے عجائب خانہ مشرقی میں موجود ہے۔ اس سلسلہ میں ملا سنگ محمد بدخشانی کی تاریخ بدخشان بھی قابل ذکر ہے۔ جس میں ۱۰۶۸ھ سے لے کر ۱۲۲۳ھ تک کے واقعات درج ہیں۔ ملا فضل بیگ اوشی نے اس کا تتمہ لکھ کر واقعات کا سلسلہ بیسویں صدی کے آغاز تک پہنچایا ہے۔ یہ دونو کتابیں ابھی تک طبع نہیں ہوئیں ؛

[۱] اس کے حال کے لئے دیکھو سٹوری ۲ : ۲ : ۳۸۸، [۲] سٹوری ۲ : ۲ : ۳۹۱، [۳] ایضاً ۲ : ۲ : ۳۸۹،
[۴] ایضاً ۲ : ۲ : ۳۹۱، [۵] ایضاً ۲ : ۳ : ۳۹۰، [۶] ایضاً ۲ : ۲ : ۳۸۲،

۱۹۰۶ئہ میں بخارا کے شہزادہ نصیر الدین تورہ بن امیر مظفر الدین نے تحفۃ الزائرین لکھی۔ جو اس لحاظ سے اہم ہے۔ کہ اس میں شہر بخارا کی مساجد اور اولیاء کے مقابر کا تفصیلی بیان ہے۔ اس کے علاوہ اس میں مشاہیر کے سوانح عمری کے متعلق مواد بھی موجود ہے۔ ۱۳۲۸ھ میں بخارا میں طبع ہوئی ؛

بخارا کے دو فاضلوں یعنی ابن عشور محمد رحمت اللہ بخاری (جو امیر مظفر الدین خان بخارا کا ہمعصر تھا) اور افضل مخدوم پیر مستی نے ترکستان (بخارا، فرغانہ، تاشکند) کے ان شعراء کے تذکرے لکھے ہیں جو انیسویں صدی میں ہوگذرے ہیں۔ اور ان کے کلام کے نمونے بھی دیئے ہیں۔ رحمت اللہ بخاری کے تذکرہ کا عنوان "تحفۃ الاحباب فی تذکرۃ الاصحاب" ہے ۔ جو باضافات چند ۱۹۱۳ئہ میں تاشکند میں چھپا تھا۔ افضل مخدوم نے اپنا تذکرہ "افضل التذکار فی ذکر الشعراء والاشعار" کے نام سے لکھا تھا۔ یہ تذکرہ بھی ۱۳۲۶ھ میں تاشکند میں چھپ چکا ہے ؛

عبارت کی پُر تکلف ترصیع۔ الفاظ کی شوکت اور عربی کلمات کا کثرت استعمال، صرف ان ہی تذکروں کی امتیازی خصوصیت نہیں بلکہ گذشتہ تین صدیوں میں ترکستان میں جتنا بھی لٹریچر پیدا ہوا ہے۔ اس کا طرز تحریر کلیتہً ایسا ہی ہے۔ کیونکہ مصنفین کا عام خیال یہ تھا کہ نفس مضمون اتنا اہم نہیں جتنا کہ طرز ادا کی خوبی اور دلکشی اور ان کے زعم میں طرز ادا کی دلکشی اسی صورت میں پیدا ہو سکتی تھی۔ کہ مرصع جملے، بعید الفہم ترکیبیں اور عربی کے مغلق الفاظ استعمال کیے جائیں ؛

ترکستان کے شاعروں نے بھی کسی حد تک اسی قسم کا اسلوب تحریر اختیار کر رکھا تھا۔ ان کا کلام یا تو صوفیانہ خیالات اور کیفیات کا مظہر ہوتا تھا

یا وہ لوگ قصائد، مراثی یا ہجو لکھ کر طبع آزمائی کرتے تھے۔ اُن مطابع کے ذریعہ سے جو روسیوں کے داخلہ کے بعد ترکستان میں قائم ہوئے متعدد شعراء کے دیوان شائع ہو چکے ہیں۔ مثلاً وصلی شاعر کا دیوان ۱۳۷۲ھ میں سمرقند میں چھپ کر شائع ہوا۔ اسی طرح یوسف سیرامی کا دیوان ۱۳۳۲ھ میں تاشکند میں چھپا۔ اور طغرل احراری کا ۱۳۲۴ھ میں کاگان میں ۔

زور کلام اور زبان کا بیساختہ پن صرف اُن ہی مصنفات میں پایا جاتا ہے۔ جن میں لکھنے والوں نے اپنے ذاتی تجربات اور قلبی واردات کو بیان کیا ہے۔ اس قسم کی کتابوں میں سے جو ماضی قریب میں شائع ہوئی ہیں۔ بخارا کے ایک تاجر سراج الدین کی تالیف قابل ذکر ہے۔ جو تحف اہل بخارا کے نام سے ۱۳۳۰ھ میں بخارا میں طبع ہوئی تھی۔ اس قسم کی مؤلفات میں اور خصوصاً اُن کتابوں میں جو موجودہ صدی کے آغاز میں لکھی گئی ہیں۔ سادہ زبان اور روزمرہ کے استعمال کی کوشش کی گئی ہے۔ عہد جدید کے بعض اساتذہ مثل محمود خواجہ بہبودی سمرقندی اور صدرالدین عینی بخاری نے مدارس کی نصابی کتابیں بھی اسی اسلوب پر لکھی ہیں۔ بیسویں صدی نے خصوصاً جب سے ۱۹۱۷ء والا انقلاب عظیم روس میں رونما ہوا ہے۔ ترکستان کے ادیبوں کے ہاں سے نئے نئے مضامین کو جدید طرز پر صاف اور شستہ زبان میں ادا کرنے کی ضرورت پیدا کر دی ہے ۔

عنایت اللہ

نل دمن احمد ہراوی

نل دمن ہندوستان کی "پاستانی داستانوں" میں سے ہے۔ جس کی دلکشی اور دلفریبی مشرق و مغرب کے اہل نظر سے خراج تحسین وصول کر چکی ہے۔ یورپ کی مختلف زبانوں میں اس کے ترجمے ہو چکے ہیں۔ چنانچہ انگریزی زبان میں اس قصے کا وہ خلاصہ جو نارمن پینسر (Norman & Panzer) نے ۱۹۲۶ء میں کیا ہے۔ بہت مقبول ہوا۔ یورپ کی باقی زبانوں میں اس کا جو چرچا ہوا اس کی تفصیلات میں جانا ہمارے موجودہ موضوع سے خارج ہے۔ فارسی زبان میں شیخ فیضی فیاضی نے نل دمن کو اپنے "پنج گنج" کا ایک قیمتی حصہ بنا کر اس کو بقائے دوام کی سند عطا کر دی ہے۔ فیضی نے ایک ہندوستانی قصے کو اسلامی اور ایرانی قالب میں ڈھال کر اس میں جو خوبصورتی پیدا کی ہے اس کے متعلق شیخ ابو الفضل کیا اچھا لکھتے ہیں۔ "و دران کارنامۂ جادوئی بسا طلسم آگاہی نگاشتہ آمد"۔ خود فیضی کو بھی اپنے اس کارنامے کے متعلق فخر ہے۔ چنانچہ اس مثنوی میں دعوے کرتا ہے :۔

بانگ قلمم درین شب تار — بس معنی خفتہ کرد بیدار
بگداختہ ام دل و زباں را — کیں نقش نمودہ ام جہاں را
صد سحر و فسوں بکار بستم — کیں نقش بروی کار بستم
بر خواب نہد فسانہ بازار — من گشتم ازیں فسانہ بیدار

فیضی کے لئے یہ افسانہ بہت سی بصیرتوں اور عبرتوں کا باعث ہوا ہو یا نہ ہوا ہو اتنا ضرور ہے۔ کہ فیضی نے اس ہندی قصہ کو فارسی الفاظ و حروف میں

ملبوس کر کے فارسی اور ہندوستانی ادب کی بہت بڑی خدمت انجام دی اور بہت سے آنے والے شاعروں کے لئے نیا موضوع پیدا کر دیا چنانچہ اسکے بعد ہمارے شاعروں نے جو اس سے قبل نظامی گنجوی کے تتبع میں ایرانی موضوعوں پر قلم اٹھایا کرتے تھے۔ اب ہندوستانی موضوعوں کو اپنایا۔ آخری دور کی فارسی اور اُردو شاعری میں اس ہندوستانی عنصر کا خاصہ حصّہ ہے۔ چنانچہ ہمیں رام سیتا، منوہر مدہو لت، پروتی نزوتی، ہیر رانجھا، وغیرہ کی طرح کے بہت سے قصے ملتے ہیں *

موجودہ مثنوی نل دمن بھی جو آئندہ اس میگزین میں شایع ہوتی رہے گی۔ اسی سلسلہ سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کا مصنّف اپنے آپ کو احمد کہتا ہے۔ جو سرآوا کا رہنے والا ہے۔ چنانچہ دیباچہ میں لکھا ہے۔

احمد نہ کر اب شناطرازی — اوصاف ہے ہند کا نہ بازی
مشہور ہے ہند میں سرآوا — رکھتا ہے بہشت سانتہ دعوی
ہر طفل بعلم عشق اوستاد — حق اوس کو رکھے ہمیشہ آباد

سپرنگر کی فہرست میں ایک اور مثنوی نل دمن بھی مذکور ہے۔ لیکن وہ موجودہ کتاب سے جُدا ہے (ملاحظہ ہو سپرنگر کی فہرست ص ۶۴۳)*

سپرنگر کا بیان ہے۔ کہ احمد سیّد احمد علی سراوی کا تخلص ہے۔ جن کی تصانیف میں ایک مثنوی "گل وصنوبر" اور نثر کی دو کتابیں "مور پنکھی" اور "رنگ کی" بھی ہیں۔ مؤخر الذکر ۱۲۴۱ء میں فیض آباد میں لکھی گئی تھیں (ملاحظہ ہو سپرنگر ص ۱۹۸)[1]

سرآوا ضلع میرٹھ کا ایک اہم قصبہ ہے۔ جو عہد محمد شاہی میں بہت بارونق تھا

---

[1] سپرنگر کا یہ بیان خوب چند ذکا کی کتاب عیار الشعرا سے لیا گیا ہے۔ نیز ملاحظہ ہو تذکرہ دتاسی ج ۲ ص ۵۲۴؛ ج ۱، ص ۱۷۵،

لیکن اس کے بعد گمنامی میں پڑ گیا (ملاحظہ ہو گز یٹیر ضلع میرٹھ)۔

یہ احمد کون بزرگ ہیں؟ ان کے حالات زندگی کیا ہیں؟ اس قصّہ منظوم کا سن تصنیف کیا ہے؟ اس کی لسانی خصوصیات کیا ہیں؟ ان سب سوالات کا جواب آئندہ ایک مفصل مضمون کی صورت میں دیا جائے گا۔ سب سے پہلے مناسب یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ نل دمن کا متن بالاقساط میگزین میں شایع ہو جائے۔ تاکہ جو کچھ اس قصے کے متعلق لکھا جائے۔ متن کا مطالعہ اس کو وضاحت بخشتا جائے

یای مجہول اور یای معروف کے بارے میں قدیم املا کو ملحوظ رکھا گیا ہے پیش نظر نسخے میں اس معاملہ میں کوئی خاص پابندی نہیں کی گئی۔ لیکن میں نے قارئین کی سہولت کے لئے اسی املا کو اختیار کر لیا ہے۔

زیر نظر نسخے میں املا کی غلطیاں کافی ہیں۔ میں نے ان کو حتےالوسع درست کرنے کی کوشش کی ہے۔ ضروری ضروری الفاظ کے معانی بھی ذیلی حاشیہ میں دے دیئے ہیں۔ تاکہ مفہوم کے سمجھنے میں دقّت نہ ہو ؛

یہ نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری کی ملکیت ہے۔ کتابت یکساں نہیں۔ شاید دو تین کاتبوں نے مل کر لکھا ہو گا۔ سن کتابت "یازدہم رمضان سنہ ۴۰ھ" ہے[1]۔ اس کے علاوہ باقی تفصیلات مع تنقید وغیرہ متن کے شایع ہو جانے کے بعد دی جائیں گی ؛

---

[1] ہو سکتا ہے کہ یہ سنہ ۱۱۴۰ھ ہو۔ اس پر مفصل مضمون میں بحث ہو گی ؛

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اے شاہِ شہانِ ہر دو عالم — بخشندہ[1] گناہِ ابن آدم

ہے کون سوای تیرے دوجا — جسکی کری سب جہان نین پوجا

ہے جلوہ نُما تو سب جہان میں — ہر صفت زمین و آسمان میں

تا چیز سے چیز کر دیکھاوے — پھر شربت موت کا چھکاوے[2]

ہر گل کو زمین سے اوپا[3] کر — بلبل کو چمن مین مبتلا کر

پھر خاک میں پل بنیں[4] ملاوے[5] — یا رب تیرا انت کون پاوے

تجہ نور سے چاند سور[6] تارے — دن رین جہان فروز سارے

تو ایک قرار پر ہے قایم — رزاق ہے سب خلق[7] کا دایم

بے مادر بے پدر اکیلا — سب روپ میں آپ آپ کھیلا

جنگل کے تیئن زمہربانی — بخشا ہے تیں[8] آب زندگانی

وز صنعت خویش یا الٰہی — دیتا ہے تو آب[9] بیچ ماہی

تیں[10] ٹیک رکھا ہے آسمان کو — دریا پی زمین اور جہان کو

گر فضل کرے تو ذرہ خاکی — ملکوت سے ہو سوا بپا کی[11]

---

[1] فکِ اضافت از بخشندۂ گناہِ ابن آدم، [2] چھکانا - پلانا،

[3] اوپانا یا اُپانا - پیدا کرنا، [4] کذا = میں، [5] کذا = ملاوے،

[6] سور = سورج، رین = رات، [7] خلق بجائے خلق، [8] تیں = توں یا تو،

[9] آپ (کذا فی الاصل)، [10] اصل = تی، پی = پہ،

[11] بپاکی (فی الاصل)۔ 'بپاکی' کا معنی - پاکی میں ۔

در قہر کُنی بعالم پاک — فی الحال پڑ[12] دز بام افلاک
بے شک تو کریم کارسازی — پوشندہ[13] خطا گدا نوازی
توحید تیری ہے بحر[14] زُخار — کیا تاب کہ چینٹی ہو سکے پار

بال بال رَسناں[15] آوے سب جگ اک تہا ہوی
اَستُتُ توری سائیاں پوری کرے نکوی

دریای کرم ز لطف[16] سرمد — سر خیل پیغمبراں محمدؐ
دانندۂ راز لایزالی — از حکمت پُر ز کینہ خالی
این تخت زمین چتر افلاک — ساجے[17] ہے تمہیں اے شاہ لولاک
شاہنشہ تخت ملک ہستی — سرتاج ہمہ بلند و پستی
مقصود زمین آسماں کا — بہبود تمام انس و جاں کا
محشر میں شفیع سب اُمم کا — سایہ ہے عدم ترے جسم[18] کا
سرمایۂ رحمت الٰہی — تاثیر دعای صبح گاہی
مازاغ[19] بصر و ما طغی سے — کحول ہیں تجہ نین[20] صدا[21] سے
جس رات فلک اوپر سدھارے — روشن ہوئے تجہ قدم[22] سے تارے
ہر ہشت بہشت کھول رضوان — قربان کیے تم پی[23] درّ مرجان
ملکوت و حور سب پیغمبر — صف باندہ کہڑے[24] ہوئے سراسر

(ق ۲۷ ب)

---

[12] پرہ (فی الاصل)، [13] پوشیدہ (فی الاصل)، [14] بخیر و خار (کذا)، چینٹی = چیونٹی، [15] رَسناں = زبان، اِک تہا = اکٹھا، اَستُتُ (ہندی) = حمد، سائیناں = سائیں، مالک، آقا، خدا، توری = تیری، [16] لطلف (کذا)، [17] ساجے ہے = زیبا ہے، [18] جسّم بجای جسم، [19] مازاغ البصر و ما طغی (الآیہ)، [20] تجہ نین = تیری آنکھیں، [21] صدا سے = سدا سے، [22] تیرے قدم روشن (کذا)، [23] پی = پہ، [24] کہڑے = کھڑے،

سب اپنے مکاں سے ہو قدم کش — وزخوانِ ادب ہوئے ہیں جنبش[25]

دیکھا جو جمال حد سے زیادہ — لب مضحک ابروان کشادہ

ہر ہفت فلک و عرش طے کر — دیکھا سو جمالِ پاک انور

سب رازِ نہاں بگوشِ جاں کر — پھر آئے بخوابگاہ سرور

جادن[26] تو رہنے رچو تا دن ہو نکوی

ایک بارہ وہ نانو سنیں مکت سداں کی ہوی

ہر چار صحاب برگزیدہ — ز آلایش دنیوی جریدہ

چوں حرفِ محبتِ گرامی — اپس[27] مین ہیں متفق تمامی

ہر چار ستون سقف ہیں دیں کے — ہیں چار دیوار گھر یقیں کے

بر شمع جمال شاہ مرسل — پروانہ صفت فریفتہ دل

مجموعہ کمالِ اہلِ عرفان — قربانِ محمد از دل و جان

ہر دم ز جمالِ مصطفیٰ[28] آئی — انکھیاں[29] میں انہونکی روشنائی

بو بکر و عمر بصدق و انصاف — مشہور جہاں ز قاف تا قاف

ارباب[30] حیا بنام عثمان — کو جمع کیا کتاب[31] فرمان

وان حضرت شہسوار دلدل — کز مردمیش بعرش غلغل

آن ہر دو شہید ہای اکبر — یعنی حسن و حسین سرور

یارب برسالتِ محمد — یارب بہ[32] نبوتِ محمد

یارب بہ دوازدہ اماماں — ہر چار محبِ نیکناماں

(ق ۳ الف)

۱۰

---

[25] مفہوم صاف نہیں۔ جنبش ہونا بمعنی جنبش کی استعمال ہوا ہے، [26] جب تم شب باش ہو تب [...]ی ہو۔ لیک بار ان کا نام سن لیا جائے تو ہمیشہ کی نجات حاصل ہوتی ہے۔ [27] اپس = آپس، [28] = مصطفائی، [29] انکھوں میں، [30] کو = جس نے، [31] شاید 'کتاب فرقان' ہو، [32] فی الاصل: بنوبیت(؟) احمد،

یارب بطفیل صبح خیزاں — ہم سوز درونِ اشک ریزاں

ہم شرم جوان ہای نوخیز — زہاد و عباد و اہل پرہیز

از رحمتِ خود برآر کامم — محشر بین نکرتو شرمسارم

محتاج نہ کرد رین جہانم — زافات حشر بدہ امانم

ہوں[۳۳] نرگن، اوگن کہی تو جگ کا کرتار

ان نرگن کے کارنی اوگن موری بسار

ہاں اے قلم سبک خرامم — برکش[۳۴] رقمی[۳۵] تو از مقامم

تا من کییم و کجا مقام است — کو مملکت و مرا چہ نام است

ہے کشور ہند دل کشاتر — برّو بحرش[۳۶] فرح فزاتر[۳۷]

اس خاک سے ہے خمیر میرا — خورشید ہے یہاں ضمیر میرا

ہے ہند بہشت کی نشانی — ہر چشمہ آبِ زندگانی — ۱۰

ہر شہر و قریہ ہای این بوم — فردوس ہے جا بجای مقسوم

ہر باغ میں پھول گونہ گونہ — ہر صحن چمن فلک نمونہ

از عشق زمین ہند پر ہے — ہر کنکر[۳۸] او بجای دُر ہے — (ق ۳ ب)

نی نی غلطم کہ دُر چہ چیز است — ہر خشت زخشتِ تن عزیز است

ہر ذرّہ چینک[۳۹] بحسن معمور — سرتا بقدم فوارۂ نور

خوبین نگہانِ عشوہ پرداز — غنچہ دہنان شوخ طناز

سودا اگر عاشقانِ بیدل — لیتے ہیں بہ نقد غمزہ صد دل

---

[۳۳] نرگن = بے ہنر، اوگن = عیب دار، فضول، [۳۴] اصل: برکس، 'جبین' بھی ہو سکتا ہے
[۳۵] رقم (فی الاصل)، [۳۶] بحریش (فی الاصل)، [۳۷] فزا (کذا فی الاصل) [۳۸] کنکرہ (فی الاصل)
[۳۹] مشکوک ہے۔ 'جبین' پڑھا جاتا ہے۔

احمد نکراب ثنا طرازی — اوصاف ہے ہند کا نہ بازی

مشہور ہے ہند میں سِراوا[39] — رکھتا ہے بہشت ساتھ دعوی

ہر طفل بعلم عشق اوستاد — حق اس کو رکھے ہمیشہ آباد

راؤ[40] رنک سکھیا سبھی راگ رنگ دن رین

دوکھ کا کھوج نپاییے سدا سرب سکھ چین

اوجین نگر میں ایک راجا — سب ٹھاٹھ شہی کا اوس پہ ساجا

دولت وسپاہ حد سے زیادہ — اقبال بخد متش ستادہ

یک چہرہ غلام ماہ پارہ — رستم صفتان جنگ کارہ

درحسن وجمال بی[41] [مثل] تھا — موسوم بنام راجہ نل تھا

جس وقت ہنسے سو پھول جھاڑے — عالم کو بھنور چکر میں ڈالے — ۱۰

پکڑے جو لڑائی بیچ شمشیر — کیا تاب کہ آوے روبرو شیر

سب راجا زخوف سر نواوین[42] — مجری کو صباح شام آوین — (ق ۴ الف)

کیا حسن کہوں اگر فلاطوں — دیکھے تو ہووے بشکل مجنوں

جس وقت کہ بیٹھے بر سنگھاسن — عالم کو کرے جھلک ہیں روشن

سرتاج تمام تند خویاں — شاہنشہ خیل خوبرویاں

دن رات براگ رنگ مشغول — اس حسن پی ایک جگ رہا بھول

زنار گلے منے براجے — مکھ دیکھ کے بھوکھ جگ کی جاگے

گن اوگن گھوڑوں کے پہچانے — اورمرض ہیں جتنے سب بکھانے

نت عشق رکھے ترنگ[43] تازی — خوب اسپ کو دیکھ ہووے راضی ۔

---

[39] سِراوا ۔ ضلع میرٹھ میں ایک مقام ہے، [40] راو = راجہ، [41] انک = غریب، [42] اصل میں 'مثل' نہیں،

[42] نوانا یا نَوَاوَنا = جھکانا ، [43] تُرنگ = گھوڑا ،

اسپان عراقی اور تازی　　پالے ہوئے سبزۂ حجازی
چن چن کے برنگ[44] بادرفتار　　دس سور کھے طویلہ تیار
بال بال گن گھوڑوں کے گن اوگن پہچان[45]
دیکھ چال یکبارگی دیتا برس بکھان
بچے کو نشکم میں (رہی) نظر کر　　سب رنگ بتاوتا سراسر
خوش رنگ پون کے پوت تازی[46]　　ہر دم کریں باد ساتھ بازی
دُر زیور رین جگمگاوین　　ہر سو انسیں سر گگن[47] لگاوین
دہن شاہ سوار دہن وے گھوڑے　　جانے نہیں ایڈا اور کوڑے
ہر سنگ ترنگ رنگ لیتے　　گلزار میں گل کھلائے دیتے
غصہ بھرے لوہ کون[48] چباوین　　بجلی کوں جھلک سیتے لجاوین
ایک راج دویم نشہ جوانی　　ہر روزہ سنے برہ[49] کہانی
باہمن[50] پسران نوجواناں　　ہر صبح و شام بید خواناں
خوش روی جوان جملہ چاتر[51]　　سب رمز شناس عقل سے پُر
راجا کے وہ ہم نشین پیارے　　سوہنین[52] جیسے چاند ساتھ تارے
راجو کی سدا کتھا کہانی　　سُنتا وہ نہال خسروانی[53]
جب قصہ عشق گوش کرتا　　سُنتے ہی درون جوش کرتا
پھر سوچ سمجھ کے تھانبتا[54] دل　　رہتا نہ ضروری سے غافل
دن رین بعیش کامرانی　　کرتا تھا ہمیشہ زندگانی

(ق ۱۳ب)
۱۰

---

[44] ترنگ بھی پڑھا جا سکتا ہے، [45] گن اوگن = عیب و ہنر، [46] پون کے پوت = ہوا کے بیٹے یعنی گھوڑے، [47] آسمان، [48] لوہے کو = لگام کو، [49] برہ = محبت، [50] یعنی برہمن [یا نہیں رفی الاصل]، [51] ہشیار، [52] خوبصورت، [53] خسروانہ (فی الاصل) [54] = تھانتا،

افسوس کہ یہ فلک زیان کار[۵۵] — اوپجاوے ہے پھول سنگ نت خار
جس جامی کہ ہو بہت خزاناں — وہاں ناگ بٹھاوے ہے نداناں

جہاں پھول تہہ کانٹ جہاں دَرَب تہہ ناگ
ہت[۵۶] سدا دہوا اگن [ہت اگن] سنگ لاگ

اے کلک ترنگ من سبک خیز — لکھ اب[۵۷] کتھا جنون انگیز
نل گرچہ ہمیشہ بے فکر تھا — گردش سے فلک کے بےخبر تھا
لیکن کری اب فلک نے بازی — لازم ہوئی اوسکو جانگدازی
انکھیاں میں نیند ٹک نہ آوے — بیراگ برہ سدا ستاوے
(ق ۵ الف) اب نیند گئی و بھوک بھاگی — نہہ چینت کنور کوں چنت لاگی
سکھ نیند تمام خلق سووے — نل نیر نین سے اتگ دھووے ۱۰
یکبارگی یہ بلا ہے بھاری — آدل میں اوٹھائی بیقراری
جانے نہیں نل کہ کیا بلا ہے — کس غم سے جان میری جا ہے
کن بیری نے یہ اگن لگائی — کن دیگ جنوں کی آ پکائی
ہر چند کہ بھید کون چھپاوے[۵۸] — طوفان برہ جہین نہ پاوے
جتنا کرے سوچ من میں پیارا — باجے نہیں بھید کا دوتارا
اب ناگ برہ نے ڈنگ لایا — تل تل میں بس چڑھے سوایا
یہ عشق کید ہر سیتی اوٹھا ہے — جوں شیر میرے بدن کو کھاوے
یارو کرو کچھ علاج میرا — کارج ہوا سب اکاج میرا

---

۵۵ 'پر' (فی الاصل)، ۵۶ صدا (فی الاصل)، دَرَب = دولت، اگن = آگ، دوسرا مصرع مشتبہ ہے۔ تصحیح قیاسی ہے، سنگ بمعنی پتھر ہے۔ گو اغلب نہیں کہ شاعر نے یہ فارسی لفظ برتا ہو، ۵۷ آب (فی الاصل)، ۵۸ جتاوے (فی الاصل)، جہین (ہندی) = کمی ،

کیا بَیر تھا اے اکاس دشمن — جو تو نے جلایا میرا تن من

سن دوکھ واہی راج کی دوکھیا سب سنسار

کر ململ پچھتا ئہہ سب چرچیں پور کد اور نار[۵۹]

لاگا جو کنور کے تیسہ کاری	دھوم[۶۰] پڑی سب جگت میں بھاری
طوفانِ بلا نے جوش مارا	گھرآیا[۶۱] کنور کا ملک سارا
سنتے ہی وزیر جلد آیا	آتے ہی طبیب کو بولایا
دیکھن لگا بید نبض بیمار	کس سے ہے کنور کو سخت آزار
نل نے کہا اے حکیم ناداں (ق ۵ب)	ناحق نہو نبض دیکھ حیران
ہے درد مرے جگر کے بھیتر[۶۲]	کیوں مارے ہے رگ جنون پہ نشتر
یہ دل جو میرا لہو سے تر ہے ۱۰	پہچان جو تجھکو کچھ نظر ہے
سنتے ہی ہوا طبیب لاچار	رخصت ہوا ہو نراس من مار
جو درد کنور کا اون نے پایا	آتے ہی وزیر کون سنایا
یہ راج کنور برہ نین گھیرا	اوٹھ جلد علاج کر سویرا
واقف ہوا جب وزیر ہوشیار	پھر آیا شتابی سے بدربار
پہلے سخن اور کچھ سنا کر	پھر آیا سو اپنے مدعا پر
جب لگ سمندر میں ہے پانی	تب لگ تیرا راج و زندگانی
جب سے ہے تمہارے دل اوپر غم	کوڑتا[۶۳] ہے تبہی سے سارا عالم
جو لوگ ہیں خاص بارگاہی	جانے ہیں وے بھید بادشاہی
جے کوی پری نظر پڑی ہے	خاطر میں تیرے گذر کری ہے

---

۵۹ چرچیں = سوچیں، ۶۰ نار (فی الاصل)، ۶۰ شور، ۶۱ شاید 'گھبرایا' ہو، ۶۲ بمعنی 'اندر' 'مارے ہے' میں 'ہے' زائد از وزن ہے، ۶۳ بمعنی 'تک'، ۶۴ یعنی کڑھتا ہے،

منتر جنتر ٹوناں ابھی کروں چت لای
شیشہ بہنتر موند کے دئیوں کنور کوں آی

جو ہوی ز جنس آدمی زاد — حاضر کروں جس سے ہو دلت شاد
لیکن مجھے بھید سب بتا وو — جا کر سیتی راز مت چھپاؤ
نل نے کہا اے رفیق جانی — تجھ سے نہیں بھید کچھ نہانی
لاگا ہے جگر میں تیر کاری — ہے مجکون کمال بیقراری (ق ۹ الف)
ہے زلف سحن[65] کی جال[66] میرا — اس نے ہے زبون حال میرا
کیا جانیے کون ہے کماندار — جس کا ہوا تیر مجھ جگر پار
یہہ عشق وزیر کیا عجب ہے — معشوق بجان ماں ادب ہے
سنتے ہی وزیر دانش اندیش — دلداشت کنور کیا زحد بیش ۱۰
کے[67] تخت نشین شہریاری — یہہ کام بہت نہیں ہے بہاری
یہ عشق کا باغ بیخزاں ہے — ہر پھول جدا جدا عیاں ہے
یہ بھی چمن برہ کا گل ہے — اس گل کا نشا بجز و کل ہے
اس صید کے کارنے پیارے — لازم ہے تمہیں کون صبر بارے[68]
غم بھول سنبھال ست کا آسن — ست[69] (ڈگ) کو سنبھال پھر سنگاسن
بیدل نے سنبھال[70] اپنے من کو — تازہ کیا راج کے چمن کو
لیکن جو لگا تھا تیر کاری — نس[71] دن تھی کنور کو بیقراری
ہر طرف کنور ستا لگاوے[72] — تویہ[73] کا کوئی پتا بتاوے

---

[65] سحن (کذا)، [66] حال (کذا)، [67] مشکوک ہے، [68] فارسی کا "کاسے" یعنی کہ اسے، [69] ست ڈگ = حق کا راستہ، صداقت کا قدم، [70] نے (فی الاصل)، [71] شب و روز، [72] نستا لگاوے = قرعہ ڈالے، پانسہ پھینکے یعنی جتن کرے، [73] پانی۔ یہاں مقصود و محبوب مراد ہے۔ (دیکھو Platts کی ڈکشنری ہندوستانی) اصل متن میں 'تویہ' ہے

ایکدیوس[۴۳] منترن کنور لینس بیگ ہنکار
پھر چیں کتھا بیوگ کی اوترے من کا بھار

دن ایک رفیق سب بولاکر	پاس اپنے جو پیار سے بٹھاکر
ہنس ہنس کے کتھا اچھی سناوے	تو برہ بیوگ بھول جاوے
ہر ایک کہن لگا کہانی	نمکین سخن کتھا پورانی
ہر ایک اچھی کتھا سناوے	غم راج کے دل سیتی بھلاوے
جس دل میں کیا برہ نیں ڈیرا	بچتاں[۴۴] نہیں وہ اجل کا گھیرا
جب آئے ملے وہ دوست جانی	عاشق کی یہی ہے زندگانی
سب اور ہی اور قصہ گاویں	پرتاں کا جیوناں سناویں
آخر کو رفیق ایک بولا	تھا بھید چھپا سو انت کھولا
جبلک کہ زمین و آسماں ہو	پانی پون اور سبھی جہاں ہو
تب تئیں بعمر و جاہ ہوجو[۴۵]	دشمن تیرا خاک راہ ہوجو
کا ہے کو سنو کتھا کہانی	گذری ہوئی بات ہے پورانی
کہتا ہوں حکایت گرامی	رکھ کان سنو کنور تمامی
یہ خاک دکھن کہ[۴۶] فتنہ خیزی	وہاں آج دو کان فتنہ بیزی
معشوق کہ سب دکھن کی جان ہے	حسن اس کا جہاں چہیں[۴۷] عیان ہے
سرتاج تمام مہ جبیناں	عالم کوں دکھن میں مست کیناں[۴۸]
بسری سبے برہمناں [کو] پوجا	اوس ما [ں] نہیں[۴۹] یاد اونکو دوجا

۱۰

---

[۴۳] شاید کنورس یا کنورن ہو، ایکدیوس = ایک دن، منتری = وزیر، لینس = لیا، بیگ (bega) جلد، ہنکار = بلایا، بیوگ = فراق، بھار = بوجھ، [۴۴] مشکوک ہے۔ [۴۵] ہوجیو = ہوجائے، [۴۶] = کی، فتنہ نیری (فی الاصل)، [۴۷] مراد جہاں میں، [۴۸] بمعنی کیا، [۴۹] مانند،

پھول کھلا دکھن دِسا[80] جگت سوگندہ ہیں

راجا جا نہیں درس وہ راج پاٹ بل کیں

گھونگٹ کو اگر پری اوٹھاوے	اوٹھتیا[81] زمین چاندنی دکھاوے

(قطعہ)

تلوار نگاہ اوسکی خونی | ہے کاٹ میں آبدار دونی

کیا بال کہوں بھونگ[82] کا لیے | چندن پی کریں کلول سا لیے

وہ مانگ سفید جھگمگاوے | بگپانٹ[83] گھٹا منے دکھاوے

کیا وصف کروں میں اس جبیں کا | مانتھا[84] نہیں چاند چودہویں کا

ابرو نہ کہ تیغ مغربی ہیں | جنکی صف وے پلک سجے ہیں

دو نین گویا کھنجن[86] کے جوڑے | سرخ و سیہ و سفید دوڑے

ہے مانگ گویا کھڑگ[87] کی دہارا | دنیاں[88] ہے سوون کی چک لکارا (؟)

رخسارہ سفید سرخ خوش رنگ | بل کھائے رہے دو ناگ اون سنگ

وہ کان میں بالیاں براجیں | موتی سجے اون کے سنگ ساجیں

لب[89] سرخ دہان تنگ پیارے | دندان کی جوت سے نیارے

ٹھوڑی ہی گویا سیب غبغبش چاہ | دل ڈوب نہ اچھلہ[90] پھر کبھی آہ

گردن نکموں ترنگ[91] سجلار | کہہ پاگ رکھے ہے جیسے اسوار

کیا خوب تنیں بھجا[92] کلائیں | سانچی ملیے ڈول سے ڈہولائیں

۱۰

---

[80] دیس ، [81] حل نہیں ہوسکا شاید 'ایترا' ہو بمعنی 'بہت' یا شاید "اوٹھیا" بمعنی اٹھ کر، [82] بھونگ = (Bhuang) = سانپ (Python) کالے = کالے، [83] بگپانٹ = بگلوں کی قطار، [84] یعنی لمتا، [86] کھنجن = (wag-tail)، [87] کھڑگ = تلوار، [88] حل نہیں ہوا،

[89] اب (فی الاصل)، [90] = اُچھلے ، [91] گھوڑا ،

[92] بازو ،

مہدی ہیں ہتھیلیاں رچائیں   خورشید دپی[93] ہے چوں صبائیں[94]

انگلی ہیں انگوٹھیاں سنہری   رانی گویا پھول ہے دوپہری

پیٹھہ[95] اوپری دکھنی بینی دی جگای

مانو چندن برکھ پہ رہو ناگ لپٹای

(ق،ب) سینہ پی کوچیں[96] ادہک[97] براجیں   نارنگ ترنج دیکھ لاجیں

ہے پیٹ کنول پتر ملایم   پاؤں نسے ہے قوت اوسکا دایم

چنبے کی کلی سے خوب تر ناف   باریک کمر سربن چوں قاف

دو جانگ[98] گویا کشیدہ شمشاد   قد راست مثال سرو آزاد

ہے پردہ نشین نازنینی   خورشید رخ و مہہ جبینی

شاہنشہہ فوج خوبرویاں   سرتاج تمام خوبرویاں   ۱۰

کیا حسن کہ آگ کا بھبوکا   لوٹا ہے قرار ہر کسو کا

سر کھول پری اگر اوٹھاوے   دن رات کو ایک ہی دکھاوے

مہدی سے نہیں قدم کو لالی   آتی ہے خلق پہ پایمالی

بجلی کی جھلک ہے مسکرانا   اندھیار ہیں پھلجھڑی دکھانا

نس[99] پان نکال کر چباوے   مت مکھ میں چو بھی وہ رنج پاوے

اوس درس کی آرزو میں راجا   تج راج اور پاٹ جوگ ساجا

لجونت سورج سے مکھ چھپاوے   تاروں سے پری کو لاج آوے

---

[93] دپی ہے۔ روشن ہوتا ہے ، [94] = صباحیں یعنی بوقت صبح ، [95] بال جو پیٹھ پر نظر آتے ہیں۔ اوسکو یوں آراستہ کرتی ہے گویا صندل کے درخت سے ناگ لپٹا ہوا ہو ،

[96] کوچ = پستانِ زن ، [97] بڑی fully ، [98] ٹانگیں ، [99] = (P) نُس The circumference = نس (S), or environs of the mouth (cf. Platts)

Out - forth - out of - away

آئینہ سوای تاب کس کی　　دیکھے کوئی شکل پاک اوس کی

مشہور بنام خود دُتن آ ہے　　بے شبہ[99] جمال کا چمن ہے

اوس حسن پہ ایک جگ[100] بھول　　وہ اپنے خیال بیچ مشغول

جگ کو واکو نیہہ، نیہہ وامن بس گیو

جانی کا کی نیہہ، نت، کامن، تڑپہی ہیو[101]

دانا نے کہ بات یہہ سنائی　　راجا کے بدن میں آگ لائی

سنتے ہی لگا خروش کرنے　　دریا کی مثال جوش کرنے

یکبارگی ایسی آہ ماری　　حیران رہے سن کے مرد ناری

بیمار نے اپنا درد پایا　　پرگھٹ[102] ہوا جس نے تیر لایا

وہ بھید کہ میں چھپاوتا تھا　　آزار میں کچھ نہ پاوتا تھا　　۱۰

سو درد تو ہے ہی یار میرا　　اس مدہ سے ہے خمار میرا

کیا یار سنائی یہ کہانی　　اب آگ میرے جگر میں چھانی

اب مست کو تئیں نشا پلایا　　بیراگ بیوگ پھر ندھایا[103]

یہ بات غلط ہے اے پیارے　　مُردیکوں دیا[104] تیں جیو بارے

کانٹا میرے پانو سے نکالا　　آتش پی جگر کے آب ڈالا

ہاں پھر کے سناؤ حال سارا　　رہتا ہے کہاں صنم پیارا

اوس دیس کا ناٹو اب بتارے　　جلتا ہے جگر ابھی[105] بجھارے

---

[99] سبہ (فی الاصل)، [100] جگ کو تو اس کی محبت لیکن اس کا دل خود محبت میں غرق تھا۔ نہ جانے کس کی محبت میں مشتاق دل تڑپتا تھا، [101] ظاہر، [102] ندھانا = رکھنا، محفوظ رکھنا، حفاظت کے لئے چھپانا، [103] فی الاصل 'نہیں'، [104] بجھارے (فی الاصل) : ابھی (فی الاصل) پہلے مصرع میں 'تانو' ہے۔ صحیح 'ناٹو'،

بولا کہ سن اے غریب پرور   ہے شہر دکن میں نام بیدر[105]

کیا شہر کہ حسن کا وطن ہے   ہر گل پی بہار اک چمن ہے

اوس شہر میں ہے ایک راجا   سب راج و پاٹ او سپے ساجا

سب ملک دکن باختیارش   لشکر و خزینہ بے شمارش[106]

[107]ترسی پون گج کر درہ درب لکھا ان جلے

(ق ۸ ب)   گئو سنگھ ایک گھاٹ پر ہیویں نیر اگھاے

ہے راج کے گھر میں ایک رانی   غنچہ دہن و حسن کی بانی

تھی بانجھ نہتی کچھ اوسکی اولاد   اس فکر سے تھا وہ راؤ ناشاد

ڈھونڈے تھا علاج ہر کسو میں   اولاد کی تھا وہ جست جو میں

ناگاہ کہا کسو نے بار سے   درویش ہے ایک ندی کنارہ[108]

ملتا ہے بھبوت نت پیارا   رہتا ہے صدا الخلق سے نیارا[109]   ۱۰

طاعت میں خدا کی نت ہے مشغول   اور یاد میں اور سب گیا بھول

ہے شاہ لباس میں گدا کے   رکھتا نہیں یارہ[110] جز خدا کے

ہے سیف زباں ضمیر روشن   تن خاک ہے صاف دل جو درپن[111]

رکھتی ہے دعا گدا کی تاثیر   اوسکا پچھو[112] کہہ نشانہ سے تیر

---

[105] بیدرد (فی الاصل)، [106] اصل میں 'بے شمار است' ہے لیکن قافیہ کے خیال سے یا مصرع اول میں 'باختیار است' پڑھنا چاہیئے، یا دوسرے مصرع میں 'بے شمارش' بنانا چاہیئے،

[107] دوہے کا مطلب اچھی طرح واضح نہیں ہوسکا مفہوم یہ ہے کہ اسکے پاس سب ساز اور تری اور ہاتھی اور خزانہ جو دیکھنے میں نہیں آیا (موجود تھا) اور عادل اتنا کہ گائے اور شیر ایک ہی گھاٹ پر سیر ہو کر پانی پیتے تھے،

[108] = کنارے، [109] جدا، [110] شاید 'یاد' ہو، [111] شیشہ، [112] = پیچھے،

ص ۳۱۵ س ۱۱- ابو العلاء ابن الشخّير هو يزيد بن عبد الله ابن الشخّير روٰى عن ابيه و اخيه مطرّف و آخرين من الصحابة منهم النمر بن تولب المترجم، توفّی سنة ۱۱۱ ھ؛ انظر تراجمه فی التهذیب لابن حجر (۱۱ : ۳۴۱) و الطبقات (۷ ج ۱ : ۱۶۰) و اسد الغابة (۵ : ۱۱۶)؛

وهذا آخر ما تیسّر لنا من تعلیقات الکتاب،

تصحيح الاغلاط

المتعلّق بكتاب الكاف من تلخيص مجمع الآداب

سقط من اوّل الصفحة ٢٠٥ عبارةٌ نصّها :-

لمّا قُتِل أمر طاهر بن الحسين الكتّاب ان يكتبوا فى ذلك الى المأمون فكتب:

وانّ المخلوع؛

وهاك تصحيح باقى الاغلاط المهمّة

الصفحة	السطر	المطبوع	الصحيح
١١	٦	امرة	امرأة
١٨	٦	صار	فلك
٢٨	٩	دلرى	ذكرى
//	١٥	....	بمركب
٧٥	٣	سما	يتنتما
٢١٣	١٥	مى	دمى
٢١٦	٢	بن	من
٢٤٣	٢٠	٥٩٥ھ	٣٩٥ھ
٢٥٦	٢٠	لسان العرب	لسان العرب، وكان ضريراً؛
٢٨٠	١١	ويشخدوا	ويشحذوا
٣١٦	٢-٥	اعتذار الخ	لاحاجة اليه
٣١٧/١	٢٠	القزوينى ابزون	القزوينى ابن مهبرذ
٣١٧/٢	١	الكافى العمانى	ابزون بن مهبرذ الكافى العمانى

تصحیح الاغلاط

المتعلّق بالزیادات

لم اتمکّن من تصحیح ملازم "الزیادات" بنفسی فکثرت فیها الاغلاط واهمّها سقوط اعداد الصفحات المحوّلة علیها ـ وقد صحّحت ههنا الاهمّ منها، و یسهل علی القاری تصحیح الباقیة منها ،

ص	س	المطبوع	الصحیح
۱	۲	اخدمنا	خدمنا
۱۶	۱۶	۱۷۸ھ	۷۱۸ ھ
۲۲	۱۸	یحدّنا	یجرّنا
۲۴	۱۱	حد	طلت
۲۵	۱۱	ص س	ص۴۲ س ۴
〃	۱۹	هوبن	هومن
۳۴	۱۱	رفیع الدین	لرفیع الدین
۳۶	۳	الخربی	الخزی
۳۷	۱	نادهما	فاحدهما
۴۱	۱۳	الاشتغال	الا شغال
۴۳	۱	ص۶۹س	ص۶۸ س ۱۹
۴۵	۱۵	تلقبیه	تلقّبهٗ
۵۴	۱۸	باستعاره	باشعاره
۵۶	۳	ص	) ص۳۴ زیادات) و
۵۷	۵	اتانت	اتت
۵۷	۱۴	الحق	اُطُلِق
۶۳	۱۲	وانی	واتی
۶۴	۲۱	ج۳ ص	ج۳ ص ۱۶۸
۶۶	۶	جیش	حُبَیْش
۶۸	۲۰	یندمن	نجد من
۷۵	۲۱	موّل	عوّل
۷۷	۳۰	ج۱ ص	ج۱ ص ۶۲۵
۸۲	۵	ص س	ص ۲۶۵ س ۱۶
〃	۱۶	ص س	ص ۲۶۶ س ۴
〃	۱۹	ص س	ص ۲۶۶ س ۷

ص	س	المطبوع	الصحیح
۸۲	۲۰	بمرج	بساجهزاتکن
۸۳	۱	ص س	ص ۲۶۶ س ۱۰
〃	۱۱	ص س	ص ۲۶۹ س ۲
〃	۱۱	کمال الدین	کمال الدین محمد بن الفضل
〃	۱۶	ص س	ص ۲۷۱ س ۸
۸۴	۱	ص س	ص ۲۷۲ س ۱
〃	۴	ص س	ص ۲۷۴ س ۱
〃	۶	ص س	ص ۲۷۵ س ۴
〃	۷	فی	فی الاکمال
〃	۲۰	ص س	ص ۲۸۳ س ۲
۸۵	۳	ص س	ص ۲۸۹ س ۱۳
۸۵	۸	ص س	ص ۲۹۳ س ۴
〃	۱۷	ص س	ص ۲۹۳ س ۲
۸۶	۳	ص س	ص ۲۹۵ س ۸
〃	۹	ص س	ص ۲۹۶ س ۸
〃	۲۰	ص س	ص ۳۰۹ س ۵
۸۷	۲	ص س	ص ۳۱۱ س ۱
〃	۴	عہدی	احدٰی
〃	۱۷	ص س	ص ۳۱۲ س ۵
۸۸	۶	ص س	ص ۳۱۲ س ۱۵
〃	۹	ص س	ص ۳۱۳ س ۱۷
〃	۱۵	ص س	ص ۳۱۴ س ۱۰
〃	۱۹	ص س	ص ۳۱۴ س ۱۸

اورینٹل کالج میگزین (حصۂ اردو)

اس علمی ادبی اور تاریخی سہ ماہی رسالہ کا سالانہ چندہ عہ ہے۔ اس رسالہ کا ضمیمہ پنجاب یونیورسٹی عربک اینڈ پرشین سوسائٹی کی طرف سے شایع ہوتا ہے اس کا سالانہ چندہ عا ہے

یہ رسالہ ۱۹۲۵ء سے شایع ہو رہا ہے سابقہ نمبر تھوڑی سی تعداد میں باقی ہیں (بجز اگست ۱۹۲۵ء و ۲۶ء کے دو رسالوں کے کہ وہ ختم ہو چکے ہیں) قیمت فی نمبر " " عہ

ذیل کے مقالات اور کتابیں جو اس رسالہ میں شایع ہوئیں الگ بھی مل سکتی ہیں:-

(۱) ضمیمہ اورینٹل کالج میگزین جلد اول نمبر ۱ سلسلہ نمبر ۱
غزلیات حضرت امام العالم وغوث الاعظم امیر سید محمد الملقب بہ نوربخش قیمت ۴ر

(۲) سفرنامۂ چین ۱۴۱۹ء تا ۱۴۲۲ء یعنی مضمون و محصل روزنامچہ خواجہ غیاث الدین (نقاش) ایلچی بایسنغر میرزا بن شاہرخ میرزا بن امیر تیمور گورگان کہ حافظ ابرو در زبدۃ التواریخ درج نمودہ " " قیمت ۸ر

(۳) فہارس لسان العرب حصہ دوم (فہرست قوافی) از مولوی عبدالقیوم ایم۔اے۔ (زیر طبع)

(۴) مطلع سعدین از کمال الدین سمرقندی۔ مرتبہ پروفیسر محمد شفیع ایم۔اے پرنسپل اورینٹل کالج لاہور۔ ۲۲۴ صفحے چھپ چکے ہیں۔ باقی کتاب زیر طبع ہے۔

(۵) تلخیص مجمع الآداب فی معجم الالقاب۔ لابن الفوطی۔ جلد ۵۔ کتاب الکاف۔ قیمت عا ر

درخواستیں پرنسپل اورینٹل کالج لاہور کے نام آنی چاہئیں

اورینٹل کالج میگزین

حصہ اوّل

ایڈیٹر
محمد اقبال
(پروفیسر پنجاب یونیورسٹی)

اورینٹل کالج میگزین

عرضِ واجب

اغراض و مقاصد | اس رسالے کے اجرا سے غرض یہ ہے کہ احیا و ترویج علوم شرقیہ کی تحریک کو تا حدِ امکان تقویت دی جائے اور خصوصیت کے ساتھ ان طلبہ میں شوقِ تحقیق پیدا کیا جائے جو سنسکرت، عربی، فارسی اور دیسی زبانوں کے مطالعہ میں مصروف ہیں ؛

کس قسم کے مضامین کا شایع کرنا مقصود ہے | کوشش کی جائے گی کہ اس سلسلہ میں ایسے مضامین شایع ہوں جو مضمون نگاروں کی ذاتی تلاش اور تحقیق کا نتیجہ ہوں غیر زبانوں سے مفید مضامین کا ترجمہ بھی قابلِ قبول ہوگا اور کم ضخامت کے بعض مفید رسالے بھی باقساط شایع کئے جائیں گے ؛

رسالے کے دو حصے | یہ رسالہ دو حصوں میں شایع ہوتا ہے حصۂ اول عربی، فارسی، پنجابی (بحروفِ فارسی)، حصۂ دوم سنسکرت، ہندی، پنجابی (بحروف گورمکھی)، ہر ایک حصہ الگ الگ بھی مل سکتا ہے ؛

وقتِ اشاعت و قیمت اشتراک | یہ رسالہ بالفعل سال میں چار بار یعنی نومبر، فروری، مئی، اگست[1] میں شایع ہوگا، سالانہ چندہ حصۂ اُردو کے لئے ۲؎ اورینٹل کالج کے طلبہ سے چندہ داخلہ کے وقت وصول ہوگا۔ کسی سہ ماہی کے رسالہ کے نہ پہنچنے کی شکایت رسالہ شایع ہونے کی تاریخ سے ایک ماہ کے اندر دفتر میں پہنچ جانی چاہیئے۔ ورنہ ایسی شکایت پر غور نہ ہو سکے گا۔ یہ ایک ماہ کی مدت فروری، مئی، ستمبر اور نومبر کے آخر سے شمار کرنی چاہیئے ؛

خط و کتابت و ترسیلِ زر | خریدِ رسالہ کے متعلق خط و کتابت اور ترسیلِ زر صاحب پرنسپل اورینٹل کالج کے نام ہونی چاہیئے۔ مضامین کے متعلق جملہ مراسلات اڈیٹر کے نام بھیجنے چاہئیں،

محلِ فروخت | یہ رسالہ اورینٹل کالج کے دفتر سے خریدا جا سکتا ہے ؛

قلمِ تحریر | حصۂ اُردو کی ادارت کے فرائض پرنسپل محمد شفیع ایم اے اورینٹل کالج سے متعلق ہیں اور یہ حصہ ڈاکٹر محمد اقبال ایم اے، پی ایچ ڈی کی اعانت سے مرتب ہوتا ہے ؛

---

[1] چونکہ اگست میں کالج بند ہوتا ہے اسلئے یہ نمبر مجبوراً جون یا ستمبر میں شایع ہوتا ہے ؛

فہرستِ مضامین

جلد ۱۹ ۔ عدد ۱ | بابت ماہ نومبر ۱۹۴۲ء | عدد مسلسل ۷۱

نوٹ :- ضمیمہ صرف عربک اینڈ پرشین سوسائٹی کے ممبروں اور خریدارانِ ضمیمہ میں تقسیم ہوتا ہے۔

گیلانی الیکٹرک پریس سپتال روڈ لاہور میں باہتمام ہستہ الیشر داس پرنٹر طبع ہوا اور بابو صدیق احمد خان نے اورینٹل کالج لاہور سے شائع کیا۔

خان بہادر مولوی محمد شفیع صاحب ایم۔اے
ریٹائرڈ پرنسپل اورینٹل کالج۔

خان بہادر مولوی محمدؒ شفیع

تینتیس برس کی لگاتار اور ممتاز خدمات انجام دینے کے بعد ہمارے مکرّم پرنسپل خان بہادر مولوی محمدؒ شفیع صاحب پنجاب یونیورسٹی کی ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ جامعۂ پنجاب کے زمرۂ معلّمین میں آپ کی موجودگی یونیورسٹی کے لئے باعث فخر و مباہات تھی۔ اس طویل عرصے میں آپ نے جس قابلیت اور خوبی کے ساتھ اپنی کرسئ تدریس کو زینت بخشی وہ آپ کے ہمکاروں، شاگردوں اور ذی علم بزرگوں سے پوشیدہ نہیں ہے۔

آپ کا وطنِ مالوف شہر قصور ہے۔ جہاں آپ کی پیدائش ۱۶ اگست ۱۸۸۳ء کو ہوئی۔ ابتدائی تعلیم وہیں کے ہائی سکول میں پائی اور ۱۹۰۰ء میں امتحان انٹرنس پاس کرنے کے بعد آپ اسلامیہ کالج لاہور میں داخل ہوئے ۱۹۰۴ء میں آپ نے بی۔ اے کا امتحان درجہ اوّل میں پاس کیا۔ اور عربی اور فارسی میں صوبہ بھر میں اوّل رہے۔ اس نتیجے پر آپ کو یونیورسٹی کا وظیفہ اور کئی ایک امتیازی تمغے ملے۔ ۱۹۰۵ء میں آپ نے انگریزی میں ایم۔ اے پاس کیا۔ اور ایک سال بعد سنٹرل ٹریننگ کالج سے ایس اے وی کی سند حاصل کی، ۱۹۰۶ء میں آپ محکمۂ تعلیم کی ملازمت میں داخل ہوئے۔ اور کچھ عرصہ نارمل اسکول لاہور میں سیکنڈ ماسٹر اور ازاں بعد انسپکٹر مدارس رہے۔ ۱۹۱۳ء میں آپ نے پنجاب یونیورسٹی سے پرائیویٹ طور پر عربی میں ایم۔ اے کا امتحان درجہ اوّل میں پاس کیا۔ اور کامیاب طلبہ میں اوّل رہنے کی بنا پر کئی ایک انعام اور تمغے حاصل کئے۔ ۱۹۱۵ء میں پنجاب یونیورسٹی نے

آپ کو میکلوڈ عربک ریسرچ سکالرشپ عطا کیا۔ اور اس کے ساتھ ہی آپ کو گورنمنٹ آف انڈیا ریسرچ سکالرشپ ملا جو اُس زمانے میں خاص عربی کی اعلیٰ تعلیم یورپ جا کر حاصل کرنے کے لئے دیا جاتا تھا۔ چنانچہ اسی سال آپ عازم انگلستان ہوئے اور کیمبرج یونیورسٹی میں بحیثیت ریسرچ اسکالر داخل ہوئے۔ دو سال بعد ۱۹۱۷ء میں آپ نے وہاں سے بی۔ اے کی سند فضیلت حاصل کی۔ کیمبرج کے دوران قیام میں آپ کو ۱۹۱۸ء میں آئی۔ سی۔ ایس کے طلبہ کے لئے یونیورسٹی کی طرف سے اردو لیکچرر مقرر کیا گیا۔ ۱۹۱۹ء کے شروع میں آپ کیمبرج سے واپس لاہور آ کر پنجاب یونیورسٹی میں عربی کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ اور اس وقت سے لے کر ستمبر ۱۹۴۲ء تک اس عہدے پر فائز رہے۔ اس کے علاوہ آپ تقریباً پندرہ سال ۱۹۲۱ء سے ۱۹۳۶ء تک اورینٹل کالج لاہور کے وائس پرنسپل رہے اور بالآخر جنوری ۱۹۳۶ء میں ڈاکٹر وولنر آنجہانی کے انتقال کے بعد پرنسپل ہوئے۔ پونے سات سال اس عہدے کے فرائض انجام دینے کے بعد آپ ۳۰ ستمبر ۱۹۴۲ء کو بعزو افتخار سبکدوش ہوئے۔ آپ کے تمام رفقا اور شاگرد آپ کی علیحدگی سے متأثر ہیں۔

جناب خان بہادر صرف پروفیسر اور پرنسپل ہی نہ تھے۔ بلکہ یونیورسٹی کے اُن ارباب حل و عقد میں سے تھے جن کی رائے میں وزن اور بات میں اثر تھا۔ بیس سال سے زیادہ عرصے سے وُہ یونیورسٹی سنڈیکیٹ کے ایک منتخب ممبر ہیں۔ یونیورسٹی کے ہر شعبے کا انتظام اسی مجلس سے متعلق ہے۔ اور اس کا ہر ممبر ذمہ داری کا ایک بھاری بوجھ اپنی گردن پر رکھتا ہے۔

اس مجلس کے علاوہ وہ یونیورسٹی کی اور بے شمار کمیٹیوں اور بورڈوں

کے ممبر رہے اور ہیں۔ اور ممبر بھی نام کے ممبر نہیں بلکہ وُہ ممبر جن کی ذات سے ان کمیٹیوں کا سارا انتظام وابستہ ہے۔ جو لوگ پنجاب یونیورسٹی کی مشین کے چلنے اور کام کرنے کی کیفیت کو جانتے ہیں انہیں معلوم ہے کہ ایسے شخص کو سال کا بیشتر حصہ کس قدر شدید مصروفیت میں بسر کرنا پڑتا ہے۔ ان تمام مصروفیتوں کے علاوہ ایک کالج کی پرنسپلی اور درس وتدریس کے فرائض ایسے مشاغل ہیں۔ جو بالکل فرصت کا کوئی وقت باقی نہیں چھوڑتے۔ لیکن ہمارے مخدوم اُن شاذ لوگوں میں سے ہیں۔ جن کے قوائے جسمانی کو تھکن کا تجربہ نہیں ہوتا۔ نہ صرف یہ بلکہ ان تمام کاموں سے عہدہ برآ ہونے کے بعد انہوں نے تصنیف وتالیف کا مشغلہ بھی برابر جاری رکھا۔ آگے چل کر ہم اُن کی تالیفات اور مضامین کی فہرست دیں گے جو انہوں نے اپنی پروفیسری کے زمانے میں لکھے۔

اُن کے ذاتی خصایل میں یہ بات خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہے۔ کہ وُہ کبھی اپنی زندگی میں شہرت یا ستایش کے طالب نہیں ہوئے۔ پنجاب یونیورسٹی کی ملازمت کے زمانے میں انہوں نے بعض ایسی قابل تعریف خدمات انجام دی ہیں۔ جن کا بہت کم لوگوں کو علم ہے۔ یہ کہنا ہرگز مبالغہ نہیں ہے۔ کہ یونیورسٹی لائبریری کا شعبۂ فارسی وعربی جو قلمی اور دوسری نادر کتابوں کے اعتبار سے ہندوستان کے چند بہترین کتب خانوں میں سے ہے۔ اِن ہی کی مساعیِ جمیلہ سے ایسے عروج کو پہنچا ہے۔ اُنہوں نے نادر قلمی کتابوں کی تلاش میں بعض دور و دراز مقامات کے سفر کئے اور لائبریری کے لئے کتابیں بہم پہنچائیں۔ اورینٹل کالج میگزین جو سترہ سال سے قابل تعریف علمی خدمات انجام دے رہا ہے۔ انہی کی تحریک سے جاری ہوا تھا۔ پنجاب یونیورسٹی عربک وپرشین سوسائٹی ۱۹۳۲ء میں انہی کی کوشش سے وجود میں آئی۔

ان تمام علمی اور تدریسی خدمات کے صلے میں گورنمنٹ کی طرف سے آپ کو اسی سال "خان بہادر" کا گرانقدر خطاب عطا ہوا جو اُن کے لئے ہر طرح موزوں اور مناسب ہے۔

جناب خان بہادر کا سن اس وقت ایک کم ساٹھ ہے۔ لیکن بفضلہ تعالیٰ آپ کے جسمانی اور دماغی قویٰ عمر کے اعتبار سے بہت اچھی اور تندرست حالت میں ہیں۔ ہم دعا کرتے ہیں۔ کہ خدا کرے وُہ عرصۂ دراز تک اپنے علمی کارناموں سے ہمیں مشکور کرتے رہیں!

ذیل میں ہم اُن چند ممتاز جگہوں اور عہدوں کے نام لیتے ہیں۔ جن پر جناب ممدوح ملازمت کے دوران میں متمکن رہے:۔

۱۔ پروفیسر پنجاب یونیورسٹی .... از ۱۹۱۹ء تا ۱۹۴۲ء

۲۔ وائس پرنسپل اورینٹل کالج .... از ۱۹۲۱ء تا ۱۹۳۶ء

۳۔ پرنسپل اورینٹل کالج .... از ۱۹۳۶ء تا ۱۹۴۲ء

۴۔ فیلو پنجاب یونیورسٹی .... از ۱۹۱۹ء تا حال

۵۔ ممبر سنڈیکیٹ پنجاب یونیورسٹی .... از " "

۶۔ چیرمین عربک و پرشین بورڈ .... از " "

۷۔ ڈین اورینٹل فیکلٹی .... از ۱۹۳۳ء "

۸۔ چیرمین لائبریری کمیٹی .... از ۱۹۳۷ء "

۹۔ صدر عربک و پرشین سوسائٹی .... از " "

۱۰۔ صدر شعبۂ عربی و فارسی۔ آل انڈیا اورینٹل کانفرنس منعقدہ ٹراونکور ... ۱۹۳۷ء

تالیفات و مضامین از جناب خان بہادر مولوی محمد شفیع

(ا) کتب :-

۱- فہارس العقد الفرید۔ (سلسلہ مطبوعات پنجاب یونیورسٹی ۱۹۳۵ء و ۱۹۳۷ء
یہ کتاب مؤلف کی تقریباً پندرہ سال کی محنت کا نتیجہ ہے
پنجاب یونیورسٹی نے اسے بصرفِ زرِ کثیر شائع کیا۔
۲ جلد۔ تعداد صفحات ۱۴۰۰،

۲- تذکرۂ میخانہ شیخ عبدالنبی - فارسی متن مع حواشی و فہرست (لاہور ۱۹۲۶ء)
تعداد صفحات ۷۵۰،

۳- تتمہ صوان الحکمۃ - متن عربی مع حواشی و فہارس (سلسلہ مطبوعات
پنجاب یونیورسٹی ۱۹۳۵ء) تعداد صفحات ۲۶۰،

۴- تتمہ صوان الحکمۃ - متن فارسی (ایضاً صفحات ۱۳۴)،

۵- مطلع السعدین از عبدالرزاق سمرقندی - متن فارسی مع حواشی و فرہنگ
جلد اوّل - لاہور ۱۹۴۱ء -
جلد دوم زیرِ طبع ہے،

(ب) مضامین :-

۱- فرقۂ نور بخشی . . . . . . اورینٹل کالج میگزین - فروری و مئی ۱۹۲۵ء
۲- قصۂ امیر حمزہ . . . . . . " " - نومبر ۱۹۲۵ء و فروری ۱۹۲۶ء
۳- فہرست مصنفات شاہ رفیع الدین " " " - نومبر ۱۹۲۵ء
۴- رام پور کے دو کتب خانے - " " "
۵- لاہور قدیم - دارا شکوہ کا آئینہ محل - " " " - مئی ۱۹۲۶ء

۶۔ مثنوی گلستان خیال ...... اورینٹل کالج میگزین اگست ۱۹۲۶ء

۷۔ کتابخانہ ریاست کپورتھلہ ..... " " " اگست و نومبر ۱۹۲۷ء و فروری ۱۹۲۸ء

۸۔ فارسی تذکرے .... " " " " " " " "

۹۔ لاہور قدیم .... " " " " " " "

۱۰۔ پنجاب کے دو مشہور قصے (ہیر رانجھا و سسی پنوں) " " " " " " "

۱۱۔ رسالہ در معرفت عناصر و کائنات الجو .. " " " مئی ۱۹۲۸ء

۱۲۔ افغانان قصوری .... " " " اگست ۱۹۲۸ء

۱۳۔ خاندان سید الوزراء نظام الملک " " " نومبر ۱۹۲۸ء

۱۴۔ مبارز الدولہ میر ابراہیم خان خویشگی " " " مئی ۱۹۲۹ء

۱۵۔ فرقۂ نوربخشیہ کے حالات پر مزید روشنی " " " اگست ۱۹۲۹ء

۱۶۔ سفرنامۂ چین از زبدۃ التواریخ حافظ ابرو " " " نومبر ۱۹۳۰ء

۱۷۔ فہرست مصنفات علامہ شہرستانی .. " " " نومبر ۱۹۳۱ء

۱۸۔ بہاء الدین ابو محمد الخرقی ... " " " فروری ۱۹۳۲ء

۱۹۔ سفینۃ الاولیاء کا ایک نایاب نسخہ " " " مئی ۱۹۳۴ء

۲۰۔ سلطان حسین میرزا کے دربار میں علم و ہنر کی سرپرستی ...... " " " مئی ۱۹۳۴ء

۲۱۔ خط و خطاطان .... " " " اگست ۱۹۳۴ء و ۱۹۳۵ء

۲۲۔ شرح حال رشید الدین وطواط " " " نومبر ۱۹۳۴ء۔ فروری ۱۹۳۵ء مئی ۱۹۳۵ء و اگست ۱۹۳۶ء

۲۳۔ خطاطان سندھ .... " " " فروری ۱۹۳۵ء

۲۴۔ سندھ کے بعض کتبے ...... " " " فروری ۱۹۳۵ء و اگست ۱۹۳۷ء

۲۵۔ مطہر کٹڑہ . . . . اورینٹل کالج میگزین مئی ۱۹۳۵ء

۲۶۔ مسجد وزیر خاں لاہور کے بعض کتبات " " مئی ۱۹۳۶ء

۲۷۔ شہر قصور کے متعلق بعض اقتباسات " " فروری ۱۹۳۷ء

۲۸۔ خطاطی کے نمونے . . . . . . " " اگست ۱۹۳۷ء

۲۹۔ آداب الحرب والشجاعۃ . . . . . " " نومبر ۱۹۳۷ء

۳۰۔ وصف حرمین ۔ ماخوذ از ابن عبد ربہ (بزبان انگریزی)
در "عجب نامہ" (پروفیسر براؤن کی ساٹھویں
سالگرہ کے موقع پر شائع کیا گیا) کیمبرج ۱۹۲۲ء

۳۱۔ شالامار باغ (بزبان انگریزی) "اسلامک کلچر" جنوری ۱۹۲۰ء

۳۲۔ عمر خیام کا قدیم ترین تذکرہ (بزبان انگریزی) "اسلامک کلچر" اکتوبر ۱۹۳۲ء

۳۳۔ "زآب میاں" (بزبان انگریزی) روئداد ادارۂ معارف اسلامیہ۔
اجلاس اول ۱۹۳۳ء

۳۴۔ تین قدیم دستاویزیں" (بزبان انگریزی) روئداد ادارۂ معارف اسلامیہ۔
اجلاس دوم ۱۹۳۶ء

۳۵۔ مکتوبات رشید الدین فضل اللہ متعلق ہند۔ وولنر میموریل والیوم ۱۹۴۱ء

ایڈیٹر

پہلی صدی ہجری میں عرب عمّال کے ایرانی مسکوکات

سطور ذیل سے مقصد میرے مجموعۂ مسکوکات سے ان سکوں کی فہرست ناظرین کی خدمت میں پیش کرنا ہے جو عمّال عرب نے ایران میں جاری کیئے۔ یہ سکّے تمام تر پہلی صدی ہجری سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور ساسانی سلاطین کے سکوں کی تقلید میں لگائے گئے ہیں۔ یہ فہرست مختصر ہے۔ لیکن جو کچھ حاضر ہے۔ ہدیۂ احباب ہے۔ اس ملک میں ان قدیم سکوں کا دستیاب ہونا بہت دشوار ہے۔

حضرت فاروق اعظم کے عہد میں اسلامی فتوحات کا سیلاب ایران کی طرف بڑھتا ہے۔ قادسیہ اور نہاوند کی جنگوں نے ساسانی حکومت کا چراغ گل کر کے ایران کو خلافت اسلامیہ کا محکوم بنا دیا۔ اس سرزمین میں جگہ جگہ عربوں کی چھاؤنیاں قائم ہو گئیں۔ اور خلافت اپنے عاملوں کے ذریعہ سے اس پر حکومت کرنے لگی۔ ہم یہاں سیاسی حالات سے بحث کرنا نہیں چاہتے۔ نہ اس انتظام کا ذکر کرتے ہیں۔ جو عربوں نے ایران پر حکمرانی کے واسطے اختیار کیا۔ ہمارا تعلق مسکوکات سے ہے ان کے سلسلہ میں گاہ گاہ ہمیں تاریخ کی طرف رجوع کرنی پڑے گی۔

ایران میں آمد عرب کے وقت ساسانی سکّہ چل رہا تھا۔ جس پر کوئی مستقل سن نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ جلوسی جو ہر بادشاہ اپنے اپنے جلوس کی تاریخ کی یادگار میں اختیار کرتا تھا۔ ان میں دو قسم کے سکّے زیادہ مقبول معلوم ہوتے ہیں۔ جو خسرو پرویز اور یزدجرد خاتم شاہان ایران سے تعلق رکھتے ہیں۔ عربوں نے یزدجرد بالخصوص خسرو پرویز کے سکوں کی ہر دلعزیزی دیکھ کر انہی سکوں کو اپنے لئے نمونہ بنا لیا۔ چنانچہ یہ سکّے اپنی وضع قطع زبان و خط و دیگر امور میں

بالکل ایرانی سکوں کے مطابق تھے۔ اِن کی زبان پہلوی تھی۔ ایک طرف بادشاہ کی تصویر۔ منہ کے سامنے اس کا نام۔ گردن کے طرف بادشاہ کے واسطے دعا۔ حاشیے میں راست وچپ۔ پائین وبالا چار ہلال اور ستارے۔ سکے کی پشت پر دائرہ میں مقدس آگ کا مجمر۔ اس کے دائیں بائیں دو خدمتگزار دائرہ میں دائیں جانب شہر کا نام ترخیم شدہ شکل میں یعنے صرف ابتدا کے دو تین حروف درج ہوتے تھے۔ باقی حصہ حذف کر دیا جاتا تھا۔ دائرہ کی بائیں طرف تاریخ سال مرقوم ہوتی تھی۔ عربوں نے ان سکوں کو جوں کا توں قبول کر لیا۔ لیکن اس قدر ترمیم کی کہ اپنی حکومت کے اعلان کے واسطے رخ کی طرف جدھر بادشاہ کی تصویر ہوتی تھی۔ بیرون دائرہ حاشیے پر کوئی عربی کلمہ بخط کوفی جس میں زیادہ تر الفاظ 'بسم اللہ' یا 'بسم اللہ ربی' بہت عام ہیں۔ ایک طرف اضافہ کر دیا۔ باقی امور حسب دستور قدیم رہنے دئے۔ حتےٰ کہ بادشاہ کے نام تک کو نہیں بدلا۔ بلکہ سن بھی یزدجردی اختیار کر لیا۔ محققین کا خیال ہے کہ سکہ خواہ خسرو پرویز کے نام کا ہو یا یزدجرد کے نام کا۔ دونوں سکوں پر یزدجردی تاریخ قائم رہی۔ یزدجرد ۲۰ھ جلوس یزدجردی (مطابق ۳۱ھ) میں تک ایرانی آسیابان کے ہاتھ سے مرو میں مارا گیا۔ اسی تاریخ سے عربی سکے جن کو ہم 'بسم اللہی' کہیں گے شروع ہو جاتے ہیں۔ ۲۰ھ یزدجردی کے ایسے سکے موجود ہیں جن پر 'بسم اللہ' درج ہے۔ لیکن یہ لازمی نہیں کہ ہر عربی سکے پر 'بسم اللہ' ہو۔ ایسے سکے بھی کثرت سے ملتے ہیں جن پر 'بسم اللہ' یا کوئی اور اسلامی کلمہ مذکور نہیں۔ اور یزدجرد کے بعد لگے ہیں۔ جیسا کہ ان کی تاریخوں سے پتہ چلتا ہے۔ اور یہی تاریخیں ان کو یزدجردی سکوں سے ممیز کرتی ہیں۔ ایسے سکے اس مجموعے میں متعدد ہیں۔ یہ غالباً حضرت عثمان ۲۳ھ (مطابق

۱۲ سنہ یزدجردی (و ۳۱ھ مطابق ۲۶ سنہ یزدجردی) کا زمانہ ہے۔ جب پہلی مرتبہ مسلمانی سکے ایران میں لگنے شروع ہوتے ہیں۔ اور ہر ایسا سکہ جس پر ۲۰ سنہ یزدجردی سے بعد کی تاریخ ہے۔ سمجھ لینا چاہئے۔ کہ مسلمانی دور کا ہے۔ تقریباً نصف صدی ختم ہونے تک ان سکوں میں یزدجردی سن جاری رہا۔ بعد میں اس تاریخ کو موقوف کر کے ہجری تاریخ اختیار کر لی گئی۔ لیکن یہ تبدیلی غیر محسوس طور پر ہوئی ہے۔ اور ہم اپنی موجودہ معلومات کی روشنی میں کسی خاص سال تک اس کی حدبندی نہیں کر سکتے۔ یہ بھی دیکھا جاتا ہے۔ کہ ان والیوں کی دو مختلف شہروں کی ٹکسالوں میں سے ایک پر یزدجردی سن پایا جاتا ہے اور دوسری پر ہجری سن استعمال ہو رہا ہے۔ یا ایک ہی والی کے ابتدائی سکے ایرانی سن میں ہیں۔ اور بعد کے ہجری سن میں بلکہ بعض اوقات یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ کہ ایک خاص سکہ پر ہجری تاریخ ہے یا یزدجردی۔ اسی طرح ایک اور اشتباہ پیدا کرنے والا امر یہ ہے۔ کہ ایرانیوں نے یزدجرد کی وفات پر ایک جدید فارسی سن کا اجرا کیا تھا۔ جو یزدجردی سال سے بیس سال چھوٹا ہے۔ گمان گذرتا ہے۔ کہ یہ سن بھی سکوں میں استعمال ہوا ہے۔ یہ امور ہیں۔ جو بعض اوقات خاص خاص سکوں کی تاریخوں کی نسبت ہمارے لئے حیرانی اور تذبذب کا سامان بنتے ہیں۔

سکہ اگرچہ شاہی حقوق کے ذیل میں شمار ہوتا ہے۔ لیکن خلفائے راشدین میں سے کسی نے بھی سکوں پر اپنا نام درج نہیں کرایا۔ نہ انہوں نے سکہ چلایا نہ سکے پر ان کا نام آیا۔ بنو امیّہ نے اگرچہ سکے چلائے۔ لیکن انہوں نے تمام مدت خلافت میں اپنا نام سکوں پر نہ دیا۔ اگرچہ حضرت معاویہ اور عبدالملک ابن مروان کے ناموں کے چند سکے دستیاب ہوئے ہیں۔ لیکن یہ استثنا رقائم کرتے ہیں۔ نہ قاعدہ۔ بلکہ جب

عبدالملک نے ۷۵ھ میں خالص عربی طرز کے سکے اپنی قلمرو میں رائج کئے تب بھی ان خلفا کا نام سکوں پر نہ آیا۔ یہ خلفائے بنو عباس ہیں جن کا نام سب سے پہلے سکوں پر نمودار ہوتا ہے۔ ورنہ اس سے پیشتر حضرت عثمان اور حضرت علی کے دور میں سکوں پر یا تو خسرو پرویز کا نام لکھا جاتا تھا جو نہایت عام ہے یا یزدجرد کا نام دیا جاتا تھا۔ جو اتنا عام نہیں۔ بعض اوقات ہرمز کے نام کے سکے بھی ملتے ہیں۔ لیکن بعد میں عرب والیوں نے ان ساسانی سلاطین کا نام ہٹا کر اپنا نام درج کرنے کا دستور جاری کر دیا۔ یہ دستور مغربی محققین کے بیان کے مطابق ۴۱ھ سے شروع ہو کر جو حضرت معاویہ کی خلافت کا پہلا سال ہے ۷۵ھ تک جو عبدالملک بن مروان کی حکومت کا آخری سال ہے۔ قائم رہتا ہے۔

میرے پاس جو سکے ہیں زیادہ تر بنو امیہ کے بعض عمال سے متعلق ہیں۔ ان میں حضرت عبداللہ ابن زبیر اور ان کے والیوں کے سکے بھی شامل ہیں جنہوں نے جداگانہ خلافت قائم کر کے ایک عرصہ تک خراسان پر اپنے عاملوں کے ذریعہ سے حکومت کی ہے۔ ان کے نام حسب ذیل ہیں:-

۱۔ عبداللہ ابن عامر۔ ۲۔ زیاد ابن ابوسفیان۔ ۳۔ عبیداللہ ابن زیاد۔
۴۔ سلم ابن زیاد۔ ۵۔ عبداللہ ابن زبیر۔ ۶۔ عبداللہ ابن حازم۔
۷۔ طلحہ ابن عبداللہ۔ ۸۔ عمر ابن عبیداللہ۔

یہاں ان عرب عاملوں کے مختصر حالات دئے جاتے ہیں جو زیادہ تر تاریخ سیستان اور مسٹر جان واکر کی فہرست عرب ساسانی مسکوکات طبع ۱۹۴۱ء کے دیباچہ سے ماخوذ ہیں۔

۱۔ عبداللہ ابن عامر بن کریز:- ۲۹ھ میں حضرت عثمان نے ابوموسیٰ اشعری کو ایالت بصرہ اور عثمان ابن العاص کو فارس کی حکومت سے معزول کر کے دونوں

علاقے عبداللہ ابن عامر کے حوالے کر دئے۔ عبداللہ کی عمر اس وقت صرف پچیس
برس کی تھی۔ اس نے کچھ عرصہ بصرہ میں قیام کیا۔ اس کے بعد زیاد بن ابیہ کو اپنی
نیابت کے واسطے بصرہ میں چھوڑ کر ایران آگیا۔ اصطخر فتح کیا۔ خرۂ اردشیر پر
جنگ کی۔ گازرون اور داراب جرد مسخر کرنے کے بعد پھر خرۂ اردشیر پر آدھمکا۔
اس دفعہ اس پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ جب یزدجرد ساسانی بھاگ کر
مرو میں پناہ گزین ہوا۔ عبداللہ بن عامر نے مجاشع بن مسعود التمیمی کو اس کے تعقب
میں روانہ کیا۔ مجاشع نے سیرجان پر قبضہ کیا۔ سنہ ۳۰ھ میں عبداللہ نے مجاشع کو
سیستان کی تسخیر کے واسطے رخصت کیا۔ سیستانی بڑی بیجگری کے ساتھ لڑے۔
بہت مسلمان مارے گئے۔ مجاشع ناکام واپس لوٹا۔ جب دربار خلافت میں اس
مہم کی ناکامی کی اطلاع پہونچی۔ آپ نے ربیع بن زیاد الحارثی کو بڑی فوج کے ساتھ
عبداللہ ابن عامر کے پاس بھیجا کہ اس کو سیستان کی مہم پر مقرر کرو۔ عبداللہ نے
تعمیل ارشاد میں ربیع کو سیستان روانہ کیا۔ اس نے جا کر یہ صوبہ فتح کر لیا۔ بعد
میں ربیع غزنین تک پہونچا۔ اور بست ہوتا ہوا عبداللہ بن عامر کے پاس پہونچ
گیا۔ سیستانیوں نے موقع پا کر بغاوت کر دی۔ اس مرتبہ ان کی سرکوبی کے واسطے
عبداللہ ابن عامر نے ۳۳ھ میں حسب الحکم خلافت عبدالرحمٰن بن سمرہ کو مقرر
کیا۔ اس نے بغیر لڑے بھڑے سیستانیوں سے معاملہ کر لیا۔ ۳۵ھ میں حضرت
عثمان کی شہادت کا حادثہ پیش آیا۔ جس سے تمام معاملات خلافت درہم وبرہم
ہو گئے۔ حضرت علی کی خلافت کے زمانہ میں عبداللہ ابن عامر کو خلافت کے
نزاع میں حصہ لینا پڑا۔ جنگ جمل میں وہ ام المومنین کے طرفداروں میں تھا۔ جب
۴۱ھ میں حضرت معاویہ کا دور حکومت آیا۔ انہوں نے ایالت بصرہ دوبارہ عبداللہ
ابن عامر کے سپرد کر دی۔ جس کے ساتھ خراسان وسیستان کا علاقہ بھی شامل

تھا۔ عبداللہ سب سے پیشتر سیستان آیا۔ اس کا مقدمہ احنف بن قیس کے حوالے تھا۔ کچھ مدت کے بعد خراسان گیا۔ اور نشاپور میں اپنا خلیفہ مقرر کیا۔ ۴۴ھ میں عبداللہ بن عامر معزول ہوتا ہے۔ اور اس کا عہدہ زیاد ابن ابیہ کے سپرد ہوتا ہے۔

۲۔ زیاد ابن ابیہ:۔ یہ اپنے عہد کا سب سے مشہور و معروف شخص ہے۔ ابتدا میں بصرہ میں عبداللہ بن عامر کا دبیر تھا۔ اس کی کارگذاری سے خوش ہوکر عبداللہ نے ایران جاتے وقت بصرہ کی حکومت اس کے تفویض کی۔ حضرت معاویہؓ نے اس کو اپنا بھائی تسلیم کرکے ایالت بصرہ اس کو عنایت کی۔ چنانچہ اب وہ زیاد ابن ابوسفیان کہلانے لگا۔ کچھ عرصہ کے بعد کوفہ کی عملداری اس کے حوالہ ہوئی۔ زیاد نے سیستان میں ربیع الحارثی کو اپنا نائب بنا کر بھیجدیا۔ ۵۱ھ میں عبیداللہ ابی بکرہ کو حکومت سیستان دی۔ زیاد نصف سال بصرہ میں اور نصف سال کوفہ میں گذارتا۔ اس کی غیرحاضری میں بصرہ میں سمرہ ابن جندب اور کوفہ میں عبداللہ خالد نیابت میں کام کرتے۔ مورخین نے زیاد کی تاریخ وفات ۵۳ھ دی ہے۔ لیکن مسکوکاتی شہادت اس بیان کی تائید نہیں کرتی۔ اس کے سکے ۵۶ھ تک کے ملتے ہیں۔

۳۔ عبیداللہ بن زیاد: جب حضرت معاویہ کو زیاد کی وفات کی خبر پہونچی۔ آپ نے ۵۳ھ میں ایالت خراسان اس کے فرزند عبیداللہ کے حوالے کی۔ عبیداللہ نے اپنے بھائی عبّاد بن زیاد کو سیستان کا حاکم مقرر کیا۔ اسی عبّاد کے عہد میں عرب شاعر ابن مفرغ نے سیستان میں عبّاد، اس کے باپ زیاد اور دادی سمیہ کی ہجویں لکھی ہیں جو ان ایام میں بہت مشہور ہوئیں۔ عبّاد نے تنگ آکر شاعر کو قید کردیا۔ قید میں اس نے سکی پی اس کو کالے دست آئے۔ ایرانی بچے یہ ماجرا

دیکھ کر پکار اٹھے - این چیست - این چیست - ابن مفرغ نے اس ناگفتنی حالت میں بھی اپنی شاعری یاد رکھی اور فارسی میں یوں جواب دیا ؎

آبست و نبیذ است عصارات زبیب است
و دنبۂ فربہ و پی است و سمیہ روسپی است

سمیہ زیاد کی ماں کا نام تھا - چونکہ زیاد کا باپ نامعلوم تھا - اس لئے عرب اس کو زیاد ابن ابیہ کہتے ہیں - فارسی زبان میں یہ قدیم ترین شعر مانے جا سکتے ہیں - ان سے ظاہر ہوتا ہے - کہ یہ عرب ہیں جو فارسی میں ابتداءً شعر گوئی شروع کرتے ہیں - بعد میں ایرانی تقلیداً اس فن کو اختیار کرتے ہیں -

زیاد کے فرزندوں میں عبید اللہ سب سے زیادہ شہرت اور قابلیت کا مالک ہے - اس نے ماوراء النہر پر حملے کئے - بخارا تک پہونچا - اس مہم کے بعد وہ عراق بلوا لیا گیا - یہاں آکر خارجیوں کا معرکہ اس نے نہایت کامیابی سے سر کیا - ۶۰ھ میں جب یزید بر سر حکومت آیا - اس نے کوفہ اور بصرہ کی دونوں ایالتیں عبید اللہ کے تفویض کر دیں - واقعۂ کربلا یعنی حضرت امام حسین کی شہادت عبید اللہ کے دامن پر ایسا داغ ہے جس نے ہمیشہ کے واسطے اس کو مسلمانوں کی نگاہ میں ذلیل و رسوا کر دیا ہے -

۶۴ھ میں یزید کی موت پر عبید اللہ نے اپنے واسطے رعایا سے بیعت لینی چاہی - بصری اس قدر برہم ہوئے - کہ مجبوراً اسے عراق سے نکلنا پڑا - شام پہونچ کر معاویہ ثانی کی وفات کے بعد اس نے نئے خلیفہ مروان کی شدت کے ساتھ امداد کی - مروان نے عراق کی تسخیر کے لئے اسی کو تعین کیا - یہ لڑائی دیر تک چلتی رہی حتٰے کہ مروان کا فرزند عبد الملک بر سر حکومت آیا - ۶۷ھ میں موصل کے قریب دریائے زاب کے کنارے وہ لڑائی میں قتل ہوا اور اس کا

سرمختار کے پاس کوفہ میں بھیجدیا گیا۔ جو سلوک اس نے حضرت امام حسین کے سر کے ساتھ کیا تھا۔ وہی سلوک اس کے سر کے ساتھ ہوا اور شہدا کربلا کا انتقام پورا ہوا۔

عبیداللہ کے سکے کثرت سے ملتے ہیں۔ جن میں ذیل کی ٹکسالیں معلوم ہیں:۔

۱۔ ابرشہر (نیشاپور)، ۲۔ ایران (سوسا؟)، ۳۔ آذربائیجان، ۴۔ بلخ، ۵۔ بہ قباد، ۶۔ بیشاپور، ۷۔ بصرہ، ۸۔ دارابجرد، ۹۔ سکستان (سیستان)، ۱۰۔ کرمان، ۱۱۔ نہاوند، ۱۲۔ رے، ۱۳۔ دشت میسان، ۱۴۔ اصطخر، ۱۵۔ زرنج وغیرہ اور ان ٹکسالوں پر تینوں سن یعنے یزدجردی۔ ہجری اور سن مابعد یزدجردی استعمال ہوئے ہیں۔

۴۔ سلم ابن زیاد:۔ جب یزید ابن زیاد کو کابل میں جہاں وہ ایک بغاوت فرو کرنے گیا تھا۔ شکست ہوئی اور اکثر اہل اسلام قتل اور اسیر ہوئے۔ مقتولین میں یزید تھا۔ اور اس کا بھائی ابوعبیدہ بن زیاد اسیروں میں شامل تھا جب اس ہزیمت کی خبر شام میں یزید بن معاویہ کو پہونچی۔ اس نے سلم بن زیاد کو خراسان اور سیستان کی حکومت پر روانہ کیا۔ سلم اپنے بھائیوں میں سب سے زیادہ سخی مانا جاتا ہے۔ اور عربی منقولہ "اَجْوَدْ مِن بَنِی زِیاد" اسی کے حق میں کہا گیا ہے۔ سلم نے ترکوں کے خلاف جنگ کی۔ اور سمرقند تک یورش کی۔ یہاں اس کو کافی کامیابی ہوئی۔ مگر یزید کی موت پر سلطنت کے معاملات درہم برہم ہوگئے تو سلم نے اس وقت اپنے واسطے بیعت کی کوشش کی۔ لیکن اس کو بھی اپنے بھائی عبداللہ کی طرح بھاگ کر جان بچانی پڑی۔ ۷۳ھ میں سلم نے وفات پائی۔ سلم کے زمانہ میں خراسان میں دوعملی ہوگئی ہے۔ ۶۴ھ میں حضرت عبداللہ

ابن زبیر نے اپنی خلافت کا اعلان کر دیا۔ خراسان میں ان کا عامل عبداللہ ابن خازم تھا۔ اس لئے ان حریف دعویداروں میں دیر تک جنگیں ہوتی رہیں۔ آخر میں سلم کو ہزیمت ہوئی۔

۵۔ طلحہ ابن عبداللہ بن خلف الخزاعی۔ جو طلحۃ الطلحات کے نام سے مشہور ہے۔ سلم بن زیاد نے اسے سیستان کا والی مقرر کیا۔ عمر طلحہ کا بھائی اس کا سپہ سالار تھا۔ طلحہ نہایت نیک طبیعت اور سمجھ دار انسان تھا۔ سخاوت شجاعت اور عدالت میں اپنا نظیر نہ رکھتا تھا۔ اس کے اخلاق اور حسن سلوک سے سارے سیستانی اس کے گرویدہ ہو گئے۔ کابل کے قیدیوں کو جن میں ابو عبیدہ ابن زیاد اور دوسرے مسلمان شامل تھے۔ پانچ لاکھ زر فدیہ ادا کر کے رہا کروایا ۶۲ھ کے آخر میں یزید نے طلحہ کی جگہ پر اسود بن سعید کو سیستان بھیجدیا۔ کچھ عرصہ کے بعد اسی منصب پر محمد بن طلحۃ الطلحات کی تقرری ہوئی۔ سال بھر بعد ۶۴ھ میں یہی منصب دوبارہ طلحہ کی طرف رجوع ہوا۔ طلحہ نے سیستان پہونچکر اپنے فرزند کو اپنا خلیفہ مقرر کیا۔ سیستانیوں میں طلحہ کی ہر دل عزیزی بہت بڑھی ہوئی تھی۔ اور اس کو بھی ان سے بے حد محبت تھی۔ وہ اپنی وفات تک اسی ملک میں رہا۔ طلحہ نے اپنے فرزند کو وصیت کی۔ کہ میری وفات پر مجھ کو اسی سرزمین میں دفن کرنا۔ چنانچہ اس کی وصیت پر عمل ہوا اور "تھل مہاجر" میں اس کو دفن کیا۔

سطور بالا میں عمال بنوامیہ کا ذکر ہوا ہے۔ ذیل میں دوسرے دعویدار خلافت حضرت عبداللہ ابن زبیر اور ان کے بعض والیوں کے حالات حوالہ قلم کئے جاتے ہیں۔

۶۔ حضرت عبداللہ ابن زبیر:۔ خلیفۂ اول حضرت ابو بکر کے نواسے ہیں جنگ جمل میں اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ پیادوں کی فوج کی افسری کی۔ جب حضرت

معاویہ نے یزید کے واسطے بیعت لینی چاہی - یہ امر حضرت عبداللہ کو ناگوار گذرا۔ لیکن حضرت معاویہ کے انتقال تک خاموش رہے - جب یزید تخت نشین ہوا۔ آپ نے مخالفت کی۔ اور خلافت کے دعویدار ہوئے - یزید نے ایک فوج ان کے خلاف مدینہ بھیجی - مدینہ بری طرح سے غارت ہوا۔ یہ ۶۳ھ کا واقعہ ہے۔ دوسرے سال یزیدی فوجوں نے مکہ کا محاصرہ کیا - جو حضرت عبداللہ ابن زبیر کا دارالخلافہ تھا۔ جنگ کے دوران میں کعبہ کو جلا دیا گیا - اور مکہ کا بھی شاید وہی حشر ہوتا - جو سال گذشتہ مدینہ کا ہوا تھا - مکہ والوں کی خوش قسمتی سے عین اس موقعہ پر یزید کی موت کی خبر پہونچی - اب حضرت عبداللہ ابن زبیر کا ستارہ اوج پر تھا - نہ صرف حرمین شریفین میں ان کو خلیفہ مان لیا گیا - بلکہ مصر و بصرہ و کوفہ بھی ان کے حلقۂ اطاعت میں آ گئے - ابتدا میں انہوں نے حارث بن عبداللہ کو عراق کی حکومت پر مقرر کیا - پھر اس کو معزول کر کے اپنے بھائی مصعب بن زبیر کی تقرری کی - قصہ مختصر مصعب عبدالملک بن مروان کے ساتھ جنگ میں مارے گئے اب عبدالملک نے حضرت عبداللہ ابن زبیر کے خلاف حجاج بن یوسف کو روانہ کیا اس نے مکہ کا محاصرہ کیا - حرم میں منجنیقیں لگائیں - آخر ۷۳ھ میں حضرت عبداللہ ابن زبیر شہید ہوئے -

۷ - عبداللہ ابن خازم :- اس کا نام پہلی مرتبہ صوبۂ خراسان کی فتوحات میں نظر آتا ہے - ۳۲ھ میں فتح ہرات کے وقت وہ عبداللہ ابن عامر کی فوج کا سالار تھا سال آئندہ میں خراسان کی ایالت اس کے حوالہ ہوئی - جس منصب پر حضرت علی کی خلافت کے زمانہ تک سرافراز رہا - حضرت علی نے خراسان پر اپنا آدمی بھیجا لیکن ۴۱ھ میں جب معاویہ خلیفہ ہوئے - عبداللہ ابن خازم اپنے عہدہ پر بحال کر دیا گیا اور ۴۴ھ تک اسی منصب پر ممتاز رہا - بالآخر اس نے بنو امیہ کی بیعت توڑ دی - اور

خلافت حضرت عبداللہ ابن زبیرکا۔ گرم طرفدار بن گیا۔ عبدالملک نے سات سال کے خراج خراسان کی معافی کا لالچ دے کر اسے توڑنا چاہا۔ مگر وُہ قابو میں نہ آیا۔ ۶۴ھ میں اس نے سلم بن زیاد کو شکست دے کر نکال دیا۔ اس کے بعد وُہ اپنی وفات تک جو ۷۲ھ میں ہوتی ہے۔ خراسان کا واحد مالک بنا رہا۔

۸۔ عمر ابن عبیداللہ بن معمر:۔ حضرت عبداللہ ابن زبیر کی خلافت کے زمانہ میں کچھ مدت کے واسطے بصرہ کا عامل رہا۔ پھر یہ عہدہ حارث ابن عبداللہ ابن ابی رابعہ کو مل گیا ۶۸ھ میں عمر فارس کا عامل بنا۔ جہاں حضرت مصعب ابن زبیر نے اس کو خوارج کے خلاف بھیجا تھا۔ یہ مہم کامیاب ثابت نہ ہوئی۔ بالآخر وہ بنو امیہ کے تابعین میں شامل ہوگیا۷۳ھ میں وہ بحرین کی مہم پر بھیجا۔ عمر کے سکے ۶۷ھ سے ۷۰ھ تک کے ملتے ہیں۔

ٹکسالوں پر نوٹ معلوم ہوتا ہے۔ کہ ساسانیوں میں دارالضربوں کے اسمار کا مکمل شکل میں نہیں بلکہ مخفف شکل میں لکھے جانے کا دستور قائم تھا۔ یعنے دارالضرب کے نام کے صرف ابتدائی حروف درج ہوتے تھے۔ عربوں نے اپنے دور میں اس روایت پر بھی عمل کیا۔ اس عہد کے لوگوں کے لئے ان مخفف ناموں کا معلوم کرنا کوئی دشوار امر نہیں تھا۔ لیکن فی زمانہ یہ نام جن کا اکثر حصہ حذف شدہ ہے۔ سخت دشواری کے موجب بنے ہیں۔ مغربی محققین نے بڑی جدوجہد اور تلاش و تحقیق کے بعد ان ٹکسالوں کے پورے نام دریافت کئے ہیں۔ بعض ایسی ٹکسالیں بھی ہیں جو اس وقت تک عقدۂ لاینحل ثابت ہوئی ہیں۔ میرا مقصد مثالوں سے زیادہ واضح ہوسکتا ہے:۔

مثلاً "اط" سے مقصد اصطخر ہے۔ "ا ہ م" سے مراد ہمدان ہے۔ "ب ی ش" بیشاپور ہے۔ "ب ل ح" بلخ ہے۔ "دا" داراب جرد۔ "م ر" مرو۔ "ن ہ" نہاوند۔

'رد' رے - 'ش ی' الشیرجان - 'س ک' سکستان (سیستان) - اور 'زر'
زرنج ہے -

یہ وہی دارالضرب ہیں - جو میرے مجموعہ میں موجود ہیں - اور جن کی فہرست آگے آتی ہے - جغرافیائی لحاظ سے ایران کے نقشہ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا - کہ بلخ اور مرو صوبہ خراسان میں - اصطخر - بیشاپور - اردشیرخرہ اور داراب جرد فارس میں - رے - ہمدان اور نہاوند جبال میں - الشیرجان کرمان میں اور السوس خوزستان میں واقع ہیں -

بعض ایسی ٹکسالیں ہیں - جن کی سراغ رسانی سے میں عاجز ہوں - نہ وہ مسٹر جان واکر کی ٹکسالوں کی فہرست میں شامل ہیں - مثلاً "بیار" جو میرے خیال میں پہلوی خط نہیں ہے - اگرچہ وہ کوفی سے ملتا جلتا ہے لیکن کوفی بھی نہیں ہے - ایک اور نامعلوم ٹکسال "س" ہے - جو واکر کے ہاں بھی درج نہیں - اسی طرح ایک ٹکسال "ــ" نامعلوم ہے - "ٹ" ایک اور دارالضرب ہے - جو 'ب ج' معلوم ہوتی - واکر کی فہرست میں درج ہے - لیکن وہ اس پر کوئی روشنی نہیں ڈال سکے -

پہلوی خط کی اشکال

یہ امور پہلوی خط کی اشکال کی طرف ہماری توجہ مبذول کرتے ہیں - اس زبان میں کلہم سولہ حروف ہیں جن کے ذریعہ سے، عربی کی اٹھائیس اصوات ادا کی گئی ہیں - یہ امر بجائے خود پیچیدہ اور پریشان کن ہے اس پر طرہ یہ کہ جب مفردات کو مرکب شکل میں لکھا جاتا ہے - حروف کا وصل بے قاعدہ صورت میں کیا جاتا ہے - جس سے ہماری دقت اور بھی المضاعف ہو جاتی ہے - ہم میں فی زمانہ ایک ایسی آسان پسند جماعت پیدا ہو گئی ہے - جس پر عربی حروف کی مرکباتی صورت بے حد گراں گذرتی ہے - اگر وہ پہلوی کی بے قاعدگیاں

دیکھیں گے تو خدا جانے کیا کہیں گے۔ پہلوی میں 'سین' جو ہمارے شین کے مطابق ہے۔ کبھی 'ش' ہے۔ کبھی 'اس'، کبھی 'سی'۔ کبھی 'دس'۔ اور کبھی 'سد' ہے۔ اسی طرح "س" 'او'۔ 'ہو'۔ 'ان'۔ 'ہن'۔ 'ار'۔ اور 'ہر' کی آوازیں دیتا ہے۔ اگر ہم کسی پہلوی فرہنگ کی ورق گردانی کریں۔ تو معلوم ہو گا کہ صرف ایک ہی کلمہ جو سہ حرفی ہے۔ مختلف آوازیں اور مختلف معنی دیتا ہے۔ یعنے اسی ایک شکل سے بیسیوں لفظ بن جاتے ہیں۔ جو صوت اور معنوں میں بالکل متغائر ہیں۔

پہلوی کے بعض مفردات کوفی کے مفردات سے ملتے جلتے ہیں۔ مثلاً ب، ہ، و، ش۔ ط۔ ل۔ م۔ ن، تو تقریباً مطابق ہیں۔ پہلوی بھی عربی کی طرح راست سے چپ کی طرف لکھی جاتی ہے۔ کہا جا سکتا ہے۔ کہ پہلوی کے نصف حروف کوفی کے ساتھ مل رہے ہیں۔ لیکن تحریر میں حرفوں کے جوڑنے میں بے ضابطگی ہماری نگاہ میں اسے زیادہ ڈراؤنا بنا دیتی ہے۔ اس میں ایک حد تک اس خط کے ساتھ ہماری عدم مزاولت بھی شامل ہے۔

عرب والیوں کے مسکوکات میں پہلوی اور عربی کے علاوہ کم از کم دو قسم کے اور خط یا اُن کی علامات ملتی ہیں۔ پہلا خط غالباً ہیطلی یا ہبتالی ہے جو ماوراء النہر میں رائج تھا۔ عرب ہیطل سے مراد تمام بلاد ماوراء النہر لیتے ہیں۔ جن میں بخارا۔ سمرقند و خجند و دیگر بلاد ترکستان شامل ہیں۔ شاہنامہ میں ہیتال ایک قوم کے نام کی حیثیت سے آرہا ہے۔ نوشیرواں کے حالات میں فردوسی نے ایک داستان در رزم خاقان با غاتفر سالار ہیتالیاں لکھی ہے۔ جو اس شعر سے شروع ہوتی ہے ؎

کنون رزم خاقان و ہیتال گیر چو رزم آمدت پیش گوپال گیر

فردوسی غاتفر کا دار السلطنت بخارا بتاتا ہے۔

ہیطلی سکوں کے نمونے میرے پاس نہیں ہیں۔ البتہ بعض سکوں پر

ہیطلی دارالضرب کی تصدیقی علامت موجود ہے۔ بعض مہریں ہیں جن پر یہ خط درج ہے جان واکر نے چار سکے جو پہلوی ہیتیلی اور عربی خطوں میں ہیں اپنی فہرست میں دیئے ہیں۔

ان سکوں کی دیگر خصوصیات میں کہا جاتا ہے۔ کہ جس قدر عربی کلمے آئے ہیں سب کے سب رخ کی طرف جدھر بادشاہ کی تصویر ہے۔ دائرہ سے باہر حاشیہ پر درج ہیں۔ صرف ع۴۲ مستثنیٰ ہے جس میں سکہ کی پشت پر حاشیے میں "ضرب بالمشرق" ملتا ہے۔ ان سکوں میں یہ عربی الفاظ ملتے ہیں:۔

۱۔ "بسم اللہ": ع۵۱، ع۵۶، ع۶۰، ع۶۲، ع۶۶، ع۶۷، ع۷۳۔ ۲۔ "بسم اللہ ربی": ع۴۰، ع۴۱، ع۴۸، ع۴۹، ع۵۰، ع۵۳، ع۵۴، ع۵۶، ع۶۴۔ ۳۔ "للہ" ع۲۔ ۴۔ "للہ الحمد": ع۶۱۔ ۵۔ "اللہ ولی عوہ": ع۵۳، ع۵۴۔ ۶۔ "جائز": ع۴۹۔ بعد میں ٹکسال والوں نے تصدیق میں لگایا ہے۔ ۷۔ "برکۃ للہ": ع۵۵، ع۵۷، ع۵۹۔ ۸۔ : ع۵۴۔ جان واکر اس کو "ضرب بالمشرق" پڑھتے ہیں۔ مگر میرے ہاں میم کے بعد صاف جیم یا خے ہے۔ ۹۔ "ﷴ ﷴ" یہ عربی نہیں ہے۔ شاید ہیطلی ہو۔ جان واکر کی فہرست میں ع۱۸، پلیٹ II 2 پر اس کی شکل کسی قدر مختلف ہے۔ یعنی آخری حرف جو انگریزی ڈبلیو معلوم ہوتا ہے۔ ان کے ہاں انگریزی این کے ہم شکل ہے یعنی "ﷴ ﷴ z":۔ اس علامت سے کیا مراد ہے میں نہیں جانتا۔ بہرحال یہ علامت اصلی ہے نہ وصلی یعنے بعد میں کسی نے نہیں بنائی۔ ایسی علامت پشت پر نظر ڈالنے سے صاف معلوم ہو جاتی ہے کیونکہ ٹھپہ کا اثر دوسری جانب سطح کے ابھر جانے سے نمودار ہو جاتا ہے۔

ذیل میں بعض ٹکسالی جائزوں کی علامتوں کا ذکر کیا جاتا ہے:۔

۱۰۔ "ال بور ۲": ع۵۵، ع۵۷، ع۵۹۔ لیکن ع۶۴ پر زیادہ واضح ہے۔ جہاں

بشکل "ال یورم" ہے۔ اگر اس کو عربی مانا جائے۔ تو 'البرزنج' یا 'اُلبرزین' پڑھ سکتے ہیں۔ لیکن میں خیال کرتا ہوں کہ یہ عربی نہیں ہے۔ اگرچہ اس کے مشابہ ضرور ہے۔ یہ دارالضرب کی تصدیقی علامت ہے۔ مسٹر واکر کے ہاں اس کا ت/۲۵ ہے۔

۱۱۔ سکہ ت/۶۲ پر دو جائزوں کی علامت ہے۔ ان جائزوں کا نمبر واکر کے ہاں ت/۱۲ ، ت/۳۴ ہے۔

۱۲۔ سکہ ت/۶ پر ایک حیوانی چہرہ کی علامت ہے۔ جو واکر کے ہاں کے ع/۲ سے ملتا جلتا ہے۔

۱۳۔ سکہ ت/۲۶ پر پرندہ کی شکل کی علامت'

۱۴۔ سکہ ع/۲ پر علامت "۴صو" جو مسٹر واکر کے جائزوں کی علامات میں شامل نہیں۔

۱۵۔ سکہ ت/۳۲ پر علامت مثل چہرۂ خوک۔ یہ علامت مسلمانی نہیں ہو سکتی۔

چند الفاظ ان سکوں کی تاریخوں کے متعلق بھی کہنے چاہئیں۔ جن کی ترتیب فارسی ترتیب کے برعکس ہے۔ اور عربی کے مطابق ہے۔ فارسی میں عشرات احاد سے پہلے آتے ہیں۔ مثلاً بست و پنج۔ سی و ہفت۔ چہل و یک وغیرہ لیکن ان سکوں پر لکھا ہے۔ "پنج و ست"۔ "ہفت سہ" اور "یا چہل"

تاریخیں چونکہ مختلف سنوں میں دی گئی ہیں۔ اس لئے ان کی شناخت کے واسطے عمّال کے حالات اور ان کے تاریخی واقعات کے ساتھ ان تاریخوں کو تطابق دینا نہایت ضروری ہے۔ مثال میں سکستان (سیستان) کے سکہ ت/۶۳ 'سنہ ۲۰ھ' کو لیجیے۔ بقول صاحب تاریخ سیستان یہ ملک سنہ ۳۰ھ میں ربیع بن زیاد بن اسد الدیّال کے ہاتھ پر فتح ہوتا ہے۔ اس لئے اس سکہ کا سنہ ۲۰ھ ہجری سن نہیں مانا جا سکتا۔ بلکہ یزدجردی جو سنہ ۳۱ھ کے مطابق ہے۔ گویا یہ سکہ سیستان کے تعلق میں نہایت قدیم

ہے۔یعنی جس سال سیستان فتح ہوا۔اس کے بہت جلد بعد ضرب ہوا۔

عبداللہ ابن عامر کا سکہ ضرب داراب جرد ۴۱ سنہ جس کا نمبر ۶۶ ہے۔اس مجموعہ میں موجود ہے۔اس سن کو یزدجردی مانا جاسکتا ہے جو ۵۲ھ کے مطابق ہوگا۔لیکن ۵۲ھ میں عبداللہ ابن عامر یہ سکہ نہیں لگا سکتا۔کیونکہ وہ ۴۴ھ میں معزول ہوچکا ہے۔اس لئے ہمیں اس سن کو ہجری ماننا ہوگا۔تاریخ سے ہمیں معلوم ہے۔کہ حضرت معاویہ نے ۴۱ھ میں اس سردار کو دوبارہ ایالت بصرہ پر مقرر کیا تھا۔ چنانچہ یہ سکہ اسی سال کی یادگار ہے۔

عرب ساسانی سکوں کا سلسلہ حضرت عثمان کے عہد ۳۱ھ مطابق ۲۰ سنہ یزدجردی سے شروع ہوکر ۸۳ھ پر ختم ہوتا ہے۔ان سکوں میں زیادہ قدیم وہی ہیں۔جو خسرو پرویز اور یزدجرد کے نام پر لگائے گئے ہیں۔بعد میں عرب والیوں کے سکوں کی نوبت آتی ہے۔جن پر ان والیوں کا نام بالعموم درج ہوتا ہے۔چونکہ اصل پہلوی سکوں کا نقل کیا جانا دقت طلب ہوتا۔اس لئے میں نے ان کی عبارت کو اردو رسم الخط میں منتقل کردیا ہے۔مکمل فہرست ذیل میں درج ہے۔اس فہرست کی طیاری میں میں نے مسٹر جان واکر کی فہرست سے پورا پورا فائدہ اٹھایا ہے۔

مجھے افسوس ہے۔کہ میں ان سکوں کو تاریخی ترتیب میں پیش نہ کرسکا۔فہرست پہلے سے طیار تھی۔اس کی روشنی میں یہ تمہید تحریر ہوئی۔اس موقعہ پر ترتیب کے بدلنے سے نہ صرف فہرست بلکہ تمہید کو بھی دوبارہ لکھنا پڑتا۔

فہرست عربی ساسانی مسکوکات

۱۔ رخ:۔ دوہرے دائرے میں نیم تنہ نیم رخی تصویر۔ شاہی چہرہ ریشدار گھنگھریالے بال۔ پشت پر گچھے دار پھولے پھولے پٹے۔ گلے میں کنٹھا۔ کنٹھے کے وسط میں دو موتی فاصلے سے آویزاں دوہرے موتیوں کا ہار گردن میں جس کا زیریں حصہ دائرے کی آڑ میں۔ کندھوں پر دو طرفہ ستارہ دار ہلال۔ تین موتیوں کا مثلث نما گوشوارہ۔ سر پر تاج۔ تاج پر مروارید کی دوہری لڑی۔ تاج کے وسط سے ہما کے تہپیر ابھر کر دو طرفہ سایہ افگن جن کے درمیان ستارہ دار بڑا ہلال بائیں تہپر کے نیچے تاج کے برابر چھوٹا ستارہ والا ہلال۔ اس کے ساتھ چہرے کے سامنے دائیں سے بائیں جانب بخط پہلوی بادشاہ کا نام "خسروی" (خسرو پرویز) دائیں تہپر کے نیچے ستارہ

پشت:۔ خطی دائرہ کے عین وسط میں مقدس آگ کا مجمر پیل پایوں پر نمودار۔ بھڑکتے شعلے۔ مجمر کے دائیں بائیں دو ملازم استادہ۔ شعلوں کے بالائی حصہ میں دائیں بائیں چھوٹے ہلال۔ دائرہ کے دائیں ضلع میں بخط پہلوی دارالضرب کا نام "ب ی ش" (بیشاپور) بائیں ضلع میں پہلوی حروف میں تاریخ "چہار چہل" (چہل و چہار ۴۴) سنہ ی بیرون دائرہ رخ کی طرح مساوی فاصلوں پر چار ستارے والے ہلال ۱؎

۱؎ ناظرین کی سہولت کے واسطے میں نے یہ تفصیلی صراحت دے دی ہے۔ باقی سکے جزوی اختلاف کے ساتھ اسی انداز اور نمونہ کے سمجھنے چاہئیں۔ اس لئے ہر سکے کی طویل صراحت کی ضرورت نہیں۔

اس کے ساتھ عبارت "افزوت
گدہ" (افزوں باد ملک)
بیرون دائرہ چار ستارہ دار
ہلالوں کے ذریعہ سے حاشیہ چار
مساوی ضلعوں، راست چپ. بالا
و پائین میں منقسم - راست و پائیں
ہلالوں کے درمیان پہلوی میں "افد"
(آفرین) مرقوم -

۲ - رُخ :- نیم رُخی تصویر - بائیں کندھے
پر ہلال - تاج کے دونو طرف ستارے
بادشاہ کا نام "ہسروسے" (خسرو) -
"افزوت گدہ"۔
حاشیہ :- بالا و راست ہلالوں کے
مابین جائزہ کی علامت "۴ مو" - راست
و پائیں کے درمیان "للہ"۔

پشت :- آگ کے دائیں ہلال، بائیں ستارہ
دائیں ملازم کے سر پر دوسرا ہلال
بائیں ملازم کے سر پر ستارہ دار
ہلال -
دار الضرب :- "ار ت" = اردشیر خرہ
تاریخ :- "سہ" = سی ۳۰ (۴۱ بعد)

۳ - ہسروی (خسرو) تاج شاہی کی
سیدھی طرف ستارہ والا ہلال -
الٹی طرف ستارہ -
حاشیہ :- مابین راست

پشت :- دونوں ملازموں کے سر پر ہلال.
دار الضرب :- "ص ط" = اصطخر -
تاریخ :- "پنج سہ" (سی و پنج ۳۵)

---

[1] "افد" والے سکوں کے متعلق اختلاف ہے - بعض محققین ان کو عرب ساسانی تسلیم کرتے ہیں - مسٹر واکر ساسانی کہتے ہیں - لیکن "افد" عرب مسکوکات پر بھی موجود ہے - اگرچہ قلت کے ساتھ ملتا ہے -

زیر بائیں ہلال "افد" (آفرین)

۴۔ رخ:۔ "ہسروے" (خسرو) "افزوت
کدہ" داہنے کندھے پر ہلال۔
حاشیہ:۔ ضلع دوم میں "افد"

پشت:۔ مقدس آگ کی دائیں طرف ہلال۔
بائیں طرف ستارہ۔
دارالضرب:۔ "ص ط" = اصطخر۔
تاریخ:۔ نوج وست = ۲۹ سنہ۔

۵۔ رخ:۔ "ہسروے" (خسرو) افزوت
کدہ" تاج کے دائیں ستارہ والا ہلال
بائیں ستارہ"

پشت:۔ دونوں ملازموں کے سر پر ستارہ
دار ہلال۔
دارالضرب:۔ "رد" = رے
تاریخ:۔ سہ = ۳۰ سنہ۔

۶۔ رخ:۔ "ہسروے" (خسرو) "افزوت
کدہ"

حاشیہ:۔ ربع دوم "بسم اللہ" ربع سوم
"ربی"

پشت:۔ آگ کے دائیں ستارہ والا ہلال۔
بائیں ستارہ"
دارالضرب:۔ "ب ی ش" = بیشاپور
تاریخ:۔ "پنج سہ" = ۳۵ سنہ (۴۶ سنہ)

۷۔ رخ:۔ "ہسروے" (خسرو) "افزوت
کدہ"

حاشیہ:۔ ربع دوم "افد"

پشت:۔ آگ کے دائیں ہلال۔ بائیں ستارہ
ملازموں کے سر پر ہلال۔
دارالضرب:۔ "اری ز" = السوس
تاریخ:۔ "نوج وستا" = ۲۹ سنہ۔

۸۔ رخ:۔ "ہسروے" (خسرو) ۔ افزوت

پشت:۔ آگ کے دائیں ہلال۔ بائیں ستارہ

---

[1] حاشیہ باعتبار چہار ہلال چار قطعوں یا ضلعوں میں اس طرح منقسم ہے۔ ۱۔ ضلع مابین بالا و راست
۲۔ مابین راست و پائین ۳۔ مابین پائین و چپ اور ۴۔ مابین چپ و بالا۔ بغرض اختصار میں آیندہ
ان ضلعوں کا نام لینے کے بجائے ان کے نمبر شمار سے کام لونگا۔

گدہ"۔ موتیوں کے کنٹھے میں تین مثلث نما بڑے موتے۔
حاشیہ:۔ ربع دوم "افد"
۹۔ ہسروے (خسرو) ۔ افزوت گدہ"
تاج کے دائیں ستارہ دار ہلال ۔
بائیں ستارۂ خورد۔
۱۰۔ "ہسروے" (خسرو) "افزوت گدہ"
حاشیہ:۔ ربع دوم "بسم اللہ"
ربع سوم "ربی"
۱۱۔ "ہسروے" (خسرو) "افزوت گدہ"

۱۲۔ "ہسروے" (خسرو) "افزوت گدہ"
بائیں کندھے پر ستارہ دار ہلال۔
دائیں پر ہلال اور موتیوں کے ہار کے
قریب ایک اور ستارہ والا ہلال۔
۱۳۔ "ہسروے" (خسرو) "افزوت گدہ"

۱۴۔ "ہسروے" (خسرو)۔ افزوت گدہ
دونو کندھوں پر سامنے کی طرف
ہار سے باہر ستارہ دار ہلال۔ دائیں
کندھے پر ایک اور ہلال۔

دارالضرب:۔ "ش ی" = الشیرجان
تاریخ:۔ "شش وست" = بست و
شش ۲۶ھ۔
ملازموں کے سر پر ہلال۔
دارالضرب:۔ "ن ہ" = نہاوند"
تاریخ: "دوج سہ" = سی و دو ۳۲ھ
دارالضرب:۔ "ب ی ش" = بیشاپور
تاریخ:۔ "چہرسہ" = سی وچہار ۳۴ھ"
(۴۵ھ)
دارالضرب:۔ "ب ل ہ" = بلخ ۔
تاریخ:۔ "سہ" = سی ۳۰ھ ۔
دارالضرب:۔ "ب ل ہ" = بلخ ۔
تاریخ:۔ "نوج وست" = بیست و نہ
۲۹ھ ۔

دارالضرب:۔ "اہ م" = ہمدان ۔
تاریخ:۔ "سہ" = سی ۳۰ھ ۔
دارالضرب:۔ "ب ل ہ" = بلخ ۔
تاریخ:۔ "دوج سہ" = سی و دو
۳۲ھ ۔

۱۵۔ "ہسروے" (خسرو) ۔ افزوت گدہ
دارالضرب:۔ بلخ
تاریخ:۔ یاج سہ = سی ویک ۳۱ ؁ھ۔

۱۶۔ "ہسروے" (خسرو) کنٹھے سے نیچے دو موتی فاصلہ پر لٹکتے ہوئے "افزوت گدہ"
دارالضرب:۔ "رد" = الرے۔
تاریخ:۔ "شش وست" (بست وشش) ۲۶ ؁ھ۔

۱۷۔ "ہسروے" (خسرو) "افزوت گدہ"
دارالضرب:۔ "س"، بخط پہلوی۔
تاریخ:۔ "یاج سہ" (سی ویک) ۳۱ ؁ھ۔

۱۸۔ ایضاً ۔ ایضاً ۔ ایضاً ۔
دارالضرب:۔ بلخ۔
تاریخ:۔ "نوج وست" (بیست ونہ) ۲۹ ؁ھ

۱۹۔ ایضاً ۔ ایضاً ۔ ایضاً ۔
دارالضرب:۔ بلخ۔
تاریخ:۔ "ہفت وست" ۲۷ ؁ھ۔

۲۰۔ ایضاً ۔ ایضاً ۔ ایضاً ۔ دائیں کندھے پر ہلال۔
دارالضرب:۔ "ص ط" = اصطخر
تاریخ:۔ "ہفت سہ" (سی وہفت) ۳۷ ؁ھ

۲۱۔ "ہسروے" (خسرو) افزوت گدہ
دارالضرب:۔ "ن ا ہ" (ن ہ) = نہاوند
تاریخ:۔ "ہفت سہ" (سی وہفت) ۳۷ ؁ھ

۲۲۔ ایضاً ۔ ایضاً ۔ ایضاً ۔
دارالضرب:۔ "ن اہ" (نہاوند)
تاریخ:۔ یاج سہ (سی ویک) ۳۱ ؁ھ

۲۳۔ ایضاً ۔ ایضاً ۔ ایضاً ۔
دارالضرب:۔ بلخ۔
تاریخ:۔ "سہ" (سی) ۳۰ ؁ھ۔

۲۴ " " "
دارالضرب:۔ "ا ہ م" = ہمدان

تاریخ :- ہشت سہ دسی و ہشت (۳۸ھ)

۲۵- 'ہسروے' - افزوت گدہ۔

دارالضرب :- "ث" = ب ہم ؟
تاریخ :- ہفت سہ دسی و ہفت (۳۷ھ)

۲۶- ایضاً - ایضاً - ربع دوم میں جائز کی علامت بشکل چہرہ موش

دارالضرب :- "ن س" = ن ہ (نہاوند)۔
تاریخ :- پنج سہ دسی و پنج (۳۵ھ)

۲۷- 'ہسروے' - افزوت گدہ -

دارالضرب :- نہاوند
تاریخ :- مثل ۲۶

۲۸- ایضاً - ایضاً -

دارالضرب :- لوہم (ہمدان)
تاریخ :- دواج سہ دسی و دو (۳۲ھ)

۲۹- ایضاً - ایضاً -

دارالضرب :- "نہہ" (ن ہ) نہاوند۔
تاریخ :- دوج سہ دسی و دو (۳۲)

۳۰- ایضاً - ایضاً [ربع دوم میں 'افد'

دارالضرب :- "دا" = داراب جرد
تاریخ :- ہفت سہ دسی و ہفت (۳۷ھ)۔

۳۱ " " -

دارالضرب :- نہاوند۔
تاریخ :- مثل ۲۷

۳۲- ایضاً - ایضاً [ربع دوم میں 'افد'

دارالضرب :- السوس
تاریخ :- ہفت سہ دسی و ہفت (۳۷ھ)

۳۳- " "

دارالضرب :- ارت - اردشیر خرہ
تاریخ :- پنج سہ دسی و پنج (۳۵ھ)

۳۴- " " -

دارالضرب :- "س" ؟
تاریخ :- پنج سہ دسی و پنج (۳۵ھ)

۳۵- ہسروے ۔ افزوت گدہ

دارالضرب :- ہمدان -
تاریخ :- مثل ۲۴

۳۶- " " " "

دارالضرب و تاریخ مثل ۳۲

۳۷- " " " " ۔ دائیں کندھے پر ہلال -- ربع دوم میں "افد"

دارالضرب :- "زر" (زرنج)
تاریخ :- "پنج وست" (بست و پنج) ۲۵ھ -

۳۸- ہسروے (خسرو) افزوت گدہ
ربع اول میں علامت جائزہ "..."

دارالضرب :- نہاوند
تاریخ :- "یاز سہ" سی و یک ۳۱ھ

۳۹- ہسروے خسرو افزوت گدہ

دارالضرب :- ہمدان -
تاریخ :- "ہشت وست" (بست و ہشت) ۲۸ھ

۴۰- " " " "
ربع دوم میں "افد"

دارالضرب :- اصطخر
تاریخ :- "ہفت سہ" (سی و ہفت) ۳۷ھ -

۴۱- ہسروے ۔ افزوت گدہ

دارالضرب :- اصطخر
تاریخ :- چہار سہ (سی و چہار) ۳۴ھ

۴۲- " " " "

دارالضرب :- داراب جرد -
تاریخ :- "ہشت سہ" = ۳۸ھ

۴۳- " " " "

دارالضرب :- "ہمدان"
تاریخ :- "سہ" = ۳۰ھ

۴۴- " " " "

دارالضرب :- "الرے"
تاریخ :- "سہ" = ۳۰ھ

۴۵۔ "ہسروے" افزوت گدہ۔
دارالضرب:۔ نہاوند۔
تاریخ:۔ "ہشت سہ" ۳۸ھ

۴۶۔ " " " {۔دائیں کندھے پر ہلال}
دارالضرب:۔ زرنج ۔
تاریخ:۔ ہفت (سی) و ۳۷ھ

۴۷۔ " " "
بلخ ۔ تاریخ مثل ۴۶!

۴۸۔ "ہسروے" (خسرو) "افزوت گدہ" ربع دوم میں "بسم اللہ" ۔ ربع سوم میں "ربی"
پشت:۔ دارالضرب:۔ "س ک" سکستان (سیستان)
تاریخ:۔ ہشت چہل (چہل و ہشت) ۴۸ھ

۴۹۔ ہسروے۔ افزوت گدہ ۔ ربع اول میں "علامت جائزہ" "ل ہو" ربع دوم "بسم اللہ" ۔ ربع سوم "ربی" ۔ ربع چہارم "محاہو" = (جائز)
دارالضرب = سک (سیستان)
تاریخ:۔ ہشت وست (بیست و ہشت) ۲۸ھ ۔

۵۰۔ "ہسروے" افزوت گدہ "ربع ۱ (علامت) ۔ ربع ۲ بسم اللہ ربع ۳ "ربی"
دارالضرب:۔ "سک" سیستان
تاریخ:۔ "جہل" (۴۰ھ) اکائی زنگ میں غائب ۔

۵۱۔ سلم زیاتان (سلم بن زیاد) افزوت گدہ ۔ ربع ۲ "بسم اللہ"
دارالضرب:۔ "مرو" (مرو)
تاریخ:۔ سہ شصت (شصت و سہ) ۶۳ھ

۵۲۔ "ہسروے" ۔ افزوت گدہ ۔ بائیں کندھے پر ستارہ دار ہلال ۔ دائیں کندھے پر دو ستارہ دار ہلال ۔
دارالضرب: بلخ ۔
تاریخ:۔ "دو وج سہ" (سی و دو) ۳۲ھ

۵۳۔ "ہسروے" افزوت گدہ" داہنے کندھے پر
دارالضرب "سک" = سیستان ۔

جلی ہلال تاج کے دائیں بائیں نہ
ہلال نہ ستارہ۔
حاشیہ:۔ ربع اول۔ اللہ ولی عوز
ربع ۲ بسم اللہ ربع ۳ ربی

تاریخ:۔ ہشت چہل (چہل وہشت)
۴۸ھ

۵۴۔ ہے کو۔ افزوت گدہ دائیں کندھے
پر جلی ہلال۔ تاج کے دائیں بائیں
ہلال و ستارہ ندارد۔
حاشیہ۔ ربع اول اللہ ولی عوز
ربع دوم بسم اللہ ربع سوم ربی

دار الضرب:۔ (سک) = سیستان۔
تاریخ:۔ ... چہل سنہ ۴ ۔ داکائی
مٹ گئی ہے)
حاشیہ۔ ربع دوم حدب الصرو

۵۵۔ [illegible] اللہ۔ افزوت گدہ
حاشیہ ربع اول [illegible]
علامت جائز۔ ربع دوم طلحۃ للہ
ہلال پائیں [illegible]

دار الضرب "سک" (سیستان)
تاریخ شست (شصت وشش)
۶۶ھ

۵۶۔ مہر [illegible] ربع دوم
بسم اللہ ربع سوم ربی

مثل ۴۸ بالا۔

۵۷۔ [illegible] عبید اللہ افزوت گدہ۔
حاشیہ۔ ربع اول [illegible]
علامت جائز۔ ربع دوم طلحۃ للہ
ربع سوم [illegible]

دار الضرب و تاریخ مثل ۵۵ بالا

۵۸۔ عبیت اللہ زیاتن، عبید اللہ بن
زیاد) افزوت گدہ۔

دار الضرب:۔ سک (سیستان)
تاریخ:۔ شش پنجہ (پنجاہ وشش)

حاشیہ:- ربع دوم "بسم اللہ" "ہ"
قریب ہلال پائیں -

۵۹ - "طلحہ عبد اللہ" افزوت گدہ"
حاشیہ:- ربع اول "ال بورز" -
ربع دوم "طلحہ للہ" ربع سوم
"ہ" قریب ہلال پائیں -

۶۰ - "عبید اللہ زیاتن - افزوت گدہ"
کندھے اور بازو کے جوڑ پر دونوں
طرف ستارہ دار ہلال - جائزہ کی
علامت مثل ۲ درفہرست واکر
ربع اول "بسم اللہ" ربع دوم

۶۱ - "عمر عبید اللہ" - "افزوت گدہ"
ربع دوم:- للہ الحمد ::

۶۲ - عبد اللہ ہزمن (عبد اللہ ابن خازم)
افزوت گدہ"
ربع دوم - علامت جائزہ ۱۴ و ۳۱
۳۳ درفہرست واکر ربع سوم "::"
قریب ہلال زیریں -

۶۳ - یزکرت (یزدجرد) افزوت گدہ"
ربع دوم - بسم اللہ"

۶۴ - ہسرو (خسرو)؟ افزوت گدہ"

۵۶ھ

دارالضرب و تاریخ مثل ۵۵ بالا"

دارالضرب:- سک (سیستان)"
تاریخ:- شش پنجہ ۵۶ھ

دارالضرب:- ب ی ش (بیشاپور)
تاریخ:- ہفتات (ہفتاد) ۷۰ھ

دارالضرب:- مرو
تاریخ:- شش شصت (شصت و شش) ۶۶ھ

دارالضرب:- سک (سیستان)
تاریخ:- وست (بست) ۲۰ھ ۳۱ھ

دارالضرب:- سیستان"

ربع اول :- علامت جائزہ "الیورث" ۳۵ در فہرست واکر - ربع دوم 'بسم اللہ' ربع سوم - 'ربی'	تاریخ :- ششصت (شصت و شش) ۶۶ھ
۶۵- ہسروے (خسرو) افزوت گدہ ربع دوم - 'افد'	دارالضرب :- نہاوند' تاریخ :- دو ج سہ (سی و دو) ۳۲ھ
۶۶- عبداللہ عامرن (عبداللہ ابن عامر) افزوت گدہ' ربع ۲ 'بسم اللہ' ہلال زیریں کے دائیں بائیں '۰۰'	دارالضرب :- 'دا' (داراب جرد) تاریخ :- یا جہل (چہل و یک) ۴۱ھ
۶۷- عبداللہ امیر وُرَوّ اتِشنکن (عبداللہ امیر المومنین) افزوت گدہ' ربع ۲ 'بسم اللہ'	دارالضرب :- مرو روت (مروالرود) تاریخ :- پنج شصت (شصت و پنج) ۶۵ھ
۶۸- ہسروے - افزوت گدہ'	دارالضرب :- الرے تاریخ :- سہ (سی) ۳۰ھ
۶۹- یزدکرت (یزدجرد) افزوت گدہ' کان میں بندا - گلے میں دوہرا کنٹھا کنٹھے سے تین بندے کی قطع کے جواہرات آویزاں - دوہرا ہار - کندھے پر چھوٹا ہلال -	دارالضرب :- سیستان' تاریخ :- ... سہ ؟ ۳ھ - (اکائی نہیں پڑھی جاتی)
۷۰- ہسروے - افزوت گدہ'	دارالضرب :- الرے' تاریخ :- ہفتا سہ (۳۷ھ)

۱۔ یزدگرت (یزدجرد)
کان میں بندا۔ دوہرا کنٹھا۔۔
کنٹھے سے تین جواہرات آویزاں۔
دوہرا ہار

دارالضرب :۔ "معار" (؟)
تاریخ :۔ للالطالے (؟)

۲۔ زیات ابوسفان (زیاد ابوسفیان)
افزوت گدہ
ربع ۱ علامت مثل سرخوک
ربع ۲ بسم اللہ ربع ۳ "ربی"

دارالضرب :۔ اصطخر
تاریخ :۔ چہر پنجا [ہ] = پنجاہ وچہار
۵۴ھ

۳۔ ہسروے۔ افزوت گدہ
ربع ۲ "بسم اللہ" ربع ۳ "ربی"
(مٹا ہوا)

دارالضرب :۔ سیستان
تاریخ :۔ ہشت چہل (چہل وہشت)
۴۸ھ

۴۔ ہسروے۔ "افزوت گدہ"

دارالضرب :۔ بلخ
تاریخ :۔ دوج سہ دسی ودوا ۳۲ھ

۵۔ " " "
ربع ۲ "بسم اللہ" ربع ۳ "ربی"

دارالضرب :۔ نیشاپور
تاریخ :۔ پنج سہ (۳۵ھ)

۶۔ ہسروے۔ افزوت گدہ
ربع ۲ "افد"

دارالضرب :۔ مرو
تاریخ :۔ ہشت سہ (۳۸ھ)

۷۔ زیات ابوسفان (زیادِ ابوسفیان)
ربع ۲ "بسم اللہ" ربع ۳ "ربی"

دارالضرب :۔ نیشاپور
تاریخ :۔ چہر پنجا (پنجاہ وچہار)
۵۴ھ

۸۔ زیات ابوسفان (زیادِ ابوسفیان)

دارالضرب :۔ زرنج

افزوت گدہ'
ربع ۲ "بسم اللہ ربی'
۷۹۔ ہسروے۔ افزوت گدہ'
ربع ۲ "حدک (جیّد؟)
۸۰۔ ہسروے۔ افزوت گدہ'
ربع ۲ "للہ"۔
۸۱۔ ہسروے۔ افزوت گدہ'
ربع ۲ "بسم اللہ"۔
۸۲۔ ہسروے۔ افزوت گدہ'
ربع ۲ "بسم"۔

تاریخ:۔ ایک پنجاد پنجاہ ویک)
۱۵ھ'
دارالضرب:۔ الشیرجان
تاریخ:۔ صاف نہیں پڑھی جاتی'
دارالضرب:۔ نہاوند'
تاریخ:۔ پاج سہ دسی ویک ۲۱ھ
دارالضرب:۔ السوس
تاریخ:۔ شش وشصت ۶۶ھ
دارالضرب:۔ "ب ج"
تاریخ:۔ مٹی ہوئی

فہرست ختم ہوئی۔ اس فہرست کے بیاسی سکوں میں سے خسرو کے باسٹھ۔ یزدجرد کے تین اور والیان عرب کے تیرہ سکے ہیں۔ خسرو کے سکوں میں سے سولہ یقیناً مسلمانی ہیں۔ اس طرح مسلمانی سکوں کی کل تعداد بتیس ہوتی ہے۔ پچاس ایسے سکے ہیں۔ جن پر بظاہر کوئی مسلمانی علامت موجود نہیں۔ لیکن احتمال یہی ہے کہ مسلمانی ہیں۔ مسٹر واکر نے تمام ایسے سکوں کو جن پر کوئی مسلمانی علامت نہیں دیکھی اپنی فہرست سے خارج کر دیا ہے۔ احتیاط اسی کی مقتضی ہے مگر میرے نزدیک ہر سکے پر مسلمانی علامت کا ہونا ضروری نہیں۔ مثلاً فہرست ہذا کے سکہ ۱ ضرب بیشاپور کو لیجے جو خسرو کے نام کا ہے اور کلمہ "افذ" کا بھی حامل ہے۔ جس کے لئے کہا گیا ہے کہ خسرو کے سکوں کے واسطے مخصوص ہے۔ لیکن اس کی تاریخ ضرب "۴۲ھ" پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ سکۂ ہذا خسرو کی ٹکسال

کا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس نے صرف اڑتیس سال سلطنت کی ہے۔ یہ سکہ ۴۲ھ میں ضرب ہوتا ہے۔ اس لئے لازماً اس کو مسلمانی عہد کی یادگار ماننا پڑیگا۔

اگر مسٹر واکر کی پیروی کی جائے۔ تو اس فہرست کے تمام ایسے سکے جو ۳۸ھ سے قبل کے ہیں خسرو کی ٹکسال کے مانے جائیں گے۔ کیونکہ ان پر کوئی مسلمانی علامت موجود نہیں۔ اس نقطۂ نظر سے خسرو کے ۴۹ سکے ساسانی تسلیم کئے جائیں گے۔ اور اُن کا سن خسرو کا جلوسی سن سمجھا جائے گا۔

اگر ان کا سن یزدجردی مانا جاتا ہے۔ تو تمام سکے اسلامی عہد کے مانے جائیں گے۔ اس عہد میں مسلمانوں نے سکوں پر یزدجردی سن اختیار کر لیا تھا۔ ۲۰ھ یزدجردی، یزدجرد کی وفات کا سال ہے۔ اس لئے اس تاریخ سے بعد کے تمام سکے مسلمانی شمار ہونگے۔ ایک امر جو خسرو کے جلوسی سن کے نظریہ کے مخالف اور یزدجردی سنہ کے حق میں ہے یہ ہے کہ اس فہرست کے تمام سکوں پر تاریخیں ۲۰ھ سے بعد کی ہیں۔ اور کوئی سکہ ۲۰ھ سے قبل کا شامل نہیں یہ محض اتفاق نہیں ہے۔ بلکہ دلیل ہے۔ اس عقیدہ کی کہ یہ سکے عہد مابعد یزدجرد کی پیداوار ہیں۔ لہٰذا اسلامی۔ اگر خسرو پرویز کے عہد کے یادگار ہوتے تو ایک ایسے مجموعہ میں جس کی تعداد باسٹھ تک پہونچتی ہے۔ بھلا زیادہ نہ سہی چند سکے تو ایسے ہوتے جو خسرو پرویز کے ابتدائی سالوں یا اس کے عہد کے نصف اول سے تعلق رکھتے۔ اس لئے بحیثیت مجموعی ان کو اسلامی عہد کے تصور کرنا ہوں گے۔

محمود شیرانی

جنگنامہ یا سکھوں اور انگریزوں کی لڑائی کے حالات

(سلسلہ کیلئے دیکھو یہی رسالہ بابت ماہ اگست ۱۹۴۲ء)

۱ کروں صفت سانچا جو کرتار ہے — اُسے لیکھ لکھنے کا اختیار ہے
۲ وُہ مہربان کرے جگت کی پرورِی — نہیں ساتھ اُس کے کوئی سرورِی
۳ پلک میں وہ خلقت بنا کر رہے — پلک میں خزاں کر اکیلا رہے
۴ کبھی دیوتا دَیت ہو کر لڑے — کبھی ہو شہنشاہ شاہی کرے
۵ کبھی بشن اور کشن رگھونا[1]تھ ہے — محمد پیغمبر کہیں ساتھ ہے
۶ کئی مان دہاتا[2] سے راجہ ہوئے — بنا کر ملا بیچ ماٹی موئے
۷ کروں کیا میں صفت اسکی اِک زبان — وُہی یک سہس[3] دو یم جوان
۸ کئے اور ستجگ[4] میں راجہ کتے — اودے[5] است[6] لو ملک کینے فتے[7]
۹ کتے بیچ تریتا بلی ہو گئے — وہی راج کر کے خزان ہو گئے
۱۰ دواپر کے راجہ ہوئے جو بلی[8] — وہی بھوگ موئے نہ مدت ٹلی

---

[1] مراد سری رامچندر جی جو رگھو خاندان میں سے تھے، [2] ایک مشہور راجہ جس کا ذکر ہندوؤں کی مقدس کتابوں پرانوں میں اکثر ملتا ہے۔ آپ اکچھو واکو خاندان میں سے تھے، [3] سہس = ہزار، [4] ستجگ = سچائی کا وقت۔ ہندو شاستروں کے مطابق جُگ چار ہیں۔ ستجگ۔ تریتا۔ دواپر اور کلجگ، [5] اودے = سورج کا طلوع ہونا، [6] است = سورج کا غروب ہونا، [8] بلی = یہ پرھلاد کا پوتا اور وِروچن کا لڑکا تھا۔ وِشنو جی نے اسکی ایشوری بھگتی دیکھ کر خُود اِن کے ہاں دوارپال یعنی ڈیوڑھی میں کھڑے رہنے کی ملازمت اختیار کر لی۔ ہندو راجہ بلی کو پتال کا راجہ بھی تسلیم کرتے ہیں، [7] فتح،

۱۱ یہ کلجگ[1] کے شہنشاہ بھئے　　سکندر او نوشیرواں سے گئے

۱۲ چلے چھوڑ سب راج کا رنگ ہے　　عدالت سخاوت چلی سنگ ہے

۱۳ چکتن کرہی بادشاہی کلاں　　جگے بیچ لندن کے گورے جوان

۱۴ گوبند سنگھ خالصہ کیا یک طرف　　ہوئے کمپنی کے جوان یک طرف

۱۵ دُوؤ مُلک مالک بہادر جوان　　دُوؤ شہنشاہ عدالت نشان

۱۶ بدن نور چمکے مثل آفتاب　　جو ہیرت[2] ہے دشمن سو جلتا شتاب

۱۷ عنایت مُلک ہوں کی مالک دی　　جتی شہنشاہی دھنوں کی بھئی

۱۸ حُکم خاص مالک نے اپنا دیا　　یک خلق کے پالنے کو مالک کیا

۱۹ سِنگھن پُشت پر ہے گرُو کی سہی[3]　　اُنہیں پُشت پر ہے عیسےٰ مسیحی

۲۰ چلا چل وہ پہنچے ستلج تلک　　دِکھی شاہ پنجاب ہوں کی خلق

۲۱ اگے طور سِنگھن وڈا جُست ہے　　ملا مل گیا جنگ کو شست ہے

۲۲ پھولا سنگھ[4] نہال جارا جھفے　　آگاری قدم کون ڈارا تبے

۲۳ اوّل اُن نے لاہور لینا لپٹ　　لیا کانگڑہ کوٹ اُس پر جھپٹ

۲۴ لئے ملکیرہ کشمیر اُن لیا　　جلد بیچ مُلتان تھانہ کیا

۲۵ لیا پل میں پشور گلجا جتے　　کتے پروتی لُوٹ کینے فتح

۲۶ جتے تھے حُکم رجبا یک کرے　　نہیں[5] اور کے چھتر چامر ڈھرے

---

[1] کلجگ = ۴۳۲۰۰۰ برس کا عرصہ۔ سنسکرت میں کلی۔ कलि: The fourth age of the world, the iron age, consisting of 432000 years of men and beginning from the 13th of February 3102 B.C. (V. S. Apte.)

[2] ہیرت = دیکھنا، [3] مدد، [4] پھولا سنگھ ڈاراپتے = پھولا سنگھ نہال نے دکھ برداشت کیا مگر اپنے قدم کو آگے ہی آگے رکھا، [5] نہیں اور کے ڈھرے = کسی اور شخص کے سر پر شاہی چھتر و چودر نیبالش نہ دیتا تھا۔

۲۷ رکئے زیر کتنے ملک صاحبان — گرو کے قدم بیچ ہر وقت جاں
۲۸ حکم گرنتھ صاحب کا جیسے چلے — چلے اسکے اوپر نہ دم بھر ٹلے
۲۹ مہاراج جو نام صاحب کلان — کیا دھیان سنگھ کو وزارت نشان
۳۰ کئے اور سردار جنگی جوان — کئے افسری دفتری ہیں دیوان
۳۱ لگی لین توپن کئی کوس میں — نہیں انکی گنتی پڑے ہوش میں
۳۲ غبارے[1] جمبوروں[2] کی گنتی نہیں — ایسی بادشاہی نہ دیکھی کہیں
۳۳ کڑا اور کنٹھا عنایت کئے — ہیرے او جواہر دشالے دئے
۳۴ دئے اسپ تازی کسے زین زر — دئے فیل عماری او سے مہر
۳۵ کتے گاؤں سرکی خرایت دئے — عنایت کروڑوں خزانے کئے
۳۶ زمین اوکوئے کی گنتی نہیں — نہیں دان ابلاکھا گوون رہی
۳۷ سدا اسکے دل میں یہی چاو تھا[3] — عجب وہ سخاوت کا دریاو تھا
۳۸ سخاوت کند نیک بخت اختیار — کہ مرد سخاوت شود بختیار
۳۹ رہی دوستی کمپنی سوں بنی — نہ اپنی و انکی جدائی گنی
۴۰ وہ دانا تھا[4] بیچ فرفینز سے — رکھے تھا محبت وہ انگریز سے
۴۱ گرو پشت اسکی یہ مدد دھرے — سبھی لاٹ آکر متعابت کرے
۴۲ سروں لاہے ٹوپی کو کرتے سلام — کرو بادشاہی ملک کی تمام
۴۳ تواضع زیادت کند ظاہراں — کہ ہمرم رتو بود ماہراں
۴۴ ایسا طور اس کا رہا دن بدن — نہ رکھنا پرا دوستی ایک چھن
۴۵ ایہہ خلعت خزان جان کیتی ترک — سبھی بادشاہی سو کینا فرق

---

۱ چوڑے منہ والی اور لمبائی میں بہت چھوٹی توپ، ۲ زنبوروں، زنبورک۔ اونٹ پر لادنے کی چھوٹی توپ، ۳ خواہش، ۴ چالاک و دانشمند ی،

۴۶ کھڑک سنگھ کو تخت بیٹھادیا ملک بادشاہی کو مالک کیا

۴۷ بہشتی ہوئے بادشاہی کو کر! سُنی سب ولایت میں اُسکی خبر

۴۸ اٹھاراں سے اُوپر چھیانو ہوا مہاراج کا تب چلانا ہوا

۴۹ کِسن[1] پکھ اساڑہ ایکم تھی جب چڑھے[2] بیر بارے[3] مہاراج تب

۵۰ ہُوا اس کا افسوس چاروں طرف سُن مُنہ نکلا ہے ۔ ہا ۔ کا حرف

۵۱ دُنی بیچ افسوس کے رل گئی سبھی کی عقل بے عقل ہوگئی

۵۲ لگیں لوٹ پوٹن سبھی رانیاں تھیں مانند مہتاب بلانیان

۵۳ جنہیں دامنی[4] دیکھ دب جاتے ہے وُہ کُونجوں کی مانند کرلات ہیں

۵۴ کِتی رانیاں ساتھ ہیں جل گئی کِتی رانیاں صبر کاتی لئی

۵۵ کِتی رانیاں سنگ مالک جرین ہوئی سب بہشتن نہ لاگی گھری

۵۶ نہ بھولیگا جب تک زمین آسمان ایسا بادشاہ فیض بخش جہان

۵۷ ایسا بادشاہ کیوں نہ جیتا رہا ست جُگ کل بیچ بیتا رہا

۵۸ ہُوا شاہزادہ کھڑک سنگھ شاہ لگا جیت سنگھ کی وُہ ورتن صلاح

۵۹ ہوئی دِن بدن اُسکی مدد نہیں اگر دھیان سنگھ کو غرورت بھئی

۶۰ جلد جیت سنگھ اُن نے مارا جیسے فِکر بادشاہی موڑا رابتے

۶۱ رہے اُسکے افسوس میں بادشاہ کووِدن کو پاکر وُہ ہوا فنا

۶۲ اُسی دِن گِری کور سر پر دیوال دُو و باپ بیٹا چلے دم نکال

۶۳ اُدھم سنگھ راجہ کا بیٹا مُوا وہی کور کے ساتھی کور ہوا

۶۴ جواں موت سُن کر بپتر انیاں لگی رون پیٹن جو خوش خوانیاں

---

[1] اندھیرا، [2] فوت ہوئے، [3] بڑے بہادر، [4] بجلی،

[5] چھُری،

۶۵ جری ساتھ اُنکے لگا آگ کو — دہوا اُن نے اپنے دِل داغ کو
۶۶ پڑا شور پنجاب ایسا جبر[1] — سبھی تھر تھرائے یہ پاکر خبر
۶۷ کہیں لوگ سب اب بادشاہی گئی — راجہ دھیان سنگھ ہے جانے دی
۶۸ کہا دھیان سنگھ نے شیر سنگھ کو بُلا — تخت پر بٹھانے کی کیتی صلاح
۶۹ یہ خاطر جمع شیر سنگھ جو رکھو — کو وِدن میں خود راج اپنا لکھو
۷۰ اُتے شیر سنگھ جو ٹالے گئے — اِتے دھیان سنگھ جو فکریں بھئے
۷۱ نہیں سندھان والوں نے مانی صلاح — تبے چند کوراں کری بادشاہ
۷۲ لگے لوگ کہنے یہ عورت کا راج — نہیں کام سرتا کریں کا علاج
۷۳ کری فوج مِل دھیان سنگھ سے صلاح — بُلا شیر سنگھ کو کرو بادشاہ
۷۴ سبھی رجمنٹیں[2] پلٹنیں مِل گئیں — حُکم شیر سنگھ کا بجانے لگیں
۷۵ کہا دھیان سنگھ اور بہادر بُلا — بُلا ہیرا سنگھ کو کریئے صلاح
۷۶ رہو تم قلعہ میں خبردار ہو — کو وِدن میں آتا ہوں جمبو[3] سے ہو
۷۷ بھنی شیر سنگھ سوں ہماری صلاح — کو وِدن میں کرنا اُسے بادشاہ
۷۸ اگر شیر سنگھ آن تم سے لگے — نہ دینا قلعہ زور کیتا کرے
۷۹ میں آکر نکالوں قلعہ سے تجھے — یہی بات ساچی پچھانو مجھے
۸۰ اُتے شیر سنگھ سوں کینا متا[4] — چلو جھپٹ لاہور کیجو فتا[5]
۸۱ چڑھے شیر سنگھ ست گرو کو منا — فتح کا نشانہ لیا ہے بجا
۸۲ یک دم پہنچے ہیں لاہور دور — وُہ بُدھو کا آوا بنی بیٹھ[6] ٹھور
۸۳ ملے رجمنٹوں پلٹنوں کے جواں — ملے گھوڑ چڑھے توپخانے کلاں

---

[1] زیادہ۔ زبردست، [2] Regiments. [3] ریاست جموں کشمیر، [4] صلاح، [5] فتح، [6] بیٹھنے کی جگہ۔ قیام گاہ،

۸۴ غُبارے جمبُورے جلد مِل کھڑے　　سبھی کڑکڑ کر قلعہ پر پڑے
۸۵ جلد آن گھیرا چطرفے لاہور　　لگی تھرتھرانے تبھی چند کور
۸۶ جتنے جابرے تھے قلعے میں جوان　　وہی ساتھ رہ گئے اُسکے نشان
۸۷ دُودوا اور جھٹ پٹ پڑا جنگ ہے　　ملیں پلٹیں جو رنگا رنگ ہے
۸۸ کڑاکڑ اُٹھے توپ جنگی جڑی　　دھڑا دھڑ گریں اینٹ لاگین پٹی
۸۹ غبارے کا گولا چلے جھٹ پٹے　　اسپ و جوان ہر طرف کو کٹے
۹۰ جبے دھیان سنگھ آداخل بھئے　　پری بند توپیں سبے ہٹ گئے
۹۱ تبے بیدی صاحب کو لینا بُلا　　ملی ہاتھ اسکے جو اندر سیاہ
۹۲ سبھی دھیان سنگھ جو دینے مِلا　　تبے شیر سنگھ کو کیا بادشاہ
۹۳ ملے ناہیں تاکو سندا والئے　　قلعے کھوج تاکے بے مالک کئے
۹۴ اگر شیر سنگھ جبر جور اکیا　　حمل کور عورت کا گروا دیا
۹۵ کِتے دن میں مروادی چند کور　　کرے شیر سنگھ بادشاہی لاہور
۹۶ رہے دِن بدن دھیان سنگھ کی صلاح　　نہ مانے کِسی اور کو بادشاہ
۹۷ جبے سلطنت اُس نے خود کر لیا　　سندا والئے کو بلا نہ دیا
۹۸ اگر سندہ والوں کو لینا بُلا　　وُہ آئے دغا اُن کا راکھا چھُپا
۹۹ کی اُن نے دن رات خدمت کلاں　　لیا مُلک اپنا کرا کر زباں
۱۰۰ جتے قید تھے سب لئے چھُڑا　　تبی جُھٹ[1] گئی وہ مصاحب صلا[2]
۱۰۱ عطر سنگھ نہ آخر اپنا ہوا　　ہٹھی سنگھ ایسا نہ دیکھا دُوا
۱۰۲ وُہ لکھتا رہا جیت سنگھ کو کلام　　پنا تخت گردی بجے خانہ حرام
۱۰۳ جبے جیت سنگھ پر وسا بادشاہ　　وہی داغ دِل چند کوراں فناہ

---

[1] مات پڑگئی، [2] صلاح،

۱۰۴ لیا ویر اُس کا نہیں جب تلک دُدن آنکھ ملکر نہ لگتی پلک
۱۰۵ بنا شاہ بلادل عجائب مکاں ادہاں شاہ جاکر کے دیکھت جواں
۱۰۶ منگا فوج اپنی دکھا لا دیا یکے روز دعوئے اُن ایسا کیا
۱۰۷ یہ لندن سے آئی دونالی نئی لگا شاہ یینے جو کلا دب دیئی
۱۰۸ دو نالی نکل گئی جلد جگر چیر ہوئی بادشاہ جان پل میں تغیر
۱۰۹ طرف شاہ کٹ کے بدہ سنگھ موا نمک کی شرط پر بہشتی ہوا
۱۱۰ تخت جیت سنگھ جھٹ پٹ خالی کیا لہنا سنگھ جاکور کا سر لیا
۱۱۱ کری بادشاہ جان باہر تغیر قلعہ بیچ جاکر کے مارا وزیر
۱۱۲ اُن نے دلیپ سنگھ بلا کر لیا تخت پر تلک دے کے مالک کیا
۱۱۳ لیا آپ ان نے وزیری خطاب کتے کام کئے اُسی دن شتاب
۱۱۴ پڑا شور لاہور ایسا جبر تبے ہیرا سنگھ جلد پائی خبر
۱۱۵ لگی بات آتش بھرا جوش میں وہ دانا تھا چست سب ہوش میں
۱۱۶ بلا کر سبھی فوج اندر کہا مُوا دھیان سنگھ سن نہ دھیرج رہا
۱۱۷ کرے کون سب فوج کی پروری عدالت کرے کون سر پر دھری
۱۱۸ امر سنگھ فرزند آگے ہوا ہیرا سنگھ ایسا نہ دیکھا دُوا
۱۱۹ جو گرُدت سنگھ نام اس کا جگا ملے فوج راجہ کو کہنے لگا
۱۲۰ تو بیٹا ہیں اُس کا حکم دیجئے سبھی مان لینگے کہو کیجئے!
۱۲۱ مُوا دھیان سنگھ بیربل سا وزیر نہیں ہاتھ آتا ہے ایسا امیر
۱۲۲ سبھی فوج راجہ کی خاطر کری لیجے باپ کا ویر اب کی گھری
۱۲۳ وزیری تمہاری کہاں جایگی سنو راجہ صاحب تم پہ آیگی

۱؎ خوشی، ۲؎ (تغیر) تبدیلی،

۱۲۴ سبھی فوج شاہی جلد مل گئی — اُٹھی پھر قلعہ پر لڑائی نئی
۱۲۵ لگا جنگ ہونے چلن گولیاں — اُڑیں پران لیکر بھرین جھولیاں
۱۲۶ وگی توپ تڑ تڑ جتی ڈاہیاں[1] — لگی گرن وڑ وڑ سبھی باہیاں[2]
۱۲۷ غبارے جمبورے کری دھند[3] ہے — دکھاسند والن مچاؤند ہے
۱۲۸ گریں اینٹ بُرجن گولان سیتی[4] — پھریں یوں جناور سی اسمان میں
۱۲۹ قلعہ تو فتح بیچ دم کے کرا — جلد چیت سنگھ کا جُدا سر دھرا
۱۳۰ کتے ہاتھ کینے لہنا سنگھ بیر — کلاّ[5] تھا بہادر صاحب امیر
۱۳۱ لہنا سنگھ کو مار بدلا لیا — ہیرا سنگھ تب کام اپنا کیا
۱۳۲ لئی ان وزیری خبردار ہو — رہے پاس جلاّ جو مختیار ہو!
۱۳۳ کیا حکم جلّے نے خود نادری — رکھے بو مغز میں کُل قادری
۱۳۴ حکم بادشاہ کا نہ چلنے دیا — انہیں حکم خود بخود کیا
۱۳۵ لگی تھر تھرانے سبھی فوج ہے — نہ چھوڑی کسی کی بھی خود موج ہے
۱۳۶ سُچیت سنگھ آکر رچا جنگ ہے — وزارت کا دِل میں ہوا رنگ[6] ہے
۱۳۷ ہیرا سنگھ کو اُن کڈھی بولیاں — لگی تب دو طرفین چلن گولیاں
۱۳۸ لگی چلن تیکھی[7] جو تلوار ہے — تبھی خون خاصی چلی دھار ہے
۱۳۹ اُدھر تھا اکیلا سُچیت سنگھ بیر — اِدھر بادشاہی کا مالک وزیر
۱۴۰ سچیت سنگھ ایسا بہادر جوان[8] — کٹی فوج شاہی اس نے کلاں
۱۴۱ مُوا بھیم سنگھ ہاتھ کر کے دیوا — مُوا خوب کٹ کیسری سنگھ جوا
۱۴۲ سُچیت سنگھ مارا اِسی جنگ میں — ہوا تب ہیرا سنگھ بڑے رنگ میں

---

۱ تیار تھیں، ۲ دیواریں یا بازو، ۳ بڑی بھاری جنگ، ۴ برابر،
۵ اکیلا، ۶ خوشی، ۷ تیز، ۸ دیو کی مانند،

۱۴۳ کوُو دن کری خوب اُس نے بہا[۱] — مگر موت کا جلد آیا قرار تھا
۱۴۴ عطر سنگھ پیچھے کیا جوش تھا — بھائی بیر سنگھ میں بھی کچھ دوش
۱۴۵ اُٹھا کر بتی اُس کا ڈیرا دیا — سبھی سادھ اور سنت پیچھے کیا
۱۴۶ لیا اُن صبوری کا درجہ کمال — لگا توپ گولا چلا دم نکال
۱۴۷ صبوری بود کار صاحبدلاں — صبوری بود پیشۂ مُقبلاں
۱۴۸ عطر سنگھ مارا اِسی ٹھور میں — ہیرا سنگھ جلا بڑے طور میں
۱۴۹ تبے کوپ[۲] پنتھ پر سادھو ہوا — اِسی بات بن ہے نہ کارن ہُوا
۱۵۰ تکبر سے جلا لگا بولنے — لگا خالصہ تب زہر گھولنے
۱۵۱ کتے دن کو پا کر کو پا خالصہ — ہیرا سنگھ جلا کو لے کر نسا
۱۵۲ ہُوا ہیرا سنگھ جیے راوی سے پار — اُٹھے خالصہ کے کرکے ایار
۱۵۳ جواہر جو سنگھ ساتھ مدد کری — دُو مار لینے نہ لاگی گھری !
۱۵۴ سوہن سنگھ سنگھن سوں لڑکر مرا — مُوا لابھ سنگھ خوب کٹ کر دُوا
۱۵۵ مُوئے ہو بہادر سبھی ہاتھ[۳] کر — وُہ رجپوت تھے جنگبازی کے گھر
۱۵۶ وزارت جواہر سنگھ کو ہوئی — کری ہوچ لاہور میں دن کوئی
۱۵۷ پشورا سنگھ اُن نے مروا دیا — تبے خالصہ کوپ اُس پر کیا
۱۵۸ لگا کہنے یہ بھول ہم سے بھئی — سرن آپکی آن کر ہیں لئی
۱۵۹ کرو مہربانی رکھو جان کو — دھرو سیس اپنے گرو آن کو
۱۶۰ نہ مانی کچھو زور برچھن[۴] کرا — جھپٹ سیس اُس کا جدا کر دھرا
۱۶۱ کٹا سنگ سا بیدی او برہمن جو تھا — اسے دل لرن کا ارادہ نہ تھا

۱؎ اقرار ، ۲؎ غصّہ ، ۳؎ بہادری سے ، ۴؎ بیوقوف

دبُرچھاگردی = بغاوت) ،

۱۶۲ کریں وار جو قدم آکر پھڑے　　او لٹ کر بلا اس کے سر پڑے

۱۶۳ جو خود بخود قدم پر جات ہے　　اُسے سنگھ اور سانپ نہ کھات ہے

۱۶۴ جلد خالصہ خود بخود ہو چلے　　ہوا حکم مالک کا کیسے ٹلے

۱۶۵ کیا چند کوراں نے افسوس ہے　　یہ ہونی بھلا کس کے سر دوش ہے

۱۶۶ تخت شاہ ناداں سارہ گیا　　حکم بادشاہی سبھی بہہ گیا

۱۶۷ کرئے پنتھ جو کام ہوگا سوئی　　گرو کا نہیں نام لیتا کوئی

۱۶۸ بنے خود بخود پنچ افسر کلاں　　نہ مانے کوو افسروں کی زباں

۱۶۹ حکم چند کوراں کا بہتا پھرے　　سبھی فوج خود موج اپنی کرے

۱۷۰ نہیں لال سنگھ کا کہا مانتے　　نہیں تیج سنگھ کو پہچانتے

۱۷۱ تبے دینا ناتھ اور بھگت رام سے　　پھریں خالصہ میں نہ کچھ کام سے

۱۷۲ تکبّر سوں سب سنگھ بھولے پھریں　　گرو کا حکم چھوڑ بھولے پھریں

۱۷۳ تکبّر سوں کرتار کا دیر ہے　　کرے جو تکبّر سو وغیر ہے

۱۷۴ تکبّر اجازیل را خوار کرد!　　بزندان لعنت گرفتار کرد

۱۷۵ جتے تھے مصاحب سب لئے بلا　　جلد چند کوران یہ کینی صلاؔ

۱۷۶ یہ بُرچھے نہیں چھوڑ دے پران تن　　کروں قبضہ ابھی اُنکی جان لُون

۱۷۷ یہ پاتے نہیں ہیں سزا جب تلک　　دُوو آنکھ ملکر نہ لگتی پلک

۱۷۸ برادر کے مرنے کا دل داغ ہے　　ہمارے جگر میں لگ رہی آگ ہے

۱۷۹ لکھو کمپنی کی طرف یہ صلاح　　لیجے تخت لاہور کیجے پناح

۱۸۰ رہی پشت در پشت خود کی صلاح　　تمہیں دیکھتے دیکھ بنو ملاح

۱۸۱ لیا سُن یہ کاغذ جبے صاحباں　　اُٹھا جوش جنگی بہادر جواں

○ عزازیل، ○ صلاح، ○ پناہ،

۱۸۲ لگی ہین ڈوری کئی کوس میں — نہیں اُنکی گنتی پڑے ہوش میں
۱۸۳ کئی سینکڑہ توپ جنگی کلاں — غبارے جمبورے دیے ہیں نشان
۱۸۴ کئی رجمنیں پلٹنیں کالیاں — کتی فوج گورا انگھ لالیاں
۱۸۵ کیا ایس سب جنگ کا کام ہے — بندھی آن پروزمیں لام ہے
۱۸۶ اِدھر خالصہ کو کہا تب بلا — اٹھی فوج گوراں کی کیجے فتا×
۱۸۷ اتلب مانگتے ہو جسی طور سے — کرو جنگ اچھو بڑے زور سے
۱۸۸ تم ہی فوج گوراں کی جیتو جیسے — لیجے ہر طرح کی عنایت تیسے
۱۸۹ نہ جانا ہے فرفیز رانی کیا — تبھے خالصہ جنگ سارا لیا
۱۹۰ جتی توپ جتنی تخت چپاڑیاں — جتی خورد توپیں جلد کاڈیان
۱۹۱ غبارے جمبوروں کی پاتیں گھنی — سپہر اور شمشیر کو نہ گنی
۱۹۲ جیسے بیچ جمبور تڑ تڑ تڑاک — کرے شکل نوین کی کڑ کڑ کڑاک
۱۹۳ ہزاریں پتھر کل جھکے پڑی — سبھی پلٹن رجتیں چڑھ کھڑی
۱۹۴ ہوتے جن کے مالک ہیں دشمن بنا — کیا جنگ میں اُنکی ہووے مانٗ
۱۹۵ تبے آن انگریز ڈلاں دیا — جیسے خوب رانی کو اپنا کیا
۱۹۶ مصاحب بئے پھر سب فوج سے — ہوا خالصہ خود بخود موج سے
۱۹۷ نہ ہوتی اِتی مالکوں کی زبان — نہ ہوتی فتح کمپنی صاحبان
۱۹۸ امرتسر سے ہو کر مصاحب چلیں — متاں جنگ میں ہو کر کہیں نہ ٹلیں
۱۹۹ کراوں کے سنگھوں نے ایسا متا — چلو پار ستلج کے کیجے فتا×
۲۰۰ کہا فوج انگریز کی کچھ نہیں — ابھی جیت لینگے چلیگا کہیں

× فتح، لہ فریب ۔ بہانہ، ٥ جتنی بمعنی بڑی، ٥ پاتیں بمعنی قطاریں
٥ مان بمعنی عزت، ٹ گھیرا، × فتح،

۲۰۱ ہُوا سب کے دِل میں تکبّر کلاں　　تکبّر کرن سے زُود ہو خزان

۲۰۲ سبے افسروں کو نکالا دیا　　اُنہیں خود بخود حکم اپنا کیا

۲۰۳ لیں ساتھ توپیں بندوقیں اپار[1]　　بھری اُن میں اچھی گولی ہزار

۲۰۴ او بارود گولا بھرایے شمار　　چلیں رجنیں پلٹنیں ہو قطار

۲۰۵ چڑھی گھڑ چڑھوں کی سبھی فوج ہے　　نہ مانیں حکم خود بخود موج ہے

۲۰۶ تکبر ساتھ جواں ایسے کہیں　　دو گھنٹہ میں دہلی کو جیتا چہیں

۲۰۷ اُٹھی دھمک دُشمن کی ہر طرف　　اُٹھی بیم خورشید چاروں طرف

۲۰۸ وکیلوں کری عرض اے صاحبا　　یہ سنگھن کرا زور تم پر کلاں

۲۰۹ یہ آتے چلے جنگ سازی کو کر　　ہمیں خوب جانی یہ جنگی مکر

۲۱۰ یہی اُن کو صاحب سنا کر کہا　　عہد ہے ہمارا نہ لڑنا کہا

۲۱۱ مہاراج نے جو کیا عہد ہے　　اُسی عہد ہم کو کیا قید ہے

۲۱۲ یہ لندن سے ہم کو لکھا صاحبا　　عہد پر خبردار رہنا جواں!

۲۱۳ یہ اول چلے توپ جس اور سے　　بھرے کروڑ ڈھائی ہوئے شور سے

۲۱۴ لکھا لاٹ صاحب یہ سنگھن طرف　　چلو ہٹ کے لاہور سُن کے حرف

۲۱۵ نہیں ہم کو لڑنے کی دِل چاہ ہے　　مہاراج سیوں دوستی راہ ہے

۲۱۶ یہ انگریز کا گھر کلاں بے شمار　　ضرورت ہو لڑنا تو خود مختیار

۲۱۷ سُنی لاٹ صاحب کی سنگھن صلاح　　نہ مانی کچھو خود بخود پادشاہ

۲۱۸ سبھی افسروں رل کے کینا متا　　نہیں ساتھ انگریز لڑنا رتا

۲۱۹ کِتوں نے کری بات نہ اختیار　　یہاں سیس دیتا ہے دشمن کو سا[2]

۲۲۰ اُٹھے سنگھ غصے کو کھا کر وہیں　　نہیں حکم دیتا ہے افسر کہیں

---

[1] بے شمار، [2] درُست،

۲۲۱ ہوا خالصہ جلد تیار ہے — ہوا لاٹ صاحب خبردار ہے

۲۲۲ گنڈا سنگھ جا کر کری چھیڑ ہے — تبی کمپنی دِل بڑی تیز[1] ہے

۲۲۳ اول ین ڈوری کا افسر پھڑا — دوو طرف تبی جنگ ہوا کھڑا

۲۲۴ جو مُدکی بھری ڈھاب[2] تھی آب سوں — دو طرفی کری دور دے ڈھاب سو

۲۲۵ اول آن گوران نے پانی لیا — تبے خالصہ جنگ سازہ کیا

۲۲۶ جھٹاپٹ نہ دم دیر گل جا وڑے — کڑا کڑ بندوقیں جھڑا جھڑ لڑے

۲۲۷ جلد واحد دوٹا[3] مچا جنگ ہے — لگی توپ چلنے جو رنگا رنگ ہے

۲۲۸ کیا لاٹ صاحب جنگی تمبور — لگی فوج لڑنے گئی لشک دُور

۲۲۹ لیٹ توپ سنگھن پلیتا جڑیں — جھپٹ آن گورا متابی پھڑیں

۲۳۰ دگے توپ گورا کی گولا پھٹیں — اسپ او جواں ہر طرف کو کٹیں

۲۳۱ بہت سنگھ توپن کے چھر اچھٹیں — کئی سینکڑہ اگر[4] گوراں اڑیں

۲۳۲ اسپ او گولنداز اُڑتے گھنے — گنے کون گنتی نہ جاتے گنے

۲۳۳ تبے لوتھ پر لوتھ پڑنے لگی — دُوو اور گرد کی لڑائی جگی!

۲۳۴ جہاں فوج سنگھن کی دم بھر اڑے — تہاں فوج گورا نہ دم بھر لڑے

۲۳۵ اُٹھے ہول سنگھن کی گوراں سے — گرے سینکڑے جلد گھوران سے

۲۳۶ کہیں لاٹ صاحب جواں خاص ہے — بیما الک لڑے فوج شاباش ہے

۲۳۷ اُدھر ہول گوراں کی آتی جبے — کچھو سنگھ گرتے زمین پر تبے

۲۳۸ کٹی فوج گورا کئی کوس ہیں — ہٹے فوج سنگھن کی افسوس ہے

۲۳۹ جمیل سنگھ اکالی کیا جنگ ہے — لبالب کری خون کی گنگ ہے

---

[1] غصہ، [2] کھپا تالاب - گردھا، [3] دونو طرف،

[4] اگاری - سامنے،

۲۴۰ دیا سیس سو ہے مذہب کاجے — مِلا وُہ شہیدن صدا غازیؔ ہے
۲۴۱ اِدھر مُجھوٹ بیراںؔ جنگی لیا — جنہیں جنگ کا آن جوراکیا
۲۴۲ تہاں لال سنگھ بھاج ایسی دیئی — رہیں توپ جو وصیں نہ لانی پئی
۲۴۳ اُدھر خوف سنگھن کے گورا سے گئے — دُووطرف کے قدم پاچھے پئے
۲۴۴ نہ اِن کی خبر جات اُن کی طرف — نہ اُن کی خبر آت اِن کی طرف
۲۴۵ دُووے بے خبر بھاج کر کے گئے — ہوا خالی میدان زخمی رہے
۲۴۶ تو پہاڑ سنگھ جا کہا صاحبا — بھگے سنگھ پاچھے نہ کوئی جواں
۲۴۷ تم بھی بھاج ڈر کر چلے جات ہو — خبر کیوں نہ پاچھے کی تم پات ہو
۲۴۸ نہیں کو رہا سنگھ میدان میں — پڑی توپ سُنی ہوں حیران میں
۲۴۹ تبے لاٹ صاحب نے مانا کہا — دیکھ جنگ سنگھوں کا حیران تھا
۲۵۰ اگر ماتبرؔ بھیج لینو خبر — تبی ہٹ چلینگے پڑے بے خبر
۲۵۱ کیا پہاڑا سنگھ تحقیق تب — ہٹے لاٹ صاحب لئی توپ سب
۲۵۲ اُدھر لاٹ صاحب نے پھیرا دیا — اِدھر آن سنگھوں نے ڈیرا کیا
۲۵۳ جو سنگھ زخمی تھے میدان میں — کری پروری اُن کی گوراں نے
۲۵۴ اِتا جنگ سنگھوں کا مُدکی ہوا — سُنو اب پھیرو مان ہوتا دُوا
۲۵۵ تبے روز فوجیں جمع کر لڑے — تبے سنگھ جنگی جلد کر لڑے
۲۵۶ نہیں افسر کو دلبری دیتے — بیاالک ہوئے جنگ کو لیتے
۲۵۷ جمع کر کے توپیں چلانے لگے — غبارے کا گولا اڑانے لگے
۲۵۸ جنجایل جمبوروں کی لاگی جھڑی — پتھر کلا اُٹھاتی کڑ کڑ پڑی
۲۵۹ توڑے دار بندوق ہیں گھوڑچڑی — جہاں گولی لاگے تہاں تڑپھڑی

ہ غازی؛ ۱ خوفناک؛ ۲ معتبر؛

۲۶۰ چلے تیز تلوار برچھی کٹار — جیسے بیچ لاگے نکس جات پار

۲۶۱ چڑھے رجمنیں پلٹنوں کے جوان — کتی گھوڑچڑھی فوج کالی کلاں

۲۶۲ دُوو طرف مُوئے افسر کئی — دُوو دِس گڈا بڈ لڑائی جگی

۲۶۳ لگے کرچ تلوار جس کے بدن — نکس جات سُو کھی رہے آس من

۲۶۴ کبھی فوج گوراں کی زورا کرے — کبھی فوج سنگھن کی آگے دھرے

۲۶۵ اُدھر لاٹ صاحب ساباسی دیے — اِدھر فوج شاہی بیمالک مرے

۲۶۶ اُدھر لاٹ دیتا ہے تلبیں تمام — اِدھر سنگھ بیدام لڑتے ہیں عام

۲۶۷ زمین پہ ہوا خُون دریا وہے — دُوو اور لڑنے کا دِل چاوہے

۲۶۸ بے مالک ہوئے دل دریغ کھا گیا — تبی فوج گوراں نے زورا دیا

۲۶۹ چتر سنگھ جنگی بہادر کلاں — کٹے ساتھ تلوار گورا جواں

۲۷۰ نمک کی شرط پر کیا جنگ ہے — دِیا سیس سُو ہا صدا رنگ ہے

۲۷۱ جیمل سنگھ کا ایک بھائی جواں — سُنا نام بدھ سنگھ بہادر کلاں

۲۷۲ کیا جنگ کا کھیت اس نے جبر — کئے گرد گورا نہ کرکے صبر

۲۷۳ اُوہاں خوب لڑ سیس اُس نے دِیا — شہدن کے ڈیرا میں ڈیرا کیا

۲۷۴ چڑھا کور سنگھ جنگ کرکے کلاں — گنڈا سنگھ بھنڈاری ہے مارا جواں

۲۷۵ گیا جنگ کا کھیت تب ٹوٹ کر — بے مالک بھئے کون لیتا خبر

۲۷۶ دیئی توپ بارُود ڈیرہ دیا! — گرُوان کے سر پر نہ سایا کیا

۲۷۷ جتے بیچ مالک رہے بیٹھ دبے — نہ دیکھا سنگھوں طرف وہ ڈھیٹ تھے

۲۷۸ کہاں جنگ سنگھن کی ہووے فتح — نہ ساباس دیتا ہے مالک رتا

۲۷۹ جیسے جیت سنگھن کی ہونے لگے — تبے اُن کے مالک اگاڑی بھگے

---

۱ طرف، ۲ نہایت خونریز۔ گھمسان کی،

۲۸۰ اِدھر تو جلد سنگھ آئے اُرار | رہیں بہت توپیں و اسباب پار
۲۸۱ کبھی فوج گوراں کی یہاں لڑے | کبھی لُدھا نے لڑائی پڑے
۲۸۲ اُدھر زور رنجودھ سنگھ نے دیا | تہاں جنگ نے خُوب زور اکیا
۲۸۳ جگیں تُرم تمبور مارُو بجیں | سجیں سنگ جو دھا جودھا بجیں
۲۸۴ چلیں توپ گولا غبارے پھٹیں | اسپ او جواں ہر طرف کو کٹیں
۲۸۵ جنجایل جمبورا دو نالی کڑاک | اُٹھیں دم بدم بہتر کلپڑاک
۲۸۶ اِدھر و اُدھر کے زمین پر گریں | ہٹیں نہ قدم بیچ میدان مریں
۲۸۷ زور سنگ چلے کرچ تلوار چھٹ | کرے بیچ میداں آدھو آدھ کٹ
۲۸۸ لڑیں سُورمے خوف دل چھوڑ کے | نکس تیر ماتھا چلیں پھوڑ کے
۲۸۹ بدو وال میں جنگ سنگھن کیا | لُٹی توپ بارُود ڈیرا لیا
۲۹۰ تہاں لاڈوے کا جو راجہ لڑا | سبھی کوپ گورا کا اس پر پڑا
۲۹۱ لڑیں پلٹنیں خُوب ہو کر جمع | نہیں جنگ کرنے کی راکھی طمع
۲۹۲ تہاں جنگ سنگھوں نے ایسا لیا | ہٹا جنگ گورا کا پاچھے کیا
۲۹۳ یہ انگریز کا گھر بڑا بے شمار | بھگیں ہر جگہ پھر رہیں خبردار
۲۹۴ اُدھر لڑ کے پھر فوج آتی اِدھر | اِدھر لڑ کے پھر فوج جاتی اُدھر
۲۹۵ جلد چھوڑ افسر کو اپنا کیا | کسے بیدی سوڈھی نے دل نہ دیا
۲۹۶ نہیں دِل کو دے کر کے آگو لڑا | فتح خالصہ ہو بے مالک مرا
۲۹۷ نِدھان سنگھ سنگھوں کا سردار تھا | لڑا خوب جنگی خبردار تھا
۲۹۸ چلاتا رہا تیر ایسے جواں ! | کٹی فوج گورا کی اُس نے کلاں
۲۹۹ جبر جنگ اُس کے یہ قربان میں | دِیا سیس اُن خُوب میدان میں
۳۰۰ پھٹ انگ ایسے بہادر مُوئے | نمک کی شرط پر بہشتی ہوئے

۲۰۱ بدووال میں جنگ کیا کرار[1] چلی بھنودڑی[2] فوج اُدھر نہار*

۲۰۲ سنواب جو پھر جنگ مچنے لگا ہری کیوں کے بتن میں زور[3] جگا

۲۰۳ تبھی خالصہ ہو چلا پار کو دیا چھوڑ ہے اپنے گھر بار کو

۲۰۴ یہاں مل کے سنگھوں نے کینی صلاح[4] یہاں سیس دینا دشمن فنا[5]

۲۰۵ جتے بیچ سردار جنگی جواں سبن مان لینی ہے ایسی زباں

۲۰۶ یہاں شام سنگھ سیس دینا یہاں سُجس[6] کا آوازہ ہے لینا یہاں

۲۰۷ جبے جنگ گورا کا آویں گا جیت تبے آن کرکے کریں راج ریت

۲۰۸ کیا وان سرونس اپنا اُسے نہیں ہٹ کے آنے کی راکھے اُسے

۲۰۹ یہ داڑھی کو لیکر کے جانا کہاں ہری سنگھ جیسا صدانا کہاں

۲۱۰ اِتی شرط کرکے چڑھے جنگ سے اُسے ٹھوک جو کہ ہٹے جنگ سے

۲۱۱ جبے کوپ سنگھوں نے ایسا کیا تبے کاک گرجن ہلا سا[7] لیا

۲۱۲ سبھی سوان[8] گیدڑ خوشی ہو گئے ابھی پیٹ بھرنے کو جو تھے بھئے

۲۱۳ کِتے بھوت بیتال[9] آتے ہوئے کِتے جوگنی[10] جھنڈ ماتے ہوئے

۲۱۴ چڑھے خالصہ توپ کر کے جمع غبارن جمبورن نہ راکھی طمع

---

[1] کرارا۔ زبردست، [2] موقع، * دیکھکر، [3] خوفناک لڑائی شروع ہوئی، [5] فناہ، [6] نیک نامی، [8] کُتے، [7] خوشی منائی، [9] کُتے، [9] ہندی ویتال بمعنی جن، A goblin (esp. one that is supposed to haunt cemeteries and animate corpses.) J. D. Bate.

[10] مادہ بھوت (ہندی یوگنی) योगिनी A female fiend or sprite supposed to be attendant on Durga and to be created by her. (J. D. Bate.)

۳۱۵ مہاراج کے گھر کی کمی نہ تھی ! | اِتا سلسلہ ہے نہ دیکھا کبھی

۳۱۶ کہاں گنت جو توپ لُوٹی گئی | مہاراج کے گھر نئی تے نئی

۳۱۷ مہاراج کے گھر کی کہوں کیا تجھے | نہ اسباب گنتی کی فرصت مجھے

۳۱۸ کِتی توپ پر خن پہ چڑھتی رہیں | غبارے جمبوروں کی گھڑتی رہیں

۳۱۹ یہ پتھر کل کو اُستاد جڑتے رہیں | کِتے تو سدا نان مڑھتے رہیں

۳۲۰ کِتنے توڑ دارن کی گھڑتی رہیں | کِتے نوجواں کی بھرتی کریں

۳۲۱ پڑی ہوت تلوار سلکین[1] صدا | کئی لاکھ گھڑنے کی رہتی صدا

۳۲۲ رہے جنگ کی بات سب لیس تھی | پھٹے جگر دشمن کی ہمیشہ تھی

۳۲۳ ایسے شاہ بن سب بے مالک ہوئے | تبھی فوج افسر کے مالک ہوئے

۳۲۴ جتنے شاہ لشکر تھے اُن کئے | تتے رانی نے خود بخود دے دیئے

۳۲۵ وہ پاقی سراخوب رانی پڑی | نہیں وہ حُکم کی رہی یک گھڑی

۳۲۶ مہاراج مرنا ہوا یاد ہے | پڑی سب کے سر پہ یہ آفاد[۰] ہے

۳۲۷ جلد فوج مِلکر پڑی جنگ میں | لگی توپ چلنے جو رنگا رنگ میں

۳۲۸ غبارے کا گولا چڑھے آسمان | اُتر کر پھٹے فوج کاٹے کلان

۳۲۹ جمبوروں کیا زور ایسے جبر | سُنی جنگ در کوس کو سُن خبر

۳۳۰ چھُٹے تیر برچھی او شمشیر ہے | دو نالی چلے ہو نہ دم دیر ہے

۳۳۱ جبی دم بدم توپ کڑکن لگی | تبی دم بدم لوتھ پڑکن لگی

۳۳۲ چلیں کسیج کرچن کریں ہاڈ کو | لبالب کریں خُون کی آڈ کو

۳۳۳ تیہن قلعبین گولی کو توڑ ! | نِکس جات ہیں سنج فولاد پھوڑ

۳۳۴ پتھر کل بندوقین چلین توڑیدار | اُٹھیں ہیں پلیتا ہزارن ہزار

---

[1] صاف کرنا، چمکانا، [۰] بمعنی آفت،

۲۳۵ چلیں نوک نیزہ نکل جات پار　گریں جنگ میں بیر رانیں پسار
۲۳۶ ہزاریں کمانیں کڑکیں پڑی　چلیں تیر ساون کی لاگے جھڑی
۲۳۷ جتنے کیت میں شنیدہ اثر ہوئے　جتنے سنگھ جنگی وُہ وایر ہوئے
۲۳۸ پڑا زور ایسا زبر جنگ سب تھا　پڑا خون پر واہ عجب رنگ تھا[1]
۲۳۹ جا سے دیکھنے سیس ٹٹے پڑے　کتے دھڑ ادھو آدھ پکھیں[2] تڑفتے
۲۴۰ کتے سیکڑہ ہاتھ پاکٹ گئے　کتے اسپ او فیل تڑفیں پئے
۲۴۱ کتن ہاتھ گر پڑی تلوار ہیں　کتے کھینچ ماریں خبردار ہیں
۲۴۲ کتے مار و مار کرتے پھریں　کتے پیچ تایر قدم ہٹ کریں
۲۴۳ کبھی فوج گورا کی سنگھن کٹیں　کبھی سنگھ گورا کی فوجیں کٹیں
۲۴۴ دھوں او ے جنگ ایسا کریں　ہوئے پرنے پرنے نہ دم بھر ٹلیں
۲۴۵ تو انگریز کا مان چلنے لگا　کلاں فوج سنگھن ولنے لگا
۲۴۶ ش مانیں چھو سنگھ انگریز کو　بیمالک لڑیں فوج کر تیز کو
۲۴۷ وُہ جرنیل کرنیل مارے کئی　نہ خود افسروں کی گنتی رہی
۲۴۸ کتی گھوڑ چڑھوں کی کٹی فوج ہے　جنہوں شاہ آگے کری موج ہے
۲۴۹ نے خان بھیرو مان ستی ہوا　اسی جنگ میں خوب جستی ہوا
۲۵۰ لڑا خوب توپیں چلا کر جواں　بہشتی ہوا جنگ کر کے کلاں
۲۵۱ کٹے ساتھ تلوار گورا جواں　چڑھا کور سنگھ نھا اکالی کلاں
۲۵۲ میوا سنگھ زخمی ہوا سنگ میں　تجے پران اُس نے اُسی رنگ میں
۲۵۳ بیلا سنگھ مرا پنجاب مُوا　حکم سنگھ کٹ خوب ساتھی ہوا
۲۵۴ فتح سنگھ جوگی مُوا خوب لڑ　دیا سیس سو ہے ہوا ہے امر

---

[1] بہتی ندی، [2] دکھائی دیتے تھے،

۲۵۵ ہیرا سنگھ جنگی لڑا خوب ہے — کری فوج دشمن کی بیہوش ہے
۲۵۶ کلاں جنگ کر کے ساہمنے مرا — شہیدن کے ڈیرہ میں ڈیرہ کرا
۲۵۷ نہیں گنتی سنگھوں کی جیتے مؤے — نمک کی شرط پر بہشتی ہوئے
۲۵۸ مجیٹھے کا سردار قوت کلاں — جو مہتاب سنگھ جنگی قوت مہاں
۲۵۹ لڑے خوب زورا سے گورا کٹے — نمک کی شرط پر قدم نہ ہٹے
۲۶۰ لڑائی کری خوب پل پل سبھی — ہوئی انکو ساباس پل پل تبھی
۲۶۱ تہاں فوج گورا بہت گل گئی — خبر بیچ لندن جلد کر دئی
۲۶۲ کٹی فوج سنگھن کی گنتی نہیں — مہاراج کے بن وہ بنتی نہیں
۲۶۳ لڑے دو طرف کے بہادر جواں — تھی افسروں کی گنتی کلاں
۲۶۴ کئی دان کپتان او صوبہ دار — کرے کون گنتی لٹیں بے شمار
۲۶۵ مریں ساہمنے ہاتھ کر کے جواں — بریں حور ان کو بٹھا کر وہاں
۲۶۶ شہادت ہے مرنا سو ہے خود قد — وہ جاتے بہشتن سبھی خود بخود
۲۶۷ نمک کی شرط پر جو مرنا چہے — تسے لوک پرلوک ساباس کہے
۲۶۸ جبی فوج سنگھن کی ورجن لگی — تبی فوج گورا کی گرجن لگی!
۲۶۹ اٹاری کا سردار جنگی جواں — مہاراج کا تھا مصاحب نشان
۲۷۰ دکھا شیام سنگھ بیچ چاروں طرف — پھٹی فوج جاتی ہے ہر یک طرف
۲۷۱ چطرفیں نشاں کر کھڑا ہو گیا — نمک کی شرط کا کڑا ہو گیا
۲۷۲ دو و باپ بیٹا جڑے ہو گئے — کتے ساتھ اُن کے کھڑے ہو گئے
۲۷۳ ہکارا دیا خالصہ کو تبے — کہاں جات ہو بیچ دریا لبے

---

[۱] جنگل کے درخت و پتے، [۲] (دہان) دیوتوں کا اُڑکھٹولا، [۳] پیچھے ہٹنے لگی،
[۴] طاقتور، [۵] پکارا، [۶] کنارہ،

۲۷۴ تبے سنگھ کتے جمع ہو گئے　　وہ فنا سہنسر[۱] میداں ہو گئے

۲۷۵ لئی شیام سنگھ ہاتھ شمشیر ہے　　جسے سر پہ لاوے نہ دم دیر ہے

۲۷۶ چلے آت گورا عمل کی لٹک　　لگے جسکے تیغ مرے سر پٹک

۲۷۷ کٹا سیس گورا کا تھوڑا نہیں　　تھکا ہاتھ جب تلک جوڑا نہیں

۲۷۸ کٹی فوج دُشمن کرتا صبر　　گئی بیچ لندن اُس کی خبر

۲۷۹ کیا اُس نے لندن کو خالی بیشک　　نہیں بات اِس میں رہی کچھ بھی شک

۲۸۰ مُوا ہو بہادر جواں جنگ میں　　ملا وُہ شہیدن اُسی رنگ میں

۲۸۱ ہوئی اُس کو شاباش چاروں طرف　　نگر سے نکلا ہے "ہا ہا" حرف

۲۸۲ کتے صاحب جنگی بہادر موئے　　کتے بیر سردار پُرزے ہوئے

۲۸۳ کتے جلد کر بیچ دریا بہے　　کتے بیر سردار پُرزے ہوئے

۲۸۴ کتے ساتھ گولا اُڑے آسماں　　ہوئی جنگ ہوں میں فتح صاحباں[۲]

۲۸۵ نہ ہوتی سُستی جو سنگھ تیر کی　　رہی تھی نہ باقی تو انگریز کی

۲۸۶ جسے پُشت مالک کا سایہ ہوا　　تسے کا فتح جنگنامہ ہوا

۲۸۷ سبھی سر کے اوپر یہ قسمت قبول　　کسی کی فتح اور کسی کی عدول[۲]

۲۸۸ ملے اِن کے مالک جو انگریز ہیں　　دغا کر کے مروائے فرفیز ہیں

۲۸۹ ہوئے کمپنی کے بہادر جواں　　بے مالک بھئے سنگھ ہوئے چلاں[۳]

۲۹۰ نہ ہوتا ہے مالک کبھی خالصہ　　کہاں کمپنی اِن سے باقی فتنہ

۲۹۱ حکم جو ہے مالک کا ہوتا سوئی　　کہو لاکھ باتیں بنا کر کوئی

۲۹۲ ہوا تیج جو ایسا انگریج کا　　نہیں سُر آتا اُسکے تیج[۶] کا

---

۱ ہزاروں، ۲ شکست، ۳ روانہ، ۴ فتح، ۵ انگریز،

۶ روشنی - شان و شوکت،

۳۹۳ گورنر جو صاحب بہادر ہوا فتح کا نشانہ صادر ہوا

۳۹۴ تبے ہُول کر جھپٹ لینا لاہور دوابہ لیا جیت کر کے فلور

۳۹۵ تبے کمپنی دیس دیسن جگی ولایت سبھی تھر تھرانے لگی

۳۹۶ ملی آن رانی کی داسی کلاں سُنا نام اُس کا کہیں منگلاں

۳۹۷ مصاحب اور راجہ سبھی مِل گئے ملی آپ رانی وُہ مالک بھئے

۳۹۸ حُکم ہو گیا سب انگریز کا کیا رانی جنداں کے فرفینز کا

۳۹۹ سبھی فوج کو توڑ ڈالا تبھی ہُوا تیج انگریز زورا تبھی

۴۰۰ کِتے لاٹ مُلکی چلے آت ہیں کِتے لاٹ جنگی چلے جات ہیں

۴۰۱ یہ انگریز کے گھر کی گنتی نہیں کلاں ہے حدود نہ دیکھا کہیں

۴۰۲ اِتی بات تے کمپنی جیت ہو یہ پُھوٹے جواں ایک بدنیت ہو

۴۰۳ کیا جنگ انگریز خود زور سے کیا مُلک اپنا چہُوں[1] اور سے

۴۰۴ اُنی سے کے اوپر بتے دوُو سال لیا مُلک انگریز نے کر کمال

۴۰۵ عجب دیس دوابہ میں بنگہ کاں لِکھا جنگنامہ اُسی درمیاں

۴۰۶ کیا جنگنامہ ایہہ تمام ہے اگر نہ خبر کام بیکام ہے

---

[1] چاروں طرف ،
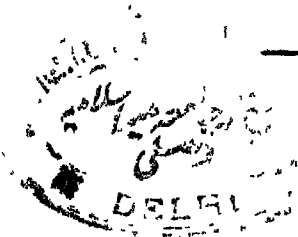
جنگنامہ کے مطالب کا خلاصہ

۱ سے ۲۰ سطر تک: حمد الٰہی۔ ستجگ۔ تریتا۔ دواپر و کلجگ کے راہنماؤں اور بزرگوں کے نام کا تذکرہ۔ ایک طرف ایسٹ انڈیا کمپنی کے بہادر اور دوسری طرف سکھ امن کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ کہ یکایک ستلج کے کنارے انگریزوں اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کی رعایا کے درمیان مٹھ بھیڑ ہوئی۔ مگر سردار پھولا سنگھ نے خوب مقابلہ کیا۔

۲۱-۴۹ سکھوں کا راج لاہور۔ کانگڑہ۔ ملکیرہ۔ کشمیر۔ ملتان اور پشاور میں قایم ہو چکا تھا مہاراجہ رنجیت سنگھ صاحب کے دل میں سری گورو گرنتھ صاحب کی کامل تعظیم۔ دھیان سنگھ مہاراجہ صاحب کا وزیر بنا۔ ملک میں بے انتہا جنگی سامان اکٹھا ہونا۔ مہاراجہ صاحب کا بیمار پڑنا۔ اور آخر سمت ۱۸۹۶ بکرمی کو عالم عقبےٰ کو سدھارنا۔

۵۰-۶۸ مہاراجہ رنجیت سنگھ کا ماتم۔ مہارانیوں کی ستی۔ مہاراجہ صاحب کی ہر دلعزیزی و فیاضی۔ شہزادہ کھڑک سنگھ کی تخت نشینی۔ جیت سنگھ و شاہزادہ کھڑک سنگھ کی موت و اودھم سنگھ کے فرزند کا جام شہادت پینا۔ وزیر دھیان سنگھ پر اس کا الزام۔

۶۹-۹۲ دھیان سنگھ نے شیر سنگھ کو تخت پر بٹھانے کی ٹھانی مگر اس بات کو سندھاوالیے سرداروں نے نامنظور کیا۔ رانی چند کور تخت پر بیٹھی۔ لوگوں کے دل میں نفرت۔ آخر شیر سنگھ کا تخت پر بیٹھنا۔

سندھاوالیوں کا شیر سنگھ کا ساتھ دینا۔ رانی چند کور کا حمل گروا ڈالنا۔ جو آخر اس کی موت کا سبب ہوا۔ عطر سنگھ و جیت سنگھ کی افتراق انگیزی

جیت سنگھ و شیر سنگھ کی دلی محبت۔ آخر جیت سنگھ شیر سنگھ کو قتل
کر دیتا ہے۔ اسی مار دھاڑ میں سردار بدھ سنگھ۔ وزیر دھیان سنگھ
و کور کا مارا جانا۔

۱۱۲-۱۶۴ شاہزادہ دلیپ سنگھ کا سردار ہیرا سنگھ۔ امر سنگھ و گردت سنگھ
کی مدد سے تخت پر بیٹھنا۔ اختلاف اور جنگ۔ سردار جیت سنگھ
و لہنا سنگھ کی وفات۔ جلّا کی مدد سے ہیرا سنگھ کی وزارت پیجیت سنگھ و
عطر سنگھ کی موت۔ ہیرا سنگھ کا جلّا سمیت بھاگ نکلنا اور جواہر سنگھ
کے ہاتھوں قتل ہونا۔ سوہن سنگھ و لابھ سنگھ کی موت۔ جواہر سنگھ
کا وزیر ہونا۔ پشورا سنگھ کو موت کے گھاٹ اتار کر خود بھی مارا جانا۔

۱۶۵-۱۸۹ رانی جندکور کی رنجیدگی اور انتظام ملکی۔ لال سنگھ و تیج سنگھ کا
رانی سے پیار۔ دینا ناتھ و بھگت رام کی ناکام کوششیں۔
جندرکور کا جذبۂ انتقام اور انگریزوں کو لاہور پر حملہ کی دعوت
اور انگریزوں کی طرف سے لڑائی کی تیاری۔

۱۹۰-۲۵۳ انگریزوں کا سکھوں پر حملہ اور مقابلہ۔ انگریزوں کی چال۔
سکھوں کو صلح کے لیئے کہا اور مہاراجہ رنجیت سنگھ صاحب
سے پچھلے تعلقات جتانا۔ سکھوں کا انگریزوں کی باتوں میں
آنا اور کثیر فوج کو لاہور واپس بھیج دینا۔ گنڈا سنگھ کچھ فوج
سمیت انگریزوں میں جا کودا۔ مدکی میں زبردست جنگ۔
دشمن کے دل میں گنڈا سنگھ۔ جمیل سنگھ آکالی و لال سنگھ
کی بہادری کی دھاک۔ پہاڑا سنگھ کا انگریزوں سے جا ملنا۔
اور سکھوں کی گھر کی پھوٹ اور خانہ جنگی کا راز ان پر نمایاں

کرنا۔ انگریزوں کا نئے سرے سے جنگ میں کودنا۔

۲۸۸-۲۵۴ پھیرو مان میں جنگ چھڑنا۔ دونو طرف کافی نقصان۔ چتر سنگھ
بدھ سنگھ۔ کور سنگھ۔ گنڈا سنگھ۔ بھنڈاری۔ رنجودھ سنگھ
کا میدانِ جنگ میں کام آنا۔

۲۸۹-۲۵۹ بدووال میں جنگ چھڑنا۔ ندھان سنگھ کا مارا جانا۔ ہری کیون
کے پتن پر لڑائی۔ سردار شام سنگھ کی بہادری۔ رانی جند کور
اپنی فوج سمیت انگریزوں سے جا ملی۔ مانے خان پھیرومان
ستی کا مارا جانا۔ کور سنگھ۔ میوا سنگھ۔ بیلا سنگھ۔ حکم سنگھ
فتح سنگھ۔ ہیرا سنگھ و سردار مہتاب سنگھ کی شہادت۔

۳۶۰-۴۰۶ سردار شیام سنگھ آٹاری والے اور اُن کے لڑکے کا دشمن
سے جنگ مچانا اور آخر انتقال پا جانا۔ فتح انگریزوں کو
نصیب ہوئی۔ داسی منگلاں بھی دشمن سے جا ملی۔ سمت ۱۹۰۲
بکرمی کو انگریز مُلک پر پورے طور سے قابض ہو گئے۔

بلدیو سنگھ

قصهٔ قصد پادشاه بیجانگر و شرح آن

۱۹ درآن زمان[۱] که حاوی (۳۸۹ ب) اوراق هنوز در شهر کالیکوت بود* در شهر بیجانگر قصهٔ غریب و صورتی عجیب روی نمود، و شرح آن چنانست که برادر پادشاه وثاقی نو ساخت و پادشاه و ارکان دولت را طلب داشت، و عادت کفار آنست که در حضور یکدیگر طعام نخورند، متعیّنان را در دیوان بزرگ نشانده هر زمان خود می آمد یا کسی می فرستاد که فلان بزرگ آید تا دعوت خورد، و[۲] درین حال هرچند دُهل و نقّاره و بُرغو و نفیر که در شهر بود جمع آورده بقوّت و صلابت مینزدند، هر کس را که می طلبید

۱۰ و بخانهٔ معیّن در می آورد دو غدار ستمگار از کمینگاه قفای در بیرون آمده و کتارها در آن شخص نهاده پاره پاره می کردند، و اعضا و اجزای او را بر داشته دیگری را می طلبید[۳]، و هر که دران قتلگاه در آمد چون مسافران راه آخرت ازکسی خبر نیامد و زبان زمان بران خون گرفته می خواند که ع

باز آمدنت نیست چو رفتی رفتی

و از آواز دُهل و شور و شغب هیچ آفریده غیر معدودی چند ازین حال خبر نداشت تا هر کرا اسمی و رسمی بود از میان

---

[۱] سیول ایلی برص ۷۲ ببعد این قصه را درج کتابش نموده و برص ۳۰۳ یک روایتی دیگر هم دارد این قصه را ۔ [۲] یعنی "از اواخر جمادی الاخری تا اوائل ذی حجه" ۸۴۶هـ (= اتنا اوائل نومبر ۱۴۴۲ء تا اوائل اپریل ۱۴۴۳ء رک برص ۸۵، [۳] فقط آ — [۳] ب ا ک یب: طلبیدند،

برداشت، و مجلس را، ہمچنان گرم گذاشتہ متوجہ درگاہ پادشاہ
شد، و جمعی نگاہ بانان کہ بر درگاہ بودند ہمہ را بچرب زبانی دعوت
کردہ در پیٔ دیگران روان ساخت، و درگاہ را از مستحفظان
باز پرداخت، و پیشِ پادشاہ درآمد، طبقی تنبول در دست
و کتارہ چون برق در زیرِ آن نہان، پادشاہ را گفت مجلس
مرتب شدہ موقوفِ مقدمِ ہمایون است، پادشاہ بموجب
فرمودۂ اَرْبَابُ الدُّوَلِ مُلْهَمُوْنَ گفت: مزاجِ من ناخوش است،
شما خوش باشید کہ من نمی آیم بیت

باز بہ بط گفت کہ صحرا خوش است
گفت شبت[۱] خوش کہ مرا جا خوش است

براد‌رِ نامہربان چون از آمدنِ پادشاہ مایوس شد کتارہ برآوردہ
فرود آورد و چند زخمِ عظیم زد، چنانچہ پادشاہ در قفای تخت افتاد،
آن غدار پادشاہ را کشتہ[۲] انگاشتہ از معتمدانِ خود کسی را
باز داشت کہ سرِ پادشاہ را جدا سازد، و خود بیرون
آمدہ بر ایوانِ درگاہ برآمد و آواز برآورد کہ پادشاہ و برادران
و فلان امیر و بہمان وزیر و باقی سرداران را کشتم و اکنون[۳]
پادشاہ منم، و چون معتمدِ او بقصدِ سرِ پادشاہ پیشِ تخت رفت
پادشاہ کہ در قفای تخت افتادہ بود تخت را چنان بر سینۂ
آن غدار زد کہ بر قفا افتاد و یکی از جانداران[۴] کہ از ہولِ واقعہ
۲۰ در گوشۂ پنہان شدہ بود غدارک را بقتل آورد و از راہِ حرم

---

[۱] Goodnight؛ [۲] نقطک —، [۳] ک —؛ [۴] جاندار سلاح دار و نگہبانِ
جان (فرہنگ آنند راج)، نیز رک بہ آ، ع ۵ رک بہ خمسۂ نظامی (مخزن الاسرار) ص ۳۶ س ۱۱۸

بیرون آمد، و برادر بر سر ایوان[1] همچنان مردمان[2] را بپادشاهی خود می خواند، پادشاه آواز داد که من زنده و سلامتم بگیرید این[3] حرامزاده را، رعیت جمع شده در حال او را فرود آوردند و بقتل رسانیدند، و بطلب باقی برادران و سایر امرا فرستاد، همه را کشته بود مگر دنایک[4] وزیر که پیش ازین واقعه بطرف سیلان رفته بود، پادشاه قاصدی بطلب او دوانید و او را از حقیقت آن[5] واقعه آگاه گردانید، و هر کرا[6] دران قضیه شایبهٔ موافقتی بود از بنیاد بر انداخت و بیاری[7] را کشته و پوست (۳۹۰ ر) کنده و سوخته خاندانها[8] را بکلی مستأصل ساخت، و کسی را که جهت دعوت جغرات[9] آورده بود بقتل[10] آورد*، دنایک[11] از راه برگشته و شرح واقعه دانسته متحیر ماند، و بشرف پابوس یافته بر صحت ذات بادشاه بمراسم شکر قیام نمود، و آیین جشن مهناوی[12] می بیشتر از پیشتر اهتمام نمود،

۱۰

---

۱ آ ق : دیوان ، ۲ فقط آ : مردم ، ۳ ب ، ک ـــ ، ۴ آ : ردامک ، ک ب مثل متن ، آ ق : دیانک ، ۵ آ ق ک ـــ ، ۶ آ ب ق : بسیاران (بجای بسیاری) ، آ : ایشان ، ۷ آ ب : کرده ، ک : کرداشه ق ـــ ، ۸ ک به حواشی و زیادات ، ۹ ک : بقتل ، (یعنی کلمهٔ آورده افتاده است ازین نسخه) ، ک : با قوم او هلاک ساخته (بجای بقتل آورد) ، ۱۱ آ : دنامک ، ق آ مثل ح ۴ ۱۲ ک (بهر موضع در سطور آینده) : مهناوی ق (بهر موضع) مهنادی ، ـــــ

این تصحیفات را در صفحات آینده نه نوشته ایم، برای جشن های اهل بیجانگر مهانومی (Makanavami)

ذکر جشن مهناوی که پیش کفار اعتبار بسیار دارد

کفار تسلط شعار آن بلاد و دیار از روی تکبر و استکبار و تجبر
و افتخار سالی یکبار جشنی پادشاهانه و بزمی خسروانه مهیا
می نمایند، و مهناوی می نامند، و آن چنانست که پادشاه بیجانگر
فرمود که از تمام ممالک او که سه چهار ماهه راهست سرداران
و کلانتران روی بدرگاه پادشاه آورند، و هزار فیل چون
دریای جوشان و ابر خروشان بلباسهای آراسته
و صندوقهاء پیراسته و بازی گران و نفط اندازان در آن[۱]
بازداشته، و بر روی و خرطوم و گوش فیلان صورتهاء غریب
۱۰ و نقشهای عجیب بشنگرف و غیر آن نگاشته حاضر ساختند

بیت[۲]

فیل چو کوهی که بود بی ستون[۳] — چار ستون زیر کُهی بی ستون
وان جل زر بفتش بفر و شکوه — سایه همیکرد ببالای کوه
زان سپر انگیزی بی مهناک — در ته پالیش سپری گشت خاک
شوده[۴] بگردون سر شنگرف سای — رنگ شفق زد شده شنگرف زای
پیچش خرطوم بسان کمند — اژدری افتاده ز کوهی بلند
گر بدل غار بود جای مار — زو بدل مار شده جای غار

---

[۱] رک پیغو گذشته ح ۱۲ ۔ [۱] ک آ ب ت : در انها دبی بی دران) ق : در آنها ۔ [۲] رک برق ص ۵۱۰ برای فیلی که تیمور به مصر فرستاده بود، [۳] رک به قران السعدین ص ۹۰ ببعد، ترتیب ابیات در مطلع و متن مطبوع مختلف است، و صاحب مطلع بعضی ابیات را گذاشته ۔ [۴] قران السعدین : بی سکون (بجای بی ستون)، آثار ص ۴۰۶ مثل متن، [۵] قران : سوده،

کشتی ما جست تو گوی روان — گشته دو گوشش زد و سو بادبان

گوش که با چشم همی کرد[1] لاغ[2] — مژده[3] ده بود به پیش چراغ

روی چو در حمله نهد گاه کین — زاد سیان حامله گردد زمین

برکشد از تارک بدخواه مغز — وز[4] بن دندان کند این کار نغز

چون جرسش در روش آواز داد — گنبد گردنده صدا باز داد

بانگ بلندش زده با رعد کوس — ابر بلندش بقدم داده[5] بوس

گر[6] بفغان برکشد آوا[7] بلند — گوش فلک نشنود الا بلند

چون سرداران لشکر و گردن کشان هر کشور و دانایان برهمن و فیلان چون آهرمن بر درگاه فرمان فرمای زمین و زمن بموعد معین جمع آمدند سه روز متعاقب در ایام بیض[8]   ۱۰

---

[1] فقط آ: کرده، [2] بمعنی بازی، [3] فقط ک: مورچه، [4] فقط آ: از (بجای وز)، [5] قرآن: داد، [6] قرآن: ور، [7] ک اک: آواز (بجای آوا)،

[8] ایام البیض روزهای شبهای روشن است و آن سیزدهم و چهاردهم و پانزدهم ماه باشد علی حذف المضاف ای ایام اللیالی البیض (فرهنگ آنندراج بذیل بیض)، و این تاریخها در رجب ۸۴۶ھ مطابق است به ۲۷ تا ۲۹ نوبر ۱۴۴۲ء بقول سیوایل مصنف را بظاهر در نام این جشن مغالطه رو داده، مهانومی جشنی نه روزه است نه سه روزه، و آغازش از روز اول ماه است بعد رویت هلال، و بحساب بش به ۱۲ ستمبر واقع می شد نه به نوبر، گمانش که مصنف جشن نوروز را دیده نه مهانومی را، آن هم درست نیفتد از انکه تاریخ جشن نوروز ۱۲ اکتوبر است و آن هم در روز اول ماه وحالانکه مصنف صراحةً ذکر ایام بیض کرده است که به بدر تعلق دارد نه به هلال، در خاتمۀ حبیب السیر ص ۲ سطر آخر نیز "ایام بیض ماه رجب" را به "سیزدهم و چهاردهم و پانزدهم" تشریح کرده، شک نیست که مراد مصنف از همین ایام است، مغالطه شاید در توافق اینها به سنۀ بیجانگری است، رک به سیوایل ص ۹۳ برای تنقید و حدس های او،

ماه رجب در فضای بسیار وسیع و مقامی بغایت بدیع
از کثرتِ آن سواد و نیلانِ کوه نهاد امواجِ بحرِ اخضر و افواجِ
دشتِ محشر معاینه بود، و صورت وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ
بی شبهت روی نمود بیت[۱]

هیکلِ فیلان بزمین خم فگند
زلزله در عرصهٔ عالم فگند

زان همه دندان که بلا سنج بود
روی زمین عرصهٔ[۲] شطرنج بود

از حشم و[۳] پیل دران پیل مال
حشر جسد ثابت و سیرِ جبال

دران فضای دلکشا چهار طاقهای جانفزا بسته بودند،
سه طبقه و چهار طبقه و پنج طبقه، از بالا تا پایان تصویر مجسم
کرده، هر صورتی که در خیال آید از آدمی و وحوش و طیور
و سایرِ حیوانات تا مگس و پشه همه در غایتِ دقت
و حذاقت ساخته، و بعضی چهار طاقها چنان (۳۹۰ ب)
پرداخته که گردان بود، و هر ساعت روی دیگر می نمود، و از
منظرها و غرفها هر لحظه ماه رویی دیگر چهره می کشود، و در پیشانِ
آن میدان چهل ستونی نه طاق در کمالِ لطافت تزیین داده،
و تختِ پادشاه در طاقِ پنجم نهاده، مقام فقیر در طاقِ هفتم

---

[۱] قرآن مجید ۸۱ (التکویر) : ۵، [۲] آ ب : ـــــ نظم، ـــــ رک برای
این ابیات به قران السعدین ص ۴۹، [۳] قران السعدین : رفعه (بجای
عرصه)، [۴] ک ـــــ ،

مقرر فرمودند، و غیر یاران فقیر هر که دران طاق[۱] بود اخراج نمودند،

و میانِ چهل ستون و چهار طاقها در میدانی بغایت پاکیزه **مطربان** و قوالان خوانندگی و گویندگی کنند، و بیشتر مطربان دختران باشند جمعی دختران ماه رخسار و چهره‌های[۲] خوشتر از نوبهار با جامهای زیبا و صورتهاء دلربا بسانِ گلِ تازه درپسِ پردهٔ نازک می آمدند تا برابرِ بادشاه ناگاه پرده را که دو[۳] طرف گرفته اند* بر اندازند، و دختران راهِ پاکوفتن سازند بنوعی که عقل از هوش رود و روح مدهوش گردد **نظم**[۴]

شد[۵] زنِ مطرب به نوا پروری | انجمنی پُر زمه و مشتری
پرده بر انداخته از[۶] آفتاب | کرده بیک غمزه جهانی خراب
روی چو خورشید بر افروخته | جانِ کسان زآتشِ خود سوخته
از رُخشان آمده زنخ فرود | رفته بچه ماهِ مُقنّع فرود
قامتشان بود بپا کوفتن | گیسوی مشکین بزمین روفتن
رقص کنان چون بزمین پا زدند | درحقِ ناهید لگدها زدند
از روش[۷] و جنبش و دستانشان* | مجلسیان هر همه حیرانشان

بازی گران بازیهای غریب کنند، سه چوب نهند پیوسته

---

[۱] تصحیح از روی ق، ک : طاقها، [۲] چهره پسر ساده را گویند رک به فرهنگ آنندراج، [۳] ب ق : از دو انخ (بجای دو الخ)، اک : دو کس از طرفین گرفته اند، آ: از دو طرف گرفته، [۴] رک به قران السعدین ص ۱۸۶ ببعد، [۵] قران السعدین : شد (بجای صد)، [۶] قران السعدین : چون (بجای از)، [۷] قران السعدین : از روش جنبش دستان شان،

بهم هر یک گزی طول و نیم گز عرض و سه چهار یک ارتفاع،
و دو چوب دیگر[1] بر بالای دو چوب اوّل نهند بدرازا و پهنا نزدیک
بآنها، و یک چوب نهند بر بالای چوب دوم که بر بالای چوب*
اوّل است، اندک خردتر، چنانچه[2] از چوبهای اوّل و دُوم دو پایه
شود بنسبت چوب سیُم که بر بالای همه است، و فیل[3] بزرگ
را آموخته اند که از چوب اوّل و دُوم بر بالای چوب سیم
رود که کشادگی روی آن چوب اندکی از کف یک دست
فیل زیادت باشد، و چون فیل خود را بچهار دست و پا بر آن
چوب نگاه دارد باقی چوبها را از قفا بر دارند، و فیل چون بُرز[4]
۱۰ بر سر آن سه چوب باشد، و هر اصولی که مطربان سازند
و نوازند فیل آن را بخرطوم نگاه دارد، و ملایم آن جنبش نموده
خرطوم بر آرد[5] و فرود آرد، دیگر عمودی[6] بر پای کنند در بلندی ده
گز و چوبی دراز چون شاهین[7] ترازو[8] و میان سوراخ بر سر
آن عمود راست سازند، بر یک سر آن چوب شاهین بوزن
فیل سنگ بسته و بر سر دیگر مقدار یک ذرع[9] تخته پهن ساخته،
سری که تخته دارد بریسمان پایین[10] کشند و فیل روان بران
تخته رود و فیلبان آهسته آهسته ریسمان راست می

---

[1] فقط از ک افتاده است، — آ: بدازا (بجای بدرازا)، ب: مدراا، با ق: بدرازا، اک: بر دراز — ق: با آنها (بجای بآنها)، — آ: نهد (بجای نهند)، [2] فقط آ: چنانکه، [3] ک ق با: فیلی، [4] اک: بزبر (بجای بُرز بر)، ق با: بر زبر، اک مثل متن (با ضمهٔ بای بُرز)، [5] اک: باصول بر آرد (بجای بر آرد)، [6] فقط ک: عودی (بجای عمودی)، [7] آنچه از چوب و آهن می سازند و هر دو کفهٔ ترازو از آن آویزند لفرهنگ آنندراج
[8] آ اک —، [9] کذا فقط در ک، در دیگر نسخ: گز، [10] آ: پایا (بجای پایین)، با ق ب

گذارد تا هر دو طرفِ چوب در دَه گز ارتفاع چون شاهینِ ترازو طلّیار راست ایستد، و پیوسته آن چوب که بر یک طرف نیل است و بر دیگری همسنگِ آن[۱] سنگ چون نصف دایرهٔ نیم دوری در برابر بادشاه بر یمین و یسار می آید و می رود، و فیل در آن مقام ع

چنان بلند که آنجا نمی رسد آواز

راه اهلِ سازنگاه داشته حرکات باصول می کند، و هر جماعت که خوانندگی و بازی کنند پادشاه ایشان را هم[۲] در مجلس زر و جامه بخشد، سه روز پیوسته از آن زمان که طاؤسِ آفتابِ عالمتاب بر میانِ آسمان در جلوه بود تا آن هنگام که (۳۹۱ الف) غرابِ ظلامِ شام بال و پر گشود صورتِ جشنِ بادشاهی بخوبتر وجهی روی نمود، و تفرجِ انواعِ آتش بازی و موشک سازی و اصنافِ لهو و لعبِ دیگر موجبِ مزیدِ انبساط، روز سیم در وقتی که بادشاه برخاست[۳] فقیر را پیشِ تخت بردند تختی دیدار از طلا در غایتِ بزرگی، بجواهرِ نفیس مرصّع ساخته، و دقایقِ لطافت و صناعت دران پرداخته، و همانا در ممالکِ روی زمین بهتر از آنجا ترصیع کاری نکنند، و در پیشِ تخت بالشِ[۴] اطلسِ زیتونی انداخته، و سه قطارِ مروارید آبدار غیرتِ دُرِ شاهوار بر اطرافِ آن دوخته، و بادشاه درین سه روز پشت بر تخت بر بالای آن بالش می نشست،

---

[۱] ۲ بب اک ق : او (بجای آن)، [۲] ۲ ب ا ق ـــــــ ا، [۳] ک : برخواست،

[۴] ک بب : بالشی، اب ق : بالشی از،

و بادشاه بعد از فراغ از جشن تهنا و می نماز شامی بطلب
فقیر فرستاد، و چون بدرگاه رسید بچهار صفه[2] در آوردند، ده[1] گز
در ده[2] گز تقریباً[3]، و تمام سقف و دیوارها در تختهٔ طلاء مرصع گرفته،
هر تخته بسطبری پشت شمشیری، و میخهای مطلا محکم ساخته[4]، و در صفه
پیشگاه تخت بادشاه بغایت بزرگ از طلا نهاده، و بادشاه بر آن
بعظمت تمام* نشسته، احوال حضرت خاقان سعید و امرا و لشکر ها
و عدد اسپان و اوصاف بلدان چون[5] سمرقند و هرات و شیراز
پرسید، و بیش از حد اظهار محبت فرمود، و گفت[6] که چند زنجیر
فیل و دو طغفور[7] خواجه سرا و دیگر تحفها در صحبت ایلچی دانای فرستم،
۱۰ و در همان مجلس یکی از مقربان[8] بزبان ترجمان از لطافت
چهار صفهٔ مرصع استفسار نمود بآن معنی که در ملک شما می تواند
بود، فقیر بموقف عرض رسانید که شاید در آن ملک نیز
امثال این توان ساخت اما رسم نیست، پادشاه تحسین
بسیار نمود، چند بستهٔ تنبول و میوه های خاصه عنایت فرمود،
جمعی هرموزیان که در آن بلده بودند از استماع التفات
بادشاه و داعیهٔ ایلچی فرستادن بدرگاه سلاطین پناه
اضطراب عظیم نمودند، و در اندراس این اساس طرحی انداختند،
و از کمال شرارت و خباثت این سخن ساختند که فقیر فرستادهٔ
حضرت خاقان سعید نیست، و این سخن بسمع امیر وزیر رسید[9]؛

۲۰ چه جای میر و وزیر این سخن بشاه رسید

---

[1] آک: هشت (بجای ده)، [2] ک —، [3] از اک افتاده، [4] تمام را در آ با
ق ندارد، [5] فقط در ک —، [6] کذا در ک، در باقی نسخ: فرمود (بجای گفت)، [7] آ: طفور،
[illegible]

چنانچه بعد ازین گفته شود[1] انشاء الله،

و درین ایام ونائک[2] وزیر که حسن اهتمام بحال این فقیر داشت رایت عزیمت بصوب مملکت گلبرگه برافراشت، و سبب این عزیمت آن بود که بادشاه گلبرگه سلطان[3] علاء الدین احمدشاه خبر قصد دیورای[4] و کشته شدن ارکان دولت او شنید، بغایت منبسط گردید، و قاصدی زبان آور فرستاد و پیغام داد که هفت[5] لک ورهه تسلیم نمای و الا لشکری جهانگشای بآن ولایت روان سازم و قاعدهٔ کفر را از بنیاد براندازم، پادشاه بیجانگر دیورای ع

برآشفت آشفتنی خشمناک

وگفت چون من زنده ام اگر نوکری چند کشته شد باک نیست ع

نوکر اگر هزار بمیرد مرا چه باک

بیک[6] دو روز صد ازان توان ساخت ع

چون بود خورشید تابان ذره بی پایان بود

و اگر ضعف و قصور و عجز و فتور تصور کرده اند چنان نیست ع

طالع قوی و سعد قرین است و بخت یار

اکنون ایشان هرچه از ولایت من توانند گرفت غنیمت دان

---

[1] بر ص ۸۲۲ بعد — رک سیوایل ص ۵۸، بعد برای تفصیل واقعه که در سطور آینده مذکور است، [2] ب ک — آآ ق: (بانمک)، [3] سلطان علاء الدین احمد شاه ثانی بهمنی از ۸۳۸هـ / ۱۴۳۵ء تا ۸۶۲هـ / ۱۴۵۸ء در گلبرگه فرمان‌روا بود (سیوایل ص ۷۰، و زمبا در ۲۹۷)، [4] ک آک: ب هر دو موضع در هر دو نسخه دیواری، تصحیح از روی ق و نسخ دیگر، [5] بظاهر باید باج سالیانه، رک به سیوایل ص ۷۰ در ۸۳۸هـ / ۱۴۳۵ء نیز سلطان علاء الدین مذکور فوجی فرستاده بود از آنکه باج از پنج سال واجب الاداء بود و رای از ادایش منکر، (سیوایل ص ۷۰)، [6] فقط ک — ، — ق: صد هزار (بجای صد)، [7] فقط آ — ، [8] ک، آک — ،

(۳۹۱ ب) (۳۹۱ ب، بسادات و علماء خود دهند که من هرچه از آن مملکت
در قبضهٔ اقتدار آرم بزنّارداران و برا همه خواهم داد، و از
طرفین لشکرها فرستاده در اطرافِ ممالکِ یکدیگر خرابی بسیار
کردند، و پادشاه در دیوان زنّار داری ہَنبَہ بزیر[۱] نام قائم مقام
وناٹک گذاشت[۲] که او نیز خود را عدیلِ وزیر می داشت، قصیری،
شریری، نحسی، نجسی، عبوسی، منحوسی[۳]، همه اوصاف ذمیمه در و حاصل
و همه اخلاق حمیده ازو زایل، آن ناپاک چون مسندِ دیوان را
پلید[۴] ساخت علوفه یومی رابی جهتی برانداخت، هرموزیان
مجالِ خباثت یافته شیطنت که در طینت ایشان مخمّر بود بظهور
۱۰ آوردند، و بخسیّت[۵] شرارت با ہَنبَہ بزیر[۶] و زیر اندر زیرها رشده گفتند
فقیر فرستادهٔ حضرت خاقان سعید نیست و سوداگریست حکم
آنحضرت بدست آورده، و دروغی چند بسمع کفّار رسانیدند
و در ضمیرِ شاه جایگیر شد، و چندگاه بچنین حال تباه دران
کفرستان حیران بود، و درین حیرت چند نوبت پادشاه
در اثنایِ راه رسید و عنانِ عنایت باز کشید و احوال
پرسید، و فی الواقع حادی بدایعِ اخلاق بود ع
گر همه عدل ست همین بس بود،
و وناٹک اطرافِ گلبرگه تاخته و عاجزی چند را اسیر

---

[۱] آ: همه نزیر، ب: همبه نزیر، ق (برموضع): نیمه پتریه، با: نیمه نزیر، اک: نیمه رینا
[۲] آ: گذاشته، [۳] فقط ک: مجوسی، [۴] ک با: بلند (بجای پلید)، [۵] فقط
ک: بخسیت؛ آ: بخیه، [۶] آ (در سطور آینده نیز) همبه نزرا، ب: همبه نزیر، با: همبه برنز، اک:
همیشه بزیر

و زبون ساخته باز آمد[1]، و از جهتِ ناساختنِ جزئیاتِ فقیر همیه بزید[2] را ملامت فرمود و گفت[3] که هفت هزار قنم برضرابخانه نوشته، در روز وصول یافت،

و دو ایلچی خواجه مسعود و خواجه محمد هم از مردم خراسان که دران ولایت بودند باندک بیلاک و قماشی برسالت مقرر شدند، و فتح خان از نسلِ سلطان فیروزشاه که بادشاهِ مملکتِ دهلی بود[4] قاصدی خواجه جمال الدین نام باعرضه داشت و بیلاک ارسال نمود، و بادشاه در روزِ اجازت بافقیر گفت که ترا گفتند حضرت میرزا شاهرخ[5] نه فرستاده و اگر نه ترا زیادت رعایت می نمودیم، اگر بارِ دیگر باین مملکت آئی و دانیم که آنحضرت فرستاده شاید که[6] آنچه مناسبِ سلطنتِ ما باشد بظهور آید، و زبانِ حال می گفت بیت

دیگر بغریبی نروم همرو شاهی
از بادیهٔ عشقِ تو گر باوطن آیم

و در مکتوبی که بآنحضرت نوشته بود سخنِ خیانتِ هرموزیان درج نمود باین عبارت که: ارادت آن بود که بحضرتِ خلافت به تحف وهدایای پادشاهانه توسل جوییم فامّا جمعی گفتند که عبد الرزّاق از ملازمانِ آنحضرت نیست، و در اوصافِ حضرت

---

[1] رک به سیول ص ۷۶ بجهد برای سفیر ایلچی صلح که بزان جنگ ختم شد، شرح عبارت متن،
[2] ب: همبه نرئیر، بآ: همبه برزیر، اک: همبه زیر، [3] بآق: فرمود و فرمود، آ: فرموده فرمود،
[4] مرجع ضمیر به فیروزشاه است، ازانکه دولت تغلق ها در حدود ۸۱۷ھ منقرض شده بود، و بادشاه دهلی در ۸۴۷ھ محمودشاه رابع بود از سادات بارک به زامبیاور ص ۲۸۵، این فتح خان بدرگاه رای بیجانگر پناه برده بود چنانکه می آید بر ورق ۲۹۶ ب، [5] ش نقط ک، [6] ک اک، ۵ ع آ،

خاقان سعید نوشته بود که مآثرِ ملکانه و مفاخرِ پادشاهانه باصفوتِ انبیا و صفتِ اولیا مجتمع ساخته، چنانچه بر السنهٔ صغیر و کبیر و رقمِ تقریرِ هر خبیر و قلمِ تحریرِ هر نحریر این معنی نقش پذیر است نظم

نوحِ خلیل مُخلّقی، خضرِ کلیم خالقی
احمدِ عرش هیبتی، عیسی روح منظری

رُبعِ زمین ز در گهت ثلث نهند و بعد ازین
زین سوی خطّ استوا[1] در خطِّ حکم آوری

و چون آن ولایت بزعمِ[2] آن طایفه داخلِ ممالکِ خطِ استواست ۱۰ ذکرِ خطّ استوا در خطّ حکم آوردن مناسب واقع است، و فقیر جزئیات ساخته بطرفِ ساحلِ عمّان روان شد،

ذکر مراجعت از مملکتِ هندوستان و سرگذشتِ موج دریا و قصهٔ طوفان

(۱) آفتابِ عنایت از مطلعِ سعادت (۱۳۹۲ م) برآمد، و نیّرِ اقبال از مشرقِ آمال طلوع نمود، و لوامعِ انوار بهجت و سرور در اثنای شبِ دیجور بموجبِ اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ[3] ظهور یافت، و لیالی محنت و ملال در آن وحشت آبادِ کفر و ضلال بطلوعِ صبحِ سعادت و فروغِ آفتابِ دولت نزدیک رسید، و شامِ غم انجام ناتوانی بایّام مسرّت

[1] آ: استوی، [2] ک: بزوم (بجای بزعم)، ق، ش، ل متن، [3] قرآن مجید ۲ (البقره): ۲۵۸،

و کامرانی مبدل گردید **بیت**

مقدارِ شب از روز فزون بود بدل گشت،

زاید[1] همه این را شد، و ناقص[*] همه آن را

اگرچه بواسطهٔ آن که شهری بود در اقصی ممالک هندوستان و تمام ولایت کافرستان اسبابِ سفر که داشته[2] پایمالِ حوادث گشته ع

چگویم شرحِ آن حالت که در گفتن نمی آید

امّا با وجودِ اختلالِ احوال **بیت**

نه از جائی امیدِ توشهٔ راه

بجز[3] لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰه

بادلی قوی و[4] املی فسیح[*] رو براه بفضل[5] و رحمتِ الله[6] آورده،

و دوازده[7] هم شعبان باتفاقِ ایلچیان از شهر بیجانگر بر جناحِ سفر طیران نمود، و هژده شبان روز منازل و مراحل پیمود تا غرّه[8] رمضان بساحلِ دریای[9] عمان و بندرِ باکنور[10] رسید، و در آن[11] جا بصحبتِ شریفِ امیر سیّد علاء الدین مشهدی مشرّف شد، سیّدی[*] یکصد و بیست سال از عمرِ او گذشته، و سالها معتقد اهلِ اسلام و گفتارِ آن دیار گشته، سخنِ او[12] در آن ولایت

---

[1] کلیات انوری ص ۲: ناقص همه این راشد و زاید، [2] فقط آ: داشت، [3] قرآن مجید ۳۹ (الزمر): ۵۴، [4] فقط ک —، [5] ق یا: بکرم یل بفضل (بجای بفضل الخ) آ: بکرم بفضل رحمت الخ [6] — ۵ سپتمبر ۱۴۴۳ء، [7] — ۲۳ دسمبر ۱۴۴۳ء [8] بر حاشیهٔ ب: INDIAN SEA [9] آ: باکنور؛ ق یا: ماکنور؛ — بلی باکنور (= بارکور)، رک به مارکوپولو (۲) ۲: ۳۷۵ و خریطهٔ که مقابل است به ۲: ۲۹۴ و سیوایلی (بابداد فهرست بنمیل) (BACANOR)، ابن بطوطه (۲: ۱۷۷) این کلمه را باکنور نوشته است [10] کذا، فقط در ک،

بمنزلهٔ نصِ قاطع بود و کسی از فرمودهٔ او عدول نمی نمود، و یکی از ایلچیانِ بیجانگر خواجه مسعود نام[1] بیچاره دران مقام فوت شد بیت

که داند درین دیر[2] کینه* سرشت
که ما را کجا زیر سر ماند خشت

و در باکنور[3] بآدابِ عیدِ صیام قیام نمود و جهت سرانجام کشتی به بندر هنور[4] آمد و نوشتهٔ دریا چهل روزه برای بیست نفر مقرر ساخت، و درآن ایام که داعیهٔ کشتی نشستن داشت روزی فالِ حضرت امام جعفر صادق علیه السلام که مشتمل برآیاتِ قرآنی بود کشاد و آن فتح نوید بشارت داد و این آیت برآمد

۱۰ که لَا تَخَفْ[5] نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِيْنَ، از موافقتِ فال با حال بغایت متعجب شد، و دغدغه که از بیم دریا در دل بود بکلی زایل[6] گشت و[7] به یکبارگی دل در خلاص و نجات بست،

و بیست و پنجم[8] ذیقعده در کشتی نشسته روان شد، و در نظارهٔ وَ[9] لَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَآتُ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ آثارِ قدرتِ عالیه را ظاهر می دید، و گاه گاه از جمعی همراه بدایع اسمار و غرایب

---

[1] آ ق ب —، [2] ق ب: گنبد بد (بجای دیرکینه)، [3] ق ب: بندر ماکنور (بجای باکنور)، ک آ: مثل متن، [4] آ ت: سنوز، ق: منور، ا ک: هنور، — برای این مقام رک به سیوایل با مداد فهرست بذیل (Honawar)، بیست و سه سال بعد ازین تاریخ بیجانگریان قتل عام مسلمانانِ این مقام کردند و ده هزار مسلم را کشتند و بقیة السیف رو بفرار آورده به گوا رفتند (سیوایل ص ۹۹)، تجارت ساحل هند درین ایام کلیتهً بدست مسلمانان بودِ (منه)، [5] قرآن مجید ۲۸ (القصص): ۲۵، [6] فقط آ، باز (بجای زایل)، [7] فقط آ —، [8] آ ق: بیست و هشتم (بجای بیست و پنجم)، — یعنی ۱۲ مارچ ۱۴۴۲ء
[9] قرآن مجید ۵۵ (الرحمن): ۲۴،

آثار می شنید، و ارواح را ارتیاح و اشباح را انشراح حاصل می آمد شعر[۵۱]

عَیۡنُ الحَوادِثِ والاشهارِ راقِدۃٌ
وَالدَّهۡرُ فِیۡ غَفۡلَةٍ وَالشَّمۡلُ مُشۡتَمِلُ*

تا آن جهاز بهاران اهتزاز بمیان دریا رسید بیت

زروی بحر ناگاه باد برخاست[۵۲]
زهرسو نعره و فریاد برخاست[۵۱]
شب و کشتی و باد و بحر و گرداب
حوادث را مهیا گشته اسباب

۱۰ ناگاه از بادهای مخالف چون جرعه نوشان کشتی باده تغیر بآن کشتی راه یافت، و تختهای آن که چون خط مسلسل بهم پیوسته بود نزدیک شد که چون حروف مقطع جدا گردد و علامت یَغۡشَاهُ مَوۡجٌ مِنۡ فَوۡقِهِ مَوۡجٌ مِنۡ فَوۡقِهِ سَحَابٌ[۵۳]

آشکارا گشت، ملاح جهاز که در سیاحت آب مثال ماهی بود خواست (۳۹۲ ب) که لنگر آسا در قعر دریا فرو رود، (۱۲) و معلم[۵۴] که تختهٔ علم سفر مجمع البحرین می آموخت دفتر دانش را بشوراب دیده پاک شست، و بادبان چون گریبان عاشق در هوای معشوق چاک شد، تیر مانند کمان ابروی جانان از صدمت باد[۵۵]* خم گرفت مصراع[۵۶]

۲۰ تَجۡرِیۡ الرِّیَاحُ بِمَا لَا تَشۡتَهِیۡ السُّفُنُ*

---

۵۱ فقط ک —، ۵۲ ک: برخواست، ۵۳ قرآن مجید ۲۴ (النور): ۴۰، ۵۴ ناخدا و ملاح (فرهنگ آنندراج)، ۵۵ فقط آ —، ۵۶ ک باقی —— از روی آ و ب +

طبقهٔ مسافران که در آن خانهٔ روان مقیم بودند اموالِ بسیار در دریا ریخته بشعارِ
صوفیان خود را مجرّد ساختند، مال و قماش را چه قدر جایی که
جانِ شیرین را خطر باشد، من دران حالت از مشاهدهٔ احوالِ
بحرِ محیط آبِ دیده دست از جانِ عزیز شستم، و از غایتِ حیرت
وحسرت دریا شال[۱] بالب خشک و دیدهٔ تر ماندم، و رقمِ رَضِینَا بِقَضَاءِ
اللّٰه بر لوحِ ضمیر ثبت کردم، گاه از تلاطمِ موجهای چون کوه آن جهاز
باچرخِ دولابی همراز[۲] می گشت و گاه از صدمتِ بادهای سخت مانند
غوّاص در قعرِ آب غوطه می خورد[۳] بیت

گهی بر فرازی که نعلِ مه نو
همی سود بر[۴] دست و پایِ مراکب

گهی در نشیبی که اموالِ قارون
همی بر گذشت[۵]* از رکابِ رکایب

از بی نمکی شور[۶] های آب* دریا تن بسانِ نمک در آب می
گداخت، و طغیانِ طوفان صبر دست گیر و عقلِ ثابت قدم را
مانند یخ در تابشِ تموز بی تاب و ناچیز می ساخت شعر

لَقَدْ اَصْبَحْتُ مُضْطَرِباً فُؤَادِی
کَحُوتٍ فَارَقَ الماءَ الزُّلالا قطعه[۷]

خراب باد زسیلِ فنا مبانی چرخ
که ریخت[۸] آبِ بلا موج موج بر سرِ من

---

۱ فقط ک: در دریا (بجای دریا شال)، ۲ ک با: همراه (بجای همراز)، آ ق مثل متن، ۳ رک به کلیات سلمان ساوجی ص ۲۶، ۴ کلیات: در (بجای بر)، ۵ کلیات: در گذشت (بجای بر گذشت)، ۶ فقط ک: آب شور، ۷ با: شعر، آ ق: بیت ـــ، ۸ کذا فقط در ک، در باقی نسخ: رانده

بر آبِ خویش نماندم چو داد چرخ بآب
نفیس گوهرِ صبری که بود زیورِ من

بارها با خود می گفتم و دُرِّ این نظم بزبانِ حال می سفتم بیت[۵]

شبِ تاریک و بیمِ موج و گردابی چنین هایل[۶]
کجا دانند حالِ ما سبکسارانِ ساحلها

آبِ صافیِ عیشِ بکدورتِ دریا مکدّر[۷] گشته، و آیینهٔ روشنِ رای از تری آب و عفونتِ هوا زنگ بسته، هر لحظه که مردمِ دیده در آن آب تیز[۸] می دید از غایتِ مهابت شمشیرِ آب داده می نمود، و از اندوهِ بادهای سختِ دریا تیرِ[۹] آهی که از دل می کشیدم پیکانِ جان شگاف بود، چون از همه بابت[۱۰] درماندم و درِ امید از همه سو بسته دیدم. باچشمِ پُر آب و دلِ پُر آتش در حضرتِ ایزدی با نیازِ تمام بآیتِ رَبَّنَا[۱۱] وَ لَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ زبان کشادم، و از حضرتِ بخشندهٔ بی منّت درخواستم که نهالِ وجود مرا از دریای بیکرانِ احسانِ[۱۲] خویش سرسبز و سیراب گرداند، و گردِ کدورتِ عیش را از چهرهٔ احوالِ من بآبِ عنایت پاک بشوید، و در اثنای این حالت اندیشه می کردم که این چه بی آبیست که از دورِ چرخِ آبگون مرا روی داد، و این چه خجالت است که از مخالفتِ زمانهٔ غدّار و روزگارِ خاکسار آبروی من بُرده، نه جانِ گرامی از امواجِ هلاکت بیرون بردم، و نه گوهرِ سعیِ خویش در اتمامِ جزوی مصلحتِ ملکی

---

۵ دیوانِ حافظ ص ۲، ۶ ک: حایل، ۷ در ک اوّل 'مبدل' و بالای آن 'مکدّر' نوشته است، دیگر نسخ مثل متن، ۸ ق: تیره (بجای تیز)، ب: تیر، آ: دیده، اک مثل متن، ۹ ک ــــ، ق: تیز، ۷ مثل متن، ۱۰ فقط ک: بابی، ۱۱ قرآن مجید ۲ (البقره): ۲۸۶، ۱۲ فقط آ: احسان بیکران (بجای بیکران احسان)

بر روی آب آوردم، چه نفسِ شریف در ادای حقوقِ منعمِ خویش هیچ دقیقه فرو نگذارد، و جهت برآمدن مهمِ ولیِ نعمت جانِ عزیز خوار شمارد، و مخلصِ پادشاه را اگر در آتشِ حوادث افگنند یاقوت مثال باید که ذرّهٔ تغیّر در طبعِ او ظاهر نگردد، بلکه زرِ اخلاص او چون زرِ خلاصِ[1] خالص عیارتر شود،

در همین[2] اندیشه بودم و اظهارِ اضطرار[3] و اضطراب می نمودم تا بمقتضیِ وعدهٔ اَمَّنْ یُجِیبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ یَکْشِفُ[4] السُّوْءَ ناگاه از مهبِ لَا تَیْأَسُوا مِنْ رَوْحِ اللّٰهِ[5] نسیم صبا، (۱۳۹۳ ا) کرمِ نامتناهیِ الٰهی وزید، و صبحِ بشارت از مطلع سعادت دمید، و بشیرِ بختِ ساعد بشارتِ[6] وَ اِذْ فَرَقْنَا بِکُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَیْنَاکُمْ بگوشِ جان رسانید، و صرصرِ مخالف بباد موافق بدل گردید، و طغیانِ طوفان بپایان رسید، و دریا چنانچه دل می خواست آرمید،

و اهلِ کشتی عیدِ اضحیٰ در دریا کرده او اخرِ ذی حجه قلهات[7] کوه را دیدند، و از محنتِ بحر برحمتِ بر[8] رسیدند، و در آن ایام هلالِ محرم سنهٔ ثمان بسانِ خیالِ ابروی جانان در دریا نمود بیت

زورقِ زرین چو در گرداب این دریای نیل
غرق شد موجی ازان برروی دریا دیده اند

۱۳۹۳
۱۰

---

[1] ک ا ک ــــ، خِلاص بمعنی خالص و بمعنی بوتهٔ زرگران (فرهنگ آنندراج)، [2] آ ت یا: وهم درین (بجای درهمین)، [3] فقط ک ـــ، [4] قرآن مجید ۲۷ (النمل): ۶۲، [5] آ ب ب یا: فیکشف (بجای ویکشف)، [6] قرآن مجید ۱۲ (یوسف): ۸۷، [7] قرآن مجید ۲ (البقره): ۵۰، [8] ک ت: قلهای کوه (بجای قلهات)، ق ب ب ا ک: کوه قلهات، یا: کوه ظلمات، [9] کذا فقط در ک، در باقی نسخ: براحت،

وقایع سنهٔ ثمان واربعین

ذکر ضعف و مرضی که حضرتِ خاقانِ سعید را واقع شد

حضرت خاقان سعید که از حدودِ چین تا نواحی مصر و روم واز اقصای ترکستان تا پایانِ هندوستان تابعِ فرمانِ او بود، بحسنِ عقلِ کامل و یُمنِ عدلِ شاملِ ضبط و تدبیرِ این ولایات می نمود، و جهان چنان معمور و آبادان بود که حاویِ اوراق از تاجری شنود که او بکرّات تماشِ چین بمصر و روم آورده و ازان جا بمملکتِ[1] چین برده بود که در دورِ عدلِ این پادشاهِ عالم پناه از مصر تا چین یک کوچه راهست، و اطرافِ جهان و صحرا و بیابان چنان آبادان شد که چندان[2] از بی جایگاهی بجان رسید چه در بسیطِ زمانه بغیر سرا و خانه هیچ جا خرابه[3] و ویرانه[4] ندید[5]، سرکشانِ جهان سر بر خطِ فرمان نهاده، و گردن افرازانِ دوران[6] بپای خدمت ایستاده، سپهر[7] در رونقِ آن مملکت متحیر گردید، و از برای دفعِ چشم زخمِ عینِ الکمال نیلِ عارضهٔ بر رخسارِ احوالِ همایون فال کشید[8]، ناگاه آن حضرت را مرضی صعب طاری شد و ضعفِ قُوی عارض[9] گشت، و روز بروز اشتدادِ مرض ازدیاد ۱۰

۱ فقط ک: بممالک (بجای بمملکت)، ۲ ک: چند، ۳ آ: ویرانه (بجای خرابه و ویرانه)، ۴ ک آ: خراب و ویرانه، ۵ فقط آ: دوران و دوران، ۶ ک: شهر (بجای سپهر)، ۷ فقط ک: کشیده، ۸ فقط آ: ظاهر (بجای عارض)،

می یافت، و تابِ تب در درون چون شعلهٔ آتش در بیرون می تافت، و عارضهٔ قوی حادث شده حادثهٔ عظیم عارض گشت، و ذاتِ همایون که مدارِ رُبعِ مسکون است از صدمتِ ناتوانی اثری تمام پذیرفت، و از غرضِ مرض که بعرض[1] مکرم و عنصر معظم رسید مشربِ[2] عذبِ خوشدلی تیرگی یافت، و اقالیمِ سبعه از بیمِ این واقعه در زلزله افتاد، و اطرافِ بحر و بر و ممالکِ هفت کشور از آوازهٔ این خبر در لرزه آمد بیت[3]

از بیمِ تکسّرت جهان می لرزد
وز لفظِ ملالتت زبان می لرزد
وز غایتِ احسان تو بر هر ذاتی
بر جانِ تو صد هزار جان می لرزد

۱۰

و[4] ممالکِ جهان[*] بتخصیص ولایتِ خراسان چنان آشفته و پریشان شد که در دارالسلطنهٔ هراة در حیات و مماتِ آنحضرت متردد بودند، و امیر جلال الدین فیروزشاه اطباء روشن رای که در تدبیرِ مرضی ید بیضا می نمودند و در انواعِ علاج مبارک نفس و عیسی دم بودند جمع آورده بود، و در ازالتِ علّت و استردادِ صحت برهان اَنّهٗ مُوَیَّدٌ بِرُوحِ الْقُدُسِ می نمودند و حکمای افلاطون جناب و اطبای بقراط انتساب بترتیبِ ادویه و ترکیبِ اغذیه واشربه گردِ اسبابِ تنقیه و تصفیه بر می آمدند، و شربتی که ملایم

---

[1] نفس و ذات چیزے و اندام، [2] درک، در باقی نسخ: مشرب، [3] آ: نظم، با: رباعی، الف مثل متن، ب عنوانی ندارد، [4] فقط آ ـــــ، [5] فقط آ: مرض، [6] در قرآن مجید ۲: ۸۱ و ۲۵۴)، راجع به عیسی ع وارد است: وَ اَیَّدْنٰهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ،

مزاجِ همایون بود[۱] تعیین می کردند اگرچه آنحضرت به هیچ شربت و غذا میل نمی نمود،

درین اثنا جناب ارشاد مآب قدوة اولیاء العظام و عمدة مشایخ الاسلام بهاء الحق و[۲] الحقیقة* والدین (۳۹۳ ب) شیخ　۳۹۳ ب
عمر قدس سره روز جمعه بعد از ادای نماز و عرضِ نیاز بحضرتِ بی نیاز برسمِ عیادت متوجهِ باغ زاغان شد، و چون به بارگاهِ همایون درآمد — و آنحضرت دو سه روز بود که هیچگونه گفت[۳] و شنود* نمی نمود بل چشم نمی گشود — چون حضرتِ شیخ تشریفِ حضور ارزانی داشت آنحضرت چشم گشاده بر شیخ سلام کرد، و جنابِ شیخ باحترام جواب فرمود و پرسش نمود، و دستهاء مبارک برآورده و از　۱۰
حضرتِ بی نیاز صحتِ آن جنابِ سلطنت انتساب مسألت نموده فاتحه خواند، و حضرت خاقان سعید از خدمت شیخ چیزی طلبید، و جنابِ شیخ دستار که بر فرقِ مبارک داشت از سر برگرفته پیشِ آنحضرت گذاشت و بیرون آمد، و تمام مرض و علت بیمنِ قدمِ حضرت و لایت منقبت زایل شد، و صبح صحت از مطلعِ مراد طلوع آغاز نهاد، و ذاتِ خورشید مثال از حضیضِ اعتلال باوجِ اعتدال برآمد، و جهانیان بصحتِ بادشاهِ عالم شادمان و خرم شدند، و زنگِ غم و غبارِ کدورت از روی آیینهٔ دلها بصیقلِ عافیتِ آنحضرت زدوده گشت، و شاهزادگان و ارکانِ دولت صدقها داده می　۲۰
گفتند[۴] بیت

[۱] آ ک ــــ، [۲] آ ب ــــ، در ک بعدش +: والتقوی، [۳] آ: گفت و گو (بجای گفت شنود)، ب: گفت، [۴] کلیات سلمان ساوجی ص ۱۱۷،

منّت ایزد را که ذاتِ خسروِ عالم[1] پناه
در ضمانِ[2] صحّت است از فیضِ الطافِ اله[3]
در نُه[4] اقلیمِ فلک شکرانهٔ این مژده را
مُسرعانِ عالمِ علوی برسمِ مژده خواه
می کشایند از برِ افلاک فیروزی قبا
می ربایند از سرِ خورشید یاقوتی کلاه[5]

ذکرِ فرستادنِ[6] جنابِ شیخ نورالدّین محمّد المرشدی و مولانا شمس الدین محمد ابهری برسالتِ مصر*

در سالِ گذشته گذشت[7] که حضرت خاقان سعید مرتضیٰ[8] اعظم*
سیّد محمّد زمزمی[9] را بمصر فرستاد و بادشاهِ مصر سلطان چقماق ۱۰
را از داعیهٔ لباسِ بیت الله الحرام اِعلام داد، و بادشاهِ
مصر قبول کرد که هرگاه آنحضرت جامهٔ کعبه ارسال نماید او
در اتمامِ آن مرامِ[10] سعی و اهتمامِ تمام فرماید، درین وقت که آنحضرت
از مرضی چنان صعب صحّت یافت پرتوِ آن نیّتِ خیر بر

---

[1] کلیات: دولت (بجای عالم)، [2] کلیات: پناه (بجای ضمان)، [3] در کلیات این بیت را ندارد، [4] در کلیات مصراع دوم اوّل است و بعکس مصراع اوّل ثانی، کلیات کله (بجای کلاه) و قباه (بجای قبا) دارد، [5] با ـــــ، ـــــ در آ "نورالدین" را ندارد ـــ در ب "المرشدی" تا "محمد" را ندارد ـــ وی بظاهر مکررست بر ص ۶۸۰ س ۳ [6] رک به ص ۶۹۲، [7] اک ـــــ، [8] ک: زمزی، باقی نسخ مثل متن، نیز رک به ص ۶۹۲، [9] آ با: مراسم (بجای مرام)، ـــ رک به آرنولد ص ۱۵۱،

ضمیرِ آفتاب تاثیر تافت، و فرمان فرمود که امراء عظام از اکابرِ ایّام کسی اختیار کنند که شایستگیِ رسالتِ مملکتِ مصر داشته باشد و کعبه را جامه تواند پوشید، و چون آن کار خلعتی نبود که بر قامتِ قابلیّتِ هرکس راست آید امرا مشورت نموده قرعهٔ اختیار بر آن قرار یافت که جناب ولایت انتساب شیخ نور الدین محمد المرشدی و جناب فضایل مآب مولانا شمس الدین محمد الابهری عازمِ ولایت مصر شوند، و این معنی بعرضِ همایون رسانیده مستحسن داشت، و فرمانِ اعلیٰ نافذ شد که اشغله و احکام و باقی مهمات سرانجام نموده عزیمت نمایند، و بموجبِ فرموده در دار العبادهٔ یزد جامهٔ کعبه ترتیب نموده بهراة آورده بودند و در خزانهٔ عامره ۱۰ مضبوط بود، خدمتِ[۱] شیخ و مولوی تمام مهمات برحسبِ دلخواه ساخته روی براه آوردند، و آن مسافت دور و دراز را باندک فرصتی پیمودند،

و چون بسرحدِ حلب و شام رسیدند امرای آن مملکت شرایطِ تعظیم بتقدیم رسانیدند، و در حوالی مصر سلطان جمعی مقرّبان را برسمِ استقبال پیش فرستاد (۱۳۹۴ء) و در وثاقی بغایت ۳۹۴ متکلف فرود آوردند، و روزِ سیم بخدمتِ سلطان رفتند، و سلطان ایشان را نیک دید و احوالِ حضرت خاقان سعید پرسید و نشانِ آنحضرت که بنامِ او بود بتعظیم تمام طلبید و بسیار اظهار محبّت و مودّت نمود، و هر روز ... فلوری[۲] برسمِ علوفه یومی مقرر فرمود، ۲۰

---

[۱] فقط آ: حضرت (بجای خدمت)، [۲] در آ بیاض، ار د درین موضع، در ک و دیگر نسخ این بیاض نیست، — بظاهر اصلش (florin) است، و این سکه ایست از طلا، (ستاتش گاس)، برای ش رک به مارکوپولو (۲، ۲: ۴۴۴ ه حاشیه د تحقیقات وشلنگ ۸۸۴ پنس)،

وچون امرای مصر و شام را ارادت و اعتقاد بخاندان این حضرت صاحبقران وفرزندانِ عالی شانِ او هرگز واقع نبود وسلطان ایلچیان را طلب داشته احترام تمام می نمود این معنی برخاطرِ امراءِ کبارِ آن دیار بسیار دشوار آمد، روزی سلطان ایلچیان را طلبیده از مجلسِ بادشاه دیرتر بیرون آمدند، وارجیف درالسنه وافواه افتاد که سلطان بگرفتنِ ایشان فرمان داد، وغوغا واز دحامِ عوام بوثاقِ ایلچیان رسید واموال وجهاتِ ایشان غارتِ تمام[1] یافت وغیر صندوقهاءِ جامهٔ کعبه هر چه بود بعرضهٔ تاراج رفت، وسلطان چون این خبر استماع نمود اضطرابِ عظیم فرمود وگفت که فتنه انگیزان دوستِ مرا از من رنجانیدند، وایلچیان را عذرخواهیِ فراوان نموده بغلاظ ایمان سوگند یاد کرد که ازین معنی خبر ندارم واین صورت برلوح ضمیر نقش پذیر نبود،

وایلچیان را .....[2] فلوری انعام فرمود واسبابِ راهِ حجاز بهرچه[3] خوبتر ترتیب فرمود وقاصدان همراهِ ایلچیان روان ساخته احکام بحُکّامِ حرمینِ شریفین بمبالغهٔ هرچه تمامتر اصدار فرمود، وایلچیان چون بدولتِ آن فرخنده مقام استسعاد یافتند باهتمامِ حُکّام وخُدّامِ بیت الله الحرام کعبه را جامه پوشانیدند، وکاری چنین بزرگ در زمانِ حضرت خاقان سعید میسّر شد[4] که از

[1] ک: بمام، [2] بیاض در ک آ ب ب اک، با فلوری بسیار (بجای ..... فلوری)، [3] فقط در ک، در باقی نسخ: هرچه، [4] اک: که بعد از انقضاء دولت بنی عباس کسی را از سلاطین روی زمین دست نداد (بجای آنچه در متن است)،

سلاطین روزگار در زمان سابق کسی را کمتر دست داده باشد*

و جنابِ شیخ و خدمتِ مولوی حج و عمره و سایرِ مناسک دریافته و آدابِ آن خجسته مقام بجای آورده عازمِ صوب خراسان شدند، و بدولتِ ملازمتِ حضرت خاقان سعید رسیدند، و آنحضرت از احوالِ حرمینِ شریفین و قدس مبارک و خلیل[۲] الرحمن بارک[۳] الله فیهما شرفا و عزّا استفسار نمود و دربارهٔ ایلچیان احسان و اکرام نمود، و درین اثنا عبد الملک نام امیرِ قشونی که بموجبِ فرمان همراه ایلچیان بجانبِ مصر رفته بود زانو زده تظلم نمود و نمود که خدمت شیخ و مولانا از انعامی که سلطان[۴] مصر کرم فرموده ما را بخشش نداده اند، آنحضرت فرمود که دیوانیان قضیهٔ ایشان را بپرسند، و چند روز در آن گفت و شنید گذرانیده عاقبت عبد الملک و قشونیانِ او را خوشنود ساختند، و ملایم مزاجِ همایون آمد،

ذکر عرضِ دفترِ ولایت بلخ و وفات امیر فیروزشاه و امارت امیر سلطانشاه برلاس*

سابقا[۶] معروض گشت که فرمان همایون بسعیِ امیر جلال الدین

---

[۱] از روی آ ب، در ک و اک —، [۲] الخلیل موضعی ست به یک روزه راه از بیت المقدس که دران قبر الخلیل ابراهیم ع است، اسم اصلی آن حَبرون بود، رک به معجم البلدان ۲ : ۴۶۸،
[۳] ک آ : تبارک (بجای بارک)، [۴] آ با اک ب : بادشاه (بجای سلطان)، [۵] با —،
[۶] بر ص ۷۹۴،

فیروزشاه نفاذ یافت که مرتضای اعظم سید عماد الدین محمود
جنابادی[۵] بولایت بلخ رفت، و در مجلس میرزا محمد جوکی که در آن
ولایت بود تحقیق معاملات بلخ نمود، و در آن زمان که حضرت خاقان
سعید را[۶] سبب مرض رسید و اخبار بانواع در هر بلاد و دیار
۳۹۲ب منتشر گردید میرزا جوکی بسرعت تمام عازم دار السلطنه (۳۹۲ب)
هراة شد، و نزدیک شهر بسمع شریف پیوست که در زمان شدت
مرض و صعوبت علت آنحضرت امیر جلال الدین فیروزشاه باکراه
مهد علیا گوهرشاد آغا با میرزا علاء[۷] الدوله بیعت کرد، این معنی
بر خاطر میرزا جوکی بسیار دشوار آمد، و چون ذات همایون بحلیهٔ
۱۰ صحت و زیور عافیت اتصاف یافت و شعاع آفتاب طلعت
آنحضرت بار دیگر بر اطراف هر کشور تافت و التفات بمهمات
ممالک فرمود از[۸] احوال و اموال ولایات استفسار نمود، درین
ولا سید عماد الدین محمود از تحقیق معاملات ولایت بلخ فارغ شده
بهراة آمده بود، میرزا محمد جوکی باتفاق امرا و وزرا سید عماد الدّین
را بمجلس همایون در آورد و دفترها که مشتمل بر شرح
تغلب و تخفیف مال که وکلاء[۹] امرا[*] در آن ولایت دارند بموقف عرض
رسانید، و نقل کلام بتقضایای وکلای امیر جلال الدین فیروزشاه رسید[۱۰]،

---

۵ ب: بآدس ۹۲ ب؛ جنابدی؛ اک: حیابدسی؛ ۵۲ آ ب بعدش + : از ممر خباثت مفسدان،
۶ مصنف بر ص ۵۹، گفته است که مهد علیا را «از راه محبت» بود «نسبت با میرزا علاء الدوله»،
۷ ک: «از» (بجای از)؛ ۸ از روی آ ب اک، ک: وکلا و امرا، — مصنف در تمام این جملهٔ
«وکلاء امراء» را در بیان آورده است و ذکر امیر فیروزشاه را فقط بکنایه کرده بمواضعی که در آن در حبیب السیر
صراحت به ذکر امیر است، ۹ بعدش در آ ب + : و میرزا محمد جوکی بنفس شریف بجای میرزه مقام معارضه
آمده درکلی وجوه معنایه نمود اگرچه حضرت خاقان سعید بهیچ وجه التفات نفرمود، (اک این زیادت ندارد)،

وچون وکلا و اقربا[ء] امیر در آن ولایت مطلق العنان بودند دست تطلّم[1] دادخواهان دامن تغلّب ایشان را گرفته بود، و از جهت تخفیفات[2] اموال دیوان مبلغها سر از گریبان ایشان بر آورد، وچون حضرت خاقان سعید از خدمت امیر جواب آن سخن پرسید — امیر فیروز شاه[3] را کجا در آیینهٔ ضمیر صورت پذیر می شد که امثال این نوع سؤال وجواب از آن جناب توان پرسید — در اثنای گفت وشنید برخاسته[4] دست بر دامن زد و از مجلس همایون بیرون رفت، و چند روز بدیوان نیامد، آنحضرت مولانا یعقوب پروانچی را که اعتبار بسیار داشت پیش امیر فرستاد و پیغام داد که ازین جانب امری واقع نشد که سبب ملال امیر باشد، اکنون اگر نوره چنین است که پادشاه را در میان سخن گذاشته از مجلس بقهر بیرون روی نیکو کردی، و الّا از غضب پادشاهی ویا سارق سلطانی بر حذر باش مصراع

بر[5] حذر باش که آشوب و بلا می آید

امیر فیروز شاه از خواب غفلت انتباه یافته آگاه شد که تا آنحضرت[6] که پیش وقار وحلم او کوه گران سنگ را وزنی نباشد از خدمت امیر بغایت ملول نشده باشد این[7] نوع پیغام که ناظر بانتقام است ارسال ننماید، و از کرده پشیمان شد

---

[1] صورت جمله در حبیب السیر (۳ : ۳ : ۱۳۶) : بوضوح انجامید که از مال وجهات آن سرکار مبلغهای کلی سر از گریبان اقربا و وکلاء امیر فیروز شاه برمی آورد، [2] فقط ک —، [3] ک : برخواسته، [4] فقط ب : پر (بجای بر)، [5] کا : آنحضرت را (بجای آنحضرت)، [6] فقط ک : واین (بجای این)،

آما تدارک[1] نبود، اندوه و ملال و اختلال احوال بر ضمیر امیر استیلا نمود، و امیر مریض گشته ضعف قوی شد و سر عجز بر بالین ناتوانی نهاد، **بیت**

خلاف[2] رای سلطان رای جستن
بخون خویش باشد دست شستن

وحضرت خاقان سعید چند نوبت عنایت فرموده عیادت نمود و دلداری و خاطر جوئی بسیار اظهار کرد اما روز بروز اشتداد مرض از دیاد یافت، و بعد از چند روز معدود بعالم بقا رحلت نمود، غفر الله له، و در گنبد مدرسه که معمار همت عالی او

۱۰ در راه خیابان نزدیک پل انجیل[3] ساخته بود مدفون شد،

و امیر[4] مغفور بغایت حمیده خصال وستوده فعال بود، و بصدق نیت و صفاء عقیدت ملازمت اهل الله وارباب انتباه می نمود و همیشه سرانجام مهمات سادات و علما و مشایخ و فقرا وباقی رعایا و عامه برایا بر ذمت همت خود لازم شناخت، ودر رفاهیت احوال این جماعت و فراغت رعیت و عمارت

۳۹۵ و ولایت (۱۳۹۵) حسن کیاست و لطف سیاست مصروف ساخت، و بسیار بقاع خیر از مدارس وخوانق ورباط وحوض در هر ولایت و کشور بنیاد نهاد و باتمام رسانید، و به اوقاف شایسته آن خیرات را معمور و آبادان گردانید، و هرکه از جفاء

۲۰ روزگار و فتنه زمانه خونخوار دست امید در دامن عاطفت او

---

[1] آ: چاره (یعنی چاره بجای تدارک)، [2] کلیات سعدی (گلستان، ص ۴۴)،
[3] آ بآ ب ت: انجیل، اک: انجیل، [4] آ بت آ: امیر جلال الدین فیروزشاه،

زدا اگرچه باکفی تهی چون چنارپای امید در بستان سرای دولت او
نهاد بسان گل دامن و جیب او پر زر سرخ کامل عیار شند، سادات
و اشراف ممالک مصر و شام بتخصیص حرمین شریفین را چندان
انعام و اکرام فرموده[۵۱] و خوشخوئی و دلجوئی نموده بود که بعد از فوت او در
آن مواضع[۵۲] متبرک و بقاع مبارک بروحانیت امیر صایب تدبیر نماز
غایب گذارده[۵۳] ند، و بکرات ختمات کلام ملک علام به او رسانیدند بیت

بکشت زار جهان تخم نیکوئی می کار
که هرچه کاشته عاقبت همان دروی

و از خدمت امیر اولاد شایسته و فرزندان دانسته ماندند، و اموال
جهان و املاک فراوان و مستغلات در تمام ولایات بسیار داشت، ۱۰
حضرت خاقان سعید عنایت فرمود و راه و رسم امارت دیوان اعلی
و اختیار ملک و مال که در تمام ممالک مفوض با میر مغفور[۵۴] بود بولد
رشید او امیر نظام الدین تفویض نمود، و (از؟) دیگر فرزندان ارجمند او
امیر[۵۵] غیاث الدین سلطان حسین پیش از این بچند سال در کمال
جاه و جلال به امارت دیوان شاهزادهٔ عالمیان میرزا علاء الدوله
متعین بود،

و درین اثنا یکی از خزانه[۵۶] داران که محافظت گنجهاء جهان در حصار
اختیار الدین بقبضهٔ اختیار و اقتدار ایشان بود یکی از مخصوصان
خود را تیغ[۵۷] بلیغ زد، و او پیش امیر نظام الدین احمد آمده خبر داد
که خازنان بطریق خاینان در خزاین و دفاین دست درازی و قدم ۲۰

---

[۵۱] آ: فرمود، [۵۲] ک: موضع، تصحیح قیاسی است، [۵۳] فقط آ: گذارده، [۵۴] آ ب: بیرزشاه (بجای مغفور)، [۵۵] مذکور است در دولتشاه بر ص ۴۴۰، [۵۶] کذا فقط در ک، در نسخ دیگر: خزینه داران، [۵۷] آ ب ک: لت،

گذاری کرده اندو زر بسیار[1] بیرون برده، و حالا ور فلان وثاق درمیانِ حوض مبلغی خطیر مخزون است، امیر نظام الدین[2]* احمد این سخن بموقفِ[3] عرض* رسانیده و کسان بطلبِ مبلغ دوانیده وجهِ گرامند پیدا شد، و آنحضرت اکثر خازنان خاین[4] را بند فرموده فرمانِ همایون نفاذ یافت که عرضِ خزانه کنند، امرا باتفاقِ وزرا مدّتی بعرضِ خزانه اشتغال نمودند، و در تحقیق و تفحصِ آن اهتمامِ تمام نمودند، خبط و خیانتِ بسیار از آن جماعت ظاهر و آشکارا شد، و چون امیر علاء الدین علیکه کوکلتاش و امیر جلال الدین فیروزشاه بعالمِ بقا رفته بودند و پسرانِ ایشان امیر

۱۰ غیاث الدین شیخ ابو الفضل و امیر نظام الدین احمد اگرچه بمنصبِ پدران و موجّه[5] دیوان اشتغال نمودند امّا بغایت نوجوان بودند ع

بس طورِ عجب لازمِ ایامِ شبابست

حضرت خاقان سعید امیر مظفر الدین سلطان شاه برلاس را که در آن زمان در اُروغِ همایونِ برلاس کسی از و اکبر و اعقل نبود امیرِ دیوان فرمود، و تدبیرِ مهماتِ دیوانی و ضبطِ امور سلطانی بحسنِ عقل و کاردانیِ او بازگذاشت،

بقیّه[6] قضیهٔ سفر دریا و رسیدن بهرموز بعنایت الله تعالیٰ

قضیهٔ سرگذشتِ دریا باینجا رسیده بود که هلالِ محرّم مکرّم در اثناء

---

[1] فقط آ: بطریق بسیار (بجای بسیار)، [2] آ ک ـــ ، [3] فقط آ: بعرض، [4] آ با آ ک ـــ ، [5] ب: موجّه، با آ مثل متن [6] برای سلسلهٔ کلام رک به ص ۸۳۰،

دریا غُرّه[۱] غرّا نمود و چند روزِ دیگر کشتی در دریا بود (۳۹۵ ب) و بمَسقط[۲] ۳۹۵
آمده لنگر انداخت، و کشتی را که از جهتِ طوفان نقصان یافته بود
مکمّل ساخت و باز بکشتی درآمده روان شد نظم[۳]

بسته بزنجیرِ مسلسل دراز	بحرِ روان زو شده زنجیر ساز
بر پرِ دازِ جای بجنبید نی	نیست درین هیچ پرانیدنی
مرغ که آواز پرش[۴] بین پرد	طُرفه پرد[۵] لیک نه چندین پرد
همچو کلنکان بهوا سر فراز	پرّ[۶] حواصل[۷] ز دو سو کرده باز
تخته شدش[۸] پیشِ معلّم درست	طرفه که صد تخته بیک آب شست

وکشتی از مَسقط[۹] سفری شده به بندر خورفغان[۱۰] آمد و یکدو روز
آنجا توقّف شد، و در آن اثنا شبی چنان گرم گشت که هنگام صبح ۱۰
گفتی آسمان آتش در جهان[۱۱] افروخت و از گرمی هوا مرغِ تیز پرّ در
اوجِ سما و ماهی در قعرِ دریا می سوخت، صبح را از گرما نفس در دم
فرو رفته، و از شعلهٔ خورشید آتش در عالم گرفته، جهان[۱۱] از تاب

---

[۱] یعنی به شام ۹ اپریل ۱۴۴۲ء، [۲] کذا در ک ب (در اینجا و در سطور آینده)؛ ق آ: مسقط، [۳] رک به قران السعدین ص ۱۰۶، بعد، مصنّف بظاهر ابیات متعدّده را حذف کرده است و در بعضی جا ترتیب ابیات نیز به نسخهٔ مطبوعه مطابق نیست، [۴] آ ق با قران: آن (بجای او)، [۵] قران: بود (بجای پرد)، [۶] قران: پرچه حواصل (بجای پرّ حواصل)، [۷] قران: نشد (بجای شدش)، [۸] رک به حاشیهٔ ۲ ، [۹] ک: مشوط، [۱۰] ق: خورنقان، اک: خودفقان، آ: حورفغان، رک به معجم البلدان ۲: ۴۸۹ بذیل خَوْرفُکّان و ولسن ص ۱۱۵ و ۱۵۰ (و خریطهٔ که درآن کتاب است)، [۱۱] کذا فقط در ک، در باقی نسخ: زمین، یاقوت گفته است راجع به خَوْر "هو عند عرب السواحل کالخلیج یدخل من البحر"
[۱۲] ماخوذ از قران السعدین ص ۱۰۷:

بسکه شد روز جهان را ز تاب	دیده نشد نقش شب الّا بخواب
[illegible]	طالب شب گشت چراغم بدست

حرارتِ آفتاب خیال برودتِ شب را جز بخواب نمی دید و صبح از بیم گرمای روز شب را بچراغ می طلبید، صباح هرچند مرغ که بر درختان از فاخته و قمری و زاغ و گنجشک و غیرها آشیان داشتند همه مرده در پای درختان فتاده بودند، و بی تکلف درین شایبهٔ تکلف نیست

بیت

ز آتشِ گرما که شده میوه[1] نغز*
بلبل و گنجشک شده خشک[2] مغز*
بر[3] سر هر شاخ ز گرمای گرم
مرغ شده پخته چو حلوای نرم

۱۰ و[4] مرغانِ بی جان در پای درختان چندان فتاده بودند که محاسبان بسر حدِ شمارِ آن پی نمی بردند*، و از خور[5] فغان* بازگشتی روان شده بود و از دهم ماه صفر روز جمعه چاشتگاه بشهر هرموز رسید و از بندرِ هنوز[6] تا بهرموز بمدتِ هفتاد و پنج روز آمد،

و درین روز در دارالسلطنه هراة از غرایبِ کرامات صورتی عجیب رونمود، و آنچنان ست که حضرت شیخ الاسلام قدوة اربابِ الکشف و الالهام، مظهرِ عنایت الملک الاکبر، بهاء الحقیقة والدین شیخ عمر درهمین جمعه چاشتگاه از قریهٔ جغاره که مسکنِ آنحضرت بود بجهتِ اقامتِ صلوٰة جمعه عزیمتِ شهر نمود[7]، در اثنای راه ناگاه از جناب مخدومی اخوی مولانا شریف الدین عبد القهار استفسار

---

[1] کذا فقط در ک، در باقی نسخ و قران (ص ۱۰۸): میوه پز، [2] قران: میوه گز (بجای خشک مغز)، [3] این بیت را در قران ندارد، [4] در ک ندارد، از روی ق یا اک ب، [5] آ ب: خور فغان، در باقی نسخ مثل بالا (ص ۳۴۴ ح ۹)، [6] ک اک ب: هنوز، [7] آ ب: نمود (بجای نموده)،

نموده که از حاوی اوراق عبد الرزّاق چه خبر است برادر عرضه داشته اند که مدّت سه سال می شود که از و اثر و خبر نیامد، حضرت شیخ فرموده اند که ظاهراً بهرموز رسیده[1]، و جناب اخوی این معنی در قلم آورده بود و فقیر نیز بهر شهر که رسید تاریخ آن ثبت نمود، و چون بخدمت برادر مشرّف گردید این دو تاریخ بی کم و زیاد موافق افتاد[2] بیت

بصدقِ دینِ پیمبر بعزّتِ داور
که هر چه نقل کنند از ولی کنم باور

و انواعِ امداد و معاونت که از حضرتِ ارجمند منزلت در آن سفر خطیر به این فقیرِ حقیر رسید زیادت از تحریر و تقریر است، و ۱۰ تفصیلِ آن شاید که سببِ مزیدِ انکارِ منکران گردد و موجبِ تشقاوتِ ایشان شود ع
هر که[3] این کار ندانست در انکار بماند

و در هرموز خبرِ ضعفِ مزاجِ همایونِ حضرت خاقان سعید رسید و اطرافِ ممالکِ عراق و فارس و سواحلِ دریا بار از نهیبِ این واقعه چون بید می لرزید، و تجّارِ اقالیمِ عالم که در آن بندر معظم بودند از روی اضطرار توقّف نمودند، (۱۳۹۶ء) و فقیر هم (۱۳۹۶ء) از[4] این جهت[5]* هفتاد روز در ان گرمای جانسوزِ هرموز بی[6] اختیار ماند[7]* تا خبرِ صحتِ ذاتِ همایون صفات از اخبارِ اخیارِ ولایت لار بصحت پیوست، و فقیر از راه بندر[8] او غان بیرون آمده ۲۰

---

[1] آ ب: رسید، [2] نفقط آ: نظم، [3] مطلع غزل حافظ است:
هر که شد محرم دل در حرم یار بماند   وانکه این کار ندانست در انکار بماند
(دیوان ص ۲۰۲)، [4] نفقط ک ـــــ ، [5] آ: بود بجای بی اختیار ماند، [6] ذکرش را در متن نیافتم،

بسببِ ضعف بهر گونه مشقت و زحمت بقلعهٔ ترزک[۱] رسید و آنجا
چندان توقف نمود که قاصدان و (کذا) عرضه داشت که بپایهٔ سریر اعلیٰ
فرستاده بود باز آمدند و نشانها برحسبِ دلخواه آوردند، مضمون
آنکه حکّام و عُمّالِ ولایات علوفهٔ ایلچیان و کرایهٔ ده شتر بار بموجب
نوشتهٔ فقیر از مال دهند، و چهار ده اسبِ یام ده جهت خاصهٔ
نفرانِ[۲] فقیر و چهار ربهای ایلچیان تسلیم نمایند،
و از ترزک[۱] براهِ میمند و فرغان بسببِ ضعف در محفّه روان
شد، و بولایت سیرجان آمده سعادتِ زیارتِ حضرت شاه[۳] شجاع
کرمانی علیه الرحمه که از کبارِ مشایخ مقدم و ابنای ملوکِ معظم بود
۱۰ دریافت، و نظارهٔ قلعهٔ سیرجان که در همه جهان بدل ندارد[۴] نمود،
و در قریهٔ مُشیز[۵] دولتِ ملازمت شیخ بزرگوار و ولیّ روزگار مولانا
شمس الدین محمد اسفاقی[۶] رحمه الله[۷] که در قافلهٔ حضرت شیخ الاسلام
بهاء الدین شیخ عمر[۸] قدّس سرّه[۹] بحجاز فرموده[۱۰] بود از مکّه بمصر رفته و زیارت
انبیا علیهم السلام دریافته و از راهِ دریا بهرموز آمده بود و ملازمِ رکابِ
آنجناب بهراة رسید،

---

[۱] ک: ترزک، ب: تزرک، با: ترزک، اک: بزرک، اتارک به ص ۱۱، [۲] فقط آ: نغزان خاصه، [۳] رک به ح ۱۰۲ ، [۴] رک برای وی به نفحات ص ۴ و (تمّت بعد سنة [۲۷۰] سبعین و مائتین وقیل قبل الثلث مائة) و لیسترینج ص ۳۰۵، [۵] رک به لیسترینج ص ۳۰۱ بعد، [۶] کذا در ک به ضمهٔ میم، آ ب اک: مشیش، آ با: مشس، – بظاهر مراد از مشیز است که به چهل میل تقریباً در جنوب مغربی شهر کرمان است رک به لیسترینج ص ۳۰۳ و خطیطهٔ ششم در آن کتاب، [۷] فقط با: اسفاجی، – معلوم نشد که منسوب به چیست، [۸] فقط ک – ، [۹] آ: عمر، (بجای شیخ عمر) ب: عمره، اک مثل متن، [۱۰] فقط ک – ، [۱۱] آ: رفته (بجای فرموده)

القصه بکرمان آمد و داروغهٔ آنجا امیر حاجی محمد از جانب فقیر رنجیده خاطر بود چه در وقتِ عزیمتِ هندوستان از اوضاعِ کرمان و اطوارِ امیر شکایت گونهٔ ارسال نمود، و در مزاجِ همایونِ حضرت خاقان سعید مؤثر افتاد، و امیر را بدار السلطنهٔ هراة طلبید و خدمتش بآن سبب مذلت و خواری کشید، چون در کرمان باو ملاقات شد روزی بر سر دیوان پرسید که مولانا چه مقدار خرج شما و ایلچیان در رفتن وآمدن شده باشد، فقیر گفت: قریب پنجاه هزار دینار، گفت: آنچه می برید چه مبلغ بوده باشد؟ گفتم ده هزار دینار، خدمتش گفت: خوش سودا بیست، پنجاه هزار دینار دادن و ده هزار دینار ستادن، گفتم حضرت خاقان سعید بازرگان نیست که این حساب کند، گاه شما نقاری می آورند وآنحضرت در برابر زیادت از پنجاه هزار دینار می دهد، من از سرحدِ سراندیپ سکّه وخطبه وتحفه و ایلچی می برم. این صورت در نظرِ آنحضرت ملایم تراز آنست که در خزانه پنجاه هزار دینار باشد، فی الجمله فقیر هم از راهِ بیابانِ لوط که رفته بود بطرفِ قهستان معاودت نمود، و منتصفِ رمضان بدار السلطنهٔ هراة رسید وآیهٔ اَلحَمدُ لِلّٰهِ الَّذِی اَذهَبَ عَنَّا الحَزَنَ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُورٌ شَکُورٌ اَلَّذِیْ اَحَلَّنَا دَارَ المُقَامَةِ مِن فَضلِهٖ باد ارسانید، وشکایتِ محنتِ شبهاءِ هجران وحکایتِ فرقتِ اخوان وخلان برزبان نمی آرم بیت

---

۱ کذا فقط در ک، در باقی نسخ: مبلغ، ۲ فقط آ: گفتیم، ۳ ک: بانجبان ۴ ک: آورند ۵ فقط آ ک: هم از آن راه که رفته بود و بجای که رفته بود، ۶ - قرآن مجید ۳۵ (الملائکة): ۳۱ - ۳۲، آنچه در قوسین است در مطلع ندارد،

شکایتِ شبِ هجران فروگذاشته به[1]

بشکرِ آنکه برافگند پرده روزِ وصال

و روزِ دیگر در بارگاهِ اعلی بشرفِ تقبیلِ انامِلِ فیاض سرافراز شد، و با آنکه در آن پیشگاهِ گردونِ سرکش خمیده پشت ایستاده بود بنده نواختِ نشستن یافت، و احوالِ وُلاتِ آن ولایات و سرگذشتِ دریا و کشتی و هر گونه حکایات بموقفِ عرض رسانید، (۳۴ب) و ایلچیان خواجه محمّد و خواجه جمال الدین (۳۹۶ ب) بوسیلهٔ امراء عظام بپایهٔ سریرِ اعلی رسیدند، و بسعادتِ دستبوس که غایتِ مقصودِ سلاطینِ روی زمین همان تواند بود مستسعد شدند، و هر ۱۰ گونه بیلاک[2] سه انگشتریِ یاقوت و ده شتر بارِ عقاقیل[3] (کذا) هندی گذرانیدند[4]، و بسیار ملایمِ مزاجِ همایون آمد چه از آن بلاد در مدتِ دویست سیصد سال منقول نیست که ایلچی باین مملکت آمده باشد، و ایلچیان را هفته دو نوبت بدرگاهِ سلاطین پناه طلب می داشتند و در مجلسِ همایون مجالِ نشستن می یافتند، و آنحضرت چند نوبت در حضور و غیبت فقیر را تحسین فرمود، و ساعتی که از کلیاتِ مهماتِ ممالک صورتِ فراغی روی می نمود از احوالِ آن بلاد و دیار و اطرافِ سواد و دریابار و شرح و غرایبِ مملکتِ کفّار استفسار واقع می شد و آنچه مطابقِ واقعه بود بمحلِّ عرض می رسید،

و ایلچیان تا آخرِ ماه ذی الحجّة الحرام در دار السلطنهٔ هراة مقام

---

[1] ک: بود (بجای به)، آ — ، باقی نسخ مثل متن، — دیوان حافظ ص ۲۳۸: فرو گذار رای دل (بجای فرو گذاشته به)، [2] آ: بیلاکات (بجای بیلاک)، [3] صواب عقاقیر است. یزدی (۲: ۲۳) گفته است که هنگام غارت دهلی عساکر تیموری به "نبات ها دویه و عقاقیر" التفاتی نکردند، [4] کذا فقط در ک، آ: گذرانده، تا قرنسخ: گذرانند،

داشتند و عاطفتِ پادشاهانه ایشان را رخصتِ معاودت فرمود، و هر یک را اسپ و زین و دگلهٔ نوروزی و سه هزار دینار کپکی، و ده نوکر ایشان را قبا و چهارصد دینار انعام[۱] و عنایت فرمود[۲] و علوفه و اسپ یام تا بندرِ هرموز مقرر شد،

و[۳] فتح خان نبیرهٔ سلطان فیروزشاه دهلوی که خواجه جمال الدین را فرستاده بود عرضه داشت نیز ارسال نمود مضمون آنکه[۴]:

در وقتی که موکبِ ظفرنشانِ حضرت صاحب قران عزم بلادِ هندوستان فرمود از سلاطینِ ما کسی که نامی داشته باشد در حیات نبود تا بشرطِ[۵] انقیاد و وظیفهٔ خدمت بتقدیم رساند[۶]، ملو و سارنگ[۷] از سرِ جهل و پندار خسری[۸] ساختند و بنیادِ آن خاندان برانداختند، و این ضعیفِ نحیف مدتیست که در دیارِ غربت[۹] بصدگونه کربت می گذراند، متوقع از بندگانِ آستانِ سلطنت نشان آنکه بنده را بدرگاهِ سلاطین پناه طلبند تا باشد که بیمنِ دولت آنحضرت بوطن مألوف رسد مصراع

غریب را دلِ آواره با وطن باشد،

حضرت خاقان سعید بپادشاهِ بیجانگر نوشت که چنین استماع افتاد که فتح خان از فرزندانِ سلطان فیروزشاه پناه بآن

---

۱ آ با اک: نمود، ۲ درا ک از اینجا تاص ۵۰۸ س ۶ ندارد، ۳ فقط آ: آنک، ۴ آ با ب — ، ۵ آ: شروط (بجای شرط)، ۶ ملو خان و سارنگ خان از امراء سلطان فیروزشاه تغلق بودند و بعد از وفاتش استیلاء تام یافته سلطان محمود نبیرهٔ فیروزشاه را بپادشاهی برداشته حکومت هندوستان بدست خود گرفتند، ملو که برادر خرد بود با سلطان محمود در دهلی بود و سارنگ در ملتان (ایضاً دی ۲ : ۴۲۴ بعد، و ص ۶۸ ببعد، ۱۰۰، ۱۰۸، و ۹۵ و ۱۴۵)، نیز رک به طبقات باعداد فهرست بذیل ملو خان و سارنگ خان، ۷ آ با ب — ، ۸ فقط آ: غریب (بجای غربت)

درگاه آورده، اکنون اگر توانند اورا بمملکتِ پدرانِ او رسانند والّا اورا بدرگاهِ همایون فرستند تا لشکرهای جهان همراهِ او ساخته بعد قضا الله تعالی اورا بولایت آبا و اجدادِ او رسانند، و بر سریرِ سلطنت نشانند **بیت**

شاه[1] رخ خسروی که بندهٔ او
در جهان پادشاه نشان باشد،

و مولانای اعظم نصرالله[2] جنابدی برسمِ رسالت معین گشت و برای مولانا انعام و احکام و علوفه و اسپ یام و جهتِ پادشاهِ بیجانگر بیلاک و تحفه یراق فرمودند، و مولانا بموجبِ فرمان روان شد،

۱۰ و نوبتی حضرت خاقان سعید از موجبِ توقّف در ولایتِ هرموز پرسید، و فقیر شکایت گونه از حکّامِ آنجا بعرض رسانید، آنحضرت را خاطرِ همایون از خباثتِ هرموزیان دگرگون شد، و حکمِ جهانمطاع از موقفِ جلال نفاذ یافت که وزیر هرموز خواجه محمد[3] بغدادی را بدیوانِ اعلی آورند، و از موجبِ تاخیر که نسبت به فقیر واقع شده تفحصِ بلیغ نمایند، و فرستادهٔ فقیر حاجی[4] یوسف بولایت هرموز رفته نشان بر ایشان خواند، و مضمونِ حکم همایون هرموزیان را شنواند، و در

۱۳۹۷ دیوانِ هرموز دست در میانِ خواجه (۱۳۹۷) محمد بغدادی زد[5] و گفت: نشانِ عالم مطاع آنست که ترا بدرگاهِ عالم پناه برم تا در دیوان اعلی

---

[1] مصنف بیت ذیل انوری را بتصرّفی آورده است: شاهِ سنجر که کمترین خدمش۔ در جهان الخ (کلیات انوری ص ۱۲۴)، [2] ب آ ک: جامع الفضائل مولانا ناصرالدین نصرالله (بجای نصرالله)؛ ب: ناصرالدین نصر من الله، [3] فقط اک: محمد علی (بجای محمد)، [4] فقط آ: حاجی د (بجای خواجه)، [5] فقط با: نمود (بجای زد)،

(۳۱۰) محی الدین ابو العبّاس احمد بن ابراهیم بن ابی یاسین المعروف بالحنبلی البغدادیّ الوکیل

ذکرہُ الحافظ زین الدین ابو الحسن ابن القطیعی فی تاریخہٖ وقال: سمع ابا بکر محمد بن عبد الباقی الانصاری قاضی المارستانِ، وکان عارفاً بالحساب وکتابۃ الشروط و السجلّات وظہر علیہِ ما اوجب عزلہ وحبسہ وکانت وفاتہ فی سنۃ اربعٍ وتسعین وخمس مائۃٍ ودُفِنَ بمقابر الشہداءِ من باب حرب؛

(۳۲۰) محی الدین ابو نصر احمد بن ابراهیم بن الحمّامی المرندیّ الکاتب

ذکرہ الحافظ ابو طاہر احمد بن محمد السِلَفیّ فی کتاب معجم السفر؛ وقال: رأیتُہٗ بثغر خوی، وانشدنا قال: انشدنا الرّئیسُ منصور بن ممکان الکاتب بأُرمِیۃ لنفسہٖ:

یقولُونَ جَمعُ الدُرِّ لِلقَلبِ قُوَّۃٌ
وھذا محالٌ لیس یقبلُہٗ فہمی
لأنّی ملأتُ القلب من دُرِّ فِطنَتِی
فأضعفَہٗ حتّی قوِیتُ من السقمِ

له بالفتح المیم والراء وسکون النون وفی آخرها الدال المهملۃ نسبۃ الی مرند وهی بلدۃ من بلاد اذربیجان مشهورۃٌ معروفۃٌ، کتاب الانساب ص ۵۲۲؛

(۷۳۳) محی الدین ابوالعبّاس احمد[1] بن ابی منصور احمد ابن احمد بن ینال المعروف بالترک الاصفہانی الصوفی المحدث

ذکرہ الحافظ جمال الدین ابوعبداللہ بن الدبیثی، وقال:
سمع باصفہان ابا مطیع محمد بن عبدالواحد المصری وابا محمد عبدالرحمٰن بن حمد الدونی، قال: وسمع ببغداد فی صباہ من ابی طاہر عبدالرحمٰن[2] بن احمد بن یوسف ومن ابی البرکات عبدالکریم بن ہبۃ اللہ بن النحوی وکانت وفاتہ باصفہان سنۃ خمس وثمانین و خمسمائۃ؛

(۷۳۴) محی الدین ابوسعید احمد[3] بن الحسن بن احمد ابن علی بن الخصیب الخانساری الادیب

---

[1] الشذرات ۴: ۲۸۳ [2] م ۵۰۱ھ؛ الشذرات ۴: ۳ [3] ذکرہ الحموی تحت مادۃ خانسار وھی قریۃ من قری جرباذقان فقال: ینسب الیھا احمد بن الحسن بن احمد بن علی بن الخصیب ابوسعید الخانساری سمع من ابی طاہر محمد بن احمد بن عبدالکریم وغیرہ) قالہ یحیی ابن مندۃ انتھی قول یاقوت؛ وتوفی ابوطاہر الکاتب الاصفہانی الذی ذکرہ یاقوت سنۃ ۵۴۴ کما ذکرہ ابن العماد فی الشذرات (۴: ۱۲۳) وکذا توفی یحیی ابن مندۃ سنۃ ۵۱۱؛ فبیان یاقوت سالم؛ امّا ابوطالب محمد بن احمد ابن عبدالکریم فلم اقف لہ علی اسم فبیان المصنف فی معرض الشک بعد؛

ذکرہ ابوطاہر احمد بن محمد السلفی فی کتاب
معجم السفر وقال: رأیتہ بجرباذقان، وروی لنا عن
ابی طالب محمد بن احمد بن عبد الرحیم الکاتب
باصفہان؛

(٧٣٥) محی الدین ابوالعباس احمد[1] بن الحسن بن احمد
یعرف بابن الدویرۃ البصری الفقیہ

من بیت العلم والحدیث والفضل والادب وکان
فقیہًا مناظرًا عالمًا؛

(٧٣٦) محی الدین ابوالعباس[2] احمد بن الحسن بن ابی
البقاء بن الحسن العاقولی ثمّ البغدادی
المقری

ذکرہ محمّد بن سعید فی تاریخہ، وقال: ھو عاقولیّ
الاصل بغدادیّ المولد والمنشأ سمع ابا منصور عبد
الرحمٰن بن محمّد القزّاز وغیرھم، وکان صحیح
السماع حدّث بالکثیر واقرأ الناس وکان رجلًا
صالحًا، وکان یتلو القرآن المجید بصوتٍ طیّبٍ و
اداءٍ حسنٍ، روی لنا عنہ شیخنا محی الدین عبد الرحمٰن

---

[1] لم اقف لہ علی اسم ولعلہ غیر احمد بن احمد بن ابی الحسن
ابن دویرۃ البصری شیخ الحنابلۃ المتوفی سنۃ ٦٥٢ھ ولہذا الاخیر ترجمۃ
فی الشذرات (٥: ٢٥٩) [2] ذکرہ ابن العماد فی الشذرات حوادث
سنۃ ثمان وستمائۃ؛

ابن ابی البرکات الحربی، وتوفی فی ثامن ذی الحجة سنة ثمان وستمائة، ومولدہ یوم عاشوراء سنة ست و عشرین وخمسمائة؛

(٣٧) محی الدین ابو العباس احمد بن ابی الحسن بن عبد الرحمٰن بن عثمان بن الرفاعی الشیخ العارف

کان من اجل مشائخ العراق الذین شاع ذکرهم فی الآفاق، وله الکلام الرفیع والاسلوب البدیع، من ذلک قوله: ما عرف من قال ولا قال عرف؛ روی لنا عنه الشیخ ابراهیم بن علی المعروف بالاعزب

(٣٨) محی الدین ابو الحسین احمد بن ابی طاهر حمزة ابن علی بن الحسن بن الحسین المعروف بابن الموازینی السلمی الدمشقی المعدل المحدث

ذکره ابن النجار وقال: کان من اعیان العدول بدمشق وهو اخو ابی المعالی محمد، سمع جده وقدم بغداد سنة تسع واربعین وخمس مائة، و

---

[١] ا: ست مائة. والتصحیح من الشذرات حیث قال: توفی عن ثلث وثمانین سنة؛ [٢] محی الدین المعدّ مرّ ذکرہ؛ [٣] ذکرہ ابن العماد وقال: توفی وهو فی عشر التسعین؛ الشذرات (٣: ٢٠٣)

سمع من ابی الکرم المبارك بن الحسن ابن الشهرزوری وغیره، وعاد الی دمشق، وحدّث ببغداد، وكانت وفاته بدمشق فی منتصف المحرّم سنة خمسین وثمانین وخمسمائة، و دفن عند اهله بباب الصغیر؛

(۳۹) محی الدین ابوالعباس احمد بن داوود بن بلال بن علیّ الاربلیّ الخطیب

انشد له شیخنا تاج الدین ابوطالب علیّ بن انجب ابن الساعی :-

الا ایّها المولی الذی سار ذکرهٗ
واثقلنا دون البریة برّهٗ
اهنّیك بالعام الجدید وانّما
یُهنّا بك العامُ الجدیدُ وعشرهٗ

(۴۰) محی الدین ابوالعباس احمد بن علیّ بن سعید بن علی الخُوزیّ الصُوفی

ذکره ابن الدبیثی فی تاریخ واسط، وقال: سکن واسط واقام بها برباط الضربتی وقرأ بها القرآن المجید علی جماعة من اصحاب ابی العزّ القلانسی؛

۱؎ کمال الدین الشهرزوریّ المتوفی سنة ۵۵۰ھ؛ الشذرات (۴: ۱۵۸) واخطأ فی النسبة فقال السهروردیّ؛ ۲؎ محمد بن الحسین بن بندار الواسطیّ المتوفی سنة ۵۲۱ھ؛ الشذرات (۴: ۶۴)

وسمع بها من القاضی ابی علی[1] الحسن بن ابراهیم الفارقی، وقدم بغداد سنة اربع وثلاثین وخمس مائة وسمع بها من القاضی ابی بکر محمد بن عبد الباقی الانصاری وغیره، وعاد الی واسط وتوفّی فی جمادی الاولی سنة سبع وسبعین وخمسمائة؛

(۷۴۱) محی الدین احمد بن علیّ بن ابی المعالی الجاجرمی

(۷۴۲) محی الدین ابومنصور احمد بن عُمَر بن یوسف الجزریّ

من کلامه: وله ان یستنیب (مَن)[2] راٰه اهلاً للاعتماد فی سائر البلادِ والاقطارِ بخراسان والعراقِ وما سواها من الاَمْصار، فهو المحکم عند اختبارهم وارتضائهم فی عزلهم وامضائهم، ولیس لاحدٍ من الملوکِ والولاةِ وارباب الاطراف والنوّاب والشحن، فی مزاحمته مطمعٌ، ولا فی قوس منازعته منزعٌ، بل یمکّنوا فی النیابةِ عنه من یراه اهلاً ویرتَضِیْهِ وینتهوا الی اقضی [کذا] فی تحصیل مقاصده ومساعیه؛

(۷۴۳) محی الدین ابوالفضل احمد بن محاسن البقلیّ[3] الصوفی

---

[1] (م ۵۲۰ھ) الشذرات (۴: ۵۵) مراٰة الجنان (۳: ۲۵۳) [2] زدناه من القیاس

[3] نسبة الی البقل ونحوه من الفواکه، ولعل بعض اٰباء المترجم کان یبیعها؛

كان من اعيان الصوفيّة والمشائخ، ذكرهُ لی صديقُنا
الاميرالفقيرُ عمادالدين ابوالمظفر احمد بن الحسن
ابن علجه واثنیٰ عليه، وقال كان كريمَ النفس جميلَ
الاخلاق ويتولّی خدمة المسافرين الصّادرين والواردين
بنفسه مع كِبَرِ سِنّهِ بزاوية البقلی، وتوفّی بالزاوية
سنة تسعٍ وتسعين وستّمائةٍ؛

(٧٤٤) محی الدين ابوالفتوح احمد بن محمّد بن احمد
ابن عبداللّطيف الكيشی الفقيه

سمع ببغداد الحديث علی جماعةٍ من الشيوخ، وبها
تادّب، وعلی مشائخها كتب، ولمّا خرج والدهٗ من
بغداد كان فی خدمته، وانتقل الی شيراز واقام
بها، وكان عالمًا بالفقه والادب، انشدنی زين
الدين ابواحمد له :-

لهٗ الكلمات الغُرُّ يزهو نظامُها
علی الارض جادَتْهُ غِزَار السحائبِ
رسائلُ تغنی عن قنا الخط خطُّهَا
وكتبٌ بها تُقْرٰی صدورالكتائبِ

وجاءنا نعيه سنة تسعٍ وسبعمائةٍ روی لنا عنه
اخوه شيخنا زين الدين ابوحامد محمّد؛

(٧٤٥) محی الدين ابوسالم احمد بن ابی النجم بن محمد
ابن عبدالمنعم الاسيدی الابهری

القاضی المحدّث

ذکرہ الحافظ صائنُ الدین ابو رشید بن الغزال الاصفهانی فی کتاب الجمع المبارك والنفع المشارك[۲] وقال: کان قاضی ابهر وهو مُسِنّ جاوز مائةَ سنةٍ سمع الکثیرَ وله اجازةٌ من ابی بکر الزنجوی الزنجانی و ابی علیّ الحسن بن احمد المقری وغیرهما اجاز لمن ادرك حیاته بجمیع مسموعاته وتوفّی بعد سنةِ ستّمائةٍ بابهر؛

(۱۳۶۷) محی الدین ابو منصور اسعد بن نصر بن اسعد العَبَرْتی[۱] الادیب

ذکره ابن الدبیثی فی تاریخه وقال: قرأ علی الشیخ حُجّةِ الاسلام ابی محمّد عبدالله[۲] بن احمد بن احمد بن احمد ابن الخشاب، وتادّب وقال الشعر؛ ومن شعرہ :-

قل لمن یشکو زمانًا حادعنّا یُرتجیه

لا تضیقَنَّ اذا جاءَ بما لا تشتهیه

ومتیٰ نابك دهرٌ حالت الاحوال فیه

فوّض الامر الی اللّٰهِ تجد ما تبتغیه

---

[۱] نسبة الی عَبَرْتا قریة بنواحی النهروان؛ معجم البلدان (۳: ۶۰۴)

[۲] المتوفی سنة ۵۶۷ھ ذکره ابن العماد فی الشذرات (۴: ۲۲۰) ولم یذکر الّا احمدین اثنین فی آبائه؛

وإذا علّقت أمـا ـــــ لـك فيه ببنيه
جُرت عن قصدك حتّى قيل: ماذا بنبيه

وكانت وفاتُهُ في عاشر شهر رمضان سنة تسع وثمانين وخمسمائة؛

(٢٤٧) محي الدين ابو الفتح اسعد بن ابي نصر الميهني مدرّس النظاميّة

ذكره تاج الاسلام ابو سعد عبد الكريم بن محمّد السمعاني في كتاب المذيّل، وقال: تفقّه على جدّي ابي المظفر السمعانيّ وعلى الموفّق الهروي بمرو، وبرع في الفقه وفاق اقرانَهُ في حدّة الخاطر وجري اللّسان ولمّا قصد العراق وورد بغداد فوّض اليه التدريس من [؟ في] المدرسة النظاميّة وعلّق الناس عنه تعليقةً في الخلاف وتوفّي بها سنة احدى وعشرين وخمسمائة؛

(٢٤٨) محي الدين ابو محمّد اسماعيل بن احمد بن محمّد البغدادي الفقيه النحوي

قرأت بخطه:-

سلّمت يوم غداته يوماً فما ردّ السلاما

ﻟﻪ ذكره السبكي فزاد محمّداً بين اسعد وابي نصر، وابنُ خلّكان فلقّبهُ مجد الدين وكلٌّ ياخذ كلامهُ من المذيّل ونحلّ الاقرب الى الصواب فيهم هو المصنف؛ انظر طبقات الشافعية (٤: ٢٠٣) والوفيات (١: ٩٥)؛

من ليس يشبعنى كلا — مًا كيف يشبعنى طعامًا

(۷۴۹) محى الدّين اسماعيل بن يحيٰى بن جهبل الدمشقىّ[1]

كُتبَ فى الاجازةِ الواردةِ من دمشق سنة ستٍّ وتسعين وستمائةٍ فى محمّد بن محى الدين اسماعيل فى جماعةٍ وكُتِبتْ فيهَا:

(۷۵۰) محى الدين ابوبكر بن ابى الحسن بن عبد الرحيم الرفاعى البطائحىُّ الشيخ الزّاهد

من البيت المعروفِ بالزُّهدِ والدينِ والتفرُّدِ بالعبادة والمعرفةِ واليقينِ وله المريدُون الّذين تشبَّهوا به فى العبادةِ وحفظِ الاوقاتِ والاشتغالِ بمكارم الاخلاقِ وبذلك اشتهرُوا فى العراقِ وظهرتْ أثارُ نجابتِهم فى جميع الأفاق[2]

(۷۵۱) محى الدين ابوبكر بن عبدالله بن عمر الدمشقى خطيب بيت الأبار [۱۱۱ / H2 a]

---

[1] ذكر ابن حجر فى الدرر الكامنة ترجمة اسماعيل بن يحيٰى بن اسماعيل بن طاهر بن نصرالله بن جهبل محى الدين (۶۶۹-۷۴۰) و اخيه احمد بن يحيٰى شهاب الدين (۶۷۰-۷۳۳) وابنه محمد بن اسماعيل ابن يحيٰى صلاح الدين؛ راجع (ج ۱ ص ۳۲۹، ۳۴۳ و ج ۳ ص ۳۹۲ من الدرر الكامنة؛ [2] وقد تقدمت منهم ترجمة محى الدين ابراهيم بن على الرفاعى؛ [3] المتوفى سنة ۶۹۹؛ الشذرات (۵: ۴۵۵)؛

ذکرہٗ شیخنا صدر الدین ابو المجامع ابراہیم بن شیخ الشیوخ سعد الدین محمد بن المؤید الحموی الجوینی فی معجم شیوخہٖ، وقال: سمع المائۃ الشریحیۃ علی ابن اللتی؛

۷۵۲) محی الدین ابو المفاخر بیان بن احمد بن محمد ابن خمیس الرمانی الواسطی المقری

قال ابن الدبیثی فی تاریخہ: ھو من رصافۃ واسط، قدم بغداد وتفقّہ بالمدرسۃ الثقتیّۃ بباب الازج علی مدرّسہا شرف الدین یوسف بن بندار الدمشقی وسمع اباالفضل احمد بن صالح بن شافع الحنبلی وعاد الی بلدہٖ، وانشد قال: انشدنا قوام الدین یحیی بن زیادۃ لنفسہٖ :-

کُلّ ظلومٍ تزولُ دولتُہٗ ولیس ما سنّ من اذیٰ زائل

کحیّۃٍ خوفَ سمّہا قُتِلَتْ وسمُّہا بعد قتلہا قاتل

۷۵۳) محی الدین ابو القاسم جعفر بن المظفّر بن ابی سعد یُعرف بابن المنمنم البورانی المحدّث

ذکرہ العدلُ زین الدین ابو الحسن ابن القطیعی فی تاریخہٖ [وقال:] کان شیخًا صالحًا سمع اباالحسن سعدَ الخیر بن محمد الانصاری واباالوقت عبدالاوّل بن عیسی السجزی

۱؎ م ۶۵۲ھ؛ الشذرات (۲: ۲۶۸) ۲؎ م ۶۵۳ھ؛ الشذرات (۲۶۶:۲)

وغیرھم[1]، وانشد عنہ :-

یقولون سادَ الارذلون بعصرنا
وصار لهم مالٌ وخیلٌ سوابق
فقلتُ لهم شاخ الزمانُ ولم یزل
یفرزنُ فی اُخری الدسوت البیاذق

توفی فی ذی الحجۃ سنۃ ثلاث وستمائۃ؛

(۷۵۴) محی الدین ابو محمد الحسن بن عبد اللہ بن محمد
ابن النجار البغدادی المعدل

سمع ابا اسحاق ابراھیم[2] بن عثمان بن یوسف بن ایوب الکاشغری بقراءۃ عماد الدین علی بن عبد الملک بن ابی الغنائم بن بصلا سنۃ اربع واربعین وستمائۃ

(۷۵۵) محی الدین ابو محمد الحسن بن علی بن الحسن
ابن علی بن عامر الموصلی الفقیہ

حدث بالموصل عن الخطیب مجد الدین ابی الفضل عبد اللہ[3] بن احمد بن محمد الطوسی فی ذی القعدۃ سنۃ ست وتسعین وخمسمائۃ فی مسجدہ المعروف فی بنی مائدۃ، حدث بکتاب سر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؛

---

[1] م ۶۲۵ھ؛ الشذرات (۵ : ۲۳۰)
[2] المترجم فی ص ۱۴۶ من ھذا الکتاب؛

(۷۵۶) محی الدین ابوالحسن[1] ابن عز الدین ابی الفضائل ابن عبد الحمید القزوینی قاضی تبریز [و] قاضی القضاۃ باذربیجان

کان من اجلّ القضاۃ واعلمھم بالفقہ والاصول واحذقہم بالمنقول عن الرسول، وقضی شیخنا قطب[2] الدین ابوالثناء محمود بن مسعود الشیرازی علی ما کتب لہ لما سمع علیہ:
یقول افقر عباد اللہ ابوالحسن علیّ بن ابی الفضائل بن عبد الحمید القزوینیّ: سمع علیّ کتاب شرح السّنۃ، و سمعتُہٗ من الامام السعید شمس الدین ابی الکرم عبد الغفور بن بدل بن حمزۃ البزوری التبریزی بروایتہ عن حفدۃ عن مصنّفہ؛ وکنت سمعتُ علیہ مجلسًا من المصابیح وکتبَ لیَ الاجازۃ وکانت وفاتُہٗ فی ذی الحجّۃ سنۃ سبع وتسعین وستمائۃ بتبریز؛

(۷۵۷) محی الدین الحسن بن محمّد بن سعید - یعرف بالبنّاء - البغدادیّ المعدّل الخطیب بجامع بھلیقا

شھد عند قاضی القضاۃ عماد الدین الزنجانی سنۃ احدیٰ وسبعین وستمائۃ، وکان الیہ الخطابۃ بجامع بھلیقا والامامۃ بمسجد الناصر المقابل لسوق العمید

---

[1] کتب علیہ المصنف: اسمہ علیّ؛ وسیترجم لہ مرّۃً اخری بھذا الاسم؛ [2] (۶۳۴-۷۱۰ ھ) اعلام ۳: ۱۰۱۹؛ الدرر الکامنۃ (۲: ۳۳۹-۳۴۰)

توفی فی المحرّم سنۃ اربع ....[۱] ومولدہٗ سنۃ خمس ....[۲] وستمائۃ؛

(۷۵۸) محی الدین ابو محمّد الحسن بن صدر الدین محمّد ابن عبد اللہ المراغیّ قاضی مراغۃ

تقدّم ذکر والدہٖ وکان محی الدین مشکور الطریقۃ جمیل السیرۃ، قد حجّ اباہ لما ولّیَ الوزارۃ وغصب املاک الناس واستمرّ علی مواظبۃ درسہٖ، وانشأ لنفسہٖ مدرسۃ جمیلۃ وقفہا علی الاشاعرۃ من فقہاء الشّافعیۃ، ووقف علیہا الوقوف الجلیلۃ، ومحی الدین المذکور ھو الّذی مدحہ معین الدین[۳] الطنطرانی بالقصیدۃ الممتزجۃ بالالفاظ الفارسیۃ والعربیۃ اوّلہا:-

تُرْکِ وَجَدْتُ الدّارَ وَمِنْ دَرمانِہٖ؛

(۷۵۹) محی الدین ابو الفضل الحسن بن جمال الدین یُوسف ابن الحسن بن ابی القاسم بن مسینا السُّورانی الصدرُ

من اعیان الصُّدور واکابرھم لہ النفسُ الشریفۃ و الھمّۃ العالیۃ والمعرفۃ باحوال الممالک اجتمعت بخدمتہٖ وسألتہٗ عن نسبہٖ فذکر لی ان جدّہٗ ابا القاسم کان فاضلاً ذا القدر جلیلَ الشأن اشتغل علیہ جماعۃ

---

۱ و ۲ بیاض بالاصل لم نتمکّن من تکمیلہ؛ ۳ اسماعیل بن محمّد الآتی ذکرہٗ؛

فی العلوم الدینیۃ والمعارف الادبیۃ[۲] ولہ تصانیف

(۷۶۰) محی الدین ابو عبد اللہ الحسین بن مسعود بن الحسین البغدادی الخطیب۔

کان فقیہا ادیبا، روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم: من کان فی قلبہ مثقال ذرۃ من الکبر لم یرح رائحۃ الجنۃ ثم قرأ أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِلْمُتَكَبِّرِينَ[۱]؛ وقال بعض الحکماء: ایاکم والکبر فان ابلیس لما تکبر عن امتثال امر اللہ قال لہ: مَا يَكُونُ لَكَ أَنْ تَتَكَبَّرَ فِيهَا فَاخْرُجْ إِنَّكَ مِنَ الصَّاغِرِينَ[۲] وقال فی حق ابلیس: أَبَىٰ وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ[۳]

(۷۶۱) محی السنۃ ابو محمد الحسین بن مسعود بن محمد الفراء البغوی المروروذی الفقیہ المحدث[۴]

کان من کبار الفقہاء المجتہدین تفقہ علی القاضی الحسین المروروذی ولازمہ جمیع عمرہ حتی صار بحرا فی العلوم الشرعیۃ والاخبار النبویۃ، وصنف کتبا مفیدۃ منہا کتاب معالم التنزیل وکتاب شرح السنۃ وکتاب مشکل القرآن وکتاب التہذیب وکتاب المصابیح، وکان حسن السیرۃ کثیر العبادۃ ومولدہ فی جمادی الاولی سنۃ

---

[۱] سورۃ الزمر الآیۃ ۶۱ [۲] سورۃ الاعراف الآیۃ ۱۲ [۳] سورۃ البقرۃ الآیۃ ۳۴ -

[۴] انظر تراجم البغوی فی طبقات الشافعیۃ (۴: ۲۱۴-۲۱۷) وتذکرۃ الحفاظ (۴: ۵۲) والشذرات (۳: ۴۸)؛ و بروکلمن (۱: ۳۶۴) والمصادر التی ذکرہا

اثنتين وثلثين واربع مائةٍ وتُوفّي سنةَ ستّ عشرة و خمسمائةٍ، ودُفِنَ بمقبرةِ طالقان عند شيخِهٖ، وقبرُهٗ ظاهرٌ يُزاروَ يتبرّكُ بهٖ؛

(۷۶۲) محي الدين ابومسلم داود بن محمّد بن الحسن القزوينيّ الصوفي

ذكره الحافظ ابوطاهر احمد بن محمّد السلفي في كتاب معجم السفرٖ وقال: رايتُهٗ بهمدانَ وروى لنا عن ابي بكر ابن الطحّان الصوفيّ بقزوينَ وانشدَ لهٗ بعضُ اهلِ الادب،

العلمُ ياتي كلّ ذي خفض ويرفع كل ابي

كالماء يصعدُ في الوهاد وليس يصعد في الرّوابي

(۷۶۳) محي الدين ابومحمّد رزق الله بن ابي بكر بن المحسّن الفارسيُّ الزاهد

كان من عباد اللهِ الصالحينَ الزهّاد العبّادِ الذين لا يأوونَ الى البلادَ اجتمعَ بهِ الحافظ ابوطاهرِ احمد بن محمّدِ السلفي بالزبيديّةِ قال: وهي على فراسخ من واسط، وكان صاحب رياضاتٍ بدنيّةٍ وله كلماتٌ ذوقيّةٌ؛

(۷۶۴) محي الدين ابوسالم ابن اسد الفارقيُّ الرئيس

ذكره القاضي ابنُ[1] الازرق في تاريخ ميافارقين وقال:

---

[1] هو احمد بن يوسف بن الازرق؛ ذكرنا ترجمته في زيادات كتاب الكاف (ص ۷) فلتراجع؛

لمّا خرج الوزیر عمید الدولة بن جهیر من میّافارقین واستوزره المقتدی بامر اللہ وتلا ذلک موت السلطان ملکشاہ سنۃ خمسٍ وثمانین واربعمائۃٍ اضطرب امر دیاربکر بخلوّہ من امیرٍ ووزیرٍ مدبّرٍ، وکان ناصر الدولۃ منصور بن مروان بجربی من اعمال بغداد فلمّا سمع بذلک تحرّک الی الجزیرۃ فاخذھا، وانفذ الی ابن اسد وکان رأس الجھّال والرعاع یدور فی البلد ویحفظ السور فانفذ الیہ ناصر الدولۃ لیسلّم الیہ البلد فاجاب الی ذلک فوصلھا فی المحرّم سنۃ ستٍّ وثمانین وسلّمھا الیہ ابوسالم بن اسد فلما استقرّ امرہ بھا استوزرہ ولقبہ محی الدّولۃ، واقام ناصر الدولۃ الی ربیع الاوّل من السنۃ فنزل تاج الدّولۃ تتش بعساکرہ علی میّافارقین فخرج ناصر الدولۃ من باب الھوۃ ودخل علی الامیر الحاجب وابی النجم الوزیر وکانت مدّۃ دولتہ خمسۃ اشھرٍ وھرب محی الدولۃ ثمّ جاء الی تتش فضرب عنقہ بحرّان سنۃ سبعٍ وثمانین واربعمائۃ؛

(۶۶۵) محی الدین ابوصالح سلمان بن محمّد بن سالم

[یا۔ ۱۱۲] [؟] لہ م ۳۹۳؛ الوافی بالوفیات ج ۱ ص ۲۶۲ ۔ ۴۸۶ – ۴۸۷؛ ۔ م ۴۸۸؛ ۔ م ۴۸۹؛ الکامل ۱۰: ۱۰۶ ۔ توفی مقتولاً سنۃ ۴۸۸ھ الکامل ۱۰: ۱۰۱ ۔

البغدادی الکاتب

من کلامہ: لمّا کانت ظلال عوارف مولٰنا اعزّ اللّٰہ الاسلام باعزاز سلطانہ واظھر فی الخافقین ساطع برھانہ واعلیٰ کلمۃ الحق باعلاء کلمتہ و شانہ وارفۃً علی کل حیّ موجودٍ ومراحمہ العمیۃ شاملۃً لکل میتٍ مفقودٍ کما قال جلّ وعلا ورحمتی وسعت کلّ شیءٍ[1]

(٧٦٦) محی الدین ابوالتقی صالح بن جعفر بن صالح بن عُمَر بن علیّ بن اَبان القرشی الکوفی قاضی الحلّۃ

لہ نسبٌ متصلٌ باَبان بن عُثمان بن عفّانَ وَلی قضاء الحِلّۃ السّیفیّۃ بعد القاضی شمس الدین علی بن محمّد ابن علیّ الرامُھرمزیّ وکانَ عارفًا بالفقہِ و اصولہٖ لہ اخلاقٌ حسنۃٌ، وکانَ یتأدّبُ انشدنی شیخنا جلال الدین عبد الحمید بن فخارٍ قال: سمعتُہٗ یُنشِدُ:-

ھیھات ھیھات کلُّ الناسِ قد قلبُوا
فی قالب الغدرِ والاعجاب والملق
فان تخلّقَ منھم بالنُّھیٰ رجلٌ
عادت بہ نفسہ یومًا الی الخلُقٌ

ورأیتُ سماعَہٗ علیٰ شیخنا کمال الدین

---

[1] سورۃ الاعراف (٧) الآیۃ ١٥٦؛

علیؒ بن وضاح الشهرابانی؟

٧٦) محی الدین ابو التقی صالح بن تقی الدین عبد الله
ابن جعفر یعرف بابن صباغ الاسدیؒ
الکوفیؒ المدرس

من فضلاء الدهر واعیان علماء العصر رأیته لما
دخلت الکوفة سنة احدی و ثمانین وستمائة،
واوقفنی الشیخ العدل الامیر جلال الدین ابو هاشم
محمد بن شیخنا شمس الدین ابی المناقب محمد بن احمد
الهاشمی الحارثی فی شهر ربیع الاول سنة اربع عشرة
وسبعمائة [علی] نسخة ما کتبه فی الاجازة له ولولده
المولد النجیب شمس الدین ابی المناقب محمد واخته
والمختصر الذی نظمه ارجوزة فی الفرائض وسمه
بکتاب الکافیة فی علم الفرائض قرأها علیه وکتب
له من شعره :-

حدّ عن العالم ان رمت العلی
وغب عن الاعراض والجواهر
فمهرها طلاق کل واحد

المراجع کتاب الکاف ص ٢٢٩ ، "الزیادات" المتعلقة بها؟ ک م ٢، ه: انظر
الدرر الکامنة ٢: ٢٠١ وتاریخ العراق ١: ٥٠٢ -.
ک م ه ٥٢٧ ؛ تاریخ العراق (١: ٥٠٥)

والجدّ فی الظلماء والهواجر

سیما المحب ان یکون قلبُهُ

مُمنَّعًا من لمم الخواطر

بثّ جنود الجدّ فی ثغر الهوی

فی همم قواضب بواتر

نائٍ عن الاوطانِ وهو حاضرٌ

یا عجبًا لحاضرٍ مسافر

جسمٌ خرابٌ وفؤادٌ عامرٌ

فکان بین عامرٍ وغامر

سرائرُ العشّاق لا یعرفُها

الّا فتًی مطهّر السرائر

وله اشعارٌ ذکرتها فی کتاب نظم الدرر الناصعة.

(٧٦٨) محی الدین ابو العزّ صالح بن عبد الله بن منصور بن ابی طاهر یعرف بابن القتیل[1] المُضَری الکوفی المقری الخطیب الواعظ

من افاضل العصر واکابر علماء الزمان وهو اخو شمس الدین الّذی تقدّم ذکرُهُ ممّن اجاز العدل الامین جلال الدین اباهاشم محمّد بن شیخنا شمس الدین ابی المناقب بن ابی الفضائل الهاشمی الحارثی الکوفی سنة ثلاث عشرة وسبعمائة.

---

[1] ا: ابی

وله تصانيف في الفقهِ وعِلمِ الحسابِ

(٧٦٩) محی الدين صبح بن احمدّ بن سعيد - يعرف بابن خطيب الطيب ـــ الطيبی المعدِّل

ذكرهٗ شيخنا ظهيرُ الدين ابو الحسن علیّ بن محمّد بن محمود الكازرونی فی تاريخه، وقال: شهدَ عند اقضی القضاةِ نظام الدين عبد المنعم البندنيجی قال: وتوفی فی ثالثِ شهرِ رمضان سنةَ خمسٍ وسبعين وستمائةٍ؛

(٧٧٠) محی الدين ابو الفضائل طاهر بن محمّد اسماعيل ابن ركن الدين يحيی بن اسماعيل الشيرازی

(٧٧١) محی الدين ابو محمّد عبد الله بن ابراهيم بن عبد الله ابن مرزوق العَسقلانی المحدِّث

قرأتُ بخطِّه :-

حتی متی لا تزال معتذرًا ... من زلّةٍ منك ما تُجانِبُها

لا تتّقی غِبَّها عليك ولا ... ينهاك عن مثلِها عواقبها

لتركك الذنب لا تفارقُه ... ايسر من توبةٍ تُطالبُها

(٧٧٢) محی الدين ابو محمّد عبد الله بن ادريس الانباری المعُدِّل

ذكرهٗ شيخُنا تاج الدين ابو طالب فی تاريخه، وقال: وفی شوال سنةَ اثنتينِ واربعين وستمائةٍ صرف العدل محی الدين عبد اللهِ بن ادريس الانباری من نظارةِ التمورِ بسؤالٍ منهُ لذلك ورُتّب عوضه الشيخ

قطب الدین محمد بن سکینة، شافهه الوزیر مؤید الدین محمد[1] بن العلقمی بذلک؛

(۷۷۳) محی الدین ابو محمد عبد الله بن اسحاق بن هارون اللمطی الامیر

سمع کتاب عوارف المعارف علی مصنفه شیخ الشیوخ شهاب الدین عمر[2] بن محمد البکری السهروردی بقراءة عز الدین حسن بن حیدر بن حسین البیهقی فی جماعة فی العشر الاول من شوال سنة تسع وعشرین وستمائة بمدینة السلام برباط المأمونیة؛

(۷۷۴) محی الدین ابو محمد عبد الله بن المبارک بن احمد ابن سکینة البغدادی المقری

شیخ من اهل القرآن المجید من بیت معروف بالقراءة، وکان والده یؤم بالامام المسترشد بالله وقتل معه لما قتل بمراغة سنة تسع وعشرین و خمسمائة[3]، سمع ببغداد ابا محمد عبد[4] الله بن علی المقری سبط ابی منصور الخیاط وابا الفرج عبد الخالق بن احمد ابن یوسف وابا الوقت عبد الاول وتوفی فی شعبان سنة

---

[1] کان الوزیر العلقمی اذ ذاک استاد الدار ثم ولی الوزارة سنة ۶۴۳ھ واستمر علیها الی سنة ۶۵۶ھ؛ راجع تاریخ العراق ۱: ۲۰۶-۲۱۲؛ [2] م ۶۳۲ھ؛ الشذرات ۵: ۱۵۳؛ [3] انظر وقعة قتل المسترشد بالله وقتل ابی عبد الله [المبارک] ابن سکینة معه فی تاریخ الکامل (۱۱: ۱۲)؛ [4] م ۵۴۱ھ شذرات ۴: ۱۲۸

عشر و ستمائۃٍ؛

(۷۷۵) محی الدین ابو العلاء عبد اللہ بن محمّد بن داوود ابن محمد بن داوود التبریزی الفقیہ

سمع الحدیث[1] اورد بسندہٖ عن اسماء بنت یزید قالت: کنتُ فیمن زَفّتَ عائشۃَ الی النبی صلی اللہُ علیہ وسلّم فعرضَ علینا لبنًا، فقلنا: لا نشتھیہ؛ فقال: لا تجمعن کذبًا وجوعًا؛

(۷۷۶) محی الدین ابو الفضل عبد الباقی بن ابی بکر بن محمّد ابن عبد المنعم بن عُیَیسون السنجاری القاضی

من البیت المعروف بالعلم والفضلِ والعلم والقضاء و العدالۃِ وھو الّذی توجّہَ صحبۃ مولانا قطب الدین محمُود ابن مسعود الشیرازی الی مصر لما توجّہ[1] رسولًا من السلطان احمّد[2] تکوتار بن ھلاکو سنۃ احدی وثمانین وستّمائۃٍ وتخلّف بمصر؛

رأیتُہٗ بتبریز وکتبتُ عنہ، وکان فاضلًا عالمًا، انشدنی:—

تجاھلتُ لمّا لم ارَ العقلَ نافعًا
وانکرتُ لما کنتُ بالعلم ضائعًا
وما نافعی عقلی وعلمی وفطنتی
اذا بتُّ صفر الکفِّ[1] الکیس جائعًا

---

[1] ذکر صاحب الحوادث الجامعۃ (ص ۴۲۴) رسالۃ قطب الدین الشیرازی ولیس للمترجم ھناک ذکر؛ [2] ۶۸۳ھ؛ تاریخ العراق (۱: ۳۱۹ بما بعدہ)

(٧٧٧) محي الدين ابو الخير عبد الله[1] اتم بن محمود بن مودود ابن بلدجي الموصلي الفقيه المحدث

ذكره لنا اخوه شيخنا مجد الدين ابو الفضل عبد الله بن بلدجي، وقال: سمع معي بقراءة والدي على المشائخ؛ وكتب اليّ بالاجازة بسعي صاحبنا وشيخنا شمس الدين ابي العلاء الفرضي سنة ثمانين وستّمائة، وذكر في الاجازة بخطّه انّ مولده بالموصل في يوم الثلثاء السادس عشر من جمادى الآخرة من سنة اربع وستّمائة، وتوفّي بها في يوم الاثنين ثالث شوّال سنة ثمانين وستّمائة ودفن بمقبرة قضيب البان؛

(٧٧٨) محي الدين ابو محمّد عبد الرحمٰن بن احمد الطفسونجي[2] شيخ الفقراء [113 b / 114 a]

كان من اكابر مشائخ العراق المعتبرين، ومن اولاد الشيخ سيف الدين عبد اللطيف بن محمّد بن ابي المعالي بن عمر وقد تقدّم ذكرهم؛

(٧٧٩) محي[3] الدين ابو البركات عبد الرحمٰن بن احمد بن ابي البركات الحربيّ المحدّث قيّم حضرة

---

[1] راجع الجواهر المضيئة (١: ٢٩٨ — ٢٩٩)؛ [2] نسبة الى طسفونج وهي لغة في طيسفون مدينة بجانب دجلة من مدائن الفرس القديمة معجم البلدان (٣: ٥٣٧) ولسترنج ص ٣٣ بما بعد؛ [3] كتب فوقه: ويعرف بعبد المحي؛

الامام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ

کان من المشائخ الثقات والرواة الاثبات، وکان ملیح السمت محفوظ الوقت، جمع لاجلہ الشیخ المفید جمال الدین ابوبکر احمد بن علی القلانسی مشیختہ وسماھا نوامی البرکات فی مشیخة ابی البرکات سمعناھا علی شیخنا بقراءة مخرجھا، وسمعھا علیہ شیخنا السید المعظم غیاث الدین ابو المظفر عبد الکریم بن طاؤس الحسنی فی جمادی الاولی سنة تسع وسبعین وستمائة؛ وسمعھا من لفظہ السید شرف الدین ابن البخة العلوی فی حضرة الشیخ عبد الرحمن الاسفرائنی فی جامعة سنة ثلاث عشرة وسبع مائة؛

(۷۸۰) محی الدین ابو الفضل عبد الرحیم بن ابی البرکات عبد المنعم بن خلف الدمیری المحدث

اجاز لاصحابنا سنة ثلاث وسبعین وستمائة و ذکرہ الحافظ جمال الدین ابوبکر احمد بن علی القلانسی فی معجم شیوخہ واثنی علیہ؛ وقرأت بخطہ فی بعض الاجازات:-

ولو انّنی استمددت من مارمقلتی

۱؎ م ۶۹۳ھ؛ تاریخ العراق ۱: ۳۶۱؛ ۲؎ یعرف بابن الدمیری وتوفی سنة ۶۹۵ھ؛ الشذرات (۵: ۴۳۱) ۳؎ نسبة الی دمیرة وھی قریة کبیرة قرب دمیاط علی شاطی النیل؛ معجم البلدان (۴: ۶۰۲)

لجاءتك كتبی وهی حُمْرٌ سطورُها
وکیف تُلائم الشمسُ ان قطرت دمًا
وقد غاب عنها نورُها وسرورها

(٧٨١) محی الدین عبد الرحیم بن الشیخ محمد الاخمیمی[1]

له ذکر فی الاجازةِ الواردَةِ من دمشق سنةَ سبعٍ و ثمانین وستمائةٍ وکتبت فیها والحمد للّٰہ حقّ حمدہٖ۔

(٧٨٢) محی الدین ابو الفضل عبد الرزّاق بن منصور بن ابی القاسم القزوینی المؤدّب

کان ادیبًا عالمًا بالنحو والتصریف واللُّغةِ، ولهٗ مجموعٌ مطبوعٌ قد جمع فیه فوائدَ و نوادرَ وغیرها کتبت من مجموعِهٖ فی جلدِ عُمیرَةَ[2] :۔

اصفی هوی النفس غیر متبّب[3] حلیلة ما تسومنی نفقه
تکون عونا علی الزمان وللــــکسب اذا ما اضقت مرتفقه

(٧٨٣) محی الدین ابو الحسن عبد الرؤف بن ابراهیم ابن اسماعیل العبّادانیّ الصّوفی

هو اخو شیخنا نظام الدین نعمةِ اللّٰه بن ابراهیم، وسألتهٗ عنهُ فقال: کانَ زاهدًا ورعًا کثیر الصوم والصّلٰوة و

---

[1] اخمیم بلدةٌ من دیار مصر فی الصعید؛ معجم البلدان (١: ١٦٥) [2] انظر لتشریح جلد عمیرة تاج العروس مادة عمر؛ [3] کذا بالاصل ولم نتمکن من تصحیحه؛

تلاوة القرآن؛ ومن فوائده: قال النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم: عدلت شھادة الزّور الاشراک باللہ، قال اللہ تعالیٰ: فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّوْرِ[1]

(۷۸۴) محی الدین ابوسعید عبد السّلام بن احمد بن منصور الخانقینیؔ[2] المقری

کانَ من القُرّاءِ الاخیار العالمین بوجوهِ القراءات واسبابِ النُّزولِ والناسخ والمنسوخ وکان مع ذٰلک ورعًا صالحًا؛

(۷۸۵) محی الدین ابوغانم عبد الصمد بن محمد بن ظفر الیزدی الفقیہ۔

من الفُقهاءِ العلماءِ والاکابر والبلغاءِ، انشد فی الشیب—

ولی صاحبٌ ماکنتُ اھوی اقترابہٗ
فلما التقینا صار اکرم صاحبِ
عزیزٌ علیّ ان یفارق بعد ما
تمنّیتُ دھرًا ان یکون مجانبی

(۷۸۶) محی الدین عبد العزیز بن محمّد بن محمود الکرمانی قاضی کرمان

من افاضل الدھر واماثل [علماء] العصر صاحب الفضل الباھر والعقلِ الظاھر کتب بخطہ علی کتاب التوضیحاتِ الرّشیدیۃ......[3]

---

[1] سورة الحج (۲۲) الآیة ۳۰ [2] نسبة الی خانقین قریة من اطراف بغداد؛ لب اللباب (ص ۸۶) [3] بیاض بالاصل؛

(٧٨٧) محی الدین عبد العلیّ بن محمد الخالدیّ

قدم بغداد مع القاضی زین الدین ابی العشائر

(٧٨٨) محی الدین عبد القادر بن احمد بن عبد الرحمن ابن الجوزی البکری البغدادی

من بیتِ العلم والفضل والتقدّم والمعرفةِ اجتمعت به فی حضرةِ والده وهو منقطعٌ الی دویرة مدرستهم بدار دینار الکبیرة مهتمٌّ بالمطالعةِ فی کتبِ جدّه والاقتباسِ منها والاشتغالِ بالوعظ والحدیث وله سمتٌ حسنٌ؛

(٧٨٩) محی الدین عبد القادر بن احمد بن عبد القادر الصرصری المعدّل

صاحب الاخلاقِ الحمیدةِ والهمّة العلیة والنفس الابیّة، سافرَ فی طلب التجارة وهو یتحرّی الصدق فی اقوالِه واحوالِه، وسمع مولانا قاضی قضاة الممالک شرقًا وغربًا نظام الحق والدین ابو المکارم عبد الملک ابن محمد بن احمد القزوینی ثم المراغی قوله بمحروسة السلطانیةِ فی یوم الجمعة الخامس والعشرین فی شهر ربیع الآخر سنة ستّ عشرة وسبع مائةٍ، وشافهه بالعدالةِ بتزکیةِ العدل فخر الدین عبد القادر بن ابی البدرِ والکاتب[1]

(٧٩٠) محی الدین عبد القادر بن ابی ذرّ الربعی الفقیه

---

[1] کذا بالاصل والجملة اراد ان یزید علیه شیئًا فمنعه مانع؛

الشافعی

كان حسن السمت محفوظ الوقت وكان مقيمًا بجامع القصر الشرقی، رأيته سنة تسع وسبعين وستمائة ولم اكتب عنه شيئًا وتوجه الى بلاد الشام واقام بها؛ سمع المسند الجامع لابی عيسى محمد بن عيسى بن سورة الترمذی على شيخنا ابی محمد عبد ...[2]. على بن ...[2]...... اثنين وسبع ...[2]... داره عند ...[2]...

(۷۹۱) محی الدين ابو محمد عبد القادر بن ابی صالح ابن جنكی دوست الجيلی - له نسب فی بنی الحسين بن علی - الفقيه المحدث العالم الزاهد

ذكره الحافظ محب الدين ابو عبد الله بن النجار فی تاريخه[1] وقال: كان من الاولياء المجتهدين والمشائخ المرجوع اليهم فی امور الدين، واحد ائمة الاسلام العالمين العاملين وصاحب النفس الطاهرة والكرامات الظاهرة، ذكر انه دخل بغداد سنة ثمان وثمانين اربعمائة وله ثمانية عشر سنة[3]، فقرأ الفقه

---

[1] م ۵۶۱ھ؛ الانساب ص ۱۰۶ [2] انقطعت الكلمات فی التجليد؛ [3] اخبار الشيخ الجيلانی اشهر من ان تذكر اذ لم تغب شمسه بعد ما غابت شموس الغائبين؛ وذكر بروكلمن (۱: ۴۳۵) نبذًا مما الف فی سيرته او مناقبه وذلك يبلغ عشرين كتيبًا فليراجع مع ذيله (۱: ۷۷۸)؛

علی ابی الوفاء[1] ابن عقیل و ابی الخطاب[2] الکلوذانی وسمع الحدیث من ابی غالب محمد[3] بن الحسن ابن الباقلانی وطبقته، وقرأ الادب علی ابی زکریا[4] التبریزی واشتغل بعلم الوعظ ثم لازم الخلوة والانقطاع والریاضة و السیاحة والمقام فی الخراب والصحاری، وصنف کتبًا مفیدةً فی اصول الدین وفروعه، وکانت وفاته فی عاشر شهر ربیع الآخر سنة احدی وستین وخمس مائة و دفن برواق مدرسته لیلًا؛ ورأیت نسبه متصلًا بالحسن بن علی بن ابی طالب لکن الشیخ محی الدین لم یکن یعتد به، وکان یمنع اولاده من التلفظ به، و فی ذلک یقول قاضی القضاة عماد الدین نصر بن عبد الرزاق[5]:-

نحن من اولاد خیر الحسنین
من به اصلح بین الفئتین
یشبه المختار فی اعلاه اذ
کان ادناه شبیهًا بالحسین
سر کتمان ابینا اصله

---

[1] علی بن عقیل المتوفی سنة ۵۱۳ ھ؛ الشذرات (۴: ۳۵) [2] محفوظ بن احمد المتوفی سنة ۵۱۰ ھ؛ الشذرات (۴: ۲۷) [3] ۵۰۰ ھ؛ الشذرات (۴: ۳۱۲) [4] یحیی بن علی المتوفی سنة ۵۰۲ ھ؛ الشذرات (۴: ۵) [5] المتوفی ۶۳۳ ھ؛ الشذرات (۵: ۱۶۱ـ۱۶۲)

انّهٗ قال بانّ الفقر زینی

(۷۹۲) محی الدین[1] ابوالفضل عبدالقادر بن محمّد بن الحسن الاکّاف البغدادی المقری

کان من القرّاء والمحدّثین؛ سمع جماعةً من المتأخّرین روی لنا عنهُ من مشائخنا الشیخ ابوالحسن علیّ بن الحسن الکردی قال؛ انشدنا:-

حالان لا تحسن الدنیا بغیرهما
المال یثلم فیه الجود والولدُ
زین الحیوۃ هما لوکان غیرهما
کان الکتابُ بهٖ من ربّنا یردُ

(۷۹۳) محی الدین ابوالسعود عبدالقادر بن یوسف ابن عبدالحقّ الموصلیّ الفقیه

ذکر عن بعض المفسّرین انّه قال فی قوله تعالی سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ[2]: ماجدّدوا للّٰهِ معصیةً اِلاجدّدلهم نعمةً یستدرجهم بها؛

(۷۹۴) محی الدین ابوالقاسم عبدالقاهر بن الحسین ابن عبدالقاهر بن ثُمامة یعرف بابن المطهر الکلبی الحموی الادیب الشاعر

---

[1] ذکره الجزری فی طبقات القرّاء (۱: ۳۹۰) بمابعدها فکناه ابامحمد وقال: تلا بالروایات علی ابی الیمن الکندی؛ ولم یذکرلقبه ولا سنة وفاته؛ [2] القرآن الکریم سورة الاعراف (۷) الآیة (۱۸۲)

ذکرہ کمال الدین ابن الشعار فی کتاب عقود الجمان، و
قال: ولد بدمشق سنة اثنتین وستین وخمسمائة[1]؛
وقرأ الفقه علی القاضی محی الدین ابی المعالی محمد[2]
ابن علی القرشی؛ وله شعر حسن منه:-

وقد سمعت اناسًا ران من طبع
علی قلوب حوّها اللهو واللعب
اذا هم، سمعوا من فاسق عیبًا
لمسلم غیبة عنّا بهم طربوا
عبید من کانت الدنیا له فاذا
ولّت عن المرء ولّوا عنه وانجذبوا
وقد تدبّرت ما قد قاله مثلًا
ذو خبرة قول صدق ما به کذب
فقال حین اجاد القول منتخبًا
معانیًا مثلها فی الشعر ینتخب
ما النّاس الّا مع الدنیا فان وثبت
یومًا علیه بما لا یشتهی وثبوا
ان یسمعوا الخیر یخفوه وان سمعوا
شرًا اذاعوا وان لم یسمعوا اکذبوا

(۷۹۵) محی الدین ابو النجیب عبد القاهر بن جمال[3]

---

[1] م ۵۹۰ھ؛ وسیاتی ذکرہ فی موضعہ؛ [2] ابوکلوا؛ [3] من اولاد الشیخ شهاب الدین السهروردی المتوفی سنة ۶۳۲ھ واما الشیخ ابو النجیب الشهیر فهو عم الشیخ شهاب الدین وقد توفی سنة ۵۶۳ھ؛ ر: الشذرات (۴: ۲۰۸؛ ۵: ۱۵۳)

الدين عبد الرحمن بن عماد الدين محمد
ابن الشيخ شهاب الدين عمر البكري
السُّهْرَوَرْدِيّ البغدادي الصوفي

من بيتِ العلمِ والتعرّف والصفا والصدقِ والتصوّفِ والمعرفةِ والروايةِ والعلمِ والدرايةِ، والتقدّم على الصوفيّة اصحاب الهِمَمِ العليّة، والنفوس الشريفة الابيّة، وكان محي الدين دمث الاخلاق طاهر الاعراق، طريف المحاورةِ، لطيف المحاضرةِ، كريم الصُّحبةِ، وله كلماتٌ ذوقيّةٌ فرشت سجادته في رباط الخلاطيّة سنة سبعٍ وسبعين (وستّمائة) وعُزل الشيخ شمس الدين اليزديّ ثم اُعيد؛ انشدني

طلاب الغنى لا ينثني عنه طالبٌ
وكسب الثنا لا يكتفي منه كاسبٌ
ونيل المنى يهواه طبعًا اخو النُّهى
ويؤثره ان اغفلته النّوائبُ

(۹۶۷) محي الدين ابو الفضل عبد الكريم بن احمد
ابن مقلّد بن ابي الفرج بن جُليق التغلبي
الحموي الاديب الناسخ

ذكره ابن الشعار في كتابه، وقال: اصله من حلب، ورأيته بها ينسخ الكتب بالاجر ويكتب مع ذلك القصص في باب مسجدها الجامع وقرأ الادب

علی علم الدین علیؒ ابن محمد السخاوی، ومن شعرہ قولہ من قصیدۃ :-

واغن یستجلی محاسن وجہہ
لھوًا وتجلی من یدیہ الرّاح
کالشمس فی الاشراق یکسو کاسھا
للشرب من شھب الحباب وشاح
نزلت بارجاء الصدور فرحلت
ھمًّا یحلّ مکانہ الافراح

وُلِدَ بدمشق سنۃ اثنتین وستین وخمس مائۃ وتوفی بحماہ سنۃ اربعین وستمائۃ؛

(۷۹۷) محی الدین ابو محمد عبد الکریم بن محمد ابن علوان بن مھاجر الموصلی المدرّس

ذکرہ شیخنا تاج الدین فی کتاب لطائف المعانی، وقال: درس بعد ابیہ ورأیتہ بالموصل وکان ذا مال طائل وجاہ وافضال، وسألتہ عن مولدہ فذکر انہ ولد سنۃ اثنتین وثمانین وخمس مائۃ وقال ہو انشدنی لنفسہ :-

واضمر فی نفسی اذا ما لقیتہ
ابث الذی القاہ من الم الوجد

لہ (۵۸۲-۶۴۳ھ) الاعلام ۴: ۱۷۶؛ الشذرات ۵: ۲۲۲؛ مرآۃ الجنان ۴: ۱۱۰؛ بغیۃ الوعاۃ ۳۴۹

فتابرُد انفاسی وتخفق ساکنی
و اذهل حتّی لا اُعید ولا اُبدی

(٢٩٨) محی الدین ابو منصور عبد الکریم بن محمود ابن المحلّی الاِربِلیّ حاجب قاضی القضاۃ ببغداد

کان رجلاً عارفًا باقدار الناسِ، وله الحرمۃُ الوافرۃُ عند قاضی القضاۃِ عزّ الدین ابی العبّاس احمد بن محمود الزنجانی، وحصلت بینی وبینہٗ معرفۃٌ ومودّۃٌ، کان یتردّد الیّ فکتبت عنہ ھذہ الابیات:-

دعوتُ الغوانی قبیل المشیب فانھضتُھُنّ وانھضْنَنِی
وکان تعاملنا بالوصالِ فاقرضتُھُنّ واقرضْنَنِی
الی ان فجعت لشرخ الشباب فابغضتُھُنّ وابغضْنَنِی

توفّی فی عشرۃِ شھرِ ربیعِ الاٰخر من سنۃِ ثلاثٍ و ثمانین وستّمائۃٍ؛ وعُمِلَتْ تعزیتہٗ بالجامعِ، تکلّم فیھا نجم الدین البزوری وامین الدین السندی؛

(٢٩٩) محی الدین ابو محمّد عبد المحسن بن محمد ابن عبد المحسن الدوالیبی البغدادی المعدّل الواعظ

من العدول الفُضلاء والفقھاء العلماء والوعّاظ والامناء شھد عند ..[1].. وسمع الکثیر من شیوخنا، وکانَ

---

[1] بیاض بالاصل؛

يعقد مجلس الوعظ والتذكير ويتكلم في حقائق التفسير
وهو الآن يُسمِعُ الحديث في مسجدٍ ماسن الذي جدّده
ورمّمه المنبجيُّ، ويسمعون عليه بقراءة الشيخ
المفيد تقي الدين محمود الدقوقي؛

(۸۰۰) محي الدين ابو محمد عبد المحي بن علي بن ابي حامد بن محمود بن سليمان الانصاري الموصلي الصوفي

شيخ عارف خدم اهل القلوب والافاضل، وكان
صاحب تاج الشرف الحسين ابن الابزاري المعروف
بابن الجعَن، وروى عنه وعن غيره، وهو حسن
الاخلاقِ لطيف المعاشرةِ طيّب المحاضرة واستوطن
بغداد مدّةً ثمّ سكن تبريز عند الشيخ حسن
النقّاش، ورأيته بها سنة ستٍّ وسبع مائةٍ،
انشد ني لتاج الشرف:-

دعت صادحات الطير حيّ على الصبى
وصحّ مزاج الغصنِ واعتلّت الصبا
وجاء الربيعُ الطلق يفتر باسمًا
فاهلًا وسهلًا بالربيع ومرحبًا

(۸۰۱) محي الدين ابو الفضل عبد المؤمن بن محمد بن يعقوب الإذِلي العدْل التاجر

---

(۳) ۶۲۲ - ۶۳۳هـ) الشذرات ۶: ۱۰۲ ؛

قدم بغداد سنة ثمانين وستمائة وحصل لنا الاجتماع بخدمته فى المدرسة المستنصرية ،

(۸۰۲) محى الدين ابو عبد الله عثمان بن ابى عبد الله الحسن بن محمد بن الحكيم الحربى الصوفى المحدّث

كان شيخاً خيّراً عالماً ، سمع الرّئيس ابا القاسم هبة الله ابن محمّد بن الحصين الشيبانى ، ذكره محمّد بن سعيد الواسطى : [وقال :] سمعت منه وكتبت عنه ، وسألته عن مولده فذكر انّه ولد فى ربيع الاوّل سنة خمس عشرة وخمس مائة ، وتوفّى فى ذى القعدة من سنة ستّ وتسعين وخمسمائة ؛

(۸۰۳) محى الدين ابو عمرو عثمان بن يوسف بن احمد التبريزى

قرأت بخطّه فى تذكرة له :-

اذا النار ضاق بها زندها نفسحتها فى فراق الزناد
اذا صارم قرّ فى غمده حوى غيره الفضل يوم الجلاد
ولو يستوى بالقعود النهوض لما ذكر الله فضل الجهاد

(۸۰۴) محى الدين ابو الحسن علىّ بن ابراهيم بن عمر بن احمد يعرف بابن دردانة الحربى الفقيه المحدّث

سمع الكثير من المشائخ والمحدّثين ، وكتب بخطه الكثير

من الاجزاء المشتملة على الاحاديث والاخبار والفوائد والآثار، وكان حسن القراءة أدركتُه، و سمعتُ بقراءته؛ كتبَ الكثيرَ لنفسه ولطلّاب العلم، وكان يفيدهم ويحضر لهم الشيوخ ويفيدهم[1]؛

(٨٠٥) محي الدين ابوالحسن عليّ بن احمد بن ابي البركات الشيرازي الصّوفي

كان من ظراف الصوفيّة واعيانهم، وكان يلعن اهل الحرص في الطلب، ويقول: كان الحسن رحمه الله يقول: لعن الله اقوامًا اقسم لهم ربّهم فلم يصدّقوه ثم يقرأ: وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ فَوَرَبِّ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ لَحَقٌّ،[2] وانشد في المعنى:—

لقد ضمن الله رزق العباد
وَ انت واهلك من رزقه
فلا تشعر القلب خوف المعاش
فتتّهم الله في صدقه
اوصيك عودًا وبدأً امن
ملكت وحلّ وركذا على عتقه
و يقطع رزقك اجل الضما
نِ، والكلب والقرد في رزقه

---

[1] كذا بالاصل مكررًا؛ [2] القرآن الكريم سورة الذاريات (١٥) الآية (٢٢، ٢٣)

(۸۰٦) محی الدین ابو عنان علیّ بن عثمان بن ابی عنان الطیبی الاصل ثم البغدادی البزّاز

کانَ رجُلاً مقبلاً علی شأنِہ، قد سمع ...[1]...... سمع منه اصحابنا وقد کتب لی عنه شیخنا المفید جمال الدین ابو بکر احمد[2] بن علیّ القلانسی سنة احدی وتسعین وستّمائةٍ؛

(۸۰۷) محی الدین (الصادق) ابو الحسن علیّ بن عیسیٰ ابن محمّد یعرف بابنِ هوّاری[3] العلوی الواسطی الواعظ

من اولادِ الشیوخ العارفین واصلُه من مکّة شرّفها اللّٰهُ تعالیٰ، واقام بنواحی واسط، قدم مراغة سنة سبعٍ و ستّین وستّمائةٍ؛ واجتمع بخدمةِ مولانا نصیر الدین ابی جعفر الطوسی، وعقد مجلس الوعظِ بمراغة وتردّد الی الامراء والخوانین وکان له القبولُ التّامُ واسلم علی یدہٖ خلقٌ کثیرٌ من المغول والترک وتابوا علی یدہٖ وصاروا یخرجون الزکوات ویواظبون علی الصلواتِ وکان الوزیر صدر الدین احمد[4]

---

[1] بیاض بالاصل [2] ل: علی بن احمد؛ وهذا من سهو القلمِ؛ وتوفّی الشیخ القلانسی سنة ۷۰۳ هـ؛ تاریخ العراق ۱: ۴۰۲؛ الشذرات ٦: ۱۰؛ [3] لعل النسبة الی هوّارة بن قیس وهی قبیلة کبیرة بالمغرب؛ قال السید مرتضی الزبیدی؛ وقد الّفتُ فی ذلک رسالة سمیتها "رفع الستارة عن نسب الهوّارة" انظر تاج العروس (۳: ٦۲۴) [4] المقتول سنة ٦۹۷ هـ؛ وکان قد تولّی الوزارة سنة ٦۹۱؛ راجع تاریخ العراق (۱: ۳۵٦، ۳٦۹)

ابن عبد الرزّاق الخالدی کثیرا لمیل الیه والاعتقاد فیه وقدم بغداد وسکنها وکان حسن السیرة زاهدًا وحصل لی بخد منته ما لا یُحتمل ذکره فی هذا المختصر وتوفّی رحمه الله بشرویاذ ودفن بها ثم نقل الی شهرزور سنة تسع وسبع[ین][1] وستّمائة؛

(٨٠٨) محی الدین ابوالحسن علیّ بن ابی الفضائل بن عبد الحمید القزوینی قاضی قضاة تبریز

قد تقدّم ذکره فی محی الدین ابی الحسن بن ابی الفضائل وکان یعرف بکنیته وقد ذکرناه هناک فیما تقدّم؛ سمعت علیه ثلاث مجالس من کتاب شرح السُّنّة وکتب لی الاجازة بجمیع مسموعاته ومقولاته ومنقولاته وکان کریم الاخلاق وجالسته بتبریز؛

(٨٠٩) محی الدین ابوالحسن علیّ بن فخر الدین محمود ابن عبد اللطیف بن محمد بن سیما ابن حامد بن ابراهیم السلمیّ الدمشقی

له اجازة من ابی الخطّاب ابن دحیة من شیوخ شیخنا صدر الدین ابراهیم بن شیخ الشیوخ سعد الدین محمد ابن المؤیّد الحموی الجوینی

(٨١٠) محی الدین ابوالحسن علیّ بن المرتضیٰ[2] بن الفاخر

[1] فی الاصل بعدن انقطاع فی کلمة سبعین وبعده سبع مائة؛ والتبدیل والتکمیل عن القیاس؛ [2] کتب فی الاصل فوقه: هو الرضی محمد بن الفاخر؛

؎ انظر ایضا (۱۳: ۱۲۴)۔

[1] انظر ایضا (١٥: ١١٣)—

[١] انظر ايضاً (١٥: ٢٦٧)۔

ل انظر ایضا (۱۳: ۱۴۹)

صدر البیت	قافیہ	بحر	مجلد	صفحہ
		کامل		(۲۸۲:۸)
شدّ	اعجالِ	"	۲	۳۶۷
اِنّ	کالمختالِ	"	۳	۲۸۷
ولقیتُ	وخالی	"	۳	۲۸۸ (=
				۱۳:۲۴۲)
یمشون	قلالِ	"	۳	۴۰۵ (=
				۱۴:۸۳)
ظلّ	بالابوالِ	"	۴	۱۶
سحرًا	لیالِ	"	۴	۹۰
حفد	الاجمال	"	۴	۱۳۰
وبهنّ	مجالِ	"	۴	۱۳۹
بثنا	ذُبالِ	"	۵	۳۸۳ص (=
				۱۳:۲۷۱)
وموقّع	انجوالِ	"	۶	۳۴ (=
				۱۲:۱۳۳)
قل	الابطالی	"	۶	۲۳۱
غمر	المالِ	"	۶	۳۳۳ (=
				۱۹:۳۱)
ظنّی	الامثالِ	"	۷	۱۹۲ع (=
				۱۴:۱۴۳)

صدر البیت	قافیہ	بحر	مجلد	صفحہ
		کامل		(۱۹:۲۸۴)
فیهنّ	متفالِ	"	۷	۳۱۳
حتی	الاوصالِ	"	۸	۹
ولا	جعالِ	"	۸	۷۳
وفی	الاسمالِ	"	۸	۳۸۵
فنبذتُ	السربالِ	"	۹	۷۴
من	حبالِ	"	۹	۲۰۱
ودعا	الاجمالَ	"	۹	۴۳۲
دعْ دِعْ	عالی	"	۹	۱۴۱ (=
				۱۲:۱۴۷)
أأبا	شوّالِ	"	۱۰	۷۹
ومهورُ	تنبالِ	"	۱۰	۲۴۵ (=
				۱۹:۳۵۴
				۳۵۵ص)
ومصونة	الاقبالِ	"	۱۱	۱۳۱
حلفت	بلالِ	"	۱۱	۴۲۰
فی	والی	"	۱۲	۵۲
وکأنّما	ذلالِ	"	۱۲	۷۱ (=
				۱۹:۲۷۳)
واذا	حمّالِ	"	۱۲	۱۴۶

صدر البیت	قافیه	بحر	مجلد	صفحة
		کامل		۲۰: ۹۵،)
لا زال	هطّالِ	"	۲۰	۱۹
سائل	بلبالها	"	۱۳	۷۲ (=
				۷۳ ص،)
انا	اسبالها	"	۱۳	۳۴۳
بیضاء	اجلّها	"	۱۷	۲۸۰
صحوا	منزلا	"	۳	۲۳
یاصاحبیّ	تسألا	"	۹	۲۴۵
ذهب	وتبتّلا	"	۱۳	۵۹
لمّا	صنبلا	"	۱۳	۴۱۰ (=
				۱۴: ۲۳۱ ص،)
تدع	اقزلا	"	۱۴	۷۴
قالت	سؤلا	"	۱۹	۲۷۲
دنس	قلقلا	"	۲۰	۱۰
ولقد	الاطفالا	"	۱	۴۷۶
خالی	الاخوالا	"	۱	۴۹۲
کذبتک	خیالا	"	۲	۲۰۰ (=
				۸: ۳۵،
				۱۴: ۳۰۲،)
ابنی	الاغلالا	"	۳	۱۷۳ (=

صدر البیت	قافیه	بحر	مجلد	صفحة
		کامل		۱۸: ۲۵۵،
				۲۰: ۱۱۱،
				۳۴۲،
				۳۴۳،)
انّ	الاثقالا	"	۳	۴۵۰ (=
				۶: ۲۳۴،)
سفعا	احوالا	"	۶	۱۸۸
واذا	خبالا	"	۱۰	۱۵۰
یرفلن	اذیالا	"	۱۲	۲۲ (=
				۱۳: ۳۱۰،)
انعق	ضلالا	"	۱۲	۲۳۴
لا	اخوالا	"	۱۳	۴۳۷
الزنج	ابطالا	"	۱۳	۴۳۷
یجعلن	شمالا	"	۱۳	۴۹۳
ماکنت	اکفالا	"	۱۴	۱۰۸
والتغلبی	الامثالا	"	۱۴	۱۳۳
واخوهما	رئهالا	"	۱۴	۲۰۵
المانحین	سجالا	"	۱۹	۳۰۹
فاقنی	احوالا	"	۲۰	۶۴
ولبون	عقالها	"	۱	۲۰۷ (=

صدر البیت	قافیہ	بحر	مجلد	صفحہ
		کامل		۲: ۱۶۱؛
				۱۳: ۱۴)
تَ	امْوالَها	״	۱	۲۴۰
بجُلالة	ظِلالَها	״	۳	۳۰۹
والقارح	تذالَها	״	۳	۳۹۴(=
				۱۹: ۲۵۷)
وکانّما	جِیالَها	״	۷	۲۳۹(=
				۱۱: ۲۰۶؛
				۱۳: ۵۱۵؛
				۱۹: ۱۲۰)
حتی	اُوشالَها	״	۱۲	۲۰۰
تأوی	نزالَها	״	۱۰	۳۹۳
وسبیئة	رِجریالَها	״	۱۲	۱۰۷(=
				۱۳: ۱۱۴)
اِمّا	بِلالَها	״	۱۳	۷۲(=
				۱۵: ۱۲۴)
واذا	جِبالَها	״	۱۳	۱۴۳
وکانّها	حِلالَها	״	۱۳	۱۸۲
رَحَلَتْ	بِذالَها	״	۱۳	۲۹۳
ومَصاب	ورِحالَها	״	۱۳	۲۹۵

صدر البیت	قافیہ	بحر	مجلد	صفحہ
هذا	زوالَها	کامل	۱۳	۳۳۴
حَتّی	اَشوالَها	״	۱۳	۴۰۰
ولقد	فأنالَها	״	۱۴	۲۸۹
وغَریبةٍ	قالَها	״	۱۵	۳۱
فرمَیتُ	طحالَها	״	۱۷	۴۰۴
رَحَلَتْ	اُجمالَها		۱۹	۶۷
لِیَ	ذُوالَهْ	״	۱	۷۸(=
				۷: ۳۱۵؛
				۱۳: ۲۰۶؛)
لی	کالظّلالَهْ	״	۱۲	۷۶
والأُدم	الجُمالَهْ	״	۱۳	۱۳۲
حاولتِ	المحالَهْ	״	۱۳	۱۹۷
اُفدُر	کیالَهْ	״	۱۴	۱۲۸
فَلاحَشانَكَ	لِصِبالَهْ	״	۱۴	۲۱۲
فی سَرحِ	التمثیلا	״	۱	۱۱۲
مروان	مأمولا	״	۱	۲۹۳
مارِنْ	تبدیلا	״	۱	۳۳۳
والضَّربُ	مَصقولا	״	۲	۱۶۴
حَتّی	تُمیلا	״	۳	۵
متوضّحُ	مَشکولا	״	۳	۱۴۵(=

صدر البيت	قافیته	جزء	مجلد	صفحة
مُكَيَّمٌ	والجُحُلُ	رجز	١٣	١٦٣ (= ١٩: ٩٨)
مالكَ	تنزلَّ	″	١٣	٢٦٤
منتشر	رَعْبَلُّ	″	١٣	٣٠٧
يقول	يفعَلُّ	″	١٣	٣١٨
مُحَيَّزٌ	اقَلُّ	″	١٤	٤٦
ان	الشَّجَلُ	″	١٩	٣٥٠
أقسمتُ	جَعَلُهَا	″	٢	٤٣١
أقسمتُ	يَعْلُهَا	″	١٣	٦٠ (= ١١٨)
مُحتَدِلُ	مُحَزِّبَلُهَا	″	١٣	١٠٥
اِنَّ	فحلوه	″	٢	٢٢٣
اِنَّ	تحلوه	″	٦	١١
لولا	فَضْلُهُ	″	١٣	٤٠١
اليوم	أحِلُّهُ	″	١٥	٩
يَتَّبِعُ	هَمَّلُ	″	٤	٣٧
أكُلَّ	أُظَلَّلُ	″	٧	٢٨
اذا	أقبلُوا	″	٧	١٠٤ (= ١٣: ٥٠٨)
أعاشِقِي	أنسلُ	″	٨	٢١١ (=

صدر البيت	قافیته	جزء	مجلد	صفحة
		رجز	١٤:	١٨٤)
بئس	المُبتَّلُ	″	١٣	٥٧
أعاشني	مُبْقِلُ	″	١٣	٦٤
ياايّها	الأثِيلُ	″	١٣	١٠١ (= ٣٩٥)
أبني	فأحكلوا	″	١٣	١٤٢
تد	تَرْحَلُ	″	١٣	١٨٤ (= ٣٢٢)
وقال	يَعْقِلُ	″	١٣	٣٠٨
قد	المرعَبَلُ	″	١٣	٣٠٨ (= ١٩: ١٤٧)
عاذلةٌ	تعزلُ	″	١٣	٤٧٠
عَنَزٌ	المُقَيَّلُ	″	١٤	٨٩ (= ٩٨)
أظنّت	يَعجَلُ	″	١٤	١٠٦ (= ٢٢٥)
كأنّ	نشاجَلُ	″	١٦	٢١
أظنّتِ	مِسْحَلُ	″	١٧	٢٠
وَهُوَ	فُلُ	″	١٧	٢٠١
نَطْوِيهِ	يجدُلُهُ	″	١	١١٢

نومبر ۱۹۴۲ء

ضمیمہ

اورینٹل کالج میگزین

منجانب

عربک اینڈ پرشین سوسائٹی

پنجاب یونیورسٹی

لاہور

نوٹ :- یہ ضمیمہ صرف عربک اینڈ پرشین سوسائٹی کے ممبروں اور خریداران ضمیمہ میں تقسیم ہوتا ہے۔

فہرستِ مضامین

ضمیمہ بابت ماہ نومبر ۱۹۴۲ء

گیلانی الیکٹرک پریس ہسپتال روڈ لاہور میں باہتمام مہتا ایشر داس پرنٹر چھپا - اور
بابو صدیق احمد خاں نے اورینٹل کالج لاہور سے شائع کیا۔

۱۸ ار

بتیره زن افتاده در پای پیل ‌‌‌‌‌‌ زمانه شده غرق دریای نیل
بدست دهل زن فرو رفته خار ‌‌‌‌‌‌ ز دست کواکب برون رفته کار
درافتاده چوبک زن از پیش طاق ‌‌‌‌‌‌ شب تیره با روز جسته فراق
دران تیرگی شاه شامی نژاد ‌‌‌‌‌‌ ز صبح فروزنده می کرد یاد
بسا دُر که آن شب بمژگان بسفت ‌‌‌‌‌‌ بسا کان شب از آتش دل بگفت
که با من مکن تندی امشب بسی ‌‌‌‌‌‌ که نبود بروز من امشب کسی
من امشب مگر در چه بیژنم ‌‌‌‌‌‌ و یا در کمین گاه اهرمنم
سپیده ندارد مگر مهر کس ‌‌‌‌‌‌ کزینسان فرو بست از آهم نفس
مگر دیو ملک سلیمان گرفت ‌‌‌‌‌‌ و یا تیرگی آب حیوان گرفت
اگر پای سیاره بشکسته اند ‌‌‌‌‌‌ دم صبح خیزان چرا بسته اند
شبا بیش ازین هیچ شمعم مسوز ‌‌‌‌‌‌ چراغم ز شمع فلک بر فروز
اگر امشبم روز روزی بود ‌‌‌‌‌‌ هم از مایهٔ نیک روزی بود[1]
چه بودی گرم بخت یاور شدی ‌‌‌‌‌‌ و یا صبرم امشب میسر شدی
گرم عمر شیرینی ای شب مپای[2] ‌‌‌‌‌‌ ورم جانی ای روز روشن برآی
نواساز شب گو بجنبان جرس ‌‌‌‌‌‌ خروس سحر گو برآور نفس
بتیره زن نوبتی گو بمرد ‌‌‌‌‌‌ خروسان پرده سرا[3] را که برد
ازان برنمی آید آوای مرغ ‌‌‌‌‌‌ که بستند پای شب و نای مرغ
چراغ دلم مرد و من مرده دل ‌‌‌‌‌‌ شبم خون دل خورد و من[4] خورده دل
چرا ای سحر دم فرو بسته‌ٔ ‌‌‌‌‌‌ دم صبح درکام[5] بشکسته‌ٔ

---

۱ ج- فرو برد، ۲ نسخه ب ندارد، ۳ ب- سرای ر، ۴ لو- خون خورده دل، ۵ ب- درکارم،

شبست آخر این یا بلای سیاه | که بر مرغ و ماهی فروبست راه
ترا ای شب تیره امشب چه بود | که گردون بر آوردت از دوده دود
ازین روسیاهی ترا ننگ نیست | برون از سیاهی مگر رنگ نیست
برو این سیه کاری از حد مبر | که هم عاقبت بر تو خندد سحر
مرا امشب ای شب تو دلسوز باش | درین تیرگی ضامن روز باش
چو شمعم بکش یا شبم برفروز | چو عودم بساز از چو عودم بسوز
جهانا اگر تیره روزی چو من | مبادت شب تیره روزی چو من
بمرگ که کردی سیه جامه را | که چون خامه کردی سیه نامه را
بخند ای سحر گر نداری غمی | برآر از دل آتش افشان دمی

خلاص دادن سمن رخ دختر سهیل جهانسوز شاه توران زمین شهزاده همای را و بقصر خود آوردن بهوس و پس وداع کردن او را

درین بود کامد نجاتش پدید | ز ظلمت شد آب حیاتش پدید
چو یک نیمه بگذشت ازان تیره شب | بزندان در آمد مه قندلب[1]
چو بادام ترکان چین نیم مست[2] | چو شمعی فروزنده شمعی بدست
شده جلوه گر چون خرامان تذرو | غلام قدش گشته آزاد سرو
دلاویز[3] چون زلف عنبر شکن | شکر ریز چون لعل شکر شکن
دلآرای چون خلد عنبر سرشت | خرامان چو طاوس باغ بهشت

---

[1] ل۔ مه نوش لب، [2] ل۔ بادام شکرشکن، [3] بم۔ رخ تانه چون ....،
[4] ل۔ شهد،

گره کرده شامِ سحر پوش را　　نهان کرده در شب بنا گوش را[1]
برافگنده مشکین نقاب از قمر　　بشیرین سخن برده آب از شکر[2]
گلش باغِ حسن و تنش جانِ جان　　چو نسرین نهان گشته در پرنیان[3]
شکر در لب و سحر در چشم مست　　قمر بر رخ و شور[4] در زلفِ پست
ز چوگان خم گیسوش برده گوی　　ز گیسوش مارِ سیه بُرده موی
برآمد چو ماه و درآمد چو باد　　ثنا گفت بر شاهِ شامی نژاد
بگلبرگ مشکِ سیه بر شکست　　بزد چنگ و بندش بهم در شکست
چو بندِ گرانش سبک بر گرفت　　چو سروِ روانش ببر در گرفت
ملک همچو یوسف برآمد ز چاه　　تو گوئی ز ماهی برآمد بماه
بپرسید کای سروِ باغِ روان　　فروغِ جمالت چراغِ روان
بگو راستی سروِ آزادهٔ　　و یا حوری از آدمی زادهٔ
وگر ماهتابی بگو روشنم　　که تابی شبِ تیره از روزنم
مهِ مهربان سروِ[5] سیمین عذار　　ز پسته شکر کرد برشه نثار
که ای قامتت سروِ آزادگان　　مهِ مهر خان شاهِ شهزادگان
گلت خستهٔ نوکِ خاری مباد　　میان تو در هر کناری مباد
درین قلعه شاهی بلند اختر است　　که افزون تر از اخترش[6] لشکر است　　اب
ز سهمش برین چنبرِ آبگون　　شود کاوِ[7] گردون ز چنبر برون
به نیرو کمر بر کشاید ز کوه　　شود کوه مش از نعلِ یکران ستوه[8]

---

[1] در ب این شعر چنین طور آمده «گره کرده برمه سحر پوش را ـ نهاده بشب در بنا گوش را»
[2] ب ـ قمر، [3] ل ـ چو سروی روان گشته در پرنیان، [4] ب ـ نور، [5] ب ـ روی نسرین عذار،
[6] ب ـ از لشکرش لشکر است، [7] ب ـ کار گردون، [8] ب ـ شود کوه از هیبت او ستوه،

زتیغش بلرزد[1] دلِ آفتاب | بود اصلش از نسل افراسیاب
مرا اورا سهیل جهانسوز نام | که زیبد دو صد چون سهیلش غلام
ز شاهان ستاند بشوکت خراج | ولیکن فرستد بفغفور باج
سمن رخ منم دختِ نامیِ او | بَرُخ مایۀ شادکامیِ او
دلم مدتی شد که صیدِ تو شد | چو آهو گرفتارِ قیدِ تو شد
تو دربند بودی و من بنده ات | تو سرکش ولی من سرافگنده ات
ترا بند بر پای و در دل مرا | ترا پای بر جای و در گِل[2] مرا
نگویم ببالا بلایِ تو ام | که سرگشته و مبتلایِ تو ام
گرت چون همایون بود دلبری | یقینم که با مات نبود سری[3]
کجا ذرّه آفتابی شود | و یا پرِّ مرغی عقابی شود[4]
ولیکن امید از تو نتوان برید[4] | بفالِ همایون توانم رسید
اگر چون همایون ندارم جمال | مگو کین همایون ندارم بفال
چه بد کرده ام گرچه بد کرده ام | که خود را گرفتار خود کرده ام
چه درمان چو درد است درمانِ من | توئی جانِ من مرهم جانِ من
تو دانم که با من نیائی بسی | که هیچون همایون نداری[5] کسی
ولیکن چو می سوزم ای دلفروز | چه باشد که با من بسازی سه روز
که شه شد به نخچیر با برگ و ساز | نیاید بیک هفته از صید باز
تو خوش باش و از هیچکس غم مدار | که گردد بکامِ دلت روزگار
بگفت این و بنهاد پیشش طعام | پس آنگه بگردش در آورد جام

---

[1] ب - بلغزد، [2] ب - دل، [3] ب - لفظ پر ندارد، [4] ل - ولی در تو چون از تو نتوان برید، ب - بجای برید 'پرید' دارد، [5] ل - نیابی،

بخلوت سه روز و سه شب دم زدند | دو عالم بیک جام می کم زدند
گه این ذره بودی گه آن آفتاب | گه این مستِ عشق و گه آن مستِ خواب
گهی ماه ساقی و شه نغمه ساز | گهی شاه دلبند و مه دلنواز
ازان پس ملک را مهر خوش خرام | بیاورد و ستی سلاح تمام
دگر باد پای چو ابر بهار | نوندی زمین کوب دریا گذار
شه پیلتن را چو مه اسب داد | بشه رخ شهِ شامیش رُخ نهاد
لبش را بلب شکر آلود کرد | گرفتش در آغوش و پدرود کرد
رخ آورد چون شاهِ خاور بچین | شد آشفته چون زلفِ دلبر بچین
ز میدانِ چشم اشک گلگون براند | جنیبت بقصرِ همایون دواند

آمدن شهزاده همای بقصرِ همایون و خطاب کردن او

چو زرین علم شد ز عالم نهان | شب قیرگون دم زد از قیروان
همای آشیان کرد در پایِ قصر | بپرواز شد تا باقصای قصر
بجولان ورآورد که کوب را | برآورد آهِ دل آشوب را
بدودِ جگر چرخ را کله بست | بسوزِ نفس قلب گردون شکست
طناب نهم خیمه درهم کشید | تمامِ ششم پرده درهم درید
چو دریای سرکش در آمد بموج | چو عنقا خروشش برآمد باوج
چو مه بر در قصر منزل گرفت | در قصر در آتش دل گرفت
همایون دلبر مه دلگسل | سروشش فرو گفت در گوشِ دل

۱؎ ب۔ گه، ۲؎ ج۔ مه شامیش، ۳؎ ب۔ ندارد، ۴؎ ب۔ بصور نفس!،
۵؎ ا۔ تمام ششم پرده، ۶؎ ب۔ بت،

که چون لعل کانی برون آز دُرج ‏ درآ همچو خورشید رخشان ببرج
که سر بر زد از کوه ماه رهی ‏ برآمد ز شرق آفتاب شهی
مه مهر پرور بر آمد ببام ‏ مهش مهربان گشته مهرش غلام
ز شب بسته پیرایه بر آفتاب ‏ فگنده شبش سایه بر آفتاب
چو مه رفته در آسمانی پرند ‏ ز عنبر گره کرده بر مه کمند
سیه شعری از سنبل مشک فام ‏ فرو هشته بر طرف ماه تمام
بجادوی[1] ترو پین فگن نیمه مست ‏ بغبغب ترنجی ترنجی بدست
شهی[2] دید با طلعتی همچو ماه ‏ فروزنده بر[3] پشت ابر سیاه
خطش را ز مشک تتاری غبار ‏ مهش را شب قیرگون بر کنار[4]
چو مه را ملک بر لب بام دید ‏ مسلسل بگرد مهش شام دید
روان با سرشک روان همچو باد ‏ بغلطید و بر خاک ره اوفتاد
گهر پوش لب را شکر ریز کرد ‏ برو جان شیرین شکر ریز کرد
ثنا گفت و گفت ای مه دلفروز ‏ شبت قدر بادا و نو روز روز
جهان روشن از روز شب زیورت ‏ روان تشنه چشمهٔ کوثرت[5]
دل آشفته در شام مه منزلت ‏ روان گشته آب از چه بابلت
ازان چاه بابل که جان می برد ‏ چه چاهیست کآب روان می برد
بزلف تو تا سر در آورده ام ‏ بآشفتگی سر بر آورده ام
ز موی میان تو موی شدم ‏ ز مشک تو قانع ببوی شدم
ضعیفی که افگندیش در کمند ‏ گرش می کشی در پریش مبند

---

[1] ب - دو جادوی رؤین فگن، [2] ب - رهی، [3] ا - در، [4] این شعر در نسخهٔ ا - ب محذوف شده است، [5] ب - گوهرت،

ا ر
ا ب

غریبی که امیدش از خوان تست | درش باز کن زانکه مهمان تست
کریمان کسی را که مهمان کنند | دلش را نشاید که بریان کنند
ترا گرچه نیروی سرپنجه هست | بخون ضعیفان میالای دست
بکویت ز روی نیاز آمدم | بسویت ز راه دراز آمدم
درم باز کن تا کشم در برت | وگرنه بمیرم زغم بر درت
دلم باز ده تا جفایت کشم | مکش سر که سر پیش پایت کشم

پاسخ دادن همایون همای را

شکرلب لب درفشان بر کشود | بشیرین زبانی زبان بر کشود
که شاها سرت سبز و رخ لعل باد | سمند ترا ماه نو نعل باد
فلک حلقهٔ از کمر زر کشت | شده سرکش چرخ ترکش کشت
چه گوئی ز راه دراز آمدم | برو باز شو کز تو باز آمدم
چه نامی که نامم بدادی به ننگ | مزن بر زبانم چو دادی به چنگ
سمن رخ رخش را سمن رخ نهد | که رخ بر رخ چون تو فرخ نهد
برو با نگاری که داری بساز | بزاری بسوز ار بخواری بساز
مگو کز تو دل بر نشاید گرفت | بیک دل دو دلبر نشاید گرفت
مرا چون تو پسته دهان تنگ نیست | که حاصل ز نامم تو جز ننگ نیست
برو باز گرد و ره پیش گیر | سر ماندارى سر خویش گیر

---

۱ ج۔ ویران، ۲ ل۔ راهِ نیاز، ۳ ب۔ زیر پایت، ۴ ل۔ فلک حلقهٔ بر کمر تر گشت،
۵ ل۔ شدهٔ سرکش، ۶ ل۔ دادی زچنگ، ۷ ب۔ نهاد، ۸ ب۔ برو بانگاری،
۹ ب ج۔ برو باز پس گرد و ره پیش گیر،

کستی[1] مردِ پیرِ پنجهٔ عشق تست   که همچون تو قلب آمد و نادرست
تو گوئی که با عشق[2] بازی کنی   که با هر کسی عشق بازی کنی
برفتی و نردِ دغا باختی   ندی مهره لیکن برون تاختی[3]
نگاری گرفتی که در خوردِ تست   بمیدان خوبی هم آوردِ تست
کنون لطف کردی و باز آمدی   به بیچارگی چاره ساز آمدی
من و آرزویت کجا تا کجا   که ناید ز ترکِ خطائی خطا
تو در مهر چون مه نباشی[4] تمام   که از شامی و مهر ناید ز شام
گهی پاسبانم بزاری کُشی   گهی باغبانم بخواری کُشی
چرا رازِ دل می کشادم چو اشک   که از چشم[5] خلقی فتادم چو اشک
شدم در هوایِ تو رسوایِ دهر   بدیوانگی شهره گشتم بشهر
تو گر بهرِ من اوفتادی به بند[6]   و لیکن مهی آمدت در کمند
من[7] خسته دربندِ سودایِ تو   پریشان چو جعدِ سمن سای تو
نه کس همدمی[8] جز دمِ صبحدم   نه کس همزبانی[8] برون از قلم
بهرِ تو زان سر بر افراشتم   که سر چون قلم بر خطت داشتم
قلم این زمان از تو بر خاستست   که چون مهره[9] کثر باختی راست است
دمت آتش است و تو افسردهٔ   ولی در نگیرد غلط کردهٔ
مده دم که با مائهٔ هم نفس   فسونم مده زانکه بادست و بس
نه طفلم که گوئی بیک دانه نار   ستانم ازو گوهرِ شاهوار

---

۱ ا- دلِ مرد، مصرع دوم در نسخهٔ ب «تو» ندارد، ج - دل من، ۲ ب - تا، ۳ ا- خطا باختی،
۴ ا- نمائی، ۵ ج - ازچشمِ خلق اوفتادم، ۶ ا- توشش ماه شد تا فتادی به بند،
۷ ا- دل خسته و بجای «تو تست» دارد، ۸ ب - همدم و همزبانم، ۹ ا- طرّه،

مرا گر تو گوئی که سروی رواست ‌ ‌ ‌ ولیکن نیایم به طبع تو راست
شکر خایم و تلخ پاسخ نیم ‌ ‌ ‌ سمن بویم اما سمن رخ نیم
توئی فتنه از تو بسی فتنه خاست ‌ ‌ ‌ درار زانکه بر فتنه بندم رواست
دگر زانکه بالای سر بینیم ‌ ‌ ‌ ببام آمدم تا چو خور بینیم
منم ابر گرینده شب تا سحر ‌ ‌ ‌ بود ابر گرینده بالای سر

پاسخ دادن همای همایون را

۲۰ ل

ملک خاک راهش بمژگان برفت ‌ ‌ ‌ پس آنگه چو زلفش بر آشفت و گفت
که ای عارضت باغ و نسرین من ‌ ‌ ‌ بروی تو روشن جهان بین من
زماه تو طعنه بر مشتریست ‌ ‌ ‌ بوجهی که صد وجهش از دلبریست
دلم نقش ماه نوت بسته است ‌ ‌ ‌ که پیوسته در مهر پیوسته است
دران طاق پیروزه بینم گره ‌ ‌ ‌ که پیوسته گوید کمانش که زه
شود شیر گیر از دو آهوی تو ‌ ‌ ‌ سگ کویت ای من سگ کوی تو
چو در تابم از شمع خلوت گهت ‌ ‌ ‌ ازین پس من و خاکبوس رهت
مگر پیش رویت بمیرم چو شمع ‌ ‌ ‌ که از سوز دل ناگزیرم چو شمع
ببین بازئ[1] دیدهٔ باز من ‌ ‌ ‌ که هر لحظه پیدا کند راز من
غم تست غمخوار غمخوارگان ‌ ‌ ‌ بکن چارهٔ کار بیچارگان
منم خاک کوی تو ای سیم بر ‌ ‌ ‌ ببادم مده آبرویم مبر
تکبر مکن یار درویش باش ‌ ‌ ‌ جراحت مشو مرهم ریش باش
بخوبی[2] کسی چون تو مغرور نیست ‌ ‌ ‌ اگر دور باشی ز من دور نیست

---

۱ ب- زاری، ۲ ب- بحزن،

دلم دلبر و دلربایم توئی | چه درمان چو دردِ دوایم توئی[1]
دوا از که جویم که دردم ز تست | دل آتشین و آهِ سردم ز تست
گرفتم که خون بر تو کردم حلال | چو کشتی مکن خونِ من پایمال
بجان تو ای جانِ من زانِ تو | دل و جانِ من برخیِ[2] جانِ تو
که مانند زلف ار ببُری سرم | ز سر بگذرم وز سرت نگذرم
غریبم ولی از تو نبود غریب | که بخشی از انعامِ عامم نصیب
ازان روی می پیچم از بخت روی | که سختی کند مرد را سخت روی
دمی با تو گفتم بر آرم ز دل | ز خونِ دلم پا فرو شد بگل
دمت با که رانم که همدم توئی | غمت با که گویم که محرم توئی
دلم در غمِ عشق و غم در دل است | چو غم نیست[3] و دل نیست این مشکل است
بزورم کشتی و بزارم کشی | بکش یا مکش چون مرا دلکشی[4]
دلم زان ز مهرِ تو در آتش است | که در سوختن شمعِ مجلس خوش است
گرم گوئی از چشمِ من دور باش | زنند دور باش توام دور باش
نگویم که ماهی که ماهِ سپهر | بکاهد ز مهر و تو فارغ ز مهر
نه سروِ[5] روانی که سروِ روان | سراپا تنست و تو عینِ روان
دمی فتنه بنشان چو برخاستی | مشو کژ چو بر کارِ من راستی
چو خاکِ تو گشتم بباد مده | چو دادی بهیچم بهیچم منه[6]
مران چون سگِ کوچه از در مرا | مدار از سگِ کوچه کمتر مرا

---

[1] ل ـ ے دلم دلبر و دلربایش توئی ـ چه درمان چو دردم دوایش توی، [2] ب ـ برخی از جانِ تو،
[3] ب ـ غم نیست، [4] ب ـ بکش یا مکش چون مرا درکشی، [5] ب ـ تو سروِ روانی،
[6] ل ـ بیت این شعر از متن ب ساقط شده است،

نکردم ز رو خاکِ کوی تو پاک　　　که با خود برم خاکِ کویت بخاک

بدان رخ که شاهان زخش می نهند　　　همایون رخان فرخش می نهند

که چندان بساطت برخ بسپرم[1]　　　که رانند شاهان فرش[2] بر سرم

دران شامِ شبگون شکست آرمت　　　دگر دست یابم بدست آرمت

ز مهرت مبادا دلِ خسته دور　　　که گیرد چراغِ مه از مهر نور

پاسخ دادن همایون همای را

سمن برگ روی همایون جمال　　　همایون بنام و همایون بفال

روان کرد از تنگِ شکر شکر[3]　　　فروریخت از درجِ گوهر گهر

شکر را حلاوت زیاقوت داد　　　رطب را ز شیرین شکر قوت داد

بیاقوت بشکست نرخِ نبات　　　برانگیخت آتش زآبِ حیات

عقیقش ببرد آبِ دُرِّ عدن　　　چو طوطی شکرخای[4] شد در سخن

که ای گلبنِ باغِ فرمان دهی　　　بقد راستی را چو سرو سهی

چو سوسن سراسر زبان بنیمت　　　بدل راست کن چون کمان نیمت

چو سروت اگر راستی پیشه بود　　　چو از بنده آزاد گشتی چه سود

تو آتش زبانی و قول[5] تو باد　　　خدایا چنین کس هوائی مباد

گهت شمسه بر سر درخشد[6] چو مهر　　　گهت آذر افروز خورشید چهر

کنون خود سمن رخ هوادارِ تست　　　گلستانِ رویش سمن زارِ تست　　　٢٠ ب

کجا با من افتی که افتاده ام　　　دلم کی دهی زانکه دل داده ام

---

[1] ج ـ گسترم، [2] ب ـ جفا، [3] ج ـ تنگ شکر از شکر، [4] ب ـ شکر خا شد اندر سخن، [5] ب، دل هیچ باد، [6] ج ـ درافتد،

ولیکن چرا آب خود میبرم — چو شمع از چه روغن خود میخورم
اگر سروی آزاد گشتم ز تو — وگر زانکه عمری گزشتم ز تو
مرا گرچه از دیده بیرون نهٔ — همائی ولیکن همایون نهٔ
زلعل لبت تا شنیدم سخن — دمی بی سخن برنیامد[1] زمن
زمهر تو تا[2] پرتوی تافتم — رخ از مهر تابنده برتافتم
کنون حاصلم از تو رسوائی است — چو مهر از توام بهرهٔ تنهائی است
من آن مرغ زارم که در مرغزار — نوامی[3] زدوم بر سر شاخسار
بطرف چمن آشیان داشتم — هوای گل و گلستان داشتم
گهی می چریدم چو آهو براغ — گهی می پریدم چو طوطی[4] بباغ
براغم بجز میل عرعر نبود — بباغم بجز برگ عبهر نبود
سمن را زهم میگشودم ورق — چمن را ز گل می فگندم طبق
گهم[5] دیده در نرگس مست بود — گهم دستهٔ لاله در دست بود
زهر گلستانی گلی چیدمی — زهر غنچهٔ خوردهٔ[6] دیدمی
چو سرو از لب چشمه بارستمی — وطن بر لب چشمه بجستمی
گهی میل سرو سهی کردمی — گهی باریاحین بسر بردمی
گهی در چمن گشتمی نغمه ساز — بصد دست بر سرودستان نواز
کنون حاصلم از تو بی حاصلی ست — دلم را نصیب از غمت بیدلی ست
درین کنج معمورهٔ[7] تنگنای — چه پایم[8] چو زینسان فتادم زپای[9]

---

۱ ب - برنیاید، ۲ ب - ما، ۳ ر - نوای زدوم، ۴ ج - تیهو،
۵ ر ب - گهی، ۶ ج - خندهٔ، ۷ ج - معموره، ۸ ر - یابم،
۹ این شعر در ب ول محذوف شده،

نه یاری که با او بر آرم دمی | نه رای که با کس بگویم غمی
بخوبی اگر یار کم داشتم | ترا در جهان یار پنداشتم
چو دیدم بهر حال سست آمدی | چو دل قلب و بس نادرست آمدی
برو کز توام چارهٔ تنهائی است | ز ورد تو درمان شکیبائی است
بباد ار چه دادم بهوی تو دل | کنون بر گرفتم ز روی تو دل
منم خاکِ راهت ز من درگذر | چو خاکم مکن خوار و آبم مبر

پاسخ دادن همای همایون را

ملک زاده گفت ای بت خرگهی | شکسته قدت پشتِ سروِ سهی
ز لعلِ لبت آب عناب شد | بر لعلت آبِ حیات آب شد
دم عیسوی پیشِ نطق تو باد | مسیحا هوا دارِ خلقِ[1] تو باد
بشمشادِ طوبی خرامت قسم | که شد راستی را بعالم علم
بآهوی صیادِ تیر افگنت | بسوفارِ مژگانِ خنجر زنت
به خونریز بادام بادام تو | به آشوبِ زلفِ دلآرام[2] تو
برویت که بی نور شد نار ازو | ببویت که چون مور شد مار ازو
بآن روز کز شب بود زیورش | بدان شب که بی[3] روز باشد برش
بافسون آن افعیِ مهره باز | که بر ماه گردد شبانِ دراز
به دود افگن دودِ آتش مکان | بآتش وش آن آبِ آتش[4] فشان

---

[1] ب ـ نطق، [2] پس ازین شعر در نسخهٔ ا و ج این شعر یافته می شود،

بدان حب او و افسای عابد فریب | که برده ز حبا ودی بابل فریب (کذا)

[3] ج ـ که با روز باشد سرش، [4] ب ـ آتش نشان،

بدان عنبرینِ مشکِ عنبرفروش　　بدان شکرینِ شهدِ شکرفروش
بدلگیریِ آن مسلسل کمند　　به شیرینیِ آن شکرریزه قند
بتاریکیِ آن شبِ صبح سای　　بجان بخشیِ آن لبِ جان فزای
به سر بر قمر سائیِ کاکلت　　برخ برسمن مالیِ سنبلت
بآبِ رخت کآبِ آتش برد　　وزو پردهٔ آب و آتش درد
بدان برگِ نسرینِ بستان فروز　　بدان ماهتابِ شبستان فروز
بآبی که در چشمهٔ نوشِ تست　　بنوشی که در لعلِ دُرپوشِ تست
بخالی که در طرفِ چاهت فتاد　　سیه دانه بر قرصِ ماهت فتاد
به لعلت که سرچشمهٔ کوثریست[۱]　　بماهت که مهرش بجان مشتریست
به قندت[۲] که بشکست نرخِ نبات　　به شهدت که بُرد آبِ آبِ حیات
بدان عقدِ پروینِ خورشید جای　　بدان شامِ شبگونِ خورشید سای
بزلفِ[۳] دلآویزِ سوداگرت　　بقندِ شکرریزِ حلواگرت
بابرویت آن قوسِ طغرا مثال　　که طغرا کشد بر مثالِ[۴] جمال
بدان هندویِ سرکشِ سرفراز　　بدان زنگیِ کافرِ ترکتاز[۵]
بدان طوقِ غبغب معلق چو ماه　　بدان[۶] چوابی فروهشته از زیرِ چاه
به نارت که در نار نار افگند　　بمهرت که مه را زکار افگند
بدلدوزیِ ناوکِ چشمِ تو　　بدلسوزیِ آتشِ خشمِ تو
بآزادیِ سروِ سیمین برت　　بدُرباریِ لعلِ پرجوهرت
ببویِ میانِ تو گاهِ کنار　　بگلبرگِ رویِ تو روزِ بهار

۱۲ ر

---

۱ ب - به لعل که سرچشمهٔ گوهریست، ۲ ب - به لعلت، ۳ ج - بقیر، ب - به جعد، ۴ ب - بر مثالت، ج - بر مثلث، ۵ ل - سرفراز، ۶ ل - جوانی،

بدان کوهِ سیمین زرّین کمر | که کوهش بخدمت نهاد است سر
بخلخالِ زرّینِ گوهر نگار | که در پای بوست بود پایدار
بنقشت که هرگز نرفت از خیال | بنامت که باشد همایون بفال
بکوی تو ای رشکِ باغِ بهشت | که بابی ست از خلد عنبر سرشت
ببادی که آرد بمن خاک پات | که خاکش به از جوی آبِ حیات
که گر خاک گردد تنِ خاکیم | گواهی دهد جان ز دل پاکیم
ز دل دست شستم بخونابِ چشم | دو اندم چو باد از پیت آبِ چشم
چو باد ار نیایم گذر بر درت | کنم جان درین سر بجان و سرت

پاسخ دادنِ همایون همای را

مهِ عشوه گر آفتابِ طراز | بتِ قند لب دلبرِ دل نواز
قصب پوش ماهِ گره گیر موی | گل اندام سروِ سمن برگ روی
فروزنده خورشید طوبی خرام | خرامنده طاؤسِ طوطی کلام
شکر ریز نوشین لبِ قند خند | پری چهره بت رویِ مشکین کمند
نگارینِ نسرین بر سرو قد | همایونِ مه پیکرِ زهره خد
سرِ درجِ لولوی تر بر کشود | دلِ شهد و جانِ شکر بر کشود
شکر را بر آورد شور از نبات | ز شهد ش برفت آبِ آبِ حیات
به تنگِ شکر نرخ شکر شکست | بدرجِ گهر قدرِ گوهر شکست

---

۱ ا۔ خون، ۲ ب۔ ز دل شستم کنون بخونابِ چشم، ۳ ب۔ نیارم،
۴ ا۔ مهِ قندبار، ج۔ قندبار، ۵ ج۔ ماهی، سروی، ۶ ب۔ بت سرِ در فتد مشکین کمند
۷ ب۔ سیمین بر، ۸ ا، ج۔ کان، ۹ ب۔ بشکر در آورد،

دلِ لعل خون شد ز عنّابِ او — روان آب زان دُرِّ خوش آبِ او
طبرزد برِ شکرش آب شد — ز نوشین لبش آب نوشاب شد
شکر ریخت از شهدِ شکر نثار — رطب را در افگند در خار خار
به پیغاره گفت ای سرِ سرکشان — که هم شه نشانی و هم شه نشان
نهم منظره آشیانِ تو باد — ششم پنجره آستانِ تو باد
زحل کمترین هندوی بام تو — قمر کمترین گوهرِ جام تو
ششم چرخ فرّاشِ خلوت گهت — سپهر برین[1] خاکبوسِ رهت
تو مهری و ماهِ منیرت[2] غلام — کند مهر هر مه به برجی مقام
تو ماهی و افتاده از مهر دور — دهد ماه را پرتوِ مهر نور
تو عمری و باکس نپائی چو عمر — چو رفتی دگر باز نائی چو عمر
تو بادی چه سودای سیمبرزنی[3] — که هر لحظه در بوستانی وزی
تو سروی و مثل تو سروی نخاست — گر از بنده آزاد گردی رواست
چو جانی در اندہ چه دارم ترا — برو[4] تا به یزدان سپارم ترا
به چشم چو آهو مکن روبهی — مرا خوابِ خرگوش تا کی دهی
بر آهوی[5]م نام شیری مبر — ز آهوی من شیرگیری نگر[6]
بیا گر سیه کاریم آرزوست — ز غالم بیاموز کاین کار اوست
وگر هیچ غالم شو[7] بهره باز — مکن این سخن پیشِ مارم[8] دراز
به طرّاری از سر برآوردهٔ — کجی را بسرمایهٔ کردهٔ
ز زلفم بیاموز کج باختن — نیا راستی سر بر افراختن

---

۱ ا - سپهر بدان، ۲ ب - ماه سپهرت، ۳ ب - سیمبری، بوستانی بری دارو، ۴ ب - بره !
۵ ا ج - بر آهوم، ۶ ب - ببر، ۷ ب - مشو، ۸ ب - یارم،

به پسته شکر پیش شیرین مکن | که گرمی فزاید شکر بی سخن
برو دست ازین جعد مشکین بدار | وگرنه بشوریدگی سر برآر
منه دل برین زلفِ پُرتاب و پیچ | چو دیوانه در مارِ افعی مپیچ
میا پیشِ این نرگسِ می پرست | که ترکست و مست[1] است و خنجر بدست
چه سازی ز مشکین کمندم زره | که کارِ تو زان می فتد در گره
ببالایِ من نیستت[2] دسترس | که از سروِ بن برنخورداست کس — ۱۲۱ ب
به طراریِ زلفم از ره مرو | بدین ریسمان باز در چه مرو
مبر نام دل آخرت تنگ[3] نیست | کزین جنبش در شهرِ ما سنگ نیست
رخ آورد و زد شاه را شاه رخ | پس آنگه بگرداند[4] از شاه رخ

بازگشتن همای از پایِ قصر همایون و به نومیدی رفتن بوقتِ شب در سرمای عظیم و طوفان برف و باران

سهی سروِ بستانِ آزادگان | صف آرایِ میدانِ دلدادگان
شب افروزِ ایوانِ روشندلان | مهِ شب روان قبلهٔ مقبلان
گلِ باغ شوق[5] اخترِ برجِ عشق | شهِ ملکِ غم گوهرِ درجِ عشق
همایِ جگر خستهٔ دل فگار | پراگنده احوال و آشفته کار
چو از مهرِ آن ماه برداشت دل | بناکام بگذشت و بگذاشت دل
عنان[6] بر زد و سر بصحرا نهاد | سرشکش[7] روان رُو بدریا نهاد

---

[1] ب - سرمست، [2] ا - نبودت، [3] ا ج - تنگ، [4] ج - برتافت، [5] ب - درد،
[6] ب - عنا، [7] ج - سرشک روان،

زدستِ دلش دست بر دل بماند　　زخونِ جگر پاش در گل بماند
چنان آتشی از جگر بر فروخت　　که از ماه تا پشتِ ماهی بسوخت
هوا کلّهٔ عنبرین بسته بود　　زمانه بانفاس یخ شسته بود
شب از ابر خم در خم افگنده جعد　　شده گوش گردون کر از بانگِ رعد
ز ویبایِ ادکنِ[1] فلک در نقاب　　ز قاقم همه کوه و در در حجاب
هوا هر نفس[2] گشته کافور بیز　　زمین هر طرف گشته کافور خیز
زده برق[3] بر فرقِ کهسار تیغ　　روان گشته طوفانِ آبی ز میغ
تبیره زنِ رعد در دمدمه　　دم افسرده گشته هوا از دمه[4]
زده بادِ بهمن دم از زمهریر　　فرو رفته گیتی بدریایِ قیر
جهان رفته از برف و باران[5] بباد　　شبی زان صفت روزی کس مباد[6]
نه راهی که آن را بود منزلی　　نه بحری که پیدا بود ساحلی
ملک را ره از پیش در رو درقفا[7]　　ز دلبر جدا گشته[8] وز دل جدا
چو صبحش ز سرما فسرده نفس　　چو خر در وحل باز مانده فرس
نه راهی که روی آورد سوی یار　　نه راهی که بیرون رود زان دیار
نه صبری که برگردد از یار خویش　　نه هوشی که گیرد پی کار خویش
روان کرده از چشمها چشمه ها　　ولیکن روان کرده در[9] رهها
گه از دیده زورق فگندی در آب[10]　　گه از سینه آتش زدی بر سحاب
گهی بلبه در رود راندی ز چشم　　گهی گفتی و خون فشاندی ز چشم

---

[1] ب ' اسود - واد کن هم اسود را گویند ' [2] ب - کرده ' [3] ب - برف + ج - برز برق '
[4] دمه بمعنی برف و باد و باران و سرما از فرهنگ آنند راج ' [5] ب - باد و باران '
[6] ب - ملک را ره از پیش و رو در قفا ' [7] ب - مانده ' [8] ج - دزده رها ! [9] ج - فگندی بر آب '

خطاب کردن همای با ابر و عتاب با برف و باران

ایا ابر تر دامن تیره روی | چرا تیرهٔ با من آخر بگوی
بتر دامنی آب[1] خود ریختی | ولی آتش از جانم انگیختی
اگر سایه بر کارم انداختی | چو سایه چرا خوارم انداختی
سبک بادبان بر کشیدی چو باد | بدریا مرا در کشیدی چو باد
چرا تیرهٔ گر نه بخت منی | و یا سست مغز ار نه تر دامنی
بدر پرده و پردهٔ من مدر | مکن سرکشی و ز سرم در گزر
سراپرده تا در کشیدی بماه | شدی همچو گیسوی ماهم سیاه
مرا از تو با خود چه آید بسر | که می بینمت[2] سخت سستی و تر
هم از کوه پای بسنگ آیدت | که آن[3] سنگدل مهر ننمایدت
چو کار تو زینگونه بالا گرفت | سرشکت چرا راه دریا گرفت
تو میگرئی و برق می خندت | چه گرئی که کس گریه نه پسندت[4]
ترا از هوا کار بر هم فتاد | کسی چون تو یا رب هوائی مباد
چو باران درم ریختی بر سرم | سیه رو چرائی چو داری درم
تهی مغزی و سرکش و تند خوی[5] | سبک پائی و تند و تاریک روی
نهٔ بهمن و دم ز بهمن نه نی | چه زائی[6] که بی مهر و تر دامنی
گه از رعد دل در خروش آوری | گه از اشک دریا بجوش آوری
روی همچو[7] ترکان سر در هوا | کف از لب فشانان[8] بگو تا کجا

---

[1] ب- خون، [2] ج- که بی همت، [3] ج- کزان، [4] ب- چه گرئی چو کس گریه نه پسندت،
[5] ب- تهی مغز و سرگشته و تند خوی، [6] ب- رانی، [7] ب- همچو قیر، ج- ترکان، و ترک نوعی از آتشگیر باشد،
[8] ب- فشانی،

۲۲ ر

گهی دم ز کافور بیزی زنی   گهی لاف سیماب ریزی زنی
بدینسان که که را گرفتی کمر   کی اندازی از زخم تیغش سپر
نگویم که بی آبی و بی حیا   وگر زانکه گویم نباشد روا
گرآبت ز دریا بر آورده اند   ز دریا ترا بر سر آورده اند
مرا کین همه کام در دل بماند   ز دست توام پای در گل بماند
تو ای برف همچون فتادی مرا   نشستی و بر باد دادی مرا
اگر بر دلم رحمت آری نکوست   که برف است امشب که بر بام اوست[1]
مکن تندی ای باد بی آب سرد   فسرده دم و کجرو و هرزه گرد[2]
برو گرم و دم سردی[3] از حد مبر   بیا دم مده وز سرم در گزر
غمم همره و ناله همدم بس است   دلم همدل و غصه محرم بس است
سرشک از چه بارم ندانم ز چشم   برانم که بارش[4] برانم ز چشم
وگر دمبدم قاصدی بایدم   کز و آب تر[5] روی کار آیدم
به بین کاب چشمم چنان می رود   کز و آب آب روان می رود
دلم چون بدان دلگسل باز ماند   تن خسته را دل ز دل باز ماند
ولیکن چنین به که دل[6] پیش اوست   که ریش است و او مرهم ریش اوست
ز ما عشقبازی نباشد خطا   و زو ترکتازی نباشد جفا[7]
بدینگونه می گفت و می راند اسپ   ز چشم اشک می راند و می ماند اسپ
چو مرغ سحرخوان فغان بر کشید   جهان مژدهٔ صبح صادق شنید
فلک را میغ راقبه درهم شکست   هوا از دم باد و باران بجست

---

[1] ب. مکن رحمت امشب که بام اوست؛ [2] ر ج. فسرده دمی کجرو هرزه گرد، [3] ب. رو سردی،
[4] ب. بازش، [5] ر ج. با، [6] ب. در، [7] و. خطا،

دریده شد آن پردهٔ قیرگون ‌‌ نهفته شد آن قلزم سرنگون
چو آن ابر بارنده محمل براند ‌‌ سیاهی برین سبز گلشن نماند[1]
بجنباند مرغ سحر بال را ‌‌ بجنبش درآورد خلخال را
زناگه بسر چشمه در رسید ‌‌ چراگاه و ماوای نخچیر دید
فرود آمد و اسپ در بیشه راند ‌‌ بران چشمه از چشمها خون فشاند
دلش پیش یار و غمش پیش دل ‌‌ غم دلبرش مرهم ریش دل
نه در دل که از غم برد جان بدر ‌‌ نه در سر که بردارد از پای[2] سر
گذشته ز خون دل آب از سرش ‌‌ چراگر شده برق کو پیکرش

پشیمان شدن همایون و روان شدن در عقب همای

سخن پرور آن کو سخن نظم داد ‌‌ ز حال همایون چنین کرد یاد
که چون از شه خسته دل باز ماند[3] ‌‌ چو باد از پیش اسپ گلگون براند
بدل سنگ بر زد ز سنگین دلی ‌‌ در آن کار حیران شد از مشکلی
خروشش دم صبحگاهی به بست ‌‌ نفیرش ره مرغ و ماهی به بست[4]
دل[5] سنگ را آب کرد از سرشک ‌‌ جهان غرق خوناب کرد از رشک
بسی دست بر دل زد از دست دل ‌‌ کش از خون دل پا فرو شد بگل
چو مهجور ماند از دو فادار خویش ‌‌ خجل شد ز گفتار و کردار خویش
چو مه هر برابر که کوهه بست ‌‌ چو خورشید بر کوههٔ[6] زین نشست
بآئین ترکان بر خاش خر ‌‌ روان گشته با تیغ و تیر و سپر

---

[1] ب ـ خروش سحر نوبت شب بخواند [2] ب ـ جای [3] ب ـ دور ماند
[4] ب ـ این شعر ندارد [5] ب ـ دلش سنگ را [6] ج ـ گوشهٔ زین

همه ملکِ هستی زره برگرفت — پی برقِ کہ کوبِ شہ برگرفت
بری شد ز دل تا بلب بر رسد — برون شد ز خود تا بدو در رسد
ز نرگس شده بر سمن سیل ریز — ز خونِ جگر نرگسش سیل خیز
فروشسته از اشک یاقوت فام — ز زلفِ شب تیره گردِ ظلام
رهِ دور و او از ره افتاده دور — زده شه رخ و از شه افتاده دور
دریده سیه ابر ازین سبز باغ — برافروخته زنگی شب چراغ
فلک را ز اکلیل بر جبهه تاج — زده ماه بر پنجره تختِ عاج
ز مهتاب روشن شده کار شب — ز انجم شده گرم بازارِ شب
خوش آوای گردون هم آوای مرغ — زده چنگ در نالهٔ نامیِ مرغ
تبیره زن نوبتی نام را — بنوبت زده نوبتی بام را
پری وش چو که کوبِ سرکش براند — فلک هفت میدان ازو باز ماند
بهر منزلی کو علم برکشید — ز چشمش بسی چشمها شد پدید
بهر چشمه ساری که او رخ بشست — ازان چشمه در دم شقایق برست
بهر موضعی کو برآورد دم — زمین از سرشکش برآورد نم
قضا را جنیبت بدان بیشه راند — که شهزاده را پای در گل بماند
نظر کرد و که پیکرِ شاه دید — که بر طرف نخچیرگه می چرید
بدانست کان مرغ بی بال و پر — دران آشیان ساخت است آبخور
فرس پیشتر راند و بشناختش — به مردم دیده جا ساختش

۲۲ ب

---

۱ الف ج - رسید، ۲ ب - فروهشته، ۳ ج - رنگ، ۴ ب - زورا،
۵ ب - برخیمه، ۶ نسخه ب - این شعر با شعر لاحقه ندارد، ۷ ب - هم زگردش
۸ ج - ندانست،

رخش دید گلگون ز خوناب چشم | لبش[1] چشمهٔ پر گهر از آب چشم
ز خون جگر تر شده دامنش | گیا بر دمیده ز پیراهنش
بر آن چشمه کو رخ بخون شسته بود | ز خون دلش[2] ارغوان رسته بود
بسوفار آهی که بر می کشید | تتقهای[3] چرخی فرو می درید
نفیرش چو بر چرخ می زد خروش[4] | سپهر سرافگنده می شد ز هوش
بسوز جگر گر نفس می کشاد[5] | مه از بام نه پایه در می فتاد
بدانگونه آتش ز دل بر فروخت | بت آتشین روی را دل بسوخت[6][7]
در آمد که در پایش افتد چو موی | بچوگان زلفش در آید[8] چو گوی
خرد بر زدش نعره کای بی خرد | خردمندت این از خرد نشمرد
گرش[9] آنکه می آزمائی رواست | که در زور و مردانگی تا کجاست[10]
وگر او کز ینسان طلبگار[11] تست | برید از تو مهر ار هوادار تست[12]
کند سوی آهوی مستت نظر | و یا بچو آهو رمیدت ز بر
ز خورشید اگر دست بر وی چه سود | بدو دست بر وی بباید[13] نمود
گوزنان که[14] لاف از پلنگی زنند | بسرپنجه[15] با شیر جنگی زنند

---

۱ ب - لب چشم، ۲ ب - رخش، ۳ ب - طبقهای، ۴ ب - رعد،
۵ ب - بصور نفس کز جگر می کشاد، ۶ ج - این شعر را چنین طور دارد،
۷ بدانگونه آتش ز دل بر فشاند | که آن ترک مه چهره حیران بماند
۸ ب - درآرد، ۹ ب - زانکه، ۱۰ ب - که دور از تو مردانگی تا کجاست، ۱۱ ج - هوادار،
۱۲ ج - خریدار تو یا هوادار تست، ۱۳ ب - نباید، ۱۴ ب - چو، ۱۵ ب - نه سرپنجه،

دریافتن همایون همای را و نشناختن او و مناظرهٔ ایشان

برانگیخت یکران شولک زجای	به نیرو یکی بانگ زد بر همای
بگفتا بدین جای کام تو چیست	نژاد از که داری و نام تو چیست
بگفتا که گم کرده ام نام خویش	همی خواهم از دل[1] دلارام خویش
بگفتا که تیره شبان چون کنی	اگر رای[2] قصر همایون کنی
بگفتا کیم تا کنم رای دوست	تنم[3] نیست بل هستیم جمله اوست
بگفتا[4] اگر عاشقی جان بده	وگرنه برو ترک جانان بده
بگفتا اگر[5] جان دهم درخور است	چو جانم همایون مه پیکر است
بگفتا گرت جان همایون بود	تن زنده از جان[6] جدا چون بود
بگفتا جدائیم ناکامی است	نکو نامی عشق بدنامی است
بگفتا شکیبائی از روی دوست	وگرنه زدی خیمه[7] در کوی دوست
بگفت ار بکویش بود راه من	دو عالم بسوزد بیک[8] آه من
بگفتا که دل برکن از مهر او	برون کن ز دل طلعت چهر او
بگفتا که کو دل سخن در دل است	چو دل شد مرا کار زان مشکل است
بگفتا چرا دل بدادی ز دست	فتادی بدینسان[9] چو ماهی به شست
بگفتا بشوخی ز دستم ربود	کنون چون دل از دست دادم[10] چه سود
بگفتا مده دل به تیمار و درد	که انده برآرد ز غمخوار گرد[11]

---

[1] ب - همایون، [2] ا، ج - ازداد گر کام خویش [3] ج - تنم هست، [4] ا، بر، [5] ا - که گر، [6] ب - بی جان، [7] ب خیمه بر [8] ج - زیک، [9] ا ب - بدینسان، [10] ج - بده، [11] ج - که اندهه مرا زند و غمخوار کرد،

بگفتا چه گوئی ز احوال دل — که از دل بماند است پایم بگل
بگفتا بدین جادو رنگ آوری — که بر دودهٔ شاه ننگ آوری
بگفتا رها کرده ام نام و ننگ — بود کان پری چهره آرم بچنگ
بگفتا صبوری ز سیمین برش — گرفتی کنار از میان لاغرش
بگفت ار گرفتم ز دلبر کنار — کشد[1] خون چشمم مرا در کنار
بگفتا در و صورت جان ببین — ز زلف و رخش کفر و ایمان ببین
بگفتا که تا زنده ام جانم اوست — دل و دیده[2] و کفر و ایمانم اوست
بگفتا گر آرام آرد[3] دلت — نه دل[4] یاد لا آرام دارد دولت
بگفت اوست جانزاد لا آرام دل — که قوت روان است و آرام دل
بگفتا گرش باز بینی دگر — ز باغ رخش لاله چینی دگر ۲۲ر
بگفتا که دارم ز عمر این هوس — ولی وصل عنقا نیاید[5] بمکس
بگفتا اگر بی لبش زنده ای — ازان روی چو زلفش پراگنده ای
بگفتا دریغ است زان لب سخن — چو نامش بر آید مبر نام من
بگفتا هم اکنونت از گرد راه — بگیرم برم تا بدرگاه[6] شاه
بگفتا ز شاه و سپاهم چه باک — به پیشم چه شاه و چه یک مشت[7] خاک
بگفتا که جان بی هوایش مباد — روانم دمی بی وفایش مباد
بگفتا که تا چند زین سان سخن — نمی ترسی از تیغ خونخوار من
من آنم که گر تیغ کین بر کشم[8] — سر چرخ گردان بخنجر کشم

---

۱ ا، ج - کند، ۲ ب - دیده ام، ۳ ب - دارد، ۴ ا - نه دل، ۵ ب - نباید، ۶ ب - به نزدیک، ۷ این شعر با دو اشعار لاحقه از ب، ج افتاده است، ۸ ج - می کشم،

بگرید زنوک سنان من ابر — بدرّد جگرگاه غرّنده ببر
من آن شیرگیر پلنگ افگنم — که چنگال در شیر گردون زنم
مرا[1] نام خوانند جنگ آوران — همه سرفرازان و گند آوران
گر اسفندیاری ور اسکندری — هم اکنون ز دستم[2] کجا جان بری
بگفت این و برگرد[3] از جا نوند — ببازو درآورد[4] پیچان کمند
چو شیر ژیان اژدهای بچنگ — بخاور زمین کرد آهنگ جنگ[5]
برآشفته شد نامور شهریار — ز بخت برآشفته و روزگار
چنین داد پاسخ که ای ارجمند — چه سازی به[6] پرخاش پیچان کمند
که[7] این قالب زرد و زار[8] اید راست — دلم در کمند همایون دراست
به نخچیرگه گور و آهو بس است — مزن تیر کین صید دیگر کس است
اگر شیر غرّنده گردی بچنگ — مکن تیز دندان بصید پلنگ
مرا خود نه بس بود اندوه خویش — که آید ز اندوه هم این کوه پیش[9]
مرا با تو اینجا سر جنگ نیست — دل[10] از تنگ دارم جهان تنگ نیست
به پیغاره چندین چه رانی سخن — سر خویشتن گیر و تندی مکن
بگفتا نه بینی همایون بخواب — نشان بیت شاه جوید[11] در آب
بگیرم دو دو دستت درین رزمگاه — به بندم برم تا بدرگاه شاه

---

[1] ب۔ بام، [2] ج۔ رستم، [3] ا۔ کند، [4] ا۔ افگند،
[5] شماوان زمین کرده ار تنگ رنگ۔ کذا فی ا و ج، [6] ج۔ به بربسته،
[7] ب۔ کزین، [8] ج۔ زار زور، [9] ب۔ که آید ز مانه وهم این کوه پیش!
[10] ب۔ ولی تنگ، ا۔ دل تنگ، [11] ب۔ بر آب،

جنگ کردن همایون با شهزاده همای

شه شیردل خسرو شیرگیر — همای همایون روشن ضمیر

بغرید مانندهٔ پیل مست — بپیچید بر خویش و از جا بجست

چنان برکشید اسپ را تنگ تنگ — که در جنبش آمد بفرسنگ سنگ

بکه کوب سرکش درآورد پای — برآشفت و برکرد مرکب زجای

بهم درفتادند دو[1] پیل مست — یکی تیغ و دیگر کمندی بدست

زسم ستوران هامون نورد — پر از گرد شد گنبد لاجورد

سر تیغ بر اوج گردون رسید — خوی بادپایان به جیحون رسید

رخ شاه گردون شد از بیم زرد — پر از خاک شد چشمهٔ[2] مه زگرد

گره کرد ماه گره مو کمند — بیفکند و آورد شه را به بند

برو بانگ برزد هم بادپای[3] — مگر هیچ بادش درآرد زجای

ملک زاده را دید بجنگ اندرون — یکی آنگون ابر بارنده خون

برانگیخت از جا تکاور سمند[4] — بزد تیغ و ببرید پیچان کمند

سمن بر همایون چو خنجر بدید — کیانی سپر را بسر برکشید[5]

چنان بر سپر زد کش از زخم دست — سر تیغ با قبضه درهم شکست

چو شد زار کار شه از کارزار — برآشفت از بخت و از روزگار

زمژگان ببارید خوناب و گفت — که ای پاک معبود بی یار و جفت

مرا فتاد گار زار تو ای دستگیر — چو افتاد کارم کنون دستگیر

---

۱ ب - چون، ج - شیر مست، ۲ این شعر از نسخهٔ ب و ج افتاده است، ۳ ب - تیز پای،
۴ ب - نوند، ۵ و - در کشید،

بفریادم رس که فریادرس　　ترا دارم اندر دو گیتی و بس[1]

وگر زانکه عمرم بپایان رسید　　چو دل شد کنون نوبت جان رسید

زمردن مرا ننگ و بیغاره نیست　　که پیر و جوان را از آن چاره نیست

ولیکن مرادم همین است و بس　　که در پیش یارم برآید نفس

بگفت این و آهی حزین برکشید　　دم از دل برآورد و دم درکشید

ز هامون برانگیخت هامون نورد　　نهان کرد گردون گردان ز گرد　　۲۳ ب

برافراخت یال و بیازید چنگ　　کمربند دلبند بگرفت تنگ　　۲۴ ل

چو باد و زان در ربودش ز زین　　به نیرو برآورد و زد بر زمین

بکردار برق از تگاور بجست　　سرش را ز تن خواست ببرید و بست

شه مهرپرور چو خنجر گرفت　　پری چهره مغفر ز سر برگرفت

تو گفتی برآمد فروزنده شید　　شب قیرگون گشت روز سپید

بخندید و گفت ای شه پاکدین　　همایون منم دخت فغفور چین

اگر زانکه این با همایون کنی　　ندانم که با دیگران[2] چون کنی

چو شهزاده نام همایون شنید　　خروشید و آهی ز دل برکشید

همه داغ و دردش فراموش گشت　　بخاک اندر افتاد و بیهوش گشت

همایون بزاری فغان برگرفت　　تو گفتی بافغان جهان[3] درگرفت

فرو ریخت از دیده سیلاب ورد　　بخون رخ بشست از غبار نبرد

برانگیخت از آتش سینه آب　　ز نرگس بیارید بر گل گلاب

ملک زاده از اشک پاشید نش　　بفندق گلستان خراشید نش

زمانی شد از خاک و سر برگرفت　　سهی سرو را تنگ در برگرفت

---

۱ این شعر از نسخهٔ ب و ج افتاده است، ۲ ب - دیگری، ۳ ل - بر

کشیدند جعد سمن سای هم | فتادند چون طره در پای هم
چو از پای بوسی بپرداختند | ز ساعد میان را کمر ساختند
ز شیرین عقیق[1] آن دو مشکین کمند[2] | گرفتند دادِ دلِ دردمند
بسی باهم از غصه گفتند راز | بسی باهم از لابه کردند ناز[3]
خوش[4] آن دم که یاری بیاری[5] رسد | امیدی بامید واری رسد

آمدنِ لشکر بیگران و گریختن همای و همایون بدیری کهن و ازان جا شناختنِ ایشان بهزاد و مهرشه را پس پیوستن با ایشان و جشن برپا کردن

چو شاهنشهِ روم لشکر کشید | سپهدارِ مشرق علم بر کشید
ز ناگه برآمد بکیوان غبار | نهان گشت گردون ز گردِ سوار
ز غریدنِ کوس و آوای نای | دل کوهِ سنگین[6] برآمد[7] ز جای
گِل آلوده شد چشمهٔ[8] خور ز گرد | سیه گشت چشمِ زمانه ز مرد
ملک زاده گفت ای پریچهره یار | به بین تا چه بازی کند روزگار
ازین نیلگون پردهٔ سرنگون[9] | دگر تا چه نقش است کار و برون

---

[1] ب۔ عقیقین، [2] ب۔ سکین، [3] ب بسی لابم از لابه گفتند راز ابم ۔ بسی باهم از لاله کردند باز، [4] نظامی فرماید،

ع چه خوش باشد که بعد از انتظاری | بامیدی رسد امیدواری (خسرو شیرین)

[5] ب خنجر، [6] ب۔ در آید، ا۔ در آمد، [7] ا۔ مه، [8] ا۔ نیلگون، ازین سرنگون پردهٔ نیلگون،

مگر مادر از بهرِ دردم بزاد	که کس را چو من درد بر دل مباد
فلک با منش کینه از بهر چیست	که بر جانِ خویشم بباید گریست
بگفت این و بر کوه پیکر نشست	پری چهر هم در زمان بر نشست
شهنشاهِ شامی و خورشیدِ شرق	تگاور براندند مانندِ برق
دران[1] دشت دیرِ کهن یافتند	بدان[2] دیرِ دیرینه بشتافتند
چو کردند مانندِ سیارّه سیر	شدند[3] از شرف طالع از برج دیر
چو عیسیٰ نهادند بر چرخ پایی	چو گوهر گرفتند در سنگ جایی
زبامش[4] چو مه سر برافراختند	بران جلوه گه آشیان ساختند
دران دیر بودند رُهبان بسی	نیفگنده[5] هرگز نظر بر کسی
چو دیدند[6] در برج نیک اختری	قِران کرده با هم مه و مشتری
دو خور بر شب افگنده از ماه تاب	زِ روزن در افتاده[7] چون ماه تاب
دو بُت رو به بُتخانه آورده[8] روی	برویِ هم از مهرِ دل کرده روی
زبان بر کشودند کای مهوشان	درین دیرِ دیرینه دامن کشان
اگر هیچ مهر از هوا میرسید	بدینگونه گرم از کجا میرسید
ملک زاده لولو به مژگان[9] بسفت	پس آنگه بر آورد آهی و گفت
که ای کشته قربانِ کیشِ هُبَل[10]	بحیرا مثالانِ حورا مثل[11]
حواری قدومانِ عیسیٰ[12] قدم	چو مریم به عصمت چو عیسیٰ[13] بدم
دو موبد نژادیم بر زین[12] نسب	بچین اوفتاده[14] زِ ملکِ عرب

---

[1] ا-بران، [2] ا-بران، [3] ب-شد، [4] ب-بامش، [5] ب-بیفگند هر یک، [6] ب-چو دیدا اندران، [7] ب-در افتاد، [8] ب-آورد، [9] ج-خاکش، [10] ا-کیش و هبل، [11] بحیر امثالانِ جوزامیل-کذا فی ب، [12] ب-بیزنین، [13] ج-برزن، [14] ب-اوفتادم،

چو[1] سلطانِ سیاره خنجر گرفت | جهان کوه تا کوه لشکر گرفت
برآمد بهر ناله کرّنای | درآمد زمه تا بماهی زجای
ز سهم[2] سواران پرخاش جوی | بدین دیر فرخنده کردیم روی
چو طاوسِ خور پر[3] برافراختیم | بفرّخ[4] سپهر آشیان ساختیم
مگر لات[5] مان در پناه آورد | ز ماهی بر ایوانِ ماه آورد

۱۳۱ ب

درین حرف بودند کز پیشِ راه | بگردون برآمد خروشِ سپاه
همه گرد بتخانه لشکر گرفت | نفیر تبیره جهان بر گرفت
بفرمود شه تا مغ[6] بت پرست | حصارِ صنم خانه را در ببست
ببرجی برآمد چو شاهِ سپهر | ز تابنده ماهی دلش پر ز مهر
نظر کرد در زیر عالی علم | دو شه دید با فرّ و آیینِ جم
یکی شاه بهزادِ فرخنده بخت | دگر مهر شه درخورِ تاج و تخت
ز خاور زمین سر[7] برافراخته | نشیمن با قصای چین ساخته
شهنشه ز شادی برون شد ز هوش | دلش همچو دریا درآمد بجوش
ولی پندِ پیرِ خرد کار بست | کزین دشت نتوان برون زد شدست
ز ترکش برآورد[8] تیرِ خدنگ | که بیرون شدی از دل خاره سنگ
ز خوناب دیده[10] سیل بار | رقم زد بر آن کلکِ[9] جوشن گزار
که پرّان شد این باز سوی سپاه | ز دستِ همای منوشنگ شاه
بیازید بازو و برزد میان | به پیوست در چاچیانی کمان

---

[1] ب - درآمد، [2] ب - بیم، [3] ج - سر، ب - لفظ بر ندارد، [4] ا - ببرج، [5] ج - لاف، [6] ب - بت مغ پرست، [7] ب - پر، [8] ب - برآورده، [9] ا - جوشنِ ملک گزار، [10] ج - تیر،

نظر کرد و(۱) بر قلبِ لشکر فگند | غریوی بقلبِ سپه در فگند
برآمد خروشِ زه از تیرِ چرخ | سپر بر زمین زد جهانگیر چرخ
چو دیدند گُردانِ پولاد چنگ | خدنگی فرو رفته تا پرّ بسنگ
نوشته برو نامِ فرخ همای | شهِ عالم آرای خورشید رای
ز شادی سران سپاه و سپاه | ز زین در فتادند بر خاک راه
بران تیر کردند جانها نثار | نهادند چون تیر رو در حصار
چو از دور دیدند فرِّ همای | فتادند در زیرِ پرِّ همای
بران دشت لشکرگه آراستند | که دریافتند آنچه می خواستند
همه برکشیدند خرگاه را | نشاندند بر تختِ زر شاه را
کشیدند در دامنِ کوهسار | سرا پردهٔ لعلِ گوهر نگار
فگندند تختی(۱) بآرای زر | ز مهرِ همایون بتِ سیم بر
همایونِ مه وش چو از گرد راه | در آمد بخرگه برآمد(۲) بگاه
برافگند(۳) از نسترن پرده را | چمن کرد از گل سراپرده را
گلش خنده بر برگِ نسرین زده | لبش شور در جانِ شیرین زده
شکسته ز ابروش پشتِ کمان | ز پسته(۴) دهانش یقین در گمان
طبرزد غلام و شکر بنده اش | همه شورِ قند از شکرخنده اش
رخش رونقِ گلستان می شکست | قدش پشتِ سروِ روان می شکست
روان را ز یاقوت(۵) لب قوت داد | عقیقش طبرزد بیاقوت داد
قمر را مهش دست بر(۶) جبهه بست | رطب را لبش خار در پا شکست

---

۱ ا - تختی ، ۲ ب - برآمد بماه ، ج - برآمد چو ماه ، ۳ ج - و لی از ، ۴ ج - ز لب قوتِ یاقوت داد ، ۵ ا ج - طراوت ، ۶ ب - خیمه ،

خوش وقت خبر دمن نے پائی — نیناں سے رکت کے رو بہائی
وہ چاند سروپ روپ پیارا — وہ راج اکاس کا ستارا
کاہے سے ہوا ہے رنگ سیاماں — یہنا ہوں مگر سحر کا جاماں
منمیں ڈرے رو کر آہ مارے — سن سیام برن وہ دیہہ جارے
شاید کہ ہوا ہو سیام تن نل — یار اور کسی نے یہہ کیا چھل
جلدی شہدیو کو بلایا — آدر کیا روبرو بٹھایا
کیا تیری صفت کرون پر دیست — رہ آئی ہے تجہ سے یہ میری پت

(ق ۳۶ ل)

ہوں پردیسی بھکھارنی دوکھی بہوگی وٹیک
مات پتا سے بچہڑے پھر ہم کینے ایک

ہاں خاک سے مین نے میں اوٹھائی — جوگن سیتی رانی پھر کہائی
جو جائے نہ پونچتا تو بہائی — کب پاوتے مجکو باپ و مائی
یہہ کہہ کے ہوئی دمن جو خاموش — بیہوش اپن کرا فراموش
جس وقت ہوئی سچیت ناری — بولی کہ ہے مجہ پہ بہار بہاری
اب ملک مین رتبرن کے جاتو — خلوت منین راجکو جتاتو
بیدر میں ہی جشن رلے رلیاں — شادی کا ہے ٹہاٹہ اب نمایاں
سب دیس سے راجہ آتے ہیں — شان اپنی سبھی جتاتے ہیں
وہ چندر بدن دمن پیاری — وہ روپ انوپ رجکواری
جس کے گلے ہار ڈال دیوے — اوس چاند کو سوئی جیت لیوے
دن دو ہی ہیں باقی اس جشن مین — شامل ہو ذرا تو اس چمن مین

---

۲۴۱ خون، ۲۴۵ جلاتے، ۲۴۳ یہاں سے پھر عبارت کے ربط میں خلل واقع ہوگیا ہے، ۲۴۴ باہوش، ۲۴۸ سوہی،

رتبرن مین جلد تجھ پے آیا　　یہہ بول خوشی کا مین سُنایا

اس طور سے جا خبر سُنا تو　　اس دیہہ مرکو اب جلا تو

آورو نے کہا کہ رجکنواری　　یہہ خوب نہیں ہے بات پری

بدنام اپن کو جھوٹھہ کرناں　　لازم نہیں ہمار سر پہ دھرنا

کچھہ اور ہی بھید سے بلا تو　　کچھہ اور ہی بات کہہ میٹھا تو

وُہ کام کرو ستا پیاری　　جس میں رہے لاج ٹک ہماری　　(ق ۳۶ ب)

پور کہہ نار اکہتار ہو بولن لاگے بول

کیوں نیچ بہی کنوری لجیا گھونگٹ کہول

رو رو کے دمن بچن سنایا　　ہر ایک کے ناں پسند آیا (م)

یہہ[449] سخن ہے میری میرے بہائی[450]　　لاچار فکر میں یوں رائو یائی

اس بیچ چھپا ہے راز میرا　　منصوبہ پاکباز میرا

اس بات میں نل کا امتحان ہے　　ہاں دودھ و پانی سب عیاں ہے

گھوڑے پہ جو نل چلاوے جادو　　پہر سرت کسے وہ جیکے جس سو

اوس دیس میں دم کے بیچ جاوے　　اوس گرد کو باد بھی نپاوے

پور ہے اگر پہم کو دہاوے　　منتر کے سکت سے جلد آوے

بجلی کے نمن اوڈاوے گھوڑا[451]　　لاوے نہیں ایڈ[452] اور کوڑا[453]

رتبرن کے پاس وہ جو نل ہے　　تو روتا اوس کو ایک پل ہے

---

۴۴۹ بوجھ ۔ ۴۵۰ یہاں سے مضمون کا تسلسل ٹوٹتا ہے ۔ ان اشعار کے ساتھ ق ۳۹ الف سطر ۳ سے لے کر ق ۴۰ الف سطر ۴ تک کے اشعار مربوط معلوم ہوتے ہیں ۔

۴۵۱ گہورا (فی الاصل) ۴۵۲ ۔ ایڑ ۴۵۳ کورا ۔ (فی الاصل)

ناہیں تو مین صبر کر رہونگی ۔۔۔ لاچار برہ اگن سہون[۴۵۴] گی

تھدیو کو بھید یہہ سُنایا ۔۔۔ دے خرچ شتابی سے چلایا

منزل کئی کاٹ کے برہمن ۔۔۔ جا پہنچا بہ بارگاہ رتبرن

خلوت منے راج پاس آیا ۔۔۔ جو بھید تہا سو سبھی سُنایا

دن دوئی[۴۵۵] ہیں جشن بیچ باقی ۔۔۔ ہے تیری دمن بھی اشتیاقی

جو جاے[۴۵۶] سکون تو جلد جاوے ۔۔۔ وس پہول کے سیس پر چڑہاوے

(ق ۴۷ ا)

سنتے ہی یہ خوش خبر سندیسا ۔۔۔ چلنے کا کیا نپٹ اندیشا

بیری لاگو یوں نیہہ دو رون دور سے ہے

بجلا کا اج ہای بہک مورے اب سور ہے

مدت سے دمن کا تھا دیوانا ۔۔۔ سنکے بہتا[۴۵۷] عقل سے بیگانا

مدت سیتے وقت مین نے پایا ۔۔۔ سو مفت میں ہاتھ سے گنوایا

غلبا کیا جو نیہہ[۴۵۸] نے بہاری ۔۔۔ راجا کو اوٹھی سو بیقراری

خلوت منے نل بولاے لینا ۔۔۔ کہہ بھید یہی سوال کینا

باہنگ مجھے کام آپڑا ہے ۔۔۔ ہاں نیہہ کا دام آپڑا ہے

دکہن منے ایک نگر ہے بیدر ۔۔۔ دو دن میں رہے گا وہاں سیمبر

ہے نام دمن بجسن فانی (؟) ۔۔۔ ہے راجمندر مین حور بانی

پیغام ہے اوس کا آج مجکو ۔۔۔ ملتا ہے یہ مفت راج مجکو

ہے قول ہمن سین یہ تمہارا ۔۔۔ جس وقت پڑے تمن[۴۵۹] پہ بہارا

---

۴۵۴ سبھوں کی (فی الاصل)، ۴۵۵ دوہی، ۴۵۶ شاید "جو چاہے" "سکوں" ہو، ۴۵۷ ہوگیا، ۴۵۸ بنہہ (فی الاصل)، ۴۵۹ ہمن (فی الاصل)

کہہ مجھے کہ مین ترت سنواروں — جوگا نٹھہ پڑے سو کہول ڈاروں

منتر سے گہوڑیکو تو اوڑاوے — سب دیش پلک منے دیکہاوے

باہنگ[260] کرو فکر اب ہمارا — چیرا[261] رہون گا سدا تمہارا

منتر کی سکت ستے چلو تم — اب واسطے رب کے مت بٹلو[262] تم

راجا نے کیا جو یہ اندیشا — روگی کو اجل کا یہہ اندیشا[263]

سن نام دمن کا نل رسایا[264] — جیوں تیل اگن منے چوایا[265]

دل مین کہا سخت ماجرا ہے — معشوق سدا سے بے وفا ہے

ہون لگا وین بچہرئیے رچیا سیمبر پہیر

کیسیں رہوں نچنت میں مت کا ہوئے پہیر

پہر دل میں کہا کہ سب خطا ہے — وہ دوست بہت ہی باوفا ہے

مجہ کار نے مکر یہ کیا ہے — منصوبہ سے ذکر یہہ کیا ہے

اب مجکو بولاوتا ہے جاناں — اس واسطہ یہ کیا بہانا

لازم ہے مجہے کہ جلد جاؤن — دیدار دمن کا جلد پاؤن

پہر سوچ سمجھ کے یہ کہا نل — تیار ہو راؤ اوٹہہ ابہی چل

دو گہوڑے لیاؤ اسطبل سے — پر پاک ہوں عیب اور خلل سے

تب اونکو پون سن اوڑاؤں — بیدر میںنے وقت پر لیجاؤں

راجا نے کہا کہ چہانٹ لاتو — لا جلد ابہی شتاب جا تو

نل دوڑ کے اسطبل میں آیا — رہوار دو اسپ چہانٹ لایا

رتھہ بیچ شتابی سے لگاے — منتر پڑہا اور لب ہلائے

---

[260] یا ہک (فی الاصل)، [261] چیلا، [262] سندیسا، مناسب تر ہوتا، [263] رِسانا = پریشان ہوتا (Platts)، [264] چوایا = قطرے قطرے کرکے ڈالا

۲۳ب)

راجا سے کہا کہ کر سواری   کر سیر دکھن کی آج ساری

کمیت ہیں بے نظیر دونوں   اور جلد ہین مثل تیر دونوں

راجا نے کہا کہ تو نظر کر   اسے[۴۶۵] دونون ہیں بوڈے اور لاغر   (ق ۲۸ ر)

بیٹ اور سمونکو دیکھ تو یار   کم قوت تھک رہین گے لاچار

کاج[۴۶۶] پے میرے نگاہ کر تو   کچھ فکر شتاب آہ کر تو

نل نے کہا مین تو چھانٹ لایا   گھوڑا کوئی اور مین نہ پایا

اب راؤ تم اور دیکھ لاؤ   میرے تئیں بول مت سناؤ

راؤ آپ سے گھڑ سار مین لینس دوی ترنگ

آئیں تازی کودتے پون نہ پہنچے سنگ

رتھ باہ[۴۶۷] کے باگ چھوڑ دینی   دکن کے پرت[۴۶۸] شتاب لینی

چھٹتے ہی تو دوڑ دھوپ لینی   کف لائے گرے زمین لینی

۹ وہم ٹوٹ ہو کر پڑے زمین پر   ہنس نل نے[۴۶۹] کہا (کہ) اب نظر کر

تم مین مراتب کہا نمانان[۴۷۰]   آخر[۴۷۱] مرے دو تری نداناں

پہلے ہی ترنگ[۴۷۲] پھر منگائے   اسوار ہو کر دکن کو دہائے

ایسے چلے تیز فے ترنگا   پہنچے نہ پون بھی اونکے سنگا

رتیرن بھی دنگ ہو رہا تب   باہنگ سیتی ہو کے خوش کہا تب

گھوڑونکا نشان کہہ تو کیا ہے؟   پہچان انہون کی کہہ تو کیا ہے؟

نل نے کہا ہے بہت کہانی   ہر بال مین بھید ہے نہانی

---

۴۶۵ ‘یہ’ ایہہ ‘   ۴۶۶ مقصد، کام، اہم ‘   ۴۶۷ ماہ (فی الاصل) ‘

۴۶۸ سُرت (فی الاصل) پرت = طرف ‘   ۴۶۹ نے ‘   ۴۷۰ نہ مانا ‘

۴۷۱ آخر یہ دونو گھوڑے، تیری نادانی سے مرے ‘   ۴۷۲ گھوڑے ‘

(ق ۱۳۸ب)

بس[263] نام و نشان ہے ترنگ کا | سو[264] بہید نہان ہے ترنگ کا
پیشانی زانو سینہ اور کان | تل بال کا اس مکان پہچان
مکہہ پر دو بازواں پے دیکہو | اور چہاتی کے آس پاس پیکہو
دو ٹہونکے پاس دیکہہ خم تو | پہچان ترنگ چار زانو
کہاو[265] ہا ملغمہ (؟) نشان چیت میں | اوستاد ہو تب ترنگ کے فن میں
نل نے یہ نشان جو بتائے | راجا نے سو ٹہیکہہ دیکہہ پائے
گہوڑے دیے اوڈیت باز کے برابر | رتبرن کی گر پڑی سو چادر

راج کہا ٹک باگ لے چادر لیون اوٹہای
نل بولا تو یہہ چدر ساٹہہ کوس رہے جای

اب صبر کرو کہان ہے چادر | پیچہے رہی ساٹہہ کوس چادر
ویران پہر آیا ایک گہنیرا | گہرانہ[266] تہا (؟) روکہہ ایک بہیٹرا
رتبرن نے دی شتاب آواز | ہر فنمیں ترنگ کے تو ممتاز
پر مین بی نہیں ہنر سے خالی | اس روکہہ کے پہول پات ڈالی
ہرگز نہ گنیوں بتاے دوں سب | ق نہین جہوٹہہ بچشم دیکہہ لے سب
از روے حساب قرعہ ڈالا | بتلادیے پہول پات ڈالا

---

[263] بہت - بے شمار، [264] یک صد، [265] فیضی کے ہم مضمون اشعار یہ ہیں:-

بشدار کہ رخش چار زانوست | بر ہر زانو دو گردشِ نوست
بشمرد نظارگی نشانہا | تا آنکہ یقین شد آسمانہا
شد محو دقیقہ یابی او ! | حیرانِ نظارہ تابی او

[266] فیضی کا ہم مضمون شعر یہ ہے:-

بنمود بہ یک حرفت لختے | پر بار بلیلہ ہر درختے

[267] وہی،

نل نے کہا مین کہے نماؤن — گن دیکھہ کے راؤ سانچہ مانون
راجا نے کہا کہ اے فلا نے — مت دیر کرے ارے دیوانے
گھوڑے پون و دُون ہے کمتر — ینہہ کاج مین ہای دیر مت کر
نل نے کہا تم چلو اگاڑی — آتا ہون مین گن گنلہ پچھاڑی (ق ۳۹)
نل کود پڑا چھرا نکالا — جلدی سے درخت کاٹ ڈالا
تہا راؤ کا ایک باغ خاصا — بیٹے کو دیا تہا یہاں آواسا
کیا باغ کہوں بہشت ثانی — پہلواڑی و میوہ پانی پانی
ہر طرف مکان جگمگاوے — اور نہر کے تئیں چمن میں لاوے
رہنے لگی باغ مین وہ سندر — پہر روپ بڈھا گویا سمندر

ان دمن سکھیان سبھی ستا یہ دینن پٹھائے
پت پہول سب اپنی منما نے سو کہائے

یہ عشق بری بلا ہے یاراں — اس آگ سے جگ جلا ہے یاراں
تج لاج رہے بہکھار جوگی — اور دیہہ نروگی ہون روگی
معشوق جو جیو مانگ لیوے — عاشق ہو نہال ترت دیوے
پہر عشق نے آ کری چڈہائی — کنور یکی ترت سُرت بہلائی
کانٹے لگے پہول سب چمن کے — انجھوں نرہے نین دمن کے
نالے بہئے پہر دمن کے نیناں — بولن لگی پہر برہ کے بیناں
یہہ باغ بہار کون کاجا — بچھڑا جو ہمن سے نل سا راجا

---

۴۷۶ معہ (فی الاصل)
۴۷۷ یہاں سے مضمون کا تسلسل ٹوٹ جاتا ہے۔ بظاہر اس نظم کا کچھ حصہ کاتب سے رہ گیا ہے۔ اس عبارت کا ربط ق ۴۰ ا کی سطرہ کے معلوم سے ہوتا ہے۔ یہاں سے لے کر ق ۴۰ ا سطر ۹ تک کے اشعار ق ۳۶ ب سطر ۲ کے بعد مربوط ہوتے ہیں۔
۴۷۸ سکونت

مدت مین ملا تہا یے پیارا — پہر اولٹ گیا میرا ستارا
پہلے سے اگن ہے مجکو دونی — ہان کیونکے جیون بیانے پہونی
اس باغ سے لے جنگل مین ڈارو — یا بس مجہے دیکہے بیک مارو (ق ۳۹ ب)
کنوری نے بلائی جلد دائی — لے بیٹہ کے بات یہ چلائی
مجکو وہی شور ہے درونی — پہلے سے سوای بلک دونی
ماتا میری عمر جا ہے اب جان — مجہہ حال پے پہر کر مہربان
جو چاہے ہے میری زندگانی — کر مجہہ پے کرم و مہربانی
دوڑ اب میرے یار کی خبر لے — اوس ابر بہار کی خبر لے
ہاں جلد بلاؤ جان جا ہیے — یہہ غم مرا ماس خون کہا ہیے

دائی وہائی بیگ سن رانی سے کہا جای
رانی کو لے راج پر سے سیت کی کتہا سنای

سن راج اوٹہا سبہا مین آیا — بابہن کو ہی تہا سو سب بولایا
تب سب سے کہا کہ ہو برہمن — ہر شہر و گانو کو وہ بن بن
نل کی کرو جست وجوی بارے — او یاد رکہو پہرے بیاسے (م)
مانس کوی جس مکان پاؤ — اوس کو یہی سب کتہا سناؤ
وہ کون ہے جس نے راج کہویا — معشوق کو سوتا بہجویا
اور چیر بہاگا وہ آدہی چادر — بورا بہا اب بہرے ہے دردر
بن پوچہے ہی یہہ بتہاتا جاؤ — تب اوسکا جواب اوس سے پاؤ

---

۴۸۱ ڈالو، ۴۸۲ زہر، ۴۸۳ جلد، ۴۸۴ بلک، ۴۸۵ جا ے ہے،
۴۸۶ جا ئے ہے، ۴۸۷ کہا ے ہے، ۴۸۸ برہمن، ۴۸۹ اوہ - اے،
۴۹۰ بہاگا، ۴۹۱ باؤلا، ۴۹۲ غم [داستان] غم،

دق ۱۳۰ل

تب اوسکی شبیہہ لکھہ کے لاؤ ۔۔۔ مورت وہی جلد لا دیکھاؤ[۲۹۳]

بخشونگا اوسے بہت خزانان ۔۔۔ بہو کہے سیتن[۲۹۴] کرون اوسے کہانا

یہ کہہ کے برہمناں چلائے ۔۔۔ ہر طرف کو بیک جلد دہائے

ہر ایک کو بہید یہ جتایا ۔۔۔ پر اوسکا جواب کچھہ نہ پایا

پرنا[۲۹۵] تہا نام ایک برہمن ۔۔۔ جس نگر مین تہا وہ راؤ رتبرن

راجا بہی ٹہہر رہا نداتان ۔۔۔ یہ ہل بات کو کِن کیتے نل تو لانان

رتبرن! مجھے بہی یہ سکہاوے ۔۔۔ کر بہر شتاب مجہ بتا دے

بولا کہ ارے اے یار موصوف ۔۔۔ پاسے پہ ہے یہہ حساب موقوف

جو سار و پاسا کہیل جانے ۔۔۔ سو یہہ بہی حساب دلمین آنے

راجا نے حساب سب بتایا ۔۔۔ پاسے کا لگاؤ سب جتایا

پاسے کا چہل سیکہہ کے نل منیں پچہتائے
راج پاٹ ہوں ایسے چہل سے دیا گنوائے

شب بیت . صبح ہوئی نمودار ۔۔۔ کاٹن لگے راہ پہر صبا وار

طے کرکے ہزار منزلون کو ۔۔۔ بستی و پہاڑ مرحلوں کو

بیدر کے قریب آئے پونچے ۔۔۔ جلدی سے قریب آئے پونچے

اب کیا کہون مین دمن کی پاتا ۔۔۔ ماڑی[۲۹۶] چڑہی اور سکہی سنگاتا

ہر طرف نگاہ کرکے دیکھے ۔۔۔ پنچھی کو وہ چاہ کرکے دیکھے

کب آئے دیکہاوے مکہہ پیارا ۔۔۔ جو پاوے قرار دل ہمارا

---

[۲۹۳] = دِکھاؤ ' [۲۹۴] سیر = Satisfied = To be full (Platts)

[۲۹۵] اس شعر کا ربط ق ۲۹ لر سطر ۲ کے ساتھ ہے ۔ درمیان کا حصہ دمن کی حالت سے متعلق ہے ' [۲۹۶] محل '

(ق ۱۴۰ ب)
لے صبح سے شام تک نہ کھایا   سُندر پیا من ہرن[497] نہ آیا
جب شام پڑی اوٹھا غبارا   ہنس کر کہا آیا نل پیارا
رتبرن جو شہر بیچ آیا   شادی کا نشان کچھہ نہ پایا
کچھہ ڈھول بجے نہ کچھہ نقارا   مینار کے ہر طرف نہارا[498]
دل بجھہ گیا منمیں گھبرایا   جب راجمندر کے پاس آیا
رجمندر کے نیچے رتھہ لگایا   راجا کے مکان پے رلے آیا
سنتے ہی دمن کا باپ آیا   مل رکو تخت پر بٹھایا
تب راے کی کرکے مہمانی   حیران ہو کہا نرمہربانی
کس واسطے یہ سفر کیا تم   کس کارنے یہاں قدم دیا تم
رتبرن خجل ہو سر نوایا   ملنے کو تمہارے جلد آیا

پاٹے پٹھوت تم سدا بہتا نہ کبھی ملاپ
تہہ ملاپ کے کارنے اب ہوں آیو آپ

راجا نے کہا کرم کرا تم   آنکھوں پے مرے قدم دھرا
منہیں کری سوچ اور لاجا   پرتار یہہ بہید کا نہ باجا
یہہ سوچ کیا و کچھہ نہ پایا   اس سوچ کو من ہی منمیں کھایا
دلمیں کہا انت پر گنٹے[499] گا   بن پوچھے ہی پرداسب یہنٹے گا
مل بیٹھے راؤ اور راجا   پہرتا[500] تہہ جابا فنوں کا ساجا
(ق ۱۴۱ و)
نل دونو ترنگ پاس بیٹھا   مندر تلے کرکے آس بیٹھا
چاترسی سہیلی یک دمن نے   نل پاس پٹھائی اوس جمن میں

---

[497] دلبر Heart-stealing (Platts)' [498] دیکھا' [499] ظاہر ہوگا'
[500] حل نہیں ہوا'

نل کی خبران سے جلد لاتو یہہ خوش خبری شتاب لاتو
نل پاس کنیز چل کے آئی کہڑکی سے دمن نے درشٹ لائی
نل سے کہا چیری نے کہائی ہو کون ؟ کہاں کو صرت لائی
آیا ہے ہمارا راؤ چیری کہتے ہیں دمن ہے خوب تیری
ہے حسن دمن کا وہ دیوانا اس کار نے آیا ہے نداناں
بانہن ہے شہسوار اوس کا ہر کام میں یار غار اوس کا
سرکار کا مجہہ پہ ہے سبھی کام کرتا ہون ہر ایک کام میں انجام
بانہن کو کنیز جانتی تہی پہلے سے اوسے پہچانتی تہی
بانہن تہا وہ نل دمن کا چاکر سیوا کرے تہا وہ دل لگاکر

پہ چیری پوچہا رہے کے نل راجا کِت بسے
تو سیوک ملیا آئے پر تہا کر ترا نان دِسے

بولا اری اے چیر چیتر ن اس شہر میں نہیں نل کی گو بہن
مین سیوک وہ ہماری رانی دربار اسی کا ہون میں دانی
ٹہاکر تیرا نل جو ہوگا ہم مین وہ آپ سے پر گہٹے کا دم میں
چیری نے کہا کہ سچ بتا تو شہدیو کی کچہہ خبر سنا تو
شہدیو سے تین نے کیا کہا ہے آیا نہین وہ کہاں رہا ہے (ق ۱۴۱ ب)
اومنگا ہیہ نل کا یہہ سخن سن رونے لگا تب وہ سیس دہن دہن
معلوم ہوا کہ نل یہی ہے پر سیاہ ہے تن خلل یہی ہے
باندی نے کہا سو جا دمن سے پیغام بہار کا چمن سے

---

۱ نظر دوڑائی، ۲ چیلی ۔ خادمہ، ۳ کہرن (فی الاصل)،
۴ دل،

دلمین کہا پہلے امتحان کر　　تب نام پیا کا یوں عیان کر
پہلے سے تو پہول بہیج دینے　　ل انگ سے نل کے چور کینے
پہر سونگہہ دمن نے بوئے پائی　　نل کے ہی بدن کی باس آئی
تب ایک وہ دیگ اور لے کر　ق　چاول بہر کنیز ہاتھ دے کر
بہیجا کہ بغیر آگ و پانی　　پکوا ذری لے چتر سُجانی
اس بہانت جو دشٹ کے پکاوے　　بہیجے مرے منیں تب وہ آوے
جس وقت کنیز دیگ لائی　　لے ہاتھ مین پہونک نل لگائی
جب دِشٹ کری سو جوش آیا　　بن آگ و پانی سب پکایا
دیکہہ دمن ستری بہتی ہر ہر بہتا سب رنگ
پیر بہوٹے چتہہ چہی ابس بہتا سب رنگ
ملنے کو دمن نین بیر بہیجے　　دو ملکِ حسن کے میر بہیجے
جس وقت کہ نل کے پاس آئے　　نل دوڑ ملا گلے لگائے
اونگا ہیا ایسے رس بولے　　جوں مینہہ اساڑہ بولے
تب جلد دمن نے ما بولائی　　جو کچہہ تہی کتہا سو کہہ سنائی　　ق ۴۲ ل
مانے کہا مت اوتاولی ہو　　کر صبر مت ایسی باولی ہو
ہاں مت کرے ایسی اضطرابی　　کچہہ خوب نہین اپنی شتابی
مین نے اوسے روبرو بلاؤں　　ہر آن میں اوس کو آزماؤں
کِس رنگ مین رنگ اون رچا ہے　　کِس آگ مین انگ اون تچا ہے
کِس رنگ و یو کا ہے دیوانا　　کِس شوق مین ایہہ اسے بہیا بولانا

ننه تپنچے - پیشن ،　ننه جلدی مت کر ،ننه Scorched: to be healed.

ننه دیوانہ ،

چِک چھوڑ کے بیٹھی راج رانی ۔۔۔ مسند اچھی صحن مین بچھانی

مندر مینے نل بولائے لینان ۔۔۔ بیٹھن کو اشارا جلد کیناں

ہاں اب دمن اسکو آزما تو ۔۔۔ کُندن کو کسوٹی پر لگا تو

جب ہنس کے دمن ہوئی مقابل ۔۔۔ ایک آنمین نل کا لے گئی دل

اوس وقت دمن نے ناؤں پوچھا ۔۔۔ بھی ذات وگانو ٹھانو پوچھا

کیون آیا ہے کیا ہے کام تیرا ۔۔۔ کیوں ہو تو سیاہ فام تیرا

پنچھی کا دمن مقام کیا ہے ۔۔۔ جو گم ہوا اوس کا نام کیا ہے

میں بجنت مرے پھری سیاہی ۔۔۔ دیتا ہے میرا بدن گواہی

بیت پڑی سدھ بدھ بسری راجپاٹ دیا کھوئے

ایسے بٹھا جو تن سہے ذات بہانت کہا ہووے

معشوق کو چھوڑ کون بھاگے ۔۔۔ بولا کہ جسے جنون جاگے

پوچھا کہ خراب کیون ہے پیارے ۔۔۔ بولا کہ طپش کی پیے کے مارے (ق ۱۴۲ ب)

کِس واسطے یہاں شتاب آیا ۔۔۔ بولا مجھے شوق کھینچ لایا

اس بہانت سے آزمائے لیناں ۔۔۔ تب اوس نے حجاب دور کیناں

مندر منے بیٹھ کر سنگاتاں ۔۔۔ کرنے لگے مل بیت کی باتاں

کِس ہُوش کے سیج پھر بچھائی ۔۔۔ چنپے کی کلی بھنور نے پائی

اب بھول گئی بیت پورانی ۔۔۔ نل راؤ دمن کہائی رانی

گُھل مل کے تمام رین سوئے ۔۔۔ با عیش و قرار و چین سوئے

دم صبح کو پنکھ چہچہانے ۔۔۔ مل جاگ اوٹھے سگھڑ سیانے

اوٹھہ کر کے صحن مین آئے بیٹھے ۔۔۔ کیا صحن چمن مین آئے بیٹھے

۔۔۔ پھرہ ، ۔ ظاہرا یہاں کچھ شعر رہ گئے ہیں ، ۔۔ کس تکلیف ۔ یعنی پچھلی تکلیف کو بھول کر اب سیج بچھائی ،

لے کانچلی ناگ کی جلائی　　منتر پڑھا اور زبان ہلائی
وہ ناگ سیاہ جلد آیا　　پھنکار دھواں اگن اوٹھایا
پھر نل کو ڈسا و زہر چوسا　　تھا سیاہ زہر جو جلد چوسا
پھر سیاہی سے تن سفید پایا　　پھر چاند کے بھانت جھمگایا
سب بھاٹھ برہمن اور نائی　　مایا بہت ہر کسو نے پائی
نوبت لگی باجنے شہانہ　　سب خوش ہوئے خویش اور بیگانہ

سنتے کتھا جب رتبرن آیو نل کے پاس
یہہ پچھتا وہ من کیا مارا روے ہتاس

(ق ۲۴۳ ل)

میں قدر تری کنور نجانی　　غافل نہ کری ہین قدردانی
یہہ میرا کہا معاف کر تو　　اس کینہ سے سینہ صاف کر تو
نل نے کہا اے محیط احسان　　بندا ہوں تیرا ہیں از دل و جان
مین سیس دھرا تھا خاک اوپر　　تیار مین دتھا، ہلاک اوپر
اوس وقت کری تین دستگیری　　تھی جب کہ بتھا ہی گھر گنہیری
ممنون ہوں مین ترا نہایت　　تین نے کری ہے بہت رعایت
ان نے دیا جب بہت دلاسا　　کھیلن لگے سار اور پلسا
مدہ پیویں گھے گھے سنین راگ　　آپس مین حجاب سب دیا تیاگ
اس بھانت بہت سے دن گذارے　　نل ہنمیں ہوا اوداس بارے
جنگل منے بارگاہ تانی　　تب سیر و شکار صرت ٹھانی
اوس یار یگانہ کو بلایا　　رتبرن شتاب نل پے آیا
گھوڑونکی شناخت سب بتائی　　منتر کی سکت[۱۲] سبھی جتائی

---

[۱۲] (Platts) ability.

رتبرن نے لے کے سار پاسا　　پختہ کیا نل کو جہلین خاصا
چوپڑ مین کیا سو نل کو اوستاد　　سو جہل کرے ایک بتمین برباد
بہائی کی دغا جو یاد آئی　　منمین کنور کے آگ لائی
تب باپ دمن کا جلد آیا　　طعنہ کو خلق کے جوش آیا

کنک درب نل سنگ دے کینس بسے بدیس
گہر بہی اپنے سنگ لے جاے سبہاروں دیس

(ق ۳۴۳ ب)

راجا بہی سن کمک کو آئے　　جر جنگل سب کنک ہی چہاے
اس ٹہاٹہہ سے کوچ کر کے راجا　　اوجین نگر مین آ براجا
بہائی کے مکان پے آئے بیٹھے　　اوجین نگر مین جائے بیٹھے
آکر ملا بہائی منفعل ہو　　باتیں کرے [من] میے خجل ہو
ظاہر منے صلح دل میے جنگ　　مل بیٹھے وے برادراں سنگ
ارکان اوجین سب بولائیے　　زر گوہر نل کے پاس لائے
جب نل نے کہا کہ اے برادر　　میں بہائی بڑا ہوں تیری جادر
جو تم نے کیا سو خوب کیتاں　　اب سوگ شتاب میں نہوناں
تقصیر تری بہی ناتہہ بہائی　　سختی جو لکہی تہی مجہ پہ آئی
راجا جو کرے سو نیاو ہوے　　پاسا جو پڑے جو داؤ ہوے
اب تو ہے میرا بجائے فرزند　　بہائی سا کوئی نہیں ہے دلبند
مجہ پاس بہت ہے اب خزاناں　　زر مال مین بہلاست ہونا
اب سار و پاسا اور کہیلیں　　ہاں گنج و رنج بد کے تہیلیں
اوس نے کہا اس سے کیا ہے بہتر　　پہر جلد بہائی مل کے جو بر
سب بہائی و بند سب بولائے　　منصف بٹہے پاس سب بہائے

رتبرن بہی نل کا تھا مددگار   کچھہ جہل نچلا ہوا وُہ لاچار

(ق ۴۴ ا)   ١   نل نے پاسا کہیل کے درب دیس لیا جیت

راجپاٹ پہر جیتا سب دیوس کیتے بیت

پہر ملک و مال اپنا جیتا   دوکہہ درد و رنج ہوے بیتا

بہائی کو اوٹہا گلے لگایا   آور کیا پاس پہر بٹہلایا

پہر اوسکو دیا بہت خزانان   گذران کا کر دیا ٹہکانا

تہا ملک جو اوس کا اوسکو دینا   جھگڑا نہ کیا ملاپ کیناں

کر صلح بڑا کیا برادر   سب نے کہا آفرین سراسر

کہنے لگا ملک سب مبارک   پہر جہتر دہلن لگا تبارک

پہر ملک سبہی پہ بخت آیا   خیرات کری درب لوٹایا

ہو بیٹہی دمن نے پاٹ رانی   سیوا کرین چیریان سُہانی

١٠   تازہ ہوا باغ پہر دمن کا   سرسبز ہوا صحن (پہر) چمن کا

مرجہے ہوئے پہول سب کِہلائے   سب پنکہہ پہر آئے چہہ چہائے

پہل پہول مراد کا پہر آیا   اور سیس پہ ماہ نل کا سایا

جوبن بہرا پہر سمندر پانی   مارن لگا لہر پانی پانی

نل کی ہوئی سب مُراد حاصل   آسان کری ربنے ساری مشکل

ساقی و صراحی اور پیالا   نت راگ و رنگ ترنیوالا

معشوق سدا نین کے آگے   نت صبح و شام بہرہ پاتے

(ق ۴۴ ب)   چترائی و علم و ہوش پایا   نل چاتر با عدل کہایا

ہستی نبری کنک درب راجپاٹ سکہہ چین

اپچہر سندر کامنی دیکھہ بہراویں نین

سب ملک کیا بہت ہی معمور — آسیب خَلق رہیتے کیا دور
کیا تاب کہ شیر گائے دیکھے — یا قہر سے مکھہ اوٹھائے دیکھے
نل کی بھی نپٹ تھی نیک طینت — آسودہ کری تمام رعیت
عشرت کرے رین دن پیارا — رانی چاندگو(دیا) و نل ستارا
بیچنت رہے کنور شب و روز — نت پاس رہے دمن دل افروز
ایک مدت عمر یوں گذاری — سرسبز ہوئی کنور کی ناری
اولاد خدا نے نیک دینی — ہاں راجمندر کے ٹیک دینی
اولاد جو ہو کسو کی قابل — جگ بین رہے نصیب اوسکا کامل
اولاد جو نل نے نیک پائی — جو بیت گئی سو بسر گنوائی
ہر روز شکار گاہ جاوے — مدھ پیوے اور کباب پاوے
نوبت بجے نت کنور کے در پر — جھنگر جھنگر و جھنگر جھنگر
قوال سدا سرود گاوین — رانی و کنور کون نت رجھاوین
اور ناچ کا نت رہے اکھاڑا — سنگیت کی گت پہ پانچ دہاڑا — (ق ۴۵ ا)
برسا کرے لچھمی کنور پر ! — سب ملک و دیس رجمندر پر

سکل بھم ہر پر دے سے برسے عدل بہار
راؤ سکھی رانی سکھیا سکھیا سب سنسار

جاڑے کی بہار جگ میں آئی — پالا پڑی خلق تھر تھرائی
اب باد خزاں چلی جھون اور — پت جھاڑ کا بن بین پڑ گیا شور
سب باغ و چمن اوجاڑ کینا — بلبل کا مکاں کنوؤں کو دینا
ننگے بھئے برچھ سب چمن کے — بیلے ہوئے پات پات بن کی
سبزہ کی شکل نظر نہ آوے — ہر باغ کو دیکھہ کر ڈر آوے

سو پہول درخت جگ کحُو کے ‏ ‏ گویا کہ کہڑے ہیں سیاہ لُو کے
نل ہو کے اوداس اپنے تنخین ‏ ‏ آ بیٹھا اوداس ہو چمن مین
دیکھے تو نہ پہول ہے نہ بلبل ‏ ‏ کوون نے مچا دیا ہے غلغل

(یہاں سے کچھ اشعار نسخے کے کاتب نے حذف کر دئے ہیں۔ اور یہ نسخہ یہاں ختم ہوتا ہے)

سیّد عبداللہ

محمد ماہ صداقت

محمد ماہ المتخلص بہ صداقت مولانا غنیمت کنجاہی کے برادر زادہ تھے۔ آپ کا مرتبہ پنجاب کے فارسی گو شاعروں میں بہت بلند تھا۔ لیکن بدقسمتی سے آپ نے اپنی تمام تصنیفات دریا میں پھینکدیں۔ یہی وجہ کہ آپ کی شخصیت گمنامی کے پردہ میں مستور رہی۔ آپ کی صرف ایک تصنیف موسومہ بہ ثواقب المناقب کے نسخے کہیں کہیں ملتے ہیں۔ لیکن وہ بھی نامکمل و ناقص شکل میں چنانچہ ہندوستان یا یورپ کی کسی لائبریری میں بھی اس کا نسخہ موجود نہیں[1]۔ صداقت کے حالات زیادہ تر اسی کتاب کے ایک نسخہ سے ماخوذ ہیں۔ جو حضرت شریف احمد صاحب شرافت قادری نوشاہی کے کتب خانہ واقع ساہنپال شریف ضلع گجرات میں موجود ہے۔

خاندان اور ابتدائی حالات آپ کی خاندان کے حالات مولانا غنیمت کے حالات میں اسی رسالہ کی مئی ۶۲ء کی اشاعت میں طبع ہو چکے ہیں۔ اس لئے ان کو یہاں دوہرانے کی ضرورت نہیں۔ آپ کے والد بزرگوار نواب احمد[2] خان شرف الدولہ بہادر کی سرکار میں بتحویل خزانہ ممتاز تھے۔ اسی خدمت کے سلسلہ میں آپ کو نواب موصوف کے ہمراہ مختلف ممالک کی سیاحت بھی کرنی پڑتی تھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ اہل و عیال سمیت افغانستان میں گئے ہوئے تھے۔ اور وہیں شہر کابل میں محمد ماہ صداقت عدم سے وجود میں آئے۔

تعلیم و تربیت صداقت کی نشو و نما ان کے آبائی وطن قصبہ کنجاہ ضلع گجرات

---

[1] پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں مجموعۂ شیرانی میں ایک مخطوطہ بنام ثواقب المناقب موجود ہے۔ لیکن دراصل یہ تذکرہ نوشاہیہ مصنفہ حضرت محمد حیات نوشاہی کا نسخہ ہے۔ جس پر کاتب نے غلطی سے ثواقب المناقب تصنیف محمد ماہ لکھا ہوا ہے۔

میں ہوئی۔ یہاں انکے حقیقی چچا مولانا محمد اکرم غنیمت نے انکی تعلیم و تربیت کا کام اپنے ذمہ لیا۔ اسوقت کنجاہ میں غنیمت کے علاوہ اور بھی بہت سے علماء موجود تھے۔ جن کا ذکر غنیمت کے بیان میں آچکا ہے۔ غرض کہ صداقت نے ایسے علمی ماحول میں تربیت پائی۔ جو کہ بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔

ملازمت جب صداقت کے والد بزرگوار نے دہلی میں وفات پائی تو یہ انکی جگہ نواب ارادتمند خان شرف الدولہ بہادر کی سرکار میں تحویل خزانہ سے سرافراز ہوئے۔ اور شہر دہلی میں مستقل سکونت اختیار کرلی۔ اور وہاں درس تدریس کا سلسلہ بھی جاری کیا جس سے لوگ فیضیاب ہوتے رہے۔

تصنیفات اس قدر مصروفیات کے باوجود آپ نے متعدد کتابیں نظم و نثر میں لکھیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:۔

۱۔ فتحنامہ نواب عبدالصمد خان بہادر۔ ۲۔ ساقی نامہ۔ ۳۔ مثنوی مہتاب و کتان۔ ۴۔ گل صنوبر (نثر)۔ ۵۔ دیوان اعلیٰ (اس کے اشعار کی تعداد سات ہزار تھی)۔ ۶۔ رباعیات آبدار (یہ آپکی تمام رباعیات کا مجموعہ تھا)۔ ۷۔ مخمسات رنگین۔ ۸۔ مجموعۂ متفرقات۔ ۹۔ مطلع الاسرار (یہ کتاب حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و تعریف میں لکھی گئی۔ اسکے اشعار کی تعداد ۳۶۰۵ تھی۔ دو ہفتہ میں آپ نے تصنیف کی۔ اس میں صنعت یہ ہے کہ تمام کتاب بے نقط ہے۔ کوئی حرف منقوط اس میں نہیں آتا۔ چنانچہ اس کا نام بھی بے نقط ہے)۔ ۱۰۔ قصہ کلیلہ و دمنہ منظوم۔ ۱۱۔ ثواقب المناقب۔

دہلی میں آپ نے حضرت شیخ عبدالرحمٰنؒ مرید حضرت پیر محمد سچیار خلیفہ حضرت نوشہ گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اور اذکار قادریہ نوشاہیہ میں اسقدر محو ہوئے۔ کہ اپنی جملہ تصنیفات کو راہ عرفان میں حائل سمجھنے لگے نتیجہ یہ ہوا کہ ایک دن ان سب کو دریا پر لیگئے۔ اور بہ استثنائے مطلع الاسرار سب کو نذر آب کردیا۔ مطلع الاسرار اس لئے رکھ لی کہ یہ تمام تر مدح رسالت پر مشتمل تھی۔ لیکن آج مطلع الاسرار کا بھی سراغ نہیں ملتا۔ ثواقب المناقب بعد کی تصنیف ہے۔

وفات بقول خان آرزو آپ کی وفات اواسط عہد محمد شاہ بادشاہ میں ہوئی۔ صاحب نشتر عشق نے آپکی سن وفات ۱۱۴۵ھ بیان کی ہے۔ مجموعۂ شیرانی میں میر سید قاسم علی برہان کی بیاض کے

سات خط موجود ہیں جن میں دو خط منشی محمد ماہ جیو کے لکھے ہوئے ہیں۔ انمیں سے ایک ۱۵ رمضان ۱۱۴۳ھ کا نوشتہ ہے۔ اس خط سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ آپ آخر میں نواب خرد مند خان کے منشی ہوئے۔ آپ نے دہلی میں وفات پائی۔ اور وہیں مدفون ہوئے۔

کلام | نظم میں آپ زیادہ تر اپنے عم بزرگوار مولانا غنیمت کا تتبع کرتے ہیں۔ طرزِ کلام بعینہٖ مولانا غنیمت سے ملتا ہے۔ اشعار برجستہ اور پر درد ہیں۔ اور انمیں عارفانہ رنگ غالب ہے۔ نثر میں ضائع بدائع کا استعمال کثرت سے کرتے ہیں۔ اور خان آرزو اس لحاظ سے آپ کو حضرت امیر خسرو علیہ الرحمۃ کا مماثل قرار دیتے ہیں[1]۔ حسین قلی خان صاحبِ نشتر عشق خان آرزو کی روایت سے آپکو مضمون یابی اور فکر تازہ کی ہمرسائی میں ابوالبرکات منیر۔ عارف لاہوری اور غنیمت سے زیادہ بلند خیال تسلیم کرتے ہیں[2]۔

ذیل میں آپ کی صنعتگری کے چند نمونے دئے جاتے ہیں۔ جنکے مطالعہ سے یہ امر بخوبی واضح ہو جاتا ہے۔ کہ تذکرہ نگارونکے مذکورہ بالا بیانات میں مبالغہ کو ذرہ بھر دخل نہیں۔ یہ مثالیں تمامتر ثواقب المناقب سے منقول ہیں۔

۱۔ صنعت غیر منقوط:۔ ثواقب المناقب کے آخر میں آپنے ایک پورا باب بے نقط اپنے پیر روشن ضمیر شیخ عبدالرحمٰن دہلوی کی تعریف میں لکھا ہے۔ اُس کے چند جملے یہاں نقل کئے جاتے ہیں:۔

"سگ درگاہ دودۂ مسعود محرر رسالۂ سلسلۂ کاملہ کہ عمر موہوم کامل دلدار وار در طول امل سر کردہ در دل ارادہ دارد کہ سطور معدودہ در مدح ستۂ درگاہ والا مسطور گردد۔ سالہا سر آمدہ کہ در رسالۂ موسومہ مطلع الاسرار در مدح رسول رسل سالار کہ عدد مطالع او حکم سال کامل دارد کلام مسلسل کہ مصرع ہمہ سرو دہر و ماہ را رد کردہ گرد آوردہ ام۔ الحال ہم کلک گوہر سلک را در سلوک راہ طالع مسعود علم کردہ ام و دو سہ کلمۂ سادہ کہ در صعود عالم ارواح ہمراہ مسودہ دادہ رود املا کردہ سحر حلال دادہ ام کہ مسطر دام طاؤس کردار کردہ طرح گلدار طلا کار و سواد مداد سرمۂ طور وار مطلع لوامع اسرار گردد الحمد للہ کہ مسؤل در گرو حصول دارم ؎

---

[1] مجمع النفائس ص ۵۲۵
[2] نشتر عشق ورق ۲۷۹

سرور طالع کمالم دہ   صلہ محوم صلاح حالم دہ"

۲۔ صنعت منقوط:۔ یہ تمام باب بھی اپنے پیر دستگیر کی مدح میں لکھا ہے۔

"شیخ شب خیز پیش بینش بینی   فیض غیبی ز نقش جبینش بینی

بے چین جبین زینتِ زینش بینی   بے تیغ زنی تخت نشینش بینی!

شفقتش بیش غضبش بیش پیش بین۔ بیش یقین۔ زیب تخت۔ زینتِ زین خز بخشب بیش بخشش شبش نخی۔ تیغ زیبش بخنب تف غضبش یخی۔ تیقظ خفتن بخت بخنب فیضش بے چیزی۔ بخششِ خزن جنت پیشش یشیر ہے ...... الخ"

۳۔ صنعت خیفا:۔ یہ باب بھی اپنے شیخ کی تعریف میں لکھا ہے۔ اس عبارت میں ایک کلمہ بانقط اور دوسرا بے نقط بالترتیب واقع ہے۔ "متن ہمدم فتن حسود بیذق وار جنبش دادہ غضب او۔ پشت ہمہ زشت اہل بغی سراسر شق کردہ جذب او۔ بخششِ او غیث کرم۔ فیض او حشن عالم۔ بیخ خس تیغ آسا تیز کردہ تشحیذ او۔ بیت مسدس شش سو قبض کردہ تنفیذ او۔ تیغ کوہ زشتی اعمال بنی آدم پیش حکم فیضش کاہ۔ نفخ صور بخنب دم جذب او شغب آہ۔ تشبثِ سلسلہ بخششِ او جنت الماوی پیش آوردہ۔ تنین صمصام غضبش دم بنی آدم قبض کردہ"

۴۔ صنعت مقلوب مستوی:۔ یہ باب بھی مرشد کی تعریف میں ہے۔ اس کی عبارت الٹا پڑھنے سے بھی وہی ہوتی ہے جو سیدھا پڑھنے سے ہے۔ "تمام او نماز امن و امان۔ نامہ انشائے آشنا ہماں۔ وادی توکل ملکوت یداو۔ وارث ادب ابدا ثراو۔ معانی عشقش عین اعم۔ متانت مشقش متن اتم۔ روشن برق لیل قرب نشور۔ روح تن طلسم سلطنتِ حور۔ برقم حال صلاح مقرب۔ بل طبیب لبیب طلب۔ کاروان آسان اوراک۔ کان در دبل لعل لب ورد ناک۔ عرش کلام مالک شرع۔ عرف حد ملح فرع۔ رشح فیض وضیف حشر۔ رش نور دمعور و نشر۔ تاریخ حال فلاح خیرات۔ تادرا ودور و رود واردات ...... الخ"

۵۔ حروف مقطع:۔ جو باہم ایک دوسرے سے پیوست نہیں ہوتے

داور زردار دود آزار دراز   درد اور دادار رود دور دراز

آپ نے ان صنعتوں کی تحریر کے بعد ایک عبارت لکھی ہے جس میں مذکورہ بالا صنائع کا بیان ہے طرفہ یہ کہ اس عبارت میں بھی ان تمام صنائع کو ملحوظ رکھا ہے۔

"کلک مرصع کار کلام اول بہ صلہ املا کردہ بیش زین بزینت بت چین نقش نقیتش بنشت۔ دگر فن ہر دو شق مسطور ثبت کردہ۔ نادر صنعت رابع بلقب قلب عبارت عنصر داں۔ راز دور از دور دوار آواز دادہ داور دادار ادوار درد را دوا دادہ" ؎

توانم در صنائع کرد طیار   مرصع نسخہ چوں طاؤس گلزار

ولے فکر صنائع بسکہ تنگ است   معانی بستہ قید فرنگ است

طواف کعبۂ معنی توانی   چرا در حین صورت بندمانی

بود صورت پرست آئینہ لاچار   چو زنگی روسیاہش کردہ زنگار

قلم تا معنی اندر پردۂ اوست   سیاہی روشنائی کردۂ اوست

آپ نے آخر کتاب میں ایک نظم بعنوان پند بہ نقش دردمند لکھی ہے جو ذیل میں نقل کیجاتی ہے:

صداقت اے گرہ در سینہ چوں مور   بزیر گرد کلفت زندہ در گور

نشد از دزد شیطان ہیچ آگاہ   سگ نفس تو در خواب سحرگاہ

غم دیں نیست از بس سینہ مسکن   بود ... تمازت مرگ دشمن

بذوق در شکست روزہ طیار   کہ گویا بشکند پرہیز بیمار

خراب آباد دنیا بے ثبات است   کہ در صورت پرستی سومنات است

بہ بیت اللہ معنی کردہ پرواز   ازیں بتخانۂ صورت بروں تاز

اگر با درد دیں واری سروکار   ز سودائے بتاں خود را نگہدار

مشو وابستہ از زلف پریشان   چہ لازم مار بر گنج شہیداں

ز مشق فکر خط خود را ادب کن   چو طفل اشک آزادی طلب کن

بوصف خال تا کے فکر باریک ۔۔۔ مکن بزم صفا را تنگ و تاریک
چساں گردد چراغ فکر روشن ۔۔۔ کہ این کنجد ندارد بوئے روغن
مکن وصف دہان خوبرویاں ۔۔۔ مشو محو بیان فتنہ مویاں
ز فکر ہیچ در ہیچت بروں تاز ۔۔۔ سواد اعظم معنی وطن ساز
برآور سر ز جیب بخت بیدار ۔۔۔ چہ لازم فکر خواب چشم بیمار
سراپا نسخۂ ہوشت سقیم است ۔۔۔ علاجے کن اگر طبعت سلیم است
بیفگن حرف کاکل در پس گوش ۔۔۔ حدیث چشم کن خواب فراموش
ہوس با عشق حق از دل بدر کن ۔۔۔ پر طوطی تمس ران شکر کن
ز دل تا نالہ سامانے ندارد ۔۔۔ بود تیرے کہ پیکانے ندارد
بہار غنچۂ دل درد و رنج است ۔۔۔ شگون وا شکست قفل گنج است
دل نالاں صفا تمثال باشد ۔۔۔ کہ ساق عرش را خلخال باشد
شبے در خلوت دلدار رفتم ۔۔۔ بپائے طالع بیدار رفتم
نگہ کردم دراں کاشانۂ راز ۔۔۔ دل من بود در بر خلعت ناز
ندارد برقِ ہستی ہا وجودے ۔۔۔ سرے تا ہست سامان وجودے[1]
ز چاک دل طلوع صبحگاہی ۔۔۔ نیاز گریۂ آہے نگاہے
لبت را بخیۂ بتحالہ کافی ست ۔۔۔ لب زخم جگر در نالہ وافی ست
دلت را زخمیِ تیغ فنا کن ۔۔۔ باین تیزاب طرح کیمیا کن
چرا دل جلوہ گاہِ غیر گردد ۔۔۔ چہ لازم کعبہ گرد دیر گردد
بہار بے خزان در خانہ داری ۔۔۔ چہ فکر سبزۂ بیگانہ داری
نباشد خاکساری زیب دمساز ۔۔۔ نگردد نقش پا محتاج پرواز

---

[1] کذا

دلِ حیرت‌پرستان نشکند رنگ — کجا آئینهٔ زانو کشد زنگ

بهار جلوهٔ حسنم نصیب است — زر گل خونبہائے عندلیب است

فروغ نور آن خورشید پاک است — چو شبنم از رگ گردن چه باک است

کنم چون طفل اشک درد دیده — کبوتر بازی از چشم پریده

کواکب در شب تارم نهانست — جواهر سرمه ام در سرمه دان است

جهان یک بزم برهم خورده دیدم — فلک دود چراغ مرده دیدم

اگر دروے نخارد سینهٔ دل — نفس زنگ است بر آئینهٔ دل

دو عالم بیتے از دیوان عشق است — غبار تودهٔ طوفان عشق است

ز رشک آه می پیچد چو طومار — بود سنگ فلاخن مهرهٔ مار

رسا افتاد چشم اشکبارم — تیمم میکند ابر غبارم

تنم از بیقراری مضمحل شد — کباب آتش یاقوت دل شد

مخور غم از شکست شیشهٔ من — که در طور است پنهان ریشهٔ من

رگ بوئے گلم موئے دماغ است — نسیم گلشنم باد چراغ است

نگه در چشم حیران تیز گردد — نفس بر لب دم شمشیر گردد

شود از شور اشک فتنه انگیز — بیاض دیده در چشم نمک ریز

تو اے سرحلقهٔ قوم ریاکار — مرید تودهٔ طوفان دستار

دلت گر بر مریدان ناز دارد — ببال دیگران پرواز دارد

کند غور طمع اندیشهٔ تو — دود در مغز قارون ریشهٔ تو

مکن آئینه داری ناکسان را — بچشم خود بده جا این خسان را

فنا مائل ندارد کار با کس — چراغ کشته باشد فارغ از خس

نباشد کنج خلوت کلفت آهنگ — نمی خیزد ز آتش دود در سنگ

هوائے نفس از دل دور گرداں — زبیت اللہ بت ہجور گرداں
سخن کوتہ کہ بس عصیاں پناہم — برنگ خامۂ خود روسیاہم
ولے از فضل حق امیدوارم — کہ گرد ابر رحمت پردہ دارم

صادق علی دلاوری

"محمد رسول اللہ" صلی اللہ علیہ وسلم | تالیف فیلسوف مسٹر کارلائل۔ مترجمہ مولوی عبید الرحمان عاقل۔ رحمانی صفحات (۹۳) سکول سائز قیمت ۸ آنہ "کتابستان" پوسٹ بکس نمبر ۳۱۶۴ بمبئی نمبر ۳۔

مولوی عبید الرحمان صاحب نے مسٹر کارلائل کی کتاب کا اردو ترجمہ شائع کر کے اردو زبان پر احسان کیا۔ اسی قسم کے امور سے ہی کسی زبان کی ترقی وابستہ ہے۔ اگر اس طرز کی سعی اور جانفشانی جاری رہی۔ تو بہت جلد اردو بھی علمی زبان ہونے کا فخر حاصل کر سکے گی۔

کاش! جناب مترجم عالم غیب کی تعبیر عالم مجہول سے نہ کرتے (ص ۲۶) اور ابدیت مجہولہ (ص ۲) کے بجائے کوئی اور موزون لفظ (سرمدیت وغیرہ) استعمال کرتے۔ تذکیر و تانیث میں زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ بعض ادق، ثقیل، عسیر الفہم، ناموس الفاظ کے بجائے سہل، عام فہم، بامحاورہ الفاظ کے استعمال سے زیادہ فائدہ ہوتا

جو فطری اصول اور قدرتی ضوابط اسلام میں مسلم ہیں۔ بلکہ ہر سماوی مذہب کے لئے علوم متعارفہ یا اصول موضوعہ کا درجہ رکھتے ہیں۔ کم از کم ایسے اصول پر تو بالبصیرت بحث ہونی چاہئے مگر مسٹر کارلائل نے ابتدا ہی سے عصمت انبیاء کا انکار کر دیا ہے۔ (ص ۲۶) جو ہر آسمانی مذہب کے لئے سنگ بنیاد ہے۔

۲۔ مسٹر کارلائل عیسائی محقق ہو کر بھی فیصلہ نہیں کر سکتے کہ کتب مقدسہ قرآن حکیم مثلاً نبی کریم کا خود ساختہ آئین ہے۔ (ص ۹) یا فطرت صحیحہ کی آواز (ص ۵۴) یا

الہام الٰہی (ص۳)" بلکہ اُن کا رجحان ادھر ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فطرت صحیحہ تھی۔ اخلاص کامل کا آپ مجسمہ تھے۔ ہموارہ سوچتے رہتے تھے۔ اسی لئے تنہائی مرغوب تھی۔ اِس سے آپ حق کی تہ کو پہنچ جاتے تھے (ص۲۴ و ص۲۵)"

۳۔ یہاں پہنچ کر وہ قیاس کر لیتے ہیں۔ کہ شاعری اور نبوت کی حدود باہم ملتی ہیں۔ (ص۲۵) بلکہ ایک مقام پر (ص۹) خود حضور کو "شاعر نبی" کہہ دیتے ہیں"

۴۔ عام علماء کی طرح مسٹر کارلائل بھی اعجاز قرآن کو الفاظ و عبارات میں منحصر مانتے ہیں۔ حالانکہ ایک فیلسوف سے توقع کی جاتی ہے۔ کہ وہ اس کی حکمت کو موضوع بحث بنائے۔ اور اس کی دستوری حیثیت کو بھی زیر نظر رکھے۔

۵۔ یہی حال نعیم جنت اور عذاب جہنم کے تصور میں ہے۔ اسرائیلی نبوت کا پیرو" بلکہ ماہر جنت وجہنم کی تمام تر تفصیلات کو استعارات وکنایات قرار دے" یا للعجب

۶۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر تین برہان زیادہ مشہور ہیں۔ ۱۔ آنحضرت کی شخصیت۔ ۲۔ آپ کی تعلیم۔ ۳۔ معجزات۔ آخر الذکر کا مقصد مقابل کو مرعوب کرنا ہوتا ہے۔ اور بس۔ کما قال تعالے۔ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰیٰتِ اِلَّا تَخْوِیْفًا تاریخ مذہب شاہد ہے۔ کہ معجزات زیادہ تر انہیں انبیا سے صادر ہوئے۔ جن کی قومی عصبیت کمزور تھی۔ جیسے حضرت مسیح علیہ السلام۔ بنا برین محققین اہل سنت نے اس دلیل سے کچھ زیادہ اعتنا نہیں کیا۔ البتہ متاخرین مصنفین کے یہاں یہی سب سے بڑی اور اعلیٰ دلیل ہے۔ بہتر ہوا کہ مسٹر کارلائل ادھر متوجہ ہی نہیں ہوئے۔

دوسری دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش کردہ تعلیم ہے۔ اکابر صحابہ اسی سے متاثر ہوئے۔ معجزات دیکھ کر ایمان لانے والے حضرات قوت ایمانی میں دوم' سوم نمبر پر شمار ہوتے ہیں۔ مسٹر کارلائل جیسے فلاسفر سے توقع تھی۔ کہ وہ اس تعلیم کی گہرائیوں تک پہنچ کر اس کی حقانیت پر بحث یا تنقید کرتے۔ تاکہ اس تعلیم

کی حکمت، اور اس کا دستوری اعجاز واضح ہوتا۔

رہی پہلی دلیل۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس اور آپ کی شخصیت، اس پر فاضل مولف نے بحث کی ہے۔ اس کی تفصیلات کے لئے رسالہ زیر بحث ملاحظہ ہو۔ مذکورہ بالا سہ گانہ مباحث کی تہ تک پونچنے کے لئے "شرح عقیدۃ اصفہانیہ" از شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا مطالعہ ضروری ہے۔

ان حالات میں بخیال ناقص یہہ ترجمہ "محمد رسول اللہ" شاید کوئی اچھی فضا پیدا نہ کر سکے۔ خدا نہ کرے کہ محض اردو دان (متوسط) طبقہ اس سے بجائے نفع کے نقصان اٹھائے

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ ھَدَیْتَنَا وَھَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً۔ اِنَّکَ اَنْتَ الْوَھَّابُ۔

"شانِ خدا" (۱۷۵) تالیف، مولوی عبید الرحمان صاحب عاقل رحمانی، تعداد صفحات تقطیع خورد۔ قیمت ۸؍ "کتابستان" پوسٹ بکس نمبر ۲۱۶۴۔ بمبئی نمبر ۲

اسلام جب تک عرب میں رہا۔ اُس کو کسی فلسفہ کے ماتحت حل کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ عرب کی سذاجت اس کو اپنی فطرتِ صحیحہ کا تقاضا خیال کر کے اُس پر عمل پیرا ہوتی رہی۔ اُس کے احکام اُن کے ماحول اور طبائع سے بالکل مطابق تھے۔

۲۔ قال المسعودی فی مروج الذھب (الباب السادس عشر من المجلد الاول) الحکمۃ بدءھا من الھند، و تشید ارکانہ الشیخ جمال الدین ابوالحسن علی بن یوسف القفطی فی کتابہ اخبار الحکما (ص ۲۶۵) ۔ راجعہ ان شئت ہمارے مشائخ کرام اس خیال کے مؤید ہیں کہ حکمت و فلسفہ کی ابتدا ہند سے ہوئی۔ ایران اور یونان یہیں سے مستفید ہوئے۔

۱۳۲ھ میں جب خلافت امویہ ختم ہو کر خلافت عباسیہ قائم ہوئی تو یہ خلافت درحقیقت عجمی، ایرانی حکومت تھی۔ اب ضروری ہوا۔ کہ ان اقوام کو بھی اسلام

کی تبلیغ کی جائے۔ اس لئے مامونِ اعظمؒ نے فلسفہ وحکمت کی طرف توجہ کر کے عمداً تشکیک پیدا کی۔ تاکہ فلسفہ دان اقوام کے سامنے اسلامی اصول وفروع کی حکمت آشکارا ہو سکے۔ مامون کو اس تحریک میں کامیابی ہوئی اور "علم کلام" کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ چنانچہ مختلف خیالات کی ہنگامہ آرائی ہوئی۔ اور "اہل حق" کی پیہم سعی سے ہر باب میں ایک صحیح نظریہ منقح ہوتا چلا گیا۔ تا آنکہ چوتھی صدی کے اخیر تک معتزلہ کی شورش کا خاتمہ ہوگیا۔ بالفاظ صحیح تر تمام اہم ابواب صاف ہو گئے اور تمام تشکیکات حل کر دئے گئے۔

(ب) اس کے بعد جب اکبر اعظم کا دور آیا۔ تو اس نے پھر تشکیک پیدا کرنا ضروری خیال کیا۔ اور ساتھ ہی اسلامی حکومت کے عوض قومی حکومت کا پروگرام مرتب کیا ان ہر دو باتوں سے بھی مقصد یہی تھا۔ کہ ہندی فلسفہ دان اقوام کے لئے، اسلامی اصول وفروع کو سمجھنے کا راستہ صاف کیا جائے۔ گذشتہ دور کی طرح یہاں بھی افراط وتفریط رونما ہوئی۔ کیونکہ تشکیک سے ایسے نتائج قدرتی طور پر پیدا ہوتے ہیں۔ اُس وقت کی ضرورت کے مطابق، ہمارے اکابر نے اس بے اعتدالی (افراط وتفریط) کا مقابلہ کیا۔ ایک مفید مدوّن علم بروئے کار آیا۔ جسے تاریخ ہند کا ماہر بخوبی جانتا ہے۔

ج۔ یورپ کے موجودہ عروج نے تشکیک مذکور کو پھر تازہ کیا۔ اور جدید علم کلام کی ضرورت محسوس ہوئی۔ انکار صانع۔ توحید باری میں اشتباہ۔ روح و مادہ کا قدم۔ وغیرہ مباحث، از سر نو نئے قوالب میں نمودار ہونے شروع ہو گئے۔ علماء اہل حق نے ان تشکیکات کا جواب دینا وقت کا اہم تقاضا قرار دیا۔ مولانا شبلی مرحوم ان کے رفقاء کار وغیرہ اہل علم نے اس کام میں حصہ لیا۔ ان حضرات کی تصنیفات اس سلسلے میں کافی شہرت رکھتی ہیں۔

کتاب "شانِ خدا" بھی اِس سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے۔ اِس کتاب میں فاضل مولف نے نہایت ذہن نشین طرزِ بیان سے مذکورہ ذیل مسائل پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے۔ ۱۔ وجود باری اور دہریہ کی تردید۔ ۲۔ توحید باری اور اس کے متعلقات۔ ۳۔ مبحث اسماء وصفات۔ ۴۔ مذہب تقاضائے فطرت ہے

بخیال ناقص مذکورہ بالا مواضع پر اردو زبان میں یہ بہترین کتاب ہے۔ جو باوجود اختصار کے اپنے مطالب کے لئے جامع ہے۔ وہ اس قابل ہے۔ کہ مناسب کلاسز میں اس کو داخل کر کے باقاعدہ پڑھایا جائے۔

ب۔ متاخرین متکلمین نے اپنی کتب کلام میں حق تعالےٰ کا تعارف صفات سلبیہ سے کرایا ہے۔ مثلاً لیس بجوہر، لیس بعرض، لیس بجسم وغیرہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ وغیرہ محققین کو اس طریق سے سخت کد ہے۔ کیونکہ سلوب محضہ تو کسی ادنیٰ حقیقت کو معین نہیں کر سکتیں۔ واجب تعالےٰ کا تو مذکور ہی کیا ہے۔ مثلاً ہم اپنے دوست سے کہیں۔ کہ ہمیں ایک چاقو خرید کرا دو۔ جو ایسا نہ ہو۔ اسطرح کا نہ ہو۔ اس قسم کا نہ ہو۔ وغیرہ سلوب محضہ ہزاروں کی تعداد میں ہم لگائیں۔ مگر حقیقت مذکورہ کی تقریب نہیں ہو گی۔ اس کا سہل طریقہ یہ ہے۔ کہ ایک خاص کارخانہ کا 'خاص نمبر کا چاقو دکھا دیا جائے۔ پس جھگڑا ختم ہے۔ اسی لئے قرآن حکیم ' اور احادیث نبویہ میں حق تعالےٰ شانہٗ کا تصور۔ صفات ثبوتیہ سے ذہن نشین کرایا گیا ہے۔

مؤلف "شان خدا" نے اس مبحث میں کافی حذاقت کا ثبوت دیا ہے۔ صفات ثبوتیہ کے مختلف انواع ذکر کر کے ذات حق کو اذہان کے قریب لانے کی سعی کی گئی ہے

دھریہ کے مناظرے میں فاضل مولف نے "نوامیس" کا لفظ مکرر استعمال کیا ہے۔ غالباً اس سے مراد صورت نوعیہ اور اس کے لوازم و آثار ہیں۔ مناسب تھا

کہ اس کی توضیح کردی جاتی۔ کیونکہ یہی لفظ اُن کے دوسرے رسالہ "محمد رسول اللہ" میں بھی استعمال ہوا ہے۔ مگر وہاں دوسرے معنی مراد ہیں۔ مناسب ہے۔ کہ دوسرے ایڈیشن میں اس قسم کے ثقیل الفاظ کے بجائے سہل الفاظ استعمال کئے جائیں۔ یا فٹ نوٹ میں ایسی اصطلاحات کو حل کر دیا جائے۔ فقط

نور الحق

جواہر العلوم یہ علامہ طنطاوی جوہری مصری کی مشہور و معروف عربی کتاب کا اردو ترجمہ ہے۔ جسے مولوی عبد الرحیم صاحب مولوی فاضل پروفیسر عربی اسلامیہ کالج پشاور نے اردو کا لباس پہنایا ہے۔ شروع میں ایک مقدمہ ہے جو مولانا عبد السلام صاحب ندوی نے لکھا ہے۔ علامہ طنطاوی جوہری کی تفسیر بھی جدید معلومات کی روشنی میں لکھی گئی ہے۔ لیکن وہ بہت ضخیم اور بلند پایہ کتاب ہے۔ جواہر العلوم بچوں کے لئے ہے۔ جس میں انہوں نے ایک قصّہ اور مکالمہ کی صورت میں بہت سی قدیم و جدید عجائبات' قدرت کے فوائد و مصالح علمی اصول کے مطابق دکھلائے ہیں۔ مثلاً نباتات کے سات عجائبات۔ مقناطیسی سوئی اور کمپاس کا ذکر' پودوں میں احساس' ریشم کے کیڑے کا ذکر' سورج کے فوائد و منافع وغیرہ۔ ترجمہ بھی خاصا کامیاب ہے اور ایک بڑی حد تک مصنف کے اصل مفہوم کو واضح کرتا ہے۔ ترجمہ کتابستان بمبئی کی طرف سے شائع ہوا ہے۔

پتہ یہ ہے۔ کتابستان پوسٹ بکس نمبر ۴۲۱۶ بمبئی نمبر ۳۔ قیمت دو روپے طباعت و کتابت عمدہ۔

س۔م۔ع

او مهری زد بمیرزا الغ بیگ رسانید[1] که شاهزاده را غدری در خاطر است و حرکات و سکنات او باین معنی ناظر، و در خلوت[2] با خواص خود این طرح انداخته و روز و شب این اندیشه را پیشه ساخته. میرزا الغ بیگ حزم که رعایت آن بر ذمّت همّت ارباب دولت واجب است می فرمود و تحقیق و تفحص آن التفات و اهتمام نمود، و بیقین معلوم شد که شاهزاده را خاطر بر غدر قرار یافته و شرار آن شر بر ضمیر منیر[3] انور او تافته، میرزا ابابکر را بند فرمود و بجانب سمرقند ارسال نمود، و او شاهزادهٔ بود در کمال شجاعت و بهادری و غایت جلادت و دلاوری، بشمایل خوب و خصایل مرغوب موصوف، و بطلعت عالم افروز و حسن جهان سوز مشهور و معروف بیت

در[4] کمال حسن یوسف هر چه دل کردی بیان

در جمال شاه زاده چشم جان دیدی عیان

و میرزا الغ بیگ از جیحون عبور نموده قبّة الاسلام بلخ لشکرگاه همایون ساخت و طنطنهٔ تسخیر ممالک ایران در اطراف ربع مسکون انداخت، و درین اثنا قصهٔ شبیخون نشاپور و قضیهٔ گرفتاری میرزا عبداللطیف واقع شد، و سابقا میرزا الغ بیگ واقف بود که میرزا عبداللطیف اردوی بزرگ را سر کرده نعش مغفرت مآب را می آورد، و تصور آن بود که از راه ولایات نسا و ابیورد متوجه مملکت ما وراء النهر خواهد شد چنانچه میرزا عبداللطیف همین معنی را در موضع پل[5] ابریشم در حساب گرفته بود و باز ازان برگشته عازم

---

[1] آ ب: رساند (بجای رسانید)؛ آ: رسانیدند [2] آ ب: خلوات (بجای خلوت)؛ [3] آ: انور (بجای منیر انور)؛ ب: انوار آ: منیر؛ [4] ک ـــ،

[5] جایی نزدیک بسطام (فرهنگ آنندراج)؛

خراسان شد، درین ولا که خبر حبس فرزند شنید بیش[1] از حد ملول و محزون گردید
و رای ثاقب و فکر صایب بر تدبیر آن کار گماشت، و نقش استخلاص فرزند
بر صفحهٔ اندیشه نگاشت و امراء کبار امیر ابراهیم ایدکو تمور و امیر ابابکر[2]
بیان تمور و امیر بایزید و دیگر مقربان و مخصوصان را جمع فرمود و با ایشان
در باب استخلاص فرزند مشورت نمود بیت

ز پیران روشن دل و رای زن — بر آراست پنهان یکی انجمن
ز هر کاردانی برای درست — دران بستگی چارهٔ کار جست
بچاره کشاده شود کار سخت — بمدت شگوفد[3] بهاران درخت
ز کوهِ گران تا بدریای ژرف — بآهستگی کار گردد شگرف

۱۰ و رای بر آن قرار یافت که با میرزا[4] علاء الدوله از در صلح در آید تا باشد
که گوهر درج بادشاهی چون لعل بدخشان از زندان کان بیرون آید
و میرزا علاء الدوله چون از عبور میرزا الغ بیگ آگاه شد بیت

درِ گنجهاء جهان بر کشاد — ببخشش دلِ خلق را کرد شاد

و بخاص و عام انعام عام رسانید و چون فیض سحاب و فروغ آفتاب
جهان را بنور جود منور گردانید و لشکری گران و سپاهی بیکران در ظل رایت
آفتاب آیت جمع فرمود، و میمنه و میسره و قلب و جناح ترتیب داده از آب مرغاب عبور نمود،
و میرزا الغ بیگ مولانا نظام الدین میرک محمود صدر
را برسم رسالت فرستاد و در باب صلح فصلی مشتمل پیغام داد، مضمون آنکه،
میرزا علاء الدوله فرزند منست، و همراهٔ خانهٔ پدر بزرگوار، معاذ الله که مرا

---

[1] آ: بغایت (بجای بیش از حد)، [2] غالباً باضافت ابن، یعنی ابراهیم پسر ایدکو تمور و ابوبکر پسر بیان تمور،
[3] یعنی بشگفد و شگفته شود، ر فرهنگ آنندراج، [4] فقط ک: امیرزا (بجای میرزا)،

داعیۂ خرابی آن دیار باشد، اکنون اگر عبداللطیف را فرستند نزاع بکلی مرتفع است،

و در خلالِ این احوال میرزا ابوالقاسم بابر که بر ولایتِ جرجان و مازندران فرمان روان بود از ولایتِ جرجان بیرون آمده عزمِ تسخیرِ خراسان فرمود بیت

بدستوری رخصتِ راستان بلشکرکشی گشت ہم داستان
یکی روز کز گردش روزگار بدست آمدش طالعِ بختیار
بفالِ ہمایون بترتیب راہ بفرمود کز جای جنبد سپاہ

لشکری فیل زور شیرافگن با ملابسِ زرہ و جوشن و مراکب چون کوہ آہن تیغِ بید ریغ چون بہرامِ خون آشام کشیدہ و خدنگِ آتش بار ۱۰ بزہرِ کین آب دادہ از جرجان روان شد، و تا ولایتِ طوس رفتہ شرائطِ زیارتِ مشہدِ مقدس معلّٰی بجای آورد بیت

زجرجان روان گشت تا شہرِ طوس
بمشہد شد و داد آن روضہ بوس

و جمعی برسم قراولی پیش فرستاد، و میرزا علاء الدولہ نیز گروہی انبوہ در ولایتِ جام باز داشتہ، قراولانِ طرفین در نواحی جام بہم رسیدند، دلیرانِ آن دو سپاہ بر بادپایانِ آتش سیر رزمخواہ آمدہ خاک را از آبِ چشمۂ تیغ سیراب گردانیدند، و شرارِ کارزار بذروۂ فلکِ اثیر رسانیدند، تیغ با گردنان زبانِ سرزنش دراز کردہ، سپر سخت روئی آغاز نہاد، و ابروی

لہ آ ب ـــ، لہ آ ب: رسانیدہ بجای رسانیدند،
لہ فلک ـــ،

کمان از هر گوشه چون چشم یار ناوک خون ریز می کشاد، عاقبت محمد پیرزاد
که از طرف میرزا علاء الدوله بود گرفتار شد، و لشکر میرزا ابوالقاسم بابر تا
نواحی دارالسلطنه هراة تاختند، و آثار تسلّط و اقتدار آشکار ساختند،
و چون شرح واقعه میرزا علاء الدوله شنید بغایت متحیّر گردید، چه از پیش
دشمنی چنان قوی نشسته و از قفا غارت و تاراج از حد گذشته، میرزا
علاء الدوله بهر نوع که بود با میرزا الغ بیگ صلح نمود قرار بر آنکه فاصله
میان طرفین ناحیت جیجکتو[1] باشد میرزا علاء الدوله بهراة معاودت فرمود،
۹۰۴ب و میرزا عبداللطیف را از حبس بیرون آورده دلجوئی نمود و هر دو
شاه زاده در مجلس خاصّی نشستند و با یکدیگر عهد و پیمان بستند که باهم
۱۰ خلاف نکنند، مقرّر آنکه نوکران میرزا عبداللطیف که در واقعهٔ نشابور گرفتار
شده در بند دارند گذارند، و از خزانه[2] تحف و هدایا که لایق دانند بما وراء النهر[3]
روان گردانند، و[4] مولانا جلال الدین صدر را ملازم میرزا عبداللطیف روان
ساختند،

و میرزا الغ بیگ را از آمدن فرزند فرح و نشاط روی داد، و او را
در آغوش مهربانی گرفته از احوال بند و زندان پرسش نمود، و خاطر حزین
او را بانواع تسلّی و تسکین داده فرمود که بند بر مشک نه از خواری نهند،

[1] آ: جیکتو، ب: جیجکتو، آ: جمکتو — برای چاچکتو یعنی طالقان رک به لیسترنج ص ۴۲۴، خرابهٔ چاچکتو
الان بالا مرغاب (مروالروذ) ۴۷ میل است بخط مستقیم، [2] آک بعدش + : حضرت
خاقان مغفور، [3] اک : بعد ازان (بجای بماوراء النهر)
[4] اک : و میرزا عبداللطیف را بانواع اعزاز .... مستخلص گردانید و مولانا
(بجای و مولانا)

وقید برزر نه از کم عیاری بیت[1]

مه چون محاق دید مشارٌ الیه گشت

زر کوب یافت روی شناسیش از آن بود

(۵)[2] میرزا الغ بیگ ولایت بلخ را برسم سیورغال بمیرزا عبداللطیف عنایت فرمود، و از جیحون عبور نمود و در مستقرِ جلال و مرکز دایرهٔ اقبال یعنی خطّهٔ فردوس مانندِ سمرقند فرود آمد،

ذکر عزیمت میرزا علاء الدوله بجانب مشهد و صلح نمودن با میرزا[3] ابوالقاسم بابر

میرزا علاء الدوله چون خاطر از جانب میرزا الغ بیگ جمع ساخت رایِ عزیمت بصوبِ مشهد برافراخت، و چنان بسرعت نهضت[4] نمود ۱۰ که مرکبِ سبک عنانِ صبا بگردِ او و هم او نمی رسید، شهسوارِ گران رکابِ آفتاب از همراهیِ اشهبِ او عاجز می گشت بیت

تگاور[5] دستبرد از باد می بُرد زمین را دَورِ چرخ از یاد می بُرد

سمندِ بادپا را آنچنان تاخت که یکرانش دو منزل را یکی ساخت

و میرزا ابوالقاسم بابر در حدودِ ولایت[6] خبوشان با دریای لشکرِ جوشان و خروشان صفها برآراست بیت

---

[1] در آک + : در ضمن هر بلای مدرج سعادتیست ـ مغز لطیف تعبیه در استخوان بود،

[2] از روی آ و ب ت، [3] فقط ک : با میرزاده قاسم، [4] ک آک : عزیمت بجای نهضت،

[5] خمسه نظامی (خسرو و شیرین) ص ۲۷۰، [6] فقط آ ــــ،

شهنشاهِ بوالقاسمِ[1] نیک نام　　برآراست لشکر بسازِ تمام

و میرزا علاء الدوله تا مشهد رفته توقف نمود و امراء تمام لشکر که در برابر میرزا الغ بیگ برده بود بطرفِ ولایتِ خبوشان روان فرمود بیت

ز دیگر طرف آن سپاهِ گران　　برآراست میدان گران تا گران

دو لشکر[2] چو شد راست بر جای جنگ　　نمودند بر پیشدستی درنگ

مگر در میان صلح آید پدید　　که شمشیرشان بر نباید کشید

و چون آن دو سپاهِ رزمخواه بدست و گریبان نزدیک رسیدند امراء آن دو پادشاه و مقربانِ دولتخواه مصلحت چنان دیدند که میانِ هر دو گوهرِ کانِ سلطنت، و دو لعلِ تاجِ خلافت، دو پادشاه عالی مقدار، ۱۰ دو برادرِ بزرگوار صلح و آشتی شود، چه میرزا الغ بیگ که بحقیقت وارثِ مملکت[3] خود را می داند اگرچه فی الجمله تسکینی یافته شاید از آن قرار برگردد و قصدِ مملکت کند، و اگر این دو پادشاه زاده اتفاق[4] نمایند باشد که بارِ دیگر متعرضِ این ولایت نشود بیت

گر اتفاق نمایند و عزم جزم کنند　　سرِ دکه پردهٔ افلاک را ز هم بدرند

امراء دولت و ارکانِ سلطنت در وقتی که هر دو سپاه صفها آراسته در برابر یکدیگر ایستاده بودند در میانِ میدان فرود آمدند و درین باب سخن با طناب کشیده عاقبت چنان مقرر شد که ولایتِ خبوشان ۱۵ در میانِ فاصله باشد و عهد و پیمان بستند، و هر یک بیت (ورق ۱۰۱ ب)

بمنزلگهِ خویش گشتند باز[5]　　بخوبی شده صلح را چاره ساز

میرزا علاء الدوله از مشهد بجانب دار السلطنه هراة عزیمت نمود،

---

۱ ک: ابوالقاسم، ۲ رک به خمسه نظامی (اسکندرنامه) ص ۱۱۱۰ س ۲۰ و ۲۳، ۳ آ ک: ملک، در بجای مملکت، ۴ فقط آ، ۵ فقط ک: باز آمدند،

و بتمکینِ تمام در آن فرخنده مقام قرار و آرام فرمود، و از آن طرف میرزا
ابوالقاسم بابر عنانِ یکرانِ مراد بصوبِ ولایتِ مازندران انعطاف داد
و منازل و مراحل پیمود تا در مستقرِ دولت و سریرِ سلطنت نزولِ اجلال[۱]
فرمود ع

چو خورشید آمد ببرجِ شرف

ذکرِ نهضتِ میرزا ابوالقاسم بابر بعزمِ تسخیرِ ولایت ساری در غایتِ سلطنت و کامگاری

میرزا ابوالقاسم بابر چون از مملکتِ خراسان بجانبِ جرجان و مازندران
معاودت فرمود[۲] از سرداران ولایتِ جرجان استماع فرمود که والی ساری
امیر شمس الدین محمد سر از ربقهٔ طاعت داری و گردن از طوق فرمان برداری ۱۰
برتافت، و روی از طریقِ وفاق بشیوهٔ نفاق آورد، و با آنکه مشارٌ الیه[۳]
و آبا و اجدادِ او همیشه باج گذار و فرمان بردارِ این دولت بوده اند و امثله
و احکام را امتثال نموده اند مرتضا مشارٌ الیه[۴] آن قاعده را بر انداخت
و آن باب را مسدود ساخت، و چون پرتوِ این معنی بر ضمیرِ منیر روشن شد
آتشِ حمیّت در خاطرِ خطیر بنوعی برافروخت که گفتی بشعلهٔ خشم و شرارِ قهر جهان

---

[۱] آ ب ب آ ک: جلال (بجای اجلال)، [۲] در حبیب السیر ۳ : ۳ : ۱۵۳ بعد ذکر معاودت بجرجان گفته است: و چون باستراباد رسید، [۳] یعنی امیر شمس الدین محمد ابن المرتضی الحسینی که از ۸۴۳ھ تا ۸۵۶ھ در مازندران فرمان روائی کرد (زامباور ص ۱۹۳)،
[۴] یعنی امیر شمس الدین محمد،

خواهد سوخت، و فرمانِ همایون باستعدادِ سرانِ سپاه و استحضارِ گردن‌کشانِ درگاه نفاذ یافت، و جملهٔ امرا مقدّمهم امیر مبارزالدین هندو که برسم منغلائی[1] عزیمت نمود، و رایتِ ظفرآیت بعونِ عنایتِ باری بر سمتِ ولایت ساری نهضت فرمود، و امیرزا[2] ابوالقاسم بابر با عساکرِ گردون مآثر هر یک آتشِ سوزنده در صفِ کار، و آبِ خرامنده در میدان پیکار، و بادِ سریع السیر هنگامِ سواری، و خاکِ صابر گاهِ جانسپاری، تیغِ آتش فشان از نیامِ انتقام برآورده و سنانِ فتنه نشان برگوشِ تگاوران راست کرده روان شد در وقتی[3] که شبیر سوارِ آسمان تیر در کمانِ فلک رانده بود، و گلبن از زینتِ انوار و چمن از زیورِ ازهار خالی مانده، سحاب سراپرده در فضاء عالمِ علوی کشید و تتق بر چهرهٔ نوربخشِ آفتاب پوشید ۱۰

بیت[4] نمیکند نظرِ مهرِ آسمان بزمین
که درمیانهٔ ایشان[5] کدورت است حجاب

و از آن جانب والی ساری لشکرِ بسیار چون اوراقِ اشجار و قطراتِ امطار فراهم آورد، و هرچند او را مجالِ جدال نبود و طاقتِ مقاومت محال می‌نمود امّا بناکام چون خود را در کام اژدهاء قتّال دید بیت

وقتِ ضرورت چو نماند گریز دست بگیرد سرِ شمشیرِ تیز

بادِ کردار گردِ فتنه برانگیخت، و خاکِ ادبار بر فرقِ روزگارِ ولایتِ خود ریخت، و ایّام آتشِ حرب برافروخت، و روزگار بشرارِ شرّ خرمنِ

---

[1] ک: منقلای، [2] آ: میرزا، [3] یعنی آفتاب در برج قوس بود، تحویل آفتاب در برج قوس قریباً به ۲۳ نومبر می‌شود، [4] رک به کلیات سلمان ساوجی ص ۲۴، [5] کلیات: هر دو بجای ایشان،

حیات می سوخت، و هر دو لشکر از طرفین پیش آمدند بیت

دو لشکر بجنبید رزم آزمای — چو سیلاب طوفان که جنبد ز جای

دو لشکر نگویم دو کوه از شکوه — قیامت بود چون بجنبید کوه

نه بیم از خدنگ و نه باک از سنان — قضا را بتسلیم داده عنان

جمعی امرا که برسم منغلای[1] پیش رفته بودند و مخالفان نیز جرأت

و جلادت نمودند و گروه انبوه بعزم رزم و آهنگ جنگ در برابر آمدند ۲۱۰ ب

جنگ سخت در پیوست قطعه[2]

روز کین وقتی[3] که مردان در صف میدان رزم

پشت بر جان و جهان کردند، و رو در[4] یکدگر

آن زمان کز گرد میدان چشم گردون گشت کور ۱۰

وآن زمان[5] کز بانگ اسپان گوش گیتی گشت کر

شهسواران درمیان نیزها جولان کنان

چون بر اطراف نیستان روز کین شیران نر

جز سپر نقشی نمی گردید آن دم در خیال

جز سنان چیزی نمی کرد آن زمان بر[6] دل گذر

همچو تیر از هر طرف می جست برق سهم[7] و خوف*

همچو گرد از هر طرف می خاست باد شور و شر

و هرچند آن میدان جنگ و معرکهٔ نام و ننگ جنگل و بیشه بود از

---

[1] ک: شعلا، آ: منغلا، [2] از کلیات سلمان ساوجی ص ۴۲۷ س ۱۸ ببعد (بحذف بعض ابیات)، [3] فقط ک مثل متن، باقی نسخ: روزی (بجای وقتی) کلیات مثل متن، [4] کلیات: بر (بجای در)، [5] کلیات: نفس (بجای زمان)، [6] کلیات: در (بجای بر)، [7] ک: وهم و خوف، کلیات: سهم خوف،

تشابکِ اشجار و تداخُلِ[1] اوراق و ازہارِ مُسرعِ صبا آمد شد نمی نمود، و درختان
سر در سر آورده حجابِ شعاعِ آفتاب و مانعِ ضیاءِ کواکب می گشت و[2]
چشمها را در آرزوی روی مہر آب حسرت در دہان می گشت[3] بیت

درختان چنان درہم آورده سر | که در روی صبا را نبودی گذر
تہِ بیشه از سایه چون شب سیاه | ندیده گہی روی خورشید و ماه

و گل ولای بمرتبۂ که سمندِ باد پیما را بسینه بر می آمد و آتشِ قتال
چنان اشتعال داشت که آب تیغ خون افشان بگردن می رسید بلکه از
سر می گذشت، امّا مردانِ مرد و دلیرانِ میدانِ نبردِ داستانِ رستم
دستان را پایمالِ نسیان ساخته سرگذشتِ ہفت خوان را از سر
۱۰ مازندرانیانِ دیو سار بیرون بردند، و چون راہہا بواسطۂ جنگل ولای
کشاده نبود و در مضیقِ طریقِ آن عبور و مرورِ لشکرِ منصور دشوار می نمود[4]
ہر سردار بزخمِ تیغ صاعقه کردار غنیم خود پس نشانده پیش می رفت، ناگاه در
اثناءِ راه فوجی از سپاهِ مخالف کمینِ غدر کشاده در برابر شیخ منصور قزاق پیدا شدند و راہہا بر
لشکرِ منصور بسته دست بقتّاکی و بی باکی کشادند، و تنی چند از سپاهِ منصور بدرجۂ
شہادت رسیدند[5]، و باقی مکسور و مقہور روگردان شدند و امیر مبارز الدین
ہندوکه و امیر خدایداد با جمعی که شیخ منصور را رانده بودند باز خوردند، و
بیک حملۂ مردانه و دستبردِ دلاورانه جمله را از پای درآوردند، و سیّد عزیز که
روی سپاه ساری و پشت و پناهِ آن گروه بود نشانۂ چند تیرِ کاری شده

---

[1] ک: مداخل، [2] در ک — 'از روی آ'
[3] کذا در ک، در دیگر نسخ: نمود بلکه، [4] آ با ب: رسانیده
و بجای رسیدند، ک: رسیده،

زخمها گران[1] بدو رسید، و خسته جسته خود را بمامنی رسانید و اهل خواری[2] که تابع فرمانِ او بودند بفغان و زاری می گفتند یا اَیّها العزیز[3] مَسّنا واهلنا الضُرّ و عزیزِ آن قوم خوار[4] و زبون شده بعد از دو سه روز بآن زخمها جانسوز در گذشت، و حقیقت آنکه سرآمدِ آن لشکر و جهان پهلوانِ آن حشر بود،

و لشکرِ ساری مانندِ تیر پرتاب آتش[5] پائی شده همچو بادِ خاک پیما روی بسوی فرار آوردند، و لشکرِ منصور بسیاری از آن گروهِ مغرور بتیغ قهر گذرانیده از سرها(ی) شان منارها ساختند، تا ندای فتح بمسامع جهانیان رسید[6] و صدای نصرت و اقبال از مرکز خاک بمحیطِ افلاک[7] برآمد[8]،

و بقیة السّیف که مانده بود سراسیمه خود را از آن مهلکه بیرون انداختند، ۱۰ و بانواعِ حیل بیشه[9] و جنگل را حصار ساختند قطعه[10]

همچون کشف عدوّ[11] ترا پوست شد حصار

چون کرم پیله خصم ترا جامه شد کفن

با حملهٔ شمال چه تاب[12] آورد چراغ

با دولتِ همای چه پهلو زند زغن

اورق ۱۱۱۴ و میرزا ابوالقاسم با بر بجمعیّتِ تمام روان شده چون شب ۱۱۱۴ ر

در آمد و در راه جنگل و لای بسیار بود بهمان محلّ که رسیده بود توقّف

---

[1] ققطاک: کاری آ و دیگر نسخ: گران، [2] کـ: خواری (بجای اهل خواری) اک: اهل ذل و هوان، شاید که "اهل خواری" باید خواند که به متن اولی است، [3] قرآن مجید ۱۲ (سورهٔ یوسف): ۸۸، [4] اک: خارند بجای خوار، [5] آ با: آتش اک: آتش بای، ب: مثل متن، [6] ب اک: رسد (بجای رسید) با: مثل متن، [7] اک آ ب: برآید بجای برآمد، با: مثل متن، [8] ققطاک ـ، [9] کلیات سلمان ساوجی ص ۱۱۲، [10] اک: عدوی ترا، کلیات: جهود ترا (بجای عدوی ترا)، [11] کلیات: باد (بجای تاب)،

نمود و سپاه آرام گرفته، ناگاه معدودی چند بعد از چند پاس با وہم و
ہراس و بیم و یاس آمده عرضه داشتند که غلبهٔ انبوه از مخالفان حمله
آورده لشکرِ منصور را پس نشاندند، و متعاقب گروہی دیگر رسیده موافقِ
خبرِ اوّل مفصّل عرض کردند، و شیخ منصور که از صدمتِ جنگ روگردان
شده بود رسید و مطابقِ کلام سابق بعرض رسانید و گفت امرا و سپاه
متفرق شده ہرکس بطرفی بیرون رفتند ع

چشم زخمی عظیم واقعه شد

اکنون مصلحت چنان می نماید که آنحضرت بجانبِ جرجان معاودت
فرماید، و میرزا ابوالقاسم بابر[1] ع

۱۰ بر آشفت آشفتنی خشمناک

و بانگ بروی زده فرمود که چون امرا و بہادران را درین محل
صورتی واقع شده اگر از آسمان طوفانِ بلا بارد و زمین سراسر آتش گیرد
تا جزاءِ کردارِ آن اشرار بدیشان نرسانیم برگشتن محالست، و چون
کوهِ راسخ دست بر کمرِ ثبات زده و پای در دامنِ وقار کشیده در آن مقام
قرار و آرام گرفت و تمکین[2] و تسکین فرمود بیت

بر وقارِ تو سنگی نهاد خود را کوه
بر و بقهقهه خندید کبکِ کہساری

و دغدغه و اضطراب ننمود بیت

بجای که کار اندر آید بتنگ جگر باید آنجا و لختی درنگ

---

[1] فقط ک : و امیرزا قاسم بابر بہادر، آ و دیگر نسخ مثل متن۔ [2] آ با ب : تسکن
دہ ما، تسکین، اک : قرار،

و آن شب بخیر و سعادت گذرانید بیت

تا بوقتی که دستِ صبح کشاد   از فلک عقدہای درِّ ثمین

و آثارِ طلیعۂ سحر در اقطار جهان پدید آمد و ترکِ سفیده دم خنجر از قرابِ خاور برکشید و از اشعۂ خنجر و لمعان تیغ سحر عرصۂ گیتی منوّر کرد بیت

بامدادان که ز خلوتگه کاخ ابداع

شمعِ خاور فگند بر همه اطراف شعاع

برکشد[1] آینه از رخ گردون دوران

بنماید رخ گیتی بهزاران انواع

میرزا عزیمت فرمود و اندکی رفته قاصدی از پیشِ امرا آمد و سری چند از گردنانِ آن سپاه آورده قضایای سابق عرضه داشت   ۱۰
و موقفِ عرض رسانید که مخالفان همچون بنات النعش پریشان شده بودند و باز ثریّا آسا اجتماع ساخته گروهی انبوه بهم پیوستند، اگر سایۂ رایتِ خورشید آیت ظلِّ همایون بر سر سوختگان آفتاب عَنا[2] انداز د ع

امّیدِ حیات می توان داشت،

آنحضرت از اسماعِ این خبر چون آتش برافروخت و بسرعت حرکت تر و خشکِ آن بیشه درهم سوخت، و بعد از نماز پیشین بامراء پیشین رسیده آوازِ نقارۂ شاهی و صدای کورگۂ شاهنشاهی ع

تزلزل در افگند در کوه و دشت

و چون مسافتِ بعیده قطع شده بود و سپاه از زحمتِ راه بستوه آمده موکبِ منصور بآنجاه رسیده بود توقّف نمود بیت

[1] آ ب: برکشند (بجای برکشد)، آ: برکشید اگ شل متن،   [2] ک: عنایت (بجای عنا)،

شه و لشکر از رنج ره سودگی
رسیدند لختی باآسودگی،

وقصۂ شیخ منصور برسیده، چنان معلوم شد که امرا بسبب
تنگی راه از حالِ یکدیگر آگاه نبوده اند، و شیخ منصور نا منصور از
۱۱۴ ب مخالفانِ روگردان شده ا خبرِ غیر واقع بعرض رسانید،[له] و میرزا
ابوالقاسم بابر آن شب رعایتِ حزم نموده احتیاطِ تمام فرمود بیت

همه شب در اندیشۂ کارزار | نمودند تا روز ترتیب کار
چو صبح از افق تیغ بیرون کشید | همه دامنِ چرخ در خون کشید
دگر باره شیران بجوش آمدند | بشیر افگنی در خروش آمدند

۱۰ وآنحضرت ع

نهنگی بکف اژدهائی بزیر

بجانبِ مخالفان نهضت نمود، و هنوز فرسنگی نرفته بود که مبشّرِ
اقبال نوید بشارت رسانید که دیروز از غلغلۂ کوسِ قیامت
اثر و طنطنۂ نقارۂ سلطانِ بحر و برّ مخالفان که حرکت المذبوحین
می نمودند یکبارگی ویران شدند، و از پردۂ غیب لطیفه وما النّصر
الّا من عند اللّٰه پیدا آمد و اخترِ ظفر از مشرقِ مراد تابان شد بیت[ٹه]

صبح ظفر از مشرقِ امّید برآمد
اصحاب غرض را شبِ سودا بسر آمد
از غنچۂ پیکان و ز بادِ دمِ شمشیر
۲۰ بشگفت گلِ فتح و نسیم ظفر آمد

[له] آ ــ [ٹه] رک به کلیات سلمان ساوجی ص ۶۰،

ومیرزا ابوالقاسم بابر بر آن فتح نامدار شکرِ حضرت پروردگار بجای آورد، وآنجماعت که اظهارِ شجاعت کرده بودند بمواهبِ انعام و مواجب اکرام اختصاص یافته از ابرِ احسان و بحرِ عاطفتِ بی کران نصابی وافی و نصیبی وافر گرفتند، و سپاهِ ظفرپناه از غنایم بسیار کانِ یسار و بحرِ استظهار شدند وولایتِ ساری که طریقِ استخلاص آن بر خسروانِ جهان بسته بود کشاده گشت، و در قبضهٔ اقتدار آمده در حریم مُلک افزود قطعه[1]

ترا بملکِ زمین تهنیت نیارم گفت
که عقل را بود اینجا[2] مجالِ طنّازی
سپهر و مهر بخاکِ در تو می نازند
بسیطِ خاک چه باشد که تو بدآن نازی

و موکبِ منصور عزمِ بلدهٔ ساری نموده همای دولت سایهٔ سعادت بر آن خطّه انداخت، و والی ساری که از صدمتِ جنگ در جنگلها متواری شده بود بیت
فرو گرفت[3] جهانرا مهابتِ تو چنان
که هست دم زدنِ دشمنت بدشواری

امرا و اعیانِ دولت را وسیلهٔ مرحمتِ آنحضرت ساخته مال ومنال ذریعهٔ[4] امن و امان دانست، و عرضه داشت که اگر

---

[1] قصائد ظهیر فاریابی ص ۲۵، [2] قصائد: آنجا (بجای اینجا)،
[3] ظهیر فاریابی (ص ۱۱): زحشمت تو چنان تنگ شد فضای جهان (بجای مصراع متن)،
[4] ک: ودریعه (بجای ذریعهٔ)؛ ب، وذریعهٔ آ: را دراعه،

آنحضرت عنایت فرموده معتمدی ارسال نماید و عهد و پیمان کرده
ازگناه بنده گذرد بنده تا زنده باشد پای از حد خود بیرون
نهد بیت

یکی بنده باشم بفرمانِ شاه نه پیچم سر از عهد و پیمانِ شاه

وچون مشار الیه اختری بود از برج نبوّت وگوهری از درجِ
فتوّت میرزا ابوالقاسم بابر ازانجا که کمالِ کرمِ او بود ملتمسِ او را
اجابت فرمود، و جناب مولانا اعظم صدر الصدور فی الآفاق مولانا[1]
شمس الدین محمد بخاری را برسمِ رسالت ارسال نمود،
و مولانا بیت

۱۰ بفرخنده شغلی که فرمود شاه بخدمت کمر بست و پیمود راه

وچون بوالی ساری رسید امیر سید محمد اعتذارِ بسیار اظهار کرد که
ما در مقامِ اطاعت و انقیاد ثابت قدم و راسخ دمیم، و هرگز غیر از
فرمان برداری و باج گذاری طریقی دیگر مسلوک نخواهیم داشت، و
دامانِ دولتِ بندگانِ این خاندان هرگز از دست نخواهم گذاشت،
۱۴۱ ر (ورق ۱۴۱ ر) مولانا شمس الدین محمد صدر اجازت یافته مراجعت
نمود و کسی از معتمدانِ او همراه آورده سخنِ او بموقف عرض رسانیدند،
و آنحضرت عفوِ قدرت آمیز از لوازم مکارمِ اخلاق دانسته جرم و جُناح
او را بجناحِ بخشش و ذیلِ بخشایش پوشانید دانّ اولی[2] النّاس بالعفو[3]

۱؎ در حبیب السیر ۳ : ۳ : ۱۵۲ او را "مولانا محمد بخاری معماری" نوشته است،

۲؎ نقط بآ : اول دبجای اولی ؛ ۳؎ فقط ب :
العفو دبجای بالعفو ؛

اورینٹل کالج میگزین (حصۂ اردو)

اس علمی، ادبی اور تاریخی سہ ماہی رسالہ کا سالانہ چندہ ۱۲ ہے۔ اس رسالہ کا ...
پنجاب یونیورسٹی عربک اینڈ پرشین سوسائٹی کی طرف سے شایع ہوتا ہے اس کا سالانہ چندہ ...
یہ رسالہ ۱۹۲۵ء سے شایع ہو رہا ہے، سابقہ نمبر تھوڑی سی تعداد میں باقی ہیں
(اگست ۲۷ و ۳۱ء کے دو رسالوں کے کہ وہ ختم ہو چکے ہیں) قیمت فی نمبر . . .

ذیل کے مقالات اور کتابیں جو اس رسالہ میں شایع ہوئیں الگ بھی مل سکتی ہیں:

(۱) ضمیمۂ اورینٹل کالج میگزین جلد اوّل نمبر ا سلسلہ نمبر ا
غزلیات حضرت امام العالم، غوث الاعظم امیر سید محمد الملقّب بہ نوربخش قیمت

(۲) سفرنامۂ چین ۸۱۹ تا ۸۲۲ھ یعنی مضمون مُحصّل روزنامچہ خواجہ غیاث الدّین (نقّاش) ایلچی بایسنغر میرزا ابن شاہرخ میرزا ابن امیر تیمور گورگان کہ حافظ ابرو در زبدۃ التواریخ درج نمودہ . . . . . . قیمت

(۳) فہارس لسان العرب حصّۂ دوم (فہرست قوافی) از مولوی عبد القیوم ایم۔ اے۔ (زیر طبع)

(۴) مطلع سعدین از کمال الدّین سمرقندی۔ مرتّبہ پروفیسر محمد شفیع ایم۔ اے، پرنسپل اورینٹل کالج لاہور۔ ۶۷۶ صفحے چھپ چکے ہیں۔ باقی کتاب زیر طبع ہے

(۵) تلخیص مجمع الآداب فی معجم الالقاب۔ لابن الفوطی، جلد ۵۔ کتاب الکاف۔ قیمت

تمام درخواستیں پرنسپل اورینٹل کالج لاہور کے نام آنی چاہئیں